وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

تفسیر
ضیاء القرآن

۲

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

اعراف تا بنی اسرائیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

ضیاء القرآن

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

ضیاء القرآن

(الکریم)

جلد دوم

اعراف ___ تا ___ بنی اسرائیل

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	ضیاء القرآن (جلد دوم)
مفسر	حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	2015ء
مطبع	ضیاء القرآن پرنٹنگ پریس، لاہور
تعداد	تین ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT2

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212
e-mail:-info@zia-ul-quran.com
Visit our website: www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تعارف سورۃ الاعراف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِس سورۂ پاک کا نام الاعراف ہے۔ یہ ۲۰۶ آیتوں اور چوبیس رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اور اُس کے الفاظ کی تعداد ۳۳۲۵ ہے۔

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کی پانچ یا آٹھ آیتیں مدنی ہیں (وَسۡئَلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الخ (1)) لیکن محققین کا مختار قول یہ ہے کہ اس کی تمام آیتیں بلا استثناء مکی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بسند صحیح یہی مروی ہے۔(2)

سورۃ الانعام اور الاعراف کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔ یعنی ہجرت سے پہلے مکی دور کے آخری سالوں میں اس کا نزول ہوا۔

اس سورت میں بھی خطاب انہیں لوگوں سے ہے جو سورۃ الانعام میں مخاطب تھے یعنی مشرکین عرب۔ اِس لیے انہیں کے عقائد باطلہ کی تردید، انہیں کے اوہامِ فاسدہ کا بطلان، انہیں کی غلط کاریوں کا ازالہ اور انہیں کی کج فہمیوں کی اِصلاح پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔ سابقہ سورت میں جو مسائل اجمالاً مذکور ہوئے تھے یہاں اُنہیں تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلے بھی بتایا گیا تھا کہ انبیاء کرام نے جب اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی اور اس کے لیے نا قابلِ تردید دلائل پیش کیے تو ان میں غور وفکر کرنے کے بجائے ان کی قوموں نے ان کا مذاق اُڑایا، ان کی تکذیب کی اور اُنہیں اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اِس سورت میں متعدد انبیاء کرام نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام کا نام لے کر اُن کے احوال بیان فرمائے اور ان کی قوموں نے جو ناروا سلوک اور معاندانہ برتاؤ اپنے مخلص، پاکباز رہنماؤں کے ساتھ کیا اس کا ذکر کیا۔ اور اس حقیقت کو بڑی فصاحت سے آشکارا کیا کہ جب مزاج بگڑ جاتا ہے اور فطرتِ سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے تو اس وقت حق پذیری کی اِستعداد بے کار اور مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ صداقت کا آفتاب اپنی تمام تابناکیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے لیکن آنکھیں اس کے نور کو نہیں دیکھ سکتیں۔ دلائل کی زبان اعلانِ حق کر رہی ہوتی ہے لیکن کان اسے سن ہی نہیں سکتے اور دل و دماغ حق سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ افہام و تفہیم، ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر ثابت نہیں ہوتی۔

1۔ سورۃ الاعراف: 163 2۔ تفسیر روح المعانی، ج 4، جز 7، ص 74، دار احیاء التراث العربی، بیروت

مختلف رسولوں کے احوال بتانے کے بعد کئی رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تفصیلاً بیان فرمائے۔ آپ کو دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ ایک فرعون اور اس کے حواری اور دوسرے آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل۔ پہلا طبقہ حکمران تھا جسے بے پناہ اختیارات اور مراعات حاصل تھیں۔ ملک کی ساری دولت وثروت ان کی ملکیت تھی۔ عیش وعشرت کے سب سامان انہیں میسر تھے۔ وہ کسی قیمت پر ان سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ حتیٰ کہ جب ان کے مقرر کیے ہوئے معیار کے مطابق حق واضح ہوگیا، ان کے بلائے ہوئے جادوگر معجزاتِ نبوت کے سامنے اپنے نظر فریب سحر کی بے سروپائی کا اعتراف کرکے باطل سے تائب ہوگئے اور حضرت کلیمؑ پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے تب بھی فرعونی ذہنیت نے قبولِ حق سے گریز اِختیار کیا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ناجائز اِختیارات اور مراعات سے محروم ہوجائیں، ان کی لوٹ کھسوٹ پر پابندیاں لگادی جائیں اور ان کی عیش ونشاط کی بساط اُلٹ دی جائے۔ اور وہ اس کے لیے کسی طرح آمادہ نہ تھے۔

دوسرا طبقہ جس سے آپ کو واسطہ پڑا تھا وہ آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھی جو مدتِ دراز سے غلامی کی زندگی گزار رہی تھی۔ ان کی ہمتیں پست اور ولولے سرد ہوچکے تھے۔ ذِلّت کی پستیوں میں پڑے رہنے میں وہ بڑی لذت محسوس کرتے تھے۔ ان کی تن آسانی کا یہ عالم تھا کہ عزت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے وہ کسی جدوجہد کے لیے آمادہ نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑے بغیر فتوحات کے دروازے اُن پر کھول دیئے جائیں۔ اور تو اور اُنہیں کھانے پینے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے نہ پڑیں۔ بلکہ آسمان سے پکا پکایا کھانا ان کے دسترخوانوں پر چن دیا جائے۔ اُن کی تعمیری قوتیں اتنی فرسودہ اور افسردہ ہوچکی تھیں کہ جدّتِ فکر اور ندرتِ عمل کا ان کے ہاں تصور تک نہ تھا۔ دوسروں کی تقلید اور پیروی کے لیے وہ ہر لحہ آمادہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے وہ فرعون کی غلامی سے آزاد ہوکر وادیٔ سینا میں پہنچے اور وہاں کے بت پرستوں کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے لیے ایسا ہی بت بنانے کی فرمائشیں شروع کردیں اور آپ کی سرزنش پر بظاہر تو خاموش ہوگئے لیکن جب آپ چلہ کشی کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو خداوندِ حی وقیوم کو چھوڑ کر فوراً سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پرستش شروع کردی۔

ان تمام واقعات سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ احکامِ الٰہی سے دانستہ اور پیہم سرکشی، بے پناہ قوت واِختیار کا خمار اور ایسے ہی غلامانہ زندگی افراد واقوام کے ذہنوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ اور انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اِن بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی اِصلاح کی جائے تاکہ ایک ایسا معاشرہ معرضِ وجود میں آجائے جو طاقتور ہونے کے باوجود اِنصاف پرست ہو۔ نظم وضبط کا پابند ہونے کے باوجود غلامانہ بے بسی کا شکار نہ ہو۔ اور اس میں حقوق اور فرائض کے ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہوں۔ لیکن جو بدنصیب اللہ کے پیغمبروں کی مشفقانہ پندوموعظت کو قبول نہیں کرتا اور اپنی گمراہی پر بضد رہتا ہے تو مکافاتِ عمل کا قانون اُسے پیس کر رکھ دیتا ہے اور اُس کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی سے مٹادیا جاتا ہے۔

نوعِ اِنسان کے عہدِ طفولیت میں ہر قوم کی طرف الگ الگ نبی مبعوث ہوئے جو وقتی اور مقامی ضروریات کے پیشِ نظر

اِصلاحِ احوال کے لیے کوشاں رہے لیکن آخر میں وہ نبی مکرّم اور رسولِ معظم تشریف لایا جس کی دعوت زمان و مکان کی حد بندیوں سے نا آشنا تھی۔ وہ تمام اِنسانوں کا قیامت تک کے لیے ہادی و مرشد بن کر جلوہ افروز ہوا تھا۔ اِس لیے اُس نے کھلے الفاظ میں یہ اعلان فرمادیا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔(1) اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اِس مقام پر ان عظیم مقاصد کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے جن کی تکمیل کے لیے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔

1۔ سورۃ الاعراف: 158

سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتٌ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ اعراف مکی ہے اس کی ۲۰۶ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں اور ۲۴ رکوع ہیں

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ

الف لام میم ۔صاد۔ یہ کتاب ہے نازل کی گئی ہے آپ کی طرف پس چاہیئے کہ نہ ہو آپ کے سینہ میں کچھ تنگی ۱

مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ

اس (کی تبلیغ) سے (یہ نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ ڈرائیں اس سے ۲ اور یہ نصیحت ہے مومنوں کے لیے (اے لوگو!) پیروی کرو جو نازل کیا گیا ہے ۳

۱؎ یہ سورت ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے نازل ہوئی۔ اس وقت کفار و مشرکین کی اِسلام دشمنی حدِّ کمال تک پہنچ چکی تھی۔ آیاتِ الٰہی کی تکذیب، احکامِ شرعی کا مذاق، مسلمانوں پر جور و جفا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم ان کا مقصدِ حیات بن کر رہ گیا تھا۔ اُنہیں راہِ راست پر لانے کی ساری کوششیں بظاہر بے اثر معلوم ہو رہی تھیں۔ جس سے حضور علیہ السلام کے دِل نازک کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود فرمانِ خداوندی یہ تھا کہ دعوتِ حق دیتے چلو، پیغامِ حق سناتے رہو، راہِ راست کی طرف بلاتے رہو۔ اِس لیے اس سورت کے آغاز میں اپنے محبوبِ کریم کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ آپ ان کفار کے معاندانہ رویّہ سے تنگدل نہ ہوں بلکہ اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں اور اس کتابِ مقدس کی تبلیغ میں سرگرم رہیں۔ لفظ حَرَجٌ حَرَجَةٌ سے ماخوذ ہے۔ اور حرجہ گھنے درختوں کے اس جھنڈ کو کہتے ہیں جن کی شاخیں آپس میں اتنی الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان میں سے کوئی گزر نہیں سکتا اور گزرنے والا وہاں پہنچ کر حیران و ششدر ہو جاتا ہے۔ حَرَجٌ مِّنَ الْحَرَجَةِ الَّتِيْ هِيَ مُجْتَمَعُ الشَّجَرِ الْمُشْتَبِكِ الْمُلْتَفِّ الَّذِيْ لَا يَجِدُ السَّالِكُ فِيْهِ سَبِيْلًا وَّاضِحًا يَّنْفُذُ مِنْهُ (المنار)(1) اسی مناسبت سے تنگئ دِل کو بھی حرج کہتے ہیں۔ کیونکہ مخالفت کی آندھیوں میں انسان پریشان ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اِس لیے مفسرین کرام نے اس کا معنی تنگئ دِل کیا ہے۔ حَرَجٌ اَيْ ضِيْقٌ اَيْ لَا يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِالْاِبْلَاغِ (قرطبی)(2)

۲؎ آیت کے اِس حصہ میں نزولِ قرآن کا مقصد بیان ہو رہا ہے کہ کفار اور منکرین کے لیے تو یہ اِنذار (ڈرانے) کا کام دیتا ہے اور انہیں بتا رہا ہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہارا انجام بڑا عبرتناک ہوگا اور مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے اور انہیں ہر آن وہ عہد یاد دلاتا ہے جو اُنہوں نے اِسلام قبول کرتے وقت اپنے رب سے باندھا تھا۔ ذکر کا معنی ہے صرف یاد کرانا۔ لیکن ذِكْرٰى کا معنی بہت زیادہ اور بار بار یاد کرانا ہے۔ وَالذِّكْرٰى كَثْرَةُ الذِّكْرِ وَهُوَ اَبْلَغُ مِنَ الذِّكْرِ (مفرداتِ راغب)(3)

۳؎ آیتِ سابقہ میں اپنے رسول کو حکم دیا کہ اِس کتاب کی تبلیغ میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں۔ اب اپنے بندوں کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے رسولِ اکرم کے ذریعہ ان کی طرف جو شریعت، جو احکام نازل کیے ہیں اس کی تعمیل سے سرِ مُو انحراف نہ کریں

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 04-303
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 4، جز 7، ص 160
3۔ مفرداتِ راغب، ص 329

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

تمھاری طرف تمھارے ربّ کے پاس سے اور نہ پیروی کرو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی۔ ۴؎ بہت ہی کم تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ

قبول کرتے ہو ۵؎ اور کتنی بستیاں تھیں ۶؎ برباد کر دیا ہم نے اُنھیں۔ پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا

اور انہیں چھوڑ کر کسی اور نظام قانون کا اتباع نہ کرنے لگیں۔ علمائے محققین نے تصریح کی ہے کہ جس طرح احکام قرآنی منزل من اللہ ہیں اسی طرح وہ احکام جن کو زبانِ رسالت نے بیان کیا ہے وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی رائے نہیں بلکہ وحیِ الٰہی ہی ہیں۔ يَعْنِي الْكِتَابَ وَ السُّنَّةَ (القرطبی) (1) وَيَعُمُّ الْقُرْآنَ وَ السُّنَّةَ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (بیضاوی) (2) علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کتاب وسنت دونوں ہیں کیونکہ سنتِ نبوی بھی منزل من اللہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ میرا محبوب اپنی ذاتی خواہش سے تو بولتا بھی نہیں۔ جو بذریعہ وحی اسے حکم ملتا ہے وہی اُس کی زبان پر آتا ہے۔

۴؎ اِس سے واضح ہوا کہ قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ کو چھوڑ کر منکرینِ حق اور مدعیانِ باطل کی آراء وافکار کی پیروی مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں۔ آج ہماری بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جہاں کہیں ہم احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی کو اپنے مفاد اور آسائش سے مزاحم پاتے ہیں اس وقت مصلحتِ وقت کا بہانہ کر کے قرآن وسنت پر اپنی اھواء اور آراء کو ترجیح دے دیتے ہیں۔

۵؎ یعنی جب تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم کچھ دیر تو اسے یاد رکھتے ہو لیکن قلیل عرصہ کے بعد اسے پھر بالکل فراموش کر دیتے ہو۔ مَا عملاً زائد ہے اور معنیٰ مفہوم قلت کی تاکید کرتا ہے۔ اَیْ تَذَكَّرُوْنَ تَذَكُّرًا قَلِيْلًا۔ (بیضاوی) (3)

۶؎ بسا اوقات انسان اپنی معاشی خوشحالی اور دُنیاوی عز وجاہ کی وجہ سے یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ زندگی کا جو راستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے وہی راہِ راست ہے اور اس کا آفتابِ اقبال اسی طرح ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ اِس لیے وہ کسی رہنما کی دعوت کو غور سے سننا ہی گوارا نہیں کرتا۔ یہی حالت مکہ کے سرداروں اور دولت مندوں کی تھی۔ وہ اپنے جاہ وجلال اور عزت ووقار پر اتنے مطمئن تھے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کی طرف متوجہ ہونا ہی غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اِن آیات میں ان کی چشمِ ہوش سے غفلت کا پردہ اُٹھانے کے لیے سابقہ قوموں کے عبرتناک انجام کا ذکر فرماتے ہیں کہ تمہاری طرح وہ بھی دُنیا کی فناپذیر لذتوں میں محو تھے اور ہمارے انبیاء کی دعوت پر غور وفکر تک کرنا اپنے لیے کسرِ شان سمجھتے تھے لیکن جب اُنہوں نے ہدایت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا تو ایسے لمحوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہوا جب کہ وہ خوابِ راحت کے مزے لوٹ رہے تھے۔ ان کو خبر تک نہ ہوئی اور ان کو نیست ونابود کر دیا گیا۔ اس لیے اے اہلِ مکہ اِس ڈھیل پر مت غرور کرو۔ مہلت کی گھڑیوں کو غنیمت جانو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ کم خبریہ ہے اور کثرت کے معنی پر دلالت کرتا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 161 | 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 199 | 3۔ ایضاً

هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝٤ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ

جب وُہ دوپہر کو سو رہے تھے پس نہ تھی ان کی (چیخ و) پکار جب آیا ان پر ہمارا عذاب بجز اس کے کہ

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ

انھوں نے کہا بے شک ہم ہی ظالم تھے ۷۔ سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے ۸۔ بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور

لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا

ہم ضرور پوچھیں گے رسُولوں سے پھر ہم ضرور بیان کریں گے ۹۔ (ان کے حالات) ان پر اپنے علم سے اور نہ تھے ہم

ہے۔ فَجَاءَهَا میں ''فاء'' ترتیب کے لیے نہیں بلکہ محض عطف کے لیے ہے۔ فَقَالَ الْفَرَّاءُ اَلْفَاءُ بِمَعْنَى الْوَاوِ فَلَا يَلْزَمُ التَّرْتِيْبُ (قرطبی) (1) اور علامہ بیضاوی نے اَهْلَكْنَا کا معنی کیا ہے: اَرَدْنَا اِهْلَاكَ اَهْلِهَا (2) یعنی جب ہم نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر عذاب بھیجا۔ اس حالت میں ''فاء'' اپنے معنی پر رہے گی۔ اور بعض علماء نے اسے فاء تفصیلیہ بتایا ہے۔ یعنی ہلاکت کی تفصیل کا بیان ہے کہ بعض قوموں پر رات کو عذاب نازل ہوا جیسے قوم لوط اور بعض پر دوپہر کے وقت جب وہ قیلولہ کر رہے تھے جیسے حضرت شعیب کی قوم پر (3)۔ قیلولۃ کہتے ہیں دوپہر کے وقت سونا یا صرف آرام کرنا۔ وَهِيَ نَوْمُ نِصْفِ النَّهَارِ وَقِيْلَ الْاِسْتِرَاحَةُ نِصْفَ النَّهَارِ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهَا نَوْمٌ۔ (قرطبی) (4)

۷۔ یعنی جب عذابِ الٰہی نے انہیں آ پکڑا تو لگے چیخنے پکارنے اور اعتراف جرم کرنے۔ لیکن اس وقت ان کی یہ چیخ و پکار اور اظہار ندامت ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ آج بھی ہر قوم اور ہر فرد کے لیے ان آیات میں درسِ عبرت موجود ہے۔

۸۔ امتوں سے بھی باز پُرس ہوگی اور انبیاء و رُسل سے بھی پوچھا جائے گا۔ (5)

۹۔ اس آیت میں ایک شبہ کا ازالہ کر دیا گیا جو شاید کسی کو دُن کے دل میں پیدا ہو کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ان باتوں کا علم نہ تھا کہ ان کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا۔ بتایا کہ ہمارے علم سے تو کوئی چیز مخفی نہیں اور ہمارا علمِ محیط ہر لمحہ ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے تھا۔ اِس پرسش میں حکمت یہ ہے کہ خود ان کی زبان سے ان باتوں کو منوا لیا جائے۔

۱۰۔ اعمال کے وزن سے کیا مراد ہے؟ میزان کی شکل و صورت کیسی ہوگی؟ کس چیز کا وزن کیا جائے گا۔ اعمال کا یا اُن صحائف کا جن میں اعمال مرقوم ہوں گے؟ ان سوالات کے متعلق کتبِ تفسیر میں لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ فرقہ معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 162
2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 199
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 324
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 163
5۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 25

غَآئِبِيْنَ ۝۷ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

ان سے غائب ۔ اور (اعمال کا) تولنا اس دن برحق ہے[1] پس جن کے بھاری ہوئے ترازو

اعمال اعراض ہیں۔ ان کے مادی اور محسوس اجسام نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا وزن کیا جانا ناممکن ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اچھے اور بُرے اعمال پر خوب آگاہ ہے تو پھر اُنہیں ترازو میں رکھ کر تولنا اور یہ دیکھنا کہ نیکی کا پلڑا جھکتا ہے یا بُرائی کا یہ سب تکلّف محض ہے۔ اِس لیے وزنِ اعمال کا جہاں جہاں ذِکر ہوا ہے معتزلہ کے نزدیک اس کا مطلب عدل وانصاف سے فیصلہ کرنا ہے۔ لیکن علماء اہل سنت وجماعت نے ان کی اِس رائے کو غلط اور فاسد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر اِس طرح تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر ہر چیز میں تاویل ہوسکتی ہے۔ شیاطین اور جنات سے مراد اخلاقِ مذمومہ، ملائکہ سے مراد صفاتِ محمودہ اور صراط سے مراد دینِ حق لیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین، صحابہ کرام اور تابعین نے اِس قسم کی تاویلات کو ہرگز اختیار نہیں کیا۔ نیز اعمال کے تولنے کی غرض وغایت یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص کی نیکیاں اتنی ہیں اور بُرائیاں اتنی۔ جیسے معتزلہ نے سمجھا ہے۔ بلکہ اِس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حقائق جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں اُن کو آشکارا کردیا جائے۔ اور ہر خاص وعام کو اپنے اعمال کی حقیقت پر مطلع کردیا جائے۔ ایسی پیچیدگیاں اور اُلجھنیں پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عالمِ غیب کی جن حقیقتوں سے ہم کو آگاہ کیا گیا ہے اور تقریبِ فہم کے لیے ان کو بعض ایسے عنوانوں سے تعبیر کیا گیا ہے جن سے ہم مانوس ہیں۔ تو ہم اپنے ذہنوں کی تنگ دامانی کے پیشِ نظر عالمِ غیب کے ان حقائق کو بھی ان محسوس قالبوں میں ڈھالنے لگتے ہیں جن کے ہم عادی ہیں۔ اور اس طرح قسم قسم کی الجھنوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ان امور کو صحیح طور پر سمجھنے کا یہی محفوظ طریقہ ہے کہ جتنا کچھ اس مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے صدقِ دل سے اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کریں۔ قرآن نے بتایا کہ اعمال کا وزن ہوگا اور اس کے لیے ترازو رکھا جائے گا اور سنت صحیحہ نے بتایا کہ اس میزان کے دو پلڑے ہوں گے۔ ہم اس پر بے چون وچرا ایمان لے آئیں۔ وہ ترازو کیسا ہوگا؟ اس کے پلڑوں کی نوعیت کیا ہوگی؟ اور اعمال جو مجردات ہیں اِن کو کیونکر تولا جائے گا؟ اس کے علم کو اللہ اور اُس کے رسولِ مکرم کی طرف تفویض کردیں اور ان کی تفصیلات متعین کرنے میں اپنا وقت ضائع اور ذہن پریشان نہ کریں۔ اگر انسانی عقل نے آج حرارت اور روشنی کے درجات کو ناپنے، ہوا اور پانی کے دباؤ کا اندازہ کرنے کے لیے مقیاس اور آلات ایجاد کرلیے ہیں تو اُس قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ سے کیا بعید ہے کہ وہ ایسا ترازو پیدا فرمادے جس میں اعمال نیک وبد کو تولا جاسکے۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ کی ترکیب میں علماء کے دو قول ہیں۔ اَلْوَزْنُ موصوف اَلْحَقُّ صفت مبتداء اور يَوْمَئِذٍ خبر۔ یا الوزن مبتداء اور الحق خبر (1)۔ میں نے ترجمہ میں اس دوسرے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 27

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ وہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَ

جنھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو بوجہ اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ا۱ بے انصافی کیا کرتے تھے اور

لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا

یقیناً ہم نے ہی آباد کیا تمھیں زمین میں اور مہیا کر دیئے تمھارے لیے اس میں زندہ رہنے کے اسباب بہت ہی کم

مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا

تم شکر ادا کرتے ہو ۱۲ اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمھیں ۱۳ پھر (خاص) شکل و صورت بنائی تمھاری پھر حکم دیا ہم نے

ع ۸/۱

۱۱ آیاتِ الٰہی سے بے انصافی اور ظلم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان آیات میں غور و فکر نہ کرتے۔ ہدایت کی جو روشنی ان میں موجود تھی اس سے فائدہ نہ اُٹھاتے۔ بلکہ ضد اور عناد کے باعث ان آیات سے منہ موڑے رہتے۔

۱۲ پہلے اپنے احسانات کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کو شکر گزاری کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ یعنی وہ ذاتِ پاک جس نے تمہیں اس کرۂ ارضی پر آباد کیا اور مزید برآں اس میں روئیدگی کی وہ صلاحیتیں ودیعت فرما دیں کہ ضرورت کی ساری چیزیں اس سے اُگتی ہیں۔ جا بجا پانی کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ اس کے اِن احسانات عظیمہ کے پیشِ نظر تو تم پر واجب تھا کہ تم اس کے احکام کی تعمیل میں ذرا سستی نہ کرتے۔ لیکن یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ تم پھر بھی ناشکری کرتے ہو۔

۱۳ پہلے اُن احسانات کا ذکر فرمایا جن سے ہماری زندگی وابستہ تھی۔ اب ہمیں اپنی تخلیق اور ان نوازشات کی طرف متوجہ کیا جن سے ہمیں اور ہمارے باپ ابو البشر آدم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا گیا تھا۔ کلام میں ایک عقدہ حل طلب ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا فرمایا۔ پھر تمہیں دلفریب صورت بخشی (ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ) پھر ہم نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا۔ حالانکہ ہماری تخلیق اور تصویر سے پہلے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک بھی سب سے پسندیدہ جواب یہ ہے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ کا معنی ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا اَبَاكُمْ اٰدَمَ وَصَوَّرْنَا كُمْ اَیْ صَوَّرْنَا اٰدَمَ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ یعنی ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کرو۔ اور یہ اسلوب بیان قرآن میں عام ہے کہ خطاب حاضرین کو ہوتا ہے لیکن اس سے مراد اُن کے اسلاف ہوتے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر یہودیوں کو فرمایا گیا: وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ

فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ۱۴ تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے ۱۵ نہ تھا وُہ سجدہ

السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ

کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا ۱۶ تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے ابلیس نے کہا

مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ قَالَ فَاهْبِطْ

کیونکہ میں بہتر ہوں اس سے تُو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُتر جاؤ

فِرْعَوْنَ،(1) یا وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا (2)۔ حالانکہ نجات ان کے آباؤ اجداد کو دی گئی تھی اور قتل بھی اس زمانہ کے بنی اسرائیل نے کیا تھا۔(3)

۱۴ پیدائشِ انسان کا اسلامی نظریہ اس نظریہ سے بالکل مختلف ہے جسے ڈارون اور اس کے پیروکاروں نے پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک انسان سلسلۂ ارتقاء حیات کی ایک آخری کڑی ہے۔ دُوسرے الفاظ میں اِنسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔ اس میں کوئی ذاتی شرف نہیں۔ اپنے نظریہ کی حمایت میں دلائل کا انبار لگانے والے اِس گرہ کو آج تک نہ کھول سکے کہ کس طرح حیوان انسان بن گیا؟ اِس کے برعکس قرآن کے نزدیک اِنسان ایک عظیم المرتبت اور جلیل القدر مستقل بالذات مخلوق ہے۔ اس کا ظہور نائبِ خداوندی کی حیثیت سے ہوا ہے۔ اس کے علم کا سمندر ساحل آشنا نہیں۔ اس کی تخلیقی قوتیں بے اندازہ ہیں۔ یہ تسلیم کہ اس کا خمیر خاک کے ذروں سے اُٹھایا لیکن نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (4) (میں نے اپنی رُوح اس میں پھونک دی) کی آمیزش سے یہ ذرے رشکِ مہر و ماہ بن گئے۔ یہاں تک کہ نوری کائنات کو ازراہِ تعظیم ان کے سامنے سربسجود ہونا پڑا۔ وہ انسان جو حیوان کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اس اِنسان سے کتنا پست اور فروتر ہے جو سطحِ زمین پر اللہ کے نائب کی حیثیت سے جلوہ نما ہوا، جس کے علوم کی وسعت نے عالمِ بالا کے مکینوں کو سراسیمہ کر دیا۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ انسانی عظمت و شرافت کا علم بردار اِسلام ہے یا ڈارون اور اس کے پرستار؟

۱۵ اس کے متعلق توضیحی نوٹ سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اوّل آیت ۳۴، البقرۃ۔

۱۶ بسا اوقات کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتے وقت اس کی ظاہری شکل و صورت کو ہی پیشِ نظر رکھا جاتا ہے اور اس کے جوہرِ ذاتی سے قطع نظر کر لی جاتی ہے۔ ابلیس کو فقط یہی یاد رہا کہ آدم کی تخلیق خاک سے اور اس کی آگ سے ہوئی ہے اور آگ افضل ہے خاک سے۔ اس لیے افضل کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے۔ اس نادان کو یہ سمجھ نہ آئی کہ آدم

1۔ سورۃ الاعراف: 141   2۔ سورۃ البقرہ: 72   3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 33-32   4۔ سورۃ الحجر: 29

مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ

یہاں سے ۱۷ے مناسب نہیں ہے تیرے لیے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں

الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ

سے ہے ۱۸ے بولا مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ۱۹ے اللہ نے فرمایا بے شک تو

کے سر پر تو خلافتِ ارضی کا تاج ہے۔ اس کا دل وہ آئینہ ہے جس میں آفتابِ حقیقت کی کرنیں نور افشاں ہیں۔ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا سرِّ نہاں اُس سے اوجھل رہا۔ اُسے یہ بھی نہ سوجھی کہ جب نور سجدہ کناں ہے تو نار کو سجدہ کرنے میں تامل کیوں ہو۔ بعض لوگ حضور رحمۃ للعالمین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کی ظاہری بشریت میں یوں کھو کر رہ جاتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ کی جلوہ سامانیوں کو ان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب! | آنکھ کا نور دل کا نور نہیں (1)

اور یہ بھی اُس کی سراپا غلط فہمی تھی کہ آگ خاک سے افضل ہے۔ حالانکہ اپنی صفات و خاصیات کے اعتبار سے جو رفعت خاک کو حاصل ہے وہ آگ کو نصیب نہیں۔ متانت و وقار، حلم و صبر خاک کے خواص ہیں۔ اِس کے برعکس طیش و تیزی غرور اور ارتفاع آگ کے لوازم ہیں۔ اسی وجہ سے آدم سے لغزش ہوئی تو فوراً نادم ہو کر تائب ہوئے اور مقامِ قرب پر فائز ہوئے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ ۔(2) اور ابلیس سے نافرمانی ہوئی تو وہ اس پر اڑ گیا اور ابدی شقاوت کا شکار ہو گیا۔

۱۷ے نکل جاؤ! ہماری بارگاہِ قرب و رحمت میں صرف ان کے لیے جگہ ہے جو ہمارے ہر حکم کے سامنے سرافگندہ ہوں۔ اکڑی ہوئی گردن والوں کا یہاں کیا کام۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ (مسلم)(3) یعنی جس کے دِل میں رائی کے دانہ جتنا غرور ہو گا اس پر جنت کے دروازے بند ہوں گے۔

۱۸ے صاغر اُس ذلیل وحقیر کو کہتے ہیں جو اپنی ذلت اور پستی پر خوش ہو۔ اَلصَّاغِرُ الرَّاضِيْ بِالْمَنْزِلَةِ الدَّنِيَّةِ (مفردات)(4) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ذلیل وحقیر ہوتا ہے۔ شیطان کس مقامِ عزت پر فائز تھا۔ اور جب حکمِ الٰہی سے سرتابی کی تو ذلت و رسوائی کی پستیوں میں پھینک دیا گیا۔

۱۹ے حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ اسے مہلت دی جائے اور جب تک یہ دُنیا موجود ہے اس وقت تک حق و باطل کی آویزش جاری رہے۔ اِس لیے اس کی درخواست قبول کر لی گئی۔

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، بابِ جبریل، ص 464
2۔ سورہ طٰہٰ: 122
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 333۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب تحریم الکبر و بیانہ، ج 1، ص 65
4۔ مفردات راغب، ص 485

مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ

مُہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے۔ کہنے لگا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے ۲۰ (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے)

۲۰؎ کوئی ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے تو اس کی خوش نصیبی، اور جو ٹھوکر کھا کر سنبھلنا تو در کنار جان بوجھ کر ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے چلے جانا ہی اپنا شیوہ بنا لے تو اُسے ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے کیوں بچایا جائے؟ شیطان نے ایک حکم عدولی کی۔ اس پر نادم اور تائب ہونے کے بجائے اور اکڑتا چلا گیا اور آدم کے حسد نے اسے یوں حواس باختہ اور گستاخ کر دیا کہ رب العزت کو چیلنج دے دیا کہ جس انسان کی تو نے اتنی تکریم کی ہے اور جس کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں تو نے مجھے اپنی درگاہِ رحمت سے دھتکار دیا ہے۔ ان کو میں اپنے مکر وفریب کے شکنجہ میں یوں کسوں گا کہ وہ تیرے نافرمان اور میرے فرماں بردار بن جائیں گے۔ لفظی تشریح: باء سببیہ ہے۔ اغواء کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ کسی کو راہِ راست سے بھٹکا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ کسی کو ایسا حکم دینا جس کی نافرمانی اس کی گمراہی کا باعث بن جائے اس کو بھی اغواء کہا جاتا ہے۔ نیز کسی کو اس کی گمراہی کی سزا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ جیسے اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ (1) یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری گمراہی کی تمہیں سزا دے۔ اس آیت میں آخری دو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو سجدہ نہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن چونکہ اس حکم سے سرتابی شیطان کی گمراہی کا سبب بن گئی اس لیے اَغْوَیْتَنِیْ کے لفظ سے تعبیر کیا جو لفظ اغواء کا دوسرا معنی ہے۔ یا آدم کو سجدہ نہ کرنے کی سزا میں اسے جنت سے نکال دیا گیا تھا اس لیے یہ لفظ استعمال کیا جو اس کا تیسرا معنی ہے۔ یہ شیطان کی دُوسری بے سمجھی تھی کہ وہ اس بات پر سیخ پا ہو رہا تھا کہ اسے ایسا حکم ہی کیوں دیا گیا جس کی تعمیل کے لیے وہ تیار نہ تھا۔ حالانکہ اس کا کام حکمِ الٰہی کے سامنے بے چون وچرا سر جھکا دینا تھا نہ کہ اس بحث میں الجھنا کہ ایسا حکم کیوں دیا اور ایسا کیوں نہ دیا۔ وَ اَغْوَاهُ فَهُوَ غَوِیٌّ وَّ مِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالٰی حِكَایَةً عَنْ اِبْلِیْسَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ اَیْ اَضْلَلْتَنِیْ وَ قِیْلَ فَبِمَا دَعَوْتَنِیْ اِلٰی شَیْءٍ غَوَیْتُ بِهٖ وَ اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰی اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ فَقِیْلَ مَعْنَاهُ اَنْ یُّعَاقِبَكُمْ عَلَی الْغَیِّ وَ قِیْلَ یَحْكُمُ عَلَیْكُمْ بِغَیِّكُمْ (تاج العروس) (2) علامہ قرطبی نے اغواء کے دو مزید معنے مایوس کرنا اور ہلاک کرنا بھی بیان کیے ہیں۔ وَ قِیْلَ خَیَّبْتَنِیْ مِنْ رَّحْمَتِكَ وَ قِیْلَ الْمَعْنٰی فَبِمَاۤ اَهْلَكْتَنِیْ بِلَعْنِكَ اِیَّایَ وَ الْاِغْوَاءُ الْاِهْلَاكُ (قرطبی) (3) ترجمہ میں، میں نے علامہ قرطبی کے بیان کردہ پہلے معنی کو ہی اختیار کیا ہے۔ ابلیس کی بے باکی اور گستاخی سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ وہ اپنی غلطی کا الزام اللہ تعالیٰ پر لگا رہا ہو کہ تو نے مجھے گمراہ کیا جیسے شریر مجرموں کا دستور ہے۔

1۔ سورۂ ہود: 34 | 2۔ تاج العروس، ج 10، ص 273 | 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 174

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

کے لیے تیرے سیدھے راستہ پر پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس ۲۱ (بہکانے کے لیے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے

وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا ۲۲ جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے تو یقیناً میں بھر دوں گا

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

جہنم کو تم سب سے اور اے آدم! رہو ۲۳ تم اور تمھاری بیوی جنت میں

۲۱۔ یعنی میں اولادِ آدم کو راہِ راست سے بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ انہیں ہر سمت سے اپنے گھیرے میں لے لوں گا۔ شکوک و شبہات کے کانٹے چبھوؤں گا۔ ان کے سامنے نیکی کے راستہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور اگر یہ کوئی نیکی کر بیٹھیں گے تو اس میں ریا کی زہر گھولنے کی سعی کروں گا۔ غرضیکہ اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کروں گا۔ اَیْ لَاَصُدَّنَّهُمْ عَنِ الْحَقِّ وَاُرَغِّبُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَاُشَكِّكُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ (قرطبی) (1)

۲۲۔ مذءوم اور مذموم دونوں ہم معنی ہیں۔ قَالَ ابْنُ زَیْدٍ مَذْءُوْمًا وَّمَذْمُوْمًا بِمَعْنًی سَوَاءٍ (قرطبی) (2)

۲۳۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں ابلیس جنت سے نکال دیا گیا۔ اور آدم و حوا کو نعیم جنت سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن یہ گل و ریحان کی وادی جہاں لطف و سرور اور نکہت و نور کی نسیم محوِ خرامِ ناز تھی، ایک ایسے راہرو کی آخری منزل نہیں ہو سکتی جس کے ناصبور دل اور سیمابی فطرت کی قسمت میں کانٹوں کو پھول، ریگستانوں کو گلستان اور ظلمت کدوں کو بقعۂ نور بنانا لکھا جا چکا تھا۔ کوثر و سلسبیل کی نرم خیز موجیں اس دل کو نہ بہلا سکیں جس کو اس کے خالق نے طوفان خیز سمندروں کو زیرِ نگیں کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ اب اس کو گوشۂ عافیت سے نکال کر عمل کے میدان میں لا کھڑا کرنے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے فرشتوں کا ایک جلوس ہمراہ ہوتا اور آدم کی سواری جنت سے روانہ ہو کر اس خاکدانِ ارضی میں اترتی۔ دوسری صورت وہ تھی جو اختیار کی گئی۔ بظاہر پہلی صورت شانِ آدم کے زیادہ شایاں معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی مقتضی نہ ہوئی۔ اس طرح بے شک آپ ناز و نعمت اور عزت و جاہ کے مظہر بن کر تو ظاہر ہوتے لیکن سوزِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 176
2۔ ایضاً

فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا

اپنا نقصان کرنے والوں سے ۲۴ پھر وسوسہ ڈالا ۲۵ ان کے (دلوں میں) شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے ان کے لیے

عشق، دردِ فراق، آتشِ شوق، نیاز مندی اور نالہ وزاری کے بلند، لطیف اور پاکیزہ جذبات سے آپ کے دِل کی دُنیا نا آشنا رہتی اور قرب ورضا کا وہ مقام جو محض عجز وانکساری، گریہ وزاری، دل کی بے چینی اور رُوح کی بے قراری کے عوض بخشا جاتا ہے وہاں تک آپ کی رسائی نہ ہوتی۔ اس لیے قصد ونیت کے بغیر اس شجرِ ممنوعہ کو چھو بیٹھے۔ غیرتِ الٰہی اتنا بھی برداشت نہ کر سکی زیرِ عتاب لاکر جنت سے نکال دیا۔ نگاہِ کرم کے برگشتہ ہونے سے غم واندوہ کے بادل گھر آئے۔ شوروفغاں کی بجلیاں کڑ کنے لگیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ جس نے شجرِ محبت کی آبیاری کی۔ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے دل کے سوز وگداز نے اُسے زندگی کی حرارت بخشی۔ یہاں تک کہ آپ کی وہ ساری کی ساری صلاحیتیں بیدار ہوگئیں جن کا خلافتِ الٰہی کے تخت پر متمکن ہونے سے پہلے بیدار ہونا ضروری تھا۔ فَظَهَرَ سِرُّ الْخِلَافَةِ وَالْمَحَبَّةِ وَالْمِحْنَةِ وَالتَّحَقُّقِ بِمَظَاهِرِ الْجَمَالِ وَالْجَلَالِ كَالتَّوَّابِ وَالْغَفُوْرِ وَالْعَفُوِّ وَالْقَهَّارِ وَالسَّتَّارِ (روح البیان)(1) ترجمہ: یوں گریہ پیہم کی برکت سے خلافت کا راز آشکارا ہوا۔ محبت اور محنت کی حقیقت پر آگاہی حاصل ہوئی۔ اور جمال وجلالِ خداوندی کے آپ مظہر بنے۔ مختلف اسماء حسنیٰ توّاب، غفّار، قہار اور ستار کی جلوہ نمائی ہوئی۔

۲۴ صاحبِ تاج العروس نے لفظ ظلم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظلم کا لغوی معنی نقصان اور خسارہ ہے۔ اس تحقیق کے مطابق اس آیت کا وہ معنی ہوگا جو میں نے کیا ہے۔ نَقَلَ شَیْخُنَا عَنْ بَعْضِ اَئِمَّةِ الْاِشْتِقَاقِ اَنَّ الظُّلْمَ فِیْ اَصْلِ اللُّغَةِ النَّقْصُ (تاج العروس)(2) اور بطور اِستشہاد یہ آیت پیش کی ہے۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا (3) اَیْ وَلَمْ تَنْقُصْ۔ ویسے لفظ ظلم کا اِستعمال حق سے تجاوز کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے خواہ وہ تجاوز زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اسی وجہ سے کفر، شرک اور گناہ کبیرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ پر بھی۔ اسی لیے شیطان کو بھی ظالم کہا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو بھی، اگرچہ ان دونوں کے ظالم ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وَالظُّلْمُ يُقَالُ فِیْ مُجَاوَزَةِ الْحَقِّ الَّذِیْ يَجْرِیْ مَجْرٰی نُقْطَةِ الدَّائِرَةِ وَيُقَالُ فِيْمَا يَقِلُّ وَيَكْثُرُ مِنَ التَّجَاوُزِ وَلِهٰذَا يُسْتَعْمَلُ فِی الذَّنْبِ الْكَبِيْرِ وَفِی الذَّنْبِ الصَّغِيْرِ وَلِذٰلِكَ قِيْلَ لِاٰدَمَ فِیْ تَعَدِّيْهِ ظَالِمٌ وَّفِیْ اِبْلِيْسَ ظَالِمٌ وَاِنْ كَانَ بَيْنَ الظُّلْمَيْنِ بَوْنٌ بَعِيْدٌ (مفردات)(4)

۲۵ علامہ ابوعبداللہ القرطبی نے وسوسہ کے دو معنی لکھے ہیں۔ (۱) اَلصَّوْتُ الْخَفِیُّ: دھیمی دھیمی آواز۔ (۲) حَدِیْثُ النَّفْسِ(5):

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 108
2۔ تاج العروس، ج 8، ص 383، کتاب نمبر 29
3۔ سورۃ الکہف: 33
4۔ مفردات راغب، ص 537
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 177

وُرِيَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ

جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرم گاہوں سے ۲۶ اور (انھیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمھیں تمھارے رب نے اس

الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾

درخت سے مگر اس لیے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم ۲۷ دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے

دل کے خیالات۔ شیطان نے کس طرح آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا؟ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت کے دروازے پر آئے اور شیطان نے چپکے سے ان کو یہ بات کہہ دی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں گیا اور آدم کو بہکایا وغیرہ وغیرہ (1) لیکن زیادہ صحیح رائے حضرت حسن بصریؒ کی ہے کہ شیطان کو یہ قوت دی گئی تھی کہ وہ زمین پر رہتے ہوئے آدم وحوا کے قلوب میں وسوسہ ڈال سکے۔ قَالَ الۡحَسَنُ كَانَ يُوَسۡوِسُ مِنَ الۡاَرۡضِ اِلَى السَّمَاءِ وَاِلَى الۡجَنَّةِ بِالۡقُوَّةِ الۡفَوۡقِيَّةِ الَّتِيۡ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ (رازی) (2) وَقِيۡلَ مِنۡ خَارِجٍ بِالسَّلۡطَنَةِ الَّتِيۡ جُعِلَتۡ لَهٗ (قرطبی) (3) صوفیاء کرام کے نزدیک تو دور سے توجہ باطنی کا اثر مسلمات سے ہے۔ لیکن حکماء وفلاسفہ بھی اس کے منکر نہیں۔ قدیم فلاسفۂ اشراقیین دُور دراز سے محض اپنی قلبی توجہ سے اپنے شاگردوں کی اصلاح وتربیت کیا کرتے تھے۔ مسمریزم میں بھی عامل محض اپنی توجہ سے معمول کو بے ہوش کرتا ہے اور اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کراتا ہے۔

۲۶ لام عاقبت کے لیے ہے (4) یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا جنتی لباس اُتار دیا گیا اور وہ اپنے آپ کو برہنہ دیکھنے لگے۔

۲۷ اس نے وسوسہ یہ ڈالا کہ یہ درخت جس کے قریب جانے سے ہی تمہیں روک دیا گیا ہے اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو اس کا پھل کھائے گا اس میں فرشتوں کے سے خصائص پیدا ہو جائیں گے اور اُسے حیات جاوید نصیب ہو جائے گی۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ جب آپ مسجودِ ملائک تھے تو آپ کے دل میں اپنے سے فروتر مخلوق بننے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ فرشتے زندۂ جاوید ہیں اس لیے آپ کے دل میں بھی ہمیشہ زندہ رہنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ طَمِعَ اٰدَمُ فِي الۡخُلُوۡدِ لِاَنَّهٗ عَلِمَ اَنَّ الۡمَلٰٓئِكَةَ لَا يَمُوۡتُوۡنَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ (القرطبی) (5) بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں۔ اس کا جواب علامہ بیضاوی نے یہ دیا ہے کہ آدم علیہ السلام کا مقصد یہ نہ تھا کہ ان کی حقیقتِ بشری، حقیقتِ ملکی سے بدل جائے کیونکہ ایسا ہونا تو ناممکن تھا۔ آپ کا مدعا صرف یہ تھا کہ فرشتوں کے فطری کمالات اور طبعی خصوصیات مثلاً کھانے پینے سے استغناء وغیرہ سے بھی آپ کو متصف کر دیا جائے۔ اس سے ملائکہ کی فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی۔ وَجَوَابُهٗ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمَعۡلُوۡمِ اَنَّ الۡحَقَائِقَ لَا تَنۡقَلِبُ وَاِنَّمَا كَانَتۡ رَغۡبَتُهُمَا فِيۡ اَنۡ يَّحۡصُلَ لَهُمَا مَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ مِنَ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 49 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 177
4۔ ایضاً، ج 7، ص 178 5۔ ایضاً

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا

اور قسم اُٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۲۸؎ پس شیطان نے نیچے گرادیا ان کو دھوکہ سے ۲۹؎ پھر جب

ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا

دونوں نے چکھ لیا درخت سے تو ظاہر ہوگئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور چپٹانے لگ گئے اپنے (بدن) پر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا

جنّت کے پتّے اور ندا دی انھیں ان کے ربّ نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمھیں اِس

الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا

درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمھیں کہ بلاشبہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دُشمن ہے دونوں نے

اَلْكَمَالَاتِ الْفِطْرِیَّةِ وَالْاِسْتِغْنَاءِ عَنِ الْاَطْعِمَةِ وَالْاَشْرِبَةِ وَذٰلِكَ لَا یَدُلُّ عَلٰی فَضْلِهِمْ مُطْلَقًا (بیضاوی)(1)

۲۸؎ ابلیس نے اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے اللہ کا نام لے لے کر قسمیں کھائیں۔ آدم علیہ السلام اب اس کو جھٹلا نہ سکے۔ کیونکہ یہ بات آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ شیطان لاکھ نافرمان اور بے ایمان اور میرا دشمن سہی لیکن وہ جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے(2)۔ کریم الفطرت انسان کا اپنی پاک نفسی کے باعث کسی عیار کے مکروفریب میں آجانا کوئی مشکل بات نہیں۔

اِنَّ الْكَرِیْمَ اِذَا تَشَاءُ خَدَعْتَهٗ وَتَرَی اللَّئِیْمَ مُجَرَّبًا لَا یُخْدَعُ (ابن نفطویہ)(3)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے کسی غلام کو عبادتِ الٰہی میں ذوق و شوق سے سرگرم دیکھتے تو اسے آزاد کردیتے۔ چنانچہ آپ کے اکثر غلام اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے اور آپ حسبِ عادت انہیں آزاد کر دیتے۔ آپ کو عرض کی گئی کہ آپ کے غلاموں کی یہ عبادتیں اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ آپ کو فریب دینے کے لیے ہیں تو آپ فرماتے: مَنْ خَادَعَنَا بِاللّٰهِ خُدِعْنَا جو ہمیں اللہ کے نام سے دھوکہ دیتا ہے ہم اس کے دھوکہ میں آنے کے لیے تیار ہیں۔(4)

۲۹؎ تَدْلِیَۃٌ اور اِدْلَاءٌ دونوں کا معنی ہے کسی چیز کو اُوپر سے نیچے لے جانا۔ فَاِنَّ التَّدْلِیَةَ وَالْاِدْلَاءَ اِرْسَالُ الشَّیْءِ مِنْ اَعْلٰی اِلٰی اَسْفَلَ (بیضاوی)(5) یعنی شیطان نے آپ کو دھوکہ اور فریب سے اپنے مرتبۂ رفیعہ سے نیچے گرادیا۔ جنت کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں میں پہنچادیا۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 201
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 180
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 53-52
5۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 201

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا سکتہ وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

عرض کی اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لیے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان

الْخَٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے ۳۰ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے زمین

الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ

میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک (نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور

فِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ

اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے ۳۱ اے اولادِ آدم ۳۲ بیشک اتارا ہم نے تم پر

۳۰ اگرچہ یہ خطا سہواً اور بلا قصد سرزد ہوئی تھی لیکن آدم علیہ السلام سراپا ندامت بن کر توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ کاملین کا یہی شیوہ ہے کہ معمولی سی خطا پر بھی کانپ اٹھتے ہیں اور آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ اور اپنی عمر بھر کی عبادتوں اور ریاضتوں کو پرِ کاہ کی اہمیت بھی نہیں دیتے۔ بلکہ اپنے ربِ کریم کے دامنِ رحمت میں ہی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ عَلٰى عَادَةِ الْأَوْلِيَاءِ وَ الصَّالِحِينَ فِي اسْتِعْظَامِهِمُ الصَّغِيرَ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَ اسْتِصْغَارِهِمُ الْعَظِيمَ مِنَ الْحَسَنَاتِ (کشاف)(1) امام ابو حیان اندلسیؒ نے یہاں خوب لکھا ہے کہ پانچ چیزیں آدم کی نجات کا باعث بنیں۔ (۱) اپنی غلطی کا اعتراف (۲) اس پر ندامت (۳) اپنے آپ کو اس پر ملامت کرنا (۴) توبہ (۵) اور رحمتِ الٰہی پر آس۔ اور پانچ چیزیں شیطان کی تباہی کا باعث بنیں۔ (۱) اپنے جرم کو تسلیم نہ کرنا (۲) نادم نہ ہونا (۳) ارتکابِ جرم پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرنا بلکہ اس کے صادر ہونے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دینا (فَبِمَآ أَغْوَيْتَنِي) (۴) توبہ نہ کرنا (۵) اور رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانا۔ (2)

۳۱ یعنی عموماً تمہارا مسکنِ اصلی و معتاد یہی زمین ہے اگر خرقِ عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لیے اس سے اوپر اٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لیے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مر جائے وہ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ کے خلاف ہوگا؟ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ اِس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوتے۔ (حاشیہ علامہ عثمانی)(3)

۳۲ عرب کے بعض مشرک قبیلے طوافِ کعبہ کے وقت اپنا لباس اتار دیتے۔ مرد اور عورتیں مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 96

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 281

3۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ عثمانی، ص 98-197

لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

لباس جو ڈھانپتا ہے تمھاری شرمگاہوں کو اور باعثِ زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وُہ سب سے بہتر ہے ۳۳

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وُہ نصیحت قبول کریں ۳۴ اے اولادِ آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کردے تمھیں

اور اسے کمالِ تقویٰ خیال کیا جاتا۔ نہ صرف عرب بلکہ دُنیا کی اکثر قومیں اپنی مذہبی رسوم وعبادات کی ادائیگی کے وقت شرم وحیا کی چادر اُتار پھینکتی ہیں۔ ہردوار اور بنارس میں اشنان کرنے والوں کے متعلق کسے معلوم نہیں کہ وہاں عریانی اور برہنگی کا کتنا شرمناک مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اور آج تو ثقافت وفن کی کسی محفل میں گرمی پیدا ہی نہیں ہوتی جب تک شرم وحیا کی ساری قدروں کو پاؤں تلے نہ روند ڈالا جائے۔ اِس لیے یہاں خطاب کسی خاص قوم یا قبیلہ کو نہیں بلکہ لباس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ساری اولادِ آدم کو خطاب فرمایا جارہا ہے۔ آیت میں لباس کے دو فائدے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سترِ عورت کا کام دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ اِنسان کی آسائش اور زینت کا باعث ہے۔

لفظی تحقیق: اَنْزَلْنَا کا لغوی معنی تو اُوپر سے نیچے اتارنا ہے۔ یہاں لباس کے لیے اِس کا استعمال بطورِ مجاز ہے۔ یعنی بارش جو کپاس وغیرہ کی روئیدگی اور حیوانات (جن کی اُون سے گرم کپڑے بنتے ہیں) کی زندگی کا سبب ہے۔ وہ کیونکہ اُوپر سے نازل ہوتی ہے تو گویا لباس بھی اُوپر سے ہی نازل ہوا۔ تسمیۃ المسبب باسم السبب۔ اور بعض علماء نے کہا اَنْزَلَ بمعنیٰ خَلَقَ ہے۔ اور یہ اِستعمال بھی عام ہے۔ جیسے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (1)۔ سَوْأَة: جسم کا وہ حصہ جس کا ننگا کرنا قبیح ہو۔ شریعت اسلامیہ میں مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈھانپنا ضروری ہے اور عورت کے لیے نامحرم سے سارے بدن کا ڈھانپنا لازمی ہے۔ ریش: پرندوں کے پروبال۔ وہ ان کے لیے زیب وزینت کا باعث بھی ہیں۔ اسی طرح لباس انسان کے لیے۔

۳۳ دنیا کا کوئی قیمتی سے قیمتی لباس بھی اس کی خوبصورتی اور پائیداری کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اِذَا الْمَرْءُ لَمْ يَلْبَسْ ثِيَابًا مِّنَ التُّقٰى تَقَلَّبَ عُرْيَانًا وَّاِنْ كَانَ كَاسِيَا

جب تک کوئی شخص تقویٰ کا لباس زیب تن نہ کرے گا تو وہ ننگا ہے اگرچہ اُس نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔

وَخَيْرُ لِبَاسِ الْمَرْءِ طَاعَةُ رَبِّهٖ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ كَانَ لِلّٰهِ عَاصِيَا (2)

اطاعتِ خداوندی سب سے بہتر لباس ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہو اس میں نام کو بھلائی نہیں ہے۔

۳۴ لباس، اس کے لیے ایسے مواد کا مہیا کردینا جس سے یہ تیار ہوسکے، اس کے علاوہ انسان میں لباس کی خواہشیں ودیعت کردینا، پھر اسے لباس تیار کرنے کی سمجھ عطا فرمادینا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور علم کی ناقابلِ انکار دلیلیں ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 184 2۔ ایضاً

الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا

شیطان ۳۵ جیسے نکالا اس نے تمھارے ماں باپ کو جنّت سے (اور) اُتروا دیا ان سے ان کا لباس

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ

تاکہ دکھلا دے انھیں ان کے پردہ کی جگہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تمھیں وُہ اور اُس کا کنبہ جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انھیں ۳۶

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا

بلا شبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے ۳۷ اور جب کرتے ہیں کوئی

فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ

بے حیائی کا کام ۳۸ (تو) کہتے ہیں پایا ہم نے ایسا ہی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے بھی ہمیں حکم دیا اس کا۔ آپ فرما دیجئے بے شک

۳۵ قصہ آدم بیان کرنے کا مدعا اور مقصد بتا دیا کہ اے اولادِ آدم اِس شیطان کے مکر وہ فریب سے بچنا جو تمہارا ازلی دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ جیسے اس نے تمہارے باپ کو دھوکہ دیا تمہیں بھی وہ راہِ حق سے منحرف کر دے اور تم بھی معتوب ہو جاؤ۔

۳۶ وہ دشمن جو دین و ایمان کا دشمن ہو اور کھل کر سامنے نہ آئے بلکہ غیر مرئی طور پر رگ و ریشہ میں نفوذ کر جائے اور دوست اور خیر خواہ کا رُوپ بھر کر دل میں وسوسہ اندازی کرے اس کی طرف سے تغافل برتنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے اس سے چوکنّا رہنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر تیرا دشمن ایسا ہے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے اور تو اس کو نہیں دیکھ سکتا تو ایک ایسی ہستی (اللہ تعالیٰ) کی پناہ میں آ جا جو تیرے دشمن کو دیکھتا ہے لیکن وہ اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ قَالَ ذُوالنُّوْنِ اِنْ كَانَ هُوَ يَرَاكَ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَاهُ فَاسْتَعِنْ بِمَنْ يَّرَاهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ وَهُوَ اللّٰهُ الْقَهَّارُ السَّتَّارُ۔ (مظہری)(1)

۳۷ کفار کو یہ اِختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول کو اپنا دوست اور مددگار بنا لیں اور چاہے شیطان کے ساتھ اپنی دوستی کا رشتہ جوڑ لیں۔ جب اُنہوں نے شیطان کی دوستی کو ترجیح دی تو ہم نے ان کو روکا نہیں بلکہ جس کو اُنہوں نے دوست بنانا چاہا اُنہیں اس کو دوست بنانے دیا۔ اِنَّا جَعَلْنَا کا یہی مطلب ہے اور اس کی تائید بعد آنے والی آیت کر رہی ہے۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شیطان اور کفار کے درمیان دوستی اور محبت کا رشتہ ہم نے مستحکم کیا اور ان کو اس کی دوستی پر مجبور کر دیا۔

۳۸ فاحشہ کہتے ہیں اس چیز کو جو حد درجہ قبیح اور معیوب ہو۔ فِعْلَةٌ مُّتَنَاهِيَةٌ فِي الْقُبْحِ (بیضاوی)(2) یہاں اِس سے مراد اُن کے سارے عقائد باطلہ اور اعمالِ قبیحہ ہیں۔ وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ يَعُمُّ كُلَّ كَبِيْرَةٍ (مظہری)(3) یعنی جب کبھی انہیں ایسی بیہودگیوں سے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 339
2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 203
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 339

اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ حکم نہیں دیتا بے حیائیوں کا ۳۹؎ کیا ایسی بات لگاتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

آپ فرمائیے حکم دیا ہے میرے رب نے عدل و انصاف کا اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ ﴿۲۹﴾

اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لیے عبادت کو جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمہیں ویسے ہی تم لوٹو گے ۴۰؎

فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور ایک گروہ ہے کہ مقرر ہو گئی ان پر گمراہی ۴۱؎ انھوں نے بنا لیا

روکا جاتا تو وہ کہنے لگتے کہ ہمارے باپ دادا کا یہی طریقہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی حکم دیا ہے۔

۳۹؎ ایسے قبیح اعمال اور باطل عقائد جن کو عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ ان کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

۴۰؎ بیانِ مفہوم سے پہلے چند الفاظ کی تحقیق ضروری ہے۔ (۱) اَلْقِسْطُ وَهُوَ الْوَسَطُ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ اَلْمُتَجَافِیْ عَنْ طَرَفَیِ الْاِفْرَاطِ وَالتَّفْرِیْطِ (بیضاوی)(1) یعنی اعتقاد و عمل میں ہر طرح کی بے راہ روی اور افراط و تفریط اور مبالغہ آمیزی سے دامن بچا کر درمیانہ روی اختیار کرنا۔ (۲) اَقِیْمُوْا: اِقَامَةُ الشَّیْءِ اِعْطَاءُهٗ حَقَّهٗ وَتَوْفِیَتُهٗ شُرُوْطَهٗ (2): یعنی کسی چیز کو کما حقہ اس کی تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے ادا کرنا (۳) اَلْوَجْهُ: اَلْمُرَادُ بِهٖ تَوَجُّهُ الْقَلْبِ وَصِحَّةُ الْقَصْدِ (المنار)(3) دلی توجہ اور نیت صحیحہ (۴) مَسْجِدٍ: ظرف زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی۔ یعنی سجدہ کرنے کا وقت یا سجدہ کرنے کی جگہ(4)۔ (۵) اُدْعُوْهُ: اُعْبُدُوْهُ(5)۔ عبادت کرو (بیضاوی، ترجمہ شاہ ولی اللہ وغیرہا) آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان واہیات باتوں کا حکم نہیں دیا۔ جیسے کفار کا دعویٰ ہے بلکہ اس کا فرمان تو یہ ہے کہ ہر بات میں میانہ روی اختیار کریں، افراط و تفریط سے دور رہیں، نماز کے وقت خضوع و خشوع کے ساتھ دل کی ساری توجہ یادِ الٰہی میں مرکوز کر دیں اور اس کی عبادت میں کسی اور کو کسی طرح شریک نہ کریں۔

۴۱؎ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی دی ہوئی سمجھ سے صحیح کام لیا اور اس کے عطا فرمودہ اختیار اور آزادی کو اس کے حکم کا پابند بنا دیا انہیں راہِ ہدایت دکھا دی گئی اور اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دی گئی۔ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شریروں اور

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 203 2۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 375 3۔ ایضاً

4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 152 5۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 203

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

شیطانوں کو (اپنا) دوست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اے آدم کی اولاد! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ

اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ آپ فرمائیے کس نے حرام کیا[۴۲] اللہ کی زینت کو

مفسدوں سے دوستی ومحبت کا رشتہ جوڑ لیا۔ ان کے مقدر میں گمراہی لکھ دی گئی اور وہ بدنصیب اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں عین صواب ہے۔ اور یہ صرف اس وقت کے باطل پرستوں کا خیال نہ تھا بلکہ آج بھی راہِ حق سے بھٹکے ہوئے افراد اور قومیں بڑی شدومد اور وثوق سے اپنی گمراہی کو عین حق کہتی ہیں۔ ان پر گمراہی مسلط کرنے کی وجہ بیان فرما دی کہ اُنہوں نے خود شیطان کی رفاقت اختیار کی اور اللہ اور اُس کے رسول کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور خود کردہ را چہ علاج۔

۴۲؎ جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کفار کپڑے اُتار کر طواف کرنے کو کمالِ تقویٰ خیال کرتے تھے۔ نیز حج کے دنوں میں گھی اور گوشت کا استعمال بھی ترک کر دیتے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمان صاف وسفید احرام کی چادریں زیبِ تن کر کے مصروفِ طواف ہیں اور گھی گوشت وغیرہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں تو یہ طریقِ کار اُنہیں اپنے زُہد وتقویٰ کے معیار سے بہت فروتر معلوم ہوا تو لگے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کرنے اور ان پر دُنیا پرستی اور لذت طلبی کا الزام لگانے۔ قرآن فرماتا ہے کہ زینت وآرائش کی جن چیزوں اور عمدہ لذیذ کھانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے انہیں حرام اور ممنوع قرار دے دے (1)۔ امام فخر الدین رازیؒ نے عمدہ لباس کے علاوہ زیب وزینت کی تمام اشیاء کو اس آیت میں داخل کیا ہے، خواہ اُن کا تعلق لباس کی نفاست، جسم کی نظافت، گھر کی صفائی اور آرائش سے ہو یا لذیذ کھانوں اور بہترین سواری سے ہو بشرطیکہ شریعت نے اسے حرام نہ قرار دیا ہو اور اس میں فضول خرچی کا ارتکاب بھی نہ ہو۔ اِنَّهٗ يَتَنَاوَلُ جَمِيْعَ اَنْوَاعِ الزِّيْنَةِ وَيَدْخُلُ تَحْتَهَا تَنْظِيْفُ الْبَدَنِ مِنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ وَيَدْخُلُ تَحْتَهَا الْمَرْكُوْبُ الخ (کبیر)(2)

اسی لیے مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی اپنے احباب کی ملاقات کے لیے جاتے تو عمدہ لباس پہن کر جاتے۔ قَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ اِذَا تَزَاوَرُوْا تَجَمَّلُوْا (قرطبی)(3) حضور اکرم واطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی احباب کی ملاقات اور عام اجتماعات کے موقع پر خصوصی اہتمام فرمایا کرتے۔ چنانچہ حضرت مکحول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رحمتِ عالمیاں گھر تشریف فرما تھے اور باہر بعض لوگ منتظر کھڑے تھے۔ حضور جب باہر تشریف لے جانے لگے تو اپنی ریش مبارک اور گیسوہائے عنبریں کو

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 64 2۔ ایضاً ص 67 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 196

الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ

جو پیدا کی اُس نے اپنے بندوں کے لیے اور (کس نے حرام کیے) لذیذ پاکیزہ ۴۳ کھانے آپ فرمائیے یہ چیزیں ۴۴

اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ایمان والوں کے لیے ہیں اس دنیوی زندگی میں بھی (اور) صرف انھیں کے لیے ہیں قیامت کے روز یونہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا

آیتوں کو ان لوگوں کے لیے جو (حقیقت کو) جانتے ہیں۔ آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے ۴۵ میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو

ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا

ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھیراؤ

درست فرمایا اور عمامہ مبارکہ کو سنوارا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ بھی یوں اہتمام فرمارہے ہیں؟ قَالَ نَعَمْ اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ اِلٰى اِخْوَانِهٖ فَلْيُهَيِّءْ مِنْ نَفْسِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَالَ تو حضور نے فرمایا ہاں۔ جب کوئی اپنے بھائیوں کی ملاقات کے لیے جائے تو تیار ہو کر جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔ (القرطبی) (1)

۴۳ طیبات سے مراد وہ لذیذ طعام ہے جو حلال ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ اَلطَّيِّبٰتُ اِسْمٌ عَامٌّ لِّمَا طَابَ كَسْبًا وَّ طَعْمًا۔ (2)

۴۴ یعنی دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے حقدار اہلِ ایمان ہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دُنیا میں اہلِ ایمان کے علاوہ اور لوگ بھی ان سے متمتع ہوتے رہیں گے لیکن آخرت میں یہ نعمتیں ان خوش نصیبوں کے لیے مخصوص کر دی جائیں گی جنھوں نے اپنے منعم کو پہچانا اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کیا لیکن وہ نادان جو عمر بھر اُس کی نعمتوں سے تو فائدے اُٹھاتے رہے لیکن اس کریم کو نہ پہچانا اور نہ اس کا شکریہ ادا کیا اُنہیں اُس روز محروم کر دیا جائے گا۔

۴۵ حلت وحرمت میں انسانی خواہش کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال فرما دے اور حرام وہ ہے جسے وہ حرام قرار دے۔ پہلے کفار و مشرکین کی حرام کردہ اشیاء کے متعلق بتایا کہ یہ محض ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس آیت میں ان اُمور کی تصریح فرمائی جن کو اس علیم و حکیم نے حرام قرار دیا ہے۔ یہاں حرام کی مختلف انواع کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (۱) فواحش اس کا واحد فاحشہ ہے جس کا معنی انتہائی قبیح فعل ہے (3)۔ لیکن عرفِ عام میں اس کا معنی زنا ہے۔ قرآن نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 197۔ کنز العمال رقم الحدیث 17196، ج 6، ص 643، مطبوعہ التراث الاسلامی، حلب

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 198

3۔ المعجم الوجیز، ص 463، مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیۃ مصر

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا

اللہ کے ساتھ جس کے لیے نہیں اُتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

تم نہیں جانتے ہو اور ہر اُمّت کے لیے ایک وقت مقرر ہے سو جب آجائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وُہ پیچھے ہٹ سکتے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

ہیں ایک لمحہ اور نہ وُہ آگے بڑھ سکتے ہیں اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسُول تم میں سے

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کرلی تو نہیں ہے ۴۶ کوئی خوف ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ

اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

وُہ دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان باندھا

بھی زنا کے متعلق یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً (1)۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر قسم کا زنا حرام ہے، چوری چھپے کیا جائے یا اعلانیہ۔ دوسری قسم اثم ہے۔ اس کا لغوی معنی گناہ ہے لیکن شراب کے کثیر التعداد ناموں سے ایک یہ بھی ہے۔ حسن بصریؒ نے یہاں اثم کا معنی شراب کیا ہے۔ قَالَ الْحَسَنُ اَلْاِثْمُ اَلْخَمْرُ قَالَ الشَّاعِرُ: شَرِبْتُ الْاِثْمَ حَتّٰى ضَلَّ عَقْلِيْ۔ كَذَاكَ الْاِثْمُ تَذْهَبُ بِالْعُقُوْلِ (القرطبی) (2) میں نے شراب (اثم) پی یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ شراب اسی طرح عقل کو ضائع کر دیتی ہے۔

تیسری قسم اَلْبَغْيُ ہے۔ اس کا معنی ہے ظلم میں حد سے تجاوز کرنا۔ اَلظُّلْمُ وَتَجَاوُزُ الْحَدِّ فِيْهِ۔ (القرطبی) (3)

چوتھی قسم شرک ہے۔ پانچویں قسم اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتوں کو منسوب کرنا۔ یعنی جو حکم اس نے نہ دیا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ (رازی وقرطبی) (4)

۴۶ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کے دن ایمانداروں کو خوف وحزن نہیں ہوگا اور وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے دوچار نہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 200 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 201 4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 71-70

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ

اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔ انھیں مل جائے گا[۴۷] اُن کا حصہ جو اُن کی

الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

قسمت میں لکھا ہے یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے جو قبض کریں گے ان کی رُوحوں کو تو ان سے کہیں گے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى

کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا[۴۸] کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

نفسوں پر کہ وہ کافر تھے اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ[۴۹] ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں

ہوں گے۔ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَخَافُوْنَ وَلَا يَحْزَنُوْنَ وَلَا يَلْحَقُهُمْ رُعْبٌ وَّلَا فَزَعٌ (قرطبی) (1)

[۴۷] یعنی جتنی عمران کے لیے مقرر ہے جو مال و دولت، بیوی اور اولاد ان کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے وہ بہر حال ان کو مل کر رہے گی۔ (2)

[۴۸] فرشتے قبضِ رُوح کے وقت بطورِ زجر و توبیخ انہیں کہیں گے کہ بلاؤ اُن اپنے بناوٹی خداؤں کو جن کی ساری عمر تم عبادت کرتے رہے تاکہ وہ تمہیں ہمارے قبضہ سے چھڑائیں۔ اس وقت غفلت کے پردے اُٹھ جائیں گے اور حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ اور وہ جواب دیں گے کہ آج تو ان کا ہمیں کوئی نام و نشان نہیں مل رہا۔ اور صد حیف! کہ ہم نے تو کفر میں اپنی زندگی برباد کر دی۔ وَمَعْنٰى تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ (قرطبی) (3) یعنی یہاں تَدْعُوْنَ بمعنی تَعْبُدُوْنَ ہے۔ وَاَيْنَ الْاٰلِهَةُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَهَا (بیضاوی) (4)

علامہ بیضاوی نے اس کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ فرشتے انہیں کہیں گے کہ وہ خدا کہاں ہیں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟

[۴۹] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجرم قوموں کو حکم دیں گے کہ چلو دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ مجرمین کی حالت اُس وقت ناگفتہ بہ ہو گی۔ دنیا میں تو ایک فاسق دوسرے فاسق کا سہارا بنا ہوا تھا۔ آپس میں محبت و اخلاص کے گہرے تعلقات قائم تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دوستی کبھی نہ ٹوٹے گی۔ لیکن جب جہنم کے لپکتے ہوئے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے نظر آئیں گے تو ساری دوستی کرکری ہو جائے گی۔ ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے کے بجائے ایک دوسرے پر برسنے لگیں گے۔ ہر ایک اپنی گمراہی اور ہلاکت کی ذمہ داری دوسرے پر ڈالے گا۔ پیروکار اپنے گمراہ پیشواؤں کو کہیں گے کہ تم پر خدا کی مار! تم نے اپنے ساتھ ہمارا بیڑا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 202 2۔ ایضاً، ص 203 3۔ ایضاً، ص 204 4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 204

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ

تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ) جب بھی داخل ہوگی کوئی اُمت تو وہ

اُخْتَهَاؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا

لعنت بھیجے گی دوسری اُمت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب اُمتیں تو کہے گی آخری اُمت پہلی اُمتوں کے متعلق اے

هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ

ہمارے رب! انھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے اِن کو دُگنا عذاب آگ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لیے

ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۟ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ

دُگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی اُمتیں ۵۰ پچھلی اُمتوں سے کہ نہیں ہے تمھیں

لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۟۠

ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ

بے شک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان

بھی غرق کر دیا۔ اور اُن کے پیشوا کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارا اتباع کیا۔ کیا تم خود اندھے تھے۔ غرضیکہ مجرمین ایک دوسرے پر خوب الزام لگائیں گے اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ قرآنِ حکیم نے فرمایا۔ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۟ (1): اس روز سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے بجز پرہیزگاروں کے (یعنی اُن کی دوستی اُس وقت بھی قائم رہے گی)۔

۵۰۔ پہلی امتیں پچھلی اُمتوں کو یا پیشوا اپنے پیروؤں کو کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے جرم کی نوعیت میں فرق نہیں کیونکہ اگر ہم تمہیں گمراہی کی طرف بلانے کے مجرم ہیں تو تم اس کو قبول کرنے کے مجرم ہو۔ تمہارے پاس عقل تھی۔ آسمانی کتاب تھی۔ اس کو سمجھانے والے تھے۔ حق کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ انہیں چھوڑ کر جو تم ہمارے ساتھ ہو لیے۔ سچی دعوت کو رد کر کے جو جھوٹی دعوت قبول کی۔ راہِ راست سے منہ موڑ کر غلط راستے پر جو تم چل نکلے تھے۔ کیا یہ تمہارا قصور نہ تھا؟

1۔ سورۃ الزخرف: 67

السَّمَآءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ‌ؕ

کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنّت میں جب تک نہ داخل ہو اُونٹ سوئی کے ناکہ میں ۵۱

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والوں کو ۵۲ ان کے لیے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان

فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

کے اُوپر (اسی کا) اوڑھنا ۵۳ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ

اور انھوں نے نیک عمل کیے (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے ۔ وہ جنتی

الۡجَنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ

ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ہم نکال لیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ ہے ۵۴

۵۱ ان بدنصیبوں پر نہ آسمانی خیرات و برکات کا نزول ہوگا اور نہ ان کے اعمال نیک بندوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھائے جائیں گے۔ اور جب یہ مریں گے اور فرشتے ان کی خبیث رُوح لے کر آسمان کی طرف جائیں گے تو رحمت وقبولیت کے دروازے ان کے لیے نہ کھولے جائیں گے۔ اور انہیں واپس سجین کی پستیوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اور جس طرح سوئی کے باریک سوراخ سے ایک اُونٹ کا گزرنا محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔

۵۲ یہاں مجرموں سے مراد کفار ہیں (1)۔ اور انہیں کفار کی سزا کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ کیونکہ آیات ربانی کی تکذیب اور پھر غرور وتکبر کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

۵۳ اَلۡمِهَادُ: اَلۡفِرَاشُ بچھونا اور اَلۡغَوَاشِ جمع ہے اَلۡغَاشِيَةُ کی (2)۔ اُوپر اوڑھنے والی چیز۔ یعنی اُوپر اور نیچے ہر طرف عذابِ الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہوگی۔ کسی پہلو چین اور قرار نصیب نہ ہوگا۔

۵۴ دُنیا میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے بسا اوقات متقی اور پارسا لوگوں کے تعلقات بھی کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے متعلق کدورت اور ملال پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی یہ مخالفت اور باہمی رنجش نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے اس لیے جب قیامت کے دِن اُنہیں جنت میں داخل ہونے کا اِذن ملے گا تو اُن کے آئینۂ قلب سے ان رنجشوں اور کدورتوں کا غبار

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 82 2۔ ایضاً

غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

رواں ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اور کہیں گے ساری تعریفیں ۵۵ اللہ کے لیے ہیں جس نے

هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ

راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ۔ بے شک آئے ہمارے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

رب کے رسول حق کے ساتھ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی ۵۶ کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے

صاف کر دیا جائے گا اور وہ سابقہ مخالفتوں کا کوئی اثر محسوس نہیں کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ مجھے توقع ہے کہ میں، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَ یُرْوٰی عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ: اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا وَ عُثْمَانُ وَ طَلْحَةُ وَ الزُّبَیْرُ مِنَ الَّذِیْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْهِمْ وَ نَزَعْنَا (1) (الخ) اور بعض علماء نے اس آیت کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اہلِ جنت میں جو باہمی فرقِ مراتب ہوگا اس کی وجہ سے وہ آپس میں حسد نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے حال پر مطمئن اور شاکر ہوگا۔

۵۵ جنت میں قرار پکڑنے کے بعد وہ اپنے ربِّ مجید کی حمد و ثنا اور اعترافِ نعمت و احسان میں محو ہو جائیں گے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ جنت اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اس ذاتِ پاک نے ہمیں قدرت بھی بخشی اور دینِ اسلام کو قبول کرنے کا قوی جذبہ بھی دل میں پیدا کر دیا کہ ہم دین اسلام کو قبول کر سکیں وَ قَالَ اَصْحَابُنَا مَعْنٰی هَدَانَا اللّٰهُ اَنَّهٗ اَعْطَی الْقُدْرَةَ وَ ضَمَّ اِلَیْهَا الدَّاعِیَةَ الْجَازِمَةَ وَ صَیَّرَ مَجْمُوْعَ الْقُدْرَةِ وَ تِلْكَ الدَّاعِیَةَ مُوْجِبًا لِحُصُوْلِ تِلْكَ الْفَضِیْلَةِ (کبیر) (2)

۵۶ اہلِ جنت جب دخولِ جنت اور حصولِ مراتب کو محض اپنے رب کی دین اور عطا یقین کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہوں گے تو بارگاہِ الٰہی سے آواز آئے گی کہ مبارک ہو ہم نے تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے تم پر اپنا یہ احسان فرمایا ہے۔ بندے کی شانِ بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ جن انعامات و احسانات سے اسے نوازا جائے اُسے اپنے رب کا فضل و کرم یقین کرے۔ اور ربِّ کریم کی شانِ بندہ نوازی یہ ہے کہ اپنے بندوں کے اعمال جو سراپا نقص ہی نقص ہیں اور اخلاص و نیاز کے کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں نہ فائز ہوں اللہ تعالیٰ کی شانِ قدوسیت و سبوحیت کے شایاں نہیں ان کو وہ شرف قبول عطا فرما کر ان ابدی نعمتوں کا سبب بنا دے۔ حالانکہ انسان کی ساری عمر کی نیاز مندیاں و عبادت گزاریاں کسی ایک نعمت کا بھی معاوضہ نہیں ہو سکتیں جن سے وہ اس دُنیاوی زندگی میں لطف اندوز ہوتا رہا ہے۔ یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ آیت نے بتایا کہ جنت میں دخول کی وجہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص208۔ جامع الاحادیث از جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، متوفی 911ھ، ج15، ص298، رقم الحدیث: 5834، دار الفکر، بیروت

2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج7، جز14، ص85

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ

بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور آواز دیں گے جنتی دوزخیوں کو ۵۷ کہ بے شک

وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

ہم نے پا لیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا۔ تو کیا تم نے بھی پا یا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے

حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

ظالموں پر ۵۸ جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے

بندوں کے نیک اعمال ہیں۔ اور حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور نے فرمایا اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اَحَدَكُمْ لَنْ يُّدْخِلَهٗ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ۔ کہ خوب جان لو! کسی کا عمل کسی کو جنت میں ہرگز داخل نہیں کر سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال دخولِ جنت کا سبب قریبی ہیں۔ اور رحمتِ الٰہی سبب حقیقی ہے۔ آیت میں سبب قریبی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کی طرف۔ (1)

۵۷ ظالموں اور مجرموں کو مزید شرم دلانے کے لیے یہ سوال کیا جائے گا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان بے حد و قیاس دُوری ہے۔ پھر اتنی دُور سے جنتیوں کی آواز دوزخیوں تک کیونکر پہنچے گی۔ امام موصوف اس کا جواب لکھتے ہیں کہ صرف بُعدِ مسافت آواز کے سنے جانے سے مانع نہیں۔ عِنْدَنَا الْبُعْدُ الشَّدِيْدُ وَ الْقُرْبُ الشَّدِيْدُ لَيْسَ مِنْ مَّوَانِعِ الْاِدْرَاكِ (کبیر) (2) ریڈیو کی ایجاد نے اس کی تصدیق کر دی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ علمی طور پر ہمارے علمائے کرام کے نزدیک بھی یہ بات ثابت شدہ تھی کہ بعدِ مکانی آواز کی لہروں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ ان طے شدہ علمی مسلّمات کی روشنی میں اگر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبت کیش غلاموں کا درود شریف سنتے ہیں تو اسے شرک کہنا کیوں کر درست ہے۔

۵۸ جن پر پھٹکار ڈالی جائے گی اُن کی صفات بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ظالم ہیں اور ظلم سے مراد یہاں کفر و شرک ہے جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ دوسری یہ کہ وہ خود بھی دینِ حق قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ تیسری یہ کہ دینِ حق کے دلائل میں شکوک و شبہات ڈال کر اسے ٹیڑھا اور غلط دکھانے کی سعی کرتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں۔ اور جو شخص ان چار گمراہیوں میں مبتلا ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر پھٹکار ڈالی جائے۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 87۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب لن یدخل احد الجنۃ بعملہ، ج 2، ص 377، قدیمی کتب خانہ، کراچی 2۔ ایضاً، ص 88

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ

اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان دونوں (جنت و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے ۵۹ ۔ اور اعراف پر کچھ

رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

مرد ہوں گے ۶۰ جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے ۶۱ اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ

سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں گے اور جب پھیری جائیں گی

۵۹ اسی حجاب کو سورۂ حدید میں سور یعنی دیوار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ (1)۔ اس حجاب کی تفصیلی حقیقت نہ ہمیں بتائی گئی ہے اور نہ اس کے جاننے سے ہماری کوئی سعادت وابستہ ہے۔ اس لیے اس کی تفصیلات جاننے کے لیے سرگرداں رہنا تضیعِ وقت ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ میں ایک ایسا پردہ حائل ہے جو دوزخ کی آنچ کو جنت تک اور جنت کے رُوح پرور اثرات کو دوزخ تک نہیں پہنچنے دیتا۔(2)

۶۰ اعراف جمع ہے عُرْفٌ کی۔ اور عُرف کا لغوی معنی بلند جگہ ہے۔ وَ الْاَعْرَافُ فِي اللُّغَةِ الْمَكَانُ الْمُشْرِفُ جَمْعُ عُرْفٍ (قرطبی)(3) اس مناسبت سے گھوڑے کی گردن کے بالوں کو عُرْفُ الْفَرَسِ اور مرغے کی کلغی کو عُرْفُ الدِّيْكِ کہتے ہیں (4)۔ یہاں اس حجاب کا بالائی حصہ مراد ہے (5)۔ اور وہ لوگ جو وہاں اعراف میں ہوں گے وہ کون ہیں۔ اس کے متعلق مفسرینِ کرام نے پندرہ اقوال لکھے ہیں۔ (روح البیان)(6) حضرات عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن الیمان، ابنِ عباس، ضحاک اور ابنِ جبیر رضی اللہ عنہم ورحمہم کا قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوں گی۔ هُمْ قَوْمٌ اِسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَ سَيِّئَاتُهُمْ (قرطبی وغیرہ)(7) اور دوسرے متعدد اقوال کو علامہ بیضاوی نے اپنی اس عبارت میں ذکر کر دیا ہے۔ وَ قِيْلَ قَوْمٌ عَلَتْ دَرَجَاتُهُمْ كَالْاَنْبِيَاءِ اَوِ الشُّهَدَاءِ اَوْ خِيَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ عُلَمَائِهِمْ (8): یعنی بعض علماء کے نزدیک اعراف کی بلندیوں پر فائز ہونے والے انبیاء، شہداء، صلحاء، اور علماء ہوں گے۔ اُن کی عزت افزائی کے لیے ان کو اس بلند مقام پر ٹھہرایا جائے گا تاکہ تمام اہلِ محشر ان کی عظمتِ شان اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ واللہ اعلم۔

۶۱ اس بلند دیوار پر بیٹھے ہوئے اہلِ اعراف جنتیوں کو بھی شاداں وفرحاں دیکھ رہے ہوں گے اور دوزخیوں کو بھی گریاں و بریاں ملاحظہ کر رہے ہوں گے۔ جب ان کی نگاہ اہلِ جنت کی طرف اُٹھے گی تو اُنہیں اس فوزِ مبین پر مبارکباد کرتے ہوئے سلامتی کی دُعا

1۔ سورۃ الحدید: 13 | 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 166 | 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 211
4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً | 6۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 168-167
7۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 211 | 8۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 206

اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ

ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ

لوگوں کے ساتھ اور پکاریں گے اعراف والے ۶۲؎ ان لوگوں کو جنھیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے

قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ

(انھیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمھیں تمھارے جتھے نے اور (نہ اس سازوسامان نے جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے (اے

الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ

سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں ۶۳؎ جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انھیں اللہ اپنی رحمت سے

عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ

(دیکھو انھیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے اور آوازیں دیں گے دوزخی جنتیوں

الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا

کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا

کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر جنھوں نے بنا لیا تھا اپنے دین کو کھیل

دیں گے اور جب اہلِ جہنم کی طرف دیکھیں گے تو سراپا عجز و انکسار بن کر بارگاہِ الٰہی میں اس عذابِ الیم سے بچنے کی دعا کریں گے۔ آیت میں یَطْمَعُوْنَ بمعنی یَعْلَمُوْنَ ہے۔ وَذٰلِكَ مَعْرُوْفٌ فِی اللُّغَةِ اَنْ یَّكُوْنَ طَمِعَ بِمَعْنٰی عَلِمَ۔ (قرطبی)(1)

۶۲؎ وہاں تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اُس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی کام آئے گی۔ یہ دُنیاوی سازوسامان تو اُس روز کھوٹے سکوں سے بھی ناکارہ ثابت ہوں گے۔

۶۳؎ ان کی شرمندگی اور شرمساری میں مزید اضافہ کرنے کے لیے اہلِ اعراف اُنہیں کہیں گے کہ یہ غریب و مسکین کلمہ گو جن کو تم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 213

وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ

اور تماشا اور فریب میں مبتلا کردیا تھا انھیں دُنیا کی زندگی نے۔ سو آج ہم فراموش کردیں گے انھیں ۶۴؎ جیسے بھلا دیا تھا

يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ

انھوں نے اس دن کی ملاقات کو اور جس طرح وُہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور بے شک لے آئے ۶۵؎ ہم ان

بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کردیا ہے (اپنے) علم (کامل) سے درآں حالیکہ وُہ ہدایت اور رحمت ہے اُس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

کافر کس چیز کے ۶۶؎ منتظر ہیں؟ یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام تو کہیں گے جو

خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے اور از راہِ نخوت کہا کرتے تھے کہ ان کو رحمتِ خداوندی سے کیا واسطہ؟ اس کی رحمتیں تو ہمارے لیے ہی مخصوص ہیں۔ آج ان کی طرف دیکھو! وہ تو جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے۔

۶۴؎ نسیان (بھلا دینے) کا کیا معنی ہے؟ امام رازیؒ نے دو قول نقل کیے ہیں۔ (۱) نَسِيَ بمعنی تَرَكَ یعنی ہم انہیں چھوڑ دیں گے۔ اور ان کو نجات نہیں دیں گے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے ہم نے ان کو فراموش کردیا ہے۔ (1)

۶۵؎ یہ مکالمہ اور گفتگو جو اہلِ اعراف اور اہلِ جہنم کے درمیان یا اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ہوگی۔ اس کے بیان کرنے کی غرض وغایت بتائی جا رہی ہے۔ یعنی اس کا مقصد قصہ گوئی اور داستان سرائی نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ اور وہ لغزشیں اور قصور جن کی وجہ سے بڑے بڑے نامور لوگ آتشِ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے ان سے اجتناب کرو تاکہ اس روز دردناک انجام سے تمہیں دوچار نہ ہونا پڑے اور ان کی غلط کاریوں میں سے بڑی خطرناک غلط کاریاں یہ ہیں جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں کیا گیا:

۱۔ احکامِ الٰہی کو لہو ولعب سمجھنا یعنی سنجیدگی سے ان کو قبول نہ کرنا بلکہ ان کو مذاق اور کھیل بنائے رکھنا۔ جی چاہا تو مان لیا اور جی چاہا تو انکار کردیا۔

۲۔ دُنیا کی محبت میں ایسا غرق ہوجانا اور اس پر اتنا فریفتہ ہوجانا کہ حلال حرام کی تمیز ہی نہ رہے۔

۳۔ روزِ قیامت کا انکار۔

۶۶؎ علامہ قرطبی نے يَنْظُرُوْنَ کا معنی يَنْتَظِرُوْنَ کیا ہے۔ یعنی کیا وہ اِس بات کا انتظار کر رہے ہیں اَلنَّظْرُ: اَلِانْتِظَارُ (قرطبی) (2)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 99
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 217

نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ

بُھلائے ہوئے تھے اسے اس سے پہلے کہ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے رسُول حق (پیغام) تو کیا (آج) ہمارے کوئی

شُفَعَآءَ فَيَشۡفَعُوۡا لَنَآ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَيۡرَ الَّذِيۡ كُنَّا نَعۡمَلُ ؕ

سفارشی ہیں تو وُہ سفارش کریں ہمارے لیے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے

قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۟ اِنَّ

بے شک اُنھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو وُہ بہتان باندھا کرتے تھے بلا شبہ

رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِيۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

تمھارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں ۶۷ پھر

تَأْوِيْلٌ: مَا يَئُوْلُ اِلَيْهِ اَمْرُهٗ (بیضاوی) (1) یعنی انجامِ کار۔ اس آیت میں کفار سے استفسار کیا جارہا ہے کہ جب ہدایت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ دلائل کی روشنی ہر سو پھیل چکی ہے تو وہ اب کیوں ایمان نہیں لاتے؟ کیا وہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب وہ وعدے جو اہلِ ایمان سے کیے گئے اور عذاب و ہلاکت کی پیشین گوئی جو اہلِ باطل کے لیے کی گئی وہ پوری ہو لے تو ایمان لائیں گے۔ اگر ایسا ہے تو ان کی کم فہمی لائقِ صد افسوس ہے کیونکہ اس روز تو دفترِ عمل تہ کر دیا جائے گا اور جواب دہی کے لیے انہیں عدالتِ خداوندی کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت اگر وہ اپنے ایمان کا اعلان کر بھی دیں گے تو بے سود ہوگا۔ اس روز بصد حسرت و ہزار ندامت کہیں گے کہ کاش! آج ہمارا کوئی حمایت کرنے والا ہو یا ہمیں صرف ایک بار مہلت دی جائے کہ ہم دُنیا میں لوٹ جائیں، پھر ہم دکھا دیں کہ ہم کتنے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں۔ اُس وقت ان کی کوئی بات نہ سنی جائے گی۔ ع

ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا (2)

۶۷ قیامت کے دن پیش آنے والے عبرت انگیز اور سبق آموز واقعات بیان کرنے کے بعد اب پھر توحیدِ باری کے روشن دلائل پیش فرمائے جا رہے ہیں۔ عام طور پر صبح سے لے کر شام تک کے وقت کو یوم (دن) کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں اُس وقت کا ذِکر ہو رہا ہے جب کہ نہ سورج تھا اور نہ صبح و شام کا وجود تھا۔ اس لیے آیتِ کریمہ میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے۔ اور لفظِ یوم کا اطلاق اس معنی میں عموماً ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اَلْيَوْمُ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنْ وَقْتِ طُلُوْعِ الشَّمْسِ اِلٰى غُرُوْبِهَا وَ قَدْ يُعَبَّرُ عَنْ مُدَّةٍ مِنَ الزَّمَانِ اَىَّ مُدَّةٍ كَانَتْ (مفردات القرآن) (3) اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں یوم سے مراد وقت کی وہ مقدار ہے جو ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامٌ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 208 2۔ شرح دیوان غالب، غزل نمبر 17، ص 17 3۔ مفردات راغب، ص 894

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا

متمکن ہوا عرش پر ۶۸ (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو ۶۹ درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ

تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے سن لو! اسی کے لیے خاص ہے پیدا کرنا اور

الْاٰخِرَةِ كُلُّ يَوْمٍ اَلْفُ سَنَةٍ (نیشا پوری)(1) وَ يَوْمٌ مِّنَ السِّتَّةِ الْاَيَّامِ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ(2) (ابن جریر وغیرہ من المفسرین) امام ابن جریر اور دیگر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہاں دن سے مراد ایک ہزار سال کی مدت ہے یعنی کائناتِ ارضی و سماوی کی تخلیق چھ ہزار سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ مختلف مدارج حیات طے کرتے ہوئے ہوئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو چشم زدن میں اس ساری کائنات کو پیدا فرما دیتا۔ لیکن اس کی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی جو جلوہ گری اس تدریج میں ہے وہ اہلِ فکر ونظر سے پنہاں نہیں۔ اگر کوئی چیز دفعۃً معرضِ وجود میں آجائے تو گمان ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاقیہ امر تھا جو از خود ظہور پذیر ہو گیا۔ لیکن اگر کوئی چیز مختلف مدارج طے کرتی ہوئی ضعف سے قوت، خامی سے پختگی اور نقص سے کمال کی طرف تدریجاً بڑھتی چلی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی حکیم و علیم ذات ہے جس کی توجہ اور تدبیر سے یہ سب کچھ نمودار ہو رہا ہے۔

۶۸ سلف صالحین کا مسلک تو یہ تھا کہ وہ ایسی آیات کی حقانیت پر ایمان رکھتے لیکن ان میں قیل وقال سے گریز اختیار کرتے۔ جیسے حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آکر اس آیت کا مطلب دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر کس طرح استواء فرمایا تو آپ نے تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا(3)۔ اَلْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ وَّ الْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ وَّ الْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَّ السُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ الخ(4) یعنی ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر استواء فرمایا لیکن اس کی کیفیت کیا تھی وہ ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ لیکن اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق گفتگو بدعت ہے۔ علماء متاخرین نے اس کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ استویٰ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھ گیا(5)۔ کیونکہ وہ مکان اور جلوس سے پاک ہے۔ بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ کائناتِ ارضی و سماوی کی باگ ڈور اس نے اپنے دستِ قدرت میں تھام لی اور حکم و حکمرانی کو اپنے لیے مخصوص فرما لیا۔ اِسْتَوٰى اَلْمُرَادُ مِنْهُ كَمَالُ قُدْرَتِهٖ فِيْ تَدْبِيْرِ الْمُلْكِ وَ الْمَلَكُوْتِ۔(6)

۶۹ اس آیتِ کریمہ میں توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کے روشن دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔ کائناتِ سماوی اور ارضی کی تدریجی تخلیق اور انہیں مختلف ادوار سے گزار کر مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔

۲۔ تختِ حکومت و مسندِ تدبیر و جہانبانی پر متمکن ہو کر زمامِ اختیار اپنے دستِ قدرت میں رکھنا۔

۳۔ دن جو کاروبار کی ہنگامہ آرائیوں اور تلاشِ معاش کے لیے جد و جہد کے لیے ہے اور رات جو سکون و آرام کے لیے ہے اُن کا

1۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری، ج 8، ص 107 | 2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 146

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 359 | 4۔ ایضاً | 5۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 106 | 6۔ ایضاً

الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ

حکم دینا ۵۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو دُعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے ۱ے اور

باہم یوں تسلسل قائم کردینا کہ یکے بعد دیگرے بلا توقف اُن کا وُرود ہوتا رہے۔

۴۔ چھوٹے بڑے تمام اجرامِ فلکیہ سورج، چاند، ستاروں وغیرہ کا اس کے حکم کا پابند ہونا۔

۵۔ خلق وامر کا یکتا مالک ومختار ہونا۔ یہ تمام ایسی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس واطہر سے مختص ہیں اور کوئی دوسرا ان میں سے کوئی چیز اپنے لیے ثابت نہیں کرسکتا۔ تو جب ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کے حکم کے سامنے بے چون وچرا سرافگندہ ہے تو کوئی عقل مند یہ کیونکر گوارا کرسکتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کسی کو اپنا خدا اور معبود بنالے۔ خواہ وہ چیز کتنی ہی بڑی، پرہیبت، عظیم الشان اور مفید ہو۔

۵ے اَلْخَلْقُ سے مراد پیدا کرنا ہے اور اَلْاَمْرُ سے مراد اُن کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریعی احکام صادر کرنا۔ اس مختصر سے جملہ میں تخلیقِ کائنات کے متعلق تمام غلط نظریات کا بطلان کردیا۔ بعض فلسفی سرے سے وجودِ باری کے قائل نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ساری کائنات خود بخود عدم سے وجود میں آگئی۔ بعض وجودِ باری کے قائل تو ہیں لیکن مادہ کو قدیم مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس کے اجزاء میں جوڑ توڑ سے مختلف اشیاء پیدا کردیں۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق تو وہ ہے لیکن ان کو پیدا کردینے کے بعد اب اس کا اِس کائنات سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ وہ گوشۂ عزلت میں ہر چیز سے بے خبر اور بے اختیار بیٹھا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ خالق بھی وہی ہے اور حاکم بھی وہی ہے۔ اُسی کے اذن سے کوئی چیز نیست سے ہست ہوتی ہے اور اسکے حکم کے بغیر پتہ تک نہیں ہلتا۔ صوفیائے کرام قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ کے نزدیک خلق سے مراد عالمِ جسمانیات ہے۔ یعنی عرش وکرسی، زمین وآسمان اور ان میں جو کچھ ہے اور الامر سے مراد عالم مجردات یعنی قلب، رُوح، خفی اور اخفی وغیرہ جو عرش سے بھی ماوراء ہیں انہیں عالمِ امر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں مادہ کے بغیر محض امرِ کن سے پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ پانی پتی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قَالَتِ الصُّوْفِيَّةُ الْمُرَادُ بِالْخَلْقِ عَالَمُ الْخَلْقِ يَعْنِي الْجِسْمَانِيَّةَ الْعَرْشُ وَمَا تَحْتَهٗ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعَالَمُ الْاَمْرِ يَعْنِي الْمُجَرَّدَاتِ مِنَ الْقَلْبِ وَالرُّوْحِ وَالسِّرِّ وَالْخَفِيِّ وَالْاَخْفٰى..... وَسُمِّيَتْ بِعَالَمِ الْاَمْرِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَهَا بِلَا مَادَّةٍ بِاَمْرِهٖ كُنْ۔ (مظہری)(1)

۱ے اپنی تمام حاجات اور مشکلات میں بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور ساتھ ہی دُعا کی قبولیت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان کا ذکر بھی فرمادیا کہ انسان نخوت وغرور کو دل سے نکال کر غفلت وکاہلی سے اپنے آپ کو پاک کرکے سراپا عجز وانکسار بن کر اپنے رب کے حضور میں دستِ دعا دراز کرے۔ دوسری یہ کہ چلا کر دعا نہ مانگے۔ کیونکہ آدابِ بارگاہِ ربانی کے خلاف ہے اور اس میں ریا اور دِکھلاوا کا بھی بہت امکان ہے بلکہ آہستہ آہستہ خاموشی سے اپنے دلِ نیازمند کی حکایتِ دردو آرزو پیش کرے۔ ذکرِ الٰہی میں اصل تو یہی ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے درست نہیں۔ کیونکہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص360

خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

آہستہ آہستہ بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو[۲] اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ

اُس کی اِصلاح کے بعد[۳] اور دُعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے[۴] بے شک اللہ کی رحمت

بعض مقامات پر اور بعض حالات اور حکمتوں کے پیشِ نظر ذکر بالجہر ذکر سری سے افضل ہو جاتا ہے سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں ذکر بالجہر کا مقصد یہی ہے کہ طالبِ مولا غفلت ونسیان کی نیند سے بیدار ہو، دل میں حرارت پیدا ہو جس سے محبت وعشقِ الٰہی کے شعلے بھڑک اُٹھیں۔ اور یہ تو بہر حال ضروری ہے کہ دِل میں ریا اور نمود کا گزر نہ ہو۔ چنانچہ بیہقیِ وقت حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ وَلَعَلَّ الصُّوْفِيَّةَ الْجِشْتِيَّةَ قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْرَارَهُمْ اِخْتَارُوْا الْجَهْرَ لِلْمُبْتَدِئِ لِاقْتِضَاءِ حِكْمَةٍ وَّهِيَ طَرْدُ الشَّيْطَانِ وَ دَفْعُ الْغَفْلَةِ وَالنِّسْيَانِ وَحَرَارَةُ الْقَلْبِ وَاشْتِعَالُ نَائِرَةِ الْحُبِّ بِالرِّيَاضَةِ مَعَ ذٰلِكَ يَشْتَرِطُ لِذٰلِكَ الْاِحْتِرَازُ عَنِ الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ (مظہری)(1)

[۲] اعتداء کہتے ہیں حد سے تجاوز کرنے کو۔ یہاں اس دُعا کرنے والے کو معتدی (حد سے تجاوز کرنے والا) کہا گیا ہے جو ایسے اُمور کے لیے دُعا کرے جو عقلاً یا شرعاً ممنوع ہوں مثلاً نبوت کے مرتبہ تک رسائی کی دُعا، کسی حرام چیز کی لیے دُعا یا مسلمانوں کے حق میں بددعا یا آدابِ دُعا کو جونظر انداز کردے۔(2)

[۳] ہر قسم کی فساد انگیزی سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ چشموں کو بند کرنا۔ نہروں کو توڑ پھوڑ دینا، باغات کو اُکھاڑ دینا، کھیتوں کو اُجاڑ دینا، کارخانوں کو برباد کر دینا، تجارت وصنعت میں دھوکہ بازی کرنا، حکومتِ وقت کے خلاف بلاوجہ سازشیں کرنا غرضیکہ ہر قسم کی تخریبی کارروائی جس سے ملک کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی متاثر ہو یا اس کے سیاسی اِستحکام کو نقصان پہنچے۔ اسی طرح عقائد حقہ میں کجی، احکامِ شرعی میں اپنی اغراض کے لیے تحریف، غیر اسلامی عادات واطوار کو اپنانا، اسلامی تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر غیر اسلامی تہذیب اور ملحدانہ تمدن کو اختیار کرنا یہ سب ممنوع ہے۔ اور یہ دونوں قسمیں قرآن کی اصطلاح میں فساد فی الارض کے عنوان کے نیچے مندرج ہیں۔

[۴] دُعا مانگنے میں عجز ونیاز مندی اور ریا ونمود سے اجتناب کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دُعا مانگنے والے پر خوف ورجاء کی کیفیت طاری ہو۔ اگر ایک طرف اسے اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا فکر ہر وقت دامن گیر ہو تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ سے اس کی آس واُمید بندھی ہوئی ہو۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 362 2۔ ایضاً، ج 3، ص 363

قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا

قریب ہے نیکوکاروں سے ۷۵ اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سنانے ہوئے

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ

اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ۔ یہاں تک کہ جب وہ اُٹھا لاتی ہیں بھاری بادل توہم لے جاتے ہیں

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ

اُسے کسی ویران شہر کی طرف پھر ہم اُتارتے ہیں اس سے پانی پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ ہر قسم کے پھل ۷۶

۷۵ یہ فرما کر دستِ دُعا پھیلانے والے کو یقین دلا دیا کہ اگر تم اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو تو تمہیں خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹایا جائے گا بلکہ رحمتِ خداوندی اپنی بخشش و مغفرت اور قبولیت وعنایت سے تمہیں سرفراز فرمائے گی۔ یہاں ایک چیز غورطلب ہے۔لفظِ رحمۃ اِنَّ کا اسم ہے اور قریب اس کی خبر۔اورنحو کا قاعدہ ہے کہ تذکیر وتانیث میں اسم وخبر میں موافقت ہونی چاہیے۔لیکن یہاں رحمۃ (اسم) مؤنث ہے اور قریب (خبر) مذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ قرطبیؒ نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ اور ان میں سے مجھے فراء کا قول زیادہ پسند ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قریب کبھی قرابتِ نسبی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی قربِ مکانی کے لیے۔ پہلی صورت میں تذکیر وتانیث میں موافقت ضروری ہے۔ جیسے هٰذِهِ الْمَرْاَةُ قَرِيْبَتِيْ۔ لیکن دوسری صورت میں مذکر ومؤنث دونوں طرح استعمال جائز ہے۔ دَارُكَ مِنَّا قَرِيْبٌ وَ فُلَانَةٌ مِّنَّا قَرِيْبٌ قَالَ الْفَرَاءُ: إِذَا كَانَ الْقَرِيْبُ فِيْ مَعْنَى الْمُسَافَةِ يُذَكَّرُ وَيُؤَنَّثُ وَاِنْ كَانَ فِيْ مَعْنَى النَّسَبِ فَيُؤَنَّثُ بِلَا اخْتِلَافٍ (قرطبی) (1) آیتِ مذکورہ میں قریب سے مراد قرابتِ نسبی نہیں بلکہ قربِ مکانی ہے اس لیے قریب درست ہے۔

۷۶ یہاں اپنی ربوبیت کی ایک اور شان دکھائی۔ یعنی جب خشک سالی کی وجہ سے کھیت اور باغات اپنی ساری شادابیاں اور بہاریں کھو چکے ہوتے ہیں، جب روئیدگی کی قوت فرطِ تشنگی سے دم توڑنے لگتی ہے تو اس وقت رحمتِ خداوندی مائل بہ کرم ہوتی ہے۔ ابرِ رحمت نامعلوم وادیوں سے نکل کر آسمان پر چھا جاتا ہے اور موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے اور اس کے حیات بخش قطروں کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ یہ احسانِ عظیم جتلانے کے بعد فوراً منکرینِ قیامت کو ان کے فکر کی کوتاہی پر متنبہ فرما دیا کہ تمہیں یہ بہت محال نظر آتا ہے کہ ہزارہا سال کے بعد مدفون مردے کیوں کر اپنی قبروں سے دامن جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ فرمایا کہ تم ہر وقت ہماری قدرت کے کرشمے دیکھ رہے ہو۔ جو قادر وقیوم آنِ واحد میں ویران اور اُجڑے ہوئے علاقوں کو آباد اور شاداب کر دیتا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 228

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ

اسی طرح ہم نکالیں گے مُردوں کو تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے کثرت سے

نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ

نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا ۷۷ اسی طرح ہم

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ

مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو شکر گزار ہے۔ بے شک ہم نے بھیجا ۷۸ نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم ۷۹ کی طرف

۷۷۔ ان دو آیتوں کو اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جسم کی بقا اور نشوونما کے لیے قدرت نے ہزاروں سامان مہیا فرما دیئے ہیں اُسی طرح رُوحانی ترقی و اِصلاح کو بھی عنایتِ الٰہی نے نظرانداز نہیں کیا۔ اگر وہاں ٹھنڈی ہوائیں، بادل اور بارش کا انتظام فرمایا ہے تو یہاں بھی اپنے برگزیدہ رسولوں کو اپنی وحی اور ہدایت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور جس طرح بارش برسنے سے اچھی زمین رشکِ جناں بن جاتی ہے اور ردّی اور شور زمین میں تھور اور سیم کا اضافہ ہو جاتا ہے اور خاردار جھاڑیاں اُگ آتی ہیں اسی طرح نبوت کے فیضِ تربیت سے اچھی استعداد والے فائدہ اُٹھا کر صدیقیت و فاروقیت کے مناصبِ رفیعہ پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اور بدطینت اور خبیث فطرت اس ابرِ کرم کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کی شرپسندی، خبثِ باطن جو مصلحت اور فریب کے نقابوں میں مستور ہوتا ہے بے نقاب ہو جاتا ہے اور ان کی اخلاقی پستی اور گندی ذہنیت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ دانشورِ شیرازؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شور بوم خس (1)

گویا یہ آیتیں بعد میں آنے والے کئی رکوعوں کے لیے بطورِ تمہید ہیں۔

۷۸۔ اب چند جلیل القدر انبیاء جو مکہ اور عرب میں مشہور تھے کا تذکرہ اور ان کی قوموں نے اُن سے جو سلوک روا رکھا اُس کا بیان شروع ہو رہا ہے تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ربِ کریم جس طرح انسان کی حیاتِ ظاہری کی بقا اور اس کی توانائیوں کی نشوونما کے لیے ہر ضرورت کے وقت بارش نازل فرماتا ہے اور اس سے ہر چیز اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتی ہے اسی طرح انسان کی رُوحانی زندگی کے لیے بھی رسالت کا ابرِ رحمت بارہا اُمڈ کر آیا، اس سے ہدایت ربانی کی بارشیں برسیں اور نیک فطرت لوگ اس سے مستفید ہوئے اور بدفطرت لوگ انبیاء کی مخالفت اور عداوت پر اُتر آئے اور طرح طرح کی حجت بازیوں کے باعث اس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔ نیز اس سے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دلجوئی بھی فرما دی کہ اے حبیب! اہلِ مکہ کی ایذا رسانی اور بے التفاتی اور اعتراضات سے غمزدہ نہ ہو۔ تم سے پہلے بھی ہمارے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے

1۔ گلستانِ سعدی، ص 30

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ

تو انھوں نے کہا اے میری قوم ! ۸۰ عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اللہ کے سوا ۸۱ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ

ایسا ہی سلوک کیا لیکن وہ ان کی ستم کیشیوں کے باوجود کلمۂ حق کہتے رہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیجئے۔

۷۹ تورات کے بیان کے مطابق آپ کے باپ کا نام لمک تھا۔ جب ان کے باپ کی عمر ۱۸۲ برس تھی تو آپ کی ولادت ہوئی۔ (پیدائش ۵: ۲۸) (1) آپ آدم علیہ السلام کی دسویں پشت میں تھے۔ اسی کتاب کے چھٹے باب میں حضرت نوحؑ کے متعلق مرقوم ہے:

"نوح مردِ راست باز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا۔" (پیدائش ۶: ۹) (2) لیکن اسی راست باز اور بے عیب ہستی کے متعلق تورات کی یہ آیتیں جب نظر سے گزرتی ہیں تو اِنسان حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ طوفان سے بخیر و عافیت بچ نکلنے کے بعد "نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے (شراب) پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔" (پیدائش ۹: ۲۰، ۲۱) (3)

کیا لوگوں کو پاکبازی اور تقویٰ کی راہ دکھانے والا، کیا نبوت کے شرف سے مشرف ہو کر آنے والا ایسی مذموم اور گھٹیا حرکت کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ کیا اخلاقی لحاظ سے وہ اتنا پست ہو سکتا ہے کہ وہ شراب سے بدمست ہو کر اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا ہو جہاں اُس کی بہو بیٹیاں موجود ہوں گی؟ معاذ اللہ! چنانچہ اِنسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا نے اِس الزام کی صحت کو تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ حیاسوز مے خواری کی یہ حکایت اس مقدس رہنما کی پاکیزہ سیرت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ جلد ۱۶، صفحہ ۴۷۶۔

"NOR DOES THE SHAMELESS DRUNKENNESS OF NOAH ACCORD WELL WITH THE CHARACTER OF THE PIOUS HERO OF THE FLOOD STORY" VOLUME 16:476 (4)

آپ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول تھے۔ وَ نُوْحٌ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَى الْاَرْضِ بَعْدَ آدَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ (قرطبی) (5) آپ کے زمانہ کی صحیح تعیین تو مشکل ہے۔ لیکن بعض اندازوں کے مطابق آپ کا زمانہ ۳۸۰۰ ق م تا ۲۸۵۰ ق م ہے۔ (ماجدی) (6)

۸۰ اے میری قوم، کے محبت بھرے کلمات سے حضرت نوحؑ اپنی قوم کو خطاب فرما رہے ہیں تاکہ ان میں یہ اِحساس بیدار کیا جائے کہ میں کوئی بیگانہ اور اجنبی نہیں ہوں بلکہ ہم سب ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ اور جب ہمارا نفع و نقصان، عزت و ذلت ایک ہے تو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ میں صحیح راہ سے تمہیں ہٹا کر غلط راستے پر ڈال دوں گا؟

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 5، آیت 28، ص 8 — 2۔ ایضاً، باب 6، آیت 9، ص 9 — 3۔ ایضاً، باب 9، آیت 21-20، ص 11

4۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 16، ص 476 — 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 232 — 6۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 338

عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

تم پر بڑے دِن کا عذاب نہ آ جائے ۸۲؎ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ۸۳؎ اے نوح! ہم دیکھتے ہیں

فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِىۡ ضَلٰلَةٌ وَّلٰـكِنِّىۡ رَسُوۡلٌ

تمھیں کھلی گمراہی میں آپ نے کہا اے میری قوم! ۸۴؎ نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں

۸۱؎ آپ نے سب سے پہلے اُنہیں شرک کی پستیوں سے نکل کر توحید کی رفعتوں کی طرف آنے کی دعوت دی۔ اور انہیں بتایا کہ اس ذاتِ پاک کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ نوری وناری، آبی وخاکی سب اس کی مخلوق ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ جب اس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں تو اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت کی جائے تو آخر کیوں؟

۸۲؎ پہلے تو عقلِ سلیم کو مخاطب فرمایا۔ اب ذرا دھمکی بھی دے دی کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کوئی معمولی سی بات ہے اِس کے متعلق کوئی باز پُرس نہ ہوگی۔ بلکہ کان کھول کر سن لو عذابِ شدید کی چکی میں پیس کر رکھ دیئے جاؤ گے۔ یومِ عظیم سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا اس تباہ کن سیلاب کے آنے کا دِن ہے (1) جس نے ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔

۸۳؎ قوم کے رؤساء اور سرداروں کو مَلَاٌ کہتے ہیں کیونکہ اُن کا زرق برق لباس اور ظاہری آن بان اور شان وشوکت آنکھوں کو پُر کر دیتی ہے هُمُ الْاَشْرَافُ فَاِنَّهُمْ يَمْلَؤُوْنَ الْعُيُوْنَ رُوَاءً (بیضاوی) (2) جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو بجائے اس کے کہ آپ کی قوم کا سر برآوردہ طبقہ آپ کی دعوت میں سنجیدگی سے غور وفکر کر کے اُسے قبول کرتا۔ اُلٹا وہ بگڑ گیا۔ گویا نوح نے یہ کہہ کر ان کی سیادت کو چیلنج کر دیا ہے اور اُن کے احساسِ نخوت کو ٹھیس لگا دی ہے۔ اُنہوں نے جھٹ حضرت نوحؑ پر الزام لگا دیا کہ نوحؑ بھٹک گیا ہے اور سیدھی راہ چھوڑ کر غلط راستہ پر چل نکلا ہے۔

۸۴؎ یہ بہتانِ عظیم سن کر بھی پیغمبر کے جذبۂ خیر خواہی میں فرق نہ آیا اور بڑی فراخ دِلی سے ان کی غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش کی۔ فرمایا اے بھلے مانسو! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے دِل سے گھڑ کر نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہی پیغام جوں کا توں تمہیں پہنچا رہا ہوں۔ نیز اِس دعوت کی تہ میں میری کوئی ذاتی غرض یا منفعت پنہاں نہیں۔ محض تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے۔ تمہارا علم اُدھورا اور نا تمام ہے کیونکہ اس کا ماخذ اندھی تقلید اور نفس پرستی ہے اور میرا علم کامل اور یقینی ہے۔ کیونکہ میرے علم کا سرچشمہ ذاتِ باری ہے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ راہِ راست سے کون بھٹکا ہوا ہے۔ اپنے مقامِ بلند کو کتنی وضاحت سے پیش فرمایا اور اپنی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا اُنہیں یقین دلانے کی کتنی دلسوز کوشش کی!

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 209 — 2۔ ایضاً

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ

سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمھیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمھیں اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ

میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر ۸۵ کہ آئی تمھارے پاس نصیحت تمھارے

رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمھیں (غضبِ الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ

کیا جائے پھر بھی اُنھوں نے جھٹلایا نوحؑ کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو ۸۶ آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کر دیا ۸۷ ان (بدبختوں) کو

۸۵ یہاں اُن کے ایک اور شبہ کا ازالہ فرمایا۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کوئی اِنسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے اور ذاتِ ربانی سے براہِ راست فیض حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے۔ اِس لیے فرمایا کہ تمہاری یہ حیرت و پریشانی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمتِ نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

۸۶ افہام و تفہیم اور وعظ و نصیحت کا یہ سلسلہ ایک دو روز میں ہی ختم نہیں ہوا بلکہ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کی مخالفت برداشت کرتے رہے اور ان کی ہدایت پذیری کے لیے جان توڑ کوشش کرتے رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے نبی کا ظرف ہی اتنا وسیع، حوصلہ اتنا بلند اور دِل اتنا شفیق ہوتا ہے کہ وہ تکذیب و اِفتراء کے باوجود وعظ و نصیحت سے دست بردار نہیں ہوتا۔ آخر جب اتنا عرصۂ دراز گزر گیا اور ان میں قبولِ ہدایت کی رغبت پیدا نہ ہوئی تو عذابِ الٰہی طوفان کی شکل میں ظاہر ہوا اور آپ کے فرمانبرداروں کے سوا سب کو تباہ و برباد کر دیا۔

۸۷ یہ الفاظ خود اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بطورِ سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہِ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہلِ فن کو ملتے رہتے ہیں (1)۔ تورات میں اس طوفان کے سلسلہ میں یہ تصریحات ملتی ہیں: ''اور نوح چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا''۔ (پیدائش ۷:۶) (2) ''جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینہ کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی''۔ (3)

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 339 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ

جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے اور عاد کی طرف اُن کے بھائی

هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

ہُود کو بھیجا ۸۸ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

کیا تم نہیں ڈرتے کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے کہ (اے ہُود!) ہم تو خیال کرتے ہیں

فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

کہ تم نرے نادان ہو ۸۹ اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو ہُود نے کہا اے میری قوم! نہیں

(پیدائش ۷:۱۱، ۱۲) طوفانِ نوح کا تخمینی سال ۳۲۰۰ ق م ہے۔ فِی الْفُلْكِ کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققینِ اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اُوپر نیچے تین درجوں کا تھا اور اس کی پیمائش تورات میں حسبِ ذیل دی جاتی ہے: "اس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی"۔ (پیدائش ۶:۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (Liner) جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے ہیں۔ حسبِ روایتِ تورات یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینے) چلتا رہا۔ (ماخوذ از تفسیری ماجدی) (1) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۸۸ قومِ عاد عرب کی قدیم اقوام میں سے تھی۔ جن کی قوت وشوکت اور حکومت وفرماں روائی کے بڑے مبالغہ انگیز افسانے زباں زدِ عوام تھے۔ ان کا یہ نام ان کے ایک دادے کے نام پر پڑ گیا تھا جس کا شجرہ یہ بتایا جاتا ہے۔ وَهُوَ عَادُ بْنُ عَوْصِ بْنِ اِرَمَ بْنِ شَالِخِ بْنِ اَرْفَخْشَدِ بْنِ سَامِ بْنِ نُوْحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ (2)۔ حضرت ہود اسی قوم کی ایک معزز شاخ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے ہود بن عبد اللہ بن رباح بن الجلود بن عاد الخ (قرطبی) (3) ان کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو یمن کا ایک حصہ ہے اور ان کا پایۂ تخت حضر موت تھا۔ یہ علاقہ اس وقت بہت سرسبز وشاداب تھا۔ یہ قوم اپنی قوت و وجاہت میں لاجواب تھی۔ دُور دراز تک اِردگرد کا علاقہ ان کے زیرِ نگیں تھا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بھی شرک میں مبتلا تھے۔ اور اپنے ہر کام کے لیے الگ الگ خدا بنا رکھے تھے۔ اُن کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے انہیں باطل معبودوں سے قطع تعلق کرنے اور اپنے مولائے حقیقی سے رشتۂ عبودیت جوڑنے کی دعوت دی۔

۸۹ آپ کی شفقت بھری دعوت کا ردِّعمل یہ ہوا کہ آپ کی قوم کے سرداروں نے آپ کو بےوقوف اور جھوٹا تک کہنا شروع کر

1۔ تفسیر ماجدی، زیرِ آیت ہذا، ص 339 2۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز 7، ص 236 3۔ ایضاً

بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝٦٧ اُبَلِّغُكُمْ

مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝٦٨ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جو دیانت دار ہو کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمہارے پاس

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا

نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ

جب اس نے بنا دیا تمہیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے

بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٦٩ قَالُوْۤا

قد و قامت میں ۹۰ تو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو ۹۱ شاید تم کامیاب ہو جاؤ وہ کہنے لگے (اے ہود!) ۹۲

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا

دیا۔ لیکن آپ کی جبین پر بل تک نہ آیا۔ اور نوح علیہ السلام کی طرح بڑی نرمی اور وضاحت سے اپنی سچائی اور اپنی دعوت کی صداقت کو واضح فرمایا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ شفقت وخلوص کے مجسموں کو ان دل آزار الزامات سے متہم کیا جاتا ہے اور وہ بڑے حوصلے اور ہمت سے اپنا کام کرتے چلے جاتے ہیں۔

۹۰ قد و قامت، شکل وصورت اور قوت وطاقت میں۔

۹۱ آلاء کا واحد اِلًی اِلْیٌ وَ اَلْوٌ و اَلًی ہے۔ اس کا معنی ہے نعمت۔ (1)

۹۲ کسی چیز کو ماننے یا نہ ماننے کے لیے وہ اپنی عقلِ ناقص کے فتویٰ کے پابند تھے۔ اُن کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس کارخانہ ہستی کے مختلف نوعیت کے بے حد و بے حساب کام ایک ذات کی مشیت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ اُنہوں نے تو ہر کام کے لیے الگ الگ معبود بنا رکھے تھے۔ اور اِس باطل کو حق یقین کرنے کے لیے ان کے پاس ایک اور زبردست سہارا تھا، وہ یہ کہ اُن

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 237

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

سو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو ہُود (علیہ السلام) نے کہا واجب ہو گیا

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ

تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے عذاب اور غضب ۹۳ کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں ۹۴

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (حالانکہ) نہیں اُتاری اللہ نے ان کے لیے کوئی سند

کے آباؤ اجداد کا یہی عقیدہ تھا اور وہ کسی قیمت پر ان کی اندھی پیروی سے دستکش ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لیے اُنہوں نے اپنے نبی کی پند و نصیحت کو بڑی سرد مہری سے ٹھکرا دیا۔ اور انہیں صاف صاف کہہ دیا کہ جس عذاب کی تم ہمیں ہر وقت دھمکیاں دیتے رہتے ہو اُسے لے آؤ۔ ایسا برتاؤ کوئی اس قوم کی ہی خصوصیت نہیں۔ جب کبھی حق و صداقت کے کسی علم بردار نے اپنی قوم کو ان کی غلط روی سے روکا تو اُنہوں نے کم و بیش ایسا ہی جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو آنکھیں بند کیے ہوئے اُن کے پیچھے دوڑتے چلے جانا کوئی عقلمندی نہیں۔ لیکن اگر آباؤ اجداد حق پر ہوں بلکہ حق کے علم بردار رہے ہوں اور ان کی زندگیاں، ان کا عمل اور ان کا وجود ہی اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہو جیسے بفضلِ اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کے اسلافِ کرام تھے تو ان کی اِقتداء اور پیروی عین ہدایت اور سعادت ہے۔ حضرت غوثِ اعظم، حضرت خواجۂ اجمیر، حضرت داتا گنج بخش، حضرت غوث العلمین بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی۔ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم مِنَ الْاَوْلِيَاءِ الْكَامِلِيْنَ قَدَّسَ اللّٰهُ اَسْرَارَهُمْ وہ روشن چراغ ہیں جن کی درخشانیوں اور تابانیوں کے باعث صراطِ مستقیم منور ہے۔

۹۳ وَقَعَ بمعنی وَجَبَ یا نَزَلَ ہے۔ رِجْسٌ سے مراد عذاب ہے (1)۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رجس کا معنی دل کی سیاہی ہے جو انکارِ حق سے آئینہ دل پر تہ در تہ جمتی چلی جاتی ہے اور اس کی فطری نورانیت اور صفائی کا ستیاناس کر دیتی ہے۔ وَقِيْلَ عَنٰى بِالرِّجْسِ الرَّيْنَ عَلَى الْقَلْبِ بِزِيَادَةِ الْكُفْرِ (قرطبی) (2)

۹۴ اسماء سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے یعنی الْاَصْنَامَ الَّتِيْ عَبَدُوْهَا (قرطبی) (3) یعنی جن کو تم اپنا الٰہ اور معبود سمجھ رہے ہو اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ یہ تمہاری اپنی من گھڑت باتیں ہیں جن کے لیے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ صاحبِ تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ قومِ عاد اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تو تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے لیکن اپنے بتوں کو بھی الوہیت اور خالقیت میں یا مستحقِ عبادت ہونے میں اللہ وحدہٗ لاشریک کا ساجھی مانتے تھے (مظہری)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 371 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 237 3۔ ایضاً

فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ

سو تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں پھر ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ان کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا

ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ اُن لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۹۵ اور نہ تھے وہ

مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

ایمان لانے والے اور قومِ ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا ۹۶ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی

وقف لازم ۸ ع ۱۶

اسماء سے مراد مسمی ہے اور سَمَّیْتُمُوْهَا کا مفعولِ ثانی اٰلِهَةً محذوف ہے۔(1) فِیْ اَسْمَاءٍ اَیْ اَشْیَاءَ مُسَمَّیَاتٍ سَمَّیْتُمُوْهَا اٰلِهَةً (مظہری)(2) اَیْ فِیْ اَشْیَاءَ سَمَّیْتُمُوْهَا اٰلِهَةً (بیضاوی) ان کے بتوں کے نام یہ تھے۔ صمود، صداء اور ہباء وغیرہ۔(3)

۹۵ دابر اصل اور جڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے اُن پر ایسا مہلک عذاب اُتارا جس نے ان سب سرکشوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

۹۶ نوح اور ہود علیہما السلام اور ان کی قوموں کے عبرتناک تذکرہ کے بعد اب حضرت صالح اور ان کی قومِ ثمود کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس قوم کا مسکن جزیرۂ عرب کے شمال مغربی جانب شام وحجاز کے درمیانی علاقہ میں تھا جس کی حدود وادی القریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے پایۂ تخت کا نام الحجر تھا۔ اس قبیلہ کا نام ان کے ایک دادے کی وجہ سے ثمود رکھا گیا تھا۔ جس کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا گیا ہے: ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح (4)۔ لیکن اِمام رازیؒ اور قرطبی نے ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام لکھا ہے(5)۔ یہ قومِ عاد کی ایک شاخ تھی جو وہاں سے ترکِ وطن کر کے یہاں آکر سکونت پذیر ہوگئی تھی۔ ان کا علاقہ بڑا زرخیز تھا۔ سرسبز کھیت، شاداب باغات اپنی بہار دکھایا کرتے تھے۔ ان کی آبپاشی کے لیے نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ لیکن دولت کی فراوانی نے ان کے اخلاق کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ اخلاقی بے راہ روی سے عقائد میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ بھی شرک کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ان کے قومی اور وطنی بھائی حضرت صالح کو مبعوث فرمایا۔ جو اپنی خاندانی برتری اور شخصی کردار کے باعث بڑے محترم اور معزز تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب علماء تاریخ نے یہ تحریر کیا ہے۔ صالح بن عبید بن اسف بن ماشخ بن عبید بن حاذر بن ثمود (6)۔ آپ کے زمانۂ بعثت کا یقینی تعیّن تو بہت مشکل ہے لیکن اِس میں شک نہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے تھا اور بعثتِ موسوی سے بہت عرصہ پہلے آپ کی قوم برباد ہو چکی تھی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 371 — 2۔ ایضاً — 3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 211

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 162 — 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 238 — 6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 162

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا ۹۷ بے شک آچکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے ۹۸ یہ اللہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

کی اُونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

بُرائی سے ورنہ پکڑلے گا تمہیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں ۹۹ جانشین

۹۷ وہی دعوت توحید جو ہر نبی کی تشریف آوری کی غایت اسمی ہوا کرتی ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے سامنے اسی پیغمبرانہ اخلاص و شفقت کے ساتھ پیش کی۔

۹۸ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعوت کو جھٹلایا گیا ہوگا اور آپ کی صداقت کے لیے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا ہوگا۔ چنانچہ یہ اونٹنی آپ کی صداقت کے لیے ظاہر کی گئی۔ اس اونٹنی کا ذکر قرآنِ کریم میں کئی بار آیا ہے۔ اس میں وجہِ اعجاز کیا تھی؟ مفسرین کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کیونکہ اس کی تخلیق ظاہری اسباب کے بغیر ایک چٹان سے ہوئی تھی اس لیے یہ معجزہ تھی (1)۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کیونکہ جو دِن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اس دن اور کوئی جانور کنوئیں کے قریب نہیں آتا تھا۔ ان کے علاوہ اور کئی وجوہِ اعجاز بیان کی گئی ہیں۔ لیکن اس بارے میں امام فخر الدین رازیؒ کی رائے نہایت پسندیدہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اِس میں کلام نہیں کہ اس اونٹنی میں کوئی ایسی خارقِ عادت خصوصیت تھی۔ جس کا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ وَاعْلَمْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ قَدْ دَلَّ عَلٰى اَنَّ فِيْهَا اٰيَةً فَاَمَّا ذِكْرُ اَنَّهَا كَانَتْ اٰيَةً مِنْ اَيِّ الْوُجُوْهِ فَهُوَ غَيْرُ مَذْكُوْرٍ وَّ الْعِلْمُ حَاصِلٌ بِاَنَّهَا كَانَتْ مُعْجِزَةً مِنْ وَّجْهٍ مَّا لَا مَحَالَةَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (کبیر) (2) اس لیے اس بحث میں اُلجھنا بے سود ہے۔ البتہ بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس میں بجز اُس کے کوئی وجہِ اعجاز نہ تھی کہ قوم ثمود کو یہ بتادیا گیا تھا کہ جس روز تم نے اسے گزند پہنچایا تمہیں برباد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی دلیل کا کیا فائدہ جس کی صداقت کا ظہور اس وقت ہو جب کہ اس سے راہِ ہدایت پانے والے ہلاک و برباد ہو چکے ہوں۔

۹۹ حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اِن احسنات اور انعامات کو فراموش نہ کرو جن سے اس نے تم کو نوازا ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد غلبہ واقتدار تمہیں بخشا گیا۔ تم کو فنِ تعمیر میں وہ مہارت عنایت کی کہ میدانی علاقوں میں تم شاندار محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑی علاقوں میں سنگین چٹانوں کو چیر پھاڑ کر مکان بناتے ہو۔ ان کی عمارات کے آثار آج بھی موجود ہیں جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو فنِ تعمیر میں ان کی مہارت کی گواہی دے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 7، جز 14، ص 169 2۔ ایضاً ص 170

مِنۢ بَعۡدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡ سُهُوۡلِهَا

عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمھیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں

قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتًا‌ ۚ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَاۤءَ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا

عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو

فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ

زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے کہا ان سرداروں نے جو تکبّر کیا کرتے تھے ان کی

قَوۡمِهٖ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ

قوم سے نۓ ان لوگوں کو جنھیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے جو اُن میں سے ایمان لائے تھے کیا تم یقین رکھتے ہو

اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ‌ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۵﴾

کہ صالح رسول ہے اپنے ربّ کی طرف سے انھوں نے کہا بے شک ہم اُس پر جسے دے کر انھیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے

قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِىۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۷۶﴾

والے ہیں کہنے لگے وہ لوگ جو تکبّر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں

رہے ہیں۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دُنیاوی علوم میں مہارت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب کوئی قوم راہِ راست سے بھٹک جاتی ہے تو کوئی علمی ترقی اسے اس کے دردناک انجام سے نہیں بچاسکتی۔

نۓ رؤسائے قبیلہ کی شدید مخالفت کے باوجود چند خوش نصیب ایسے بھی تھے جو حضرت صالح پر ایمان لے آئے۔ ان کی مالی حالت کمزور تھی اور معاشرہ میں بھی اُنہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس لیے بڑوں نے ازراہِ تعجب پوچھا کیا تم سچ مچ صالح پر ایمان لے آئے ہو۔ جب اُنہوں نے اِعتراف کیا تو متکبر رئیس بولے ہم تو ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا

پس اُنھوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اُونٹنی کی اور ۱۰۱ انھوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح! لے آ ؤ

بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو پھر آلیا انھیں ۱۰۲ زلزلہ کے جھٹکوں نے تو

فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

صبح کے وقت وُہ اپنے گھروں میں مُنہ کے بل گرے پڑے تھے۔ تو (صالح نے) منہ پھیر لیا اُن کی طرف سے اور (بصد حسرت) کہا اے میری قوم ۱۰۳

۱۰۱ عقر کا لغوی معنی اونٹ کے پاؤں کی کونچیں کاٹ دینا ہے لیکن ذبح کے معنی میں بھی عام مستعمل ہوتا ہے۔ قَالَ الْأَزْهَرِيُّ اَلْعَقْرُ هُوَ قَطْعُ عُرْقُوْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ جُعِلَ النَّحْرُ عَقْرًا (مظہری) (1) قومِ ثمود میں حضرت صالح کے وعظ و نصیحت کا سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا۔ اور آپ کے خلاف عداوت کا جذبہ بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ساری قوم کے مشورہ اور رضا مندی سے ایک بدبخت جس کا نام قدار بن سالف تھا (قرطبی) (2) اس نے اکیلے یا اپنے چند ساتھیوں کی امداد سے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اور حضرت صالح کے قتل کی بھی سازش کرنے لگے۔ اور ان کی بے باکی کی یہ حالت ہوگئی کہ اللہ کے نبی کو چیلنج دے دیا کہ اب وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہر وقت ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ پہلے زمانہ کا بدبخت ترین آدمی وہ تھا جس نے صالح کی اونٹنی کو مار ڈالا اور آئندہ زمانہ کا بدبخت ترین آپ کا قاتل ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ اَشْقَى الْاَوَّلِيْنَ عَاقِرُ نَاقَةِ صَالِحٍ وَاَشْقَى الْاٰخِرِيْنَ قَاتِلُكَ (مظہری) (3)

۱۰۲ اگرچہ اونٹنی کو ہلاک کرنے والا ایک شخص تھا لیکن اس کو تائید ساری قوم کی حاصل تھی اور وہ اس کی حرکت پر رضا مند تھے اس لیے اس کی سزا بھی صرف ایک شخص کو نہیں بلکہ ساری قوم کو دی گئی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سرکش اور نافرمان کو قوم کی تائید وحمایت حاصل ہو تو ساری قوم مجرم قرار دی جاتی ہے اور سبھی کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

۱۰۳ قوم کی بربادی کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ بعض کے نزدیک شام کا قصد کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ آپ مکہ کی طرف تشریف لے آئے۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس شفیق ومہربان نبی نے اپنے دِلی قلق وحسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان مرے ہوئے ثمودیوں کو یہ خطاب فرمایا۔ یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے جنگِ بدر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفارِ مکہ کے لاشے پڑے تھے۔ وہاں جا کر فرمایا: اے ابوجہل! اے اُمیہ! اے عتبہ! اے شیبہ! میرے رب نے فتح ونصرت کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ تم کہو تمہارے ساتھ ذلت وعذاب کا جو وعدہ تھا وہ بھی پورا ہوا؟ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ تین دن کے مردوں کو خطاب فرما رہے ہیں؟ تو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 375 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 241

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 376۔ مجمع الزوائد، رقم الحدیث 76-14775، ج 9، ص 186، مکتبہ دار الفکر، بیروت۔ مسند احمد بن حنبل، ج 4، ص 263، دار صادر، بیروت

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمھاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے

النّٰصِحِيْنَ ۝۷۹ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

(اپنے) خیر خواہوں کو ۔ اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انھوں نے کہا (۱۰۴) اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے

حضور نے فرمایا۔ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ اِنَّهُمُ الْاٰنَ يَسْمَعُوْنَ مَا اَقُوْلُ لَهُمْ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَّرُدُّوْا عَلَيْنَا شَيْئًا (بخاری و مسلم) (1) میری گفتگو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ البتہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی قبر میں سنتا ہے۔ جب ایسا ہے تو مومن قبر میں کیوں نہیں سنتا؟

۱۰۴۔ یہاں ایک دوسری قوم کا ذکر ہو رہا ہے جو دریائے اُردن کی ترائی میں شام کے جنوب میں آباد تھی۔ ان کا پایۂ تخت سدوم تھا۔ یہ علاقہ بھی بڑا زرخیز اور شاداب تھا۔ میلوں تک پھل دار باغات کا سلسلہ چلا جاتا تھا۔ لیکن یہاں بسنے والی قوم بڑی کمینہ خصلت اور بدکردار تھی۔ سرِ محفل بدکرداریاں کرتے اور بجائے شرمانے کے اس پر فخر کرتے۔ رہ چلتے مسافروں کو لوٹ لینا، اپنے مہمانوں کی ہر چیز چھین لینا ان کا پسندیدہ شغل تھا۔ ایسی گری ہوئی اور رذیل قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ آپ کے والد کا نام حاران بن تارخ تھا۔ آپ کافی عرصہ تک حضرت خلیلؑ کی معیت میں رہے۔ بعد میں اُنھیں اہلِ سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کے متعلق موجودہ تورات میں جو سنسنی خیز الزامات عائد کیے گئے ہیں دل گوارا نہیں کرتا اور حیا اجازت نہیں دیتی کہ اُنھیں یہاں نقل کیا جائے۔ لیکن میرا یہ بھی فرض ہے کہ قرآن کے دعوؤں کی تصدیق کے لیے جو ثبوت ملے اُسے ہدیۂ ناظرین کروں۔ قرآن نے بارہا اِس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ علماء یہود نے اپنے رسول پر نازل شدہ کتاب تورات میں جابجا تحریف کر دی اور اس میں طرح طرح کا ردّوبدل کیا۔ اس کی تصدیق کے لیے تورات کی مندرجہ آیات پڑھیے حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔ کتابِ پیدائش کے انیسویں باب کی آیات ۳۰ تا ۳۶ ملاحظہ ہوں۔

"اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا۔ اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے (۳۰) تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دُنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے (۳۱) آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (۳۲) سو اُنھوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی (۳۳) اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 376۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل، ج 2، ص 566۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ ج 2، ص 387، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً

کسی نے نہیں کیا ساری دُنیا میں ۱۰۵ بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے

مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ

عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو اور نہ تھا ۱۰۶ کوئی جواب

اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں۔ اور تو بھی جا کر اُس سے ہم آغوش ہوتا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (۳۴) سو اُس رات بھی اُنہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی (۳۵) سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۶)''(1)

نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ۔ کہاں نبوت کا مقامِ رفیع اور کہاں یہ اخلاقی پستی جس کے ارتکاب کا خیال آج بھی گھٹیا سے گھٹیا آدمی نہیں کر سکتا۔ سچ ہے یہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہی کام تھا کہ انبیاء سابقین کے تقدس اور ان کی عصمت کو بیان کریں جن پر ان کے ماننے والوں نے یہ قبیح الزامات لگا رکھے تھے۔ ابھی ابھی نوح علیہ السلام پر میخواری کی جو تہمت تورات میں لگائی گئی ہے اُسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے ضمن میں ہی میں نے انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ بھی دیا ہے۔ آخر یورپ کے عیسائی محققین کو بھی عظمتِ انبیاء کو تسلیم کرنا پڑا جس کو قرآنِ کریم نے سب سے پہلے پیش کیا۔

۱۰۵ دیگر رذیل حرکتوں کے علاوہ وہ ایک اور گندی عادت کا شکار تھے جو اُن سے پہلے کسی قوم میں موجود نہ تھی یعنی وہ لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کیا کرتے تھے اور اس میں وہ ذرا شرم محسوس نہ کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اِس غیر طبعی فعل پر ٹوکا اور اُنہیں شرم دلائی کہ بے شرمو! ڈوب مرو۔ برملا گناہ کرتے ہو۔ اور گناہ بھی ایسا جس کے مُوجد بھی تم ہو۔ خدا سے ڈرو کچھ تو حیا کرو۔

۱۰۶ حضرت لوطؑ کے وعظ سے وہ بھڑک اُٹھے اور کہنے لگے ذرا دیکھو تو اس لوط کو اور اس کے چیلوں کو بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ ہم ایسے رجعت پسند لوگوں کا وجود اپنے ترقی پسند معاشرہ میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اُنہیں بیک زبان کہہ دو کہ اپنے زُہد و تقدس سمیت یہاں سے تشریف لے جاویں اور ہماری محفلِ عیش و طرب کو اپنے ان وعظوں سے بے لطف نہ بنائیں۔ انسان پریشان ہو کر رہ جاتا ہے جب وہ یہ پڑھتا ہے کہ اس ذلیل اور غلیظ فعل کو جس سے انسان کی عقلِ سلیم کو طبعی نفرت ہے صرف عہد قبل از تاریخ کے اہل سدوم نے ہی اپنے لیے پسند نہیں کیا بلکہ یونان کے بڑے بڑے فلسفی اس کو ایک جائز اور پسندیدہ فعل شمار کیا کرتے تھے۔ اور تہذیبِ جدید کے مُوجد (یورپ) اور سرپرست (امریکہ) کے بڑے بڑے اہلِ قلم اس کو قانونی طور پر جائز قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ کئی ممالک نے اسے قانونی طور پر جائز کر دیا ہے جن میں جرمنی کو سبقت حاصل ہے۔

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 19، آیت 30 تا 36، ص 19

قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ‌ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ

ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وُہ بولے باہر نکال دو اُنھیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے

يَّتَطَهَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ‌ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۸۳﴾

پاکباز بنتے ہیں پس ہم نے نجات دے دی لُوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز اُن کی بیوی کے، وُہ ہوگئی پیچھے رہ جانے والوں سے

وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا‌ ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾

اور برسایا ہم نے ۱۰۷ اُن پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا ۱۰۸ مجرموں کا

ع ۱۲
۱۷

وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا‌ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ

اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ۱۰۹ اُن کے بھائی شعیبؑ کو اُنھوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارا

۱۰۷ جب حضرت لوط علیہ السلام کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی اور ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی ہی چلی گئی تو اُن پر آگ اور پتھروں کی ایسی تباہ کن بارش کی گئی کہ وہ بالکل خاکِ سیاہ بنا کر رکھ دیئے گئے۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ہے کہ ان کی بستیوں کو اُلٹ کر رکھ دیا گیا۔ آج بھی بحرِ مردار کو جو اُردن کے اسی علاقہ میں ہے بحرِ لوط کہا جاتا ہے اور محققین کا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں قومِ لوط پر عذاب نازل ہوا۔ اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو اِس بحیرہ کے گردونواح میں اس برباد شدہ قوم کے کچھ آثار بھی ملے ہیں۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ تازہ تخمینوں کے مطابق ۲۰۶۱ قبل مسیح ہے۔(1)

۱۰۸ اسلامی معاشرہ کو اِس اخلاقی پستی سے بچانے کے لیے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سخت سزا تجویز فرمائی ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور دارقطنی میں حضور کا یہ فرمان مروی ہے۔ مَنۡ وَّجَدۡتُّمُوۡهُ يَعۡمَلُ عَمَلَ قَوۡمِ لُوۡطٍ فَاقۡتُلُوۡا الۡفَاعِلَ وَ الۡمَفۡعُوۡلَ بِهٖ (2) یعنی جس کو قوم لوط کا فعل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالدؓ نے آپ کی خدمت میں ایسے مجرم کی سزا کے متعلق خط لکھا۔ آپ نے سب صحابہ کو مشورہ کے لیے طلب کیا اور مسئلہ پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو تلوار سے قتل کر کے اس کی لاش جلا دی جائے۔ سب صحابہ نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ خالد کو یہی لکھا گیا اور اُنہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ حضرت ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حاکمِ وقت کو اِختیار ہے کہ مجرم کو ایسی عبرتناک سزا دے تاکہ کسی اور کو اس کے اِرتکاب کی جرأت نہ ہو۔

۱۰۹ اس رکوع میں حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ مدین ایک شہر کا نام تھا جو بحرِ احمر کے

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 343 2۔ جامع ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی حد اللوطی، ج 1 ص 176، سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، ص 187

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

کوئی خدا اس کے بغیر بے شک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں ۱۰۰ اور نہ فساد برپا کرو ۱۱۱ زمین میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ

اُس کی اِصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور

کنارے کوہِ طور کے جنوب مشرق کی طرف آباد تھا جہاں حضرت شعیبؑ کی قوم رہائش پذیر تھی۔ اصل میں مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو آپ کی اہلیہ محترمہ قطورا کے بطن سے تھے۔ اور یہ قوم ان کی نسل سے تھی۔ اِسی وجہ سے اُنہوں نے اپنی بستی کا نام اپنے جدِ امجد کے نام پر رکھا تھا(1)۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی۔ اور ان کی بستیاں وہاں تھیں جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو مشہور تجارتی شاہرائیں (یعنی یمن سے شام اور عراق سے مصر جانے والی شاہراہیں) آکر ملتی تھیں۔ اس لیے ان کی حیثیت ایک مشہور تجارتی منڈی کی تھی جہاں آنے جانے والے تجارتی قافلے اپنا سامان بیچتے بھی تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے بھی تھے۔ اس لیے اہلِ مدین معاشی لحاظ سے بڑے خوشحال تھے۔

۱۰۰ حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کے حُسنِ استدلال اور فصیحانہ اندازِ کلام کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کے تبلیغی وعظوں کا خلاصہ جو قرآن نے ہمیں بتایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم دو خرابیوں میں مبتلا تھی اور آپ نے انہی کی اِصلاح کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دیں۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ آپ کی قوم کا سلسلۂ نسب موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا تھا لیکن مُرورِ وقت اور دوسری مشرک قوموں سے میل جول کے باعث وہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے حضرت شعیبؑ نے سب سے پہلے اُنہیں یہ سمجھایا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس کے بغیر کسی اور کی پرستش کرنا سخت نادانی ہے اور دوسری خرابی جو ان میں جوڑ پکڑ چکی تھی یہ تھی کہ وہ ایک تاجر پیشہ قوم ہونے کے باعث لین دین میں دھوکہ و فریب سے باز نہیں آتے تھے۔ اُن کی زندگی کا مقصد ''زیادہ دولت کماؤ'' بن کر رہ گیا تھا۔ اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بڑی سے بڑی بے ایمانی اور فریب کاری کو جائز سمجھتے تھے۔ کم تولنا، کم ناپنا نیز دوسرے لوگوں سے کوئی چیز خریدتے وقت ان کی سادگی سے فائدہ اُٹھا کر اُس کی قیمت کم دینا ان کے نزدیک ہرگز معیوب نہ تھا۔ حضرت شعیبؑ نے اِس سے بھی ان کو روکا۔

۱۱۱ آخر میں اپنی قوم کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم نے توحید کی جگہ شرک اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی یا تجارتی اصولوں کو اپنی ذاتی

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 343

لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

مت بیٹھا کرو ۱۱۲ راستوں پر کہ ڈرا رہے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روک رہے ہو تم اللہ کی راہ

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب۔ اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے

فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ

پھر اُس نے تمھیں بڑھادیا اور دیکھو! کیا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا ۱۱۳ اور اگر ایک

طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

گروہ تم میں سے ایمان لاچکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

(ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کردے اللہ ہمارے درمیان اور وُہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

منفعت کے لیے پامال کیا تو امن وہدایت کی پُرسکون فضا میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک اُٹھیں گے۔

۱۱۲ وہ لوگ اُن راستوں پر بیٹھ جاتے جو حضرت شعیبؑ کی قیام گاہ کی طرف جاتے اور جب اُنہیں کوئی شخص اُدھر جاتا ہوا ملتا تو اُس کے سامنے حضرت شعیبؑ کی مذمت کرتے اور آپ کے عقائد کو اِس طرح پیش کرتے کہ یہ معلوم ہونے لگے کہ یہ عقائد سراسر باطل ہیں۔ اور اُن کے اِس پروپیگنڈے کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ حضرت شعیبؑ کے پاس جانے پر بضد ہوتا تو پھر ڈنڈے کے زور سے اُسے روکتے۔ اُن کے اس طرزِ عمل پر اُن کو سرزنش کی جارہی ہے کہ ایسا کرنا چھوڑ دو۔ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

۱۱۳ یعنی تمہارے گردوپیش بے شمار ایسے کھنڈرات موجود ہیں جو ان قوموں کا مسکن تھے۔ جو اپنے زمانہ میں قوت وشوکت، علم وصنعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اُنہیں اپنے تمدن وطرزِ معاشرت پر ناز تھا۔ لیکن جب وہ نافرمانی کی راہ پر چل نکلیں تو پیس کر رکھ دی گئیں۔ تم ان کے دردناک انجام سے آنکھیں کیوں بند کیے ہوئے ہو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ

کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب) کی قوم سے ۱۱۴ یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب!

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ

اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ شعیب نے کہا

اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ

اگرچہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں ۱۱۵ پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ

دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لیے کہ ہم لوٹ آئیں

۱۱۴ حضرت شعیبؑ کا وعظ سرتاپا حقیقت تھا۔ اس میں صداقت کا نور چمک رہا تھا۔ ہر لفظ اخلاص وشفقت کا آئینہ تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کا وعظ سننے کے بعد ان کے دل پسیج جاتے اور اُن کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی دور ہو جاتی۔ لیکن وہاں تو مسلسل سرتابیوں کی وجہ سے دِل کا آئینہ زنگ آلود ہو چکا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ شائستہ انداز میں گفتگو کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے فوراً جبر وتشدد پر اُتر آئے۔ اور باطل کو ہمیشہ سے یہی روّیہ رہا ہے۔ دلیل وبرہان کے میدان میں شکست کھانے کے بعد وہ حق کو اپنی قوت سے کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی ادب وتہذیب کے سارے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال کر آپ کو دھمکی دینی شروع کردی کہ اے شعیبؑ! اگر تم اور تمہارے چیلے ہمارے مذہب میں لوٹ نہ آئے تو تمہارا بوریا بستر اُٹھا کر شہر سے باہر پھینک دیا جائے گا اور تمہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

۱۱۵ آپ نے فرمایا اے قوم! اگر ہم خوشی سے ان فکری اور عملی پستیوں میں جہاں تم نے اپنے آپ کو پھینک دیا ہے گرنے پر آمادہ نہ ہوں تو کیا تم ہمیں پھر بھی مجبور کرو گے کہ ہم اپنے آپ کو ہدایت کے مقام بلند سے ضلالت کے گڑھے میں ڈال دیں۔ ہمیں اتنا بے وقوف مت سمجھو کہ توحید کی شرابِ طہور پی لینے کے بعد ہم پھر کُفر وشرک کے گندے اور غلیظ جوہڑ کی طرف آئیں گے۔ اور انسانی شرف وفضیلت کی قدروں پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی لالچ میں آ کر ان سے رُوگردانی اختیار کرلیں گے۔ ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ ہماری رسائی اسلام کے چشمۂ صافی تک ہوگئی ہے۔

فِيهَا إِلَّآ أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ

اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا ۱۱۶ گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے

عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ

صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ ۱۱۷ اور

أَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ

تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم

اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

پیروی کرنے لگو شعیبؑ کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ۱۱۸ پھر پکڑ لیا انھیں زلزلہ نے

۱۱۶ پہلے اپنا پختہ ارادہ اور عزم بتایا کہ ہم راہِ راست کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن اس میں خُودی کی کچھ بو آرہی تھی اس لیے فوراً اپنے عزم وارادہ کی بے بسی کا اعتراف کیا اور ہر چیز اپنے مولائے حقیقی کے حوالہ کر دی۔ یعنی ہمارا ہدایت پر ثابت قدم رہنا اُسی وقت تک ہے جب تک اُس کی نظرِ کرم اور توفیق ہمارے شاملِ حال ہے۔ ورنہ ہماری سمجھ، نیکی اور تقویٰ کسی کام نہیں آسکتے۔ سبحان اللہ! کیا مقام ہے پیغمبر کا۔ بارگاہ ربانی میں اتنی عزت وتوقیر کے باوجود دل ہر لحہ اپنے مالک کی بے نیازی سے لرزاں وترساں ہے۔ مومن کی کیفیت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ اپنی ہر نیکی کو اپنے رب کا فضل تصور کرے اور اپنے علم، عمل اور تقویٰ پر ذرا گھمنڈ نہ کرے اور ہر لغزش سے اُس کی پناہ مانگتا رہے۔

۱۱۷ یہاں اِفْتَحْ کا معنی ہے اُحْكُمْ یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ اُحْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ وَالْفَتَّاحُ الْقَاضِيْ وَالْفَتَّاحَةُ الْحُكُوْمَةُ (بیضاوی) (1)

۱۱۸ مدین کے رئیسوں نے جب حضرت شعیبؑ کی تبلیغ کو اثر انداز ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اپنی قوم کو معاشی بدحالی سے خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔ اُنہیں بتایا کہ اگر تم نے شعیبؑ کی بات مان لی اور کم تولنا، کم ناپنا وغیرہ ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا چھوڑ دیا تو سن لو! یہ دولت وثروت کی فراوانی، تجارت کی گہما گہمی اور معاشی فارغ البالی سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ پھر تم ہو گے اور تمہاری فاقہ مستیاں! اس رُوکھے پھیکے تقدس کو پھر بیٹھے چاٹتے رہنا۔ بیمار ذہن کچھ ایسا ہی سوچا کرتا ہے۔ اصولوں کی پابندی میں اسے اپنی ناکامی، راہِ راست پر چلنے میں اپنی ہلاکت کے خدشات اور دینِ حق پر ایمان لانے میں اسے مہیب خطرات دکھائی دینے

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 214

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۚ﴿۹۱﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ

تو صبح کے وقت وُہ اپنے گھروں میں مُنہ کے بَل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیبؑ کو (وُہ یُوں نابُود کر دیئے گئے)

لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

گویا کبھی بستے ہی نہ تھے اِن مکانوں میں ۱۱۹ جنھوں نے جھٹلایا شعیبؑ کو ہو گئے وُہی نقصان اُٹھانے والے ۱۲۰

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ

تو مُنہ پھیر لیا اُن کی طرف سے اَور کہا اے میری قوم! بے شک مَیں نے پہنچا دیئے تھے تمھیں پیغامات اپنے ربّ کے اور مَیں نے نصیحت کی تھی

لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اِس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ نبی ایسے ہی بیمار ذہنوں کے علاج کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

۱۱۹ لفظ غنٰی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: غَنِیْتُ بِالْمَکَانِ اِذَا اَقَمْتَ بِهٖ وَ غَنِیَ الْقَوْمُ فِیْ دَارِهِمْ اَیْ طَالَ مَقَامُهُمْ فِیْهَا وَالْمَغْنٰی الْمَنْزِلُ وَالْجَمْعُ الْمَغَانِیْ (1)۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ غنٰی کا معنی ہی کسی جگہ مدتِ دراز تک اقامت گزیں رہنا اور رہائش گاہ کو مغنی کہتے ہیں اور اس کی جمع مغانی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مسلسل نافرمانی اور سرکشی کے باعث ان پر عذابِ الٰہی آیا تو وہ ہلاک و برباد ہو کر رہ گئے۔ اور اُن کے شاندار محلات اور کشادہ حویلیوں میں اُلو بولنے لگے۔ جہاں زندگی اپنے تمام نخروں سمیت محوِ خرام تھی وہاں خاک اُڑنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آباد ہوا ہی نہیں۔

۱۲۰ یعنی وہ تو اِس خوف کی وجہ سے شعیب علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے تھے کہ اگر انہوں نے ان کی شریعت پر عمل شروع کر دیا تو وہ مفلوک الحال اور کنگال ہو جائیں گے اور ان کی معاشی بدحالی کا آغاز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کے یہ سب اندیشے غلط ثابت ہوئے اور نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے نبی کے دامن میں پناہ لی وہ تو دین و دُنیا میں کامیاب ہو گئے اور جنہوں نے آپ کی نافرمانی کی اُن کی دُنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ وہ لوگ جو محض نام نہاد اور بے بنیاد اِقتصادی زبوں حالی کے خوف سے شریعتِ اسلامیہ کے واضح احکام میں ردّ و بدل کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ اُنہیں چاہیے کہ وہ اہلِ مدین کے حالات کا بغور مطالعہ کریں اُن پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں صرف عقبیٰ کی نجات ہی نہیں بلکہ دُنیا کی خوشحالی بھی مضمر ہے۔ اور ان سے سرتابی کرنے والے صرف اپنی قیامت ہی خراب نہیں کرتے بلکہ اپنے ہاتھوں اپنی اس زندگی کو بھی تمام حقیقی خوشیوں اور راحتوں سے محروم کر دیتے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 252

لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ

تمھیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر ۱۲۱؎ اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

کوئی نبی مگر یہ کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

گڑگڑانے لگیں ۱۲۲؎ پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت حتیٰ کہ وہ پھلے پھولے ۱۲۳؎ اور کہنے لگے

۱۲۱؎ یہ بیان جو متعدد رکوعوں میں پھیلا ہوا ہے اس سے مدعا صرف داستان سرائی اور قصہ گوئی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو جھنجھوڑنا ہے۔ ان کے سامنے ان قوموں کا حال بیان کیا جن سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا، جن کے کھنڈرات اُن کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہوں کے اِردگرد واقع تھے، جن کی خوشحالی، بالادستی، غلبہ واقتدار کی بڑی شہرت تھی اور پھر انبیائے کرام علیہم السلام کی نافرمانی کے باعث ان کی تباہی و بربادی کے دلخراش واقعات سب کو معلوم تھے یہ بتا کر اُنہیں آگاہ کیا کہ میرا حبیب اور میرا مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی انہیں تعلیمات کو کامل اور مکمل صورت میں تمہارے پاس لے آیا ہے جو پہلے نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے زمانہ میں ان کی عقلی بیداری کے مطابق اُنہیں دیں۔ اگر تم نے بھی انکار اور عناد کی روش اختیار کی تو یاد رکھو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلے منکرین کا ہوتا آیا ہے۔ دونوں جہان کی سعادت اور سلامتی مطلوب ہے تو میرے پیارے رسول کی اطاعت کرو اور اُس کا دامنِ رحمت مضبوطی سے تھام لو۔

۱۲۲؎ یہاں مِنْ نَّبِيٍّ کے بعد فَكَذَّبُوْهُ مضمر ہے فِيْهِ اِضْمَارٌ يَعْنِيْ فَكَذَّبُوْهُ (مظہری) (1) پہلے خاص خاص قوموں کے حالات بیان کیے۔ اب ایک قاعدہ کلیہ بتایا جا رہا ہے جس کے ماتحت سب قوموں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے یعنی جب کبھی کسی بستی میں نبی مبعوث کیا گیا اور وہاں کے رہنے والوں نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو فوراً ہی انہیں تباہ و برباد نہیں کر دیا جاتا بلکہ اگر نبی کی تعلیم کی صداقت، اس کی دلکش سیرت اور دوسرے روشن معجزات اس کی قوم کو ان کی ہٹ دھرمی سے باز نہیں رکھ سکتے تو پھر اُنہیں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تاکہ غرور کا نشہ اُترے۔ اُنہیں اپنے اور اپنے احباب کے مادی وسائل کی نارسائی کا یقین ہو جائے اور ان پر ان کی کمزوریاں عیاں ہو جائیں تاکہ وہ باطل کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر کے حق کے ظلِ رحمت میں آ جائیں۔ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تکلیفیں انسان کو خوابِ غفلت سے چونکا دینے کے لیے ہوتی ہیں۔

۱۲۳؎ لیکن اگر یہ طریقہ بھی مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اولاد، مال،

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 386

قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ

بے شک (یونہی) پہنچا کرتی تھی ۱۲۴ ہمارے باپ دادا کو کبھی تکلیف اور (کبھی) راحت تو ہم نے پکڑ لیا انھیں اچانک اور اس کا انھیں

عزت، وقار اور ہر قسم کی آسائشیں اُنہیں مہیا کر دی جاتی ہیں تا کہ وہ اپنے محسنِ حقیقی کو پہچان کر اس کی نافرمانی سے باز آ جائیں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیں۔ لیکن اگر وہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے کے بعد بھی بیدار نہ ہوئے اور نعمت و اِحسان کی فراوانی کے باوجود بھی اُن کے دِلوں میں اپنے مہربان اور کریم پروردِگار کے لیے شکر گزاری کا جذبہ پیدا نہیں ہوا تو پھر ان کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ وہ جسم کے ایسے کرم خُوردہ عضو کی طرح ہیں جس کا کاٹ دینا باقی جسم کی عافیت کے لیے ازبس ضروری ہے۔ علامہ قرطبی لفظ عفو کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اضداد سے ہے۔ اس کا معنی بڑھنا اور زیادہ ہونا بھی ہے اور مٹ جانا بھی۔ یہاں پہلے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ حضرت ابنِ عباس ؓ نے عَفَوْا کا معنی کَثُرُوْا کیا ہے وَعَفَا: مِنَ الْاَضْدَادِ۔ عفا: کَثُرَ وَعَفَا: دَرَسَ وَقَالَ ابْنُ زَيْدٍ: كَثُرَتْ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ (قرطبی) (1)

۱۲۴ بجائے اس کے کہ وہ ان مصائب اور تکالیف سے عبرت حاصل کرتے اور اپنی اِصلاح کی طرف متوجہ ہوتے وہ یہ کہہ کر اپنے دِلوں کو تسلی دے دیتے کہ یہ ژالہ باری جس نے ہمارے کھیتوں اور باغوں کا ستیاناس کر دیا ہے، یہ قحط جس نے زمین سے روئیدگی کی ساری قوت چھین لی ہے۔ یہ زلزلہ جس کے ہوش رُبا جھٹکوں نے ہماری بارونق اور آباد بستیوں کو زیر وزبر اور فلک بوس عمارتوں کو پیوندِ زمین کر دیا ہے۔ یہ جنگ جس کی ہلاکت خیزیوں نے قیامت برپا کر دی ہے۔ یہ ہماری کسی اخلاقی کمزوری یا کاروباری بددیانتی اور غریبوں پر ظلم وتعدی کی سزا نہیں بلکہ پہلے بھی اکثر یوں ہوتا رہا ہے۔ موسمی تغیرات یا سیاسی حالات کی وجہ سے یہ حادثات رُوپذیر ہو گئے ہیں۔ اُن گزری ہوئی قوموں کو ہم رہنے دیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنا محاسبہ کریں۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کونسی ایسی مصیبت ہے جس سے ہم دوچار نہیں ہوئے۔ سیلابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دریا اپنی قہر آلود موجوں سے ہمارے ہزارہا گاؤں کو بہالے جاتے ہیں۔ سینکڑوں بڑے بڑے شہروں کی بنیادیں لرز اُٹھتی ہیں۔ جان ومال کے نقصانات کا اندازہ کروڑوں روپیہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن کیا ہم اس سے کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں؟ کسی اپنی اخلاقی کمزوری سے تائب ہوتے ہیں؟ کسی قومی غداری سے دست کش ہوتے ہیں؟ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اِس سال مون سون کی ہوائیں بڑے زور شور سے اُٹھیں اور پہاڑوں سے آ کر ٹکرائیں اور متواتر کئی دنوں تک موسلا دھار بارش برستی رہی جس کی وجہ سے یہ طغیانی آ گئی اور فلاں فلاں گاؤں اور شہر غرقاب ہو گئے۔ پھر سیلاب زدگان کی امداد کے لیے رقص وسرود کی محفلیں ترتیب دی جاتی ہیں جہاں ننگے اور فحش گانے ہوتے ہیں اور ان ذلیل حرکات سے جو رقم اکٹھی ہوتی ہے وہ بھی اکثر وبیشتر امدادی پروگرام کے منتظموں کی جیب سے یوں چمٹ کر رہ جاتی ہے کہ باہر نکلنے کا نام نہیں لیتی۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت جس نگاہ سے اِن حادثات کو دیکھتی ہے اور پھر اس کے لیے جو علاج تجویز کرتی ہے ان تباہ ہونے والی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ اسی کو قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اور بیان کا مقصد یہ نہیں کہ ہم گزشتہ اقوام کی کج فہمیوں پر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 252

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

خواب وخیال بھی نہ تھا۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر

بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا

برکتیں آسمان کی اور زمین کی ۱۲۵ لیکن انھوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انھیں بوجہ ان

يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ

کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے تو کیا بے خوف ہوگئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ

نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ

سو رہے ہوں ۱۲۶ یا کیا بے خوف ہوگئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جب کہ وہ

طنزیہ قہقہے لگادیں یا رسمی طور پر اظہارِ افسوس کر دیں۔ بلکہ مقصدِ وحید یہ ہے کہ ہم اپنی اِصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اس دردناک انجام سے بچائیں جس سے سابقہ قوموں کو اپنی سرکشیوں کے باعث دوچار ہونا پڑا تھا۔

۱۲۵ یعنی ایمان اور تقویٰ کسی قوم کی ترقی کے راستہ میں حائل نہیں ہوتے جیسے عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کے باعث تو رحمتِ الٰہی کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور ہر جانب سے خیر و برکت کی فراوانی ہوجاتی ہے۔ زمین اپنے شکم میں پوشیدہ خزانوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں اور برکتوں کو بے دریغ نچھاور کر دیتا ہے اَیْ لَوَسَّعْنَا عَلَیْهِمُ الْخَیْرَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ وَّ دَاوَمْنَاهُ لَهُمْ وَ قِیْلَ بَرَکَاتُ السَّمَاءِ الْمَطَرُ وَ بَرَکَاتُ الْاَرْضِ النَّبَاتُ وَ الزَّرْعُ (مظہری) (1) ترجمہ: ہم ہر طرف سے ان پر خیر و برکت کی فراوانی کر دیتے اور جو نعمتیں انہیں بخشی ہیں وہ ہمیشہ برقرار رہتیں۔ برکاتِ آسمان سے مراد بارش ہے۔ اور برکاتِ زمین سے مراد زراعت و نباتات ہے۔

۱۲۶ اے مکہ اور اس کے اِردگرد بسنے والو! پہلے نبیوں کو جھٹلانے والی قوموں کا یہ انجام ہوا۔ اگر تم میرے رسول پر ایمان نہ لائے اور اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے تو کسی وقت بھی تم پر عذاب نازل کر دیا جائے گا اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے گی۔ وَالْمُرَادُ بِالْقُرٰی مَکَّةُ وَمَا حَوْلَهَا (قرطبی) (2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 387
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 253

يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ

کھیل کود رہے ہوں تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے ۱۲۷ پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے ۱۲۸ سوائے اس

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ

قوم کے جو نقصان اُٹھانے والی ہوتی ہے۔ کیا یہ (حقیقت) واضح نہ ہوئی ان لوگوں پر جو وارث بنے زمین کے اس کے اصلی مالکوں

اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

(کی تباہی) کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو سزا دیں انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تاکہ

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ

وہ کچھ سُن ہی نہ سکیں یہ بستیاں ہیں ۱۲۹ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی کچھ خبریں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا

اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اُس پر جس کو جھٹلا چکے تھے

۱۲۷ ان کے مکروفریب کی انہیں جو سزا دی جانے والی تھی اُسے مَكْرَ اللّٰهِ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور یہ استعمال عام ہے جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ اَیْ عَذَابُهٗ وَ جَزَاؤُهٗ عَلٰى مَكْرِهِمْ (قرطبی) (1) اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں: وَمَكْرُ اللّٰهِ اسْتِعَارَةٌ لِاسْتِدْرَاجِ الْعَبْدِ وَاَخْذِهٖ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (بیضاوی) (2)

۱۲۸ هَدٰى يَهْدِىْ کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کا معنی "ظاہر ہونا، واضح ہونا" ہوتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عُدِّیَ يَهْدِ بِاللَّامِ لِاَنَّهٗ بِمَعْنٰى يَبِيْنُ (بیضاوی) (3) یعنی مشرکین مکہ بڑے کم فہم ہیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ سے یہ اتنی عبرت بھی حاصل نہیں کرتے کہ نافرمانی کے باعث ان کا کتنا بُرا انجام ہوا۔ اور جس مالک وقادر نے ان قوموں کو ان کے کرتوتوں پر سزا دی اس کی قوت وطاقت سلب نہیں ہو گئی۔ وہ آج انہیں بھی سزا دینے پر قادر ہے۔

۱۲۹ ان گاؤں سے حضرات نوح، لوط، ہود، شعیب علیہم السلام کی قوموں کی بستیاں مراد ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 254 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 215 3۔ ایضاً، ص 216

مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا

اس سے پہلے ۱۳۰؎ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر ۱۳۱؎ اور نہ پایا ہم نے

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ

ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند ۱۳۲؎ اور ضرور پایا اُن میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا پھر

بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا

ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف ۱۳۳؎ تو انہوں نے انکار کر دیا

۱۳۰؎ وہ لوگ اتنے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ جب ایک مرتبہ اُن کی زبان سے نکل گیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر اس پر جم گئے۔ کوئی وعظ، نصیحت، کوئی دلیل، کوئی معجزہ ان کو حق قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ یعنی معجزات کا مشاہدہ کرنے سے پہلے اُنہوں نے نبی کی دعوت ماننے سے جو انکار کیا تھا، معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اُسی انکار پر اڑے رہے۔

۱۳۱؎ یہ سنّت الٰہی ہے کہ جو قوم جان بوجھ کر کفر و شرک میں مبتلا رہنا چاہتی ہے اور حق کو حق سمجھتے ہوئے اُس کا انکار کرتی ہے اُس کی غور و فکر کی قوتیں بیکار کر دی جاتی ہیں۔ اور اس اختیاری کفر کے بعد ان پر ہدایت کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی چشمِ بینا رکھتے ہوئے دن کی روشنی میں اس سے کام نہ لے تو وہ اگر گڑھے میں گرتا ہے تو بصد شوق گرے۔ اس کی منّت نہیں کی جائے گی کہ ازراہِ نوازش ہمارے حال پر رحم فرماتے ہوئے گڑھے میں نہ گریئے۔

۱۳۲؎ عہد شکنی اُن کی فطرتِ ثانیہ ہے جو وعدہ بھی کرتے ہیں اُس کو توڑ دیتے ہیں۔ خواہ وہ وعدہ اپنے خدا سے کریں یا اس کے بندوں سے۔

۱۳۳؎ مذکورہ بالا انبیاء کے بعد فرعون جو اپنے آپ کو خدا یا مظہرِ خدا سمجھتا تھا کی طرف اور اس کے درباریوں کی طرف حضرت موسیٰ کلیم ؑ مبعوث کیے گئے۔ اور انہیں زبردست معجزے عطا کیے گئے تاکہ کسی کو آپ کی صداقت میں شک نہ رہے۔ ہر خاص و عام سمجھ لے کہ ایسے معجزے دکھانے والا صرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں ظلم بمعنی کفر ہے۔ کیونکہ معجزات کے ساتھ ظلم یہی ہے کہ ان کو دیکھ کر دعوتِ حق قبول کرنے کے بجائے اس کا شدّ و مدّ سے انکار کر دیا جائے۔ اِس لیے فَكَفَرُوْا بِهَا کے بجائے فَظَلَمُوْا بِهَا فرمایا۔ (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 256

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ

ان کا۔ سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! ۱۳۴

إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى

بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا واجب ہے مجھ پر ۱۳۵ کہ میں نہ کہوں اللہ پر

اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ

سوائے سچی بات کے۔ میں آیا ہوں تمھارے پاس روشن دلیل لے کر تمھارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ ۱۳۶

۱۳۴ جیسے شاہانِ ایران کو کسریٰ اور شاہانِ روم کو قیصر کہا جاتا تھا اسی طرح مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا۔ اس زمانہ میں مصر کے لوگ سورج کو سب سے بڑا دیوتا یقین کرتے تھے۔ اور جب تک کوئی بادشاہ اپنی مصری رعایا کے دلوں میں یہ تاثر نہ پیدا کر دیتا کہ وہ سورج کا اوتار ہے اس کی حکومت کو استحکام نصیب نہ ہوتا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے لیے فرعون کا لقب تجویز کیا جو رع سے ماخوذ ہے۔ اور سورج کو مصری زبان میں رَع کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس فرعون سے واسطہ پڑا تھا وہ اس خاندان کا ایک ہی بادشاہ تھا یا دو بادشاہ تھے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ دو فرعون تھے۔ جس فرعون کے عہد میں آپ کی ولادت ہوئی اور جس کے محل میں آپ نے پرورش پائی اس کا نام رعمسیس دوم تھا۔ جس کا عہد حکومت ۱۲۹۲ سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک تھا۔ اور جس فرعون کے زمانہ میں آپ پیغمبر بن کر آئے اُسکا نام منفتہ یا منفتاح تھا جو اپنے باپ رعمسیس دوم کے بعد تخت نشین ہوا۔ (1)

۱۳۵ عَلَیَّ بیاء مشدد اور علٰی دونوں قراءتیں ہیں۔ پہلی قراءت کے مطابق حقیق کا معنی ''واجب'' ہوگا۔ یعنی مجھ پر واجب ہے کہ سچی بات ہی کہوں۔ اور دوسری قراءت کے مطابق حقیق بمعنی حریص ہوگا۔ یعنی میں سچی بات کہنے پر بڑا حریص ہوں۔ اور اگر علی جارہ بمعنی با ہو تو پھر حقیق بمعنی واجب ہوگا۔ (قرطبی) (2)

۱۳۶ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل فلسطین سے ہجرت کر کے مصر آ گئے تھے۔ لیکن مصریوں نے رفتہ رفتہ اُنہیں اپنا غلام بنا لیا۔ ان پر ہر قسم کے مظالم توڑے جاتے۔ اُن سے ہر طرح کی بیگار لی جاتی۔ یہ اپنے مصری آقاؤں کی زمینیں آباد کرتے، ان کے محلات تعمیر کرتے۔ ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی قوم بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور انہیں اجازت دے کہ وہ یہاں سے سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن میں رہائش پذیر ہوں۔ (3)

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 64
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 256
3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 11-210

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ

بنی اسرائیل کو ۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

تم (اپنے دعوئی میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰؑ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدہا بن گیا

وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ

اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے ۱۳۷ کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس

۱۳۷ فرعون کے مطالبہ پر آپ نے دو معجزے پیش کیے۔ ایک تو آپ نے اپنا لکڑی کا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر پھنکارنے لگا۔ دوسرا آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالا اور جب نکالا تو وہ جگمگا رہا تھا اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو اس کی چمک خیرہ کر رہی تھی۔ قرآنِ کریم میں جہاں کہیں معجزات کا ذکر آتا ہے تو بعض طبیعتوں پر بڑی وحشت طاری ہو جاتی ہے اور اس خوف سے کہ کہیں اِن واقعات کو قوانینِ فطرت کے خلاف پاکر علمائے طبعیین قرآن کی تکذیب نہ کرنے لگیں۔ وہ ان واقعات کی ایسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں جن کو قرآن کے الفاظ ہرگز قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ یہاں ان کے پریشان اور وحشت زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ خالقِ کائنات کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد وہ اب ایک بے بس اور بے اختیار تماشائی بن کر رہ گیا ہے اور اس کو اس میں ردّوبدل کا کوئی اختیار نہیں تو پھر آپ معذور ہیں۔ قرآن جس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے وہ ایسا بے بس اور بے کس خدا نہیں۔ لیکن اگر آپ اسے کائنات کا خالق تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو رب اور قدیر بھی یقین کرتے ہیں تو پھر آپ پریشان کیوں ہوں۔ وہ مالک ہے اور اس پر قادر ہے کہ چاہے تو چھوٹے سے انڈے سے سانپ پیدا کر دے اور چاہے تو اس معمول سے ہٹ کر لکڑی کے ایک ڈنڈے کو سانپ بنا دے۔ اگر علمائے طبعیین اس بات پر مُصر ہوں کہ جو قواعد اور سنن اِس مادی کائنات میں کارفرما ہیں وہ اٹل ہیں اُن میں ردّوبدل ممکن نہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا آپ کا علم فطرت کے تمام قوانین اور سنن کو محیط ہے؟ ممکن ہے کہ یہ تخلیق کسی ایسے قاعدہ کے مطابق ہو جہاں تک ابھی آپ کے علم کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ نیوٹن اور بڑے بڑے سائنسدان اس کے معترف ہیں کہ ان کا علم ناتمام فطرت کے تمام قوانین وضوابط کو محیط نہیں بلکہ وہ ابھی تک صرف چند اسرار کی نقاب کشائی کر سکے ہیں۔

فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے ١٣٨ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے

اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي

ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو ١٣٩ بولے مہلت دو اسے ١٤٠ اور اس کے بھائی کو اور بھیجو

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ

شہروں میں ہرکارے تاکہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو اور آ گئے جادوگر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ

فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا یقیناً آج تو ہمیں بڑا انعام ملنا چاہیئے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں۔ ١٤١ فرعون نے کہا بے شک

١٣٨ جب فرعون کے درباریوں نے لکڑی کے عصا کو مہیب اژدہا بنتے ہوئے دیکھا اور آپ کے ہاتھ کو آفتاب سے زیادہ چمکتا ہوا پایا تو وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ معجزہ ہے۔ اور فطرت اور قوانینِ فطرت کے خالق کی قدرت کا نمونہ ہے۔ وہ بے چارے یہی کہہ سکے کہ عام جادو کی طرح یہ بھی ایک نظر فریبی ہے لیکن اس سے بہر حال بہتر۔ اس لیے کہا کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔

١٣٩ یعنی موسیٰ اپنے محیّر العقول کرتبوں سے لوگوں کو مرعوب کر کے انہیں اپنا عقیدت مند بنا لے گا۔ اور جب اسے قوت و اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر ہماری حکومت کا تختہ اُلٹ کر خود بادشاہ بن بیٹھے گا اور اس کے بعد قبطیوں کو ان کے آبائی وطن سے نکال دے گا۔ اس لیے اے قومِ قبط کے اُمراء! آؤ مشورہ دو کہ اِس فتنہ کا سدِّ باب کرنے کے لیے ہمیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ افسوس! کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا سیاسی حریف سمجھ بیٹھے۔ اور ان کے ذہن میں یہ بات نہ آ سکی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے جو کسی ذاتی لالچ کے بغیر ان کی خیر خواہی میں کوشاں ہے اور ان کے پنجۂ استبداد سے اپنی مظلوم قوم کو رہائی دلانا چاہتا ہے۔

١٤٠ مصر میں اُس وقت فنِ جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ درباریوں نے جب اِن خدشات اور خطرات کے متعلق سنا تو بیک زبان پکار اُٹھے کہ آپ کی قلمرو میں بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ آپ موسیٰ اور اس کے بھائی کو چند روز کی مہلت دیں اور اپنے خاص آدمی بھیج کر اپنی مملکت کے چند ساحر جمع کر لیں جو مجمعِ عام میں موسیٰ کے کرتبوں کی قلعی کھول دیں۔ اس تدبیر سے ہم اپنی حکومت اور اپنی قوم کی سروری کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

١٤١ ملک کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار جادوگر آ جمع ہوئے۔ اُنہیں علم تھا کہ جس مقصد کے لیے انہیں طلب کیا گیا ہے وہ بڑا اہم ہے۔ وہ فرعون کی بادشاہت کے متزلزل تخت کو سہارا دینے کے لیے بلائے گئے تھے۔ اس لیے اُنہوں نے

وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ

اور (اس کے علاوہ) تم خاصانِ بارگاہ سے ہو جاؤ گے جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ

اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ

ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں ۱۴۲ آپ نے فرمایا ۱۴۳ تم ہی ڈالو پس جب انھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انھوں نے

النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى

لوگوں کی آنکھوں پر ۱۴۴ اور خوفزدہ کر دیا انھیں ۱۴۵ اور مظاہرہ کیا انھوں نے بڑے جادو کا اور ہم نے وحی کی

فرعون سے پہلے ہی منوالیا کہ اگر اُنہوں نے موسیٰ کو شکست دے دی تو اُنہیں شاہانہ انعامات سے نوازا جائے گا۔ اس مطالبہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اُنہیں اپنی کامیابی کا کامل یقین تھا تبھی تو وہ انعامات کا وعدہ لے رہے تھے۔ فرعون جو نبوت کی پہلی ہی عتاب آلود نگاہ سے لرزہ براندام تھا یہ تسلی آمیز الفاظ سن کر خوشی سے اُچھل پڑا اور کہنے لگا: یقیناً تم پر انعام واکرام کی بارش کی جائے گی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ تم کو اپنے دربار کے خاص مقربین میں داخل کر لیا جائے گا۔

۱۴۲ مقابلہ کی مقررہ تاریخ آ گئی۔ مقامِ معین پر فریقین جمع ہوئے۔ ایک طرف ساحرانِ مصر کا جم غفیر تھا جس کی پشت پناہی فرعون کر رہا تھا اور دوسری طرف موسیٰ وہارون ایک مظلوم اور غلام قوم کے نمائندے، جن کے پاس ظاہری ساز وسامان سے کوئی چیز نہ تھی۔ جادوگروں نے اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ کہیے پہل آپ کرنا چاہتے ہیں یا مقابلہ کا آغاز ہم کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی آغاز کرو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جادوگروں نے ازراہِ ادب آپ سے یہ دریافت کیا۔ اور انکی اتنی سی بات اللہ تعالیٰ کو پسند آ گئی اور انہیں نعمتِ ایمان سے سرفراز فرما دیا۔ تَأَدَّبُوْا مَعَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَانَ ذٰلِكَ سَبَبَ اِيْمَانِهِمْ (قرطبی) (1)

۱۴۳ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنا جتنا زور دکھانا چاہتے ہو دکھا لو میں بعد میں اپنی صداقت کا مُعجزہ پیش کروں گا۔ آپ کی اس اجازت کا مقصد یہ تھا کہ باطل اپنی تمام قوتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس پر بھرپور وار کر کے اس کی بے سروپائی کو عیاں کر دیا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کے لیے شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اور حق اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ جلوہ نما ہو جائے۔

۱۴۴ اس سے سحر کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سحر میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ کسی چیز کی ماہیت کو بدل دے۔ مثلاً رسیوں کو حقیقتاً سانپ بنا دینا اس کے بس سے باہر ہے۔ اس کا اثر نظر بندی تک محدود ہوتا ہے۔ یعنی ایک چیز ہوتی کچھ ہے لیکن جادو کے اثر سے دیکھنے والے اُسے کوئی اور چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ علامہ ابوحیان الاندلسی لکھتے ہیں۔ وَفِيْ قَوْلِهٖ سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 259

مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ

مُوسیٰ کو کہ ڈالیے اپنا عصا ۱۴۶ تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب اُنھوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا

الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا

حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یُوں فرعونی مغلوب ہو گئے ۱۴۷ وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے

دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ السِّحْرَ لَا یُقْلِبُ عَیْنًا وَّ اِنَّمَا ھُوَ مِنْ بَابِ التَّخْیِیْلِ (بحر محیط)(1) یعنی سَحَرُوْا الخ کے کلمات سے معلوم ہوا کہ جادو کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا۔ لیکن اس کے اثر سے دیکھنے والے یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ چیز کی حقیقت بدل گئی ہے۔ دوسری جگہ (سورۂ طٰہٰ) اسی واقعہ کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا۔ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ﴿۶۶﴾ (2): ان کے جادو سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال ہونے لگا کہ یہ رسیاں سانپ بن کر دوڑنے لگی ہیں۔ یہاں بھی تخییل کا ہی ذکر ہے۔ اگرچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ جادو کی ایک قسم تھی۔ اس کے علاوہ جادو کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس سے ماہیتِ شے بدلی جا سکتی ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی۔

۱۴۵ یہاں اِسْتَرْھَبُوْا بمعنی اَرْھَبُوْا ہے۔ یعنی انہوں نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا اور بابِ استفعال بابِ افعال کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ وَقَالَ ابْنُ عَطِیَّةَ وَاسْتَرْھَبُوْھُمْ بِمَعْنٰی اَرْھَبُوْا وَاسْتَفْعَلَ بِمَعْنٰی اَفْعَلَ (بحر)(3)

۱۴۶ جب وہ اپنے فنِ سحر کا مظاہرہ کر چکے اور اُن کی رسیّاں سانپوں کی طرح بل کھا کر فضا میں لہرانے لگیں اور فرعون کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ اور اس کی قوم اپنے ساحروں کے کمال پر عش عش کر اُٹھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے حق کے علمبردار! اُٹھ اور باطل کے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرہ پر زناٹے کا وہ چپت رسید کر کہ اس کا خمار اُتر جائے۔ اور وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے۔ موسیٰ کلیمؑ نے لکڑی کا ڈنڈا جس پر وہ ٹیک لگائے اب تک باطل کی ہرزہ سرائی کا مشاہدہ کرتے رہے تھے میدان میں ڈال دیا۔ اچانک وہ ایک مہیب اژدہا بن کر ان لہراتے ہوئے سانپوں کی طرف لپکا اور ان کو نگلنا شروع کر دیا۔ اور آنِ واحد میں فرعونیوں کا سارا بنا بنایا کھیل ختم ہو کر رہ گیا۔ مجمعِ عام میں حق کا بول بالا ہوا۔ اور باطل کو شرمناک شکست ہوئی اور اُن کی جادوگری کی عظمت اور سطوت کا پردہ چاک ہو گیا۔

۱۴۷ فرعون اور اُس کی قوم نے جب یہ ہوش رُبا منظر دیکھا ہو گا تو اُن پر کیا گزری ہو گی؟ شکست اور اتنی رُسوا کن شکست اور وہ بھی مجمعِ عام میں۔ فرطِ ندامت سے پانی پانی ہو گئے ہوں گے۔ اب انہیں اِس بات میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ لیکن اپنی سیاسی اغراض اور مالی مصلحتوں کے پیشِ نظر وہ آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 362 2۔ سورۂ طٰہٰ: 66 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 362

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ذلیل وخوار ہوکر اور گر پڑے ۱۴۸ جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون نے کہا ۱۴۹ تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمھیں اجازت دیتا بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ

اس کے اصلی باشندوں کو ۔ ابھی (اس کا انجام) تمھیں معلوم ہوجائے گا ۔ میں (پہلے) کٹوادوں گا ۱۵۰ تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

مختلف طرفوں سے پھر تمھیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو ۔ وہ بولے (پرواہ نہیں) ۱۵۱ ہم تو اپنے رب کی طرف

۱۴۸ مقابلہ میں جب اُنہوں نے اپنے جادو کی ناکامی اور اعجازِ موسوی کی کامیابی دیکھی تو وہ مجبور ہوکر سجدہ میں گر پڑے۔ اور اس پروردگارِ عالم پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ جس کی الوہیّت اور وحدانیت کا اعلان موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرمایا کرتے تھے۔

۱۴۹ مقابلہ کے میدان میں شکست کیا کم تھی کہ جادوگروں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے اس کی کمر توڑ دی لیکن تھا ذہین۔ حالات کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔ جادوگروں کو خطاب کرتے ہوئے فوراً بول اُٹھا۔ اچھا! معلوم ہو گیا کہ تم بھی اسی باغی گروہ کے افراد ہو جن کا سرغنہ موسیٰ ہے۔ اور تم سب نے مل کر ہماری حکومت کا تختہ اُلٹنے اور قبطیوں کو اُن کے وطن سے نکالنے کی سازش کر رکھی ہے۔ ذرا ٹھہرو! ابھی تمہیں اس مکروفریب کا مزا چکھاتا ہوں۔

۱۵۰ کتنی دردناک سزا ہے جس کی وہ ان پاکبازوں کو دھمکی دے رہا ہے ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر زندہ سولی پر لٹکا دینا تاکہ تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر دم توڑ دیں۔ عشق ومحبت کے متوالوں کے علاوہ کون ہے جو اس سزا کو جھیلنے کے لیے بخوشی تیار ہو۔

۱۵۱ حق جب دل میں اُتر جاتا ہے اور انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے۔ اسی

مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ

جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے ہم سے ۱۵۲ بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ آئیں ہمارے

رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ

پاس اے ہمارے رب ۱۵۳ انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔ اور کہا قوم فرعون کے سرداروں

قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَ قَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَ

نے ۱۵۴ (اے فرعون!) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور

واقعہ سے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ رذالت اور کمینگی کے گہرے کھڈ میں گرے ہوئے جادوگروں نے جب حق کو قبول کرلیا تو وہ چشم زدن میں انسانیت کے اس ارفع واعلیٰ مقام پر فائز ہوگئے جہاں نوری فرشتوں کی بھی رسائی نہیں۔ غیرتِ عشق نے انہیں اپنے ایمان کو کسی تقیہ کے غلاف میں لپیٹنے کی اجازت نہ دی۔ ایسی ہوش ربا سزا سننے کے بعد بھی ان کے پاؤں نہیں ڈگمگائے بلکہ باطل کے چیلنج کو بخوشی قبول کرلیا۔ برملا مجمعِ عام میں فرعون کے منہ پر اس کی دھمکی کا بڑی بے پرواہی اور بے نیازی سے جواب دے کر اس کو اور سیخ پا کر دیا۔ قربان جائے انسان حق کی دلربائی اور رعنائی پر

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود   جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود (1)

جب وہ لوگ ایمان لانے کے بعد اتنے جری اور نڈر ہو گئے تھے تو خاندانِ نبوت کا کیا کہنا، جن کے فیضِ نگاہ سے دُنیا بھر کو ایمان، صداقت، شجاعت کی دولت ملی۔ کیا اُنہوں نے کسی کے ڈر سے، کسی مصلحت کے پیشِ نظر تقیہ کیا ہوگا۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (2)

۱۵۲ یہ کہہ کر اُنہوں نے فرعون کو ایک اور چرکہ لگایا یعنی ہم سے اگر کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہوتا اور تو ہمیں سزا دیتا تو کوئی معقول بات بھی تھی۔ اب تو ہمیں یہ سزا اس لیے دے رہا ہے کہ ہم نے اللہ کو وحدہٗ لاشریک مان لیا ہے اور اس کی آیات دیکھ کر اس کے رسول کی تصدیق کی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس سب سے بڑی اور روشن سچائی پر تو بھی ایمان لاتا اور ہمیں اس حق شناسی پر انعام دیتا۔ لیکن اُلٹا تو ہمیں اس لیے سولی پر لٹکا رہا ہے یہ خود تیری نادانی اور بدنصیبی کی کھلی دلیل ہے۔

۱۵۳ فرعون کو کھری کھری سنانے کے بعد اب انتہائی خضوع وخشوع سے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں اے مولا! امتحان کے ان مشکل ترین لمحوں میں ہمیں صبر عطا فرما اور جب ہماری روحیں اس پیکرِ خاکی سے نکلنے لگیں تو لبوں پر تیری توحید کی شہادت ہو۔

۱۵۴ قبطی سرداروں نے جب دیکھا کہ موسیٰؑ کا اثر ونفوذ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے علاوہ ان کی اپنی قوم کے کئی

1۔ کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص:669، جاوید نامہ، ص:81   2۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، بالِ جبریل، ص:479

يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو اُس نے (برافروختہ ہو کر) کہا ۱۵۵ (ہرگز نہیں بلکہ) ہم تہ تیغ کردیں گے ان کے لڑکوں کو

وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَ

اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے ۱۵۶

اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ

اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے ۔ اور

افرادموسیٰ کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں تو انہیں اپنے مستقبل کے متعلق شدید خطرات محسوس ہونے لگے اور فرعون کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کر دیا کہ آپ کے ملک میں آپ کی خدائی اور آپ کے تجویز کیے ہوئے دوسرے خداؤں کی خدائی کے خلاف کھلم کھلا پرچار ہو رہا ہے اور آپ ہیں کہ اس بات کی پروا نہیں کرتے۔ اگر یہی لیل ونہار ہے تو یاد رکھیے فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی اور آپ کی خدائی کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ اٰلِهَتَكَ (تیرے خدا) سے مراد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ فرعون لوگوں سے تو اپنی عبادت کروایا کرتا تھا لیکن اس کا اپنا بھی ایک معبود تھا (گائے، ستارے، سورج) جس کی وہ پرستش کیا کرتا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ خود تو وہ اپنے آپ کو بڑا خدا کہلواتا تھا اور اپنے علاوہ اُس نے کئی اور معبود مقرر کر رکھے تھے اور اپنی قوم کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ وہ اُن کی پوجا بھی کیا کرے۔ ایک قرأت اٰلِهَتَكَ میں اِلَاهَتَكَ بھی ہے جس کا معنی ہے عبادت۔ قِيْلَ كَانَ يَعْبُدُ الْكَوَاكِبَ وَقِيْلَ صَنَعَ لِقَوْمِهٖ اَصْنَامًا وَ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا تَقَرُّبًا اِلَيْهِ وَلِذٰلِكَ قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى وَ قُرِئَ اِلَاهَتَكَ اَىْ عِبَادَتَكَ (بیضاوی) (1) وہ باطل پرست جو حق کو حق سمجھنے کے باوجود اُسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جب وہ حق کی روشنی پھیلتے ہوئی دیکھتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ ملک کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ یہ بغاوت کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور فتنہ وفساد پھیلا کر ملکی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

۱۵۵ ان کی چال کامیاب رہی۔ فرعون بھڑک اُٹھا اور اُنہیں یقین دلایا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ وہی ظالمانہ برتاؤ کرے گا جو پہلے ان کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔ جب ان کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں گے تو ان کی لڑکیاں دوسری قوم میں جذب ہو کر رہ جائیں گی اور رفتہ رفتہ اس قوم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۱۵۶ موسیٰ کو جب اِس خونی منصوبہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنی قوم کو صبر واستقامت کی تلقین فرمائی۔ اور اُنہیں بتایا کہ زمین کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اُسی کے اختیار میں ہے کہ جس قوم کو چاہے اِس زمین کا مالک بنادے۔ اگر عارضی طور پر فرعون کو مصر کی

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 218

الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ

اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے (مخصوص) ہے۔ قوم موسیٰ ۱۵۷ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آتے ہمارے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کردے گا تمہارے دشمن کو ۱۵۸

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ

اور (ان کا) جانشین بنادے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ۱۵۹ اور بے شک

أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے ۱۶۰ تاکہ وہ

حکومت ملی ہے تو کیا ہوا اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اور آخر کار کامیابی اور کامرانی کا سہرا اُن کے سر باندھا جائے گا جو متقی و پرہیزگار رہیں۔

۱۵۷ فرعون کی یہ دھمکی سن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ اور کہنے لگے اے موسیٰ! آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم فرعون کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے رہے، ہمارے معصوم بچوں کو بے دردی سے قتل کیا جاتا رہا اور ہماری خواتین کو اُنہوں نے لونڈیاں بنائے رکھا۔ خیال تھا کہ آپ کی آمد سے ہماری مصیبتوں کی کالی رات ختم ہوگی اور ہمیں آرام کا سانس نصیب ہوگا لیکن کچھ نہ ہوا۔ وہی مصیبتیں ہیں اور وہی ہم ہیں۔ اب ہم کریں تو کیا کریں۔ جائیں تو کہاں جائیں؟

۱۵۸ موسیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور حکومت واقتدار تمہیں بخش دیا جائے گا۔

۱۵۹ بڑا ہی غور طلب جملہ ہے یعنی تمہیں حکومت واقتدار عطا فرمانے کے بعد وہ دیکھے گا کہ تم کہاں تک اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہو اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو موقع دیتا ہے کہ وہ قوت واختیار کی مسند پر بیٹھ کر یہ ثابت کرے کہ کیا وہ اس کی اہل ہے یا نہیں۔

۱۶۰ جیسے اس پارہ کی ابتداء میں بتایا گیا کہ کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب فوراً ہی نہیں بھیج دیا جاتا بلکہ پہلے اسے مختلف قسم کی سختیوں سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا سخت دل نرم ہو جائے اور وہ اس تنبیہ سے اپنی سابقہ کج روی کی تلافی کر لے اور کبھی اس پر نعمتوں کی بارش کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے منعمِ حقیقی کو پہچان کر اور اس کی پیہم نوازشات سے متاثر ہو کر نافرمانی سے باز آجائے۔

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

نصیحت قبول کریں تو جب آتا ان پر خوشحالی کا دور[۱۶۱] (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

پہنچتی انھیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے[۱۶۲] سن لو! ان کی بدفالی تو (مکافات

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا

عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس سے ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور انھوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے

اور جب سمجھانے کے یہ سارے طریقے بھی بے اثر ثابت ہو جاتے ہیں تو پھر ان پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا ہے جو ان کا نام و نشان تک مٹا دیتا ہے۔ اسی سنتِ الٰہی کے مطابق آخری عذاب سے پہلے فرعونیوں کو کبھی مصائب و تکالیف سے اور کبھی انعامات اور نوازشات سے ہوشیار کیا جاتا رہا۔ اور اسی سلسلہ کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ سِنِیْنَ جمع ہے سَنَةٌ کی۔ یہاں اس کا معنی قحط سالی ہے۔ يَعْنِي الْجُدُوْبَ وَهٰذَا مَعْرُوْفٌ فِي اللُّغَةِ يُقَالُ اَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ اَيْ جَدْبٌ (قرطبی)(1)

۱۶۱ بجائے اس کے کہ وہ کچھ عبرت حاصل کرتے اُلٹا انہیں موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اگر انہیں راحت و آرام ہوتا تو کہتے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ اور اگر تکلیف کا سامنا ہوتا تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی شامتِ اعمال ہے اور ان کی نحوست کا نتیجہ ہے۔

۱۶۲ بدفالی اور بدشگونی کو عربی میں تطیر کہتے ہیں۔ کیوں کہ اہلِ عرب اکثر پرندوں کی آوازوں سے بدفالی پکڑتے۔ اس لیے یہ لفظ طیر سے مشتق ہوا۔ مشرک قوموں میں فال گیری کی رسم بہت قدیم سے ہے۔ ان کے اوہام پرست مزاج ہر چیز سے اثر قبول کرتے ہیں۔ کسی کام کو نکلے، راستے میں کوئی جانور سامنے سے گزر گیا، کسی پرندہ کی آواز کان میں پڑ گئی فوراً گھر واپس لوٹ آئے۔ اسلام نے جہاں اور مشرکانہ رسموں کی ممانعت کی وہاں اس نے تطیر (بدفالی) کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ رَجَعَتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ اَشْرَكَ جو کسی چیز سے بدفالی پکڑ کر اپنے مقصد سے لوٹ آیا اُس نے شرک کیا۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ایسا شخص کیا کفارہ دے تاکہ اس کی توبہ قبول ہو؟ فرمایا یہ کہے اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَمْضِيْ لِحَاجَتِهٖ (قرطبی)(2) اے اللہ! تیری فال کے بغیر اور کوئی فال نہیں۔ تیری بھلائی کے بغیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ یہ الفاظ کہہ کر اپنے کام کو چلا جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 64-263
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 266۔ کنز العمال، ج 10، ص 115، رقم الحدیث 28580، مطبوعہ التراث الاسلامی، حلب۔ مسند احمد بن حنبل، ج 2، ص 220، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔ تقدیم و تاخیر کے ساتھ

بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾

ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے ۱۶۳

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

پھر بھیجا ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک ۱۶۴

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾

اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وُہ تکبّر کرتے رہے اور وُہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور جب آجاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دُعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس

۱۶۳ موسیٰ علیہ السلام کافی عرصہ تک اِس مقابلہ کے بعد بھی مصر میں مقیم رہے اور اپنے معجزات دِکھا دِکھا کر اُنہیں دعوتِ حق دیتے رہے۔ لیکن وہ اپنی ضد اور عناد پر اَڑے رہے اور آخر صاف صاف کہہ دیا کہ آپ جو چاہیں جادو کے کرتب دکھاتے رہیں ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تو تھی نہیں کہ انہیں موسیٰ کی صداقت میں شک تھا آپ کی صداقت تو اُن کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں تھی۔ لیکن اُس کو تسلیم کرنا ان کے لیے ٹیڑھی کھیر تھی۔ کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ناجائز اختیارات اور مراعات سے محروم ہوجائیں۔ ان کی لوٹ کھسوٹ پر پابندی لگادی جائے۔ اور اُن کی عیش وعشرت کی محفلیں درہم برہم کردی جائیں وہ اس کے لیے آمادہ نہ تھے۔ یہی رکاوٹیں ہیں جو ہر زمانہ میں حق قبول کرنے کے راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہوجایا کرتی ہیں۔ مَهْمَا کے متعلق خلیل نحوی نے کہا کہ اصل میں یہ مَامَا تھا۔ پہلا مَا شرطیہ ہے اور دوسرا جزا کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر پہلے مَا کے الف کو ہاء سے بدل دیا تاکہ تکرار نہ ہو۔ قَالَ الْخَلِيْلُ: اَلْاَصْلُ مَامَا اَلْاُوْلٰى لِلشَّرْطِ وَالثَّانِيَةُ زَائِدَةٌ تَوْكِيْدًا لِلْجَزَاءِ كَمَا تُزَادُ فِيْ سَائِرِ الْحُرُوْفِ مِثْلُ اِمَّا وَحَيْثُمَا وَاَيْنَمَا (قرطبی)(1)

۱۶۴ یہاں عذاب کی مختلف صورتوں کا بیان ہورہا ہے جن میں وقتاً فوقتاً فرعونیوں کو مبتلا کیا گیا۔ طوفان سے مراد کثرتِ بارش سے سیلاب کا آجانا ہے۔ اور مجاہد اور عطا سے طوفان بمعنی موت منقول ہے قَالَ مُجَاهِدٌ وَّعَطَاءٌ اَلطُّوْفَانُ اَلْمَوْتُ(2)۔ نحاس کہتے ہیں کہ لغت میں ہر مہلک چیز کو طوفان کہا جاتا ہے(3)۔ کچھ تباہی تو سیلاب سے آئی۔ باقی ماندہ فصلوں کا صفایا ٹڈی دَل نے کردیا۔ قمل کے متعدد معنی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ قمل وہ گھن ہے جو گندم کو لگ جاتا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 267 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جز 7، ص 268

عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ

مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰٓ

کردیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ۱۶۵ پھر جب ہم نے دُور کردیا اُن سے عذاب ایک مقررہ

أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ

میعاد تک جس کو وُہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انھوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا پھر ہم نے بدلہ لیا اُن سے ۱۶۶ اور غرق کردیا انھیں

فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

سمندر میں کیونکہ انھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وُہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے۔

مراد پسو ہیں۔ اس کا ایک معنی جوئیں بھی ہے (1) یعنی پسوؤں اور جوؤں نے اُنہیں جسمانی اذیت پہنچا کر ناک میں دم کر دیا اور اُن کے غلے کے انباروں میں گھن اور سُسری کثرت سے پیدا ہوگئی ہے جس نے ان کو خاک کر کے رکھ دیا۔ مینڈک اس کثرت سے نمودار ہو گئے کہ گلی کوچے، گھر کے درو دیوار اور کھانے کے برتن تک ان سے بھر گئے۔ پینے کا پانی گھڑوں میں بھر کر رکھتے تو وہ خون بن جاتا۔

۱۶۵ یعنی ان مذکورہ عذابوں میں سے جب بھی کوئی عذاب اُن پر نازل ہوتا اور اس سے نجات کی جب کوئی صورت انہیں دکھائی نہ دیتی تو بے بس ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا مانگو کہ یہ عذاب ٹل جائے تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ اور جب موسیٰؑ کی دعا اور برکت سے وہ عذاب ٹال دیا جاتا تو وہ ایمان لانے کا وعدہ توڑ ڈالتے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیتے۔ ہر بار وہ وعدہ کرتے۔ اور جب مشکل آسان ہو جاتی تو پھر اس وعدہ کو توڑ دیتے۔

۱۶۶ جب وہ کسی طرح ایمان لانے پر تیار نہ ہوئے تو انجامِ کار ان کو بحرِ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔ بِاَنَّھُمْ سے اس عذاب کی وجہ بیان کی جا رہی ہے (1) کہ ان کو یہ سزا بلاوجہ نہیں دی گئی بلکہ ان کی مسلسل تکذیب اور پیہم غفلت کی وجہ سے ان کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 269 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 400

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

اے موسیٰ! بناؤ ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے اُن کے خدا ہیں موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ)

تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

لوگ ہو بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے [۱۷۱] اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

موسیٰؑ نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لیے کوئی اور خدا [۱۷۲] حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر [۱۷۳]

جس میں سے گزرتے ہوئے وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور فرعون اور اُس کا لشکر اُن کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا یہ قافلہ اب جزیرہ نمائے سینا کے جنوب کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ راستے میں اُن کا گزر مفقہ کے مقام پر ہوا۔ جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا۔ جس کے آثار اب بھی جزیرہ نماء کے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت تھا۔ غالباً انہیں مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔ (تفہیم القرآن) (1)

لیکن قرطبی نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ قوم جن پر اُن کا گزر ہوا وہ لخم تھی جو رقہ شہر میں سکونت پذیر تھی اور گائے کی پرستش کیا کرتی تھی۔ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ اُولٰئِكَ الْقَوْمُ مِنْ لَخْمٍ وَ كَانُوْا نُزُوْلًا بِالرَّقَّةِ وَ قِيْلَ كَانَتْ اَصْنَامُهُمْ تَمَاثِيْلَ الْبَقَرِ (قرطبی) (2) اور علامہ بیضاوی اور دوسرے مفسرین نے اس قول کے علاوہ یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ قوم عمالقہ کی تھی (3)۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنے نبی کی صداقت کی آیات بینات دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کا فوری طور پر شرکِ صریح کی طرف مائل ہو جانا اس بات کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ طبعِ انسانی ماحول سے کتنی جلدی متاثر ہوتی ہے اور غلامانہ زندگی فطرتِ سلیمہ کو کس طرح مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔

[۱۷۱] آپ نے فرمایا اے بے وقوفو! ایسے لوگوں کی تقلید کرنے کے لیے بے قرار ہو جو عنقریب ہلاک و برباد ہونے والے ہیں۔ اور وہ باطل جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے اس کی بے سروپائی بھی ظاہر ہونے والی ہے۔ اَلتَّبَارُ۔ اَلْهِلَاكُ۔ مُتَبَّرٌ۔ مُهْلَكٌ۔ ہر ٹوٹے ہوئے برتن کو بھی متبر کہتے ہیں۔ (4)

[۱۷۲] اپنے مسلک کی بڑی زوردار دلیل پیش فرمائی کہ میں اپنے خالقِ حقیقی کے سوا کسی غیر کی عبادت نہیں کرتا۔ فرمایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جو فضیلت اور شرف اس کو بخشا گیا ہے وہ کائنات کی کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی نہیں دیا گیا تو پھر اس

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 75-74 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 273

3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 220، روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 40، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 401۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 225

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 273

وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تمھیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمھیں سخت عذاب

يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

مار ڈالتے تھے تمھارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا

بڑی آزمائش تھی اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے

بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ

دس مزید راتوں سے ۱۷۶ سو پوری ہوگئی اس کے رب کی میعاد چالیس راتیں اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی

هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر ۱۷۵

سے بڑھ کر اور نادانی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر کسی اور شے کو اپنا معبود بنا لے جو مرتبہ میں اس سے کہیں حقیر اور کم تر ہے۔

۱۷۳ اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اوّل ۴۹:۲

۱۷۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے چھٹکارا پانے کے بعد وادیٔ سینا میں آکر آباد ہوئے۔ جہاں اُنھیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ مصر میں ہی آپ نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب وہ آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُنھیں ایک جامع کتاب دے گا جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح ہدایات ہوں گی۔ اب وہ کتاب عنایت کرنے کے لیے آپ کو کوہِ طور پر طلب کیا گیا۔ اور انھیں حکم دیا گیا کہ یہ مدت (جو پہلے تیس اور پھر چالیس روز کر دی گئی) تمام مشاغل سے الگ تھلگ ہو کر یادِ الٰہی میں بسر کریں تا کہ ذکر و فکر سے رُوح و قلب کو وہ قوت و توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اس بارِ گراں کو اُٹھا سکیں۔ اولیائے کرام کی چالیس روزہ چلہ کشیوں کی یہی اصل ہے۔ اِنَّ لِلْاَرْبَعِيْنَ خُصُوْصِيَّةً فِي اسْتِحْقَاقِ اسْتِمَاعِ الْكَلَامِ لِلْاَنْبِيَاءِ كَمَا اَنَّ لَهَا اخْتِصَاصًا فِيْ ظُهُوْرِ يَنَابِيْعِ الْحِكْمَةِ مِنْ قُلُوْبِ الْاَوْلِيَاءِ كَقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ (روح البیان) (1)

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 229، الترغیب والترہیب، باب الترغیب فی الاخلاص والصدق والنیۃ الصالحۃ، ج 1، ص 56، مطبوعہ دار الفکر بیروت

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ

اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی اُن سے اُن کے رب نے (تو اُس وقت) عرض کی اے میرے

اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ

رب! مجھے دیکھنے کی قوت دے تا کہ میں تیری طرف دیکھ سکوں ۱۷۶ اللہ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے ۱۷۷ البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

یہ ٹھیرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے ۱۷۸ پھر جب تجلّی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش

۱۷۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جبلِ طور پر روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اُنہیں ضروری ہدایات دیں۔ آپ کو اپنی قوم کے مزاج کا علم تھا۔ اس لیے آپ نے حضرت ہارون کو یہ خصوصی حکم دیا کہ اگر ان کی غیر حاضری میں یہ کوئی فتنہ وفساد برپا کریں تو آپ اُن کا ساتھ نہ دیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگرچہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے لیکن منصبِ رسالت میں وہ آپ کے تابع تھے۔ اس لیے آپ کے حکم کے پابند تھے۔

۱۷۶ جب چالیس روزہ مدت پوری ہوگئی اور ذِکرِ الٰہی سے قلب وروح میں کلامِ الٰہی سننے کی توانائی پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی۔ جب کلام کی لذت رگ وپے میں سرایت کر گئی تو دِل میں متکلم کے شوقِ دید کا طوفان اُمڈ آیا اور عرض کی کہ اے سراپا دلبری ورعنائی! چشمِ شوق اب ان حجابوں کو برداشت نہیں کرسکتی۔ ازراہِ لطف وکرم انہیں اُلٹ دے اور مجھے اپنا آپ دکھا۔

علامہ بیضاوی نے اَرِنِی کے دو معنی بیان کیے ہیں:

۱۔ اَرِنِیْ نَفْسَكَ بِاَنْ تُمَكِّنَنِیْ مِنْ رُؤْيَتِكَ یعنی مجھے اپنے دیکھنے کی قدرت عطا فرما تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

۲۔ اَوْ تَتَجَلّٰى لِیْ فَاَنْظُرَ اِلَيْكَ یعنی خود حجاباتِ عظمت کو سرکا تا کہ چشمِ شوق لطفِ دید حاصل کر سکے۔(1)

۱۷۷ یہ نہیں فرمایا لَنْ اُرٰی: میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ تا کہ یہ سمجھا جائے کہ رؤیتِ باری ممتنع ہے۔ جیسے معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ فرمایا لَنْ تَرٰىنِیْ: اے موسیٰ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے دیکھنے کی تاب فقط اس نگاہ میں ہے جو مازاغ کے سرمہ سے سُرمگین ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دیدارِ الٰہی ناممکن نہیں اور یہی اہلِ السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ الرُّؤْيَةُ جَائِزَةٌ۔ (قرطبی)(2) اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال رہی تو سورۃ النجم میں اس بحث کو ذرا تفصیلاً لکھا جائے گا۔

۱۷۸ حضرت کلیمؑ کی عرضداشت کا جواب تو لن ترانی سے دے دیا گیا۔ لیکن مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنی ایک تجلی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ اس کو برداشت کر سکا تو پھر ممکن ہے کہ آپ بھی برداشت کر سکیں۔ لیکن اگر اس کی سنگین چٹانیں اور فلک بوس چوٹیاں چُور چُور ہو جائیں تو پھر آپ کو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ آپ کو بھی اِس کا یارا نہیں تھا۔ چنانچہ جب نورِ الٰہی کی ایک کرن

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 221
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 279

وَخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَيۡكَ

اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جب آپ کو ہوش آیا تو ۱۷۹ عرض کی پاک ہے تو ہر نقص سے، میں توبہ کرتا ہوں

وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوۡسٰۤى اِنِّى اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى

تیری جناب میں اور میں ۱۸۰ سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے ۱۸۱ سرفراز کیا ہے تجھے تمام

النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىۡ وَبِكَلَامِىۡ ۖ فَخُذۡ مَاۤ اٰتَيۡتُكَ وَكُنۡ مِّنَ

لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار

الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبۡنَا لَهٗ فِى الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡعِظَةً

بندوں سے اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لیے ۱۸۲ تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لیے

کوہِ طور پر جلوہ طراز ہوئی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس منظر کی ہیبت وجلال سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

۱۷۹ جب کچھ وقت گزرنے کے بعد اُنہیں ہوش آیا تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اپنے اِس سوال پر معذرت پیش کی۔ کیونکہ واصلانِ بارگاہِ الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سوال کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اسی لیے توبہ کر رہے ہیں

رضائے خاطر محبوب شرط دیدار است بحکم شوق ملاحظہ مکن کہ بے ادبی ست

۱۸۰ یعنی اپنی امت کے مومنوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا میں ہوں۔

۱۸۱ یعنی میں نے اپنا پیغام ہدایت پہنچانے کے لیے آپ کے ہمعصروں میں سے آپ کو چن لیا ہے۔ اور آپ کو بلا واسطہ کلام کرنے کی عزت سے ممتاز فرمایا ہے۔ جو نعمت دی جا رہی ہے اسے بصد شوق ومسرّت قبول کرو اور اسی پر اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ اور ان باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جو آپ کی طاقت سے باہر ہیں۔ الناس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ فَالۡمُرَادُ عَلَى النَّاسِ الۡمُرۡسَلُ اِلَيۡهِمۡ (قرطبی) (1)

۱۸۲ جس مقصد کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا تھا اب اُس کی تکمیل فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی وہ نسخۂ ہدایت ورحمت جس میں ہر طرح کی نصیحتیں اور احکامِ شرعیہ لکھے ہوئے تھے آپ کو دیا گیا۔ یہی تورات تھی جو پتھر کی سلوں پر لکھی لکھائی بیک وقت آپ کو دے دی گئی۔ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مِّمَّا يَحۡتَاجُ اِلَيۡهِ فِىۡ دِيۡنِهٖ مِنَ الۡاَحۡكَامِ وَتَبۡيِيۡنِ الۡحَلَالِ وَالۡحَرَامِ۔ (القرطبی) (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 280 2۔ ایضاً، جز 7، ص 281

وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا

اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے ۱۸۳؎ اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں

بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ

اس کی اچھی باتیں ۱۸۴؎ عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے

الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق ۱۸۵؎ اور اگر دیکھ لیں تمام

۱۸۳؎ قوت اور مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی کوشش، چستی، ہوشیاری اور شوق سے اس پر عمل کرنے کا عزم کر کے اس کو ہاتھ میں لو۔ اَیْ بِجِدٍّ وَّنَشَاطٍ (قرطبی) (1) اَیْ بِجِدٍّ وَّعَزِیْمَةٍ (بیضاوی) (2)

۱۸۴؎ یعنی یہ کتاب اس لیے آپ کو عطا نہیں کی جا رہی ہے کہ آپ خود اس عمل پر کر کے سمجھ لیں کہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا بلکہ خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ اپنی قوم کو بھی حکم دیں کہ وہ اس کے احکام جو سراپا خیر و برکت ہیں پر عمل کریں اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ اور اُن پر یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اگر انہوں نے ہماری شریعت کے احکام سے سرتابی کی تو اُنہیں بھی وہ گھر دیکھنا پڑے گا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ٹھکانا ہے یعنی جہنم اور بعض علماء نے دار الفاسقین سے مصر و شام کے ممالک مُراد لیے ہیں جہاں فرعون اور عمالقہ کی نافرمان قوموں کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا اور جن کے کھنڈرات اپنے بنانے والوں کی عظمت و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں۔

۱۸۵؎ یہاں ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غرور و تکبر کی روش اِختیار کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔ اور انبیاء کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ بطورِ سزا ایسے لوگوں کو کتاب الٰہی کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمۂ حیات سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتے۔ قَالَ قَتَادَةُ سَاَمْنَعُهُمْ فَهْمَ كِتَابِیْ وَقِيْلَ سَاَصْرِفُهُمْ عَنْ نَّفْعِهَا وَذٰلِكَ مُجَازَاةٌ عَلٰى تَكَبُّرِهِمْ (قرطبی) (3) بِغَيْرِ الْحَقِّ کے الفاظ سے یہ بتا دیا کہ اُن کا یہ تکبر اور غرور بے وجہ ہے۔ اُنہیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اِتنا اُونچا اور بڑا سمجھنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی اطاعت سے اُنہیں عار ہو۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 281 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 222 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 283

اٰیٰتٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ

نشانیوں کو (تو بھی) ۱۸۶؎ نہ ایمان لے آئیں اُن پر۔ اور دیکھ بھی لیں راہ رُشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا)

سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ

راستہ۔ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنالیں اسے (اپنی) راہ یہ (ساری غلط روی)

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ الَّذِیْنَ

اس لیے ہے کہ اُنھوں نے ۱۸۷؎ جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے اور جنھوں نے جھٹلایا

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ

ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال ۱۸۸؎ کیا انھیں جزا دی جائے گی

۱۸۶؎ اُن کے دل کی آنکھ کے بے نور ہونے کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ ہزار دلیلیں سنتے ہیں بے شمار معجزے دیکھتے ہیں۔ لیکن ایمان نہیں لاتے۔ نیکی اور ہدایت کا راستہ جو نورانی قندیلوں سے جگمگا رہا ہے۔ اس پر چلنے کے لیے انہیں کہا جائے تو ان کا دِل ڈوب ڈوب جاتا ہے اور اندھیروں اور تاریکیوں سے گھری ہوئی ضلالت کی راہ پر چلنے کے لیے بڑے ہی بے تاب نظر آتے ہیں۔

۱۸۷؎ اِس حقیقت کو پھر ایک بار واضح کر دیا کہ آیاتِ الٰہی کی جان بوجھ کر تکذیب اور اُن کی طرف سے دانستہ غفلت و بے پرواہی اِنسان کی ابدی شقاوت کا باعث بن جاتی ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ کان کھول کر ہمارا اٹل قانون سن لو۔ تم سے پہلے جو قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے غرور و نخوت کے نشہ میں مخمور ہو کر ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا، ہماری آیات کی طرف بے التفاتی کی تو ہم نے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اُن سے چھین لی۔ اگر تم نے بھی اُنہیں کی سی روش اختیار کی اور تورات کے مندرجہ احکام کو بسر و چشم قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی وہی ہو گا۔ بنی اسرائیل کے علاوہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الثناء والتحیۃ کو بھی اپنے اس قانون سے جس میں کوئی استثناء نہیں آگاہ کر دیا تا کہ وہ بھی گوشِ ہوش سے ہمارے نبی کی باتیں سنیں اور چشمِ دل سے اس کے اسوۂ حسنہ کا مشاہدہ کریں تا کہ وہ اس نعمتِ عظمٰی سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے علم و دانش پر اترا کر میرے رسول کی سنت کو نظر انداز کر دیں اگر اُنہوں نے بھی ایسا کیا تو اُن کو بھی وہی سزا دی جائے گی جو اُن سے پہلے نافرمان قوموں کو دی گئی۔

۱۸۸؎ نیک اعمال کا اجر قیامت کے دن صرف اُن لوگوں کو ہی عطا فرمایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولوں اور روزِ جزا پر

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٧﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ

سوائے اس کے جو وُہ کیا کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں) اور بنا لیا قومِ مُوسیٰ نے ۱۸۹ ان کے (طُور پر جانے کے) بعد

حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اُس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا اُنھوں نے کہ وُہ نہ بات کر سکتا ہے

وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا

اُن سے اور نہ اُنھیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے اُنھوں نے (خدا) بنا لیا اُسے اور وُہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وُہ

ایمان لائے۔ کیونکہ انہیں کے اعمال کی غرض وغایت رضاء خداوندی اور نعیم جنت کا حصول تھا۔ لیکن وہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان اور نہ روزِ جزا پر یقین رکھتے ہیں قیامت کے دن اُن کے اعمال کا کوئی معاوضہ اُنہیں نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ اعمال کرتے وقت ان کے ذہن میں اس اجر کا کوئی تصور نہ تھا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر ایک مسلمان بھی لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کوئی نیک عمل کرتا ہے یا کوئی زاہد شب زندہ دار بھی اپنی اس شبانہ روز زہد و ریاضت سے لوگوں کے دلوں پر اپنی ولایت کا سکہ جمانا چاہتا ہے تو اس کے سارے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ تو ایک کافر کے اعمال کو قیامت کے روز کیوں مستحقِ اجر سمجھا جائے۔ ہاں دُنیا میں اُن کو ان اعمال کا معاوضہ کاروبار میں ترقی، سیاسی قوت و اقتدار وغیرہ کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔

۱۸۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کوہِ طور پر تشریف لے گئے تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کامل ضابطۂ حیات لا کر اپنی قوم کو دیں تا کہ ان کی زندگی اطاعتِ الٰہی کا ایک مکمل نمونہ بن جائے۔ لیکن ان بھلے مانسوں نے آپ کی غیر حاضری کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہی منہ موڑ لیا۔ وہ اللہ جس نے فرعون کی غلامی سے ان کو آزاد کیا۔ جس کی قدرت سے سمندر کی موجوں نے سمٹ کر ان کے لیے ایک شاہراہ بنا دی۔ اور جب اُن کا دشمن فرعون اپنے لشکرِ جرار سمیت ان کی زد میں آ گیا تو وہ اس پر اُمڈ آئیں اور تنکوں کی طرح اُسے بہا لے گئیں۔ اس وحدہٗ لاشریک کو بھول گئے۔ اس محسنِ حقیقی سے اپنی بندگی کا رشتہ توڑ لیا اور ایک بچھڑے کی مورتی کی پرستش شروع کر دی۔ ان کی عقلیں اتنی اوندھی تھیں کہ خدا بنانے کے لیے ان کی نظرِ انتخاب جس چیز پر پڑی وہ دھات کی بنی ہوئی بچھڑے کی مورتی تھی جو نہ بول سکتی تھی اور نہ کچھ سن سکتی تھی۔ آپ اس کے سامنے شور و غل مچائیں اس کی طرف سے ایک بے معنی صدا کے بغیر کچھ سنائی نہ دیتا۔ اس قوم نے جس نے ہر قدم پر آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا تھا کیسے باور کر لیا کہ یہ ہمارا خدا ہے جس کا ڈھانچہ ان کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا؟ اس کی توجیہ بجز اس کے اور کیا کی جا سکتی ہے کہ غلامانہ زندگی کا طویل عرصہ جو انہوں نے سرزمین مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں وہ اپنے قبطی آقاؤں کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے اور اُن کی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کرتے۔ اس چیز نے گائے کے تقدّس کا ایسا نقشہ اُن کی لوحِ ذہن پر کندہ کر

سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ

سخت پشیمان ہوئے ۱۹۰ اور انھیں نظر آگیا کہ وہ (راہِ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے اگر نہ رحم فرماتا

یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ

ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہوجاتے نقصان اٹھانے والوں سے اور جب واپس آئے ۱۹۱

دیا تھا کہ جہاں گائے یا بچھڑے کی کوئی مورتی نظر آئی وہاں وہ بے ساختہ اُس کے سامنے بچھتے چلے گئے۔ اور عقل وفہم کے تمام تقاضوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اُس کی الوہیت کو تسلیم کرلیا۔ موجودہ تورات میں بچھڑا بنانے کا الزام حضرت ہارون پر لگایا گیا ہے(1)۔ لیکن قرآن جو تمام سابقہ انبیاء کی صداقت اور اُن کی عظمت و پاکیزگی کا نقیب ہے۔ اُس نے ہمیں صراحت سے بتادیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اِس الزام سے بالکل پاک ہے بلکہ یہ کارستانی سامری کی تھی جس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیور جمع کیے، اُنہیں گلایا اور اس سے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کرلیا اور اپنی فنی مہارت سے اس میں یہ بات پیدا کردی کہ جب اس میں ہوا کا گزر ہوتا تو ایک بے معنی سی بیں بیں کی آواز نکلتی۔ اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ آج ہم بیسیوں کھلونے ایسے دیکھتے ہیں جو بے جان ہوتے ہوئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور مختلف نوعیت کی آوازیں نکالتے ہیں۔

۱۹۰ یہ محاورہ ہے اور شدتِ ندامت اور پشیمانی پر دلالت کرتا ہے۔ یُقَالُ لِلنَّادِمِ الْمُتَحَیِّرِ: قَدْ سُقِطَ فِیْ یَدِہٖ (قرطبی)(2) کیونکہ انسان انتہائی ندامت کے وقت اپنے ہاتھ کاٹتا ہے تو گویا وہ ہاتھ اس سے کٹ کر الگ ہوجاتا ہے اس لیے اس حالت کو ہی ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کِنَایَۃٌ عَنِ اشْتِدَادِ نَدَمِهِمْ فَاِنَّ النَّادِمَ الْمُتَحَسِّرَ یَعُضُّ یَدَہٗ غَمًّا فَتَصِیْرُ یَدُہٗ مَسْقُوْطًا فِیْهَا (بیضاوی)(3) موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر واپس تشریف لائے اور قوم کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اُٹھا تو اُنہیں احساس ہوا کہ اُنھوں نے بڑی ہی زبردست حماقت کی ہے تو پچھتائے اور افسوس کرنے لگے اور اعتراف کیا کہ اگر ہم پر ہمارا رب مہربانی نہ کرتا تو ہم ہلاک ہوگئے تھے۔

۱۹۱ اللہ تعالیٰ نے وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی کارستانی کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ بڑے غضبناک ہوکر واپس لوٹے اور بنی اسرائیل کو غم وغصہ سے لبریز لہجہ میں زبردست ملامت اور تنبیہ کی۔ اَسِفٌ: انتہائی غصہ کی حالت کو اَسِف کہتے ہیں۔ قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ اَلْاَسِفُ مَنْزِلَۃٌ وَّرَاءَ الْغَضَبِ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ اس کا دوسرا معنی جو عام مشہور ہے وہ حزن وملال ہے۔ (قرطبی)(4)

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 32، آیت 19 تا 24، ص 85
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 285
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 223
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 286

مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ

مُوسیٰ اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بُری جانشینی کی ہے تم نے

مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ

میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے؟ اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں ۱۹۲ اور پکڑ لیا

بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ

سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف ہارون نے کہا ۱۹۳ اے میری ماں جائے! اس قوم نے کمزور و بے بس

وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ

بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کرو مجھے اس

۱۹۲ شدّتِ غضب میں ان پتھر کی تختیوں کو جن پر تورات لکھی ہوئی تھی ایک طرف رکھ دیا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کی غفلت اور فرض ناشناسی کا بھی دخل ہے۔ آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچا۔ کہتے ہیں کہ سات تختیاں تھیں۔ جب آپ نے انہیں غصہ سے رکھا تو وہ ٹوٹ گئیں۔ چھ تختیاں جن میں ہر چیز کی تفصیل تھی وہ واپس اُٹھالی گئیں اور ایک تختی جس میں موعظت وہدایت تھی وہ باقی رہ گئی۔ رُوِیَ اَنَّ التَّوْرَاةَ کَانَتْ سَبْعَةَ اَسْبَاعٍ فِیْ سَبْعَةِ اَلْوَاحٍ فَلَمَّا اَلْقَاهَا انْکَسَرَتْ فَرُفِعَ سِتَّةُ اَسْبَاعِهَا وَ کَانَ فِیْهَا تَفْصِیْلُ کُلِّ شَیْءٍ وَّبَقِیَ سُبْعٌ کَانَ فِیْهِ الْمَوَاعِظُ وَالْاَحْکَامُ (قرطبی وبیضاوی)(1)

۱۹۳ اگرچہ حضرت موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کے ماں باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی تھے لیکن ان کے جذبہ شفقت ومحبت کو برانگیختہ کرنے کے لیے "میری ماں کے بیٹے" کے الفاظ سے اپنی معذرت کا آغاز کیا اور کہا کہ میں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ میں تن تنہا تھا اور یہ ساری قوم ایک ہوگئی۔ اُنہوں نے مجھے بے بس اور کمزور سمجھتے ہوئے میرے سمجھانے کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ اُلٹا مجھے مار ڈالنے کے درپے ہوگئے۔ آپ اگر میرے ساتھ اس طرح سختی کریں گے تو دشمن بغلیں بجائیں گے اور کہیں گے کہ ذرا دیکھو دونوں بھائی ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔ شَمَاتَةٌ کہتے ہیں کسی کی تکلیف سے مسرور اور خوش ہونا اور یہ چیز سخت معیوب ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اپنے بھائی کی مصیبت پر مت خوش ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دے اور تجھ کو اُس میں مبتلا کر دے۔ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِیْكَ فَیُعَافِیَهُ اللّٰهُ وَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 288۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 223

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ

ظالم قوم کے ساتھ موسیٰ نے التجا کی اے میرے رب! ۱۹۴ بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو

رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے۔ بے شک جنھوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود

سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ

جلدی ہی پہنچے گا انھیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دُنیا کی زندگی میں ۱۹۵ اور اسی طرح ہم

نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ

سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو اور جنھوں نے کیے بُرے کام پھر توبہ کی اس کے

بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا

بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا ربّ اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے ۱۹۶ اور جب

یٰتُلَیِّکَ (1)۔ اور حضور کریم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ وَ دَرْكِ الشَّقَاءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ (بخاری) (2) ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بری تقدیر سے، بدبختی سے اور ایسی بات سے جس سے دشمن خوش ہوں۔

۱۹۴ یعنی غصہ کی حالت میں اپنے بھائی پر جو میں نے سختی کی ہے وہ بھی معاف فرمادے۔ اور اگر میرے بھائی سے ادائے فرض میں کوئی تقصیر ہوگئی ہے تو وہ بھی بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت سے مالا مال فرمادے۔ (3)

۱۹۵ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اُس کی نگاہِ کرم سے محرومی سے بڑھ کر اور کون سی سنگین سزا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے نابکار مجرموں کو دُنیا میں بھی ذلیل وخوار کردیا جاتا ہے تاکہ اُنہیں معلوم ہوجائے کہ اپنے ربّ کی نافرمانی کرکے وہ دُنیا میں بھی چین کا سانس نہیں لے سکتے۔

۱۹۶ اس کی رحمتِ بے پایاں اور اس کی بخششِ بیکراں پر قربان! کوئی کتنا ہی قصوروار اور خطا کار ہو اُس کے درِ کرم پر حاضر ہو جائے تو اسے بھی محروم لوٹا نہیں دیا جاتا۔ اس آیت میں اس مقام پر اِنَّ رَبَّكَ (اے مصطفیٰ! تیرا پروردگار) کے الفاظ کتنے پیارے اور کتنے معنی خیز ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 291۔ حلیۃ الاولیا، ج 5، ص 186، مکتبۃ الخانجی، مصر

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 291۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الکرب، ج 2، ص 939

3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 223

سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَ فِيْ نُسْخَتِهَا

فرو ہوگیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اُٹھا لیا ان تختیوں کو ۱۹۷ اور ان کی تحریر میں

هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ اخْتَارَ مُوْسٰى

ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور چن لیے موسیٰؑ نے

قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ

اپنی قوم سے ستّر آدمی ہمارے وعدۂ ملاقات کے لیے ۱۹۸ پھر جب پکڑ لیا انھیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو موسیٰؑ نے کہا

۱۹۷ حضرت ہارونؑ کا معقول عذر سن کر اور قوم کو اپنی غلطی پر نادم و پشیمان دیکھ کر آپ کا غصہ فرو ہوگیا اور وہ تختیاں جو آپ طور سے لائے تھے اور جنہیں فرطِ جلال میں پھینک دیا تھا اب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اُٹھالیا اور اپنی قوم کو بتایا کہ یہ وہ نسخۂ رشد و ہدایت ہے جس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا۔ جس کے دِل میں خوفِ خدا ہوگا اس کے لیے اس میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں اور خوفِ الٰہی سے خالی ہیں ان کے لیے اس میں حسرت و نامُرادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

۱۹۸ بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش کا جرمِ عظیم کرنے کے بعد سخت پشیمان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہماری مغفرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیجئے۔ حکم ہوا: ان میں سے ستر آدمی منتخب کر کے اپنے ہمراہ لاؤ تاکہ وہ یہاں آکر ساری قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے توبہ کریں۔ چنانچہ آپ اپنی قوم کے ستر نمائندوں کی معیت میں طور کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ایک بادل نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو گھیر لیا۔ وہاں پہنچ کر سجدہ میں گر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مولا کریم سے گفتگو کی جو انہوں نے سنی۔ جب بادل چھٹ گیا اور سلسلۂ کلام بھی منقطع ہوگیا تو کہنے لگے۔ موسیٰ! ہم نے گفتگو تو سنی ہے لیکن جب تک ہم اپنی آنکھوں سے متکلم کو نہ دیکھ لیں ہم کیسے یقین کرلیں کہ وہ خداوند تعالیٰ تھا۔ ممکن ہے کوئی اور ہو۔ اس پر زلزلہ کے شدید جھٹکے آنے لگے اور بجلی کڑکنے لگی۔ اس وحشت ناک منظر کی تاب نہ لاکر وہ بے ہوش ہو کر گرے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہولِ منظر سے موت واقع ہوگئی۔ اور وہب کی رائے ہے کہ مرے نہیں تھے بلکہ بے ہوشی کی وہ کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ قریب المرگ ہوگئے تھے۔ (بیضاوی۔ قرطبی) (1)

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 224۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 295

رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

اَے میرے ربّ! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انھیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنۡ هِيَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنۡ تَشَآءُ وَ

(غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے ۱۹۹ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش ۲۰۰ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور

تَهۡدِيۡ مَنۡ تَشَآءُ ؕ اَنۡتَ وَلِيُّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۲۰۱ تو ہی ہمارا کارساز ہے ۲۰۲ بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر

۱۹۹ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو اپنی قوم کے برہم ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ وہ لوگ جو بات بات پر بگڑ جانے کے عادی ہیں جب دیکھیں گے کہ ان کے ستر سرکردہ آدمی لقمۂ اجل ہو گئے ہیں تو نہ معلوم کیا اُودھم مچائیں گے اس لیے آپ نے عرض کی اے مالک! اگر تیری مشیت یہی تھی کہ انہیں ہلاک کر دیا جائے تو انہیں پہلے ہی ہلاک کر دیا ہوتا۔ اب جب یہ میرے ہمراہ آئے ہیں تو تو نے انہیں ہلاک کر دیا۔ میری قوم مجھے بدنام کرے گی اور مجھے ملزم ٹھہرائے گی۔ سُفَهَاء سے مراد یا تو بچھڑے کے پجاری ہیں یا دیدارِ خداوندی کا مطالبہ کرنے والے۔

۲۰۰ فتنہ کہتے ہیں آزمائش اور امتحان کو۔ اَیْ مَا هٰذَا اِلَّا اخْتِبَارُكَ وَامْتِحَانُكَ (قرطبی)(1)

۲۰۱ اگر توفیقِ الٰہی انسان کی دستگیری کرے تو امتحان و آزمائش کے میدان میں وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کی تائید اور توفیق شاملِ حال نہ ہو تو معمولی سی آزمائش بھی انسان کی لغزش کا سبب بن جاتی ہے اور زُہد و تقدس کے سارے جبے تار تار ہو جاتے ہیں۔ اِس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی عقل کی نارسائی اور اپنی بے بسی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں پناہ ڈھونڈھے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دعائیہ کلمات کتنے دلکش اور کتنے حقیقت افروز ہیں: يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ (2): اے زندہ جاوید! اے ہر چیز کو زندہ رکھنے والے! میں تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں آنکھ جھپکنے کی قدر بھی مجھے (اپنی توفیق سے محروم کر کے) میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور میرے تمام حالات کی خود ہی اصلاح فرما۔

۲۰۲ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہونے کا اعتراف کرنے کے بعد اب اپنا دامنِ طلب پھیلایا جا رہا ہے۔ وَلِيُّنَا: ہمارے دین و دُنیا کے تمام کاموں کا تو ہی محافظ و نگہبان ہے (3)۔ ہم جب تک اِس دنیا میں ہیں ہمیں صحت و عافیت اور توفیقِ ہدایت اور شوقِ عبادت عطا فرما اور جب یہاں سے رختِ سفر باندھ کر دار البقاء کی طرف کوچ کریں تو وہاں ہمارے گناہوں کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت، ہذا، جز7، ص295 2۔ شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث: 760، ج1، ص476، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3، ص250

الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ

بخشنے والا ہے۔ اور لکھ دے ہمارے لیے اس دُنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں بھی

اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ

بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف ۲۰۳ اللہ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اُسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

کشادہ ہے ہر چیز پر ۲۰۴ سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ

اور وُہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں (یہ وُہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

جو نبی امّی ہے ۲۰۵ جس (کے ذِکر) کو وُہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات

معاف فرما اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرما۔

۲۰۳ هُدْنَا هَادَ يَهُوْدُ سے ہے جس کا معنی رجوع کرنا ہے۔ مِنْ هَادَ يَهُوْدُ اِذَا رَجَعَ (بیضاوی)(1) یعنی گناہ وقصور کرنے کے بعد ہم پھر تیری بارگاہِ رحمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔

۲۰۴ یعنی میرے اختیارات تو غیر محدود ہیں، جو چاہوں جیسے چاہوں کروں، کسی کو اعتراض نہیں۔ میری رحمت کے خزانے خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوتے۔ میری رحمت کا دامن بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

۲۰۵ اس آیت میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ اور حضور کی بعثت کے مقاصدِ جلیلہ کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کی وجہ سے حضور کو رسول اور مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کے باعث نبی فرمایا گیا۔ حضور کو الامی کہنے کی متعدد توجیہات علماء کرام نے بیان کی ہیں: (۱) مَنْسُوْبٌ اِلَى الْاُمِّ يَعْنِيْ هُوَ عَلٰى مَا وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَءْ: ام (ماں) کی طرف منسوب کرتے ہوئے امی کہا۔ یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اُسی طرح

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 224

وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اور انجیل میں ٢٠٦ وہ نبی حکم دیتا ہے اُنھیں نیکی کا اور روکتا ہے انھیں بُرائی سے اور

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے ان سے

حضور نے بھی کسی اُستاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اور اس کے باوجود علوم ظاہری و باطنی سے سینہ مبارک کا لبریز ہونا حضور کا روشن معجزہ ہے۔ وَصَفَهُ اللهُ بِهٖ تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّ كَمَالَ عِلْمِهٖ مَعَ حَالِهٖ اَحَدُ مُعْجِزَاتِهٖ (مظہری)(1) (۲) بعض نے کہا ہے کہ اُمُّ الْقُرٰی (مکہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امی کہا گیا۔ (۳) بعض کی رائے ہے کہ امی امت کی طرف منسوب ہے یعنی حضور علیہ السلام صاحب امت ہیں اور امت کی تاء نسبت کے وقت حذف کر دی گئی۔ جیسے مکہ سے مکی اور مدینہ سے مدنی میں تاء محذوف ہے۔

٢٠٦ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل قبلہ مولانا محمد نعیم الدین قدس سرہ کا حاشیہ بڑا مفصل ہے۔ اسی کا ایک اقتباس نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ "کتبِ الٰہیہ حضور سید عالم کی نعت وصفت سے بھری ہوئی تھیں۔ اہلِ کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے۔ اور ان کی بڑی کوشش رہی کہ حضور کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں۔ لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجودہ زمانے کی بائیبل میں حضور کی بشارت کا نشان کچھ نہ کچھ باقی رہ ہی گیا۔ چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی چھپی ہوئی بائیبل میں یوحنا کی انجیل کے باب چودہ کی سولھویں آیت میں ہے۔ "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" لفظ مددگار پر حاشیہ ہے۔ اس پر اس کے معنی وکیل یا شفیع لکھے ہیں۔ تو اب حضرت عیسیٰ کے بعد جو شفیع ہوا اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو بجز سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون ہے؟ پھر انتیسویں، تیسویں آیت میں ہے: "اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تا کہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" کیسی صاف بشارت ہے اور مسیح نے اپنی امت کو حضور کی ولادت کا کیسا منتظر بتایا اور شوق دلایا ہے۔ اور دُنیا کا سردار خاص سید عالم کا ترجمہ ہے۔ پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے۔ "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" اس کی تیرھویں آیت ہے۔ "لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" اس آیت میں بتایا گیا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر دین کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دینِ حق کو مکمل کر دیں گے۔ (خزائن العرفان)(2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 416 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 275، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی۔ لاہور

اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ

ان کا بوجھ ۲۰۷ اور کاٹتا ہے) وہ زنجیریں ۲۰۸ جو جکڑے ہوئے تھیں انھیں پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور

وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۹ ۶

تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اُتارا گیا آپ کے ساتھ ۲۰۹ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں

۲۰۷ لفظ ''اِصر'' دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصر بمعنی ثقل: بوجھ اور اصر بمعنی عہد۔ یہاں دونوں معنی ملحوظ ہیں۔ یعنی اعمالِ شدیدہ کا جو عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ حضور کی تشریف آوری سے وہ اس سے آزاد کر دیئے گئے۔ فَوُضِعَ عَنْهُمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْعَهْدُ وَ ثُقْلُ تِلْكَ الْاَعْمَالِ (1)۔ ان کی شریعت کے چند احکام یہ تھے کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب وغیرہ گر جائے تو اس حصہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا۔ ایام حیض میں عورت کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا تک ممنوع تھا۔ مالِ غنیمت کا استعمال جائز نہ تھا بلکہ اس کو ایک جگہ جمع کر کے نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا۔

۲۰۸ اغلال جمع ہے اور اس کا واحد غُلٌّ ہے (2)۔ اس کا معنی ہے زنجیر۔ اس سے مراد بھی شریعتِ موسوی کے شدید اور سخت احکام ہیں۔ مثلاً یوم سبت کو ہر دُنیاوی کام کی ممانعت تھی۔ اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو دیت کی گنجائش نہ تھی بلکہ قاتل کو بطور قصاص قتل کر دینا ضروری تھا۔ اسی طرح کئی دیگر احکام تھے۔ لیکن رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے ان تمام میں تخفیف اور نرمی کر دی گئی۔ اگر کپڑا پلید ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے دھونا ہی کافی ہے۔ حائضہ عورت سے صرف ہم بستری ممنوع قرار دی گئی، دوسری پابندیاں ہٹا دی گئیں۔ قاتل سے دیت بھی قبول کرنے کی اجازت دی گئی۔ مالِ غنیمت کا استعمال حلال کر دیا گیا۔ کتنی آسانیاں اور نرمیاں کر دی گئیں۔ ہزار ہا ہزار صلاۃ و سلام اس طلعتِ زیبا پر جس کی آمد سے گلشنِ عالم میں بہار آ گئی۔ جس کے ظاہر ہونے سے کائنات میں اُجالا ہو گیا۔ توہمات کے قفس ٹوٹ گئے۔ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔ اور انسان کو شرفِ انسانیت سے آشنا کر دیا گیا۔ اغلال جمع ہے اور اس کا عطف اصر پر ہے جو واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصر مصدر ہے اگرچہ یہ لفظ واحد ہے لیکن اس میں کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ فَالْجَوَابُ اَنَّ الْاِصْرَ مَصْدَرٌ يَقَعُ عَلَى الْكَثْرَةِ لِاَنَّهٗ مَصْدَرٌ يَقَعُ عَلَى الْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ مِنْ جِنْسِهٖ مَعَ اِفْرَادِ لَفْظِهٖ (قرطبی) (3)

۲۰۹ آخر میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بتا دیا کہ فلاح و سعادت سے صرف وہی سرفراز ہوگا جو میرے مصطفٰے پر سچے دِل سے ایمان لایا اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لیے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوا اور اس کے نورِ تاباں (قرآنِ حکیم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہوا۔ یہ آیت شانِ رحمۃ للعالمینی کی آسمانی تفسیر ہے۔ ایمان کے بعد حضور کی تعظیم و تکریم سب سے اہم ہے۔ بلکہ نصرت اور اتباعِ قرآن کا حق ادا ہی تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضور کا ادب و احترام ہو۔ ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 300
2۔ المعجم الوسیط، ص 660، مطبوعہ دار الدعوۃ استنبول ترکی
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 301-300
4۔ کلیاتِ اقبال (اردو) بانگ درا، ص 166

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِىْ لَهٗ

آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۱۰ وہ اللہ جس کے لیے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا

بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امّی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

اور تم پیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَ

حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے ۲۱۱ اور ہم نے بانٹ دیا انھیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں ۲۱۲ اور

۲۱۰ اس سے پہلے جتنے رسولوں کا ذکر ہوا وہ خاص خاص علاقوں اور مخصوص قوموں کے ایک مقررہ وقت تک مرشد و رہبر بن کر آئے تھے۔ لیکن اب جس مرشدِ اوّلین و آخرین، جس رہبرِ اعظم کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے اُس کی شانِ رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود۔ جس طرح اس کے بھیجنے والے کی حکومت و سروری عالمگیر ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ ہر خاص و عام، ہر فقیر و امیر، ہر عربی و عجمی، ہر رومی و حبشی کے لیے وہ مرشد بن کر آیا۔ اسی لیے اس بات کا اعلان اس کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کرایا کہ اے اولادِ آدم! میں تم سب کے لیے اپنے زمین و آسمان کے خالق و مالک کی طرف سے رُشد و ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اب تمہارے لیے ہدایت اور فلاح کا راستہ یہی ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جو میں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میرے نقوشِ پا کو اپنے لیے خضرِ راہ بناؤ میری سنت سے انحراف نہ کرو۔

۲۱۱ اگرچہ بنی اسرائیل کی بڑی اکثریت کا طرزِ عمل حوصلہ شکن تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جانا، اناڑی بچوں کی طرح اپنی بات خواہ کتنی نامعقول ہو منوانے پر بضد ہونا، معمولی سے معمولی شبہ پر راہِ حق سے رُوگردان ہو جانا اُن کا معمول تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُن میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو سچے مومن تھے، شریعتِ موسویہ کے پورے پورے پابند تھے، تورات کے احکام کی بجا آوری میں تندہی سے کوشاں تھے۔ مفسرینِ کرام سے بہت سے اقوال مروی ہیں کہ اس گروہ سے کون سا گروہ مراد ہے اور

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس

الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

پتھر کو ۲۱۳ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے جان لیا ہر ایک گروہ نے

وہ کس زمانہ میں تھا۔ لیکن اگر اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی ایک فرماں بردار جماعت تھی۔ جب دوسری قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی تو یہ اپنے مسلکِ توحید پر ثابت قدم رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد بھی وہ احکامِ الٰہی پر صدقِ دل سے عمل پیرا رہی۔ اور عہدِ مصطفوی میں بھی ایسا گروہ موجود تھا جو تورات پر کار بند تھا۔ جب اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور حضور کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا اور ان نشانات کو جو نبی آخر الزمان کے متعلق تورات میں مذکور تھے، اس ذاتِ اقدس میں موجود پایا تو فوراً ایمان لے آئے۔ اور دوسرے یہودیوں کی طرح اپنی چودھراہٹ کی خاطر قبولِ حق سے انکار نہیں کیا۔

۲۱۲۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو فرزندوں کی اولاد تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جب اُنہیں لے کر وادئ سینا میں پہنچے تو ان کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ اتنی کثیر تعداد کا داخلی نظم و نسق، ان کی دینی تربیت اور ان کی ہر طرح کی نگرانی کے لیے بحکمِ الٰہی آپ نے یہ انتظام فرمایا کہ ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کے لیے ایک ایک نگران مقرر کر دیا تاکہ ان کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرے۔ اور ان میں اگر سرتابی کا رجحان پیدا ہو تو اُس کا سدِّ باب کرے۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ اس کا معنی ہے پوتا (ولد الولد) یہ ترکیب میں اثنی عشرۃ کی تمیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اسے سِبْطًا (واحد) ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ بدل ہے اور اُمَمًا صفت ہے۔ اور اسباط موصوف ہے۔ (بیضاوی، مظہری) (1)

۲۱۳۔ تیہ کے لق و دق صحرا میں پانی بالکل نایاب تھا۔ نہ کوئی نہر نہ دریا۔ نہ کوئی چشمہ نہ کنواں۔ آپ کی قوم نے شدتِ پیاس سے بے قابو ہو کر آپ سے پانی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے عصا سے مارو۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اور آپ نے ایک ایک چشمہ ایک ایک قبیلہ کے لیے مختص کر دیا تاکہ باہمی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 225۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 421

مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ

اپنا اپنا گھاٹ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا ۲۱۴ اور ہم نے اُتارا ان پر منّ و

السَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا

سلویٰ (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمھیں اور نہیں ظلم کیا انھوں نے ہم پر بلکہ وُہ اپنی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۰ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا

جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے اور جب کہا گیا انھیں کہ آباد ہو جاؤ اِس شہر میں ۲۱۵ اور کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم!) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہُوئے ہم بخش دیں گے

لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۶۱ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

تمھاری خطائیں (اور) زیادہ دیں گے اِحسان کرنے والوں کو تو بدل ڈالی جنھوں نے ظلم کیا تھا ان سے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انھیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے

۲۱۴ اُس ریگستان میں جہاں پانی کی ایک بُوند تک نایاب تھی وہاں سایہ دار درختوں کا وجود کہاں؟ لیکن بغیر سایہ کے اس تپتے ہوئے ریگستان، چلچلاتی دھوپ میں گزر ہو تو کیسے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ کرم فرمایا کہ جتنے علاقہ میں وہ فروکش تھے ان پر بادل کا سائبان تان دیا۔ نیز ریت کے ان ڈھیروں میں جہاں آبپاشی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا وہاں کھیتی باڑی کیسے ہو سکتی تھی۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے منّ و سلویٰ اُتار کر ان کو فکرِ معاش سے بھی آزاد کر دیا۔ (ان تمام اُمور پر حواشی سورۃ البقرہ میں گزر چکے ہیں ۲: ۵۷، ۵۸، ۵۹)

۲۱۵ اِس سے مراد بیت المقدس کا شہر ہے (1)۔ اس پر حواشی سورۃ البقرہ میں گزر چکے ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 226

بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ

اِس وجہ سے کہ وُہ ظلم کیا کرتے تھے اور پُوچھو ان سے ۲۱۶ حال اس بستی کا ۲۱۷ جو آباد تھی ساحل

الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

سمندر پر جب کہ وُہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے حکم کے بارے) میں جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ

شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا

کے دن پانی پر تیرتی ہوئیں ۲۱۸ اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وُہ نہ آتیں ان کے پاس (اس طرح بے دھڑک) ہم نے آزمائش میں ڈالا انھیں بہ سبب

يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ

اس کے کہ وُہ نافرمانی کیا کرتے تھے اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو اللہ جنھیں ہلاک کرنے والا ہے

مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

یا انھیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب؟ ۲۱۹ انھوں نے کہا تاکہ معذرت پیش کر سکیں تمھارے رب کے دربار میں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا)

۲۱۶ بنی اسرائیل کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا اور ہر طرح کے دوسرے کام کرنے کی انہیں اس دن ممانعت تھی (1)۔ احکامِ الٰہی میں حیلہ وفریب کرنے میں بنی اسرائیل کو جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں ان کی تاریخ کا ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

۲۱۷ علماء کا اِس میں اِختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی؟ امام زہری نے اس کا نام طبریہ بتایا ہے۔ قتادہ کے نزدیک اس کا نام مقناۃ ہے۔ لیکن زیادہ صحیح قول وہ ہے جو حضرت ابنِ عباس، عکرمہ اور سدی سے مروی ہے کہ یہ ایلہ کا شہر تھا جو اب عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شہر بحرِ قلزم کی اس آبنائے کے سرے پر واقع ہے جو دُور تک خشکی میں چلی گئی ہے جسے خلیج عقبہ کہتے ہیں۔ (2)

۲۱۸ شُرَّعًا، جمع ہے اور اس کا واحد شارع ہے جو شَرَعَ بمعنی اَشْرَفَ وَدَنَا سے ماخوذ ہے یعنی یہ مچھلیاں سنیچر کے دن سر اُٹھائے بے جھجک سطحِ آب پر تیرتی اُچھلتی کودتی کثیر تعداد میں چلی آتی تھیں۔ (3) (حواشی سورۃ البقرہ میں ملاحظہ ہوں۔ آیت ۶۵)

۲۱۹ سنیچر کے روز مچھلیوں کے شکار کرنے، نہ کرنے کے متعلق ایلہ کی آبادی تین مختلف الخیال گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو اس کھلی ہوئی نافرمانی کا اِرتکاب کیا کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو خود تو شکار نہیں کرتا تھا لیکن شکار کرنے والوں کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 305　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 422

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ

اور شاید وُہ ڈرنے لگیں پھر جب اُنھوں نے فراموش کردی جو اُنھیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی

عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا

اُنھیں جو روکتے تھے بُرائی سے اور پکڑ لیا ہم نے اُن کو جنھوں نے ظلم کیا بُرے عذاب سے بوجہ اس کے کہ وُہ نافرمانی کیا

یَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

کرتے تھے ۲۲۰ پھر جب اُنھوں نے سرکشی کی جس سے وُہ روکے گئے تھے ہم نے حکم دیا انھیں کہ بن جاؤ بندر

خٰسِـِٕیْنَ ﴿١٦٦﴾ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

راندے ہوئے ۲۲۱ اور یاد کرو جب اعلان کردیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روزِ قیامت تک

مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ

ایسے (جابر) جو چکھائیں گے اُنھیں بُرا عذاب ۲۲۲ بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور

اِس حکم عدولی سے روکتا بھی نہ تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو فریضۂ تبلیغ ادا کرنے میں ہمہ تن مشغول تھا۔ دوسرے گروہ نے اس تیسرے گروہ کو کہا کہ تم خواہ مخواہ کیوں اپنا سر کھپاتے ہو۔ ان کی ہلاکت مقدر ہو چکی ہے اُنہیں سمجھانے سے کیا حاصل۔ اِس فرض شناس گروہ نے انہیں جواب دیا کہ اِس تبلیغ کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر قیامت کے روز ہم سے باز پُرس کی گئی تو ہم عرض کریں گے کہ اے خداوند! ہم نے تو ان نابکاروں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اُنہوں نے ہماری ایک نہ سنی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کرنے سے کسی کا دِل پسیج جائے اور وہ راہِ حق اختیار کرلے۔

۲۲۰ نسیان جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اِسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ وَالنِّسْیَانُ یُطْلَقُ عَلَی السَّاهِیْ وَ الْعَامِدِ: التَّارِكِ اَیْ تَرَكُوْهُ عَنْ قَصْدٍ (قرطبی) (1) بئیس بمعنی شدید ہے۔ جب ان کی نافرمانی اور عصیاں شعاری حد سے تجاوز کر گئی اور ان کے ہدایت پانے کی کوئی اُمید نہ رہی تو ان پر عذابِ الٰہی آیا جس نے ان کو ہلاک و برباد کردیا۔ اور ان تین گروہوں میں سے صرف وہی گروہ نجات پاسکا جو اُن کو وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا۔

۲۲۱ ملاحظہ ہو حاشیہ متعلقہ آیت ۱۶۵ البقرۃ۔ ضیاء القرآن جلد اوّل۔

۲۲۲ آگاہ اور خبردار کردینے اور کسی فیصلہ کا اعلان کرنے کو تَاَذَّنَ کہتے ہیں۔ یہ لوگ کون تھے جن کے متعلق اعلان کیا گیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 308

إِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ

بے شک وُہ غفور رحیم (بھی) ہے اور ہم نے بانٹ دیا انھیں زمین میں کئی گروہوں میں ۲۲۳ ان میں سے

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ

کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح ہیں اور ہم نے آزمایا اُنھیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

تاکہ وُہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجُوع کریں پھر جانشین بنے ۲۲۴ ان کے بعد وُہ ناخلف جو وارث ہُوئے کتاب کے

يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ

وُہ لیتے ہیں مال اِس دُنیا کا اور (باایں ہمہ) کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں اور اگر

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے یوم سبت کے متعلق احکام الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیا۔ بعض کی رائے ہے کہ ان سے مراد ساری یہودی امت ہے اور بعض کے نزدیک حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر یہودی ہیں۔ (1)

۲۲۳ یعنی ہم نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ ان کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ وہ دنیا کے مختلف ممالک میں ایک بے بس اقلیت بن کر رہ گئے۔ ان میں سے بعض نیکوکار بھی ہیں اور بعض بدکار بھی۔ ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے ان کے ساتھ لطف و عنایت کا رویہ بھی اختیار کیا گیا اور ان سے شدت و سختی کا سلوک بھی کیا گیا۔

۲۲۴ یہود کی قومی سیرت کا ایک اور داغدار پہلو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ یعنی وہ مال و دولت جمع کرنے میں اتنے حریص تھے کہ وہ رشوت لے کر اللہ تعالیٰ کے صریح اور واضح احکام میں ردّوبدل کر دیتے اور تورات کی آیات میں کھلم کھلا تحریف کر دیتے۔ اُن کا مرض اب لاعلاج ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس سے باز آنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ ان کے دِل میں عذابِ الٰہی کا خوف پیدا ہو اور اپنے ہولناک انجام سے ڈر کر وہ توبہ کریں۔ لیکن وہاں تو اس کی اب کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنے آپ کو ایک شدید مغالطہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور پیارے ہیں۔ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی۔ نیز ہم تورات کے عالم ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسی خصوصی رعایتیں ہیں جن کی وجہ سے اِس قسم کی بے راہ روی ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ ہماری بخشش کا ہم سے پختہ وعدہ کر دیا گیا ہے۔ جب کسی قوم کے ذمہ دار اور تعلیم یافتہ طبقہ کی اخلاقی پستی اور دُنیا پرستی کا یہ حال ہو تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ امتِ محمدیہ کے مشائخ و علماء کو اپنی اولاد کی تعلیم اور دینی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ مبادا ان کی اولاد بھی ان بیماریوں میں مبتلا ہو جائے جن میں بنی اسرائیل کے علماء کی اولاد

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 44

يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ

آجائے ان کے پاس اَور مال اُس جیسا تو لے لیں اسے بھی کیا نہیں لیا گیا تھا ۲۲۵ ان سے پختہ وعدہ

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ

کتاب میں کہ نہ منسوب کریں اللہ کی طرف کوئی بات سوائے حق کے اَور پڑھ لیا اُنھوں نے جو کتاب میں تھا اَور

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ

دارِ آخرت بہتر ہے ان کے لیے جو متقی ہیں تو کیا تم (اتنا) بھی نہیں سمجھتے اَور جنھوں نے

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے کتاب کو اَور قائم کیا نماز کو بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اجر

گرفتار ہو گئی تھی۔

۲۲۵ قرآنِ حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں ان کا یہ مغالطہ دُور کر دیا کہ وہ یہ کہنے کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے تو اِس بارے میں سخت ترین وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ ایسی کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کریں گے جو اس نے نہ فرمائی ہو۔ اِتنے پختہ وعدہ کے بعد انہیں کب حق پہنچتا ہے کہ وہ اس خودفریبی کا شکار ہوں۔ یہ دُنیا کی چندروزہ زندگی اور اس کا فناپذیر سازو سامان کیا وقعت رکھتا ہے کہ انسان اس پر جنت کی ابدی زندگی اور اُس کے آرام وراحت کو قربان کر دے۔

لفظی تحقیق۔ (۱) خَلَفٌ اگر لام متحرک ہو تو اس کا معنی نیک اولاد ہے اور اگر خَلْفٌ لام ساکن ہو تو اس کا معنی بُری اولاد ہے۔ فَخَلْفٌ فِي الذَّمِّ بِالْاِسْكَانِ وَ خَلَفٌ بِالْفَتْحِ فِي الْمَدْحِ (قرطبی)(1) (۲) عرض لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو جلدی فناپذیر ہو جائے۔ اسی وجہ سے دُنیاوی مال ومتاع کو بھی عرض کہتے ہیں کیونکہ اس کو بھی بقا نہیں۔ اَلْعَرَضُ مَا لَا يَكُوْنُ لَهٗ ثَبَاتٌ وَلِهٰذَا قِيْلَ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَعْنِيْ لَا ثَبَاتَ لَهَا (۳) هٰذَا الْاَدْنٰى یہ جہان جو قریب ہے اَيْ هٰذَا الْعَالَمُ الْاَدْنٰى (مظہری)(2)

یہ آیت جہاں یہود کے اِس طریقِ کار اور اخلاقی پستی کی مذمت کر رہی ہے وہاں مسلمان مشائخ اور علماء کے لیے بھی اِس میں درسِ عبرت ہے۔ وہ چیز جو علماء ومشائخ بنی اسرائیل کے لیے شرمناک تھی۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور کامل ترین بندے اور سید الانبیاء والمرسلین کی امت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے کے علماء ومشائخ کے لیے قابل برداشت ہو سکتی ہے۔ اگر آخری نبی کی آخری شریعت اور آخری کتاب کے امین اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کریں گے اور شریعت کے احکام بھی دولت کمانے کا ذریعہ بن کر رہ جائیں گے تو پھر اس چشمۂ صافی سے دُنیا کے پیاسے کیونکر سیراب ہو سکیں گے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص11-310 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص425

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا

اِصلاح کرنے والوں کا ۲۲۶ اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ۲۲۷ ان کے اُوپر اس طرح گویا وُہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے

اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

کہ وُہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑلو جو ہم نے دیا ہے تمھیں (پُوری) قوّت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

پرہیزگار بن جاؤ اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے ۲۲۸ بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو

۲۲۶ اگر کوئی شخص احکامِ الٰہی پر کاربند ہے تو اس کے آباواجداد کے اعمالِ بد کی وجہ سے اس کے اعمال ردّ نہیں کر دیئے جائیں گے بلکہ اس کو ان کا اجرِ جزیل عطا فرمایا جائے گا۔

۲۲۷ لسان العرب میں ہے اَلنَّتْقُ: الزَّعْزَعَةُ وَ الْهَزُّ وَ الْجَذْبُ وَ النَّفْضُ:(1) یعنی نتق کا معنی جھٹکا دینا، زور سے ہلانا، کھینچنا اور جھاڑنا ہے۔ جب پہاڑ میں زلزلہ آتا ہے تو اسی قسم کی کیفیت رُونما ہوتی ہے۔ اور جو لوگ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُنہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ ان پر ابھی گرا چاہتا ہے۔ اِسی قسم کی صورتِ حال سے بنی اسرائیل کو دوچار کر دیا گیا۔ تورات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کتابِ خروج باب ۱۹ کی آیات ۱۶ تا ۱۸ ملاحظہ ہوں۔

”جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پر کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے۔ اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہِ سینا اُوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اُترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اُوپر کو اُٹھ رہا تھا اور وہ پہاڑ زور سے ہل رہا تھا“۔(2)

اس کے علاوہ نَتَقَ کا معنی اِقْتَلَعَ بھی ہے۔ یعنی کسی چیز کو جڑ سے اُکھیڑ لینا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ اس پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے سروں پر آویزاں کر دے۔ تالمود میں جو روایت ہے وہ اِسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔

۲۲۸ علامہ قرطبی نے اِس آیت کو قرآن کی مشکل آیات سے شمار کیا ہے۔ اس لیے اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔ معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ جس سوال وجواب کا یہاں ذکر ہے وہ خارج میں وقوع پذیر نہیں ہوا کہ کہیں آدمؑ کی ساری اولاد کو جمع کر کے ان سے یہ سوال پوچھا گیا ہو اور اُنہوں نے بیک زبان بلیٰ کہہ کر جواب دیا ہو بلکہ یہ کلام بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے۔ اور توحیدِ باری کی آیاتِ بینات جو بڑی دریادلی سے اِنسان کے ظاہر و باطن میں بکھیر دی گئی ہیں، وہ بزبانِ حال اُس کی توحید کا اِعتراف کرتے ہوئے بلیٰ بلیٰ کے نعرے لگا رہی ہیں (3)۔ علامہ بیضاوی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس

1۔ لسان العرب، ج 10 ص 351 2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 19، آیت 16 تا 18 ص 72-71 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7 ص 314

وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ

اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

ہم نے گواہی دی (یہ اس لیئے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روزِ حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے ۲۲۹

آیت کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں اَیْ نَصَبَ لَهُمْ دَلَائِلَ رُبُوْبِيَّتِهٖ وَ رَكَّبَ فِیْ عُقُوْلِهِمْ مَا يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْاِقْرَارِ بِهَا حَتّٰى صَارُوْا مَنْزِلَةَ مَنْ قِيْلَ لَهُمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى فَنَزَّلَ تَمْكِيْنُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ بِهَا وَ تَمَكُّنُهُمْ مِّنْهُ مَنْزِلَةَ الْاِشْهَادِ وَ الْاِعْتِرَافِ عَلٰى طَرِيْقِ التَّمْثِيْلِ (1) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی روشن دلیلیں ان کے لیے قائم کر دی ہیں۔ اور ان کو اتنی سمجھ مرحمت فرما دی ہے کہ وہ ان دلائل کے پیشِ نظر اس کی الوہیت کا اعتراف کریں۔ گویا ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور وہ اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ کلام بطورِ تمثیل ہے۔ لیکن سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ اس آیت کی صحیح تفسیر وہ ہے جو احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت پر اپنا دستِ قدرت پھیرا۔ جس کی وجہ سے آپ کی ہونے والی ساری اولاد ظاہر ہو گئی۔ اور ان سے یہ سوال کیا گیا اور انہوں نے بلیٰ سے اس کا جواب دیا (2)۔ اس حدیث سے اور اس کے علاوہ متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال و جواب حقیقت میں ہوا تھا۔ یہ محض تمثیل ہی نہیں جیسے معتزلہ کا خیال ہے۔ ان احادیثِ صحیحہ کی موجودگی میں ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل کریں جو قادرِ مطلق اپنی قدرتِ کاملہ سے قیامت کے دن سب اولادِ آدم کو میدانِ حشر میں جمع فرما سکتا ہے۔ اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ پشتِ آدمؑ سے ان کی ساری اولاد نکال کر اپنی بارگاہ میں پیش کر دے (3)۔ علامہ قطب الدین شیرازیؒ نے ان مختلف آراء میں بڑی عمدہ تطبیق کی ہے جس کو فضلاء امت نے بہت پسند کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے دو میثاق لیے ہیں ایک حالی اور دوسرا مقالی۔ حالی میثاق تو یہ ہے کہ اس کی فطرت میں عقیدۂ توحید کی طرف جو میلان رکھ دیا اور اس کے باطن میں دلائل کے جو چراغ روشن کر دیئے ہیں وہ اپنی زبانِ حال سے بلیٰ کہہ رہے ہیں۔ اور دوسرا میثاق وہ تھا جس کا ذکر حدیثِ پاک ہے جو روزِ میثاق کو لیا گیا تھا۔ (روح المعانی) (4)

۲۲۹ یہاں یہ شبہ دل میں کھٹکنے لگتا ہے کہ وہ عہد جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اور جس کی خلاف ورزی کو جرم قرار دیا جا رہا ہے وہ آج کسے یاد ہے؟ کیا ایسی چیز جو بالکل فراموش ہو چکی ہو وہ بھی حجت قرار دی جا سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میثاق کی یاد اگرچہ ذہن اور شعور سے محو ہو چکی ہے لیکن تحت الشعور میں اب بھی موجود ہے اور انسانی فطرت میں اس کی ایسی تخم ریزی کر دی گئی ہے کہ جب بھی اسے صحیح رہنمائی، صحیح تربیت اور مناسب ماحول نصیب ہوتا ہے تو فوراً یہ بیج اُگتا ہے اور چشمِ زدن

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 228 2۔ جامع ترمذی، ج 2، ص 133، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الاعراف، فاروقی کتب خانہ، (مؤید حوالہ) ابوداؤد شریف، ج 2، ص 291، کتاب السنۃ فی باب القدر، مطبع مجتبائی 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 103 4۔ ایضاً، ص 106

اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ

یا یہ نہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد

بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ان کے بعد تو کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس شرک کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے۔ اور اسی طرح ہم مفصّل بیان کرتے

الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ

ہیں نشانیاں تاکہ وہ (ان میں غور کریں) اور کفر سے باز آجائیں ۲۳۰ اور پڑھ سنائیے انھیں حال اس کا جسے ۲۳۱ دیا ہم نے (علم)

میں توحید کا شجرِ طیب اپنی آفاقی وسعتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ اگر توحید کو قبول کرنے کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت نہ کی گئی ہوتی تو کوئی تعلیم، کوئی رہنمائی، کوئی ماحول اس کو توحید کا سبق نہ ازبر کرا سکتا۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں فقط انہیں صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتی ہیں جو پہلے سے انسانی تحت الشعور میں موجود ہوتی ہیں۔ ایک آدمی تیر بھی نہیں سکتا اور ہوا میں اُڑ بھی نہیں سکتا۔ لیکن آپ اُس کی مناسب تربیت کر کے اُسے ایک بہترین تیراک تو بنا سکتے ہیں لیکن آپ ہزار جتن کریں اُس کو ہوا میں اُڑنا نہیں سکھا سکتے۔ اس کی وجہ یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان میں تیرنے کی اِستعداد رکھی ہے لیکن اُڑنے کی صلاحیت نہیں رکھی۔ تو معلوم ہوا کہ یوم میثاق کو جو بلیٰ ہم نے کہی تھی وہ ہمیں بھول جائے تو بھول جائے لیکن وہ ہمارے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ فقط کسی ماہر کے چھیڑنے کی منتظر ہے۔ ع تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز (1)

وہ لوگ جو اِس اُبھرتی ہوئی فطری آواز کو دباتے رہتے ہیں، جو رُوح کی اِس تشنگی کو سیراب کرنے سے دانستہ غفلت برتتے ہیں۔ قیامت کے دن اُن کا کوئی عُذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

۲۳۰ یہ جملہ معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ مقدر ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے: لَعَلَّهُمۡ يَتَدَبَّرُوۡنَ وَيَتَذَكَّرُوۡنَ مَا نَسُوۡا وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ مِنَ الۡكُفۡرِ (مظہری) (2) ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۲۳۱ وہ کون تھا جس کا قصہ اِن آیات میں بیان کیا جا رہا ہے؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک زاہد اور عالم تھا جس کا نام بلعام بن باعوراء تھا۔ اپنے زمانہ میں علم و فضل میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اس کی علمی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور اس کے خطبات کو قلمبند کرتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد کرنے کے باعث اپنے علم و فضل کے باوجود راہِ حق سے منحرف ہو گیا۔ بعض کا خیال ہے یہ شخص امیہ ابن ابی الصلت الثقفی تھا جس نے قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اسے معلوم تھا کہ اس زمانہ میں ایک رسول مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ یہ عہدہ اسے دیا جائے۔ لیکن جب تاجِ نبوت رحمتِ عالمیان کے سرِ مبارک پر رکھا گیا تو حسد کے مارے جل بھن گیا اور کفر اختیار کیا (3)۔ سعید بن مسیبؓ

1۔ کلیاتِ اقبال، بانگ درا، نظم شکوہ، ص 257 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 430

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 21-319 (ماخوذ) تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 33-430 (ماخوذ)

اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے ۲۳۲ تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان ۲۳۳ تو ہو گیا وہ گمراہوں میں

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ

اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اُس کا رُتبہ ان آیتوں کے باعث ۲۳۴ لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا

نے ابو عامر بن صیفی کا نام لیا ہے زمانہ جاہلیت میں وہ زہد و ریاضت کی زندگی بسر کرتا تھا اور اُون کے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ وہ بھی نبوت کا اُمیدوار تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو اس نے بھی کفر اختیار کیا۔ لیکن محفوظ راستہ یہ ہے کہ جب قرآنِ حکیم نے اس کا نام نہیں لیا تو ہم بھی اس کی تعیین کے درپے نہ ہوں اور جو وقت اور کوشش اس کی شخصیت کا سراغ لگانے میں صرف کرنا ہے۔ وہ اس قصہ کو سمجھنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے میں صرف کریں۔

۲۳۲ سانپ کے اپنی پرانی کینچلی کو اُتار دینے کو عربی میں اِنْسَلَخَتِ الْحَیَّةُ مِنْ جِلْدِهَا (1) کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح سانپ اپنی پہلی کینچلی کو اُتار پھینکتا ہے اسی طرح اس شخص نے بھی ان آیات و ہدایات کو اُتار کر پھینک دیا اور اس کی جگہ گمراہی اور ضلالت کا لباس اوڑھ لیا۔

۲۳۳ اَتْبَعَ کا معنی ہے کسی کے پیچھے لگنا۔ اَیْ لَحِقَ بِهٖ یُقَالُ اَتْبَعْتُ الْقَوْمَ اَیْ لَحِقْتُهُمْ (قرطبی) (2) جب انسان دانستہ آیاتِ ربانی کا انکار کرتا ہے اور اُنہیں پسِ پشت ڈال دیتا ہے تو شیطان اُس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہر لحہ اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے۔

۲۳۴ حقائق کا جو علم اسے عطا کیا گیا تھا اگر وہ اس پر عمل پیرا ہوتا تو مقربینِ بارگاہِ الٰہی میں شمار ہوتا۔ اور مناصبِ رفیعہ اور مراتبِ عالیہ پر فائز ہوتا۔ لیکن اس بدنصیب نے تو اس سے ایسی آنکھیں بند کر لیں۔ اور نفسانی خواہشات کا ایسا پرستار بن گیا۔ اور حرص و لالچ کا اس پر ایسا غلبہ ہو گیا کہ یوں دکھائی دینے لگا کہ اس نے ذلت کو پستیوں سے چمٹے رہنے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے اور وہ کسی طرح بھی انہیں چھوڑ کر ہدایت کی بلندی کی طرف ایک قدم بھی اُٹھانے کے لیے آمادہ نہیں۔ وَلَوْ شِئْنَا یعنی اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی من مانی نہ کرنے دیتے اور اسے مجبور کرتے کہ وہ ان دلائل کی روشنی میں راہِ حق پر طوعاً او کرہاً قدم بڑھاتا چلا جائے۔ لیکن ایسی جبری مداخلت ہماری حکمت کے منافی ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر ہلاکت کے گڑھے میں چھلانگ لگانے پر بضد ہوتا ہے اُسے اُس کا شوق پورا کرنے دیا جاتا ہے۔ اَخْلَدَ کا صلہ جب اِلٰی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا اَخْلَدَ اِلَیْهِ مَالَ وَرَكَنَ (منجد) (3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 321 — 2۔ ایضاً، جز 7، ص 320 — 3۔ المنجد فی اللغۃ، ص 191

هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ

اپنی خواہش کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے ۲۳۵ اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے

تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہ حال ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۲۳۶

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ

آپ سنائیں (انھیں) یہ قصہ شاید وُہ غور و فکر کرنے لگیں۔ بہت بُری کہاوت ہے اس قوم کی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ

جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وُہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے جسے ہدایت بخشے

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اللہ تعالیٰ سو وُہی ہدایت یافتہ ہے اور جنھیں گمراہ کر دے تو وُہی نقصان اُٹھانے والے ہیں

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لیے بہت سے جنّ اور انسان ۲۳۷ ان کے دل (تو) ہیں

۲۳۵ کتے کی فطرت میں حرص وطمع کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جب دیکھو گلی سڑی چیزوں اور غلیظ ہڈیوں کی تلاش میں منہ لٹکائے کوچہ بکوچہ پھر رہا ہے۔ اس شخص کی مثال بھی ایسی ہے حصولِ دولت کے لیے کتے کی طرح ہر حال میں ہانپتا پھرتا ہے۔

۲۳۶ یعنی یہ خستہ حالی، پریشانی اور ہر وقت کا اضطراب کسی ایک منکرِ حق کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو بھی حق کو حق پہچانتے ہوئے اس سے رُوگردانی کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس چیز کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ غفلت کے مارے ہوش میں آئیں اور عبرت حاصل کریں۔

۲۳۷ بظاہر اس آیت میں اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (1) میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جنوں اور انسانوں کی اکثریت کی تخلیق اس لیے کی گئی ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن بنیں۔ اور دوسری آیت میں جن

1۔ سورۃ الذاریات:56

لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ

لیکن وُہ سمجھتے نہیں ان سے ۲۳۸ اور اُن کی آنکھیں تو ہیں لیکن وُہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

لیکن وُہ سُنتے نہیں ان سے وُہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو

وانس کی تخلیق کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عبادت کریں۔ امام رازیؒ کا پسندیدہ جواب یہ ہے کہ اِس آیت میں لِجَهَنَّمَ پر جو لام ہے وہ لامِ عاقبت ہے یعنی ان کی تخلیق کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے کفر و نافرمانی سے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنادیا اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (1) میں لام غایت کا ہے۔ یعنی ان کی پیدائش کی حقیقی غرض وغایت یہ تھی کہ یہ عبادت کریں اور رضاء خداوندی حاصل کریں اور نعیم ابدی سے متمتع ہوں۔ اِس لیے آیات میں تعارض نہ رہا۔ اور لام کا اِستعمال عاقبت کے لیے قرآنِ حکیم اور فصحاء عرب میں کثیر ہے۔ ارشادِ باری ہے فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا (2)۔ یعنی موسیٰ کو فرعون کے گھر والوں نے اُٹھالیا تاکہ وہ بڑا ہوکر ان کا دشمن بنے۔ یہاں بھی لام عاقبت کے لیے ہے غایت کے لیے نہیں۔ کیونکہ اُٹھانے والوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوکر ان کی ہلاکت و بربادی کا باعث بنیں۔ بلکہ اُن کا مقصد تو یہ تھا کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو ہمارے کام آئے گا۔ لیکن اُن کے اُٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے ہوکر فرعون کو تباہ و برباد کردیا۔ اِسی طرح عربی کا ایک شعر ہے ؎

وَلِلْمَوْتِ تَغْذُو الْوَالِدَاتُ سِخَالَهَا ‏ ‏ كَمَا لِخَرَابِ الدَّهْرِ تُبْنَى الْمَسَاكِنُ (3)

یہاں بھی لام غایت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے۔ کیونکہ مائیں بچے اس لیے تو نہیں جنتیں کہ وہ لقمۂ اجل بنیں۔ اور محلات اور حویلیاں اِس لیے تو تعمیر نہیں کی جاتیں کہ وہ ویران ہوجائیں۔ لیکن ہوتا ایسا ہی ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے اُسے موت کا پیالہ پینا ہی پڑتا ہے اور جو عمارت کھڑی کی جاتی ہے وہ ایک نہ ایک دن پیوندِ خاک ہو کر رہتی ہے۔

۲۳۸ یہاں ان کے ہولناک انجام کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن اِس لیے بنائے گئے کہ دعوتِ حق کو سمجھنے، پیغامِ ہدایت کو سننے اور اس کے روشن شواہد کو دیکھنے کی جو صلاحیتیں اُنہیں عطا فرمائی گئی تھیں اُنہوں نے انہیں بیکار بنا کر چھوڑ دیا۔ اور بے عقل چارپایوں کی طرح ہو کر رہ گئے۔ جس طرح ان ڈنگروں کی ساری قوتیں اور اعضاء کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لیے وقف ہیں اسی طرح ان انسان نما حیوانوں کا مقصدِ وحید یہی ہے کہ اچھا کھائیں۔ اور دوسری لذتوں سے لطف اندوز ہوں۔ زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد پیشِ نظر نہیں بلکہ بعض حالات میں تو یہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ بے عقل و بے سمجھ ہونے کے باوجود اپنے مالک کی خدمت گزاری سے منہ نہیں موڑتے اور اس کے بلانے پر بھاگے چلے آتے ہیں۔ مگر اُنہیں تو یاد تک نہیں کہ ہمارا بھی کوئی خالق و مالک ہے اِس لحاظ سے تو یہ حیوانوں سے بھی بدرجہا بدتر ہیں۔

1۔ سورۃ الذاریات: 56 ‏ 2۔ سورۃ القصص: 8 ‏ 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 66

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا

غافل (و بے خبر) ہیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے ۲۳۹ سو پکارو اسے انھیں ناموں سے اور چھوڑ دو

الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اُنھیں جو کجروی کرتے ہیں اُس کے ناموں میں ۲۴۰ انھیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ

اور ان میں سے جنھیں ہم نے پیدا فرمایا ایک اُمت ہے ۲۴۱ جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ ۚۖ وَاُمْلِيْ

اور جنھوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انھیں ۲۴۲ اس طرح کہ انھیں علم تک نہ ہوگا اور میں مہلت دیتا ہوں

۲۳۹ اَب ذِکرِ الٰہی کی ترغیب اور اُس کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدوسیت اور سبوحیت پر دلالت کرنے والے بڑے پیارے پیارے اور معنی خیز نام ہیں۔ جب تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تو ان پیارے پیارے ناموں سے یاد کرو۔ اپنی طرف سے اس کے لیے نئے نئے نام نہ گھڑو۔ کیونکہ تم اس کی رفعتِ شان کو نہیں پہچان سکتے۔ مَبادا تمھاری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو اس کی شانِ خداوندی کے شایان نہ ہو۔ اور پھر تمھیں اُلٹا لینے کے دینے پڑ جائیں۔

۲۴۰ لغت میں اِلحاد کا معنی ہے سیدھی راہ سے منہ موڑنا مَعْنَى الْاِلْحَادِ فِي اللُّغَةِ الْمَيْلُ عَنِ الْقَصْدِ قَالَ ابْنُ السِّكِّيْتِ اَلْمُلْحِدُ: اَلْعَادِلُ عَنِ الْحَقِّ الْمُدْخِلُ فِيْهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ (کبیر) (1) اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کجروی اختیار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اُن کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر پر کیا جائے جیسے مسیلمہ کذاب کے پیروکار اس کو رحمٰن یمامۃ کہا کرتے تھے۔ یا بت پرستوں نے اپنے بتوں کے نام اللہ تعالیٰ کے اسماء سے مشتق کر کے رکھے ہوئے تھے۔ جیسے الٰہ سے لات، عزیز سے عزیٰ اور منان سے منات وغیرہا یا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے اسماء تجویز کرنا جو اس کی شانِ عالی کے لائق نہیں یا اسماء الٰہیہ کو سحر وغیرہ کے لیے اِستعمال کرنا۔ یہ سب طریقے الحاد کے ہیں۔ (2)

۲۴۱ اِس سے مراد نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ (3)

۲۴۲ بسا اوقات اِنسان گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی میں رات دن سرگرم رہتا ہے۔ لیکن اِس کے باوجود اس کے مال و دولت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی قوت، اقتدار اور اِختیار کی سرحدیں پھیلتی ہی چلی جاتی ہیں۔ اور وہ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہی صحیح طریق کار ہے جو اس نے اِختیار کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گمراہی کے آخری

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 75 — 2۔ ایضاً — 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 438

لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۜ مَا بِصَاحِبِهِم

اُنھیں۔ بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے کیا اب تک نہیں غور وفکر کیا اُنھوں نے ۲۴۳ ان کے صاحب پر

مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

توجنون کا ذرا اثر نہیں ۲۴۴ نہیں ہے وُہ مگر کھلم کھلا ڈرانے والا کیا اُنھوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ

زمین کی وسیع مملکت میں اور (اس میں) جو چیز پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس میں کہ شاید

أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾

نزدیک آگئی ہو ان کی مقررہ میعاد توکس بات پر وُہ اِس (قرآن) کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

کناروں تک جا پہنچتا ہے۔ یا بعض گمراہ مرتاضوں سے ایسے ایسے خرقِ عادت اُمور ظاہر ہوتے ہیں جو عام طور پر خاصانِ بارگاہِ خداوندی سے مخصوص ہیں جن پر وہ پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہلاکت و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتا ہے۔ اسی چیز کو اِستدراج کہتے ہیں۔ اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی کو ہلاکت کے قریب کر دینا۔ یعنی سَنُقَرِّبُهُمْ إِلَى الْهَلَاكِ قَلِيلًا قَلِيلًا (مظہری) (1) اَلْاِسْتِدْرَاجُ هُوَ الْاَخْذُ بِالتَّدْرِيجِ مَنْزِلَةً بَعْدَ مَنْزِلَةٍ (قرطبی) (2)

۲۴۳ کفار کیوں اِسلام قبول نہیں کرتے؟ ان کی طرف جو نبی مکرم مبعوث فرمایا گیا ہے اس کے فضل و کمال، صدقِ مقال کا انہیں اعتراف ہے۔ اس کی قبل از نبوت چالیس سالہ زندگی کے سارے روز و شب ان کے سامنے ہیں۔ اور یہ کائنات کی کتاب جو کھول کر ان کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ اور جس کے ہر صفحہ پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن دلائل ثبت ہیں ان میں کیوں تامل نہیں کرتے؟ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لانے کی ابھی اتنی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے۔ ایمان لانا اگر ضروری بھی ہوا تو بڑھاپے میں لے آئیں گے۔ لیکن وہ کتنے نادان ہیں۔ انہیں کیا پتہ کہ موت کا پیغام ابھی آجائے اور انہیں یہاں سے عین عنفوانِ شباب میں کوچ کرنا پڑے۔ پھر وہ کیا کریں گے؟ اگر قرآن جیسی پاکیزہ اور مؤثر کتاب پر وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کون سی ایسی کتاب آئے گی جس کو پڑھ کر وہ ایمان لے آئیں گے؟ اُنہیں بار بار جھنجھوڑا جا رہا ہے، ان کے سارے شبہات کو دور کیا جا رہا ہے، ان کے سارے بہانوں کا جواب دیا جا رہا ہے تاکہ کسی کو مجالِ معذرت نہ رہے۔

۲۴۴ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس وارفتگی سے انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ ان کے اِنکار کے باوجود جس خلوص سے انہیں گمراہی سے بچانا چاہتے تھے اسے دیکھ کر کفار یہ گمان کرنے لگے کہ ان کا دماغ درست نہیں، انہیں جنون کا عارضہ لاحق

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 439 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 329

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اُسے۔ وُہ رہنے دیتا ہے انھیں کہ اپنی گمراہی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

بھٹکتے رہیں وُہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہیئے کہ اس کا

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ

علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اُسے اپنے وقت پر مگر وُہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ

اور زمین میں نہ آئے گی تم پر مگر اچانک وُہ پُوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ

متعلق آپ فرمائیے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۲۴۴ آپ کہیئے

ہو گیا ہے۔ ورنہ اس سرد مہری اور جفا کیشی کے بدلے اس سرگرمی اور خلوص ومحبت کا کیا معنی؟ ان کی اس غلط فہمی کو دُور کیا جا رہا ہے کہ وہ نذیر مبین ہے۔ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۲۴۴ روزِ قیامت پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ قرآنِ کریم نے انتہائی کوشش کی ہے کہ اپنے ماننے والوں کے دِلوں میں یقین راسخ کر دے کہ اِس زندگی کے بعد انہیں ایک دن بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے جبکہ ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اور ہر ایک سے ان اعمال کے مطابق سلوک کیا جائے گا جو وہ اس دُنیوی زندگی میں بجالاتا رہا ہے۔ لیکن جس طرح موت کا وقت لوگوں سے مخفی رکھنے میں حکمتیں ہیں اسی طرح قیامت کے دِن کو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ اس کو انتہائی طور پر پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں یہاں بھی اور اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قیامت کے وقوع کے علم کو علمِ الٰہی کی طرف تفویض کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ایک مرتبہ فرمایا اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ: اُس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے اور دوسری مرتبہ فرمایا: اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ: اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ انہیں آیاتِ طیبہ کے پیشِ نظر اکثر مفسرین نے علمِ وقوعِ قیامت کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدِ اسْتَاْثَرَ بِعِلْمِهَا (کشاف وغیرہ) (1) یعنی قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج2، ص183

نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص فرمالیا ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے اسے ان متشابہات سے شمار کیا ہے جن کا علم ذاتِ الٰہی سے مختص ہے۔ وہ سورۂ آل عمران کی آٹھویں آیت وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۘ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ الخ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس آیت میں جن علماء نے إِلَّا اللَّهُ پر وقف کیا ہے اُنہوں نے متشابہات سے وہ اشیاء مراد لی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ وَمَنْ وَقَفَ عَلٰى اِلَّا اللّٰهُ فَسَّرَ الْمُتَشَابِهَ بِمَا اسْتَاْثَرَ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ كَمُدَّةِ بَقَاءِ الدُّنْيَا وَوَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ وَخَوَاصِ الْاَعْدَادِ كَعَدَدِ الزَّبَانِيَةِ اَوْ بِمَا دَلَّ الْقَاطِعُ عَلٰى اَنَّ ظَاهِرَهٗ غَيْرُ مُرَادٍ وَّلَمْ يَدُلَّ عَلٰى مَا هُوَ الْمُرَادُ (بیضاوی) (1) ترجمہ: ''جن علماء نے اِس آیت میں إِلَّا اللَّهُ پر وقف کیا ہے اُنہوں نے متشابہ کی تفسیر ان امور سے کی ہے جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جیسے اِس دُنیا کے بقاء کی مدت، قیامت برپا ہونے کا وقت، زبانیہ کی تعداد نیز وہ آیات جن کا ظاہری معنی دلائلِ قطعیہ کے باعث مراد نہیں ہوسکتا۔'' لیکن اِن عبارات سے یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید ان امور کے متعلق دوسرے عام لوگوں کی طرح حضور نبی کریم بھی محض ناواقف اور بے خبر ہوں۔ اس وہم کا ازالہ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ نے فرمادیا۔ اسی سابقہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔ وَلَعَلَّ الْقَائِلَ بِكَوْنِ الْمُتَشَابِهِ مِمَّا اسْتَاْثَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِعِلْمِهٖ لَايَمْنَعُ تَعْلِيْمَهٗ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِوَاسِطَةِ الْوَحْيِ مَثَلًا وَّلَا اِلْقَاءَهٗ فِيْ رَوْعِ الْوَلِيِّ الْكَامِلِ مُفَصَّلًا لٰكِنْ لَّايَصِلُ اِلٰى دَرَجَةِ الْاِحَاطَةِ كَعِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مُفَصَّلًا فَلَا اَقَلَّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ مُجْمَلًا وَمَنْعُ هٰذَا وَذٰلِكَ مِمَّا لَايَكَادُ يَقُوْلُ بِهٖ مَنْ يَّعْرِفُ رُتْبَةَ النَّبِيِّ وَرُتْبَةَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ (روح المعانی، جلد ۳ صفحہ ۸۷) (2)

ترجمہ: یعنی جنہوں نے متشابہ کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ اُمور جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مختص فرمالیا ہے وہ بھی اِس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ امور مفصلاً سکھا دیئے ہوں یا ولی کامل کے دل میں القاء فرمادیا ہو۔ لیکن یہ تفصیل بھی اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ یا تفصیلاً نہیں تو اجمالاً۔ جس شخص کو بھی سید المرسلین کی شانِ رفیع کا علم ہے اور حضور پُرنور کی امت کے اولیاء کاملین کے رُتبہ کو جانتا ہے وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

۴۴ رجب اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیبِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان پہچاننے والی چشمِ بینا عطا فرماوے۔ آمین۔

البتہ یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اِن امور کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جانتے ہیں تو پھر ان امور کے علم کو ذاتِ خداوندی سے مخصوص کرنا اور کلماتِ حصر کا ذکر کرنا چہ معنی دارد؟ اس شبہ کا ازالہ بھی فاضلِ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔ لکھتے ہیں:

اِنَّمَا الْمَنْعُ مِنَ الْاِحَاطَةِ وَمِنْ مَّعْرِفَتِهٖ عَلٰى سَبِيْلِ النَّظْرِ وَالْفِكْرِ (روح المعانی جلد ۳۔ صفحہ ۸۷) (3)

یعنی یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا علمِ محیط نہیں یعنی اس کی تفصیلات اور پیش آنے والے واقعات کا اِحاطہ کیے ہوئے نہیں اور کوئی نظر وفکر اور سوچ بچار سے نہیں جان سکتا۔ اسی مفسرِ عظیم نے دوسرے مقام پر تصریح کی ہے۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ اَطْلَعَ حَبِيْبَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى وَقْتِ قِيَامِهَا عَلٰى وَجْهٍ كَامِلٍ لٰكِنْ لَّا عَلٰى

1۔ تفسیر بیضاوی، سورۂ آل عمران، آیت نمبر 7، ص 230 2۔ روح المعانی، سورۂ آل عمران آیت نمبر 7، ج 3، ص 87 3۔ ایضاً

لَآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡ كُنۡتُ

نہیں مالک ہُوں میں اپنے آپ کے لیے نفع کا اور نہ ضرر کا مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ ۲۴۵ اور اگر میں (تعلیم الٰہی کے بغیر)

وَجْهٍ يُحَاكِيْ عِلْمَهُ تَعَالٰى بِهٖ اِلَّا اَنَّهُ سُبْحَانَهُ اَوْجَبَ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتْمَهُ لِحِكْمَةٍ وَّيَكُوْنُ ذٰلِكَ مِنْ خَوَاصِّهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۳) (1)

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے وقت سے کامل طور پر آگاہ فرمادیا ہو۔ لیکن وہ کمالِ علم ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط و مکمل سے مساوی ہو سکتا ہو۔ اور پھر اپنے رسول کو کسی حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر مخفی رکھنے کا حکم دے دیا ہو۔

بعض علمائے کرام کے کلام میں جب یہ تصریح نظر سے گزرے کہ اس کا علم کسی نبی اور کسی مقرب فرشتہ کو بھی نہیں دیا گیا تو خیال رہے کہ اس سے مراد علم محیط و مکمل ہے جو ذاتِ باری کے شایانِ شان ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق علم بھی نہیں عطا فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

۲۴۵ اس آیت کریمہ میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتِ مقدسہ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں۔ کیونکہ خدا وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ نہ کسی کام سے اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ اُسے کسی کام پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور مجھ میں یہ اختیارِ کامل اور قدرتِ مستقلہ نہیں پائی جاتی۔ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کا عطیہ ہے اور میرا سارا اختیار اسی کا عنایت فرمودہ ہے۔ لَآ اَمۡلِكُ کے کلمات سے اپنے اختیارِ کامل کی نفی فرمائی اور اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور کو نفع وضرر کا کچھ اختیار ہی نہیں۔ فرمایا مجھے اختیار ہے اور یہ اختیار اُتنا ہی ہے جتنا میرے رب کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کتنا عطا فرمایا ہے تو انسانی عقل کا کوئی پیمانہ اور کوئی اندازہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کوئی بناوٹی حد قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس ایک آیتِ کریمہ میں ہی غور فرمائیے وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى (2) (اے حبیب!) تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ کیا لطف ہے حضور نے اپنی ساری توانائیوں اور قوتوں سے براءت کرتے ہوئے ہر بات اپنے خالق و مالک کی مرضی اور مشیت کے سپرد کر دی اور اس بندہ نواز نے اپنی مشیت کو اپنے محبوب بندے کی رضا و خوشنودی پر منحصر کر دیا۔ بتا دیا۔ تجھے دینے والا میں ہوں۔ خود تمہیں دوں گا اور اتنا دوں گا جتنا تو چاہے گا۔ اب اُس عالی ظرف آقا کی وسعتِ ظرف کو ملاحظہ فرمائیے جب وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى کا مژدہ پہنچا تو عرض کی اے کریم! میں تو اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا آخری فرد بھی جنت میں نہ پہنچ جائے۔ انصاف کرو کیا آتشِ جہنم سے بچالینا دفعِ ضرر باذن اللہ نہیں۔ کیا جنت میں پہنچا دینا نفع رسانی باذن اللہ نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔

1۔ روح المعانی، جز 21، ص 113
2۔ سورۃ الضحیٰ: 5

اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوۡٓءُ ۚۛ

جان لیتا غیب کو تو خود ہی بہت جمع کر لیتا خیر سے اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف ۲۴۶

۲۴۶ آیت کے پہلے حصہ کی طرح یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتِ مقدسہ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں۔ کیونکہ خدا وہ ہے جس کا علم ذاتی اور محیط ہو۔ اور میرا علم ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اِس مقام کی توضیح کرتے ہوئے علامہ خازن لکھتے ہیں کہ ''امورِ غیبیہ کی خبر دینا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعظم معجزات سے ہے تو یہاں اس کی نفی کیوں کی جارہی ہے؟ خود ہی جواب دیتے ہیں کہ حضور کا فرمانا برسبیلِ تواضع اور انکسار اور ادب تھا۔ اِس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے مطلع نہ کرے میں غیب نہیں جان سکتا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور کا ارشاد اس وقت ہو جب غیب پر آگاہی نہیں بخشی گئی تھی اور جب آگاہ فرما دیا تو ارشاد فرمایا فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ۙ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ الخ'' (1)

اگر آیت کے الفاظ میں غور کیا جائے تو علامہ خازن کی یہ تحقیق بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں حروفِ شرط میں سے لَوۡ مستعمل ہوا ہے اور علامہ جمال الدین ابنِ ہشام نے اپنی گراں قدر تالیف المُغنی میں لَوۡ پر طویل بحث کرنے کے بعد لکھا ہے: وَيَتَلَخَّصُ عَلٰى هٰذَا اَنۡ يُّقَالَ اِنَّ لَوۡ تَدُلُّ عَلٰى ثَلَاثَةِ اُمُوۡرٍ عَقۡدِ السَّبَبِيَّةِ وَ الۡمُسَبَّبِيَّةِ وَ كَوۡنِهِمَا فِي الۡمَاضِيۡ وَ امۡتِنَاعِ السَّبَبِ (المغنی جلد اوّل صفحہ ۲۰۶) (2) یعنی اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لو تین امور پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) شرط کو سبب اور جزاء کو مسبب بناتا ہے۔ (۲) دونوں کا تحقق زمانہ ماضی میں ہوتا ہے (۳) سبب ممتنع ہوتا ہے۔

اِس تحقیق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آیت میں غور کیجئے کہ اگر یہاں علمِ غیب سے مراد علمِ ذاتی جو قدرتِ ذاتی کو مستلزم ہے نہ لیا جائے تو یہ سبب نہیں بن سکتا۔ کیونکہ صرف علم، خیرِ کثیر جمع کر لینے اور ضرر کو دُور کرنے کا سبب نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ کسی تکلیف کے وقوع کا علم قبل از وقت ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ موٹی سی بات ہے۔ کسی شخص کو عدالتِ عالیہ سے اگر پھانسی کا حکم ہو جائے تو وہ یہ جانتے ہوئے کہ مجھے پھانسی دے دی جائے گی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اس لیے حصول خیر اور دفعِ ضرر کا سبب علمِ ذاتی ہی ہوسکتا ہے جو قدرتِ ذاتی کو مستلزم ہے۔ تب ہی لو شرط اور جزاء میں سببیت کا علاقہ پیدا کرسکتا ہے جو اس کا پہلا خاصہ ہے۔ اس کا دوسرا خاصہ کلام کو زمانۂ ماضی کے ساتھ مخصوص کرنا ہے۔ اور زمانۂ ماضی میں کسی چیز کی نفی اس امر کو مستلزم نہیں کہ آیندہ بھی یہ نہ پایا جائے۔ لو کا تیسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ سبب کے ممتنع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور علمِ غیب جس کا حصول ممتنع ہے وہ علمِ غیب ذاتی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے کسی غیب کو جان لینا کسی کے نزدیک بھی ممتنع نہیں بلکہ سب اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سکھلا دینے سے علمِ غیب حاصل ہو جاتا ہے۔ اب لَوۡ سے جس علمِ غیب کی نفی کی جارہی ہے وہ وہ ہے جس کا حصول ممتنع ہے وہ علمِ غیب ذاتی ہے۔ اِس لیے اِس آیت کریمہ سے علمِ غیب عطائی کی نفی نہیں ہوتی اور ہم یہی اِعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باعلام اللہ تعالیٰ غیب کا علم حاصل تھا۔

1۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 266

2۔ مغنی اللبیب عن کتاب الاعاریب از جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف المعروف بابن ہشام النحوی، متوفی 762ھ، ج 1، ص 340، مطبوعہ موسسۃ الصادق للطباعۃ والنشر

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِي

نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا (نافرمانوں کو) اور خوشخبری سنانے والا اس قوم کو جو ایمان لائی ہے وہ (خدا ہے) جس نے

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

پیدا فرمایا ۲۴۷ تمھیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل

إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا

کرے اس (جوڑے) سے پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے پھر چلتی پھرتی رہتی ہے

أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ

اس کے ساتھ۔ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے ہیں (میاں بیوی) اللہ سے جو ان کا رب ہے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے

۲۴۷۔ توحید کا بیان تب ہی مکمل ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ شرک کا رد بھی کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں شرک کی تردید کر کے مسئلہ توحید کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ خدا اور معبود تو وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہاری تسکینِ قلب اور راحت و آرام کے لیے تمہاری جنس سے صنفِ نازک کی تخلیق فرمائی اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ استوار کر دیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہمیشہ اپنے مولائے کریم کے حضور میں سرِ نیاز خم کیے رہتے اور اس کی عبادت اور یاد میں سرشار رہتے۔ لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تمہیں امید لگتی ہے تو تم دونوں میاں بیوی التجائیں کرتے ہو کہ اے ہمارے رب! اگر تو نے ہمیں صحیح اور تندرست فرزند عطا کیا تو ہم عمر بھر تیرے شکر گزار رہیں گے۔ لیکن جب وہ کرم فرماتا ہے اور تمہاری شاخِ آرزو پر امید کا پھول کھلتا ہے اور تمہاری اداس گود ایک خوبصورت بچے سے آباد ہو جاتی ہے تو تم جھٹ اس دینے والے کو بھول جاتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تو عملِ مباشرت کا طبعی نتیجہ ہے۔ یا یہ فلاں ستارے کی تاثیر ہے یا یہ ہمیں فلاں بت نے بخشا ہے۔ یہ کتنی احسان فراموشی اور حق ناشناسی ہے۔ محققین علمائے کرام کے نزدیک یہ روایت مردود ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؑ نے شیطان کے بہکانے سے اپنے ایک بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا تھا (حارث شیطان کا نام تھا جس سے وہ فرشتوں میں پکارا جاتا تھا) (1) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سخت تردید کی ہے۔ آیت کا مفہوم مختصراً ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت کی لفظی تشریحات ملاحظہ فرمائیے۔ لِيَسْكُنَ میں هُوَ ضمیر کا مرجع نفس ہے جو مؤنث سماعی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لِتَسْكُنَ ہوتا۔ لیکن کیونکہ نفس سے مراد یہاں مرد ہے اس لیے معنی کا لحاظ کرتے ہوئی صیغۂ مذکر (لِيَسْكُنَ) استعمال کیا۔ اگر یہاں لفظ کی رعایت کی جاتی تو کلام

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 90

الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا

(تیرے) شکر گزار بندوں سے۔ پس جب اللہ عطا کرتا ہے ۲۴۸ انھیں تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ

جو اس نے انھیں دیا تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنھیں وُہ شریک بناتے ہیں۔ کیا وُہ شریک بناتے ہیں اسے جس نے پیدا نہیں کی

يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ

کوئی چیز اور وُہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ ۲۴۹ اور وُہ نہیں طاقت رکھتے ۲۵۰ ان کو مدد پہنچانے کی اور نہ اپنی آپ

میں خلط ہو جاتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اس سے مراد خاوند ہے یا بیوی۔ کیونکہ یہاں دونوں مذکور ہیں۔ اس لیے معنی اور مفہوم میں التباس کو رفع کرنے کے لیے نفس کے مدلول (خاوند) کو پیش نظر رکھتے ہوئے صیغہ مذکر استعمال کیا۔ (فَلَمَّا تَغَشّٰهَا) کنایہ ہے صحبت سے (1)۔ مَرَّتْ بِهٖ اَيِ اسْتَمَرَّتْ بِهٖ وَالْمُرَادُ بَقِيَتْ بِهٖ كَمَا كَانَتْ قَبْلَ حَيْثُ قَامَتْ وَقَعَدَتْ وَاَخَذَتْ وَتَرَكَتْ۔ (2)

۲۴۸ یعنی دونوں میاں بیوی اس لڑکے کو بتوں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں اور اُن کے نام عبدالعزیٰ، عبداللات رکھنے شروع کر دیتے ہیں۔ شُرَكَاءَ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَوْثَانِ..... فَاِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ يَنْسِبُوْنَ ذٰلِكَ اِلَى اٰلِهَتِهِمْ۔ (3)

۲۴۹ لَا يَخْلُقُ وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ میں دونوں ضمیروں کا مرجع مَا موصولہ ہے۔ لیکن يَخْلُقُ میں ھو ضمیر واحد ہے اور يُخْلَقُوْنَ میں هُمْ ضمیر جمع۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء فرماتے ہیں کہ مَا موصولہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ لفظی اعتبار سے وہ واحد ہے اور لَا يَخْلُقُ میں اس کی اسی حیثیت کو معتبر رکھا گیا ہے اور معنوی لحاظ سے جمع ہے اور لَا يُخْلَقُوْنَ میں اسی معنوی حیثیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دوسری بات جو یہاں غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ شُرَكَاءَ سے مراد بت ہیں اور وہ بے جان تھے۔ قاعدہ کے مطابق تو ان کے لیے ضمیر مؤنث ہونی چاہیے تھی۔ یہاں جمع مذکر کا صیغہ کیوں استعمال ہوا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کیونکہ کفار و مشرکین کا عقیدہ ان کے متعلق یہ تھا کہ یہ بت عقل و حیات رکھتے ہیں اس لیے ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا ذکر کیا گیا وَهُمْ ضَمِيْرُ الْاَصْنَامِ جِيْءَ بِهٖ عَلٰى تَسْمِيَتِهِمْ اِيَّاهَا اٰلِهَةً (بیضاوی، مظہری) (4)

۲۵۰ یعنی یہ بے جان اور بے بس مجسمے کب خدا ہو سکتے ہیں جبکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ نہ کسی کا کچھ سنوار سکتے ہیں اور نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ اَلْمَقْصُوْدُ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اِقَامَةُ الْحُجَّةِ عَلٰى اَنَّ الْاَوْثَانَ لَا تَصْلُحُ لِلْاُلُوْهِيَّةِ (کبیر) (5)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 442 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 138 3۔ ایضاً، جز 9، ص 139
4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 231، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 444 5۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 95

يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ

مدد کر سکتے ہیں اور اگر تو بلائے انھیں ہدایت کی طرف تو نہ پیروی کریں تمھاری ۲۵۱

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝۱۹۳ اِنَّ الَّذِيْنَ

یکساں ہے تمھارے لیے خواہ تم بلاؤ انھیں یا تم خاموش رہو (اے کفار) بے شک وہ جنھیں

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا

تم پوجتے ہو ۲۵۲ اللہ کے سوا بندے ہیں تمھاری طرح ۲۵۳ تو پکارو انھیں پس چاہیے کہ قبول کریں

۲۵۱ کیونکہ وہ نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

۲۵۲ قرآنِ کریم کی وہ آیات جہاں دَعَا يَدْعُوْ کے فاعل مشرک ہیں اور مفعول ان کے معبودانِ باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علمائے تفسیر نے دَعَا يَدْعُوْ کا معنی عَبَدَ يَعْبُدُ (عبادت کرنا) کیا ہے۔ تَدْعُوْنَ اَیْ تَعْبُدُوْنَ وَ قِيْلَ تَدْعُوْنَهَا اٰلِهَةً (قرطبی) (1) اَیْ تَعْبُدُوْنَهُمْ وَ تُسَمُّوْنَهُمْ اٰلِهَةً (بیضاوی، مظہری) (2) اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ اٰلِهَةً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ تَعْبُدُوْنَهَا (ابنِ جریر) (3) اس سے پہلے بھی جتنی آیات گزری ہیں جن میں يَدْعُوْنَ، تَدْعُوْنَ وغیرہ الفاظ ہیں وہاں بھی ان کا معنی يَعْبُدُوْنَ، تَعْبُدُوْنَ معتبر مفسرین کے حوالہ سے نقل ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ آج کل یہ چیز عام موضوعِ سخن بنی ہوئی ہے اور بعض غیر ذمہ دار لوگ اِن کلمات کے مفہوم کو صحیح نہ سمجھ سکنے کے باعث جمہور اہلِ اسلام کی تکفیر اور ان کو مشرک ثابت کرنے میں اپنی زبان وقلم کا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ اس لیے اگر اس کی مزید وضاحت ہو جائے تو بفضلہ تعالیٰ شاید تلخی کم ہو اور اس غیر صحت مند فضا میں کوئی خوش آئند تبدیلی رُونما ہو جائے۔ علامہ ابنِ قیم نے لفظ دعا کی تحقیق کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: اَلدُّعَاءُ نَوْعَانِ دُعَاءُ عِبَادَةٍ وَّ دُعَاءُ مَسْاَلَةٍ وَّ الْعَابِدُ دَاعٍ كَمَا اَنَّ السَّائِلَ دَاعٍ (جلاء الافہام) (4) یعنی دعا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دعا بمعنی عبادت ہے اور ایک دعا بمعنی سوال ہے۔ عبادت کرنے والے کو بھی داعی کہتے ہیں اور سائل کو بھی داعی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کرنا شرک ہے لیکن کسی سے مانگنا یا سوال کرنا شرک نہیں۔ جن لوگوں نے قرآنِ حکیم میں کبھی غور وفکر کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ کفار ومشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا؟ وہ ان کو الہ مانتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶ (5): جب انہیں کہا جاتا کہ کہو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ غرور کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے پر اپنے اٰلِهَة (خداؤں) کو چھوڑ دیں؟ اگر آج بھی کوئی کسی کو الہ مانے اور اس کی عبادت کرے خواہ جس کو وہ الہ مان رہا ہے اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 342 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 232، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 444 3۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 103
4۔ جلاء الافہام فی فضل الصلوۃ والسلام علی خیر الانام از محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، المتوفی 751ھ، فصل ثانی ص 77، مطبوعہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ 5۔ سورۃ الصافات: 35-36

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ

تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا

عبادت کرتا ہے۔ انسان ہو یا غیر انسان، زندہ ہو یا مردہ اس کو پکارنا خواہ دُور سے ہو یا نزدیک سے شرک ہے۔ لیکن کسی کو محض ندا کرنا جب کہ منادی کے متعلق ندا کرنے والے کا یہ عقیدہ نہ ہو شرک نہیں۔ اور اس کو بھی شرک قرار دینا بہت بڑی جسارت اور زیادتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دُعا (پکارنا) شرک ہے وہ ہر حال میں شرک ہے اور جو شرک نہیں وہ کسی حال میں بھی شرک نہیں۔ اِنسان اور غیر انسان، زندہ اور فوت شدہ، نزدیک اور دُور کی قیود سب من گھڑت ہیں۔ آپ غور فرمائیے اگر دُور سے پکارنا ہی شرک ہو تو کیا کسی بت کے پاس بیٹھ کر اسے پکارنا شرک نہیں ہوگا۔ اگر آپ کہیں کہ کیونکہ یہ بے جان ہیں اس لیے ان کو نزدیک سے پکارنا بھی شرک ہے تو آپ کا ان لوگوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو زندہ فرعون کی اس کے سامنے کھڑے ہو کر پرستش اور عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے رُوبرو اس سے فریاد کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ بھی مشرک تھے۔ اگرچہ وہ دور سے پکار نہیں رہے تھے، اگرچہ وہ بے جان کو پکار نہیں رہے تھے۔ تو جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ یہ ہے کہ پکارنے والا جس کو پکار رہا ہے اس کے متعلق اس کا عقیدہ کیا ہے۔ اگر وہ اس کو الٰہ، معبود اور خدا یقین کرتا ہے تو یہ شرک ہے خواہ دُور سے ہو یا نزدیک سے۔ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ قرآنِ کریم نے بارہا اس کی تصریح کی ہے۔ لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا سمجھ کر مت پکارو۔ اِس لیے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرضِ حال کرنا یا صلوٰۃ و سلام پیش کرنا شرک نہیں، جیسے بعض غلو پسند لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے مسلمانوں کو مشرک بنانا اپنے فنِ خطابت کا کمال سمجھا ہوا ہے۔ کوئی کلمہ گو حضور رحمۃ للعالمین کو الٰہ نہیں سمجھتا اور نہ حضور کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ ہر نماز میں کئی بار وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ آیات جو مشرکینِ عرب کے حق میں نازل ہوئیں اُن کو اہلِ اِسلام پر چسپاں کرنا تو خارجیوں کا شیوہ تھا۔ معلوم نہیں اپنے آپ کو اہلِ سنت کہلانے والے خوارج کے پیروکار کب سے بن گئے ہیں؟

۲۵۳ فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مشرکینِ مکہ تو بتوں کے پرستار تھے۔ اور بت پتھر اور لکڑی کے بے جان مجسمے ہوا کرتے تھے ان کو عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (تمہارے جیسے بندے) کیوں کہا گیا؟ امام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ (۱) کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں اس لیے ان کے اعتقاد کے مطابق اُن سے بات کی گئی (1)۔ اور ان ساری آیتوں میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا۔ وَرَدَتْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظُ عَلٰى وَفْقِ مُعْتَقَدَاتِهِمْ وَلِذٰلِكَ قَالَ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ وَلَمْ يَقُلْ فَلْيَسْتَجِبْنَ لَكُمْ وَقَالَ اِنَّ الَّذِيْنَ وَلَمْ يَقُلْ اِنَّ الَّتِيْ (2)۔ (۲) یہ الفاظ بطور استہزاء استعمال کیے گئے ہیں۔ یعنی اے عقل کے دشمنو! اگر تمہاری بات ایک منٹ کے لیے مان بھی لی جائے کہ یہ زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں تو پھر بھی یہ زیادہ سے زیادہ تمہاری طرح انسان ہی ہوں گے۔ یہ آخر خدا کیونکر بن گئے۔ اور اپنے جیسے انسان کی بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اَوْ رَدَّ فِيْ مَعْرِضِ الْاِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ اَيْ قُصَارٰى اَمْرِهِمْ اَنْ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 96 2۔ ایضاً

لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ

ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں وُہ جن کے ساتھ یا کیا اُن کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے ۲۵۴

اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ

یا کیا اُن کے کان ہیں وُہ سُنتے ہیں جن کے ساتھ؟ آپ کہیئے پکارو اپنے شریکوں کو ۲۵۵ پھر سازش کرو میرے خلاف

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ ۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ

اور مت مہلت دو مجھے۔ یقیناً میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اُتاری یہ کتاب ۲۵۶ اور وُہ

يَكُوْنُوْا اَحْيَاءَ عُقَلَاءَ فَاِنْ ثَبَتَ ذٰلِكَ فَهُمْ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ وَلَا فَضْلَ لَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلِمَ جَعَلْتُمْ اَنْفُسَكُمْ عَبِيْدًا وَّ جَعَلْتُمُوْهَا اٰلِهَةً وَّ اَرْبَابًا (کبیر) (1) علامہ قرطبی نے بتوں کو عباد کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح اس کے مملوک ہیں۔ اور تمہاری طرح اس کے پیدا کردہ ہیں۔ وَسُمِّيَتِ الْاَوْثَانُ عِبَادًا لِاَنَّهَا مَمْلُوْكَةٌ لِّلّٰهِ مُسَخَّرَةٌ۔ اَلْحَسَنُ: اَلْمَعْنٰى اَنَّ الْاَصْنَامَ مَخْلُوْقَةٌ اَمْثَالُكُمْ (قرطبی) (2)

۲۵۴ ان کی جہالت اور حماقت کو مزید آشکارا کیا جارہا ہے کہ تم صاحب عقل و ہوش ہوتے ہوئے لکڑی اور پتھر کے بنائے ہوئے بے جان مجسموں کی پوجا کرتے ہو جن کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ نہ تو ان کے پاؤں ہیں کہ ان سے چل سکیں۔ نہ ہاتھ ہیں کہ ان سے کچھ پکڑ سکیں۔ نہ آنکھیں ہیں کہ کچھ دیکھ سکیں۔

۲۵۵ کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے خداؤں کی توہین کرتے ہیں اور ان کی خدائی کو تسلیم نہیں کرتے۔ یاد رکھو اگر ہمارے بت برہم ہو گئے تو پھر خیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ وازکی الثناء کو حکم فرماتا ہے کہ اے حبیب! انہیں فرما دو کہ جو کچھ تمہارے بت میرا بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں اور میرا ذرا لحاظ نہ کریں۔ میں اپنے مالک حقیقی کے بغیر کسی کو اپنا معبود اور الٰہ نہیں بنا سکتا۔

۲۵٦ میرا حامی و ناصر وہ حی و قیوم ہے جس کی حمایت و نصرت ہمیشہ اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے شاملِ حال رہا کرتی ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت میرا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ سچ یہ ہے کہ اہلِ حق کے پاس یہی ایک قوت ہے جس کے بل بوتے پر وہ بڑی بے باکی سے ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرا جاتے ہیں۔ وَلِیُّ الشَّیْءِ: اَلَّذِیْ یَحْفَظُهٗ وَیَمْنَعُ عَنْهُ الضَّرَرَ (قرطبی) (3) جو شخص کسی کی حفاظت کرے اور ہر قسم کے ضرر سے اسے بچائے اُس کو اُس کا ولی کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 96 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 342 3۔ ایضاً، جز 7، ص 343

يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ۲۵۷ اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى

تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم بلاؤ انھیں ہدایت کی طرف

لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تو وہ نہ سنیں گے اور تو دیکھے گا انھیں کہ دیکھ ۲۵۸ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انھیں کچھ نظر نہیں آتا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا

قبول کیجیے معذرت (خطاکاروں سے) اور حکم دیجیے نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجیے نادانوں کی طرف سے ۲۵۹ اور اگر

۲۵۷ میرا حامی و ناصر تو وہ ہے جس کی یہ شان ہے۔ اور تمہارے باطل اور جھوٹے معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کامیاب و کامران کون ہوگا۔ اس مضمون کو دوبارہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین کرادی جائے کہ ان کے معبود نہ اپنے پجاریوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنے مخالفین کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔

۲۵۸ اُن کی مصنوعی آنکھیں تمہاری طرف کھلی ہوئی تو ہیں لیکن ہیں بے نور۔ اُنہیں دکھائی کچھ نہیں دیتا۔

۲۵۹ اس آیت میں تین اُمور کے متعلق ہدایت فرمائی گئی ہے۔ (۱) جو قصوروار معذرت طلب کرتا ہوا آپ کے پاس آئے اُسے کمال فراخدلی اور شفقت سے معاف کر دیجئے اور بدلہ و انتقام لینے پر اصرار نہ کیجئے۔ اَیْ خُذِ الْعَفْوَ عَنِ الْمُذْنِبِیْنَ وَالْمُرَادُ اعْفُ عَنْهُمْ (روح المعانی) (1)۔ (۲)۔ یہ کہ اچھی اور مفید چیزوں کے کرنے کا آپ لوگوں کو حکم دیجئے۔ اَلْعُرْفُ: اَلْمَعْرُوْفُ الْمُسْتَحْسَنُ مِنَ الْاَفْعَالِ (بیضاوی) (2)۔ (۳) جاہل اور ناسمجھ لوگ اگر آپ کو برا بھلا کہیں تو ان سے اُلجھیے نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قرآن میں اخلاقِ حسنہ کے متعلق یہ جامع ترین آیت ہے۔ وَلَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ اٰیَةٌ اَجْمَعَ لِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ مِنْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ (قرطبی) (3) ہر مومن کو ان صفاتِ حسنہ سے متصف ہونا چاہیے اور خصوصاً اس طبقہ کو جن کے ذمہ اشاعتِ دین اور تبلیغِ اسلام کا فریضہ ہے انہیں تو خصوصی طور پر ان خصائلِ حمیدہ سے اپنے آپ کو مزین کرنا چاہیے۔ اسی مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے۔ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ اَلْاِخْلَاصِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَالْعَدْلِ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدِ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَنْ اَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَصِلَ مَنْ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 147 — 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 232 — 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 345

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ

پہنچے آپ کو ۲۶۰؎ شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بے شک وہ سب کچھ سننے والا ۲۶۱؎

عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ

جاننے والا ہے بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کیے ہیں ۲۶۲؎ جب چھوتا ہے انھیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے

قَطَعَنِیْ وَ اُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَ اَنْ یَّكُوْنَ نُطْقِیْ ذِكْرًا وَّ صَمْتِیْ فِكْرًا وَ نَظْرِیْ عِبْرَةً (قرطبی)(1)

ترجمہ: مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا حکم دیا:

۱۔ظاہر و باطن میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں۔
۲۔خوشنودی اور ناراضگی میں عدل کروں۔
۳۔خوشحالی اور تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کروں۔
۴۔جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کردوں۔
۵۔جو قطع تعلق کرے اُس سے صلہ رحمی کروں۔
۶۔اُس کو دوں جو مجھے محروم رکھے۔
۷۔میری زبان گویا ہو تو ذکرِ الٰہی سے۔
۸۔خاموشی کی حالت میں اُس کی آیتوں میں غور و فکر کروں۔
۹۔اور میرے دیکھنے میں عبرت پذیری ہو۔

۲۶۰؎ اِمَّا اصل میں اِنْ شرطیہ اور مَا زائدہ سے مرکب ہے۔ نَزْغٌ کا معنی ہے انگلیوں کے پوروں سے کسی کو گدگدانا۔ اس کا مطلب ہے کسی برائی پر اُکسانا اور کسی گناہ پر آمادہ کرنا۔ وَ النَّزْغُ النَّخْسُ وَ هُوَ الضَّرْبُ بِرُؤُسِ الْاَصَابِعِ وَ الْمُرَادُ هٰهُنَا التَّحْرِيْكُ اِلَى الشَّرِّ وَ الْاِغْرَاءُ وَ الْوَسْوَسَةُ (مظہری)(2) سابقہ آیت میں محاسنِ اخلاق کی تعلیم دینے کے بعد فرمایا کہ اگر شیطان انسان کی طبعی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کو کسی ایسے کام پر اُکسائے جو کہ آدابِ قرآنی کے خلاف ہے۔ اور دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگے تو انسان کو چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر شیطان کی اِس فریب کاری اور وسوسہ اندازی سے پناہ مانگے۔ وہی ذاتِ پاک اس کے ڈگمگاتے ہوئے پاؤں کو پھر ثبات بخشے گی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید سے مروی ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو حضور نے عرض کی كَيْفَ يَا رَبِّ وَ الْغَضَبُ؟ اے رب غصہ کا کیا علاج؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔(3)

۲۶۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ تیری ہر بات بھی سنتا ہے اور تیری التجاء کو بھی جانتا ہے وہ یقیناً تمہیں شیطان کے شر سے بچائے گا۔ یا تیرے دشمنوں کے اقوال کو بھی سنتا ہے اور ان کے اعمال کو بھی جانتا ہے وہ خود اپنی قدرت سے تمہیں ان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت؟

۲۶۲؎ نیک نہاد اور پرہیزگاروں کو اگر کوئی شیطانی وسوسہ راہِ حق سے بھٹکانے لگتا ہے اور اپنے دامِ فریب میں گرفتار کرنے لگتا ہے تو فوراً ان کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور توبہ و استغفار شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ

1۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 346۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب البکاء والخوف، ص 458، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی 2۔تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 446

3۔ایضاً۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 106، مطبوعہ مطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق، مصر۔ درمنثور، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 283، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان کھینچ لے جاتے ہیں انھیں

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا

گمراہی میں پھر (انھیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اے محبوب! جب آپ نہیں لاتے ان کے پاس کوئی آیت تو

اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ

کہتے ہیں کیوں نہ بنا لیا تم نے خود اسے ۲۶۳ فرمائیے میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے

مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ اِذَا

رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے اور جب ۲۶۴

ہوتا ہے کہ شکوک وشبہات کی گرد چھٹ جاتی ہے۔ غفلت کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور شیطان کا دامِ ہمرنگ زمین صاف دکھائی دینے لگتا ہے اور وہ خطرے کے اس مقام سے بخیریت گزر جاتے ہیں۔

۲۶۳ ویسے تو اِجْتَبٰی کا معنی چن لینا ہے لیکن یہاں اس کا معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا ہے۔ يُقَالُ اجْتَبَيْتُ الْكَلَامَ اَيِ ارْتَجَلْتُهٗ وَ اخْتَلَقْتُهٗ وَ اخْتَرَعْتُهٗ اِذَا جِئْتُ بِهٖ مِنْ عِنْدِ نَفْسِكَ (قرطبی) (1) کفار فضول مطالبات اور لایعنی فرمائشیں کیا کرتے۔ اور جب ان کی توقع کے خلاف ان کے نزول میں تاخیر ہوتی تو کہنے لگتے آپ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر کیوں پیش نہیں کر دیتے ان ناسمجھوں کو مقامِ نبوت کی نزاکتوں کا کیا احساس؟ یہاں تو دل میں کسی غیر کا خیال آ جانا بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ نبی اپنی طرف سے کوئی آیت وضع کر کے اسے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔

۲۶۴ جب حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو کفار شور وغل مچاتے۔ نہ خود سنتے نہ اوروں کو سننے دیتے۔ اگر کسی آیت کے متعلق وہ فرمائش کرتے اور وہ پوری نہ کی جاتی تو ازراہِ طعن حضور کو کہتے کہ جیسے خود نبی بنے بیٹھے ہو اسی طرح ایک آیت بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے کفار! جب قرآن پڑھا جا رہا ہو۔ تو اسے غور سے سنو۔ اس کو سننے سے کچھ بعید نہیں کہ رحمتِ الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں اور تم اس دعوتِ حق کو قبول کرنے کے لیے اپنے سینہ کو منشرح پاؤ۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس کے ظاہری جمال اور معنوی حسن سے متاثر ہو کر تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ ربِ ذوالجلال کا کلامِ بلاغت نظام ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جب قرآن

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 353

قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چُپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلاّئے بغیر

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ

(یُوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یادِ الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔ ۲۶۵ بے شک

پڑھا جارہا ہو تو وہ مؤدّب ہو کر خاموشی سے بیٹھ جائے اور بڑے غور سے اس کی آیاتِ طیبات کو سنے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن جائے۔ وَ ظَاهِرُ اللَّفْظِ يَقْتَضِىْ وُجُوْبَهُمَا حَيْثُ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ مُطْلَقًا وَّ عَامَّةُ الْفُقَهَاءِ عَلَى اسْتِحْبَابِهِمَا خَارِجَ الصَّلٰوةِ (بیضاوی) (1) یعنی آیت کے الفاظ سے تو بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سننا واجب ہے لیکن عام علماء کا قول ہے کہ یہ مستحب ہے۔

۲۶۵ دِل کے آئینہ سے غفلت کا غبار اور رُوح کے رُخِ تاباں سے نافرمانی کے داغ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اِنسان اپنی زندگی کی صبحیں اور شامیں یادِ الٰہی میں بسر کرے۔ ذکر تب اپنا پورا اثر دکھاتا ہے جب اس میں مذکورہ شرائط موجود ہوں۔ (۱) ذکر کرتے وقت انسان عاجزی اور انکساری کا مجسمہ بنا ہوا ہو۔ کبر و غرور اور غفلت و کاہلی سے کوسوں دُور ہو۔ (۲) اسے اس بات کا ہر وقت شدید احساس ہو کہ اس کے اعمال اور اس کا ذکر اس بارگاہِ رفعت وجلال کے شایانِ شان نہیں۔ (۳) ذکر گلا پھاڑ پھاڑ کر نہ کرے جس میں بے ادبی کا شائبہ ہو بلکہ درمیانہ آواز سے کیا جائے جس میں ادب اور سنجیدگی ہو۔ ایک رات حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ چپکے چپکے ذکر میں مشغول ہیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے تو ملاحظہ فرمایا کہ بلند آواز سے محوِ ذکر ہیں۔ صبح ہوئی تو دونوں کو بلایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ ذرا بلند آواز سے ذکر کیا کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ذرا آہستہ ذکر کیا کرو (2)۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَ صَلَّى وَ سَلَّمَ عَلٰى هَادِيْهِمَا وَ مُرْشِدِهِمَا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے خوب فرمایا ہے کہ اگر ذاکر کو ریاء کا اندیشہ ہو یا نمازیوں اور آرام کرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔ بصورتِ دیگر ذکر بالجہر افضل ہے۔ وَقَدْ جَمَعَ النَّوَوِيُّ بَيْنَ الْاَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ فِي اسْتِحْبَابِ الْجَهْرِ بِالذِّكْرِ وَ الْوَارِدَةِ فِي اسْتِحْبَابِ الْاِسْرَارِ بِهٖ بِاَنَّ الْاِخْفَاءَ اَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ اَوْ تَاَذَّى الْمُصَلُّوْنَ اَوِ النَّائِمُوْنَ وَ الْجَهْرُ اَفْضَلُ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ (3)۔ اِنَّ الشَّيْخَ الْمُرْشِدَ قَدْ يَاْمُرُ الْمُبْتَدِئَ بِرَفْعِ الصَّوْتِ لِتَنْقَلِعَ مِنْ قَلْبِهِ الْخَوَاطِرُ الرَّاسِخَةُ فِيْهِ (روح البیان) (4) تشریح لفظی: خِیْفَةً اصل میں

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 233

2۔ سنن ابوداود، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلوٰۃ اللیل، ج 1، ص 188، مطبع مجتبائی، لاہور

3۔ روح البیان زیر آیت ہذا، ج 3، ص 306

4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 306، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 452

الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ

جو ۲۶۶؎ مقرّب ہیں تیرے رب کے وُہ تکبّر نہیں کیا کرتے اس کی عبادت سے اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

اُس کی اور اُسی کو سجدہ کرتے ہیں

خَوْفَة تھا۔ واؤ یاء سے بدل گئی۔ اَلْغُدُوُّ جمع غُدْوَة (1)۔ قَالَ الْجَوْهَرِيُّ: الْاَصِيْلُ: اَلْوَقْتُ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَى الْمَغْرِبِ وَجَمْعُهٗ اُصُلٌ وَّآصَالٌ وَّاَصَائِلُ۔ (قرطبی) (2)

۲۶۶؎ الذین سے مراد ملائکہ ہیں۔ اِس سورت کا اختتام فرشتوں کے ذکرِ خیر سے کیا جارہا ہے۔ اور بتایا جارہا ہے کہ جب یہ نورانی اور پاک مخلوق ہر وقت اپنے پروردگار کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ ان کی زبانیں اپنے ربِ قدیر کی حمد وثنا اور تسبیح وتمجید میں زمزمہ سنج ہیں اور ان کے دل اُس کی یاد میں محو ہیں اور اُن کی پیشانیاں اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں تو اِنسان جو مسجودِ ملائکہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اُس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے مولائے کریم کی عبادت اور اطاعت میں صبح وشام کوشاں رہے۔ ہر دم اس کی یاد، اُس کے ذکر اور اُس کی محبت میں سرشار رہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الْقَانِتِيْنَ الْمُخْلِصِيْنَ الذَّاكِرِيْنَ بِجَاهِ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَطْيَبُ التَّسْلِيْمَاتِ۔

یہ آیتِ سجدہ ہے اور اس طرح کی بقولِ اصح چودہ آیتیں ہیں۔ جن کو جب انسان پڑھے یا سنے تو سجدہ کرے۔ اسے سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ اس کے ادا کرنے کی بھی وہی شرطیں ہیں جو سجدۂ نماز کی ہیں۔ یعنی باوضو ہو، پاک جگہ ہو تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 355 2۔ ایضاً، ص 356

تعارف سورۃ الانفال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک کا نام الانفال ہے کیونکہ اس کا آغاز انفال (اموالِ غنیمت) کے احکام بیان کرنے سے کیا گیا ہے۔ اس کی آیتوں کی تعداد پچھتر اور کلمات کی تعداد ایک ہزار پچھتر ہے۔ اگرچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی سات آیتیں وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ۔۔۔ الخ (1) مکی ہیں۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ سورت بتمامہا مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ (2)

زمانۂ نزول: سورت کے مضامین میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا نزول ۲ ھ غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہوا۔ کیونکہ اس سورت کا بیشتر حصہ غزوۂ بدر سے متعلق ہے اس لیے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس غزوہ کے محرکات واسباب اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے۔

غزوۂ بدر: اللہ تعالیٰ کا پیارا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کے جاں نثار غلام بارہ تیرہ سال تک کفارِ مکہ کے ظلم وستم کو صبر وسکون سے برداشت کرتے رہے اور ان کے دل کی دُنیا میں نورِ حق سے اُجالا کرنے میں کوشاں رہے۔ لیکن اسلام کا پودا ان کے دلوں کی سنگلاخ سرزمین میں جڑ نہ پکڑ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے مکہ سے اڑھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی کے رہنے والوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ حج کے ایام میں وہاں کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ نبوت کے بارھویں سال قبیلہ خزرج کا ایک قافلہ جو پچھتر افراد پر مشتمل تھا مکہ آیا اور حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور یہ بھی درخواست کی کہ حضور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں رونق افروز ہوں۔ انہیں ان خطرات اور مشکلات کا پورا احساس تھا جن سے انہیں دوچار ہونا تھا لیکن وہ ان کا سامنا کرنے کے لیے بخوشی تیار تھے۔ ہجرت کے بعد صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ مکہ کے مظلوم وستم رسیدہ مسلمان مدینہ طیبہ میں جمع ہو گئے۔ وہاں کے دو بڑے قبیلوں اوس وخزرج میں اسلام کی روشنی بڑی تیزی سے پھیلنے لگی۔ قلیل مدت میں مسلمانوں کی ایک مضبوط جمعیت معرضِ وجود میں آگئی اور اسلام کی اشاعت کا کام جو تیرہ سالہ مکی زندگی میں نہ ہو سکا وہ یہاں آکر چند ماہ میں ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی مہاجرین وانصار کو اخوت کے رشتہ میں پرو دیا۔ ہر مہاجر کا کسی انصاری کے ساتھ بھائی چارہ قائم کر کے اسلامی سوسائٹی کو نہایت استوار بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ پھر یہودی قبائل جو مدینہ اور اس کے گردو

1۔ سورۃ الانفال: 30

2۔ الجامع لاحکام القرآن، تفسیر قرطبی، ج 4، جز 7، ص 360

نواح میں اقامت پذیر تھے ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے جس میں ہر ایک کو مکمل مذہبی آزادی دینے کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ اگر کسی طرف سے مدینہ پر حملہ کیا جائے تو سب مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔

اہلِ مکہ ان حالات سے بے خبر نہ تھے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اور آس پاس بسنے والے قبائل سے مسلمانوں کے دوستانہ معاہدے ان کے لیے بڑی بے چینی اور اضطراب کا سبب تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اسلام کا عروج ان کے مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ نظامِ حیات کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس لیے انہوں نے مدینہ کی فضا کو بھی اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے ناسازگار بنانے کی تگ و دو شروع کر دی۔ مدینہ میں دو عنصر ایسے تھے جنہیں وہ بڑی آسانی سے اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن ابی اور یہود۔ حضور کی تشریف آوری سے پہلے عبداللہ بن ابی کے لیے حالات اتنے سازگار ہو گئے تھے کہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جانے والا تھا۔ اور ایک زرگر کے پاس اس کے لیے تاج شاہی تیار ہو رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم رنجہ فرمانے کے بعد اس کی اُمیدیں خاک میں مل گئیں اس لیے اس کے دل میں اسلام کے خلاف بغض و عناد کا ایک انمٹ جذبہ پیدا ہو گیا۔ اب اسے اور اس کے حواریوں کو اہلِ مکہ بڑی آسانی سے اپنا آلہ کار بنا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہود کے دلوں میں بھی حسد کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ ان بیچاروں نے تو اس خیال سے حضور کے استقبال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اس مقصد کے لیے مسلمانوں سے یارانہ گانٹھا تھا کہ وہ دل میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت زدہ جلاوطن لوگ جن کی مالی حالت بھی سخت ناگفتہ بہ ہے ان کو یہ آسانی سے اپنا حلقہ بگوش بنالیں گے اور انہیں اپنے اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔ لیکن جب پیغمبرِ اسلام اور اس کے فداکاروں کی مضبوط الگ شخصیت اور اسلام سے ان کی بے پناہ عقیدت و محبت کا تجربہ ہوا اور ان کی توقعات برآتی دکھائی نہ دیں تو ان کے تیور بھی بدل گئے اور وہ بھی ایسے موقع کی تاک میں رہنے لگے جب وہ مسلمانوں کی جمعیت کو پراگندہ کر کے پھر اپنی برتری کا سکہ یثربی کسانوں کے دلوں پر جما سکیں۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے ان لوگوں سے اِسلام کے خلاف ساز باز شروع کر دی اور مسلمانوں کو اپنی قوت سے مرعوب کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً جتھے بھیجنے شروع کر دیے جو مدینہ کی چراگاہوں سے مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے جاتے اور اگر اِکّا دُکّا کوئی مسلمان ہاتھ آجاتا تو اس پر حملہ کرنے سے بھی باز نہ آتے۔

اِن حالات میں کیا مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے کہ کس طرح مخالفت کی تند آندھیاں اُٹھتی ہیں اور شمعِ اسلام کو گل کر کے چلی جاتی ہیں۔ کس طرح طوفان اُمنڈ کر آتے ہیں اور ان کے نخلِ آرزو کو جڑوں سے اُکھیڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ مسلمان اس طبیعت کے لوگ نہ تھے۔ انہیں زندہ رہنا تھا، صرف اپنے لیے نہیں بلکہ ساری گم کردہ راہ اولادِ آدم کے لیے تا کہ دُنیا کا گوشہ گوشہ نورِ محمدی سے منور ہو جائے۔ اس لیے اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے حضور کریم رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضروری اقدامات فرمائے۔

کفارِ مکہ کو ان کے معاندانہ رویہ سے باز رکھنے انہیں اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے روکنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ان کی تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جو بحرِ احمر کے کنارے کنارے یمن سے شام کی طرف جاتی تھی اور جس پر اہلِ مکہ، طائف اور دوسرے قبائل کے تجارتی کاروان اپنا بیش قیمت سامان لے کر جاتے تھے۔

قریش مکہ کی تجارتی شاہراہ

سامان سے لدے ہوئے دو دو ہزار اونٹوں کے قافلے بیک وقت چلتے تھے۔ مشہور مستشرق سپرنجر کے اندازہ کے مطابق اڑھائی لاکھ پاؤنڈ کی تجارت تو صرف اہلِ مکہ کی تھی۔ اور ان کی تمام تر معیشت کا انحصار اسی پر تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جہینہ، بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل سے معاہدے کیے جو اس شاہراہ کے اِردگرد سکونت پذیر تھے۔ ان قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد کفارِ مکہ کو مرعوب کرنے اور ان کو اپنی بالا دستی کا احساس دلانے کے لیے گاہے گاہے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔

ہجرت کا دوسرا سال تھا، اور شعبان کا مہینہ تھا (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) جب ابوسفیان کی قیادت میں اہلِ مکہ کا ایک تجارتی کاروان جس میں پچاس ہزار پونڈ کی مالیت کا سامان تھا، شام سے مکہ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس کے ساتھ محافظ دستہ کی تعداد بہت کم تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اس کاروان کی اطلاع پا کر اس پر حملہ نہ کر دیں، ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت دی اور اسے دوڑایا کہ جا کر اہلِ مکہ کو اطلاع دے کہ وہ اس قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے نکلیں۔ جب وہ مکہ پہنچا تو اس نے (حسبِ دستورِ جاہلیت) اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے، اس کی ناک چیر دی، اپنے پالان کو اُلٹا ڈال دیا، اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اَللَّطِيْمَةَ! اَمْوَالُكُمْ مَعَ اَبِىْ سُفْيَانَ قَدْ عَرَضَ لَهَا مُحَمَّدٌ فِىْ اَصْحَابِهٖ لَا اَرٰى اَنْ تُدْرِكُوْهَا اَلْغَوْثَ! اَلْغَوْثَ!(1) اے گروہِ قریش! تمہارا مال واسباب تمہارا ساز و سامان۔ تمہارے اموال جو ابوسفیان کے قافلے میں تھے ان پر محمد (علیہ السلام) نے اپنے یاروں سمیت حملہ کر دیا ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ تم اس کی حفاظت کر سکو گے، فریاد کو پہنچو، فریاد کو پہنچو!

یہ سنتے ہی ابوجہل نے لوگوں کو جنگ پر اُبھارنا شروع کر دیا۔ تقریباً مکہ کا ہر گھر اس تجارت میں حصہ دار تھا اس لیے اس مہم میں ہر شخص کا ذاتی مفاد تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک ہزار آزمودہ کار سپاہیوں کا لشکرِ جرار تیار ہو گیا جس میں ۶۰۰ زرہ پوش تھے اور سو سواروں کا دستہ بھی تھا۔ بڑے کرّ وفر سے یہ لشکر اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلا۔ راستہ میں انہیں اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سلامت مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل آیا ہے۔ اس پر کئی لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہماری اس مہم کا مقصد پورا ہو گیا ہے اس لیے اب ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیے لیکن ابوجہل اور لشکر کی بھاری اکثریت اس پر رضامند نہ ہوئی۔ کیونکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی اس مختصر جمعیت کو آج ہی ٹھکانے لگا دیا جائے تا کہ ان کا مذہب اور ان کی تجارتی شاہراہ جو ان کی رگِ حیات ہے اس مہیب خطرہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے اور اس کے اِردگرد بسنے والے قبائل بھی اتنے ہراسان اور خوفزدہ ہو جائیں کہ وہ ان کی طرف آنکھ اُٹھانے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔

حضور نبی کریم تین سو تیرہ مسلمانوں کی معیت میں مدینہ سے نکلے جن میں ۸۳ مہاجر، ۶۱ قبیلہ اوس اور باقی (۱۷۰ کے قریب) قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ حضور جب وادیٔ ذفران میں پہنچے تو اطلاع ملی کہ ابوجہل ایک لشکرِ جرار لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اب مسلمانوں کا مدِ مقابل وہ تجارتی قافلہ نہ تھا جس کے محافظوں کی تعداد تیس چالیس کے لگ

1۔ تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری از ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، متوفی 310ھ، ج 2، ص 271، مطبوعہ روائع التراث العربی

بھگ تھی بلکہ جنگجو اور تجربہ کار بہادروں کا ایک لشکرِ عظیم تھا جس کی قیادت مکہ کا مشہور سردار ابو جہل کر رہا تھا جو تعداد میں مسلمانوں کی اس مختصر جماعت سے تین گنا تھا اور ساز و سامان اور اسلحہ میں مسلمانوں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ حضورؐ رحمت عالم بھی حالات کا گہری نظر سے مطالعہ فرما رہے تھے۔ حضور کو یہ معلوم تھا کہ اگر آج کمزوری دکھائی گئی تو صرف یہی نہیں کہ کفارِ مکہ کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی مساعی کو تیز تر کر دیں گے بلکہ خود مدینہ میں مسلمانوں کے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہودی اور منافق جو ابھی تک سہمے سہمے رہتے ہیں وہ بھی دلیر ہو جائیں گے۔ اور داخلی امن بھی خطرہ کی نذر ہو جائے گا۔ اس لیے اب موقع تھا کہ جرأت و ہمت سے کام لے کر سرفروشانہ طور پر کفار کی طاقت سے ٹکر لی جائے۔

لیکن کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی گئی جس میں مہاجرین اور انصار نے شرکت کی۔ ان کے سامنے حضور نے ساری صورتِ حال پیش فرما دی۔ حضرت صدیقؓ و فاروقؓ نے اپنے جذبۂ جانفروشی کا اظہار کیا۔ حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِمْضِ لِمَا اَرَاكَ اللّٰہُ فَنَحْنُ مَعَكَ وَ اللّٰہِ لَا نَقُوْلُ لَكَ كَمَا قَالَ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ یٰمُوْسٰی اذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ وَلٰكِنِ اذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُوْنَ(1): یا رسول اللہ! جیسے اللہ کا حکم ہے تشریف لے چلیے ہم حضور کے ساتھ ہیں۔ بخدا ہم حضور کی خدمت میں وہ بات نہیں عرض کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ اور آپ کا ربِ کریم دشمن سے نبرد آزما ہوں، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا: اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّهَا النَّاسُ! اے لوگو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اب انصار کو خیال گزرا کہ شاید روئے سخن ہماری طرف ہے تو انصار کے علمبردار سعدؓ بن معاذ اُٹھے اور عرض کی: كَاَنَّكَ تُرِیْدُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ اَجَلْ۔ قَالَ سَعْدٌ: لَقَدْ آمَنَّا بِكَ وَ صَدَّقْنَاكَ وَ شَهِدْنَا اَنَّ مَا جِئْتَ بِهٖ هُوَ الْحَقُّ وَ اَعْطَیْنَاكَ عَلٰی ذٰلِكَ عُهُوْدَنَا وَ مَوَاثِیْقَنَا عَلَی السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ فَامْضِ لِمَا اَرَدْتَّ فَنَحْنُ مَعَكَ فَوَ الَّذِیْ بَعَثَكَ لَوِ اسْتَعْرَضْتَ بِنَا هٰذَا الْبَحْرَ فَخُضْتَهٗ لَخُضْنَاهُ مَعَكَ وَمَا تَخَلَّفَ مِنَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔۔۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُرِیْكَ مِنَّا مَا تَقَرُّ بِهٖ عَیْنُكَ فَسِرْ بِنَا عَلٰی بَرَكَةِ اللّٰہِ۔(2)

''اے اللہ کے رسول! آپ ہماری رائے پوچھ رہے ہیں؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ تو سعد نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور آپ کی کامل اطاعت کا پختہ وعدہ کیا۔ جدھر کا قصد ہے تشریف لے چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا اگر آپ سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو سب آپ کے ساتھ اس میں چھلانگ لگا دیں اور کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہے۔ میدانِ جہاد میں ہماری جانفروشیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اللہ کی برکت پر چلیے۔ ہم سب بستگانِ فتراکِ نیاز حضور کے ہمرکاب ہیں''۔ اس طرح سرفروشوں کا یہ گروہ اپنے رب کے نام کو بلند کرنے کا عزمِ صمیم کر کے آگے بڑھا اور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں ایک طرف حضور کے ٹھہرنے کے لیے ایک چھپر (عریش) بنا دیا گیا۔ جنگ سے ایک روز پیشتر حضور اپنے

1۔ السیرة النبویہ از ابوالفداء اسماعیل بن کثیر، متولد 701ھ، متوفی 774ھ، ج 2، ص 392، دار الفکر، بیروت
2۔ ایضاً

صحابہ کی معیت میں میدانِ جنگ کے نشیب و فراز کا جائزہ لینے کے لیے نکلے۔ سارے میدان کا چکر لگایا اور اسی اثنا میں ان مقامات کی نشاندہی بھی فرماتے گئے جہاں کل ہونے والی جنگ میں مکہ کے سرداروں کی لاشیں گرنے والی تھیں۔ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ: یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ: یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔(1)

رات کو سب لوگ محوِ خواب تھے۔ لیکن چشمِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بیدار تھی۔ ساری رات اسلام کی نصرت اور مسلمانوں کی فتحمندی کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔ صبح ہوئی مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا۔ سامنے کفار کا لشکر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ان کی سہ گنا قوت کو دیکھا اور مسلمانوں کی بے بسی کو ملاحظہ فرمایا۔ اپنے عریش میں واپس تشریف لائے اور بارگاہِ خداوندی میں انتہائی عجز و نیاز سے عرض کی: اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ قُرَيْشٌ قَدْ اَتَتْ بِخُيَلَائِهَا تُحَاوِلُ اَنْ تُكَذِّبَ رَسُوْلَكَ اَللّٰهُمَّ فَنَصْرَكَ الَّذِيْ وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ۔ ”اے اللہ! یہ سامنے قریش ہیں جو نخوت و غرور کے سب سامان سے لیس ہو کر آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے اللہ! اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! اگر ان مٹھی بھر مسلمانوں کو تو نے ہلاک ہونے دیا تو پھر تیری بھی عبادت نہیں کی جائے گی“۔

رمضان کی سترہ تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا جب چشم آفتاب نے اور وادیٔ بدر کے سنگریزوں نے اس انوکھی جنگ کا مشاہدہ کیا جس میں باطل اپنی پوری قوت و جبروت سے مسلح ہو کر حق کو کچلنے کے لیے نکلا تھا اور حق نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اگر اس روز اللہ تعالیٰ کی تائید اور مسلمانوں کی جانفروشی کے باعث حق کا بول بالا نہ ہوتا تو آج آفتابِ صداقت کی یہ جلوہ سامانیاں نہ ہوتیں بلکہ یہ کائنات کفر و شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہوتی۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے اس روزِ سعید کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ یعنی وہ دن جس نے حق و باطل کو الگ الگ کر دیا۔

یہ ہے اس جنگِ بدر کا سیاسی اور تاریخی پس منظر جس کے متعلق اس سورت میں گفتگو فرمائی گئی ہے۔ نیز اس میں مسلمانوں کو ان کی اپنی کوتاہیوں پر بھی آگاہ کر دیا تاکہ وہ اپنی پہلی فرصت میں ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ فتح و کامرانی محض اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا نتیجہ ہے اس لیے اس کی اور اس کے رسولِ کریم کی اطاعت میں کوشاں رہو تاکہ تائید غیبی ہمیشہ ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی بہادری اور شجاعت پر مغرور ہو کر احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ مصطفوی سے سرتابی کرنے لگو۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بھی واضح طور پر بیان کر دیا تاکہ اس کے متعلق بھی کسی قسم کا تنازع پیدا نہ ہو۔ اس کے ضمن میں صلح و جنگ کے متعلق معاہدوں کی پابندی کا حکم بھی فرمایا تاکہ یہ امت جس کے نبی کی بعثت کی ایک بڑی غرض مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہے وہ صلح و جنگ ہر حالت میں ان مکارمِ اخلاق کی علمبردار ہو۔

سورت کے آخری حصہ میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام کی شان بھی بیان فرما دی جن کی سرفروشیوں، قربانیوں، جانبازیوں، پیہم جدوجہد اور مسلسل سعی و عمل سے دینِ اسلام کو کامیابی اور عروج نصیب ہوا۔ تاکہ آئندہ آنے والی

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد از شیخ محمد یوسف الدمشقی الصالحی، التوفی 942ھ، ج4، ص31، دار الکتب العلمیہ، بیروت

نسلیں ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرارہ کر اسی اخلاص، اسی للّٰہیت، اسی ایثار اور اسی جانفروشی سے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہمہ تن مصروفِ جہاد رہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا(1) (یہی لوگ سچے ایماندار ہیں) کے کلمات سے ان حضراتِ قدسی صفات کے سچے اور کامل ایماندار ہونے کی خود خداوندِ علیم وخبیر نے شہادت دے دی اور پہلے ہی ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا جو یارانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کے متعلق اسلام کے ظاہری اور باطنی دشمن قیامت تک اُٹھانے والے تھے۔ تاکہ کوئی جان بوجھ کر ان شکوک وشبہات کا شکار بننا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے لیکن بے علمی اور بے خبری کی وجہ سے کوئی ان میں مبتلا نہ ہو۔

1۔ سورۃ الانفال:74

بدر کا میدان جنگ

شاہراہ مدینہ طیبہ
شاہراہ شام
ابوسفیان کے قافلے کے فرار کا راستہ
شمال
اسلامی کیمپ
لشکر کفار
شاہراہ مکہ
بحر احمر

۱۔ جدید قلعہ	۶۔ عام قبرستان
۲۔ قصبہ	۷۔ گنج شہیدان بدر
۳۔ نخلستان	۸۔ العدوۃ القصویٰ
۴۔ عریش	۹۔ العدوۃ الدنیا
۵۔ جھونپڑے	۱۰۔ جبل اسفل

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانفال مدنی ہے اور اس کی ۷۵ آیات اور ۱۰ رکوعات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا

دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق [1] آپ فرمائیے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔ پس ڈرتے رہو

[1] اسلام سے پہلے اہلِ عرب کسی قانون اور ضابطہ کے پابند نہ تھے۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں ان کے لاابالی مزاجوں سے وابستہ تھیں۔ صلح و جنگ کے رسم و رواج میں عدل و انصاف کے بجائے قوت اور دھاندلی کا دور دورہ تھا۔ اسلام نے یک لخت ان کی اس بے راہ روی کو قانون کا پابند نہیں کر دیا بلکہ آہستہ آہستہ حسبِ ضرورت احکام نافذ کیے۔ اِس طرح وہ قوم جو ابھی چند سال پہلے انانیت اور سرکشی میں ضرب المثل تھی، نظم و ضبط کی علمبردار بن گئی۔ بدر کی جنگ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ نئے مسائل جن سے مسلمان پہلے آشنا نہ تھے، کا وقوع پذیر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس سورت کا آغاز ایک ایسی ہی اُلجھن اور اس کے حل سے کیا گیا۔ بات یوں ہوئی کہ جب نصرتِ ربانی سے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں نے کفار کی عظمت و نخوت کو خاک میں ملا دیا اور ان کا لشکرِ جرار اپنے ستر سورماؤں کے لاشے اور ستر اسیر اور بہت سا سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگا تو کچھ مسلمان دُور تک ان کے تعاقب میں چلے گئے اور بعض مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسے تقسیم کیسے کیا جائے۔ کیا عرب کے پُرانے رسم و رواج کے مطابق کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے وہ لے کر چلتا بنے اور دوسرے منہ تکتے رہ جائیں یا اسلام اس کے متعلق بھی کوئی واضح ہدایت دے کر ہمیشہ کے لیے اس گڑبڑ کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرما کر اس ساری آوارگی کو ہی ختم کر دیا کہ میدانِ جنگ میں ہاتھ آنے والا ساز و سامان افراد کی ملکیت ہی نہیں تاکہ وہ اس کی بٹائی میں ایک دوسرے سے جھگڑا شروع کریں بلکہ اس کا مالک تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولِ مقبول ہے۔ اس لیے اللہ کا رسول اپنے مالک کے حکم سے جس طرح چاہے تقسیم فرما دے، کسی کو اعتراض کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابو امامۃ الباہلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ آیتِ انفال کب نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہم بدریوں کے حق میں نازل ہوئی جب ہم نے مالِ غنیمت کے بارے میں جھگڑنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے اختیار سے نکال کر اپنے رسول کے حوالہ کر دیا اور حضور نے اسے برابر طور پر سب میں تقسیم فرمایا۔ فَقَالَ عُبَادَةُ فِيْنَا مَعْشَرَ اَصْحَابِ بَدْرٍ نَزَلَتْ حِيْنَ اخْتَلَفْنَا فِي النَّفْلِ وَ سَاءَتْ فِيْهِ اَخْلَاقُنَا فَنَزَعَهُ اللّٰهُ عَنْ اَيْدِيْنَا وَجَعَلَهُ اِلَى الرَّسُوْلِ فَقَسَّمَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ

اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی ۲؎ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

ایماندار ہو۔ صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ ۳؎ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ

ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے

يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۗ ③

رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ

یہی لوگ سچے مومن ہیں ۴؎ انہی کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس ۵؎ اور

بواءٍ يَقُوْلُ عَلَى السَّوَاءِ (قرطبی)(1) انفال جمع ہے نفل کی۔ اس کا معنی ہے مالِ غنیمت۔ کیونکہ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عطا ہے۔ اَلْاَنْفَالُ يَعْنِيْ اَنَّ الْغَنَائِمَ لِمَنْ هِيَ وَالنَّفْلُ الْغُنْمُ لِاَنَّهَا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَعَطَائِهٖ (مظہری)(2)

۲؎ آیت کے اس حصہ میں سابقہ حکم کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ مومن کی جنگ محض کلمۂ حق کو سربلند کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔ دولت کے لالچ کا یہاں کیا دخل۔ اگر اموالِ غنیمت کی تقسیم افراد کی تحویل میں دے دی جاتی تو اس سے دو خطرے تھے۔ ایک تو یہ کہ اس طرح حسد وعناد کی ایک ایسی راہ کھل جاتی جس سے مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو جاتی، دوسرا یہ کہ اخلاصِ نیت جو مسلمان کے اعمال کی روحِ رواں ہے ختم ہو کر رہ جاتا۔

۳؎ کمالِ ایمان کا وہ درجہ جس تک پہنچنے کی ہر مومن کے دل میں آرزو ہونی چاہیے اور اس کے لیے اسے ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہیے اس پر وہی خوش نصیب فائز ہو سکتے ہیں جو ان صفات سے مزین ہوں جن کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

۴؎ انہیں سچے مسلمان کا لقب اس لیے عطا فرمایا گیا کہ ان کے دل اگر خشیتِ الٰہی، اخلاص اور توکل کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہیں تو ان کے ظاہری اعضاء رکوع وسجود اور عطاء صدقات میں مصروف ہیں۔ ان کا ظاہر بھی مطلعِ انوار ہے اور ان کا باطن بھی بقعۂ نور۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 361۔ مسند احمد بن حنبل، ج 5، ص 322، دار صادر
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 6

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

بخشش ہے ۶؎ اور باعزت روزی جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝٥ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

حق کے ساتھ اور بیشک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنیوالا تھا۔ ۷؎ جھگڑ رہے تھے آپ سے ۸؎ سچی بات میں

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝٦

اس کے بعد کہ وہ واضح ہوچکی تھی گویا وہ ہانکے جا رہے تھے موت کی طرف درآنحالیکہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ

اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے اور تم پسند کرتے تھے

۵؎ دنیا میں بھی ان کی قدر و منزلت بلند کردی جاتی ہے اور جنت میں بھی ان کو مقاماتِ رفیعہ پر فائز کیا جائے گا۔

۶؎ اس لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کامل سے بشری تقاضوں کے باعث کوئی خطا یا قصور سرزد ہوجائے تو اسے فوراً ٹھکرا نہیں دیا جاتا بلکہ اللہ کریم اسے اپنے دامنِ کرم میں پناہ دیتا ہے اور اس کی لغزش معاف فرمادی جاتی ہے۔

۷؎ مالِ غنیمت کے متعلق یہ طریقِ کار کیونکہ اہلِ عرب کے سابقہ رسم و رواج سے یکسر مختلف تھا اس لیے بعض طبیعتوں پر اس کی تعمیل بہت شاق گزری۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان کی پسند و ناپسند کا خیال مت کرو بلکہ جو ہمارا حکم ہے اس پر کاربند ہو جاؤ۔ ان کی یہ ناپسندیدگی ایسی ہی ہے جیسے لشکرِ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ بعض لوگوں کو ناگوار گزرا تھا۔ لیکن آپ نے ان کے انقباضِ طبع کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے فرمانِ الٰہی کی تعمیل کردی تو اس کا کتنا خوشگوار نتیجہ نکلا۔ اسی طرح اموالِ غنیمت کے بارے میں بھی وہی بات تم سب کے لیے موجب خیر و برکت ہے جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔

۸؎ جیسے اس سورت کے تعارف میں تفصیلاً بیان ہوچکا ہے کہ مدینہ سے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی ظاہری غرض اہلِ مکہ کا تجارتی قافلہ تھا۔ اب باہر نکلے تو ابوجہل کی سرکردگی میں لشکرِ کفار کے آنے کی اطلاع ملی تو صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ مسلمان نہ جنگ کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور نہ جنگی ساز و سامان سے مسلح تھے۔ اتنے بڑے منظم اور مسلح لشکر سے ٹکرانا بعض لوگوں کو خلافِ مصلحت دکھائی دے رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں پھینک رہے ہیں۔ لیکن حضور کریم نے جو مجلسِ مشاورت وادیٔ ذفران میں منعقد کی اس میں شمعِ مصطفوی کے پروانوں نے جس جرأت اور جانفروشی کا اظہار کیا اس سے تمام لشکرِ اسلام کے حوصلے بلند ہوگئے اور کسی کو موت کا اندیشہ نہ رہا۔

اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے ۹ اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

ارشادات سے ۱۰ اور کاٹ دے کافروں کی جڑ۔ تاکہ ثابت کردے حق کو اور مٹا دے باطل کو

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم۔ یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے ۱۱ اپنے رب سے تو سن لی

لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۹ وَمَا جَعَلَهُ

اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنیوالے ہیں ۱۲ اور

۹۔ ان دو طائفوں سے مراد ایک تو اہلِ مکہ کا تجارتی قافلہ ہے جو پچاس ہزار پونڈ کی مالیت کا سامان لیے شام سے مکہ کی طرف واپس لوٹ رہا تھا اور جس کے حفاظتی دستہ کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ تھی۔ اور دوسرا وہ مسلح و منظم لشکر جو اپنی قوت وطاقت کے نشہ میں چور مسلمانوں کو پیس ڈالنے کے لیے مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا (1)۔ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان دونوں میں سے ایک پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ یہ طبعی امر تھا کہ بعض صحابہ کی یہی آرزو ہوگی کہ تجارتی قافلہ ہاتھ لگے تاکہ کسی مزاحمت کے بغیر اتنی دولت فراواں مل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی فتحمندی کے جو وعدے کیے گئے تھے ان کو پورا کیا جائے تاکہ مشرکین کا سرِ غرور خم ہو۔ حق کا بول بالا ہو۔ اور باطل کی رسوائی آشکارا ہو جائے۔ شَوْكٌ کانٹے کو کہتے ہیں۔ یہاں شَوْكَة سے مراد تیز دھار والے ہتھیار ہیں اسی لیے مسلح آدمی کو رَجُلٌ شَائِكُ السَّلَاحِ اور قلب کے بعد رَجُلٌ شَاكِي السَّلَاحِ کہتے ہیں۔ (2)

۱۰۔ يُحِقَّ الْحَقَّ کا معنی ہے يُظْهِرَ الْحَقَّ یعنی حق کو ظاہر کر دے۔ کیونکہ حق بذاتِ خود حق ہوتا ہے وہ کسی کے حق بنانے سے حق نہیں بنتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شکوک وشبہات اور بغض وعناد کے جو پردے حق کو ڈھانپے ہوئے ہیں جن کے باعث سادہ لوح انسانوں کو اس کی پہچان نہیں ہوتی وہ اُٹھا دیئے جائیں اور حق اپنی تمام رعنائیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے تاکہ اس کو پہچاننے میں کسی کو دقت نہ ہو۔ اَىْ اَنْ يُّظْهِرَ الْاِسْلَامَ: وَالْحَقُّ حَقٌّ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اِظْهَارَهٗ تَحْقِيْقٌ لَهٗ مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ اِذَا لَمْ يَظْهَرْ اَشْبَهَ الْبَاطِلَ (قرطبی) (3)

۱۱۔ استغاثہ کا معنی ہے فریاد کرنا اور مدد طلب کرنا۔ اَلْاِسْتِغَاثَةُ: طَلَبُ الْغَوْثِ وَالنَّصْرِ (قرطبی) (4)۔ اس سے مراد حضور رحمۃ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 11 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 369 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، ج 7، ص 370

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل ۱۳ اور نہیں ہے مدد مگر

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً

اللہ کی طرف سے، بیشک اللہ بہت غالب ہے حکمت والا ہے۔ یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے ۱۴ تاکہ

مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

باعثِ تسکین ہو اس کی طرف سے اور اُتارا اس نے تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور

للعالمین کی وہ عاجزانہ دعا اور نیاز مندانہ فریاد ہے جو بدر کے میدان میں ایک چھپر کے نیچے کھڑے ہو کر کی۔ جس کا ذکر سورت کے تعارف میں گزر چکا ہے۔

۱۲ یعنی یکے بعد دیگرے قطار اندر قطار۔ فرشتوں کی جنگ میں شرکت کا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ غیر منظم انبوہ کی طرح جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے بلکہ مرتب دستوں کی صورت میں یکے بعد دیگرے میدان میں اُترے تھے جس سے مسلمانوں کے ہراساں دلوں کو اطمینان و تسکین نصیب ہوئی تھی اور کفار کے بڑھے ہوئے حوصلے ٹوٹ گئے تھے اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس دُعا کے بعد حضور نے اپنا سرِ مبارک جھکایا اور پھر اُٹھا کر فرمایا

اَبْشِرْ یَا اَبَا بَكْرٍ هٰذَا جِبْرِیْلُ مُتَعَجِّرٌ بِعِمَامَةٍ صَفْرَاءَ اٰخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ۔ (مظہری عن البیہقی) (1)۔

اے ابوبکر تمہیں خوشخبری ہو۔ یہ جبریلؑ ہیں زرد دستار باندھے زمین اور آسمان کے درمیان اپنے گھوڑے کی باگیں پکڑے کھڑے ہیں۔

۱۳ فرشتوں کا نزول محض تمہاری تسکین و اطمینان کے لیے اور تمہیں فتح کا مژدہ سنانے کے لیے تھا ورنہ نصرت و کامرانی مرحمت فرمانے والا تو خود رب تعالیٰ تھا جس کی قدرت بے انداز اور حکمت بے نظیر ہے۔

۱۴ کفار میدانِ بدر میں پہلے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے موزوں جگہ پر اپنے خیمے نصب کر لیے اور پانی پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسلمان پہنچے تو بجز ریت کے ٹیلوں کے اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پڑاؤ ڈالیں۔ چارو ناچار وہیں خیمے گاڑ دیئے۔ پانی کی بھی سخت قلت تھی۔ چلتے ہیں تو پاؤں ریت میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو وضو و غسل کے لیے پانی ندارد۔ پیاس لگتی ہے تو پینے کے لیے پانی نایاب۔ اس عجیب و غریب صورتِ حال سے مسلمانوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ادھر شیطان رہ رہ کر دل میں وسوسہ ڈالنے لگا کہ تم اپنے آپ کو خدا کا مقرب سمجھے ہوئے تھے۔ اب آنکھوں سے دیکھ لو کیا مقربینِ خدا کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان دونوں تکلیفوں کا ازالہ فرما دیا۔ جس صبح کو جنگ ہونے والی تھی اس رات کو بادل

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 28۔ دلائل النبوۃ از ابو بکر احمد بن حسین بن امام حافظ بن علی البیہقی، متولد 384ھ، متوفی 458ھ، ج 3، ص 54، دار الکتب العلمیہ، بیروت

يُذۡهِبَ عَنۡكُمۡ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ

دُور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے

بِهِ الۡاَقۡدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا

تمہارے قدموں کو۔ یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ

ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو میں ڈال دُونگا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب

فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اُوپر ۱۵ اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر ۱۶

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۚ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ

یہ حکم اِس لیے ہے کہ انھوں نے ۱۷ مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی

گھر کر آ گئے اور اتنا موسلا دھار مینہ برسا کہ وادیاں لبریز ہو کر بہنے لگیں۔ مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا اس طرح پانی کی قلت دور ہو گئی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش کے پانی سے ریت جم گئی اور مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی اور کفار کی قیام گاہ میں کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا اور ان کے لیے نقل و حرکت دوبھر ہو گئی۔ دوسری نوازش جو مولائے کریم نے لشکرِ اسلام پر فرمائی وہ یہ تھی کہ ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ رات بھر خوب سوئے، صبح اُٹھے تو بالکل ہشاش بشاش اور تازہ دم تھے۔ تھکن اور افسردگی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ کفار کا رعب اور ہیبت دلوں سے دور ہو چکی تھی۔ آیتِ کریمہ میں اَمَنَةً مِّنۡهُ کے الفاظ غور طلب ہیں۔ یعنی یہ نیند اتفاقیہ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت اور رحمت سے اسے مسلمانوں پر مسلط کیا تھا۔ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ سے مراد اس کی وہ وسوسہ اندازی ہے جو پانی کی نایابی اور حالات کی ناسازگاری کی بدولت وہ مسلمانوں کے قلوب میں ڈالنا چاہتا تھا۔ (1)

۱۵ اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا۔ لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فَاضۡرِبُوۡا میں خطاب مومنین سے ہے (2) اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔

۱۶ بَنَان ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو بھی کہتے ہیں اور بدن کے جوڑوں کو بھی۔ علمائے کرام نے دونوں معنی مراد لیے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 73-372 2۔ ایضاً، جز 7، ص 378

رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ

اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس چکھو اسے نیز

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ

(یاد رکھو) کافروں کے لیے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو ۱۸؎

ہیں۔ قِيْلَ الْمُرَادُ بِالْبَنَانِ هُنَا اَطْرَافُ الْاَصَابِعِ مِنَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَقَالَ الضَّحَّاكُ الْبَنَانُ كُلُّ مَفْصِلٍ (قرطبی)(1)

۱۷؎ میدانِ بدر میں جس ذلت ورسوائی کا کفار کو سامنا کرنا پڑا اور جس شکستِ فاش سے سابقہ پیش آیا یہ بلا وجہ نہ تھی بلکہ ان کی مسلسل چودہ پندرہ سالہ اسلام دشمنی کا نتیجہ تھا۔

۱۸؎ یہاں مجاہدینِ اسلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم دینِ حق کے دشمنوں سے نبرد آزما ہو تو دادِ شجاعت دو اور پامردی اور بہادری سے ان کے سامنے ڈٹے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت تمہارے ہمرکاب ہوگی۔ تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ حق کے علمبردار ہو کر باطل کے پرستاروں کے سامنے نامردی اور بزدلی کا مظاہرہ کرو اور میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑے ہو۔ چنانچہ میدانِ جنگ سے فرار کو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اکبر الکبائر، بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ فرمایا ہے۔ وَالْفِرَارُ كَبِيْرَةٌ مُّوْبِقَةٌ بِظَاهِرِ الْقُرْاٰنِ وَاِجْمَاعِ الْاَكْثَرِ مِنَ الْاَئِمَّةِ (قرطبی)(2) اَلْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ كَبِيْرَةٌ مِّنَ الْكَبَائِرِ وَعَلٰى هٰذَا اَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهٖ قَالَ الْاَئِمَّةُ الْاَرْبَعَةُ مِنَ الْفُقَهَاءِ (مظہری)(3)۔ لیکن یہ گناہ کبیرہ اس وقت تک ہے جبکہ دشمنوں کی تعداد دو گناہ سے زائد نہ ہو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر بھی ثابت قدم رہنا اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی افضل ہے۔ جیسے جنگِ موتہ میں اہلِ اسلام کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور ان کے مقابل قیصر کی فوج دو لاکھ تھی۔ لیکن غلامانِ مصطفےٰ نے پرچمِ اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ فاتحِ اندلس طارق صرف سترہ سو جانبازوں کے ساتھ لذریک شاہِ اندلس کے ستر ہزار شہسواروں سے ٹکرایا اور ان کو کچل کر رکھ دیا(4)۔ طارق کے یہ شعر ان کی اور ان کے سپاہیوں کی اسلامی ذہنیت کے کتنے روشن آئینے ہیں۔

رَكِبْنَا سَفِيْنًا بِالْمَجَازِ مُعَبِّرًا عَلٰى اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ مِنَّا قَدِ اشْتَرٰى

ہم سمندر عبور کرنے کے لیے کشتیوں میں سوار ہوئے۔ یہ تمنا لیے ہوئے کہ شاید اللہ تعالیٰ از راہِ احسان ہم سے خرید لے

نُفُوْسًا وَّاَمْوَالًا وَّ اَهْلًا بِجَنَّةٍ اِذَا مَا اشْتَهَيْنَا الشَّيْءَ فِيْهَا تَيَسَّرَا

ہماری جانوں، ہمارے اموال اور اہل وعیال کو جنت کے بدلے۔ جہاں ہم جو چاہیں ہمیں بآسانی میسر آ جائے۔

وَلَسْنَا نُبَالِيْ كَيْفَ سَالَتْ نُفُوْسُنَا اِذَا نَحْنُ اَدْرَكْنَا الَّذِيْ كَانَ اَجْدَرَا

اگر ہم اپنی منزلِ مقصود کو حاصل کر لیں تو پھر ہمیں اس بات کی قطعاً پروا نہیں کہ ہمارے خون کے دریا کیسے بہے۔

آیت میں زَحْفًا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ اس کا معنی کیا ہے؟ اور ترکیب میں کیا واقع ہوا ہے؟ زَحْفٌ کا لغوی معنی ہے بچے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 379 2۔ ایضاً (ماخوذ) 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 37 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 381

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ

کافروں کے لشکرِ جرّار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو پھیرے گا ان کی طرف

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ

اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو ۱۹ لڑائی کے لیے یا پلٹ کر آنیوالا ہو اپنی جماعت کی طرف

بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔ پس

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

تم نے نہیں قتل کیا ۲۰ انھیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انھیں اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب ۲۱

کا زمین پر گھسٹ گھسٹ کر چلنا۔ اسی وجہ سے آہستہ چلنے کو بھی زَحْفٌ کہتے ہیں۔ اَلزَّحْفُ الدُّنُوُّ قَلِيْلًا قَلِيْلًا وَّ اَصْلُهُ الْاِنْدِفَاعُ عَلَى الْاَلْيَةِ (قرطبی) (1)۔ اس لفظ کا اطلاق لشکرِ عظیم پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی کثرتِ تعداد کی وجہ سے آہستہ آہستہ ہی چل سکتا ہے۔ وَفِي الْقَامُوْسِ الزَّحْفُ الْجَيْشُ يَزْحَفُوْنَ اِلَى الْعَدُوِّ۔ اپنے دونوں معنوں (مصدری اور اسمی) کے اعتبار سے یہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جو لَقِيْتُمْ کا مفعول ہے، کا حال ہے یا لَقِيْتُمْ کے فاعل (لَقِيْتُمْ کی ضمیر) اور مفعول (اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا) دونوں کا حال ہے (مظہری) (2)۔ میں نے ترجمہ میں زَحْفٌ کا معنیٰ اسمی ملحوظ رکھتے ہوئے اَلَّذِيْنَ کا حال بنایا ہے کیونکہ یہی مفہوم حقیقت سے قریب تر ہے۔ کیونکہ کافر لشکرِ عظیم لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی تو کمزور اور قلیل جمعیت محض اپنے بچاؤ کے لیے میدان میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

۱۹ اس آیت میں ان مخصوص حالات کے پیشِ نظر دشمن کے سامنے سے ہٹنے کی اجازت دی جارہی ہے جن میں جنگی مصلحتوں کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ لشکر اپنی موجودہ پوزیشن بدل کر نئی پوزیشن اختیار کرے تاکہ زیادہ قوت سے دشمن پر حملہ کیا جاسکے۔ یا اسلامی فوج کے کچھ سپاہی اگر کٹ کر الگ ہوگئے ہوں تو ان کو بھی اجازت ہے کہ وہ ہٹ کر اپنی فوج میں شامل ہوجائیں اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

۲۰ نہتے مسلمانوں کا اپنے سے تین گناہ مسلح اور طاقتور لشکر کو یوں تہس نہس کر دینا اور اس کے بڑے بہادر رئیسوں کو کاٹ کر رکھ دینا محض نصرتِ خداوندی کا کرشمہ تھا۔ اس لیے صاف صاف بتا دیا کہ تم اپنی قوت و شجاعت پر نازاں نہ ہو بلکہ اپنے ربِ قدیر کا احسان سمجھو اور اس کے شکر گزار بنے رہو۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص380 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص36

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ

آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر ۲۲ اپنی جناب سے بہترین احسان۔ بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہُوا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلبگار تھے ۲۳ تو (لو) آگیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم (اب بھی) باز آجاؤ تو وہ

۲۱ ان کلمات میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خاص معجزہ کی طرف اشارہ ہے جس کا مشاہدہ دوست و دشمن نے بدر کے میدان میں کیا۔ حضور نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری اور کفار کے لشکر کی طرف پھینک دی۔ وہ لشکر جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا، کوئی کھڑا تھا تو کوئی بیٹھا ہوا تھا، کسی کا منہ اُدھر تھا تو کسی کی پُشت اِدھر تھی لیکن ایک کافر بھی تو ایسا نہ رہا تھا جس کی آنکھوں کو ریت کے ذرّات نے بھر نہ دیا ہو۔ سب کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہوگئیں اور وہ کچھ ایسے دہشت زدہ اور حواس باختہ ہوئے کہ اپنے مقتولوں کے لاشے بھی پیچھے چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! جب تم کنکریاں پھینک رہے تھے تو پھینکنے والا ہاتھ گو تمہارا تھا لیکن قوت و قدرت ہماری تھی جو اس میں کارفرما تھی۔ کتنا ہی پیارا انداز بیان ہے!

۲۲ علامہ زمخشری نے یُبْلِیَ کا معنی یُعْطِیَ اور بَلَاء کا معنی عَطَاء کیا ہے (2)۔ اور صاحب تفسیر مظہری نے یُبْلِی کا معنی یُنْعِم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے (3)۔ اگرچہ ابتلاء کا لغوی معنی اختبار یعنی آزمانا ہے۔ لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیشِ نظر یہاں لفظ ابلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مسلمانوں کے لڑے بغیر ہی کفار کو نیست و نابود کر دیتا۔ ہزاروں فرشتوں کے اُتارنے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ ایک ہی فرشتہ سب کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی تھا لیکن مسلمانوں کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت اس لیے کرائی گئی تاکہ انہیں دین کے پاسبان ہونے کا شرف حاصل ہو جائے، شہادت اور جہاد کی فضیلت سے انہیں سرفراز کیا جائے۔ کیا شانِ بندہ پروری ہے! کیا رحمتِ ذرہ نواز ہے! یہاں اسی شرفِ پاسبانی اور فضیلتِ شہادت کو لیبلی کے کلمات طیبات سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

۲۳ اب روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ کفار جب مکہ سے روانہ ہوئے تھے تو غلافِ کعبہ کو پکڑ کر انہوں نے دعا مانگی تھی: اَللّٰهُمَّ انْصُرْ اَقْرَأَنَا لِلضَّيْفِ وَ اَوْصَلَنَا لِلرَّحِمِ وَ اَفَكَّنَا لِلْعَانِيْ وَاِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ عَلٰى حَقٍّ فَانْصُرْهُ وَ اِنْ كُنَّا عَلٰى حَقٍّ فَانْصُرْنَا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 38 — 2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 208 — 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 40

وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ

بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے

وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ

اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے ۲۴ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور

وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُونُوا

اس کے رسول کی اور نہ رُوگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سُن رہے ہو ۲۵ اور نہ بن جانا اُن لوگوں کی

(کشاف)(1) ''اے اللہ! ہم دونوں فریقوں میں سے جو زیادہ مہمان نواز ہے، جو زیادہ صلہ رحم ہے، جو قیدیوں کو زیادہ آزاد کرنے والا ہے اس کی مدد فرما۔ اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حق پر ہے تو اسے فتح دے اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں غلبہ بخش''۔ کفار سے کہا جا رہا ہے کہ وہ دُعا جو تم نے مانگی تھی وہ قبول ہوئی۔ جو حق پر تھا وہ غالب ہوا اور جو باطل سے چمٹے ہوئے تھے وہ مغلوب۔ اب باز آجاؤ۔ تمہارے معیار کے مطابق حق واضح ہو گیا۔ اب تو کسی قسم کی غلط فہمی نہیں رہی۔ اگر پھر بھی تم نے حق کو قبول نہ کیا اور اس کی مخالفت سے باز نہ آئے تو یاد رکھو تمہیں آئندہ بھی ایسی ہی اندوہناک شکستوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ فتح کا معنی فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔

۲۴ اے کفار! جب تم تائید خداوندی سے محروم ہو اور مسلمان اس نعمت سے مشرف ہیں تو پھر خود ہی سوچو کیا تمہاری کامیابی کا کوئی امکان ہے؟ چلو مان لیا تم بڑے نڈر اور بہادر ہو اور تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے لیکن خود ہی بتاؤ کیا تم اللہ تعالیٰ کی طاقت سے ٹکر لے سکتے ہو؟

۲۵ اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول عقائدِ اسلامیہ اور شریعتِ بیضاء کا سنگِ بنیاد ہے۔ اس کے بغیر نہ اسلامی عقائد کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ شریعت کا۔ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں! یعنی اتنا تغافل کہ قرآنی آیات سننے کے باوجود بھی اطاعتِ خدا اور رسول میں کوتاہی! تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو تعلیماتِ قرآنیہ کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اطاعتِ رسول کے منکر ہیں۔ بلکہ اتباعِ قرآن کو ترکِ اطاعتِ رسول کی دلیل بناتے ہیں۔ وہ اپنی روش پر خود ہی نظر ثانی کریں۔ کیا وہ قرآن سے اس کے نازل کرنے والے کی منشا کے خلاف تو استنباط نہیں کر رہے؟ کیا وہ اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ اتباعِ قرآن تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے؟ اور اطاعتِ رسول کا حکم بھی قرآن کا ہی حکم ہے جو ایک بار نہیں سینکڑوں بار دیا گیا ہے۔ کیا وہ قرآن کے اس صریح حکم کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو قرآن کا متبع کہہ سکتے ہیں؟

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں   ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 208

كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ

طرح جنھوں نے کہا ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ نہیں سُنتے ٢٦ بیشک سب جانوروں سے

الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ

بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ٢٧ اور اگر

لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا

جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انھیں ضرور سُنا دیتا۔ اور اگر سُنا دیتا انھیں (قبولِ حق کی استعداد کے بغیر)

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ

تو وہ پیٹھ پھیر دیتے رُوگردانی کرتے ہوئے ٢٨ اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب

٢٦ اہلِ ایمان کو یہود و منافقین کے طریقِ کار کو اپنانے سے روکا جارہا ہے کہ وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے کتابِ الٰہی کو سن لیا لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ جو انہوں نے سنا ہے اگر وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو گویا اُنہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ سننا تو وہ ہے جو انسان کو عمل کرنے پر آمادہ کر دے۔

٢٧ شَرَّ اصل میں اَشَرُّ تھا۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ ساقط ہو گیا۔ اسی طرح خیر بھی اصل میں اَخْيَرُ تھا۔ وَالْاَصْلُ اَشَرُّ حُذِفَتِ الْهَمْزَةُ لِكَثْرَةِ الْاِسْتِعْمَالِ وَكَذَا خَيْرٌ اَلْاَصْلُ اَخْيَرُ (قرطبی)۔(1)

جو لوگ سننے اور بولنے کی قوتوں سے صحیح کام نہیں لیتے، حق کو سمجھنے کے لیے اور حق کی تبلیغ کے لیے ان سے استفادہ نہیں کرتے اُن کا شمار انسانوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شکلیں اور صورتیں گو انسانوں کی سی ہیں لیکن درحقیقت وہ گونگے اور بہرے ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ کیونکہ ڈنگروں کو یہ نعمتیں بخشی ہی نہیں گئیں۔ وہ معذور ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو ان گراں بہا صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا اور انہوں نے ان سے فائدہ نہ اُٹھایا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان خداداد صلاحیتوں سے پوری طرح فائدہ اُٹھا کر ہی ہم انسانی عظمت کی بلندیوں پر فائز ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری حالت بے شعور مویشیوں سے بھی بدتر ہے۔

٢٨ اگر ان میں قبولِ حق کی استعداد ہوتی تو انہیں کلامِ الٰہی کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق دی جاتی لیکن کیونکہ انہوں نے پیہم سرکشی اور دانستہ کفر و عناد سے اپنی اس استعداد کا گلا گھونٹ دیا ہے اس لیے اب کوئی فائدہ نہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ قرآن کی آیات سن بھی لیں اور سمجھ بھی لیں تب بھی وہ ان کو قبول نہیں کریں گے بلکہ ازراہِ عناد اور تعصب انہیں حق جانتے اور پہچانتے ہوئے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 388

لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ

وہ رسول بلائے تمہیں ۲۹ ؎ اس امر کی طرف، جو زندہ کرتا ہے تمہیں اور خوب جان لو کہ اللہ کا حکم، حائل ہو جاتا

ان کا انکار کر دیں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ اہلِ مکہ حضور سے فرمائش کیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے جدِّ امجد قصی کو زندہ کریں۔ اگر اس نے آپ کی نبوت کی شہادت دی تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے ایمان لانے کی توقع ہوتی تو قصی کو زندہ کرنا کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور اسلام دشمنی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اگر قصی کو زندہ کر بھی دیا جائے اور وہ حضور کی نبوت کی تصدیق بھی کر دے اور وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کی شہادت کو اپنے کانوں سے سن بھی لیں تو پھر بھی پیٹھ پھیر دیں اور اپنے کفر و شرک سے ہی چمٹے رہیں۔(1)

۲۹ ؎ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا مکرر حکم دینے کے بعد اس کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہے وہ تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی اور تمہاری جاں بلب روحوں کو تازگی و نشاط عطا فرمانے والی ہے۔ اِذَا دَعَاكُمْ کا فاعل حضور کی ذات ہے۔ لِمَا میں لام بمعنی الیٰ ہے(2)۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی روشن اور سچی کتاب تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سنتِ نبوی ہی تمہاری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی پیروی میں تمہاری بقاء و دوام کا راز مضمر ہے۔ لیکن ملت کے چند بہی خواہ ہمیں یہ کہہ کر سنتِ رسولِ کریم سے برگشتہ کر رہے ہیں کہ اطاعتِ رسول ہی وہ زنجیر ہے جس نے اُمّت کے ہاتھ پاؤں کو مقیّد کر رکھا ہے۔ یہی وہ افیون ہے جس نے اس کے قوائے فکر کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور یہی وہ اغلال و سلاسل ہیں جن کے توڑنے کا ہمیں حکم ملا تھا لیکن عجمی سازشیوں (یعنی محدثینِ کرام) کے فریب میں آ کر ان کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو ہم نے مژگانِ عقیدت سے چن کر پھر اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ سنّت نبوی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اور قرآن کا فرمان قابلِ تسلیم ہے یا ان بہی خواہانِ امت کا جو اپنے عہد کے بدترین اور کامل ترین حاکم پرست ہونے کے باوجود ان مردانِ احرار کو حکومتِ وقت کے نمک خوار کہتے ہوئے نہیں شرماتے جن کے نعرہ ہائے حق سے بارہا ظلم و استبداد کے ایوانوں کی بنیادیں لرز اُٹھی تھیں۔ صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں۔ فَاِنَّ طَاعَةَ الرَّسُوْلِ فِیْ كُلِّ اَمْرٍ یُحْیِ الْقَلْبَ وَ عِصْیَانَهٗ یُمِیْتُهٗ (3) کہ ہر بات میں سنتِ نبوی کی اطاعت سے دل زندہ ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اس طوفان خیز دور میں اپنے چراغِ ایمان کو روشن رکھ سکیں اور اطاعتِ حبیبِ خدا سے اپنے مردہ دلوں کو زندہ کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت ابی سعید بن المعلی فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسولِ کریمؐ نے مجھے یاد فرمایا۔ نماز ختم کرنے کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے حبیبِ الٰہ! جب حضور نے اس غلام کو یاد فرمایا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اب فارغ ہو کر حاضرِ بارگاہ ہو گیا ہوں۔ حضور نے فرمایا: اے ابا سعید! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ جس وقت تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلائے فوراً حاضر ہو جاؤ(4)۔ فقہائے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص46-45
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص389
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص46
4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ استجیبوا للہ، ج2، ص669

بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً

ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان ۳۰؎ بے شک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے

لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

۳۱؎ (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے ۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت

کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور اسے بلائیں تو وہ حاضرِ خدمت ہو جائے۔ اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اِجَابَةُ الرَّسُوْلِ لَا یَقْطَعُ الصَّلٰوةَ (مظہری)(1)

یہاں ایک نکتہ اور بھی غور طلب ہے۔ قاعدہ کے مطابق یہاں تثنیہ کا صیغہ دَعَوَا ہونا چاہیے تھا، کیونکہ ضمیرِ فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں ہیں اور دو کے لیے تثنیہ کا صیغہ ہوتا ہے۔ یہاں واحد کا صیغہ دَعَا کا ذکر کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت الگ الگ دعوتیں نہیں بلکہ ایک ہی دعوت ہے اس لیے یہاں تثنیہ کی ضرورت نہیں واحد کا صیغہ ہی کافی بلکہ مناسب ہے۔

۳۰؎ انسان کتنا ہی دانشمند اور طاقتور کیوں نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے ارادے میں حائل ہو جائے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ دل کی قلمرو میں اسی کی حکمرانی ہے۔ وہ چاہے تو نورِ عرفان سے اسے درخشاں کر دے اور چاہے تو ہدایت کے سب چراغ بجھ جائیں اور گھپ اندھیرا ہو جائے۔ اسی لیے حضور نبی کریم اکثر دعا فرمایا کرتے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ (2) ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ''۔ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ (3) ''اے دلوں کے پھیرنے والے میرے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے''۔

۳۱؎ وہ فتنہ کونسا ہے جس کی آگ جب بھڑک اُٹھتی ہے تو سب خشک و تر کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے؟ جس کا عذاب چند افراد تک محدود نہیں رہتا بلکہ ساری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے؟ علمائے کرام نے اس ضمن میں تین اُمور کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔

ا۔ نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے منع کرنے سے رُک جانا۔ جس قوم میں فسق و فجور کا بازار گرم ہو اور علی الاعلان احکامِ شریعت کی خلاف ورزی کی جاتی ہو وہاں اہلِ علم اور اربابِ اثر و اقتدار کا خاموشی اختیار کر لینا اور بدکاروں اور نافرمانوں کو ان کی بداعمالیوں سے نہ روکنا ایک ایسا فتنہ ہے جس کا وبال ساری قوم کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، حضور کریم ﷺ نے فرمایا: اَیُّهَا النَّاسُ! مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوا اللهَ فَلَا یَسْتَجِیْبَ لَكُمْ وَ قَبْلَ اَنْ تَسْتَغْفِرُوْهُ فَلَا یَغْفِرَ لَكُمْ الخ (مظہری)(4) ''اے لوگو! نیکی کا حکم کیا کرو اور بُرائی سے روکا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ پھر تم دعائیں مانگو اور وہ قبول ہی نہ فرمائے۔ تم استغفار کرو اور وہ تمہیں بخشے ہی نہیں''۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص46 2۔ سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، ج2، ص190، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور
3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالی القلوب کیف شاء، ج2، ص335، قدیمی کتب خانہ، کراچی
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص50-47 (ماخوذ)۔ حلیۃ الاولیاء ج8، ص287

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

عذاب دینے والا ہے۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے

فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ

ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اُچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور

اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔ ۳۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا

اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو ۳۳

۲۔ ترکِ جہاد: جب کوئی قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اور اللہ کی راہ میں جان دینے سے اسے زندگی زیادہ عزیز معلوم ہوتی ہے تو ساری قوم کو ذلت وغلامی کی بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں۔

۳۔ میدانِ جہاد سے فرار۔ علمائے کرام نے ان تین اُمور کو بطورِ مثال ذکر فرمایا ہے۔ حصر مقصود نہیں۔

۳۲ ہجرت سے پہلے بے بسی اور بے کسی کی جو حالت تھی وہ مسلمانوں کو یاد دلائی جارہی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھتے ہوئے اس کی شکر گزاری میں مصروف رہیں۔ آیت میں ارض سے مراد سرزمینِ مکہ ہے۔ ماویٰ (جائے پناہ) مدینہ طیبہ ہے۔ تائید سے مراد بدر کی فتح مندی ہے۔ رزق سے مراد اموالِ غنیمت ہیں جو پہلی امتوں پر حرام تھے اور ملتِ اسلامیہ کے لیے حلال کردیئے گئے۔(1)

۳۳ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت کا مطلب حضرت ابنِ عباس ؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ فَرَآئِضِهٖ وَ الرَّسُوْلَ بِتَرْكِ سُنَّتِهٖ یعنی "فرائض کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور سنت سے سرتابی کر کے اس کے رسول سے خیانت نہ کرو"۔ اور قتادہ فرماتے ہیں: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ دِيْنَ اللّٰهِ اَمَانَةٌ فَاَدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَا ائْتَمَنَكُمْ عَلَيْهِ مِنْ فَرَآئِضِهٖ وَحُدُوْدِهٖ:(2) "خوب سمجھ لو! اللہ کا دین امانت ہے۔ اس کے فرائض کی ادائیگی اور حدود کی پابندی کا تمہیں امین بنایا گیا ہے۔ پس امانت میں خیانت نہ کرو"۔ (مظہری) اسی طرح مسلمانوں کے راز دشمن تک پہنچانا، حکومت کے سربراہوں، اعلیٰ افسروں اور ملازموں کا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، ملک کے صنعتکاروں اور تجار کا ملکی صنعت اور کاروبار میں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 50-51 2۔ ایضاً، ج 4، ص 53

أَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ

اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔ اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یٰۤاَیُّهَا

تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہے اور بیشک اللہ اسی کے پاس اجرِ عظیم ہے ۳۴؎ اے ایمان

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ

والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دیگا

سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ وَ

تم سے تمہارے گناہ اور بخش دیگا تمہیں ۳۵؎ اور اللہ بڑے فضل (و کرم) والا ہے ۳۶؎ اور

دیانتداری کو نظر انداز کر دینا حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنے میں داخل ہے۔

غور فرمایئے! کتنے پُرجلال انداز میں فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور اربابِ اقتدار کو متنبہ کیا جا رہا ہے یعنی فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی اور امانتوں میں خیانت کوئی معمولی بات نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے۔ بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت ہے۔ خیانت کا یہ جرم بھی ازحد سنگین ہے۔ اس پر مرتّب ہونے والے نتائج بھی ملک اور قوم کے لیے تباہ کن ہیں اس لیے اس پر جو سزا ملے گی اس کی شدت اور سختی کا تم خود اندازہ کر لو۔

۳۴؎ مال اور اولاد سے بڑھ کر سخت آزمائش اور کون سی ہے۔ محبتِ مال و اولاد انسان کو بزدل بھی بنا دیتی ہے اور بخیل بھی۔ حضور کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ حضور نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا: اَمَا اَنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ وَّ اَنَّهُمْ لَمِنْ رَّیْحَانِ اللّٰهِ (البغوی)(1)۔ "یہ اولاد انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے اور بزدل بھی۔ اور یہ اللہ کے پھول ہیں"۔ اب جو اس طبعی محبت کے باوجود احکامِ الٰہی کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتا یقیناً وہ کامیاب ترین انسان ہے۔ ایک دوسرے لحاظ سے بھی اولاد بڑی آزمائش ہے۔ بچوں کی صحیح تربیت، ان کو صحیح مسلمان اور کامل انسان بنانا ان کی لوحِ دل پر اقدارِ عالیہ کے نقوش ثبت کرنا والدین کے لیے ایک کٹھن آزمائش ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا صحیح شکر ہے۔ جو کم نظر اپنی اولاد کے لیے دولت ہی اکٹھی کرتے رہتے ہیں اور انہیں اسی لکشمی دیوی کی پرستش کا ڈھنگ سکھانا ہی اپنے حقوقِ پدری کی تکمیل جانتے ہیں۔ انہوں نے اس نعمتِ عظمیٰ پر اپنے منعمِ حقیقی کا ہرگز شکر ادا نہیں کیا۔ اور نہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔

۳۵؎ اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار بندوں کو جن انعامات سے سرفراز فرماتا ہے اس آیت میں ان کا بیان ہے۔

1۔ تفسیر بغوی علی ہامش تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج2، ص21۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ص402، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپکے بارے میں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا تھا ۳۷ تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپکو شہید کر دیں یا

وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى

آپکو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنیوالا ہے۔ اور جب پڑھی جاتی ہیں

۱۔ نعمتِ فرقان---------- ۲۔ سترِ عیوب---------- ۳۔ آمرزشِ گناہ۔

فرقان مصدر ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہتے ہیں۔ اَیْ بَصِیْرَةً فِیْ قُلُوْبِكُمْ تُفَرِّقُوْنَ بِهَا بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ (مظہری) عارفینِ کاملین کا ارشاد ہے کہ ذکرِ الٰہی سے ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے حقائقِ اشیاء منکشف ہو جاتی ہیں اور غلط و صحیح میں بیّن فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ وَ یُسَمّٰی هٰذَا فِیْ اِصْطِلَاحِ الصُّوْفِیَّةِ بِالْكَشْفِ (مظہری) (1)۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے کشف کہتے ہیں۔ اور حضور علیہ افضل الصلوات واجمل التسلیمات کے اس ارشادِ گرامی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ: (2) ''مومن کی فراست سے ڈرا کرو وہ تو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

پرہیزگاروں پر دوسرا انعام یہ کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کو چھپا دیا جائے گا تاکہ کسی کی نگاہ ان پر نہ پڑ سکے۔ علامہ ابنِ منظور یُکَفِّرْ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَ اَصْلُ الْكُفْرِ تَغْطِیَةُ الشَّیْءِ تَغْطِیَةً تَسْتَهْلِكُهٗ (3): یعنی کفر کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان بھی محو ہو جائے۔

علامہ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں وَ التَّكْفِیْرُ فِی الْمَعَاصِیْ كَالْاِحْبَاطِ فِی الثَّوَابِ۔ اگر ثواب ملیامیٹ ہو جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اگر گناہوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے تو وہاں تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب) (4) اللہ تعالیٰ کا پرہیزگاروں پر یہ کتنا کرم ہے کہ عالمِ غفلت میں ان سے جو گناہ سرزد ہوئے ان کو وہ اپنے کرم کی چادر سے ڈھانپ دے اور کسی کو ان گناہوں کی اطلاع تک نہ ہو۔ ان نیک بختوں پر جو تیسرا احسان فرمایا جائے گا وہ یہ ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے باعث ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، کسی جرم کا وہ ارتکاب کر بیٹھیں تو اس پر قلمِ عفو پھیر دیا جائے گا اور اسے بخش دیا جائے گا۔

بیشک تقویٰ کے تقاضے بڑے گراں ہیں لیکن ان پر جن انعامات کی بارش کی جاتی ہے۔ ان کے باعث ان کی تلخی ان کی گرانی کا تصور تک محو ہو جاتا ہے۔

۳۶ یعنی اپنے پرہیزگار بندوں پر اس کی یہ بخششہائے بے انداز محض اس کا فضل و کرم ہے۔ کسی کا اس پر کوئی حق نہیں جس کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو۔ راہِ تقویٰ پر گامزن ہونا بھی تو محض اس کی توفیق و دستگیری کا ہی مرہونِ منت ہے۔

۳۷ اہلِ یثرب میں اسلام کی روشنی پھیلنے سے کفارِ مکہ کو یہ فکر دامنگیر ہو گئی تھی کہ کہیں حضور بھی ہجرت کر کے انہیں کے پاس نہ چلے جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر اسلام کے خطرہ کا سدباب ان کے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھانے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص54 — 2۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، تفسیر سورہ حجر، ج2، ص140

3۔ لسان العرب، ج5، ص145 — 4۔ ایضاً، ج5، ص148

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِلَّا

ان کے سامنے ۳۸ ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی رہنے دو) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں۔ نہیں ہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ

یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی۔ اور جب انھوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو

سے پہلے انہوں نے اپنی قومی پارلیمنٹ (دارالندوہ) میں قوم کے مفکرین اور دانشوروں کا اجلاس طلب کیا۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ آپ کو ایک تنگ و تاریک حجرے میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیا جائے۔ بعض نے کہا کہ آپ کو یہاں سے جلاوطن کر دیا جائے۔ لیکن آخری فیصلہ ابوجہل کی رائے کے مطابق ہوا کہ مکہ میں جتنے قبائل آباد ہیں ان میں سے ایک ایک بہادر منتخب کیا جائے۔ سارے قبائل سے چنا ہوا بہادروں کا یہ دستہ رات کے وقت آپ کے گھر کا محاصرہ کر لے۔ سحری کے وقت جب حضور باہر نکلیں تو یکبارگی آپ پر تلواروں کا مینہ برسا کر آپ کا چراغِ حیات گل کر دیا جائے۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی کہ اس طرح مکہ کے سارے قبائل اس قتل میں شریک ہوں گے اور بنی ہاشم کس کس سے انتقام لے سکیں گے؟ آخر کار وہ دیت لینے پر رضامند ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر آسانی کے ساتھ دیت ادا کر دیں گے۔ سب نے اسے پسند کیا۔ خصوصاً ابلیس جو شیخ نجد بن کر شریکِ اجلاس ہوا تھا وہ تو خوشی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور کہنے لگا: هٰذَا الرَّأْيُ لَا رَأْيَ غَيْرُهٗ۔ ادھر لات وہبل کے پرستار محبوبِ خدا کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے تھے اور ادھر ربِ محمد اپنے محبوب کا بال بھی بیکا نہ ہونے کا ارادہ فرما رہا تھا۔ جبریلِ امین حاضر ہوئے اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ آج کی رات ہجرت کی رات ہے۔ حضور نے امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں۔ سورہ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے اپنے کاشانۂ اقدس سے قدمِ مبارک باہر رکھا۔ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ الخ کی آیت تک پڑھ کر ان شمشیر بکف ملی سورماؤں پر پھونکا جو محاصرہ کیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی بینائی سلب ہو گئی۔ نیند سے اونگھنے لگے اور اللہ کا حبیب اپنے اللہ کی حفاظت میں بخیر و عافیت وہاں سے نکل کر اپنے یارِ وفا شعار حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا اور ان کو ہمراہ لے کر غارِ ثور کی طرف روانہ ہو گیا (1)۔ حضرت امام حسن عسکریؒ نے اپنی تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرما دیا کہ وہ اس پُرخطر سفر میں حضرت صدیقؓ کو ہمراہ لے جائیں وَ اَمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَا بَكْرٍ: (2) آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ابوبکرؓ کو ساتھ لے جائیں۔ یہ روایت بالتفصیل سورہ توبہ کی آیت ۴۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

آیت میں يُثْبِتُوْكَ کا کلمہ ہے۔ اس کا معنی ہے لِيَحْبِسُوْكَ، لِيُسْجِنُوْكَ، تاکہ آپ کو محبوس کر دیں، قید کر دیں۔ (قرطبی) (3)

۳۸ نضر بن حارث مکہ کا ایک متمول تاجر تجارت کی غرض سے حیرہ گیا۔ وہاں سے کہانیوں کی مشہور کتاب قلیلہ دمنہ اور قیصر و کسریٰ کے قصوں کی دوسری کتابیں خرید لایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی امتوں کے عبرت آموز حالات بیان کرتے تو وہ بڑے غرور سے کہتا کہ ایسی باتیں اور حکایتیں تو میں بھی سنا سکتا ہوں (قرطبی) (4)۔ وہ انتہائی ڈھٹائی سے دعویٰ تو کرتے کہ اگر ہم

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 57-56 (ماخوذ) 2۔ تفسیر حسن عسکری از ابو ہلال حسن بن عبد اللہ، المتوفی 395ھ، ص 465، مطبوعہ مدرسۃ الامام الہدی قم المقدسہ

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 397 4۔ ایضاً

هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے ۳۹؎

أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ

اور لے آ ہم پر دردناک عذاب۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ

فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ

تشریف فرما ہیں ان میں۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں ۴۰؎ (مکہ سے

أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

آپکی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لیے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ ۴۱؎ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے

چاہیں تو ایسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ لیکن بار بار کے اصرار کے باوجود اس جیسی ایک سورت تو کیا ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے۔

۳۹؎ یہ دعا مانگنے والا کون تھا؟ نضر بن حارث اور ابو جہل کے نام روایات میں آتے ہیں۔ ممکن ہے دونوں ہوں (1)۔ اور ممکن ہے کہ سب کفار ہوں لیکن ایک کی زبان نے ان کے دلی ارادے کی ترجمانی کی ہو۔

۴۰؎ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار سالہا سال تک اسلام کو مٹانے اور پیغمبرِ اسلام کو اذیت پہنچانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر رہے تھے۔ اب تو انہوں نے چیلنج بھی دے دیا تھا کہ اے خدا! اگر یہ دین اور رسول حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا کر ہمیں ہلاک کر دے۔ اتنی باتوں کے باوجود غضبِ الٰہی کو کیوں حرکت نہ ہوئی۔ اور ان پر کیوں ایسا عذاب نہ اتارا گیا جو انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیتا تا کہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہوتی۔ اس آیت میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ درست ہے کہ ان کے اعمال، ان کے کرتوت اور ان کا دانستہ کفر پر اصرار اس امر کے مقتضی تھے کہ ان کی خواہش کے مطابق ان پر تباہ کن عذاب نازل کیا جاتا۔ لیکن اے میرے حبیب! جب تک تیرا وجودِ سراپا رحمت ان میں موجود ہے ان پر عذاب نہیں اُترے گا۔ میں نے تیرے سر پر رحمۃ للعالمینی کا تاج رکھا ہوا ہے۔ تیرے سایۂ رحمت میں کفار اور عصیاں شعار سب کے لیے پناہ ہے۔ لِأَنَّكَ الرَّحْمَةُ لِلْعٰلَمِينَ (روح المعانی) (2)۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں تیرے ایسے غلام موجود ہیں جو ہر وقت میری بارگاہِ اقدس میں سرِ نیاز خم کر کے طلبِ مغفرت کر رہے ہیں۔ کیا شان ہے اللہ کے محبوب کی اور کیا عزت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکے نیکو کار بندوں کی کہ ان کی برکت سے کافر اور نافرمان بھی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ مجاہد کی رائے ہے کہ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ سے مراد وہ سعید روحیں ہیں جو ان کفار کی پشتوں میں تھیں اور ابھی تک عالمِ اجسام میں ظہور پذیر نہیں ہوئی تھیں۔ (3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 398 (ماخوذ) 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 201-200 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 62

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی۔ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں ، لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ

نہیں جانتی ۔ ۴۲ اور نہیں تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی

تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ

بجانے کے ۔ ۴۳ سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے ۔ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ۴۴

۴۱ جب حضور اور حضور کے نام لیوا ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اب وہ رہ گئے اور ان کے کرتوت۔ تو ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا جس نے ان کی نخوت وغرور کو پامال کر کے رکھ دیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ پہلی آیت میں جس عذاب کی نفی کی گئی ہے وہ عذابِ استیصال ہے جو ساری کی ساری قوم کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے اور اس آیت میں اس عذاب کا اثبات ہے جو محض تنبیہ اور سرزنش کے لیے کسی کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اُتارا جاتا ہے۔ (1)

۴۲ ان پر عذاب الٰہی کے اُترنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسولِ مقبول اور اس کے سچے پیروکاروں کو اللہ کے گھر میں اللہ کی عبادت کرنے سے روک رہے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کعبہ کے وہ متولی ہیں اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی عبادت کی تو ہر ایک کو اجازت ہو لیکن مولائے برحق کے سچے پرستاروں کو اس کی عبادت کرنے کی اجازت نہ دیں۔ حالانکہ اس خانۂ خدا کے متولی تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔ اور ان لوگوں کا اس گھر کی تولیت سے کوئی واسطہ نہیں جن کی پیشانیاں باطل معبودوں کے سامنے سجدہ ریزی سے داغدار ہو چکی ہیں۔

۴۳ حضرت ابنِ عباس ؓ فرماتے ہیں کہ کفار طوافِ کعبہ بالکل ننگے ہو کر کیا کرتے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجانا ان کی نماز تھی۔ جس میں بے معنی شور وشغب اور لایعنی لہو ولعب کے سوا کچھ نہ تھا۔ نہ تو ان میں ذکر الٰہی تھا اور نہ ان کو عجز ونیاز جو روحِ عبادت ہے، سے کوئی واسطہ تھا۔ كَانَتْ قُرَيْشٌ تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرَاةً يُصَفِّقُوْنَ وَ يُصَفِّرُوْنَ فَكَانَ ذٰلِكَ عِبَادَةً فِيْ ظَنِّهِمْ (قرطبی) (2) وَالْمُكَاءُ ضَرْبُ الْاَيْدِيْ ہاتھ پر ہاتھ مارنا وَالتَّصْدِيَةُ: الصِّيَاحُ: شور وغل، سیٹی بجانا۔ منجد میں ہے: مَكَا يَمْكُوْ مُكَاءً صَفَّرَ بِفِيْهِ (3) وَصَدّٰى بِيَدَيْهِ: صَفَقَ: تالی بجانا۔ (4)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 62 (ماخوذ) 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 400 3۔ المنجد فی اللغۃ، ص 771 4۔ ایضاً، ص 420

فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۬ۥ

اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کرینگے پھر ہو جاتے گا یہ خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت وافسوس پھر وہ مغلوب کر دیے جائینگے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ

اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ تاکہ الگ کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ

پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر۔ پھر اکٹھا کر دے ان سب

جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُلْ

کو۔ پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں۔ یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ فرما دیجیے

لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ

کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو بخش دیا جاتے گا انھیں جو ہو چکا۔

۴۴ عبادت تین قسم کی ہوتی ہیں: قولی، فعلی اور مالی۔ ان کی قولی وفعلی عبادت کی جو کیفیت تھی وہ تو پہلے مذکور ہوئی۔ اب ان کی عبادتِ مالی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ مال خرچ کرتے تو ہیں لیکن اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی یاد اور ذکر سے لوگوں کو روکنے کے لیے۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اس کا انجام بجز حسرت وندامت کے کچھ نہ ہوا۔ آئندہ بھی اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا انجام بھی ایسا ہی حسرتناک ہوگا۔

۴۵ لِيَمِيزَ کا تعلق يُحْشَرُونَ کے ساتھ ہے (1)۔ یعنی قیامت کے روز ناپاک اور پاک بالکل الگ الگ ہو جائیں گے کافر اور مومن کے درمیان خلط ملط باقی نہیں رہے گا۔ سب کفار کو ایک جگہ جمع کر کے انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کے لیے انہوں نے اپنے مال و دولت کے جو انبار لٹائے تھے وہ سب رائیگاں گئے۔ انہوں نے جو کاوشیں اور قربانیاں باطل کو کامیاب کرنے کے لیے دی تھیں ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دُنیا میں بھی قدم قدم پر انہیں ہزیمت اُٹھانی پڑی اور قیامت کے روز بھی انہیں آتشِ جہنم کا ایندھن بننا پڑا۔ ان سے بڑھ کر خائب وخاسر اور کون ہو سکتا ہے۔ يَرْكُمَ کی تشریح بایں الفاظ کی گئی ہے: جَمَعَهُ وَ جَعَلَ بَعْضَهُ فَوْقَ بَعْضٍ حَتّٰى يَصِيْرَ رُكَامًا مَرْكُوْمًا كَرُكَامِ الرَّمْلِ (المنجد) (2) یعنی ایک دوسرے پر ڈالتے جانا یہاں تک کہ ایک ڈھیر کی شکل پیدا ہو جائے جس طرح ریت کا ڈھیر ہوا کرتا ہے۔ اس سے پتہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص64 2۔ المنجد فی اللغۃ، ص277

وَاِنۡ يَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوۡهُمۡ

اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دہرائیں تو گزر چکا ہے[۴۶] (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ۔ اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے

حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ‌ ۚ فَاِنِ

یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد[۴۷] اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لیے[۴۸] تو پھر اگر وہ باز آ

انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا

جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو

فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۴۰﴾

جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے۔ وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے۔

چلتا ہے کہ کفار کے نیم جان لاشے ایک دوسرے پر ڈھیر کر دیئے جائیں گے اور پھر انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ لِيَمِيْزَ کا تعلق يُغْلَبُوْنَ کے ساتھ ہے۔(1)

۴۶ یعنی پہلی اُمتوں کے حالات یہ بار بار سن چکے ہیں۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جب ان امتوں نے اپنے نبیوں کی نافرمانی کی تو عذابِ الٰہی آیا جس نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ ان لوگوں کی روش بھی اگر ایسی رہی تو ان پر بھی مکافاتِ عمل کے قانون کی وہی دفعہ لاگو ہوگی جس کو یہ خود اچھی طرح جانتے ہیں۔

۴۷ فتنہ کا معنی فساد کیا گیا ہے: اَیْ فَسَادٌ فِی الْاَرْضِ (مظہری)(2)

۴۸ صاحبِ قاموس نے لفظِ دین کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: اَلدِّيْنُ الْقَهْرُ وَ الْغَلَبَةُ وَ الْاِسْتِعْلَاءُ وَ السُّلْطَانُ (قاموس)(3)۔ یعنی دین کا معنی غلبہ، بالادستی اور قوت و اقتدار ہے۔ صاحبِ تفسیر مظہری نے یہاں دین کے انہی معانی کو ترجیح دی ہے۔ یعنی تم جنگ جاری رکھو تاکہ حکومت و فرمانروائی اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ عدل و انصاف اور حریت و مساوات کا دور دورہ ہو۔ اور کسی پر بے جا تشدد اور زیادتی کر کے اس کو اس کے عقائد سے روکا نہ جا سکے۔

لَيْسَ الْمُرَادُ بِالدِّيْنِ هٰهُنَا مِلَّةَ الْاِسْلَامِ وَمَا يُتَعَبَّدُ بِهٖ وَ اِلَّا يَلْزَمُ التَّعَارُضُ بَيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَ بَيْنَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ بَلِ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقَهْرُ وَ الْغَلَبَةُ وَ الْاِسْتِعْلَاءُ وَ السُّلْطَانُ وَ الْمُلْكُ وَ الْحُكْمُ (مظہری)(4)

ترجمہ: اس آیت میں الدین سے ملتِ اسلام یا اس کا نظامِ عبادت مراد نہیں ورنہ اس آیت میں اور دوسری آیت حتّٰی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص64 2۔ ایضاً، ص65 3۔ القاموس المحیط، ج2، ص1575 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص65

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو ۴۹ تو اللہ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لیے اور

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ۵۰ اگر

يُعْطُوا الْجِزْيَةَ الآیہ(1) میں تعارض لازم آئے گا۔ کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب تک وہ دینِ اسلام کو قبول نہ کرلیں اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھو اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ سرِ تسلیم خم کردیں اور جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو جنگ بند کردو۔ اس لیے یہاں "الدّین" کا مفہوم غلبہ، بالادستی، قوت اور اقتدار ہے۔ یعنی جب ملتِ اسلامیہ کو غلبہ اور اقتدار حاصل ہوجائے گا تو پھر اس کے ظلِ ہمایوں کے نیچے اپنوں اور بیگانوں سب کو پناہ مل جائے گی۔ کسی پر جبر و استبداد نہ ہو گا۔ اسلام کو قبول کرنے والے اور اس کو قبول نہ کرنے والے سب عزت اور آزادی کی زندگی بسر کرسکیں گے۔

۴۹ وہ مال جسے کوئی فرد یا جماعت کوشش اور سعی سے حاصل کرے اسے لغت میں غنیمت کہتے ہیں۔ اَلْغَنِيْمَةُ فِي اللُّغَةِ مَا يَنَالُهُ الرَّجُلُ اَوِ الْجَمَاعَةُ بِسَعْيٍ (قرطبی) (2)۔ لیکن عرفِ شرع میں صرف اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو کفار سے قوت و غلبہ اور لشکر کشی سے حاصل کیا جائے۔ مَالُ الْكُفَّارِ اِذَا ظَفِرَ بِهِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى وَجْهِ الْغَلَبَةِ وَ الْقَهْرِ (قرطبی) (3)۔ لیکن کفار کا وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آجائے اسے اصطلاحِ شریعت میں فیئ کہتے ہیں۔ وَ الْفَيْئُ هُوَ كُلُّ مَالٍ دَخَلَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ غَيْرِ حَرْبٍ وَّلَا اِيْجَافٍ (قرطبی) (4) غنیمت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب اس کے متعلق جو ارشادِ ربانی ہے اسے سمجھیے۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ الگ کرلیا جائے گا اور بقیہ چار حصے غازیوں میں تقسیم کردیئے جائیں گے۔ سنتِ نبوی نے ہمیں بتایا کہ پیادہ مجاہد کو ایک حصہ ملے گا اور سوار کو تین حصے ملیں گے۔ حضرات فاروقؓ، شیرِ خداؓ، عمرؒ بن عبدالعزیز اور فقہاء میں سے امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کا مسلک ہے کہ پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو دو۔ (مظہری) (5)

۵۰ باقی رہا مال کا پانچواں حصہ (خمس) تو اس کے مصارف اس آیت میں وضاحت سے بیان فرمادیئے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک کے لیے لیا گیا ہے۔ یہ کوئی مستقل مصرف نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ الگ مصرف ہے اور اس حصہ کا مال کعبہ شریفہ پر خرچ کیا جائے گا۔ ۲۔ دوسرا حصہ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ حضور اسے اپنی ضروریات اور اہل وعیال پر خرچ کرسکتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد یہ مصرف ختم ہوگیا (6)۔ ۳۔ ذی القربیٰ سے مراد حضور کریم کے قریبی رشتہ دار ہیں اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد۔ اور بعض کے نزدیک صرف بنی ہاشم ہیں۔ کیونکہ ان پر صدقات حرام ہیں اس لیے ان کی کفالت کا انتظام اس مد سے کردیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ حضور کے رشتہ داروں کا حصہ قیامت تک بحال رہے گا۔

1۔ سورہ توبہ: 29 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 1 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً ص 2
5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 84 6۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 348 (ماخوذ)

كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر ۵۱ فیصلہ کے دن

وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَّ بَنِي الْمُطَّلِبِ الْفَقِيْرُ مِنْهُمْ وَ الْغَنِيُّ وَ الذَّكَرُ وَ الْاُنْثٰى وَعِنْدِيْ اَنَّهٗ يُخَيَّرُ الْاِمَامُ فِيْ تَعْيِيْنِ الْمَقَادِيْرِ وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَزِيْدُ فِيْ فَرْضِ آلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُعِيْنُ الْمَدِيْنَ مِنْهُمْ وَالنَّاكِحَ وَذَا الْحَاجَةِ۔ (حجۃ اللہ البالغہ) (1): رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو ملے گا۔ ان کے امیر اور فقیر، مرد اور عورت سب حقدار ہیں۔ اور امامِ وقت حسبِ ضرورت حصہ میں کمی بیشی بھی کر سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اہلِ بیتِ کرام کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے اور ان میں سے اگر کوئی زیادہ ضرورت مند ہوتا مثلاً مقروض، شادی کرنے والا، تنگدست تو اس کی زیادہ امداد فرماتے۔ اسی طرح صاحبِ تفسیر مظہری نے بڑے شرح و بسط سے اس موضوع پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے: وَبِهٰذَا يَثْبُتُ اَنَّ سَهْمَ ذَوِي الْقُرْبٰى لَمْ يَسْقُطْ وَيَجُوْزُ دَفْعُهٗ اِلَيْهِمْ غَنِيِّهِمْ وَ فَقِيْرِهِمْ (مظہری) (2) اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ حضور کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط نہیں ہوا۔ ان کے اغنیاء اور فقراء سب کو ملے گا۔ علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں: وَ الظَّاهِرُ بَقَاءُ هٰذَا السَّهْمِ لِذَوِي الْقُرْبٰى وَ اَنَّهٗ لِغَنِيِّهِمْ وَ فَقِيْرِهِمْ (بحر) (3) ظاہر یہ ہے کہ یہ حصہ بدستور باقی ہے اور غنی اور فقیر دونوں کو دیا جائے گا۔ ۴۔ یتامیٰ۔ ۵۔ مساکین۔ ۶۔ مسافر۔ مالِ غنیمت کے خمس کے یہ مصرف ہیں۔

۵۱ یعنی مالِ غنیمت کے متعلق یہ احکام جو تمہیں دیئے جا رہے ہیں اگر تمہارے دلوں میں نورِ ایمان ہے تو ان پر عمل کرنا ہو گا۔ اور اس سلسلہ میں اپنی من مانی کرنے والے یہ سمجھ لیں کہ ان کو ایمانِ کامل کی لذت سے ابھی آشنا نہیں کیا گیا۔ اور فیضانِ نبوت سے فیضیاب ہونے والوں کے متعلق دنیا کو اچھی طرح علم ہے کہ انہوں نے تعمیلِ حکم کا حق ادا کر دیا۔ انہیں ان کے معلم و مرشد نے یہ حکم دیا کہ فَاَدُّوا الْخَيْطَ وَ الْمَخِيْطَ وَ اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ اَصْغَرَ وَلَا تَغُلُّوْا فَاِنَّ الْغُلُوْلَ عَارٌ وَّ نَارٌ (حدیث) (4) کہ جو چیز غنیمت میں ملے اسے امامِ وقت کی خدمت میں پیش کر دو۔ خواہ وہ سوئی تاگہ ہو یا ان سے بڑی یا چھوٹی چیز۔ اور غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ یہ دنیا میں باعثِ رسوائی ہے اور عقبیٰ میں موجبِ عذاب۔ جب ان صحرا نشینوں کے لیے کسریٰ کے قصرِ ابیض نے اپنے دروازے کھول دیئے اور اپنے قیمتی نوادرات اور تاریخی عجائبات کو ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ مؤرخ کی نگاہ ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ہر چیز دل لبھانے والی، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی، بڑی بڑی خشک طبیعتوں کو للچا دینے والی۔ لیکن کیا مجال کہ غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کے دلوں میں خیانت کا خیال تک آیا ہو۔ ہر ایک چیز احتیاط سے اکٹھی کی گئی۔ وہاں سے بارگاہِ خلافت میں لائی گئی اور اس بے شمار قیمتی سامان میں ایک پائی کی بددیانتی بھی تو نہ ہوئی۔ یہ قرآن کی تعلیم کا اثر تھا۔ یہ تربیتِ مصطفوی کی برکت تھی۔ یہی وہ اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پختگی اور دیانت و ذمہ داری کا قوی احساس تھا جس نے عرب کے اِن اَن پڑھ بدوؤں کو دنیا کا امام بنا دیا۔ کاش! فرزندِ خلیل اور دخترِ بتول اپنے مقامِ بلند سے آگاہ ہو جائے۔ کاش! یہ وارفتۂ حسنِ فرنگ اپنی دلآویزیوں اور رعنائیوں کا مشاہدہ کرنے لگے۔

1۔ حجۃ اللہ البالغۃ از حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، متولد 1114ھ، متوفی 1176ھ، ج 2، ص 798، مطبوعہ دار الکتب الحدیثۃ القاہرہ

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 75 — 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 497 — 4۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفرائض باب الغلول، ص 210

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾ اِذْ اَنْتُمْ

جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر ۵۲ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ جب تم

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ

وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکرِ کفار) دُور والے کنارہ پر تھا۔ اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف تھا

مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ

تم سے ۵۳ اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ) اس لیے تھی تاکہ

اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ

کر دکھلائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا تاکہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ

يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ اِذْ

رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے ۵۴ اور بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ یاد کرو

اے تماشا گاہِ عالم رُوئے تو — تو کجا بہرِ تماشا مے روی (1)

۵۲ فرقان کہتے ہیں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا۔ یومِ فرقان سے مراد بدر کا دن ہے(2)۔ جس روز شکوک وشبہات کے سب بادل چھٹ گئے تھے اور حق اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا تھا۔

۵۳ وہ احسان یاد دلایا جا رہا ہے جو بدر کی جنگ کے دوران میں مسلمانوں پر کیا گیا تھا۔ اس آیت کے چند کلمات تحقیق طلب ہیں۔ عُدْوَةٌ: جَانِبُ الْوَادِیْ۔ وادی کی ایک طرف کو عدوہ کہتے ہیں۔ بکسرِ عین (عِدْوَةٌ) بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کی جمع عُدًی اور دوسری صورت میں عِدًی ہو گی۔ اَلدُّنْیَا اَدْنٰی کی مؤنث ہے جو دَنَا یَدْنُوْ (قریب ہونا) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وادیٔ بدر کی وہ سمت ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تر تھی۔ قُصْوٰی اَقْصٰی کی مؤنث ہے۔ قَصَا یَقْصُوْ (دور ہونا) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وادیٔ بدر کی دوسری سمت ہے۔ رَکْبٌ: اونٹوں کا قافلہ۔ اس سے مراد اہلِ مکہ کا تجارتی کارواں ہے جو شام سے مکہ واپس آ رہا تھا۔(3)

۵۴ جیسے پہلے بیان ہو چکا کہ مسلمان کفار سے جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم تیاری کر کے نکلتے تو

1۔ کلیاتِ اقبال فارسی، اسرار و رموز، ص 81 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 20 — 3۔ ایضاً، جز 8، ص 21 (ماخوذ)

يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ

جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکرِ کفّار ۵۵؎ خواب میں قلیل اور اگر دکھایا ہوتا آپکو لشکرِ کفار کثیر تعداد میں تو ضرور تم

لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

لوگ ہمّت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (تمہیں) بچالیا بیشک وہ خوب جاننے والا ہے

الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا

جو کچھ سینوں میں ہے۔ اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمھیں لشکرِ کفّار جب تمہارا مقابلہ ہُوا تمہاری نگاہوں میں قلیل

وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ

اور قلیل کر دیا تمھیں ان کی نظروں میں تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا ۵۶؎ اور اللہ تعالیٰ

اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً

ع ۵ / ۱

کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات۔ اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو

ان کی کثرت اور اپنی قلت کو ملاحظہ کر کے ہمت ہار بیٹھتے۔ اور میدانِ جنگ سے کترا کر نکل جاتے۔ لیکن چونکہ مشیتِ ربانی یہ تھی کہ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو اس لیے حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ جنگ کے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری ہو کر رہی۔ اس جنگ میں کفار کی رُسوا کن شکست سے حقیقت اتنی واضح اور روشن ہوگئی کہ شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اب اگر کوئی اسلام قبول کر کے حیاتِ جاودانی قبول کرتا ہے تو دلیل سے اور اگر کوئی کفر سے چمٹا رہتا ہے تو جان بوجھ کر اپنی مرضی سے۔ کیا عجیب اور حسین تعبیر ہے۔

۵۵؎ یہاں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ نبی کا خواب حق ہوا کرتا ہے کیونکہ یہ وحی کی ہی ایک قسم ہے پھر اس کے برعکس واقع ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ اگر خواب میں قلیل دیکھا تھا اور واقع میں ان کا کثیر ہونا خواب کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خواب میں قلیل دکھانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی تعداد خواہ کچھ ہو لیکن وہ قلیل تعداد کی طرح ضعیف و کمزور ہوں گے۔ اور خواب کا یہی مطلب صحابۂ کرام نے سمجھا تھا۔(1)

۵۶؎ حکمتِ خداوندی کی کرشمہ سازی یہ تھی کہ مسلمانوں کو کافر تھوڑے نظر آرہے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ثابت قدم رہیں اور گھبرائیں نہیں اور کافروں کو مسلمان قلیل التعداد دکھائی دے رہے تھے تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر لڑے بغیر بھاگ کھڑے نہ ہوں اور جانیں

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج10، ص22 (ماخوذ)۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج8، جز15، ص174

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۵۷ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا

کی اور اس کے رسول کی ۵۸ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۵۹ اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لیے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے ۶۰ اور

بچا کر نکل نہ جائیں۔ اس طرح دونوں فریق اپنی کامیابی کا یقین کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے ستر گبر موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ اور کفر کا زور توڑ کر رکھ دیا گیا۔(1)

۵۷ گھبرائے ہوئے دلوں کو تسکین دینے والا اور اُکھڑے ہوئے قدموں کو جمانے والا اللہ تعالیٰ کا ذکرِ پاک ہی تو ہے۔ اہلِ فکر ونظر سے مخفی نہیں کہ فتح وکامیابی کے حقیقی اسباب یہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ کامیابی کا سہرا اسی کے سر باندھا گیا جو ناموافق حالات میں ثابت قدم رہا۔ اور اس کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا وفریاد تو سونے پر سہاگہ ہے۔

۵۸ قرآنِ حکیم تو واضح طور پر ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا رعب دشمن کے دل پر چھایا رہے، تمہاری ہوا بندھی رہے، اور تمہارے اتحاد واتفاق کی بنیاد متزلزل نہ ہو تو اطاعت رسول کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یہی ایک سپر ہے جس پر تم اہواء واغراض کے تیروں کو سہار سکتے ہو۔ اور ہمارے عصرِ حاضر کے ماہرینِ قرآن ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ انتشار وافتراق کی یہ وبا جو اسلامی کیمپ میں قیامت ڈھا رہی ہے یہ سنتِ رسول سے سرتابی کا نتیجہ نہیں جس میں عملی طور پر امت کا اکثر حصہ مبتلا ہے بلکہ اتباعِ سنت کی شامت ہے۔ اب خدا کے یہ سادہ دل بندے کیا کریں؟ قرآن کی صاف اور کھلی ہوئی بات مانیں یا معارفِ قرآنی کے ان شارحین کی نکتہ آفرینیوں کو تسلیم کریں؟(2)

۵۹ اس آیت میں جو ارشادات فرمائے گئے ہیں ان پر کاربند ہونا آسان کام نہیں۔ قدم قدم پر شیطان نے جال بچھا رکھے ہیں۔ صبر کے بغیر اس پُرخار وادی کو طے کرنا ناممکن ہے اس لیے صبر واستقامت کی تلقین کی جا رہی ہے آخر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت فقط انہی کے شاملِ حال ہوتی ہے جو مشکلات اور مصائب کا بڑی مردانگی سے مقابلہ کر رہے ہوتے ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 241۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 23۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 96 2۔ روزنامہ المصری، 28 مارچ 1954ء

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے۔ اور یاد کرو جب آراستہ کردیئے انکے لیے شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

تمہارا ٦١؎ تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا ، اور بولا

٦٠؎ جہاد میں ثابت قدم رہنے اور بارگاہِ الٰہی میں دامنِ دعا و دستِ التجاء پھیلانے کا حکم دینے کے بعد اخلاصِ نیت کی تعلیم فرمائی جارہی ہے۔ کیونکہ تمام اسلامی اعمال کی روحِ رواں حسنِ نیت ہے۔ کفار کا لشکر جب مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوا تو ان کے ہمراہ ایسی دوشیزائیں بھی تھیں جو گانے بجانے اور ناچنے میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ ان کے علاوہ شرابِ ناب کے بھرے ہوئے مٹکے بھی ساتھ تھے۔ جگہ جگہ پر ان کی بزمِ عیش و طرب منعقد ہوتی جس میں بادۂ گلفام کے ساغر گردش میں آتے اور ناچ اور گانا ہوتا۔ ابوجہل کو جنگ کا ارادہ ترک کرنے کے لیے جب کہا گیا تو اس نے جواب دیا: وَاللّٰهِ لَا نَرْجِعُ عَنْ قِتَالِ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَرِدَ بَدْرًا فَنَشْرَبَ فِيْهَا الْخُمُوْرَ وَ تَعْزِفَ عَلَيْنَا الْقِيَانُ۔۔۔ حَتّٰى تَسْمَعَ الْعَرَبُ بِمَخْرَجِنَا فَتَهَابُنَا آخِرَ الْاَبَدِ (قرطبی) (1) ''بخدا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے لڑے بغیر ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم میدانِ بدر میں پہنچیں۔ وہاں شراب کا دور چلے گا۔ رقص و سرود ہوگا۔ سارا عرب سنے گا اور اُن کے دلوں پر ہمارا رُعب قیامت تک کے لیے جم جائے گا''۔ آج بھی کفر کا لشکر جدھر رُخ کرتا ہے فسق و فجور کا ایک طوفان بدتمیزی اُمڈ کر آجاتا ہے۔ جو عصمت و ناموس، انسانی شرف، بلند اخلاقی قدروں کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے جاہلیت قدیم و جدید کے مزاج کی یکسانی پر، دو ہزار سال پہلے اس کی جو خصوصیات تھیں، علم و ہنر کی بے انداز ترقی کے باوجود ان میں سرِ مُو فرق نہیں آیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جو امریکی افواج اپنے دوست ملک برطانیہ میں اقامت گزیں رہیں ان کی عیش کوشی کی وجہ سے خود امریکی اخباروں کے اندازہ کے مطابق ستر ہزار حرامی بچے پیدا ہوئے (بحوالہ المصری، 28 مارچ 1954ء) (2)۔ اب آپ خود اندازہ لگایئے کہ ایسی فوجِ ظفر موج اپنے سبز قدم جس سرزمین (خصوصاً دشمن ممالک) میں رکھے گی وہاں کیا حشر برپا ہوتا ہوگا۔

٦١؎ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ شیطان کا یہ قول الفاظ کا جامہ پہنے ہوئے نہ تھا بلکہ وسوسہ اندازی کی صورت میں تھا۔ اس نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا تھا کہ ان کی کامیابی یقینی ہے، ان کا یہ لشکرِ جرار مسلمانوں کے مٹھی بھر غیر مسلح سپاہیوں کا چشمِ زدن میں صفایا کر کے رکھ دے گا۔ اسی خمار میں لشکرِ کفار قدم قدم پر سبو انڈیلتا، ڈینگیں مارتا، شیخی بگھارتا بڑھتا چلا گیا اور جب حق

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 25
2۔ روزنامہ المصری، 28 مارچ 1954ء

إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنكُمْ إِنِّيٓ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ ۚ

مَیں بَری الذمہ ہُوں تم سے ۔ مَیں دیکھ رہا ہُوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے ۔ مَیں تو ڈرتا ہُوں اللہ سے ٦٢

وَٱللَّهُ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ إِذْ يَقُولُ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ

اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ۔ یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے

فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ

دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے ٦٣ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے

کی نڈر اور بیباک قوت سے مقابلہ ہوا تو سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ مَقَالَةٌ نَّفْسَانِيَّةٌ وَ الْمَعْنٰى اَنَّهُ اَلْقٰى فِىْ رُوْعِهِمْ وَخَيَّلَ اِلَيْهِمْ اَنَّهُمْ لَا يُغْلَبُوْنَ وَلَا يُطَاقُوْنَ لِكَثْرَةِ عَدَدِهِمْ وَعُدَدِهِمْ (بیضاوی) (1)

امام رازیؒ نے اس قول کو حضرت حسن بصری اور اصم کی طرف منسوب کیا ہے۔ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَ الْاَصَمِّ (کبیر) (2) علامہ ابوحیان الاندلسی نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ ممکن ہے کہ کسی مغرور کافر نے اپنے فوجیوں کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے یہ الفاظ منہ سے کہے بھی ہوں لیکن چونکہ اس کا یہ قول محض شیطان کے اغراء سے ہی ہوا اس لیے بطورِ مجاز اسے شیطان کی طرف ہی منسوب کر دیا (3) لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہونے لگا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں موقع پا کر بنی بکر اور کنانہ جن کا انہوں نے ایک آدمی قتل کیا ہوا تھا حلہ نہ بول دیں تو شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں ان کے پاس آیا اور انہیں اپنی قوم (کنانہ) کی طرف سے تسلی دی اور یہ الفاظ بھی کہے۔ (4)

٦٢ شیطان نے پہلے تو انہیں خوب بھڑکایا اور بڑی یقین دہانی کرائی کہ آج تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔ تمہارے لشکرِ جرار کے ساتھ ٹکر لینے کی کسی میں ہمت نہیں اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ میں تمہارا نگہبان ہوں۔ اگر تمہیں کسی کمک کی ضرورت پڑی تو میں مہیا کروں گا۔ لیکن جب اسلام کے شیروں نے کفر کی لومڑیوں پر حلہ بولا اور ان کی ایک ہی گرج سے کفار کے کلیجے شق ہونے لگے اور ادھر آسمان سے ملائکہ کی فوج نازل ہونے لگی تو شیطان نے یہ منظر دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی اور بلند آواز سے پکارا کہ اے مشرکینِ مکہ! میں تم سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ اس آڑے وقت میں میں تمہاری کچھ امداد نہیں کر سکتا۔ مجھے وہ چیزیں نظر آ رہی ہیں جن کو دیکھنے سے تمہاری آنکھیں قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر شیطان ان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دُم دبا کر بھاگ گیا۔ (5)

شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا رہا ہے۔ پہلے وہ ان کو خوب اُکساتا ہے، ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے، انہیں سنہری سپنے دکھاتا ہے اور جب وہ اس کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے گناہوں کی

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 242 — 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 180 — 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 504
4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 505۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 26 — 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 26

عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ

اللہ پر تو بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ٦٤ اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے

كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور کہتے ہیں اب) چکھو آگ

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

کا عذاب - یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے ٦٥ اور اللہ تعالیٰ ہرگز

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ

ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر جیسے دستور تھا فرعونیوں کا ٦٦ اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے

دلدل میں دھنسنے لگتے ہیں تو انہیں بے یارومددگار چھوڑ کر خود رفو چکر ہو جاتا ہے جو بدنصیب اس کے دامِ فریب میں پھنس جاتا ہے اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

٦٣ وہ لوگ جن کے دلوں میں یقین کا نور نہیں تھا۔ جو زندگی اور موت، فتح و شکست، عزت و ذلت کے اسلامی معیار سے ابھی واقف نہ تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ ۳۱۳ نہتے سپاہی اتنی بڑی فوج سے ٹکر لینے جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ان کو تو ان کے دین نے پاگل بنا دیا ہے، اپنے نفع و نقصان کی بھی تمیز نہیں رہی، موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہے ہیں اور کس خوشی سے اور کس شوق سے۔ اہلِ محبت کو ایسے دانا ناصحین سے ہمیشہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

يَا لَائِمِي كُفَّ الْمَلَامَ عَنِ الَّذِيْ ۔۔۔ اَضْنَاهُ طُوْلُ سِقَامِهٖ وَشِقَائِهٖ (1)

یعنی "اے مجھے ملامت کرنے والے! مجھ پر طعن و ملامت کے تیر نہ برسا۔ مجھے تو دردِ محبت اور دیرینہ علالت نے پہلے ہی نحیف و نزار کر دیا ہے"۔

٦٤ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ ان کی خود فراموشی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس قادر و توانا ذات پر تکیہ کر لیا ہے کہ جس پر جس نے تکیہ کیا وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔

٦٥ اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ جزاء و سزا انسان کے اپنے عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ کا نتیجہ ہے۔ کسی کو بلاوجہ کوئی سزا نہیں دی جاتی۔

1۔ شرح دیوانِ متنبی، قافیۃ الہمزۃ، ج 1، ص 129، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، لبنان

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ

تھے۔ انھوں نے کفر کیا آیاتِ الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انھیں اللہ نے انکے گناہوں کے باعث۔ بیشک اللہ قوت والا

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً

سخت عذاب دینے والا ہے ۶۷؎ یہ اس لیے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا

اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

جاننے والا ہے۔ ۶۸؎ (کفار مکہ کا طرز عمل بھی) فرعونیوں اور ان (سرکشوں) کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انھوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ

اپنے رب کی آیتوں کو ۶۹؎ پس ہم نے ہلاک کر دیا انھیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو

۶۶؎ یعنی جس طرح قومِ فرعون اور متعدد دوسری قوموں پر ان کی مسلسل نافرمانی اور پیہم ایذا رسانی کے باعث عذاب آیا اسی طرح ان کا بھی انجام ہونے والا ہے۔

۶۷؎ پہلی آیت میں تو یہ بتایا کہ ظلم وستم سے ذاتِ الٰہی پاک اور بالاتر ہے۔ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ بے بس اور کمزور بھی نہیں کہ کوئی اس کی نافرمانی کرتا رہے، اس کے رسولوں کو ستاتا رہے تو وہ کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ اگر اس کی رحمت کسی کو ڈھیل دیئے رکھے تو اس کی مہربانی اور اگر وہ ناراض ہو کر پکڑ لے تو پھر کوئی فرعون ہو یا نمرود، جمشید ہو یا فریدوں وہ چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور جب وہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہے تو پھر ماوشما کا تو کیا کہنا رستم وسہراب کا زہرہ آب ہو جاتا ہے۔

۶۸؎ یہ آیتِ کریمہ اتنی واضح اور روشن ہے کہ کسی مزید تشریح کی گنجائش نہیں۔ گزری ہوئی اور موجودہ قوموں کے عروج وزوال کے لیے یہی اٹل قانون ہے۔ جو چاہے اس کو گوشِ ہوش سے سنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔

۶۹؎ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عمدہ نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں: پہلی آیت میں ہے كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا)، دوسری آیت میں ہے كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا)۔ پہلی آیت میں اشارہ ہے دلائلِ توحید والوہیت کے انکار کی طرف اور دوسری میں تربیت وپرورش کی آیات کی طرف۔ اور

وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

اور (وہ) سب کے سب ظالم تھے ۔ بلاشبہ بدترین جانور ۵۵ اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنھوں نے

كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٥﴾ الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے ۔ وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا ۔ پھر وہ توڑتے رہے

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے ۔ پس اگر آپ پائیں ۵۶ انھیں

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾

(میدان) جنگ میں تو (انھیں عبرتناک سزا دے کر) منتشر کر دو انھیں جو ان کے پیچھے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں ۔ اور

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى

اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح

دونوں کا طبعی نتیجہ الگ الگ بیان کر دیا۔(1)

۵۵۔ ان سے مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبائل ہیں جن سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے صلح کا معاہدہ فرمایا تو انہوں نے کفار کو اسلحہ مہیا کر کے عہد شکنی کی۔ پھر تائب ہوئے اور دوبارہ معاہدہ کیا لیکن جب غزوۂ خندق میں سارا عرب مدینہ پر حملہ آور ہوا تو کفار کا پلہ بھاری دیکھ کر پھر یہ یہودی ان کی طرف جھک گئے اور عین حالتِ جنگ میں مسلمانوں سے دغا کی۔ وَالْمَعْنِيُّ بِهِمْ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيْرُ نَقَضُوا الْعَهْدَ فَأَعَانُوْا مُشْرِكِيْ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ ثُمَّ اعْتَذَرُوْا فَقَالُوْا نَسِيْنَا فَعَاهَدَهُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثَانِيَةً فَنَقَضُوا الْعَهْدَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ (قرطبی)۔(2)

۵۶۔ لغت میں تشرید کا معنی ہے ہلاک اور پراگندہ کرنا۔ اَلتَّشْرِيْدُ فِي اللُّغَةِ التَّبْدِيْدُ وَالتَّفْرِيْقُ (قرطبی) (3) لیکن اس کا عام استعمال اس مفہوم میں ہوتا ہے کہ کسی کو ایسی سزا دینا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ان کی راہ اختیار کرنے سے رک جائیں۔ الزُّجاج: اِفْعَلْ بِهِمْ فِعْلًا مِنَ الْقَتْلِ تُفَرِّقُ بِهِ مَنْ خَلْفَهُمْ (4) امام لغت و نحو زجاج کہتے ہیں کہ ان بار بار عہد شکنی کرنے والوں کو وہ عبرتناک سزا دو جو دوسروں کو خوفزدہ کر دے تا کہ کوئی قبیلہ عہد شکنی کی ہمت نہ کر سکے۔ ترجمہ میں میں نے اسی مفہوم کو ادا کرنے کی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 15، ص 88-187 | 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 30 | 3۔ ایضاً ص 31 | 4۔ ایضاً ص 31-30

سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ

طور پر ۲۷؎ بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو ۳۷؎ اور ہرگز نہ خیال کریں

كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے۔ یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے

کوشش کی ہے۔ ثَقِفَ کا معنی ہے پانا۔ یُقَالُ ثَقِفْتُهٗ اَثْقَفُهٗ ثَقْفًا اَیْ وَجَدْتُهٗ (قرطبی) (1)

۲۷؎ یہاں سَوَاء کا معنی ہے عَلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَوٍ قَصْدٍ (بحر محیط) (2)۔ یعنی اگر تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو اور تمہیں ایسے آثار دکھائی دینے لگیں جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہیں اور دشمن سے ساز باز کر رہے ہیں تو اچانک ان پر حملہ نہ کر دو بلکہ پہلے ان کو اطلاع دے دو کہ تمہاری شرارتوں اور تمہارے مشکوک رویہ کے پیشِ نظر ہم اس معاہدہ سے دستبردار ہیں تاکہ معاہدہ کے کالعدم ہونے کا تمہیں اور انہیں مساوی طور پر علم ہو۔ علامہ قرطبی نے وضاحت کی ہے کہ جب معاہد قوم سے ایسے آثار نمایاں ہوں جن سے ان کی غداری اور خیانت کا پتہ چلتا ہو تو پہلے ان کا معاہدہ ان کے منہ پر دے مارو تب ان کے خلاف کوئی کارروائی کرو۔ لیکن اگر کھلم کھلا انہوں نے عہد شکنی کر دی تو پھر کسی تکلف کی ضرورت نہیں تم مناسب قدم اٹھا سکتے ہو۔ (قرطبی) (3)

۳۷؎ خیانت کوئی بھی کرے اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اور بھی معیوب ہے کیونکہ وہ تو بلند اخلاقی قدروں کے محافظ اور نقیب بن کر آئے ہیں۔ تاریخ اسلامی کا یہ واقعہ کتنا رُوح پرور ہے جسے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور رُومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہوا۔ جب اس معاہدہ کے اختتام کا وقت قریب آنے لگا تو امیر معاویہ اپنا لشکر لے کر رُوم کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے تاکہ جس روز معاہدہ ختم ہو دشمن کو مزید مہلت دیئے بغیر اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جب لشکر روانہ ہونے لگا تو صفوں کو چیرتا ہوا ایک سوار آگے بڑھا۔ وہ کہہ رہا تھا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ (اللہ بڑا ہے اللہ بڑا ہے وعدہ پورا کیا جائے دھوکہ اور خیانت نہ کی جائے) لوگوں نے پہچانا تو وہ عمرو بن عنبسہ تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں پاس بلا کر وجہ پوچھی تو بولے سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَشُدَّ عُقْدَةً وَّلَا يَحُلَّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ اَمَدُهَا اَوْ يُنْبَذَ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ (قرطبی) (4) کہ "میں نے اپنے مُرشد و ہادی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس وقت تک نہ کوئی گرہ باندھے اور نہ کھولے جب تک وقتِ مقررہ نہ آ جائے یا ان سے معاہدہ منسوخ نہ کر دیا جائے۔ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی سننے کے بعد امیر معاویہ نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور اپنے لشکر سمیت اپنی فرودگاہ میں واپس چلے گئے"۔ یہ نہیں کہا کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم رسول کی سنتِ فرسودہ کو کہاں گلے لگائے پھریں۔ وقت کے تقاضے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم اب اس فرمان پر عمل پیرا ہوں۔ جب تک مومن اپنے رسولِ کریم کے فرمان کو واجب التسلیم یقین کرتا رہا اس کی جبین کے شکن دیکھ کر وقت کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 30
2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 509
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 32
4۔ ترمذی شریف، ج 1، ص 191، کتاب السیر باب ماجاء فی الغدر

مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

ہو، قوت وطاقت ۷۴؎ اور بندھے ہوئے گھوڑے ۷۵؎ تاکہ تم خوفزدہ کردو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا

کو اور دوسرے لوگوں کو ۷۶؎ ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انھیں (البتہ) اللہ جانتا ہے انھیں۔ اور جو چیز

تقاضے اپنے آپ کو بدل دیا کرتے تھے۔ اور جب سے سنتِ نبوی سے روگردانی کا رُجحان ترقی کرنے لگا ہے وقت کے تقاضے نت نئے لباس میں، ان کا عشوہ و ناز نت نئے انداز میں ہم سے ہماری اپنی ذات اور اس کی مخصوص روایات کی نفی کرا رہا ہے۔ جو قومیں اپنے تمدن و ثقافت، اپنے عقائد و نظریات، اپنے اطوار و عادات سے بے تعلق ہو کر دوسری قوموں کی پیروی اور تقلید کرنے لگتی ہیں، وہ یاد رکھیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود رہی ہیں۔ حسن و جمال اپنی ذات کی جلوہ نمائی میں ہے کسی کا بہروپ بدلنے میں نہیں۔ کوئی اچھا بہروپیا بہرحال بہروپیا ہی ہے۔

۷۴؎ ہر موقع پر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکّل کی تعلیم دینے والا قرآن مسلمانوں کو ہر طرح کے سامانِ جنگ سے لیس ہونے کی تاکید کر رہا ہے تاکہ کوئی کوتاہ اندیش توکّل کو بے عملی کا مترادف نہ سمجھ لے۔ اسباب بھی اسی نے بنائے ہیں۔ ان میں حیرت زا تاثیرات اسی کی حکمت نے رکھ دی ہیں اور ان سے کام لینے کا اسی نے حکم فرمایا ہے۔ قوۃ سے یہاں کسی خاص ہتھیار کی تخصیص مقصود نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے جنگ میں طاقت حاصل ہو۔ كُلُّ مَا يُتَقَوّٰى بِهٖ فِي الْحَرْبِ (بیضاوی) (1) امام ابوبکر جصاصؒ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں: عُمُوْمُ اللَّفْظِ شَامِلٌ لِجَمِيْعِ مَا يُسْتَعَانُ بِهٖ عَلَى الْعَدُوِّ مِنْ سَائِرِ اَنْوَاعِ السِّلَاحِ وَاٰلَاتِ الْحَرْبِ (احکام القرآن) (2)۔ یعنی لفظ کا عموم بتا رہا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ اسلحہ ہے (جدید ہو یا قدیم) جس سے جنگ میں قوت و طاقت میسر ہو سکے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لفظ ''قوۃ'' کی تفسیر ان الفاظ میں منقول ہے: اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ (3)۔ خبردار! قوت رمی ہے (تین بار)۔ کلامِ رسالت کی گیرائی ملاحظہ ہو، سہم اور قوس (تیر و کمان) نہیں فرمایا بلکہ رمی کا عام لفظ استعمال فرمایا تاکہ دُور سے نشانہ پر پھینکے جانے والے تمام ہتھیار جو اس وقت موجود تھے اور جو قیامت تک ایجاد ہونے والے تھے سب کو شامل ہو۔

۷۵؎ رباط مصدر ہے اور اسمِ مفعول مربوط کے معنی میں ہے (4)۔ یعنی وہ گھوڑے جو جہاد کی نیت سے بندھے ہوئے ہوں۔ تاکہ جب ضرورت پڑے ان پر سوار ہو کر غازی میدانِ جنگ کی راہ لیں۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عمدہ گھوڑوں سے بہت اُنس تھا۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز حضور کو دیکھا کہ گھوڑے کی پیشانی پر اپنی انگشت مبارک پھیر رہے ہیں اور زبانِ پاک سے فرما رہے ہیں: اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْاَجْرُ وَالْغَنِيْمَةُ (رواہ مسلم) (5) گھوڑوں کی پیشانیوں میں تا قیامت خیر و برکت رکھ دی گئی ہے اجر بھی اور غنیمت بھی۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 243 2۔ احکام القرآن للجصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 68 3۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ وذم من علمہ، ج 2، ص 143
4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 365 5۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الخیل وان الخیر معقود بنواصیہا، ج 2، ص 132

تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ

خرچ کرو گے راہِ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں ٧٧ اور (کسی طرح) تم پر

لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى

ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف ٧٨ اور بھروسہ کیجئے اللہ

اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ

تعالیٰ پر بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ

فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾

فکر مند کیوں ہوں) بیشک کافی ہے آپکو اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے ٧٩

٧٦ اسلام کے بعض دشمن تو وہ تھے جن کی دشمنی عیاں تھی اور مسلمانوں کو ان کا علم تھا۔ لیکن ان کے علاوہ اور بھی کئی بد باطن تھے جو مسلمانوں کی نگاہوں سے پنہاں سہی لیکن اللہ عزوجل کے علم سے تو پوشیدہ نہ تھے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ بعض نے روم اور ایران کا نام لیا ہے، بعض نے یہود اور منافقین کا (1)۔ لیکن اس تعیین کی کیا ضرورت؟ قیامت تک اس شمعِ حق کو بجھانے کی کوشش کرنے والی خدا معلوم کتنی قومیں، کس کس علاقہ سے اُٹھیں گی۔ سب کی سازشوں کو ناکام بنانا، سب کے منصوبوں کو خاک میں ملانا امتِ مسلمہ کا فرضِ اوّلین ہے۔

٧٧ جان و مال، وقت اور کوشش کی جو قربانی تم دو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ دین و دنیا میں تمہیں اس کا وہ معاوضہ دیا جائے گا جو اس مولائے کریم کی شانِ جود و کرم کے شایاں ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک آدمی ایک اونٹنی کو نکیل ڈالے ہوئے بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ یہ اللہ کی راہ میں میں نے دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَكَ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ (مسلم) (2) یعنی اس کے بدلے قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔ ہر ایک کی ناک میں نکیل پڑی ہوگی۔

٧٨ اگر کفار جنگ کے بجائے صلح پر آمادہ ہوں تو تمہیں بھی چاہیے کہ خونریزی سے ہاتھ اُٹھا لو اور صلح کر لو۔ فَاجْنَحْ کا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے۔ یعنی امامِ وقت کو اجازت ہے کہ اگر وہ صلح میں مصلحت سمجھے تو صلح کرے۔ اَلْاَمْرُ لِلْاِبَاحَةِ وَالصُّلْحُ جَائِزٌ مَشْرُوْعٌ اِنْ رَاَی الْاِمَامُ فِیْهِ مَصْلِحَةً (مظہری) (3)۔ لفظِ سلم مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اسی لیے لَهَا ضمیر مؤنث اس کی طرف راجع ہے۔ یُذَكَّرُ وَیُؤَنَّثُ (تاج العروس) (4)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص108 (ماخوذ)
2۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ وتضعیفہا، ج2، ص137
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج4، ص109
4۔ تاج العروس، ج8، ص337

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اسی نے اُلفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں ۸۰ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو

مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ

نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُلفت پیدا کر دی ان کے درمیان ۸۱ بلاشبہ وہ

حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

زبردست ہے حکمت والا ہے اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے ۸۲

۷۹ اگر وہ بظاہر صلح پر آمادہ ہوں اور اندر ہی اندر تمہیں زک پہنچانے کی تیاریاں کر رہے ہوں تب بھی تم صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کو جھٹک نہ دو بلکہ اسے گرم جوشی سے تھام لو۔ اللہ تعالیٰ جس نے پہلے بھی ہر مشکل میں تمہاری اعانت کی ہے وہ اب بھی قادر ہے کہ تمہارے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے اور تمہیں کامیاب کر دے۔

ان دو آیتوں پر غور فرمائیے! آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام صلح و امن اور سلامتی کا دین ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو فقط اس وقت جنگ کی اجازت دیتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر اب جنگ سے گریز کیا گیا تو باطل کا بے رحم ہاتھ حق کے شجرِ ثمر بار کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ ان حالات میں جہاد سے فرار صلح پسندی کی علامت نہیں بلکہ بزدلی اور نامردی ہے جسے اسلام اپنے فرزندوں کے لیے ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

۸۰ عرب کے سارے جزیرہ میں ہر طرف نفرت اور عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مزاج اتنے آوارہ اور جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑائی ٹھن جاتی اور صدیوں قتل و غارت کا بازار گرم رہتا۔ خصوصاً اوس و خزرج کی دشمنی نے تو اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ ان کی مصالحت کا امکان تک نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ میں آمد سے دو سال پہلے ان کے درمیان خونریز معرکہ ہوا تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو بالکل نیست و نابود کرنے کا عزم کر کے میدان میں نکلے تھے۔ تاریخ میں یہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح ہر طرف نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے اور ہر سمت بغض و کینہ کے انگارے دہک رہے تھے۔ جب صلح و محبت کا پیامبر تشریف لایا، تھوڑے عرصہ میں ہی دلوں کی دُنیا میں انقلاب آ گیا، بغض و عناد کی جگہ محبت و اخلاص نے لے لی۔ مولانا عثمانی نے کیا خوب لکھا ہے: ”خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی اُلفت دوسرے کے دل میں ڈال دی اور پھر سب کی اُلفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور کی ذاتِ منبع البرکات کو بنا دیا“۔(1)

۸۱ وہ دل جو نفرت سے بھرے ہوئے تھے ان میں اُلفت پیدا کر دینا اور ایک دوسرے کا جاں نثار بنا دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دنیا بھر کے خزانے بھی اگر اس مقصد کے حصول کے لیے خرچ کر دیئے جاتے تب بھی یہ چاک رفو نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ محض

1۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 239

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اَے نبیؐ! برانگیختہ کیجیے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم سے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم میں سے

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

سو آدمی (صبر کرنیوالے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر ۸۳ کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ۸۴ (اے مسلمانو!)

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ

اب تخفیف کر دی ہے ۸۵ اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ تو اگر ہوئے تم میں سے

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے عداوت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھا دیا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔

۸۲ وَمَنِ اتَّبَعَكَ کا عطف اللہ پر بھی ہو سکتا ہے اور حَسْبُكَ کے کاف خطاب پر بھی۔ علمائے کرام نے دونوں وجہیں جائز رکھی ہیں (1)۔ تفسیر قرطبی کے محشی نے ایک تیسری وجہ بھی لکھی ہے جسے احسن الوجوہ کہا ہے کہ یہاں کلام میں اضمار ہے اور تقدیر کلام یوں ہے: حَسْبُكَ اللّٰهُ وَحَسْبُكَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (2)۔ معنی کے لحاظ سے اس میں اور پہلی وجہ میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی اے حبیب! آپ کی نصرت و اعانت کے لیے اللہ اور آپ کے مومن غلام کافی ہیں۔ آپ کو کسی غیر کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۸۳ یعنی اگر مسلمان صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں گے تو اپنے سے دس گنا لشکرِ کفار پر غالب آئیں گے۔ یہ جملہ اگرچہ خبریہ ہے لیکن معنوی لحاظ سے امر ہے کہ مسلمان دس گنا طاقت کے سامنے ڈٹ جائیں اور قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ کافر اپنی تعداد کی کثرت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکیں گے۔

۸۴ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ایسے بلند مقصد کے لیے جنگ کر رہے ہیں جو انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دینِ الٰہی کے نفاذ سے مظلوم انسانیت کی دادرسی ہوگی، باطل خداؤں کی عظمت کا تخت اُلٹ دینے سے حُریت و مساوات کا پرچم لہرائے گا۔ اپنے مقصد کی عظمت پر یقین اور اس کے لیے ہر قربانی پر ماجور ہونے کا ایمان ان کے دلوں کو تقویت اور ان کے قدموں کو ثبات بخشے گا اور وہ بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن کفار کی یہ ترک تازی اور یہ جنگ آزمائی کسی بلند اور عظیم مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض تعصب و عناد کا نتیجہ ہے۔ اس لیے وہ معنوی قوت ان میں مفقود ہے جو

1۔ ماخوذ از حاشیہ تفسیر قرطبی، ج 8، ص 43 2۔ ایضاً، حاشیہ 2

مِّنكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ

سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوتے تم میں سے

أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾

ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۸۶

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ

نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی ۸۷ یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین

کامیابی کے لیے شرطِ اوّل ہے۔

۸۵ سابقہ حکم کے کچھ عرصہ بعد دوسرا حکم نازل ہوا۔ اور پہلے حکم میں تخفیف کردی گئی اور صرف اپنے سے دُگنی تعداد کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حکم دیا گیا۔

۸۶ بہر حال یہ امر پیشِ نظر رہے کہ یہ وعدہ نام نہاد مسلمانوں سے نہیں جو مصیبت اور آزمائش کے لمحات میں ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں بلکہ ان سچے اہلِ ایمان سے ہے جو راہِ حق میں پیش آنے والی ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ حالات کی سنگینیوں میں ان کا جوشِ ایمانی بڑھ جاتا ہے اور دشمن کی قوت و تعداد کو دیکھ کر وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور فولادی چٹان بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۸۷ علامہ قرطبیؒ اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میدانِ بدر میں کفار کے قدم اکھڑے اور وہاں سے بھاگ نکلے تو بجائے اس کے کہ مسلمان اسی جوش و خروش سے ان کا تعاقب کرتے اور کفر و شرک کے ان سرغنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جاتی اور اس کے پرستاروں کی قوت و نخوت بالکل دم توڑ دیتی، وہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے اور قیدیوں کو جکڑ بند کرنے میں مشغول ہو گئے اور مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے بڑے بڑے کافر جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے اور سالہا سال تک مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث بنے رہے۔ اگر اس روز مالِ غنیمت جمع کرنے کے بجائے ان کفار کا قلع قمع کر دیا جاتا تو کفر کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو جاتا۔ جب حضرات سعد بن معاذ، عمر بن خطاب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کو غنیمت سمیٹتے ہوئے دیکھا تو ان بزرگواروں کو سخت ناگوار گزرا۔ علامہ قرطبی کی عبارت نقل کرنے میں اگرچہ طوالت ہے لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں، فرماتے ہیں: وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ بَدْرٍ، عِتَابًا مِّنَ اللّٰهِ لِاَصْحَابِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَعْنٰى مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَكُمْ اَنْ تَفْعَلُوْا هٰذَا الْفِعْلَ الَّذِيْ اَوْجَبَ اَنْ يَّكُوْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرٰى قَبْلَ الْاِثْخَانِ وَلَهُمْ هٰذَا الْاِخْبَارُ بِقَوْلِهٖ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَاْمُرْ بِاسْتِبْقَاءِ

تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ

میں ۸۷ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ

الرِّجَالِ وَقْتَ الْحَرْبِ۔ وَلَا اَرَادَ قَطُّ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاِنَّمَا فَعَلَهٗ جُمْهُوْرُ مُبَاشِرِي الْحَرْبِ فَالتَّوْبِيْخُ وَ الْعِتَابُ اِنَّمَا كَانَ مُتَوَجِّهًا بِسَبَبِ مَنْ اَشَارَ عَلَى النَّبِيِّ بِاَخْذِ الْفِدْيَةِ هٰذَا اَقْوَلُ اَكْثَرِ الْمُفَسِّرِيْنَ وَهُوَ الَّذِيْ لَا يَصِحُّ غَيْرُهٗ۔ (1)

ترجمہ: یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ پر عتاب فرمایا جارہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انہیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے۔ تم دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاع دُنیا کو کبھی لائق اعتناء سمجھا۔ یہ غلطی عام مجاہدین سے سرزد ہوئی۔ پس یہ عتاب انہیں لوگوں پر ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔ علامہ قرطبیؒ آخر میں فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اور اس کے بغیر اس آیت کی کوئی توجیہ درست نہیں"۔

توضیح مرام کے لیے مولانا مودودی کی یہ عبارت بہت مفید ہے۔ اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ "میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں یہ اشارہ ہوا تھا کہ فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا (2)۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رُو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دُور تک تعاقب کیا۔ حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اُسی روز خاتمہ ہوگیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرمارہا ہے۔ اور یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے۔" (تفہیم القرآن جلد دوم) (3)

۸۸ اثخان کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا گاڑھا ہوجانا تاکہ وہ بہ نہ سکے۔ يُقَالُ ثَخُنَ الشَّيْءُ فَهُوَ ثَخِيْنٌ اِذَا غَلُظَ وَلَمْ يَسِلْ (مفردات) (4) ویسے اس کا استعمال کثرتِ قتل اور غلبہ اور تسلط جو کثرتِ قتل کا نتیجہ ہے، کے معانی میں بھی ہوتا ہے۔ وَالْاِثْخَانُ كَثْرَةُ الْقَتْلِ وَ قِيْلَ حَتّٰى يُثْخِنَ: يَتَمَكَّنَ وَ قِيْلَ الْاِثْخَانُ الْقُوَّةُ وَالشِّدَّةُ (قرطبی) (5) اور صاحب تاج العروس اس لفظ کی مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَ اَثْخَنَ فِي الْعَدُوِّ وَ بَالَغَ فِي الْجِرَاحَةِ فِيْهِمْ۔ وَ اَثْخَنَ فُلَانًا اَوْهَنَهٗ وَفِي الصِّحَاحِ اَثْخَنَتْهُ الْجِرَاحَةُ اَوْ هَنَتْهُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ اَيْ غَلَبْتُمُوْهُمْ وَ كَثُرَ فِيْهِمُ الْجِرَاحُ (تاج العروس)۔ (6)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 46-45
2۔ سورۂ محمد: 4
3۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 159
4۔ مفردات راغب، ص 172
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 52
6۔ تاج العروس، ج 9، ص 155

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ

بڑا غالب (اور) دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکمِ الٰہی پہلے سے (کہ خطاءِ اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں

اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا

بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ

وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اے نبی کریم! آپ فرمائیے ٨٩

ع ٥

ترجمہ: جب دشمن کو سخت زخمی کیا جائے تو کہتے ہیں اَثْخَنَ فِی الْعَدُوِّ اور اس کا معنی کمزور کرنا بھی ہے۔ صحاح میں ہے اَثْخَنَتْهُ الْجِرَاحَةُ اسے زخموں نے کمزور کر دیا۔ قرآنِ کریم کی اس آیت کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ وہ زخموں سے چور چور ہو گئے اور تم ان پر غالب آ گئے۔

٨٩ اہلِ مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ روانہ کیا۔ چچا عباس نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے اسلام کو جانتا ہے۔ اگر تمہارا دعویٰ اسلام درست ہے تو اس فدیہ کا تمہیں اچھا بدلہ مل جائے گا۔ لیکن کیونکہ تم بظاہر کفار کے ساتھ بدر میں آئے ہو اس لیے فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔ عباس نے عرض کی کہ میرے پاس تو کچھ نہیں، میں کہاں سے لاؤں؟ نبی مرسل نے فرمایا: فَاَیْنَ الْمَالُ الَّذِیْ دَفَنْتَهٗ اَنْتَ وَ اُمُّ الْفَضْلِ فَقُلْتَ لَهَا اِنْ اُصِبْتُ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا فَهٰذَا الْمَالُ لِبَنِیَّ فَضْلٍ وَّ عَبْدِاللّٰهِ وَقُثَمَ: ''وہ مال کہاں گیا؟ جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے فلاں جگہ دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا اگر میں اس سفر میں مارا جاؤں تو یہ مال میرے بچوں فضل، عبداللہ اور قثم کو دے دینا''۔ عباسؓ سراپا تصویرِ حیرت بن کر رہ گئے اور گویا ہوئے: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا شَیْءٌ مَّا عَلِمَهٗ غَیْرِیْ وَ غَیْرُ اُمِّ الْفَضْلِ (1): میں مان گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں کیونکہ جس چیز کی خبر آپ نے دی اس کا علم تو بجز میرے اور ام الفضل کے اور کسی کو نہ تھا۔ چنانچہ جہاں دوسرے قیدیوں سے بیس اوقیہ فدیہ لیا گیا وہاں آپ سے سو اوقیہ سونا لیا گیا۔ اس کے علاوہ اپنے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل اور اپنے حلیف عتبہ کا زرِ فدیہ بھی انہیں ہی ادا کرنا پڑا۔ آپ کے اور آپ کے مثل دوسرے اسیروں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبیؒ و دیگر تفاسیر)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 52۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج 3، ص 142، دار الکتب العلمیہ، بیروت

لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ

ان قیدیوں سے جو تمھارے قبضہ میں ہیں ۔ اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں

خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ

کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تھیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمھارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ

غفور رحیم ہے ۔ اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انھوں نے تو دھوکہ کیا

مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لیے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو دے دیا (تھیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔ یقیناً جو لوگ

اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ

ایمان لائے، ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں

اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ

اور وہ جنھوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں نمبر۹۰

نمبر۹۰ اس آیت میں ملتِ اسلامیہ کے مختلف گروہوں کا ان کی اپنی الگ نوعیت کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے باہمی دینی، سیاسی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت اسلام کی عادلانہ خارجہ پالیسی کا ستون قرار دی گئی ہے۔ وَھٰذَا الْحُکْمُ مِنْ اَرْکَانِ سِیَاسَةِ الْاِسْلَامِ الْخَارِجِیَّةِ الْعَادِلَةِ (المنار)(1) اس وقت اسلامی معاشرہ مختلف عناصر پر مشتمل تھا۔ (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) وہ لوگ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے لیکن دارالکفر میں رہائش پر رضامند تھے۔ ان کی بھی دو قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ مسلمان جو ایسی کافر حکومت کی رعایا ہوں جس کے درمیان اور حکومتِ اسلامیہ کے درمیان دوستی اور صلح کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔ دوسرے وہ مسلمان جو ایسی کافر حکومت کی رعایا ہوں جس کا اسلامی حکومت کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ اب ان مختلف عناصر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس کا بھی تفصیلاً ذکر کر دیا گیا کہ مہاجرین اور

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 128

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی ۔ نہیں تمہارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز

شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں ۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور انکے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہوچکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٧٢ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں ۹۱

انصار میں تو کامل موالات ہوگی۔ ایک دوسرے کی ہر طرح اعانت اور ہر خطرہ سے ایک دوسرے کی حفاظت لازمی ہوگی۔ اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ لیکن وہ مسلمان جو کافر حکومت کی رعایا ہیں ان کے درمیان اور دار الاسلام کے اہلِ اسلام کے درمیان اسلامی اور دینی اخوت تو ہوگی لیکن سیاسی بھائی چارہ نہ ہوگا۔ ان کی حفاظت اور اعانت کی کوئی ذمہ داری خلیفہء وقت پر نہ ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے دارِ حرب کو اپنا وطن بنا کر یہ حق بخوشی ضائع کر دیا ہے۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ لیکن اگر دینی لحاظ سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے مثلاً انہیں ترکِ اسلام پر یا شعائرِ اسلام کی توہین پر مجبور کیا جائے تو پھر اگر اس کافر حکومت کا اسلامی حکومت سے کوئی معاہدہ نہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی مظلوم بھائیوں کی امداد کریں۔ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ۔ لیکن اگر اس کافر حکومت سے دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر اس معاہدہ کا احترام ضروری ہے۔ لیکن مسلمان قیدی یا کمزور اور ضعیف لوگ جو دارِ کفر میں مجبوراً اقامت گزین ہیں ان کی رہائی بالاتفاق تمام اہلِ اسلام پر فرض ہے۔ قَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ اِلَّا اَنْ يَكُوْنُوْا اُسَرَاءَ مُسْتَضْعَفِيْنَ فَاِنَّ الْوَلَايَةَ مَعَهُمْ قَائِمَةٌ وَّ النُّصْرَةَ لَهُمْ وَاجِبَةٌ حَتّٰى لَا تَبْقٰى مِنَّا عَيْنٌ تَطْرِفُ الخ (قرطبی)(1)۔ ترجمہ: امام ابنِ عربی فرماتے ہیں اگر مسلمان دارِ کفر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوں، کمزور اور ضعیف ہوں، اپنا بچاؤ کرنے سے عاجز ہوں تو پھر موالات باقی رہے گی۔ اور جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی جھپک رہی ہو ان کی اعانت اور نصرت ہم پر فرض ہوگی۔

۹۱ قرآنِ کریم نے انسانی معاشرہ کو نسل، زبان، دولت اور منصب کی بنیادوں پر تقسیم نہیں کیا۔ یہاں معاشرہ کی تقسیم کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے۔ مومنین بلا امتیاز نسل، زبان، ملک ایک طبقہ ہیں اور کفار اسی طرح ایک الگ طبقہ ہیں۔ یہی انسانی معاشرہ کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 57

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَ

اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائیگا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد ۹۲ اور جو

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

ایمان لاتے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں اور جنھوں نے

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَّ

پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں ۹۳ انھیں کے لیے بخشش ہے اور

رِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

باعزت روزی ۹۴ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا

صحیح تقسیم ہے جسے عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے۔ اِسی حقیقت کو یہاں وضاحت سے بیان فرما دیا۔

۹۲ اس جملہ سے مذکورہ احکامِ الٰہیہ کی حکمت بیان فرما دی کہ اگر تم امن وسلامتی کی آرزو رکھتے ہو تو ان ارشاداتِ ربانی پر شرحِ صدر سے عمل کرو۔ ورنہ فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی اور تمہاری ترقی اور خوشحالی کے سارے منصوبوں کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ تمہارا ذہنی سکون بھی تم سے چھن جائے گا اور مسرت وشادمانی کے جملہ پروگرام بھی تلپٹ ہو جائیں گے۔ ان احکام کی بجا آوری سے تم اپنے خداوندِ کریم کو بھی راضی کر لو گے اور اپنی دنیوی زندگی کو بھی ہر قسم کی کامیابیوں سے ہمکنار کر لو گے۔

۹۳ حبیبِ کبریا علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل التحیۃ واجمل الثناء کے صحابہ کرام کو بارگاہِ الٰہی سے أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا کا جو لقب عطا کیا جا رہا ہے یہ ان کی عمر بھر کی قربانیوں، دلسوزیوں اور نیازمندیوں کا بہترین صلہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے مومنِ برحق ہونے پر شاہد ہے تو پھر کیا انہیں کسی دوسرے گواہ کی گواہی کی بھی حاجت ہے؟ وہ اس لیے تو ایمان لائے ہی نہ تھے کہ چودھویں صدی کا بے عمل، خود فراموش اور خدا فریب مسلمان انہیں ایمان کا سرٹیفکیٹ مرحمت فرما دے۔ اے شمعِ توحید کے پروانو! اے محبوبِ خدا کے عاشقانِ دلفگار! اور اے ناموسِ اسلام کے جوانمرد پاسبانو! مبارک! صد مبارک! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تم جیسا دل اور تم جیسی نگاہ بخشے اور تمہارے نقوشِ پا کو خضرِ راہ بنانے کی سمجھ عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

۹۴ مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرما کر انہیں دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ مند فرما دیا۔ یعنی اے میرے حبیب کے جانباز صحابہ اور سرفروش ساتھیو! قیصر وکسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں گے اور اگر کوئی غلطی تم سے سرزد ہو گئی تو اسے بخش دیا جائے گا۔ اب ہم خود غور کریں جن کی لغزشوں کی بخشش کا ربِ کریم نے وعدہ فرما دیا ہے تو ہم میں سے کسی کو

مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں ۹۵ اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾

حکمِ الٰہی کے مطابق ۹۶ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

ان پر انگشت نمائی کا حق پہنچتا ہے؟

۹۵ یعنی صلح حُدَیبیہ سے پہلے ہجرت کرنے والوں اور نصرتِ دین کے لیے سر بکف میدان میں آنے والوں کا مقام بے شک بہت بلند ہے لیکن اس کے بعد بھی جو ہجرت کر کے آیا اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا وہ بھی احکامِ شرعیہ اور دیگر تمام سیاسی حقوق میں یکساں ہیں۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی نصرت بھی ضروری ہوگی اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔

۹۶ ہجرت کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں جو بھائی چارہ اور مؤاخات قائم کی تھی اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ اس آیت میں توارث کا یہ طریقہ منسوخ قرار دے دیا گیا اور صرف قریبی رشتہ داروں میں وراثت محدود کر دی گئی۔

سُورَةُ التَّوْبَة

اس سورۂ پاک کے متعدد نام منقول ہیں لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں، التوبۃ اور البراءۃ۔ کیونکہ اس میں چند مخلص اہلِ ایمان کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے اس لیے اسے توبہ کہا گیا اور کیونکہ اس میں مشرکینِ عرب کے ساتھ جتنے سابقہ معاہدے تھے ان کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا گیا اس لیے اسے براءت کہا گیا۔ یہ سورت سولہ رکوعوں، ایک سو انتیس آیتوں اور چار ہزار اٹھتر کلمات پر مشتمل ہے۔

نزول: باتفاقِ علماء یہ سورت مدنی ہے(1)۔ اس میں مذکورہ واقعات کو بنظرِ غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت ۹ ھ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ غزوۂ تبوک جس کا ذکر یہاں بڑی شرح و بسط سے کیا گیا ہے وہ ماہِ رجب ۹ ھ میں ہوا اور مشرکین سے عام بیزاری اور قطعِ تعلقات کا اعلان بھی اس حج کے موقع پر کیا گیا جو ذی الحجہ ۹ ھ میں ادا کیا گیا۔ اگرچہ غزوۂ تبوک سے متعلقہ آیات کا نزول اعلانِ براءت والی آیات سے پہلے ہوا لیکن مؤخر الذکر کی اہمیت کے پیشِ نظر ترتیبِ قرآنی میں اسے مقدم رکھا گیا۔ قَالَ الْقُشَيْرِيُّ هٰذِهِ السُّوْرَةُ نَزَلَتْ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَنَزَلَتْ بَعْدَهَا (قرطبی)(2)

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں لکھی جاتی۔ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ کیونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے آغاز میں بِسْمِ اللهِ لکھنے کا حکم نہیں دیا اس لیے نہیں لکھی گئی۔ وَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْبَسْمَلَةَ لَمْ تُكْتَبْ لِاَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا نَزَلَ بِهَا فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ (قرطبی)(3)

مضامین سورت: مکہ جو اب تک کفر و شرک کا ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا ۸ ھ میں فتح ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بے خانماں مہاجروں اور انصار نے پھر حرمِ خلیل میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عرب کے بیشتر قبائل خود بخود آ کر مشرف باسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا اثر و نفوذ جزیرہ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی محسوس ہونے لگا۔ عرب خصوصاً حجاز کا بے آب و گیاہ خطہ کسی فاتح کے لیے اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے دائیں بائیں دو جابر سلطنتیں ہونے کے باوجود کسی نے اس کو زیرِ نگین کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں کے داخلی حالات سے بھی انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت سے جو انقلاب رُو پذیر ہو رہا تھا اس کی اطلاعیں وقتاً فوقتاً قیصرِ روم تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ ایک داخلی معاملہ ہے اور اس میں اتنی تاب نہیں کہ کسی دن اس کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکے۔ لیکن اسی اثنا میں چند واقعات ایسے رُونما ہوئے جنہوں نے اسے اس نئی طاقت

1۔ الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی، ج 4، جز 8، ص 61 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 63

کی اہمیت کا احساس دلا دیا۔

دوسرے بادشاہوں کی طرح حضور علیہ السلام نے بُصریٰ کے حاکم شرحبیل کی طرف بھی دعوتِ اسلام دینے کے لیے اپنا مکتوب اپنے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا۔ لیکن شرحبیل نے اُسے قتل کر دیا۔ ذات الطلح کے باشندے مدینہ طیبہ سے پندرہ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ اس غرض سے لے آئے کہ وہ انہیں دینِ اسلام سکھائیں گے لیکن انہوں نے بھی غدر کیا اور ان مسلمانوں کو سوائے ایک کے شہید کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شہداء کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بنؓ حارثہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ شرحبیل ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا۔ اور ہرقل کا بھائی تھیوڈور بھی ایک لاکھ کا لشکرِ جرار لے کر اس کی امداد کو آپہنچا۔ تین ہزار مجاہدین کے سامنے اب دولاکھ فوج صف بستہ تھی۔ مسلمان بھی کب ٹلنے والے تھے۔ جنگ شروع ہوئی۔ یکے بعد دیگرے تین مسلمان جرنیلوں زیدؓ بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا تھاما اور اس بے جگری اور جانبازی سے اپنے سے چھیاسٹھ گنا فوج کا مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اب ہرقل کی آنکھیں کھلیں کہ عرب کے جن صحرانوردوں کو وہ خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا ان کے بازو اتنے مضبوط اور ان کی تلواریں اتنی تیز ہیں کہ اس کی دو لاکھ فوج بھی انہیں شکست نہ دے سکی۔ انہیں دنوں میں یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ ہرقل کی عرب فوج کا ایک اعلیٰ افسر فروہ بن عمرو جذامی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ ہرقل نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یا تو اس نئے دین سے تائب ہو کر اپنا سابقہ مذہب (عیسائیت) اختیار کر لو ورنہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس نے بڑی خوشی سے جان دے دی لیکن اپنے ایمان سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ ان واقعات نے ہرقل کو چوکنا کر دیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی مسلمانوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دے گا۔ چنانچہ اس نے زور وشور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خود بڑھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ دُور بین دُور افق پر نمودار ہونے والے فتنہ وفساد کے بادلوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی؟ چنانچہ حضور نے بھی شام پر چڑھائی کا عزم فرمالیا۔ حالات بڑے ناساز گار تھے۔ ملک میں عام قحط سالی کا دَور دَورہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا، چلچلاتی دھوپ اور جُھلسا دینے والی لُو غضب ڈھا رہی تھی۔ ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں جب جہاد پر جانے کا حکم ہوا تو شدت کی گرمی تھی۔ باغات میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ کھجوریں کھانے، ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔

جب جنگ کی تیاری کا حکم ہوا تو مردانِ وفا کیش تو بلا تامل تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہو گئے۔ اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مالی امداد بھی کی۔ عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں اور گلے کے ہار تک اُتار کر پیش کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے ہزارہا اشرفیاں لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ حضرت صدیقؓ نے اپنی عمر بھر کا اندوختہ اُٹھا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر کر دیا۔ لیکن ان سرفروشوں اور جاں نثاروں کے علاوہ کئی اور عناصر بھی تھے۔ ایک عنصر منافقین کا تھا وہ بھلا کب ان زحمتوں اور صعوبتوں کو گوارا کرنے والے تھے۔ طرح طرح کے جھوٹے اور بے سروپا بہانے پیش کرتے اور حضور ان

عہد رسالت میں مشہور عرب قبائل کے مساکن

(ساتویں صدی عیسوی)

سے صرفِ نظر کر لیتے۔ یہ لوگ اور دوسرے مُشرک دل ہی دل میں بڑے خوش تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان اب بچ کر واپس نہیں آئیں گے بلکہ قیصر کی افواجِ قاہرہ انہیں کاٹ کر رکھ دیں گی اور اس طرح اسلام کا چراغ بجھ جائے گا۔ ان کی ساری امیدیں اب اس جنگ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

آخر تیس ہزار کا یہ لشکر اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کی قیادت میں اپنے مولائے کریم کا نام بلند کرنے کے لیے اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا گاڑنے کے لیے موسم کی اس ناسازگاری کے باوجود، سامانِ خورونوش کی قلت اور سواریوں کی کمیابی کے باوجود دنیا کی ایک عظیم ترین طاقت سے ٹکر لینے کے لیے روانہ ہوا۔ عشاقِ باصفا کا یہ کارواں تپتے ہوئے ریگستانوں کو پرنیاں وحریر سمجھتا ہوا، نوکِ خارِ مغیلاں سے اپنی آبلہ پائی کا درماں کرتا ہوا، بادِ سموم کو نسیمِ لطف وعنایت تصور کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا اور تبوک کے مقام پر جا کر خیمہ زن ہوا۔

قیصر کو جب اطلاع ملی کہ جن کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے وہ حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا وہ جوانمرد اپنے فقر و درویشی سے مسلح ہو کر اس کی طاقت وسطوت کو اس کے اپنے ملک میں اور اس کے اپنے گھر میں للکارنے آ گئے ہیں تو اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنی فوجوں کو سرحد سے ہٹا لے اور اپنے شہروں میں قلعہ بند ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیس روز تک وہاں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنا باجگزار بنایا۔ چنانچہ جرباء، اذرح اور عمان کے لوگوں نے جزیہ دینے پر صلح کی۔ ایلہ کا عیسائی حکمران یوحنا دربارِ رسالت میں آ کر صلح کا خواہاں ہوا اور تین سو دینار سالانہ ادا کرنے پر مصالحت کی۔ دومۃ الجندل کے عیسائی حاکم اُکیدر پر حملہ کرنے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ اس کو قید کر کے اور بہت سامالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔ اگرچہ رُوم کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی لیکن اس مہم سے اسلام کی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ سلطنت رُوم کی سرحد کے ساتھ ساتھ جتنے عرب قبائل تھے یا تو وہ مسلمان ہو گئے یا باجگزار۔ اس طرح عرب کی یہ سرحد دشمن کی یلغار سے محفوظ ہو گئی۔ نیز قیصر اور اس کے اعوان وانصار کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ مسلمان ایک تر نوالہ ہیں جب ان کی مرضی ہو گی وہ انہیں نگل جائیں گے۔ اس کے علاوہ تمام عرب قبائل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور بیچارے منافقین اور اِسلام کے تمام بدخواہوں کی آرزوؤں پر تو پانی پھر گیا۔ اور بڑی مدت کے بعد امید کی جو کرن انہیں اُفق پر نظر آئی تھی وہ بھی مایوسی کے گھپ اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئی۔ غزوۂ تبوک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا جو اپنی اہمیت میں کسی سے کم نہیں کہ منافقین بے نقاب ہو گئے اور جو مراعات ان کے ساتھ پہلے روا رکھی جاتی تھیں ان سے وہ محروم کر دیئے گئے۔

دوسرا اہم واقعہ جس کا ذکر اس سورت میں کیا گیا ہے وہ مشرکین اور کفار کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ کوشش فرمائی کہ تمام غیر مسلم قوموں کے ساتھ صلح وسلامتی سے رہیں۔ اسی مقصد کے لیے ان کے ساتھ صلح کے معاہدے کیے گئے۔ لیکن فریقِ ثانی نے ان کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور جب کبھی موقع ملا عہد شکنی کر دی۔ اسی سال ماہ ذی قعد میں مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ امیر الحج حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس قافلہ کی روانگی کے بعد اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ کیونکہ مجمع عام میں ان کا اعلان کرنا ضروری تھا اور حج کے موقع

پر عرب کے اطراف واکناف سے لوگ جمع ہونے والے تھے اس لیے حضور نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے روانہ فرمایا تاکہ حج کے روز یہ اعلانِ عام کر دیا جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تمام کفار سے کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ نہیں کی جارہی بلکہ ان قوموں کے معاہدوں کی تنسیخ کا اعلان کیا جارہا ہے جنہوں نے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ چنانچہ آیت ۴ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اب جب کہ عرب کے طول وعرض میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا تو ضروری تھا کہ کعبۂ مقدسہ سے کفار کی تولیت ختم کر دی جائے اور اہلِ ایمان کو اس کا متولی بنایا جائے۔ چنانچہ یہ حکم بھی فرمادیا کہ آج کے بعد مسلمان ہی کعبہ اور مسجدِ حرام کی خدمت انجام دیا کریں گے۔

ابھی تک مشرکین حرمِ کعبہ میں آکر اپنی سابقہ مشرکانہ رسوم ادا کیا کرتے تھے۔ اب یہ کیونکر مناسب تھا کہ اسلام کے برسرِ اقتدار آجانے کے بعد بھی اس حریمِ قدس میں مشرکانہ رسوم ادا ہوں جسے اس کے تعمیر کرنے والے نے محض اس لیے تعمیر کیا تھا کہ اس میں خدائے واحد کی عبادت کی جائے۔ اس لیے اس سال سے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ انہیں امور کے متعلق ضمنی بحثیں اور بھی ہیں۔ اپنے اپنے مقام پر ان کی وضاحت کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۃ توبہ مدنی ہے - اس کی ۱۲۹ آیتیں ہیں اور ۱۶ رکوعات ہیں

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝۱

یہ قطع تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے ۱

۱۔ جیسے پہلے کئی بار مذکور ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرب کے تمام قبائل کے ساتھ امن اور دوستی کے معاہدے کیے لیکن مسلمانوں کی ظاہری کمزوری کے پیشِ نظر وہ ان معاہدوں کا احترام شاذ و نادر ہی ملحوظ رکھا کرتے اور جب کبھی انہیں موقع ملتا مسلمانوں کو زک پہنچانے سے گریز نہ کرتے۔ اب جبکہ حضور تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے جو مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دُور تھا اور قیصر کی فوج سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ تھا تو شرک و کفر کے پرستاروں کے ہاں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ قیصر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا اور اب مسلمان ان کی عہد شکنی کے متعلق ان سے باز پرس نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلانے لگے اور ہر ممکن ذریعہ سے عہد شکنی کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضور اپنے غلاموں کے ہمراہ مظفر و منصور واپس تشریف لائے۔ اب فیصلہ طلب امر یہ تھا کہ کیا ان مارہائے آستین کو کھلی چھٹی ملی رہے کہ جس وقت موقع دیکھیں اسلامی دین اور اسلامی ریاست کو ڈستے رہیں۔ جب کبھی مسلمان کسی بیرونی دشمن کی طرف متوجہ ہوں تو پیٹھ میں خنجر پیوست کر دیں۔ اس لیے تبوک سے واپسی کے بعد جب ذیقعد ۹ھ میں مسلمانوں کا قافلہ سفرِ حج پر روانہ ہو چکا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا کہ اب کفر کے ساتھ سابقہ معاہدے منسوخ ہیں۔ دوستی کے لباس میں اسلامی انقلاب کو زک پہنچانے کی انہیں اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا کہ حج کے دن یہ اعلانِ عام کر دیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے قافلہ سمیت مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ اونٹنی کے بلبلانے کی آواز کان میں آئی۔ فوراً پہچان گئے اور فرمانے لگے: ھٰذَا رُغَاءُ نَاقَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ تو میرے رسولِ مکرم کی اونٹنی کی آواز ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قریب پہنچے تو پوچھا: اَمِیْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ؟ کیا آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا: امیر الحج آپ ہی ہیں، میں تو مامور بن کر آیا ہوں اور یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ہی نمازیں ادا کرتے، آپ کی ہدایت کے مطابق ارکانِ حج ادا کرتے مکہ پہنچے۔ اور دسویں ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! میں اللہ کے رسول کا پیغامبر بن کے آیا ہوں اور اس سورت کی ابتدائی تیس (یا چالیس) آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اور اس کے بعد کہا کہ مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تمہیں یہ حکم بھی سنا دوں:

۱۔ اس سال کے بعد کوئی مُشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔

۲۔ کوئی برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

۳۔ اہلِ ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔

فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ

(اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ ۲؎ اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے

مُعۡجِزِى اللّٰهِ‌ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡـكٰفِرِيۡنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کو ۳؎ اور یقیناً اللہ تعالیٰ رُسوا کرنے والا ہے کافروں کو ۴؎ اور اعلان عام ہے اللہ

۱؎ اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے اگر اس نے عہد شکنی میں پہل نہ کی تو اس کا عہد پورا کیا جائے گا اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں اسے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس اعلان پر مخالفین کی طرف سے جو ردِّ عمل ہوا وہ اس بات کا شاہد عادل ہے کہ یہ قطعِ تعلقات مناسب بلکہ ضروری تھا اور اس میں ذرا سا تساہل اپنے آپ کو فریب دینا تھا۔ فَقَالُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ يَا عَلِيُّ اَبْلِغِ ابْنَ عَمِّكَ اَنَّا قَدْ نَبَذْنَا الْعَهْدَ وَرَاءَ ظُهُوْرِنَا وَاَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ عَهْدٌ اِلَّا طَعْنٌ بِالرِّمَاحِ وَ ضَرْبٌ بِالسُّيُوْفِ (رازی)(1) ''انہوں نے کہا: اے علی! اپنے چچا کے بیٹے (یعنی رسولِ مکرم) کو بتا دینا کہ ہم نے معاہدہ کو پسِ پُشت پھینک دیا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کو نیزوں اور تلواروں سے گھائل کرنے کے سوا کوئی دوسرا معاہدہ نہیں۔ بَرَآءَةٌ کا معنی ہے اِنْقِطَاعُ الْعِصْمَةِ (2) یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا ھٰذِہٖ محذوف ہے (3)۔ ترجمہ میں میں نے اسی ترکیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

۲؎ فَسِيْحُوْا امر کا صیغہ ہے جو سیاحت سے ماخوذ ہے۔ سیاحت کا معنی ہے ملک کے اطراف و اکناف میں چلنا پھرنا۔ اَصْلُ السِّيَاحَةِ الضَّرْبُ فِى الْاَرْضِ وَ الْاِتِّسَاعُ فِى السَّيْرِ (4)۔ یہاں مدعا یہ ہے کہ تمہیں چار ماہ تک ہر طرح کی مکمل آزادی ہے جہاں چاہو جاؤ۔ جس سے چاہو ملو، تم پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ علامہ قرطبی کلبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے معاہدہ کی میعاد چار ماہ سے کم تھی یا میعاد مقرر ہی نہ تھی۔ لیکن جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے متعلق حکم ہوا کہ اس کو مقررہ وقت تک نبھاؤ۔ فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ۔ (5)

۳؎ کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ یہ میعاد کسی کمزوری یا ضعف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے تاکہ تم اپنے مستقبل کے متعلق ٹھنڈے دل سے خوب سوچ لو۔ مخالفین کے ساتھ یہ نرمی اور رواداری اس وقت برتی جا رہی ہے جب کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور اردگرد کے قبائل یا اسلام لا چکے تھے یا اطاعت قبول کر چکے تھے۔ کفر کی چند پراگندہ جماعتوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر جمعیت نہ تھی جس سے اسلام کو اب جزیرۂ عرب میں اندیشہ ہو۔ عین قوت و سطوت کے وقت اپنے دشمنوں سے نرمی کا یہ سلوک اسلام کے دینِ رحمت ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

۴؎ دنیا میں قتل و ذلت اور آخرت میں عذاب۔ اِخْزَاءٌ کا معنی ہے رُسوا کن ذلت۔ اَلْاِذْلَالُ مَعَ اِظْهَارِ الْفَضِيْحَةِ (رازی)(6)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج8، جز15، ص226
2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3، ص382
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص63
4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج8، جز15، ص227
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص64
6۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج8، جز15، ص228

وَرَسُوْلُهٗ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ

اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لیے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ

مشرکوں سے - اور اس کا رسول بھی ۵؎ اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے ۶؎ اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ۷؎ اور خوش خبری سنا دو

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

کافروں کو دردناک عذاب کی - بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ۸؎

۵؎ وَرَسُوْلُهٗ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ اللہ کا کلمہ ہے جو اَنَّ کا اسم ہے اور منصوب ہے۔ نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک جیسا ہوا کرتا ہے۔ اس قاعدہ کی رُو سے رَسُوْلَهٗ (منصوب) ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں رَسُوْلُهٗ (مرفوع) ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ بے شک وَرَسُوْلُهٗ معطوف ہے لیکن یہ مفرد معطوف نہیں بلکہ یہ مبتداء ہے اس کی خبر بَرِیْٓءٌ محذوف ہے۔ رَسُوْلُهٗ اپنی خبر سمیت بصورتِ جملہ معطوف ہے اور اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ بصورتِ جملہ معطوف علیہ ہے۔ اس لیے یہاں یہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ (1)

۶؎ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اپنی کارستانیوں پر اگر تم نادم ہو کر حاضر ہو جاؤ گے تو تمہیں دھتکار نہیں دیا جائے گا بلکہ آغوشِ لطف و کرم کو تم اپنے لیے کشادہ پاؤ گے، تمہاری گزشتہ نافرمانیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

۷؎ لیکن اگر اب بھی تم شرارتوں سے باز نہ آئے اور بدستور مخالفت پر کمربستہ رہے تو کان کھول کر سن لو! تمہاری کوئی تدبیر، کوئی کوشش، کوئی سازش اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ناکام نہیں بنا سکتی۔ تمہارا انجام دنیا میں بھی بہت ذلت آمیز ہوگا اور آخرت کے دردناک عذاب کا تو تم تصوّر تک نہیں کر سکتے۔

۸؎ اس آیت نے سابقہ حکم کی وضاحت کر دی کہ صرف ان قبائل کے معاہدوں کو منسوخ کیا جا رہا ہے جنہوں نے معاہدوں کی خود پہلے خلاف ورزی کی اور ان کا احترام نہ کیا لیکن جو اپنے معاہدوں کے پابند ہیں، نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 70

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا

پھر انھوں نے نہ کمی کی تمھارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انھوں نے مدد کی تمھارے خلاف کسی کی۔ تو پورا کرو

اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٤﴾

ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ٩

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے ١٠ تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انھیں اور

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ

گرفتار کرو انھیں اور گھیرے میں لے لو انھیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ۔ پھر اگر یہ

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ

توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک

٩ گویا عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔ آیت کے اس تتمہ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاہدوں کی پابندی کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیا۔ تَعْلِيْلٌ وَتَنْبِيْهٌ عَلٰى اَنَّ اِتْمَامَ عَهْدِهِمْ مِّنْ بَابِ التَّقْوٰى (مظہری)۔(1)

١٠ سَلَخَ کا معنی ہے کسی ایسی چیز کو اُتار پھینکنا جو جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو۔ بھیڑ بکری کی کھال ادھیڑنے کو بھی سَلْخِ شاۃ کہا جاتا ہے۔ اور یہاں مراد ہے ان مہینوں کا ختم ہو جانا(2)۔ مرصد: رصدگاہ، جہاں کسی چیز کی تاک میں بیٹھا جائے(3)۔ اَشْهُرِ حُرُم سے مراد یہاں وہ چار ماہ ہیں جو کفار و مشرکین کو بطورِ مہلت دیئے گئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ چار ماہ تک کفار کے ساتھ تعرض نہ کریں اس لیے انہیں بھی حرمت والے کہا گیا(4)۔ مشرکین سے مراد صرف عہد شکنی کرنے والے مشرک ہیں۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ یہ مُشرکین جن کو تم نے چار ماہ کی مہلت دے رکھی ہے جب یہ مہینے گزر جائیں تو پھر ان عہد شکن مشرکوں پر ٹوٹ پڑو۔ آمادۂ جنگ ہوں تو انہیں تہ تیغ کر دو۔ اگر کسی قلعہ یا محفوظ جگہ میں قیام پذیر ہوں تو ان کو گھیرے میں لے لو، اگر قابو میں آ جائیں تو گرفتار کر لو۔ غرضیکہ اب یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ ہاں اگر عمر بھر کی سرکشی کے بعد بھی سچے دل سے توبہ کر لیں اور اپنی توبہ کی سچائی کا عملی ثبوت بھی مہیا کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو مایوس نہ کرے گی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 138 2۔ ایضاً، ص 139 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے

فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

تو پناہ دیجیے اسے تاکہ وہ سُنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجیے اسے اس کی امن گاہ میں اللہ یہ حکم اس لیے ہے

قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ كَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ

کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے۔ کیونکر ہو سکتا ہے ۱۲ (ان عہد شکن) مشرکوں کے لیے کوئی معاہدہ اللہ کے

اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجدِ حرام کے پاس

۱۱۔ ان مشرکین میں سے جن کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اگر کوئی مُشرک قرآن کے پیغام کو سمجھنے، اپنی غلط فہمیاں اور شبہات دُور کرنے کے لیے ان چار ماہ کے گزرنے کے بعد بھی آنا چاہے تو آپ اسے موقع دیں کہ وہ آئے اور سمجھے اور اس عرصہ میں اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اگر حق کی روشنی اس کے دل کے افق پر نمودار ہو جائے تو عین مطلوب، ورنہ اسے بڑی حفاظت سے اس کے مسکن اور قیام گاہ تک پہنچا دیں۔ آیت میں المشرکین کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے: اَلَّذِیْنَ اَمَرْتُكَ بِقِتَالِهِمْ (قرطبی۔ مظہری) (1)۔ امام ابوبکر جصّاص نے اِس آیت سے کئی احکام مستنبط کیے ہیں جن کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

(۱) اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اسلام کی صداقت معلوم کرنا چاہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم اسے یہ موقع دیں اور پوری کوشش کریں تاکہ اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے۔

(۲) اس عرصہ میں اس کی حفاظت کی ذمہ داری حکومتِ اسلامیہ پر ہوگی۔

(۳) وہ آدمی مقررہ وقت تک ہی سلطنتِ اسلامیہ میں رہ سکتا ہے۔ اسے غیر معیّن وقت تک یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۴) اگر وہ زیادہ عرصہ رہنا چاہے گا تو اسے اس مملکت کی شہریت قبول کرنا پڑے گی۔ (2)

۱۲۔ یہاں بھی انہیں مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے توڑنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔ کیف یہاں استفہام کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ حیرت وتعجب کے لیے ہے اور یہاں کلام میں اضمار ہے تقدیرِ کلام یوں ہے كَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ مَعَ اِضْمَارِ الْغَدْرِ (3)۔ یعنی ان کے دل میں تو دھوکہ اور غدر کے جذبات ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے معاہدوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 75 2۔ احکام القرآن للجصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 84-83 (ماخوذ) 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 78

الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ان کے لیے ۱۳ بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا

الْمُتَّقِينَ ⑦ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ

ہے پرہیزگاروں سے۔ کیونکر (انکے معاہدہ کا لحاظ رکھا جاتے) حالانکہ اگر وہ غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے

إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَ

میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا ۱۴ راضی کرنا چاہتے ہیں تمہیں (صرف) اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کر رہے ہیں

أَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ⑧ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا

انکے دل اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔ انھوں نے بیچ دیں اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (مزید برآں) روکا انھوں نے

عَن سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑨ لَا يَرْقُبُونَ

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ۱۵ بیشک وہ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ نہیں لحاظ کرتے

۱۳ مصلحت کے تقاضے کیسے ہی کیوں نہ ہوں، حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں، عہد شکنی کا آغاز فرزندانِ توحید سے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک کفار اپنے عہد پر قائم رہیں تمہیں بھی قائم رہنا چاہیے۔ اگر وہ عہد شکنی کی ابتداء کریں تو پھر تم کو بھی اجازت ہے۔

۱۴ کیف یہاں بھی اظہارِ حیرت و تعجب کے لیے ہے۔ ''اِلًّا'' یہاں قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (قال ابن عباس) اور ذِمّة سے مراد معاہدہ ہے (1)۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے معاہدوں کا کیا اعتبار جو اگر غالب آجائیں تو خون کے دریا بہا دیں اور تمہارے ساتھ ان کے جو خونی رشتے ہیں انہیں بھی بھلا دیں۔ اور جو امن اور صلح کے عہد و پیمان کر چکے ہیں وہ بھی فراموش کر دیں۔ ان کی یہ سب چکنی چپڑی باتیں ظاہر داری کے لیے ہیں۔ ورنہ ان کے دلوں میں تو تمہارے خلاف دشمنی کا لاوا اُبل رہا ہے۔

۱۵ مروی ہے کہ جب اہلِ مکہ کی قوت کمزور ہوتی نظر آنے لگی تو اہلِ طائف نے انہیں مالی امداد کا یقین دلایا (2) اور اسلام کے ساتھ جنگ کرنے پر انہیں پھر اُکسانا شروع کر دیا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفار مسلمانوں سے مصروفِ جنگ رہ کر اپنے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 79-78 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 142

فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ⑩ فَإِن

کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا۔ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ پس اگر یہ

تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں ۱۶ دین میں

وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ⑪ وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم

اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) آیتیں اس قوم کیلیے جو علم رکھتی ہے۔ اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں ۱۷

عمل سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ اِس دنیا کی چندروزہ زندگی اور اس کی فناپذیر عیش وعشرت کے وہ اتنے دلدادہ ہیں کہ انہوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں کو نظر انداز ہی کر رکھا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے لفظ اشتراء (خریدنے) سے تعبیر فرمایا، کیونکہ مشتری (خریدار) بھی قیمت سے خرید کردہ چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

۱۶ عمر بھر کی ایذارسانی اور خوں آشامی کے بعد بھی اگر وہ دعوتِ اسلام قبول کرلیں تو انہیں اسلامی برادری میں شامل کرلیا جائے گا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ پہلے مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت اور اس کی رضا کے یہ بھی مستحق ہوجائیں گے۔ معاشرتی، قانونی اور تمدنی حیثیت سے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔ انہیں پھلنے پھولنے کے تمام مواقع فراہم کیے جائیں گے۔

۱۷ جن کفار ومشرکین نے اسلام قبول کر کے اس کے احکام بجالانے کا وعدہ کرلیا یا اسلامی مملکت کی پُرامن رعایا بن کر رہنا منظور کرلیا، پھر اگر وہ یہ عہد توڑ دیں یا اسلام کے عقائد ونظریات پر زبانِ طعن دراز کرنے لگیں تو انہیں مملکتِ اسلامیہ کا باغی تصوّر کیا جائے گا۔ اسی آیت سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ذمی نے اگر حکومتِ اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی شروع کردی یا اسلام کے عقائد پر اعتراضات کرنے شروع کردیئے تو اس کا وہ معاہدہ کالعدم ہوجائے گا۔ وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَىٰ أَنَّ أَهْلَ الْعَهْدِ مَتَىٰ خَالَفُوا شَيْئًا مِّمَّا عُوهِدُوا عَلَيْهِ وَطَعَنُوا فِي دِينِنَا فَقَدْ نَقَضُوا الْعَهْدَ (احکام القرآن للجصاص) (1)۔ طعن کا لغوی معنی ہے نیزہ کا وار کرنا۔ اسی طرح ہر وہ بات جو دل کو دکھ پہنچانے والی ہو اس کو بھی طعن کہتے ہیں۔ بعض علمائے لغت نے یہ فرق کیا ہے کہ طعن کا معنی جب نیزہ زنی ہو تو یہ نَصَرَ يَنْصُرُ کے باب پر ہوگا۔ اور جب طعن بالقول ہو تو فَتَحَ يَفْتَحُ کے باب پر ہوگا (قرطبی) (2) اور دین پر طعن کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دین کی طرف ایسی غلط بات منسوب کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں یا دین کے وہ عقائد اور احکام جو دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہیں ان کا مذاق اُڑایا جائے وَالطَّعْنُ أَنْ يُنْسَبَ إِلَيْهِ مَا لَا يَلِيقُ بِهِ أَوْ يُعْتَرَضَ بِالْاِسْتِخْفَافِ عَلَىٰ مَا هُوَ مِنَ الدِّينِ لِمَا ثَبَتَ مِنَ الدَّلِيلِ الْقَطْعِيِّ عَلَىٰ صِحَّةِ أُصُولِهِ وَاسْتِقَامَةِ

1۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 85
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 81

مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِۙ

اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے ۱۸

اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا

بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آجائیں کیا نہیں جنگ کرو گے تم

نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ

اس قوم کے ساتھ جنھوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انھوں نے رسول کو نکال دینے کا ۱۹ اور انہی نے آغاز کیا تھا تم پر

مَرَّةٍ‌ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ‌ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾

(زیادتی کا) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے ۲۰ (سنو!) اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ہو تم (سچے) ایماندار۔

فرُوعِهِ (قرطبی۔ابن العربی)۔(1)

۱۸ ان لوگوں کو کفر کے پیشوا اور سرغنے کہا جا رہا ہے جو قبولِ اسلام کے بعد مرتد ہو گئے، جو اسلام کے سایہ میں امن وراحت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اتنے طوطا چشم ہیں کہ اس پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ ان کی قسموں پر اعتماد کرنا یا ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آجانا بڑی سادہ لوحی ہے جو ایمانی فراست سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ان کی کھوپڑی پر جب تمہارا آہنی گرز لگے گا تو ان کو ہوش آئے گا اور وہ حقیقت شناسی کی طرف مائل ہوں گے۔ کفار کی ذہنیت کا کتنا صحیح تجزیہ ہے۔

۱۹ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے لکھا ہے کہ یہ آیت یہود، منافقین اور کفارِ مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک پر روانہ ہوئے تو انہوں نے حضور کو مدینہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لایا۔ اور مشرکینِ عرب کو اپنی اعانت کا یقین دلا کر انہیں ایک بار پھر بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی قول راجح ہے کیونکہ یہ سورت غزوۂ تبوک کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ وَهٰذَا اَظْهَرُ لِاَنَّ السُّوْرَةَ نَزَلَتْ بَعْدَ غَزْوَةِ التَّبُوْكِ (مظہری)(2)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "ان زوردار الفاظ سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے کی وجہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر اسلام کی جس نئی پالیسی کا جو اعلان کیا گیا تھا اس سے اندیشہ تھا کہ کہیں کفر کی بچی کھچی جماعت اپنی بقاء وسلامتی کے لیے اپنی ساری قوتوں اور وسائل کو داؤ پر لگا کر عرب کے اطراف واکناف میں عام بغاوت کی آگ نہ بھڑکا دے۔ ان سے تمام معاہدوں کی منسوخی کا اعلان، کعبہ کی تولیت سے محرومی، حجِ کعبہ کی ممانعت وغیرہ ایسے احکام تھے جن سے ان کا بھڑک اُٹھنا کوئی مستبعد نہ تھا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 82۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج 2، ص 905، مطبوعہ دار الفکر بیروت
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 144

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ

جنگ کرو ان سے ۲۱؎ عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رُسوا کریگا انہیں اور مدد کریگا تمہاری انکے

يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ

مقابلے میں اور (یوں) صحتمند کر دیگا اس جماعت کے سینوں کو جو اہلِ ایمان ہے ۲۲؎ اور (یوں) دُور فرما دیگا غصہ انکے دلوں کا

وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ

اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے ۲۳؎ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑا دانا ہے کیا تم

حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

یہ خیال کر رہے ہو کہ تمھیں (یونہی) چھوڑ دیا جائیگا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کرینگے تم میں سے

اس لیے مسلمانوں کو ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوشیار اور مستعد رہنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور پھر ایسے انقلابی فرامین پر کسی قسم کے احتجاج کے ظہور پذیر نہ ہونے کی یہی وجہ تھی کہ انہیں ہر طرف مسلمان شمشیر بکف اور مستعد کھڑے دکھائی دے رہے تھے (1) (واللہ اعلم بالصواب)۔

۲۰؎ یعنی کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تم اس لیے پہلو تہی کرنا چاہتے ہو کہ تمہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم پر غالب نہ آجائیں۔ اس وسوسہ کو دل سے نکال دو۔ ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ توانا ہے، جس کو تم نے اپنا رب اور معبود یقین کیا ہوا ہے۔ اور ایمانِ صادق کا یہی تقاضا ہے۔

۲۱؎ کفن بردوش میدانِ کارزار میں تم قدم رکھو گے تو اللہ کی مدد تمہاری پشت پناہی فرمائے گی۔ اس نے کفار کو ذلیل و رسوا کرنے کا جو اٹل فیصلہ فرما دیا ہے اس کا ظہور تمہارے ہاتھوں سے ہوگا۔ تمہیں کمزور اور بے بس سمجھنے والے تمہارے قدموں کی ٹھوکروں میں ہوں گے۔

۲۲؎ کفار کے ساتھ جنگ کا حکم دے کر انہیں بتایا جا رہا ہے کہ برسوں سے وہ تمہیں ستا رہے ہیں اور تمہارے دل ان کی ایذاء رسانیوں سے داغ داغ ہیں۔ اب وقت ہے کہ تم کفر و فسق کے ان علمبرداروں پر ضربِ کاری لگا کر ان کی نخوت کو خاک میں ملا دو۔ اسلام کی فتح اور کفر کی ذلت دیکھ کر تمہارے دل باغ باغ ہو جائیں گے اور تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور انتقام کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں وہ سرد پڑ جائیں گے۔

۲۳؎ اب تک جو کفر سے چمٹے ہوئے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن پر رحمتِ خداوندی جب توجہ فرمائے گی تو ان کے

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج2، ص180 (ماخوذ)

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جنھوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے (کسی کو اپنا)

وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ

محرم راز ۔ ۲۴ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو ۔ نہیں ہے روا مشرکوں کے لیے

اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ

کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو ۲۵ حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی ۔

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا

یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال ۔ اور دوزخ کی آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ صرف وہی

يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ

آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور قائم کیا

دلوں کے قفل بھی کھل جائیں گے اور وہ مستقبل میں اسلام کے جانباز سپاہی ثابت ہوں گے۔

۲۴ جہاد کو گراں سمجھنے والوں اور اس سے جی چرانے والوں کو بطور زجر و توبیخ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا تم یہ گمان کر رہے ہو کہ تمہارا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہوگا اور کسی آزمائش سے تمہارے اس دعوئے ایمان کو پرکھا نہیں جائے گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود فریبی میں مبتلا ہو۔ خوب کان کھول کر سن لو عمل کی کسوٹی پر تمہارے ظاہر اور باطن کو پرکھا جائے گا۔ جب جہاد کے نقارہ پر چوٹ پڑے گی تو تمہیں سربکف میدان میں حاضر ہونا ہوگا۔ اسلام کے مفاد کے لیے اپنے سابقہ تعلقات اور دوستانہ مراسم کو قربان کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہلِ اسلام کے ساتھ اپنے دلی تعلقات کو اُستوار کرنا ہوگا۔ علم کا معنی یہاں جاننا نہیں بلکہ جتانا اور پہچان کروانا ہے۔ اس کی تحقیق کئی مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ وَلِيْجَةً اس شخص کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے دلی راز کہہ سکے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے یہی لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ فَوَلِيْجَةُ الرَّجُلِ مَنْ يَّخْتَصُّ بِدَخْلَةِ اَمْرِهٖ دُوْنَ النَّاسِ وَالْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ فِيْهِ سَوَاءٌ (قرطبی)۔(1)

۲۵ مسجدیں محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ خصوصاً مسجد حرام جس میں کعبۂ مقدسہ ہے۔ اس لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ان کی تعمیر، ان کی مرمت، ان کی آبادی اور ان کے دوسرے انتظام کا متولی کفار اور مشرکین کو بنایا جائے۔ اس آیت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 88

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ قف فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ

نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے، پس امید ہے کہ یہ لوگ

اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے ۲۶ کیا تم نے ٹھیرا لیا ہے ۲۷ حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ

اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اُس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور جہاد کیا

کریمہ نے اس امر کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور اس حکم سے حرمِ کعبہ جو سالہا سال کفار و مشرکین کی تولیت میں تھا مسلمانوں کو اس کا متولی بنا دیا گیا۔ فَاقْتَضَتِ الْاٰيَةُ مَنْعَ الْكُفَّارِ مِنْ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَمِنْ بِنَائِهَا وَتَوَلِّيْ مَصَالِحِهَا وَالْقِيَامِ بِهَا (جصاص)(1) آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کافر نہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں نہ اس کو تعمیر کر سکتے ہیں نہ اس کے متولی بن سکتے ہیں۔

۲۶ مساجد کے متولی اور منتظم وہی لوگ بن سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقینِ محکم رکھتے ہوں اور عملی اعتبار سے وہ نماز اور زکوٰۃ کے پورے پورے پابند ہوں اور ان کے کردار کی بلندی کا یہ عالم ہو کہ دین کے معاملہ میں وہ کسی سے خوفزدہ نہ ہوں اور رضاءِ الٰہی پر کسی کی خوشنودی کو ترجیح نہ دیں۔ عمارتِ مسجد میں اداءِ نماز، ذکرِ الٰہی اور تعلیمِ قرآن کے علاوہ اس کی تعمیر، اس کی مرمت، اس کی صفائی اور روشنی سب داخل ہیں۔ وَمِنْ عِمَارَتِهَا تَزْيِيْنُهَا بِالْفُرُشِ وَتَنْوِيْرُهَا بِالسُّرُجِ وَاِدَامَةُ الْعِبَادَةِ وَالذِّكْرِ وَدَرْسِ الْعِلْمِ فِيْهَا وَصِيَانَتُهَا عَمَّا لَمْ تُبْنَ لَهٗ (بیضاوی)(2)

۲۷ میدانِ بدر میں جب (حضرت) عباس اسیر ہوئے تو کسی نے ان کو اسلام قبول نہ کرنے پر ملامت کی۔ اُنہوں نے کہا اگر تمہیں اسلام لانے اور جہاد کرنے کا فخر ہے تو ہم بھی تم سے کم نہیں۔ مسجد حرام کی آبادی، کعبہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو پانی پلانے کی عزت تو ہمیں ہی حاصل ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ شرک کی موجودگی میں تمہاری یہ باتیں ان لوگوں کے اعمال کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا سکہ جمانے کے لیے سربکف میدانِ جہاد میں آموجود ہوتے ہیں (3)۔ الفاظِ آیت سقایۃ اور عمارۃ مصدر ہیں۔ اگر یہ اسم فاعل کے معنی میں یہاں مستعمل ہوں تو کلام میں کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ معنی ہوگا کہ حاجیوں کو پانی پلانے والا اور مسجد کو آباد کرنے والا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور جہاد کرے۔ اور اگر مصدر اپنے مصدری معنیٰ میں ہی مستعمل ہو تو پھر کلام میں حذف ماننا پڑے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو مشبہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیرِ کلام ہوگی: اَجَعَلْتُمْ اَهْلَ سِقَايَةِ الْحَآجِّ وَعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور یا مشبہ بہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیرِ کلام ہوگی: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ

1۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 87 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 249 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 92-91

فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی

اس نے اللہ کی راہ میں وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا

الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۘ۱۹﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا فِیۡ

ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا

سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً عِنۡدَ

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰہِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾ یُبَشِّرُہُمۡ رَبُّہُمۡ بِرَحۡمَۃٍ

نزدیک ۲۸ اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ۲۹ خوشخبری دیتا ہے انھیں ان کا رب اپنی رحمت

وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَاِیْمَانِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَجِہَادِ مَنْ جَاھَدَ۔ (مظہری، قرطبی، بیضاوی) (1)

۲۸ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کی خدمت گزاری اور مسافروں کی مہمان نوازی کو اسلام سے روگردانی کرنے کی صورت میں اپنی نجات کے لیے کافی سمجھنے والے کان کھول کر سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے بغیر اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس کی بارگاہِ عالی میں تو انہی کے لیے اعزاز و اکرام کے رتبے ہیں جو ایمان ہجرت اور جہاد کی صفات سے متصف ہیں۔

۲۹ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں رحمتِ الٰہی اور رضاءِ خداوندی کی نوید جانفزا سنائی جا رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد اور رہ ہی کیا جاتا ہے جس کے حصول کی تمنا دل میں پیدا ہو۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِجَاہِ حَبِیْبِکَ الْمُکَرَّمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ان صفات سے پوری طرح متصف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہء کرام تھے جنہوں نے کفار کی سفاکیوں اور سنگدلانہ جور و ستم کا بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا جنہوں نے محض اپنے دین کی خاطر اپنے شاد و آباد گھروں کو چھوڑ کر غریب الوطنی کی سختیوں اور پریشانیوں کو خوش آمدید کہا۔ جنہوں نے میدانِ جہاد میں عدیم المثال سرفروشی اور جانبازی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ کفر کے علم سرنگوں ہو گئے۔ کفار کے چھکے چھوٹ گئے اور اسلام کا آفتابِ اقبال ہر سو ضیاء پاشیاں کرنے لگ گیا۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے بارے میں قرآنِ کریم گواہی دے رہا ہے کہ بارگاہِ رب العزت میں ان کے درجات بڑے بلند ہیں۔ اپنے رب کی راہ میں اپنے گھر، اپنے سر اور اپنا مال و متاع قربان کرنے والے دیوانگانِ عشق کے سروں پر فوز و کامرانی کا زرنگار تاج سجایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے، جس سے کسی کے دل کا راز بھی پوشیدہ نہیں، جس کے سامنے ہر شخص کا ماضی، حال اور مستقبل آشکارا ہے، جن لوگوں کے بارے میں اس کی زبانِ قدرت شہادت دے رہی ہے وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ الخ ان

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 91۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 150۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 250

مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِیْنَ

اور اپنی خوشنودی کی اور (ایسے) باغات کی کہ اُن کے لیے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

وہ اس میں تا ابد۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجرِ عظیم ہے۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

نہ بنا لو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ

کفر کو ایمان پر ۳۰ اور جو دوست بناتا ہے انھیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ

کرنے والے ہیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمایئے اگر ہیں تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور

اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ

تمھاری بیویاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو ۳۱ زیادہ پیارے ہیں تمھیں اللہ تعالیٰ سے

کے بارے میں چہ میگوئیاں، ان کے ایمان پر اعتراض کسی ایسے شخص کو تو ہرگز زیب نہیں دیتے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتا ہے اور اللہ کو علیم وخبیر یقین کرتا ہے۔

۳۰ دارِ کفر کو چھوڑ کر دارِ اسلام کی طرف ہجرت کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی رشتہ داریاں ہی تو تھیں جن کی محبت اور خاطر داری کی وجہ سے انسان اس فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہ جاتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ کسی سے خواہ وہ تمہارے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں ایسی دلی دوستی قائم نہ کرو جو کسی وقت حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں حائل ہو۔

۳۱ اس آیتِ کریمہ میں ہر طرح کے بندھنوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن میں انسان اپنے آپ کو اپنی فطرت اور ضرورت کے

وَ رَسُوۡلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم ۳۲ ؎

باعث بندھا ہوا پاتا ہے۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے اور اولاد کی اپنے ماں باپ سے، بھائی بہنوں کی باہمی اُلفت، میاں بیوی کا گہرا تعلق یہ سب انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ مال، کاروبار اور مکانات وغیرہ سے انسان کا لگاؤ اس لیے ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے اور اسے عزت و آرام سے گزارنے میں ان کا محتاج ہے۔ دینِ اسلام کیونکہ دینِ فطرت ہے وہ انسان کے طبعی تقاضوں اور اس کی ضروریات کا مناسب خیال رکھتا ہے اس لیے اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ سرے سے یہ محبت کے رشتے توڑ ڈالے جائیں اور ان چیزوں کی طرف سے بالکل توجہ ہی ہٹالی جائے۔ لیکن کیونکہ انسانی زندگی کی غرض و غایت صرف انہی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے بہت آگے اور بہت بلند ہے اس لیے انسان کو انہی تعلقات اور انہی اشیاء میں کھو جانے سے روکا ہے اور حکم دیا کہ بے شک ان اشیاء سے محبت و پیار کرو لیکن صرف اس حد تک جبکہ یہ چیزیں تمہاری روحانی ترقی میں حائل نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم کی محبت اور عشق سے نہ ٹکرائیں۔ ایثار و شہادت کے میدان میں جانے سے تمہارا راستہ نہ روکیں۔ اگر کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر ان تعلقات کو اور ان چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ تب تم اپنے آپ کو ایماندار کہلانے کے حقدار ہو۔ بعض علماء نے یہاں محبتِ طبعی اور اختیاری کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک انسان کا اختیار ہے وہ اللہ اور رسول سے زیادہ محبت کرے اور اگر بلا اختیار وہ کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو حرج نہیں۔ لیکن حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی کیا ہے جس کی طبیعت شریعتِ اسلامی کی پابند نہ ہو۔ قُلْتُ وَ کَمَالُ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ الطَّبِیْعَۃُ تَابِعَۃً لِّلشَّرِیْعَۃِ فَلَا یَقْتَضِی الطَّبْعُ اِلَّا مَا یَاْمُرُہُ الشَّرِیْعَۃُ۔ چنانچہ حدیث پاک میں بھی صراحۃً موجود ہے کہ جب تک اللہ کا رسول ماں باپ، اولاد اور ہر چیز سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو اس وقت تک انسان مومن نہیں ہوسکتا۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ اس کے بعد علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ نعمت بجز اولیاء کاملین کی صحبت کے نصیب نہیں ہوسکتی۔ وَ ذٰلِكَ کَمَالُ الْاِیْمَانِ لَا یُکْتَسَبُ ذٰلِكَ اِلَّا مِنْ مُّصَاحَبَۃِ اَرْبَابِ الْقُلُوْبِ الصَّافِیَۃِ وَ النُّفُوْسِ الزَّاکِیَۃِ وَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ وَ مَا ذَکَرْنَا مِنَ الْاَحَادِیْثِ یُوْجِبُ افْتِرَاضَ اُکْتِسَابِ التَّصَوُّفِ مِنْ خِدْمَۃِ الْمَشَائِخِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ (مظہری) (1)۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کا لطف ہی تب آتا ہے جب دل میں اللہ اور اس کے رسول کا عشق شعلہ زن ہو۔ اسوقت یہ ساری زنجیریں خود بخود پگھل جاتی ہیں اور سارے حجاب تار تار ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کے تڑپتے ہوئے لاشے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں، عورتیں اپنے شوہروں کے سر بُریدہ جسم دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور بہنیں دعائیں مانگتی ہیں کہ اے الہ العٰلمین! ہماری ماں جائے کو شہادت نصیب فرمانا۔ اس وقت نہ رات کو نیند ستاتی ہے اور نہ دن کو تھکن محسوس ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ کے یہ شعر پڑھیے اور اہلِ عشق و محبت کی بے تابیاں ملاحظہ فرمائیے:

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 153۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، ج 1، ص 7۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔ بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

جنگی میدانوں میں ۳۳ اور حنین کے روز بھی ۳۴ جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ

اُحِبُّكَ حُبَّيْنِ حُبَّ الْهَوٰى وَحُبًّا لِاَنَّكَ اَهْلٌ لِّذَاكَا

فَاَمَّا الَّذِيْ هُوَ حُبُّ الْهَوٰى فَشَيْءٌ شَغَلْتُ بِهٖ عَنْ سِوَاكَا

وَاَمَّا الَّذِيْ اَنْتَ اَهْلٌ لَّهٗ فَكَشْفُكَ لِيَ الْحُجُبَ حَتّٰى اَرَاكَا (المنار)(1)

ترجمہ: (۱) ''اے مولا! میں تجھ سے دوہری محبت کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے۔ دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ (۲) پہلی محبت نے تو مجھے ماسوا سے بے خبر کر دیا ہے۔ (۳) دوسری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حجاب سرک جائیں اور چشمِ شوق لذتِ دید حاصل کرلے''۔

۳۲ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور راہِ حق میں جہاد کرنے سے زیادہ تمہیں کوئی چیز عزیز اور پیاری ہے تو پھر عذابِ الٰہی کا انتظار کرو۔ اب تم رحمت وعنایت کے مستحق نہیں رہے بلکہ ناراضگی اور عتاب کے سزاوار ہو گئے ہو۔

۳۳ سورۂ براءت کے اعلان سے جو حالات پیدا ہو گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ کفار پھر ایک بار سب مل کر جان کی بازی لگادیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں سے ایسے وسوسے دُور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ جس خدا نے اس سے پہلے بے شمار موقعوں پر تمہاری دستگیری فرمائی ہے اور تمہاری قلیل تعداد کو دشمن کی کثرت پر فتح دی ہے، اس کی نصرت آج بھی تمہارے ساتھ ہے۔ کل ہی کی بات یاد کرو حنین میں کس طرح تمہاری پسپائی کو اس کی نصرت اور اعانت نے فتحِ مبین میں تبدیل کر دیا۔ آج بھی اسی پر توکل کرو اور دشمن کی کسی سازش سے مت گھبراؤ۔

۳۴ مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے اور کفر وشرک کا محکم حصار پیوند خاک کر دیا جاتا ہے۔ پندرہ دن تک مسلمان امن وسکون سے مکہ میں ٹھہرے رہتے ہیں اور طواف کعبہ کی حسرتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ ادھر کا رُخ کرتے ہیں۔ لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دس ہزار انصار و مہاجر تھے اور دو ہزار مکہ کے نومسلم۔ بعض مشرک بھی شریک ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے جب بارہ ہزار کا لشکرِ جرار دیکھا تو بعض نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ آج کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ جب یہ لشکرِ حنین کی وادی میں پہنچا جو مکہ کے جنوب مشرق کی طرف صرف تین میل دُور ہے تو مالک بن عوف کی قیادت میں ہوازن وثقیف کے ماہر تیر انداز تنگ وادی کی کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ جب مسلمان ٹھیک ان کی زد میں آ گئے تو مالک نے تیر برسانے کا حکم دیا۔ تیروں کی بے پناہ اور غیر متوقع بارش

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج10، ص288

تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ

فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے ۔ پھر تم

وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ

مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے ۔ پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ

اہل ایمان پر اور اُتارے وہ لشکر جنھیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں

كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ

کو ۔ اور یہی سزا ہے کافروں کی ۳۵؎ پھر رحمت سے توجہ فرماتے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد

سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُنہوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ حضور کریم کی معیت میں صرف ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، ابوسفیان بن الحارث اور چند اور جاں نثار رہ گئے۔ اس نازک حالت میں حضور کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی۔ سفید خچر پر سوار تھے۔ اسے ایڑی لگائی اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھایا۔ حضرت عباسؓ نے باگ تھام رکھی تھی اور ابوسفیان بن الحارث نے رکاب پکڑی ہوئی تھی۔ حضور فرما رہے تھے: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ اسی حالت میں حضور نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کی طرف پھینکی۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں نہ پڑی ہو۔ آسمان سے فرشتوں کا غیر مرئی لشکر بھی اُتر آیا۔ دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حضور کے حکم سے حضرت عباسؓ نے بلند آواز میں مہاجرین اور انصار کو پکارا: یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ آوَوْا وَ نَصَرُوْا یَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا تَحْتَ الشَّجَرَةِ اِنَّ مُحَمَّدًا حَیٌّ فَهَلُمُّوْا

ترجمہ: ''اے گروہِ انصار! جنہوں نے غریب الدّیار مہاجرین کو پناہ دی اور نازک اوقات میں اسلام کی امداد کی، اے گروہِ مہاجرین! جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زندہ ہیں، سب ان کے پاس جمع ہو جاؤ''۔(1)

آواز سنتے ہی صحابہ پروانہ وار دوڑے چلے آئے اور حضور کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اہلِ اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

۳۵؎ یعنی کفار کی یقینی فتح رُسوا کن شکست میں بدل گئی۔ ستر آدمی قتل ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں قید ہوئے۔ فقط عورتوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ بے انداز مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ۲۴ ہزار اونٹ، چالیس ہزار بھیڑیں اور بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی۔ ذلک

1۔ السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان، متولد 1232ھ، متوفی 1304ھ، ج2، ص13-309، مطبوعہ الاھلیۃ للنشر والتوزیع بیروت، سن طباعت 1983ء

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

جس پر چاہے گا ۳۶؎ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ اے ایمان والو!

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۳۷؎ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اِس

کے لفظ نے یہ بتادیا کہ کفار کا طبعی انجام یہی ہے کہ ان کو ہر میدان میں شکست کا سامنا کرنا پڑے اور قیامت کے ابدی عذاب سے پہلے دُنیا میں ہی وہ اپنے کیے کی سزا بھگت لیں۔(1)

۳۶؎ حنین کی فتح کے بعد طائف کا محاصرہ کیا گیا جو اٹھارہ روز تک جاری رہا اس کے بعد حضور کریم جعرانہ کے مقام پر واپس تشریف لائے جہاں سارا مالِ غنیمت اکٹھا کیا گیا تھا اور اس کو حکمِ خداوندی کے مطابق تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد ہوازن کا ایک وفد جو مشرف باسلام ہو چکا تھا حاضرِ خدمت ہوا اور رحمت وشفقت کا خواستگار ہوا۔ حضور نے فرمایا میں نے اتنے روز اس مال کی تقسیم میں تاخیر کی لیکن تم نہ آئے۔ اب مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اب دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو۔ اہل وعیال یا مال واسباب۔ انہوں نے عرض کی ہم مال واسباب کے طلبگار نہیں۔ ہمارے اہل وعیال واپس فرما دیجئے۔ چنانچہ حضور نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں ہم نے انہیں اختیار دیا ہے کہ چاہے مال واسباب لے لیں چاہے اہل و عیال آزاد کرالیں۔ اُنہوں نے اہل وعیال کو آزاد کرانا پسند کیا ہے اس لیے ان کے جو اسیر میرے حصہ میں اور عبدالمطلب اور ہاشم کی اولاد کے حصہ میں آئے ہیں میں اُنہیں آزاد کرتا ہوں۔ اپنے آقا ومرشد کا ارشاد سن کر سب انصار ومہاجر بیک زبان عرض پرداز ہوئے اَمَّا مَا كَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''یا رسول اللہ! جو قیدی ہمارے حصہ میں آئے ہیں سب حضور کی نذر ہیں''(2)۔ چنانچہ اس طرح ان دشمنوں کے اہل وعیال کو عزت واحترام سے آزاد فرما دیا۔ اس فیاضانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام سے عداوت اور عناد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ گئے اور حضور کریم کی دریا دلی کو دیکھ کر اسلام کے قدیم دشمن بھی اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔ اِس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۳۷؎ فتح مکہ کے بعد بھی مشرکینِ عرب حرمِ کعبہ میں داخل ہوتے اور اپنے جاہلانہ رواج کے مطابق طواف کرتے اور ارکانِ حج بجالاتے۔ اس آیت نے آئندہ کے لیے ممانعت کر دی کہ کعبۂ مقدسہ جو محض اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے وہاں اب مزید کسی مشرکانہ پُوجا پاٹ کی اجازت نہیں ہوگی۔ سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر برہنہ طواف کرنا اور اس قسم کی دوسری لغو رسمیں قطعاً بند ہیں۔ مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ ائمۂ مجتہدین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کی نوعیت کیا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک کوئی مشرک کسی اشدضرورت

1۔ السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان، ج2، ص316 (ماخوذ)، سبل الہدی والرشاد، ج5، ص339، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص102۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج2، ص153، دار بیروت

عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ

سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا ۳۸ے تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے

فَضْلِهٖٓ إِنْ شَآءَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ

فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ۳۹ے ان لوگوں سے جو نہیں

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

ایمان لاتے اللہ پر ۴۰ے اور نہ روزِ قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے

کے بغیر کسی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی کافر مسجدِ حرام میں داخل نہیں ہوسکتا، دوسری مساجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسجد میں کافر داخل ہوسکتا ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے اور اپنی مُشرکانہ رسوم ادا کرنے کے لیے داخلہ بند ہے۔ (جصاص)(1)

۳۸ے جب کفار سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا گیا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال گزرا کہ اس طرح تو تجارتی کاروبار بھی بند ہو جائے گا۔ ضرورت کی چیزیں نایاب ہوجائیں گی اور کھانے پینے کی اشیاء کی بھی تنگی ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کی بست و کشاد میرے دستِ قدرت میں ہے یہ خوف دلوں سے نکال دو۔ حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں (اگر چاہے) فرمانے میں تعلیم ہے کہ بندے کو چاہیے کہ طلبِ خیر اور دفعِ آفات کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور تمام اُمور کو اسی کی مشیت سے متعلق جانے (خزائن العرفان)(2)

۳۹ے جب جزیرۂ عرب کے بیشتر حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور مشرکین کی طاقت ختم کر دی گئی تو اردگرد کی حکومتوں کو بھی اسلام کی روز افزوں قوت سے خدشہ پیدا ہونے لگا اور انہوں نے اسلام کو کچل دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے تاریخ اسلام کے نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اب مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکینِ عرب کے بجائے عیسائیوں کی فوجیں صف بستہ ہونے والی تھیں۔ اس لیے اس آیت میں اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کے قواعد وضوابط بیان کیے جارہے ہیں۔

۴۰ے اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کی اجازت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں چار بنیادی خرابیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کا ایمان نہیں کیونکہ انہوں نے اس کے بیٹے مان رکھے ہیں۔ روزِ قیامت جو روزِ حساب ہے اس کے متعلق بھی انہوں نے من گھڑت تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ ان کی آسمانی کتابوں میں جو احکامِ الٰہی ہیں ان کو انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کی نذر کر دیا ہے جس حکم کو چاہا مان لیا اور جس کو چاہا نظر انداز کر دیا اور دینِ حق (اسلام) جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے لوگ اگر تسلط واقتدار کے مالک بن گئے تو ظلم وتشدد کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لیے اگر ان کی

1۔ احکام القرآن للجصاص، زیرِ آیت ہذا، ج 3، ص 88
2۔ خزائن العرفان، زیرِ آیت ہذا، ص 307، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، لاہور

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ (۴۱) اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں (۴۲)

طرف سے حملہ یا نقضِ امن کا خطرہ ہو تو ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

(۴۱) اگر وہ اسلام کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ کا پُرامن شہری بن کر رہنا چاہیں تو وہ جزیہ ادا کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔ جزیہ وہ ٹیکس ہے جو کسی مملکت کے شہریوں پر عائد کیا جاتا ہے اور کتبِ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا آغاز اسلام سے پہلے نوشیرواں نے کیا تھا اور عرب کے وہ صوبے جو ایرانیوں کی عملداری میں تھے اس سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے جب یمن کے عیسائی (اہلِ نجران) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے اسلام قبول کرنے سے معذرت پیش کی لیکن ساتھ ہی جزیہ ادا کرنے پر آپ سے صلح کر لی۔ چنانچہ تاریخِ اسلام میں یہ پہلا جزیہ ہے جو وصول کیا گیا (1)۔ جزیہ کے عائد کرنے کی مختلف وجوہات جو علماء نے بیان کی ہیں صاحب المنار نے انہیں یکجا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ان کے قتل نہ کیے جانے کا بدلہ ہے یا ان کی حفاظت اور ان کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کرنے کا معاوضہ ہے یا وہ مساویانہ حقوق جو انہیں مملکتِ اسلامیہ کا شہری ہونے کی وجہ سے حاصل ہیں اور انہیں مذہبی اور معاشی آزادی جو دی گئی ہے یا ان کے مال و جان و آبرو کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی گئی یہ اس کا معاوضہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی خدمات سے انہیں مستثنیٰ کرنے اور ان کے مال و جان اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کا معاوضہ ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ خَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ لِّصَلُوْبَا بْنِ نَسْطُوْنَا وَ قَوْمِهٖ اِنِّيْ عَاهَدْتُّكُمْ عَلَى الْجِزْيَةِ وَ الْمَنْعَةِ فَلَكَ الذِّمَّةُ وَالْمَنْعَةُ وَمَا مَنَعْنَاكُمْ (اَيْ حَمَيْنَاكُمْ) فَلَنَا الْجِزْيَةُ وَاِلَّا فَلَا۔ كُتِبَ سَنَةَ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ فِيْ صَفَرٍ۔

ترجمہ: یہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے کیا۔ میں تم سے اس بات کا معاہدہ کرتا ہوں کہ تم جزیہ ادا کرو اور ہم تمہاری حفاظت کریں۔ جب تک ہم تمہاری حفاظت کریں گے ہم جزیہ وصول کرنے کے حقدار ہیں ورنہ نہیں۔ (ماہ صفر ۱۲ھ) (2)

اس روایت سے اور اس کی ہم معنی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جزیہ اس ذمہ داری کا معاوضہ تھا جو مسلمان ان کی حفاظت اپنے ذمہ لیا کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا کہ جب کبھی مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے قاصر

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج10، ص345-344 (ماخوذ)، ترجمان القرآن از ابو الکلام احمد آزاد، ج2، ص122۔ الطبقات الکبری المعروف از ابو عبداللہ محمد بن سعد الزہری، متوفی 230ھ، ج1، ص58-357، مطبوعہ دار صادر بیروت

2۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج10، ص347

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ

اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے ۴۳ اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح

ہیں تو انہوں نے جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی۔ چنانچہ جنگِ یرموک سے پہلے جب مسلمانوں نے جنگی مصلحت کے پیشِ نظر حمص وغیرہ کو خالی کرنا ضروری سمجھا تو افواجِ اسلامیہ کے سپہ سالارِ عام حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے تمام ماتحت جرنیلوں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقہ سے جو جزیہ اور خراج انہوں نے وصول کیا ہے وہ لوگوں کو واپس کر دیں اور انہیں بتائیں کہ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہم نے قبول کی تھی جس کے عوض تم نے ہمیں یہ رقوم دی تھیں سر دست ہم اس کو نبھانے سے قاصر ہیں اس لیے ہم یہ واپس کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر کامیابی بخشی تو جو معاہدہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہو چکا ہے وہ بحال رہے گا۔ اگر تم نے اسے نہ توڑا تو ہم اس کی پابندی کریں گے۔ جب وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کا یہ رویہ دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے اور وہ دعائیں مانگنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھر واپس لائے اور دشمن پر غلبہ نصیب کرے۔ رَدَّكُمُ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ نَصَرَكُمْ عَلَيْهِمْ فَلَوْ كَانُوْا هُمْ لَمْ يَرُدُّوْا عَلَيْنَا شَيْئًا (1) "اللہ تعالیٰ تمہیں ہمارے پاس واپس لائے اور تمہاری مدد فرمائے۔ اگر وہ (رومی) ہوتے تو ہمیں پھوٹی کوڑی بھی واپس نہ کرتے"۔ یہی وہ بے مثل کردار تھا جس نے انہیں اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ عہدِ فاروقی میں ہمیں ایسے متعدد واقعات دکھائی دیتے ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ جب جزیہ ادا کرنے والوں نے جنگ میں شرکت کی تو ان کا جزیہ معاف کر دیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کس سے جزیہ لے کر صلح کی جا سکتی ہے۔ امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے جزیہ پر صلح کرنے کا حکم قرآنِ کریم میں ہے اور مجوس جو اہلِ کتاب نہ تھے ان سے حضور ﷺ نے جزیہ قبول فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کفار سے خواہ وہ اہلِ کتاب نہ ہوں جزیہ لے کر صلح کر لینا شرعاً جائز ہے بجز عرب کے بت پرستوں کے کہ اُن کے سامنے دو ہی راستے ہیں، اسلام یا تلوار (2)۔ مولانا آزاد نے یہاں خوب لکھا ہے: "باقی رہے مشرکینِ عرب، تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ سورۂ براءت کے نزول کے بعد تمام مشرکینِ عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمتِ الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیتِ عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اُٹھائے۔" (3) لیکن جو قبیلے یا اہلِ ملک جزیہ ادا کرنے پر صلح کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے تمام افراد پر بلا استثناء جزیہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے بلکہ عورتیں، بچے، بوڑھے، لنگڑے، اپاہج وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ وَلِذٰلِكَ قَالَ اَصْحَابُنَا اِنَّ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ الْقِتَالِ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ فَقَالُوْا مَنْ كَانَ اَعْمٰى اَوْ زَمِنًا اَوْ مَفْلُوْجًا اَوْ شَيْخًا كَبِيْرًا فَانِيًا وَهُوَ مُوْسِرٌ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ (جصاص) (4)

۴۲ امام شافعی اپنی احکام القرآن میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں سَمِعْتُ رِجَالًا مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ الصَّغَارُ اَنْ يُّجْرٰى عَلَيْهِمْ حُكْمُ الْاِسْلَامِ (احکام القرآن للشافعیؒ) (5) یعنی اہلِ علم نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اسلام کے احکام ان پر نافذ کیے جائیں۔

۴۳ جب یہود کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں، انبیاء کو بے دریغ قتل کرنا، تورات کے احکام میں من مانی تاویلات کرنا ان کی

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج10،ص 49-344 | 2۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج3،ص 93 | 3۔ ترجمان القرآن از ابوالکلام آزاد، ج2،ص 122
4۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج3،ص 96 | 5۔ احکام القرآن از امام شافعی، ج2،ص 60

ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

اللہ کا بیٹا ہے ۴۴ یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے انکے مونہوں سے نکلی ہوئی ۴۵ نقل اُتار رہے ہیں اُن لوگوں کے

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْٓا

قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے ۴۶ ہلاک کرے انھیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جارہے ہیں۔ انھوں نے بنا لیا

عادت بن گئی تو خدا کا عذاب بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہود کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کیا گیا اور تورات کے موجودہ نسخے بھی اس ہڑبونگ میں ضائع ہو گئے تو اس وقت حضرت عزیر جنہیں عبرانی میں عزرا (Ezra) (متوفی ۴۵۸ ق م تقریباً) کہتے ہیں، نے اپنی یاد سے یہود کو تورات عہد نامہ قدیم کی املاء کرادی اور کچھ مدت کے بعد جب تورات کا ایک نسخہ دستیاب ہوا تو وہ بعینہ اسی طرح پایا گیا جس طرح حضرت عزیر نے تحریر کرایا تھا۔ اس سے آپ کی قدر ومنزلت یہود کے دلوں میں بہت بڑھ گئی اور آپ کو مجدد دین موسوی کا خطاب دیا گیا اور ان میں سے بعض نے تو اتنا غلو کیا کہ انہیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ عام یہودیوں کا تو یہ عقیدہ نہ تھا صرف یہودیوں کا ایک گروہ اس کا قائل تھا جن کے نام بروایت ابن عباس یہ ہیں۔ سلام بن مشکم، نعمان ابن اوفی، وشاس بن قیس ومالک بن الصیف اور اب اس عقیدے کے لوگ ختم ہو چکے ہیں۔ قَالَ النَّقَّاشُ لَمْ يَبْقَ يَهُوْدِيٌّ يَّقُوْلُهَا بَلِ انْقَرَضُوْا (بحر وغیرہ)(1)۔ اور جب قوم کے بعض ذمہ دار افراد کسی بات کے قائل ہوں تو وہ بات ان کی ساری قوم کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے اگرچہ ساری قوم نے وہ بات نہ بھی کہی ہو۔

۴۴ ابن اور ولد دو عربی لفظ ہیں۔ ولد تو صلبی اولاد کو ہی کہا جاتا ہے۔ ابن کا اگرچہ حقیقی معنی یہی ہے لیکن بطور مجاز محبوب اور لاڈلے کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں۔ جیسے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (2) میں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کی اکثریت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ ابن کا معنی (SON OF GOD) ہے لیکن بعض اس سے اس کا مجازی معنی مراد لینے لگے ہیں۔ علامہ ابوحیان فرماتے ہیں کہ جب نبوت محمدی کا نور ظہور ہوا اور ابنیت کے عقیدہ کے بطلان پر اٹل دلائل قائم کر دیے گئے اور مناظروں میں بھی عیسائیوں کو لاجواب ہونا پڑا تو لاچار ہو کر انہوں نے ابن اللہ کا یہ مجازی مفہوم (یعنی محبوب) بیان کرنا شروع کر دیا۔ وَيُقَالُ اِنَّ بَعْضَهُمْ يَعْتَقِدُهَا بُنُوَّةَ حُنُوٍّ وَّ رَحْمَةٍ وَّ هٰذَا الْقَوْلُ لَمْ يَظْهَرْ اِلَّا بَعْدَ النُّبُوَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ وَ ظُهُوْرِ دَلَائِلِ صِدْقِهَا وَ بَعْدَ اَنْ خَالَطُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَ نَاظَرُوْهُمْ فَرَجَعُوْا عَمَّا كَانُوْا يَعْتَقِدُوْنَ فِيْ عِيْسٰى (3)

۴۵ علماء معانی نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قول کے ساتھ فم (منہ) یا لسان (زبان) مذکور ہے وہاں اس کا معنی غلط اور بے سروپا بات ہے۔ یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں یونہی تک بازی اور زبانی باتیں ہیں۔ (4)

۴۶ يُضَاهِـُٔوْنَ کا معنی ہے يُشَابِهُوْنَ۔ اسی وجہ سے اس عورت کو بھی ضَهْيَاء کہتے ہیں جس میں انوثت کی علامات نہ پائی جاتی

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 31
2۔ سورۃ المائدہ: 18
3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 31
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 118

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ

اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر ۴۷ ۴۸ اور مسیح فرزند

مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ

مریم کو بھی۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خُدا کی نہیں کوئی خدا بغیر اس کے

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں ۵۰ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نُور کو ۵۱

ہوں اور وہ اپنے چہرہ مہرہ سے مردوں کی ہمشکل دکھائی دے (1)۔ آیت کے ان الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہودی اور عیسائی جو حقیقت میں توحید کے علمبردار تھے ان میں مشرکانہ نظریات سرایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اردگرد جو مشرک قومیں آباد تھیں وہ خدا کو مجسم چیز مانتی تھیں۔ اور دوسری اشیاء میں اس کے حلول کی قائل تھیں۔ مثلاً یونان کے فلسفی، ان سے یہ لوگ متاثر ہوئے اور ان کے مشرکانہ نظریات کو بڑی فراخدلی سے اپنے دینِ توحید میں داخل کر لیا۔ یہودی اور عیسائی مذہب کس طرح یونانی، رُومی اور مصری فلسفیانہ نظریات سے متاثر ہوا؟ یہ اب کوئی راز نہیں رہا۔ خود یورپ کے محققین نے اس پر سیر حاصل کتابیں لکھ کر قرآنِ حکیم کے اس ارشاد کی تائید کر دی ہے۔

۴۷ احبار جمع ہے حِبر کی۔ اہلِ تفسیر اسے حَبر (بالفتح) اور اہلِ لغت اسے حِبر (بالکسر) پڑھتے ہیں۔ لیکن فراء نے کہا ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے۔ اَلْكَسْرُ وَ الْفَتْحُ لُغَتَانِ۔ اس کا معنی ہے جیّد عالم جو بڑی عمدگی اور سلیقہ سے بات کر سکے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْسِنُ الْقَوْلَ وَ يُنَظِّمُهٗ وَ يُتْقِنُهٗ بِحُسْنِ الْبَيَانِ عَنْهُ (قرطبی) (2)۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رھبۃ بمعنی خوف سے ماخوذ ہے (3)۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے اپنی ساری زندگی اس کی عبادت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔

۴۸ حضرت عدی بن حاتم پہلے عیسائی تھے۔ اب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو انہیں رب نہیں مانتے۔ قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر دیتے تو کیا تم ان کی ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ عدی نے عرض کی کہ ایسا تو ہم کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا یہی ان کو رب ٹھہرانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اگر کوئی حرام کر دے یا ان کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے تو اس نے گویا تشریع وقانون سازی جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جن لوگوں نے اس کی ان باتوں کو مان لیا، گویا انہوں نے اس کی خدائی کو تسلیم کر لیا۔ (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 118 2۔ ایضاً، ص 20-119 3۔ المنجد فی اللغۃ، ص 282

4۔ سنن ترمذی، ج 2، ص 136، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ التوبہ، فاروقی کتب خانہ

بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نُور کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسُول کو (کتاب) ہدایت اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تمام دینوں پر ۵۰ اگرچہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مُشرکوں کو۔ اے ایمان والو!

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ

بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

ناجائز طریقہ سے ۵۱ اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہِ خدا سے ۵۲ اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں ۵۳

۴۹ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسلام کے اس روشن چراغ کو بجھانے کی کتنی کوششیں کی گئیں۔ یہودیت، عیسائیت اور شرک وکفر نے سر جوڑ جوڑ کر علانیہ مقابلے بھی کیے اور سازشوں کے خطرناک جال بھی بچھائے لیکن اسلام کا نور درخشاں ہی رہا اور رہے گا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی ہی رہی اور بڑھتی ہی رہے گی۔ خداوندِ عالم کا یہ وعدہ ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت نبوتِ مصطفوی کے آفتابِ جہان تاب کو گرہن نہیں لگا سکتی۔

۵۰ جہاں تک دلیل و بُرہان کا تعلق ہے اسلام کا غلبہ تمام دوسرے مذاہب پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مسلم رہا ہے اور جب بھی ملتِ اسلامیہ نے احکامِ الٰہی کو صدقِ دل سے اپنایا تو سیاسی اقتدار بھی انہی کی کنیز بنا رہا اور جب کبھی انہوں نے احکامِ الٰہی پر عمل کرنے میں غفلت اور کوتاہی برتی تو ان کا سیاسی زوال بھی شروع ہو گیا۔ اور اسلام کے غلبہ کی یہ بھی ایک روشن دلیل ہے۔

۵۱ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر بنی اسرائیل کے عالموں اور راہبوں نے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال لوٹنا شروع کر دیا۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کو قرونِ وسطیٰ میں جو تسلط اور اقتدار حاصل رہا اس سے انہوں نے کس طرح ناجائز فائدہ اُٹھایا اور کس بے دردی سے اپنے عقیدتمندوں کی دولت کو ہتھیایا اس کی رُوداد بڑی دلچسپ اور بڑی المناک ہے۔ کیتھولک فرقہ کا پوپ جنت کے ٹکٹ قیمتاً فروخت کیا کرتا تھا۔ اس کے نائب بھی بخششِ گناہ کے پروانے لکھ کر دیا کرتے تھے

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ

سونا اور چاندی ۵۴ اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انھیں خوشخبری سنایئے

اور خریدار اپنی مالی استطاعت کے مطابق اس کی قیمت ادا کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں، شہزادوں، اُمراء، وزراء اور قوم کے دولتمند طبقہ کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے اور اس طرح ان سے منہ مانگے نذرانے وصول کرتے۔ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ کرتے اس کے علاوہ اور متعدد طریقے تھے جن سے وہ دولت کے پجاری دولت جمع کرنے میں شب و روز مصروف رہا کرتے (1)۔ لیکن یہ چیز کبھی ذہن سے نہ اُترے کہ یہی بدکاریاں اگر اسلام کے عالم اور پیر کریں گے تو وہ بھی اسی طرح مجرم قرار دیئے جائیں گے بلکہ ان کا جرم اور زیادہ سنگین ہوگا کیونکہ وہ سید المرسلین خاتم النبیین کی آخری شریعت کے امین اور نگہبان ہیں۔

۵۲ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنی حرص کی تکمیل کے لیے یہ نازیبا حرکتیں کرتے ہیں بلکہ وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو حق قبول کرنے سے بھی متنفر کرتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھاندلی اسی وقت تک رہے گی جب تک لوگ ان کے دامِ فریب میں گرفتار ہیں اور اگر اس کے پُرزے اُڑ گئے تو پھر یہ سادہ لوح ان کے قابو میں آنے کے نہیں۔

۵۳ اگرچہ بعض علماء نے اس آیت کو بھی اہلِ کتاب سے مخصوص کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس میں اہلِ کتاب اور مسلمان سب داخل ہیں۔ جس میں یہ خرابی ہوگی وہ اس سزا کا مستحق ہوگا۔ وَقَالَ اَبُوْذَرٍّ وَّغَیْرُہُ الْمُرَادُ بِھَا اَھْلُ الْکِتَابِ وَغَیْرُھُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَھُوَ الصَّحِیْحُ (قرطبی) (2)۔ کیونکہ اگر صرف اہل کتاب مراد ہوتے تو پھر اَلَّذِیْنَ کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

۵۴ کنز لغت میں اس مال کو کہتے ہیں جسے اکٹھا کر کے جمع کر دیا جائے۔ اَلْکَنْزُ اَصْلُہٗ فِی اللُّغَۃِ الضَّمُّ وَ الْجَمْعُ (3)۔ اس آیت کے متعلق صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی رائے ہے کہ وہ مال جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کو جمع کر کے رکھنے کی یہی سزا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ لیکن جمہور صحابہ جن میں خلفائے راشدین بھی ہیں کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ اِنَّ الْکَنْزَ اِسْمٌ لِّمَا لَمْ یُؤَدَّ زَکَاتُہُ الْمَفْرُوْضَۃُ (جصاص) (4) حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ سات زمینوں کے نیچے مدفون ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔ مَا اُدِّیَ زَکَاتُہٗ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ وَّاِنْ کَانَ تَحْتَ سَبْعِ اَرْضِیْنَ وَمَا لَمْ تُؤَدَّ زَکَاتُہٗ فَھُوَ کَنْزٌ وَّاِنْ کَانَ ظَاھِرًا (المنار) (5) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ ہمایوں میں بھی مال دار صحابہؓ (حضرت عثمانؓ و عبد الرحمٰنؓ) موجود تھے اور حضور نے انہیں کبھی حکم نہیں دیا کہ تم سارا مال صدقہ کر دو بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب اپنا سارا مال راہِ خدا میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور نے منع فرمایا۔ ہاں اگر صورتِ حال نازک ہو جائے، عام قحط سالی کا دَور دورہ ہو، لوگ فاقوں مر رہے ہوں، بیت المال خالی ہو چکا ہو، اس وقت صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ حاکمِ وقت ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے زیادہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ ان حالات میں دولت کا جمع رکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔ وَلَا یَجُوْزُ اِدِّخَارُ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ فِیْ مِثْلِ ذٰلِکَ الْوَقْتِ (قرطبی)۔ (6)

1۔ ماخوذ از پاکستان میں مسیحیت، ص 62-156، مطبوعہ لاہور
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 123
3۔ ایضاً
4۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 106
5۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 472
6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 125

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى

دردناک عذاب کی۔ جس دن تپایا جائیگا۵۵ (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

اس سے اُن کی پیشانیاں اور اُن کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انھیں بتایا جائیگا کہ) یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا

اپنے لیے تو (اب) چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے۔ بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ

عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ

ماہ ہے کتابِ الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے

اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ

چار عزت والے ہیں۔۵۶ یہی دین قیّم ہے ۵۷ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں

۵۵ اس کی وضاحت کے لیے یہ حدیث ہی کافی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کی ہے: مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَّا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَاُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَ جَبِيْنُهٗ وَ ظَهْرُهٗ كُلَّمَا بَرَدَتْ اُعِيْدَتْ لَهٗ (1) ''جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو لیکن وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور انہیں آتشِ جہنم میں گرم کر کے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پُشت پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب بھی وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی انہیں پھر گرم کر لیا جائے گا''۔ اللہ تعالی اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں دردناک انجام سے بچنے کی توفیق ارزانی فرماوے، آمین!

۵۶ بارہ قمری مہینوں میں سال کی یہ تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں تاکہ اس میں ردّو بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالقِ ارض وسما نے یہ محکم نظام روزِ ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیشِ نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ان بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب، ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ وفساد اور جنگ وقتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہلِ عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل بھی انہیں مل جاتا تو اسے بھی کچھ نہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب اثم مانع الزکوۃ، ج 1، ص 318

أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ۭ

اپنے آپ پر ۵۸ اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے ۵۹ جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا ۶۰ تو اور اضافہ کرنا ہے

کہتے۔ کتاب اللہ سے مراد یا تو لوحِ محفوظ ہے یا قرآنِ حکیم۔ (1)

۵۷ یہی محکم شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انہیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔ قَيِّم اصل میں قَيْوِم تھا۔ پھر سید کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی۔ (2)

۵۸ احکامِ الٰہی سے سرتابی ہر وقت بُری ہے۔ لیکن ان حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے اس لیے خصوصی طور پر ان مہینوں میں نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مقدس مقامات اور مبارک اوقات میں نیکی کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعتِ انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اِنَّ وُقُوْعَ الطَّاعَةِ فِيْ هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ اَكْثَرُ تَاْثِيْرًا فِيْ طَهَارَةِ النَّفْسِ وَوُقُوْعَ الْمَعَاصِيْ فِيْهَا اَقْوٰى تَاْثِيْرًا فِيْ خُبْثِ النَّفْسِ (کبیر) (3)

۵۹ اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پسِ پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ كَافَّةً كفّ کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و مؤنث سب کے لیے یہی آتا ہے۔ (4)

۶۰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کردی گئی تھی۔ نیز فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر تھیں۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ ان کا پیشہ قزاقی، رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا۔ تین ماہ تک متواتر (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہنا ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا اس لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر لیا اور اس میں جی بھر کر قتل و غارت کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینہ کو حرام کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی چار رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز حج علاوہ ایک عبادت کے ان کے لیے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دُور دراز سے تجارتی قافلے آتے جس سے انہیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ کیونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لیے یہ ایسے موسم میں بھی آجاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 53
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 134
3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 54
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 136

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ

کفر میں گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں

عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ

اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنھیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا

لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ہے اللہ نے آراستہ کر دیے گئے ہیں انکے لیے انکے بُرے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کیے ہے ۔ ۶۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اَے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ جب کہا جاتا ہے تمھیں کہ نکلو راہِ خدا میں ۶۲

کاروبار ماند پڑ جاتا اور انہیں دلخواہ نفع نہ ہوتا۔ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا کیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیا۔ اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں ۹ / ۱۰ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں ردّ و بدل کر لیا کرتے تھے اس لیے ان کے اس فعل کو زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ ۱۰ھ میں جب رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی حج ۹ / ۱۰ ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (1)۔ یعنی ''اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی میں اس کے لیے مقرر فرمائی تھیں''۔ اس میں مسلمانوں کے لیے بھی درسِ عبرت ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کے لیے احکامِ الٰہی میں ردّ و بدل نہ کریں۔ نَسَأ کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دینا۔ قَالَ الْجَوْهَرِيُّ النَّسِيْءُ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى مَفْعُوْلٍ مِّنْ قَوْلِكَ نَسَأْتُ الشَّيْءَ فَهُوَ مَنْسُوْءٌ اِذَا اَخَّرْتَهٗ (قرطبی) (2)۔

۶۱ یہی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ انسان گناہوں کو ثواب اور مضر چیزوں کو نفع رساں سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ شیطان کا وہ دامِ فریب ہے جس سے توفیقِ الٰہی کی یاوری کے بغیر کوئی بچ نہیں سکتا۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ ۔ (3)

1۔ بخاری شریف، ج2، ص672، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ البراءۃ (نور محمد اصح المطابع)۔ احکام القرآن از جصاص، ج3، ص109

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص136

3۔ شعب الایمان، ج1، ص476، باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث 760، دار الکتب العلمیہ

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا

سو نہیں ہے سروسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل ۔ اگر تم نہیں نکلو گے ۶۳

۶۲ جب غزوۂ طائف وحنین سے فارغ ہو کر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے تو شام سے اطلاعیں آنے لگیں کہ قیصرِ روم اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے اور غسان کا بادشاہ جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا وہ بھی اس کے ہمراہ ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کا یہاں انتظار کرنے کے بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا عزم فرمالیا اور مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ پکی ہوئی کھجوروں کے نظر فریب خوشے لٹک رہے تھے۔ ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔ ان حالات میں اتنی طویل مسافت طے کر کے جانا اور ایک منظم اور مسلح لشکر سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ منافق تو سب کے سب جھوٹے بہانے بنا کر الگ ہو گئے۔ بعض مسلمانوں کو بھی ابتداء میں یہ سفر بہت مشکل نظر آیا۔ اس وقت ربِّ ذوالجلال نے اس پُرجلال انداز میں جہاد کی دعوت دی جس سے اہلِ ایمان کی آنکھیں کھل گئیں۔ سستی اور کاہلی کافور ہو گئی اور سب کے سب (باستثناء تین) سربکف اپنے محبوب رسول کی قیادت میں قیصر کی افواجِ قاہرہ کو للکارنے کے لیے روزانہ ہو گئے (1)۔ اِنْفِرُوْا کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ منتقل ہونا اَلنَّفْرُ هُوَ التَّنَقُّلُ بِسُرْعَةٍ مِّنْ مَّكَانٍ اِلٰی مَكَانٍ لِاَمْرٍ يَّحْدُثُ (2)۔ اور اثَّاقَلْتُمْ کا معنی ہے بوجھل ہو جانا اس میں بھی زجر و توبیخ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ راہِ جہاد میں تمہارے قدم نہیں اُٹھ رہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بوجھ سے لدے ہو اور زمین پر گرا چاہتے ہو۔

۶۳ دعوتِ جہاد قبول نہ کرنے پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی اگر تم جذبۂ سرفروشی سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں نہ نکلے تو تمہیں دنیا و آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دُنیا میں تمہاری عزت و دبدبہ خاک میں مل جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے جاؤ گے۔ یہی سزا کچھ کم نہ تھی لیکن اس کے بعد جس چیز کا ذکر ہو رہا ہے وہ تو اس سے بھی سنگین ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے جو تمہیں اپنے دینِ متین کی خدمت کی سعادت اور اپنے محبوب رسول کی غلامی کا شرف عطا فرمایا ہے اس سے محروم کر دیے جاؤ گے اور کسی اور قوم کو یہ خدمت تفویض کر دی جائے گی۔ اللہ اکبر! اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکامِ خداوندی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والی امت! سن رہے ہو اس ربِ ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ، اگر اس نے اپنی بارگاہِ رضا و قرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی زرتار قبا اُتار لی، اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے

ہجر کی رات کاٹنے والو کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 61 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 140

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

تو اللہ عذاب دیگا تمھیں دردناک عذاب۔ اور بدل کرلے آئیگا کوئی دوسری قوم تمھارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا

شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ

کچھ ۶۴؎ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی ۶۵؎ تو (کیا ہوا) بے شک

اے اہلِ سنت وجماعت کے رہنماؤ! ہماری صفوں کا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا۔ شمعِ توحید ورسالت کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے؟ اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی؟ دلوں کے اُداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کرو گے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، مصطفیٰ کریم کی خوشنودی کے لیے، اسلام کی سربلندی کے لیے سب ایک ہو جاؤ۔ اپنی ذات، اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو۔ اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو، بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو جو آپ کے خواجگانِ طریقت علیہم الرضوان کا اُسوہ تھا۔

۶۴؎ دینِ اسلام کی خدمت گزاری تمہی پر موقوف نہیں، اسلام کا نور تو ہمیشہ فروزاں رہے گا اور اس کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔ یہ کام اگر تم نے نہ کیا تو کوئی دوسرا یہ سعادت حاصل کرلے گا اور تمہیں محروم کر دینے سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔

۶۵؎ اس آیت پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا کہ اگر تم اس کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا ناصر اور معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلسِ شوریٰ میں طے کرلیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور کریم کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ باہر نکلنے لگیں تو سب یکبارگی حملہ کر کے حضور کو شہید کر دیں (1)۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیب! صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو سدھارو۔ وَاَمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَابَكْرٍ (تفسیر حسن عسکری) (2) حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضور باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا الخ (3) تک پڑھ کر ان پر دم کیا، ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور حضور بخیر وعافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہِ ثور کے ایک غار میں آکر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا۔ صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہو سکتا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود اندر گئے۔ غار کو تمام خس وخاشاک سے صاف کیا۔ جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور عرض کی کہ حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضور تشریف لائے۔ صدیق کے زانو پر سرِ مبارک رکھا اور استراحت فرما ہوگئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ کے بخت کی یاوری کا کیا

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج 3، ص 232 (ماخوذ)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت 2۔ تفسیر حسن عسکری، ص 465، مطبوعہ مدرسۃ الامام المہدی، قم المقدسہ 3۔ سورۂ یٰس: 9

اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ

مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غارِ (ثور) میں تھے

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر نازل کی اللہ نے

کہنا بیتاب نگاہیں اور بے قرار دل اپنے محبوب کے روئے زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے نہ دل سیر ہوتا ہے اور آنکھیں۔ وہ حسنِ سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشمِ فطرت کو تصویرِ حیرت بنا دیا تھا، آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بختِ صدیق کی رفعتو! تم پر یہ خاکِ پریشان قربان اور یہ قلبِ حزیں نثار! اسی اثنا میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور بیدار ہوئے، اپنے یارِ غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہوگئی۔ اہل مکہ تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے منہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہو گئے، اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر انہوں نے جھک کر دیکھا تو یہ ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یَا اَبَا بَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔ اے ابو بکر! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو؟۔ نبی کی قوتِ یقین ملاحظہ ہو۔ یہ ہے توکل علی اللہ کا وہ مقام جو شانِ رسالت کے شایاں ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے اطمینان و تسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیبِ مکرم پر نازل فرمائی اور حضور کے صدقے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا ورود ہوا جس سے ان کی ہر طرح کی پریشانی دُور ہوگئی۔ حضور تین دن تک وہاں قیام فرما رہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی آ کر کھانا پہنچا جاتیں۔ آپ کے صاحبزادے ہر روز کی نئی خبریں دے جاتے اور آپ کا چرواہا عامر بن فہیرہ رات کو ریوڑ لے آتا اور تازہ دودھ پیش کرتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابلِ اعتماد تھے کہ کسی نے راز کو افشاء نہ کیا اور گراں قدر انعام کا لالچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ للچا سکا۔ کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی بلند ہوگئی۔ (1)

سطورِ بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیت کی تشریح کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالب حق کے لیے اس آیت کا ہر کلمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے اور حضور کے یارِ غار کے لازوال صدق اور بیمثال وفا کا شاہد عادل ہے۔ لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعترافِ حق اور قلم سے اظہارِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 46-144، روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 33-431

صداقت کی جرأت سلب کرلیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہوجاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے مناسب تو یہ تھا کہ ضیاء القرآن کے صفحات ایسے بے معنی مباحث سے پاک رہتے لیکن محبت اہل بیت کی آڑ میں قصرِ اسلام کو منہدم کرنے کی جو ناپاک کوششیں ہورہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ان باتوں کو بھی زیر بحث لایا جائے تاکہ سادہ لوح عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہوکر متاعِ ایمان کو گم نہ کربیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق۔ بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے جنون میں آیتِ طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اُٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اِس آیت طیبہ کو پیش کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ کو سفر ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابوبکرؓ نے رفاقت کی ہوتی تو اُسے وجہ شرف کہا جاسکتا تھا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہولیے تھے اور حضورؐ نے اس لیے اُن کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کریں اور اس طرح گرفتار کرادیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا۔ جب کفار قبائل کے نوجوان حضورؐ کے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضورؐ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابوبکرؓ کو کس نے آگاہ کیا، یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا علی مرتضیٰؓ نے، اگر حضور نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو حضرت صدیقؓ پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علیؓ نے آگاہ کیا تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو بھی حضرت صدیقؓ کے صدق ووفا پر پورا بھروسا تھا اِس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے (العیاذ باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علیؓ کی وفاداری بھی مشکوک ہوجاتی ہے۔ یعنی آپ نے اس راز کو افشاء کرکے حضورؐ کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کردیا اور اس لایعنی بات کو کوئی ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسولِ خدا کو اور شیرِ خدا کو مکمل اعتماد ہے۔ اسی لیے ان کو اِس راز سے آگاہ بھی کیا گیا اور شریکِ سفر ہونے کی سعادت بھی ارزانی فرمائی گئی۔ جب حضرت صدیقؓ کے ایمان کی گواہی علیم بذاتِ الصدور خدا نے دی اور نبی کریمؐ نے دی اور علی مرتضیٰؓ نے تصدیق کی، اگر آج کا بے عمل مسلمان صدیقِؓ اکبر پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے، صدیق اکبرؓ کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء نے اُن کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے: علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب پنجشنبہ درشہرِ مکہ امیر المومنین را بر جائے خود میخوابانید، وخود از خانۂ ابوبکر برفاقتِ او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود"۔(1)

ترجمہ: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو مکہ مکرمہ میں امیر المومنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابوبکر

1۔ منہج الصادقین، فی الزام المخالفین از ملا فتح اللہ کاشانی، ج 4، ص 260، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران

کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔ مصنف حملۂ حیدری، علامہ باذل نے واقعۂ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔ شاید ان دوستوں کے لیے سرمۂ چشمِ بصیرت کا کام دے۔

چنیں گفت راوی کہ سالارِ دیں ۔۔۔ چوں سالم بحفظ جہاں آفریں

زنزدیک آں قوم پُرمکر رفت ۔۔۔ بسوئے سرائے ابوبکر رفت

''راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے''۔

پئے ہجرت او نیز آمادہ بُود ۔۔۔ کہ سابق رسُولش خبرداده بود

''حضورؐ نے انہیں سفرِ ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ ساز و سامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے''۔

نبیؐ بردرِ خانہ اش چوں رسید ۔۔۔ بگوشش ندائے سفر درکشید

''نبی کریمؐ جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی ندا سنی''۔

چوں بوبکر ازاں حال آگاہ شد ۔۔۔ ز خانہ بروں رفت و ہمراہ شد (1)

''حضرت ابوبکرؓ جب اس حال سے خبردار ہوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضورؐ کے ہمراہ ہو گئے''۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرت صدیقؓ کو اپنے ہجرت کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہوا تھا کہ وہ بھی اس سفر میں ہمرکاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضورؐ کفار کے محاصرہ سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیقؓ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری کی روایت پیشِ خدمت ہے امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویلِ باطل کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضورؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرئیل حاضرِ خدمت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔ کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغامِ الٰہی بھی گوش گزار کیا وَ اٰمُرُكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَا بَكْرٍ (2)۔ ''میں (اللہ تعالیٰ) آپ کو حکم دیتا ہوں کہ اس پُرخطر سفر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے جائیں''۔

کیا اب بھی آپ قاضی نور اللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری کے ارشاد کو تسلیم کریں گے۔

(۲) معترضین کی کج ادائی کے کرشمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابوبکرؓ کو حضور ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوصِ نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا اس لیے حضرت ابوبکرؓ کا سفرِ ہجرت میں ہمرکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعثِ فضیلت نہیں۔

1۔ حملۂ حیدری، ص 28 ۔۔۔ 2۔ تفسیر حسن عسکری، ص 465

یا سبحان اللہ! اس ندرتِ فکر کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنبھا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو ایک کامیاب تاجر ہے جس کے پاس مال وثروت کی فراوانی ہے جسے ہر قسم کی عزت وآسائش میسر ہے، بچے ہیں، بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرا کر ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں۔ عرب کا بچہ بچہ اس کے خون کا پیاسا ہے، خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ جو شخص ان سنگین حالات میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی سنگت اختیار کرتا ہے اس کے خلوصِ نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے۔

مزید برآں غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے اس عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سرِ شام حاضر ہوتا ہے اور اہلِ مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر ریوڑ چراتا ہے۔ شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آکر ڈیرا جماتا ہے، دودھ دوہتا ہے اسے گرم کرتا ہے اور خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے۔ ابوبکر کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمت گزاری کا مظاہرہ اُس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضورؐ کی تلاش میں اس علاقہ کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں حتیٰ کہ زرخرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب بخیر وعافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کی حسنِ نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہِ حق میں کبھی کانٹا تک چبھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

(۳) پھر کہتے ہیں کہ لغتِ عرب میں صاحب کا معنیٰ ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف وفضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی اور ہمنشین ہوسکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ (۱۸:۳۸)

یعنی "جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔"

اِس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مراد کافر ہے۔

سورۂ یوسف میں يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ، "اے قید خانہ کے دو ساتھیو۔" (۱۲:۴۲)

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہلِ عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب (ساتھی) کہہ دیا کرتے۔

اِنَّ الْحِمَارَ مَعَ الْحِمَارِ مَطِيَّةٌ وَاِذَا خَلَوْتَ بِهٖ فَبِئْسَ الصَّاحِبُ

اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف "صاحب" کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت وشرف

سے محروم ہو جائیں گے۔ ایمان کے لفظ کو ہی لیجیے اس کا معنی تصدیق کرنا ہے یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت وجبت کی بھی آیت ملاحظہ ہو۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ (۵۱:۴)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لائے ہیں جبت اور طاغوت پر۔

اسی طرح ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا۔ یہ ترکِ وطن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے، کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور معبودانِ باطل کی بھی۔ وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ۔(1) وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعثِ شرف نہیں تو پھر ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف وفضیلت سے بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت افزائی نہیں ہوگی۔ درحقیقت ان الفاظ میں عزت وشرف ان کے لغوی معنوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی، عبادت جب اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز وذیشان ہوں گے۔ اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اسی نسبت نے اِس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے یعنی صدیقِ اکبرؓ، اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلک الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

ازراہِ انصاف آپ ہی بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت ومعیت اور ایک کافر وفاسق کی صحبت ومعیت یکساں ہے؟ کوئی صاحبِ ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ نیز حضرت صدیقؓ کی اس سنگت اور رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دو لفظوں میں غور فرمائیے! اس قسم کے عدد کا ذکر لغتِ عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثہ، رابع اربعہ وغیرہا، یعنی دو میں سے دوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا، اس صورت میں پہلا عدد دوسرے عدد کا جزو اور حصہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ۔ یعنی دو کو تین بنانے والا، تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ اب اسے اس میں داخل کیا جا رہا ہے۔ پہلے صرف دو تھے۔ اس عدد کے اضافہ سے اب وہ تین ہو گئے، پہلے صرف تین تھے، بعد میں اضافہ ہوا، اب وہ تین چار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے ان دونوں میں سے دوسرا۔ یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرت صدیق اکبرؓ کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبانِ رسالت نے یوں

1۔ سورۂ یونس: 18

بیان فرمایا ہے۔اوراس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''چوں ابوبکر در غار کفار را بدید، مضطرب شد و بسیار خائف گشت وگفت یا رسول اللہ! اگر کسے از مشرکان در زیر قدم خود نگہ کند ہر آئینہ ما را ببیند۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمود و مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔''(1)

ترجمہ: جب ابوبکرؓ نے غار میں سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہوا اور اندیشہ پیدا ہوا۔ عرض کی: یا رسول اللہ! اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

(۴) ہمارے یہ کرم فرما لَا تَحْزَنْ کے لفظ سے حضرت صدیقؓ پر الزامات ومطاعن کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں آپ بھی سنیے اور اُن کی روش بیداد کی داد دیجئے۔

کہتے ہیں کہ ''یہ حزن جس سے حضرت ابوبکرؓ کو منع کیا جا رہا ہے یہ طاعت تھا یا معصیت؟ طاعت تو ہو نہیں سکتا، ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اُس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لازماً یہ حزنِ معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکرؓ کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔(2)

جواباً عرض ہے کہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ اے موسیٰ خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہو گئے۔(۶۸:۲۰)

حضرت لوط کو فرشتوں نے کہا: لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ۔(3)

''اے لوط! حزن نہ کرو ہم تمہیں اور تمہارے اہل وعیال کو نجات دینے والے ہیں۔''

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا: لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔(4)

''اے حبیب! کفار کی باتیں آپ کو حزین وغمگین نہ کریں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ..........الآیہ(5)

''اے حبیب! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتیں غمزدہ کر دیتی ہیں''۔

کیا ہم ان محققین سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سید الانبیاء والرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا فتویٰ کیا ہے؟ یہ خوف اور حزن جس سے انبیاء کو روکا جا رہا ہے طاعت تھا یا معصیت؟ طاعت تو ہو

1۔منہج الصادقین، ج4،ص261 2۔روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3،ص435(ماخوذ)، روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز10،ص100

3۔سورۃ العنکبوت:33 4۔سورۂ یونس:65 5۔سورۃ الانعام:33

نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف وحزن سے روکا جارہا ہے لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمایئے انبیاء کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف امور طبعیہ میں سے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجوئی **لَا تَخَفْ** اور **لَا تَحْزَنْ** کہہ کرفرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیقؓ کو حزن وملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اِس پُرخطر سفر میں سنگت ہی نہ کرتے انہیں اگر کوئی غم تھا یا اگر کوئی حزن تھا، اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ ان کے ہادی ومرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبادا! کوئی گزند پہنچے۔ ورنہ یہ بزمِ عالم درہم برہم ہوجائے گی، گلشنِ ہستی میں خاک اُڑنے لگے گی، عروسِ گیتی کا سہاگ لٹ جائے گا۔ ارض وسما کی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہوجائیں گی۔ اپنے محبوب کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدیقؓ کے حزن وملال کی حد نہ رہی۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اے میرے یارِ باوفا! غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

(۵) ''**مَعَنَا**'' کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیتِ الٰہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیتِ علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے ساتھ ہے، جیسے اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (۵۸:۷)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں اُن کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی مشورہ کررہے ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تہدید اور سرزنش ہے۔ خبردار! اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ معیتِ الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (1)

''بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں۔''

اس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف سے ان کو نوازتا رہتا ہے۔

معیتِ الٰہی کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء ورسل کو میسّر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں اُن کی تائید ونصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب وسرفراز ہوتے ہیں اور کفر وباطل کے سرغنے ذلیل ورسوا ہوتے ہیں اور اُن تمام اقسام سے اعلیٰ وارفع معیتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو سید الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے یارِ وفادار کو

1۔ سورۃ النحل:128

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فَدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَكْرَمَكَ وَمَا اَجْوَدَكَ وَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَا اَبَابَكْرٍ مَا اَوْفَاكَ وَمَا اَسْعَدَ حَظَّكَ۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسان سے پوچھا کہ اَے حسّان! کیا تم نے شانِ صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! میں نے آپ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے۔ فرمایا: سناؤ میں سننا چاہتا ہوں۔ حسان نے عرض کیا۔

وَ ثَانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيْفِ وَ قَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ اِذْ صَعِدَ الْجَبَلَا (1)

”آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا“

وَ كَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلْ بِهٖ الرَّجُلَا (2)

”ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے“۔

حسان کے یہ شعر سن کر حضور ہنس پڑے۔ فرمایا: اے حسان! تم نے سچ کہا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے ہی ہیں۔ (ابنِ عساکر، ابنِ زہری عن انس)

اللہ تعالیٰ راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمعِ جمالِ مصطفوی کے پروانوں کی عزت و احترام اور پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز کرے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

1۔ تاریخ ابن عساکر، ج 30، ص 91-90۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت

2۔ دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، قافیہ اللام، ص 161، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنھیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے

حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

حکمت والا ہے (جہاد کے لیے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل ۶۶؎ اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ

اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔ اگر ہوتا

عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ

وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے، لیکن دور معلوم ہوتی ہے

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

انھیں مسافت ۶۷؎ اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے

۶۶؎ خفاف کا واحد خفیف اور ثقال کا واحد ثقیل ہے۔ ترکیب میں یہ حال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ تم کسی حال میں ہو جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے پھر دنیا کا کوئی بندھن، کوئی مجبوری اور کوئی عذر تمہیں میدانِ جہاد کا رُخ کرنے سے باز نہ رکھے۔ اَیْ حَالَ كَوْنِكُمْ شُبَّانًا وَّ شُيُوْخًا اَوْ فُقَرَاءَ وَ اَغْنِيَاءَ اَوْ رُكْبَانًا وَّ مُشَاتًا اَوْ اَصِحَّاءَ وَ مَرْضٰى اَوْ عُزَّابًا وَ مُتَاَهِّلِيْنَ (روح البیان) (1)۔

ترجمہ: خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا امیر، سوار ہو یا پیادے، تندرست ہو یا بیمار، تنہا ہو یا عیالدار، ہر حالت میں دعوتِ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے رزم گاہ حق و باطل میں شریک ہو جاؤ۔ اگر دشمن، عام ہلہ بول دے اور خلیفۂ وقت جہاد عام کا اعلان کر دے تو پھر ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جہاد میں شریک ہو اور اگر دشمن، ملک کے کسی ایک حصہ پر چڑھائی کر دے تو وہاں کے لوگوں کا فرض ہے کہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں جہاد کے لیے تیار ہو جائیں ورنہ گنہگار رہوں گے۔

۶۷؎ غزوۂ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تھا تو کیونکہ مسافت بڑی طویل تھی اور دشمن بڑا قوی تھا اس

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3، ص437

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾

تمھارے ساتھ۔ ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے ۶۸ (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انھیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر

صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

وہ لوگ جنھوں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ

اللہ پر اور روزِ قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۶۹

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے

لیے منافقین اپنی معذوری بیان کر کے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر معذرت خواہی کرنے لگے۔ کَانَ کا اسم محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے: لَوْ كَانَ الْمَدْعُوُّ اِلَيْهِ عَرَضًا قَرِيْبًا (1) یعنی جس چیز کی طرف انہیں بلایا گیا وہ مکان قریب ہوتا یا سفر آسان ہوتا تو پھر یہ ضرور شریک ہوتے۔

۶۸ منافقین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے عذر بیان کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی کریم النفسی کے باعث انہیں پیچھے رہنے کی اجازت فرما دیتے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انہیں رخصت نہ دی جاتی تو بھی وہ اس مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے۔ بہتر یہی تھا کہ ان کی معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کے نفاق کا حال سب کو معلوم ہو جاتا۔ یہ دریافت کرنے سے پیشتر کہ اے محبوب! تو نے انہیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی یعنی ان کو ننگا کیوں نہ ہونے دیا۔ اتنا فرمانے سے پہلے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ یہاں یہ کسی گناہ کی معافی کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ تعظیم وتکریم کے لیے ہیں۔ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی عزت وتوقیر کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز ایسے ہی کلمات سے کیا کرتے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: اِنَّ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى مُبَالَغَةِ اللّٰهِ فِيْ تَعْظِيْمِهٖ وَتَوْقِيْرِهٖ (2): یعنی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 153
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 76

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ

اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ اپنے شک میں

يَتَرَدَّدُوْنَ ۝٤٥ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

ڈانواں ڈول ہیں ۷۰ اور اگر انھوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انھوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لیے کچھ

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٤٦

سامان ۷۱ لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھڑے ہونے کو اس لیے پست ہمت کر دیا انھیں ۷۲ اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو، بیٹھے رہنے والوں

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

کے ساتھ۔ اگر نکلتے تمھارے (لشکر) میں ۷۳ تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کرکے تمھارے درمیان

ان کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر میں بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔

۶۹ اہلِ ایمان تو اشارہ پاتے ہی ہتھیار سجا کر حاضرِ خدمت ہو جاتے ہیں صرف وہ لوگ حیلے بہانے کر کے جہاد سے روگردانی کر رہے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔

۷۰ منافقین کی حالت کا بیان ہے کہ نہ تو سچے دل سے مومن ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشاد کی تعمیل میں ہمہ تن مستعد ہوں اور نہ ہی اپنے کفر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر ایمان کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہیں ادھر اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی جرأت مفقود ہے۔ بے چارے عجیب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

۷۱ ان میں سے بعض کہنے لگے: حضور! ہم تو جہاد کے لیے بالکل تیار تھے لیکن عین وقت پر کچھ ایسی مجبوریاں رونما ہو گئیں کہ بادلِ ناخواستہ ہمیں رُکنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظالم سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر ان کا قول درست تھا تو انہوں نے کچھ تیاری کی ہوتی، کچھ ساز و سامان جمع کیا ہوتا تو پتہ چلتا کہ ان کا ارادہ تو تھا لیکن مجبوریاں سدِ راہ بن گئیں۔ انہوں نے تو اپنی تلواروں سے گرد تک صاف نہ کی اور نہ اپنے ترکش میں تیروں کا جائزہ لیا۔ بھلا یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے بالکل تیار تھے؟

۷۲ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہی نہ تھا کہ وہ شریکِ جہاد ہوتے۔ اس لیے ان کے حوصلے پست کر دیئے گئے اور انہیں توفیق ہی نہ بخشی کہ وہ شریکِ جہاد ہو سکیں۔

۷۳ اللہ تعالیٰ نے کیوں پسند نہ فرمایا؟ اس کی وجہ اس آیت میں بیان فرما دی۔

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

فتنہ پردازی کرتے اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ

ظالموں کو۔ (اے حبیب!) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی ۴۷ اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لیے تجویزیں ۴۸

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ

یہاں تک کہ آگیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے۔ اور ان میں سے بعض

مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ

کہتے ہیں اجازت دیجیے مجھے (کہ گھر ٹھیرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے ۴۹ خبردار فتنہ میں تو وہ گر چکے ۵۰ اور

۴۷ یہاں ان کی سابقہ شر انگیزی کی طرف اشارہ فرمایا کہ قبل ازیں جنگِ اُحد کے موقع پر پہلے یہ لوگ لشکرِ اسلام میں شریک ہوئے لیکن راستہ میں ان کی تین سو کی نفری مسلمانوں سے الگ ہوگئی اور عین اس وقت ان کا علیحدگی اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں اور یہ خوفزدہ اور ہراساں ہو کر کفر کے مقابلہ میں نامردی اور بزدلی کا اظہار کریں۔

۴۸ یعنی آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اور تجویزیں کرتے ہیں۔ تَقْلِيْبُ الْاَمْرِ تَصْرِيْفُهٗ مِنْ وَّجْهٍ اِلٰى وَجْهٍ وَتَرْدِيْدُهٗ لِاَجْلِ التَّدْبِيْرِ وَ الْاِجْتِهَادُ فِي الْمَكْرِ وَ الْخَدِيْعَةِ (روح البیان) (1)۔ لیکن آخر کار حق ظاہر ہوا اور اس کی تابانیوں نے ان کی ساری سازشوں کو بے نقاب کر دیا۔

۴۹ حیلہ تراشی میں بھی بڑے جدت طراز تھے۔ بعض ان میں سے کہتے کہ میرے خانگی حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ میں کسی طرح جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں مجبوراً اس کی تعمیل سے قاصر رہوں گا۔ اس لیے آپ مجھے جہاد پر جانے کا حکم ہی نہ دیجیے تاکہ میں نافرمانی کے فتنہ سے بچ جاؤں۔ کتنے حیلہ ساز تھے! اسلام و کفر کی کشمکش فیصلہ کن مرحلہ میں ہے اور یہ بناوٹی پاکباز چاہتے ہیں کہ انہیں جہاد کی دعوت ہی نہ دی جائے تاکہ ان کا دامنِ تقدس نافرمانی کے داغ سے داغدار نہ ہو۔ انہیں یہ سمجھ نہ آئی کہ اس موقع پر ان کا جہاد سے پہلو تہی کرنا ہی ایک جرمِ عظیم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات کہنے والا جد بن قیس منافق تھا۔ اس نے آ کر عرض کی کہ حضور روم کی عورتیں اپنے حسن و جمال میں بہت مشہور ہیں اور عورتوں کے بارے میں میں بہت کمزور واقع ہوا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں دیکھ کر میری نیت فاسد ہو جائے اور میں فتنہ کا شکار ہو جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں۔ (2)

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3، ص443 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص158 (ماخوذ)، روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3، ص445

إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ

بیشک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔ اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بُری لگتی ہے

وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ

انھیں اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور

وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ

لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔ ۷۸ آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی

لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ

ہے اللہ نے ہمارے لیے۔ وہی ہمارا حامی وناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے مومنوں کو ۷۹ فرمائیے کیا تم

تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

منتظر ہو ہمارے متعلق ۸۰ (کہ ہم مارے جائیں۔ یہ مرنا نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جنکے ہم خواہاں ہیں) اور ہم انتظار

۷۷ جس فتنہ سے بچنے کے لیے وہ حیلے تراش رہے ہیں اس سے بڑے فتنہ میں وہ پہلے ہی گرفتار ہو چکے ہیں۔

۷۸ اگر مسلمان کسی جنگ میں مظفر ومنصور واپس لوٹتے ہیں تو ان کے ہاں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور اگر کہیں مسلمانوں کو زک پہنچتی ہے یا وہ شہید ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے گھروں میں گھی کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی دور اندیشی اور عقلمندی کے دعوے کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ حشر ہونے والا ہے اسی لیے تو ہم ان لوگوں کے ہمراہ نہیں گئے۔ قَدْ أَخَذْنَآ أَمْرَنَا کا معنی ہے کہ ہم نے پہلے ہی سے احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں۔(1)

۷۹ جب دنیا والے اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں تو ایمان والے اللہ کی نصرت واعانت پر نظر جمائے ہوتے ہیں۔ جب دُنیا والے مادّی منفعتوں اور ظاہری کامیابیوں کو اپنی کامیابی کی معراج تصور کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے تو ایمان والے ہر حال میں رضائے الٰہی کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اگر انہیں یہ سعادت خون بہا کر، سر کٹا کر بھی میسر آئے تو ان کے چہرے خوشی سے چمک جاتے ہیں اور اگر رضاءِ الٰہی حاصل نہ ہو تو ان کے نزدیک ایسی فتح بھی ہزار ناکامی سے زیادہ المناک ہے۔ وہ ہر حال میں اس کی خوشنودی کے جویاں اور اسی کی امداد اور اعانت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

۸۰ جب حضور کریم ﷺ اپنے غلاموں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین غیر جانبدار رہ کر اس جنگ کے انجام کا انتظار

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 159

اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا

کرتے ہیں تمہارے لیے کہ پہنچائے تمھیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ پس تم بھی انتظار کرو

اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ۝۵۲ قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالے ہیں۔ فرمایئے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ۝۵۳ وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ

تم سے ۸۱؎ بیشک تم ایک نافرمان قوم تھے۔ اور نہیں منع کیا ہے انھیں کہ قبول کیے جائیں

مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ

ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ۝۵۴

نماز ادا کرنے کے لیے مگر سست سست اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں ۸۲؎

کرنے لگے اور وہ اسی کو اپنی دانشوری کا کمال تصور کیے ہوئے تھے اور جب تک مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ نہ ہو جاتا وہ اپنی قسمت ان کے ساتھ وابستہ کر دینے کو قرینِ عقلمندی نہ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ان بزرجمہروں سے دریافت فرماؤ کہ تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ ہم اگر راہِ خدا میں مارے جائیں تو بھی ہم کامیاب ہیں اور اگر جنگ جیت لیں تب بھی کامیاب۔ تم اپنا خیال کرو۔ تمہارا انجام کیا ہونے والا ہے؟ اور اگر اب تک تمہیں سمجھ نہیں آئی تو تھوڑی دیر اور انتظار کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کی آتشِ غضب تمہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دے گی یا ہمارے ہاتھوں تمہیں ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

۸۱؎ بعض منافق اس جہاد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تو تیار نہ تھے لیکن وہ بالکل بے تعلق رہ کر اپنے آپ کو بے نقاب کرنا بھی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیے بارگاہِ رسالت میں مالی امداد کی پیش کش کی۔ جد بن قیس جس کا ذکر پہلے گزرا ہے وہ بھی چندہ لے کر حاضر ہوا لیکن اللہ کے حبیب نے اس کو قبول نہ فرمایا۔ کیونکہ مالی امداد بھی اسی کی قبول کی جاتی ہے جس کے دل میں ایمانِ صادق اور یقینِ محکم ہو۔

۸۲؎ اس آیت میں ان کی مالی امداد کو نامنظور کر دینے کی وجہ تفصیل سے بیان فرمادی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمھیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد ۸۳۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ

عذاب دے انھیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ

كٰفِرُوْنَ ۝۵۵ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

کافر ہوں۔ اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ

لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔ ۸۴۔ اگر مل جاتے انھیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار

۸۳۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی پیہم مخالفت کے باوجود ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ ممکن تھا کوئی سادہ لوح ان کی ظاہری آن بان کو ان کے راہِ راست پر ہونے کی نشانی خیال کرے۔ اس لیے واضح فرمایا کہ یہ دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ ان کی بربادی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ وہ اس کی محبت میں یوں مدہوش رہیں گے کہ عمر بھر انہیں حق قبول کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی اور اسی کفر پر ان کا دم نکلے گا۔ کیا ان سے بھی بڑھ کر کوئی بدنصیب ہوسکتا ہے؟ حق تو یہ ہے کہ ہر وہ نعمت جو یادِ الٰہی سے غافل کردے اور اس کے محبوب کی محبت کے ولولے کو سرد کردے بہت بڑا عذاب ہے اور ہر وہ تکلیف جو کسی غافل کو ہشیار کردے اور یادِ الٰہی کی طرف راغب کردے بہت بڑی نعمت ہے۔

۸۴۔ ایمان اور یقین ہی وہ قوت ہے جو شرفِ انسانی کی نگہبان ہے اور اسے ایک مسلک پر ثابت قدم رکھتی ہے۔ اور جہاں یہ مفقود ہو وہاں انسان مصلحت اندیشی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ جدھر ہوا کا رخ دیکھا اُدھر ہولیا۔ جس میں اپنی وقتی سلامتی نظر آئی وہی چولا بدل لیا۔ ایسی حالت میں انسان وہ مستحکم چٹان نہیں رہتا جو حوادثات کے طوفانوں سے ٹکرا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکتی بلکہ اس بے بس تنکے کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے جسے پانی کی تند موجیں جدھر چاہتی ہیں بہالے جاتی ہیں۔ منافقین کی بھی یہی حالت تھی۔ دلوں میں تو اسلام کی دشمنی تھی لیکن اسلامی حکومت کے علاوہ ان کے لیے کوئی اور پناہ گاہ بھی نہ تھی۔ اس لیے وہ کھل کر اسلام کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک بے ضمیر آدمی کی طرح قسمیں اُٹھا اُٹھا کر اپنے آپ کو ملتِ اسلامیہ کا ایک فرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ سب مکر وفریب ہے۔ ان کا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ محض مجبوری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو فوراً تم سے سارے تعلقات توڑ دیں اور

اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھیے گا) وہ منہ پھیرلیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے۔ اور بعض ان میں سے

يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ

طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں ۸۵ سو اگر انھیں دیا جاتے اُن سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ

انھیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

انھیں اللہ اور اس کے رسول نے ۸۶ اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

وہاں چلے جائیں۔

بعض الفاظ کی تشریح: مَلْجَأً، پناہ گاہ۔ مَغَارَات: مَغَارَة کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ، هِيَ الْمَوَاضِعُ الَّتِي يُسْتَتَرُ فِيهَا۔ مُدَّخَلًا: وہ جگہ جس میں تکلیف سے داخل ہوا جا سکے۔ يَجْمَحُوْنَ: جب گھوڑا سرکشی کرتا ہے اور باگ کی پروا نہیں کرتا تو کہتے ہیں جَمَحَ الْفَرَسُ (1)۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی منہ زور گھوڑے کی طرح کسی لگام کی پروا نہ کرتے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں۔

۸۵ بارگاہِ رسالت میں جب زکوٰۃ وعشر کا مال آتا اور حضورؐ اپنے ربِّ قدیر کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرتے تو منافقین جو دولت کے لالچ میں از خود رفتہ ہو چکے تھے ان کا رویہ عجیب تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر نہ ملتا یا توقع سے کم ملتا تو پھر حضورؐ کی ذاتِ اقدس واطہر پر زبانِ طعن دراز کرنے لگتے۔

۸۶ لو کا جواب محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا ...... لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (2)۔ مومن کا شیوہ تو یہی ہونا چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی اور جنابِ رسالت پناہی سے جو نعمت عطا فرمائی جائے اس پر شکریہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے اس کے مزید فضل وکرم اور اس کے محبوب رسول کی بیش از بیش جود وعطاء کا امیدوار رہے۔ مولانا عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اور جو ظاہری اور باطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور ومطمئن ہو''۔(3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 66-164 2۔ ایضاً، ص 167 3۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 253

وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ

اور اس کا رسول ۸۷ ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنیوالے ہیں۔ زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے ۸۸ جو فقیر،

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

مسکین ۸۹ اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں ۹۰ اور جن کی دلداری مقصود ہے ۹۱ نیز گردنوں کو آزاد کرانے ۹۲

۸۷ اہلِ ایمان کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ان کو مالا مال کردے گا اور اس کے پیارے رسول کا سحابِ کرم جب برسے گا اور اس کا دستِ جود وعطاء جب حرکت میں آئے گا تو فقرو افلاس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے نامِ نامی کے ساتھ اس کے حبیب کا اسمِ گرامی ملا دینے سے انسان مشرک نہیں ہوجاتا جس طرح آج کل بعض صاحبان کہتے سنائی دیتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآنِ کریم میں یہ آیت ہرگز شامل نہ ہوتی۔

۸۸ نبی رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صدقات تقسیم فرماتے تو بیمار دل لوگ طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مستحقوں کا ذکر فرما کر معترضین کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔ نیز ان مصارف کو تفصیل سے بیان کردینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مبادا! کسی وقت کوئی مسلمان فرمانروا اس مد کی آمدنی کو بے جا صرف کرنے لگے۔ نیز زکوٰۃ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم ترین رکن ہے اس لیے بھی اس کو وضاحت سے بیان کرنا ضروری تھا۔ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کردیئے گئے ہیں ۔۱۔ فقراء۔ ۲۔ مساکین۔ ۳۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ ۴۔ جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو۔ ۵۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔ ۶۔ مقروض۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور ۸۔ مسافر۔ اب تفصیل سے ان کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

۸۹ فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ قول پسندیدہ ہے۔ لیکن بعض علماء لغت نے فقیر اُسے بتایا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو(1)۔ یہ اختلاف پتہ دیتا ہے کہ حقیقت میں یہ دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ ناداری، افلاس اور احتیاج ان کے درمیان قدرِ مشترک ہے۔ اسی وجہ سے فصحاء کے کلام میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اسلم یہ ہے کہ اس بحث میں نہ اُلجھیں بلکہ نفسیاتِ انسانی کے راز دار حبیبِ کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکین کی جو تعریف کی ہے اسی کو قولِ فیصل مانیں۔ حضورؐ نے مسکین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهٗ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا(2) ''مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو جو اسے غنی کردے نہ اس کی ظاہری حالت اس کی تنگدستی کا پتہ دیتی ہو، تاکہ لوگ اس کو غریب سمجھ کر صدقہ دیں اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 169
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب النہی عن المسألۃ، ج 1، ص 333

نہ وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہو"۔ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس بیس دینار دوسو درہم ہوں (یعنی نصابِ زکوٰۃ) تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صحت مند ہو اور روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے(1) اور انہوں نے اس کے لیے یہ حدیث بطورِ دلیل پیش کی ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَّلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اَخْرَجَهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ (2)۔ لیکن حضورؐ کے اہلِ بیت بلکہ سارے خاندانِ ہاشم کے فقراء اور مساکین پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ کیونکہ حضور کریمؐ کا ارشاد ہے: اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَحِلُّ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ (3): "صدقہ آلِ محمد (علیہ التحیۃ والثناء) پر حلال نہیں کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے"۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا یہ قول ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے اغنیاء اپنے خاندان کے فقراء کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الزَّكَاةَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ تَحِلُّ لِبَنِيْ هَاشِمٍ (جصاص۔ احکام القرآن)۔(4)

۹۰ وہ لوگ جو امامِ وقت کی طرف سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی اسی مد سے دی جا سکتی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ منظم طور پر اسے وصول کرے اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ خلافتِ عباسیہ کے اختتام تک یہی طریقہ رہا۔ اگرچہ بعض خلفاء اس میں ناجائز تصرف بھی کیا کرتے لیکن زکوٰۃ پھر بھی انہی کو ادا کی جاتی تاکہ یہ نظام باقی رہے۔ چنانچہ جب خلافت بنی امیہ میں منتقل ہوگئی اور مالِ زکوٰۃ میں انہوں نے بے اعتدالیاں شروع کر دیں تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اب زکوٰۃ کسے دینی چاہیے؟ فرمایا کہ وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا: اِذَا يَتَّخِذُوْنَ بِهَا ثِيَابًا وَّ طِيْبًا: "وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے لباسِ فاخرہ اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں"۔ فرمایا: وَاِنْ اگرچہ وہ ایسا کرتے ہوں (ابن ابی شیبہ از آزاد) (5) امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر عامل بنی ہاشم میں سے کوئی ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اسے تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ كَرَامَةً وَّتَنْزِيْهًا لِقَرَابَةِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ غُسَالَةِ النَّاسِ (قرطبی) لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ اس مد سے زکوٰۃ لے سکتا ہے لِاَنَّهُ اَجِيْرٌ عَلٰى عَمَلٍ مُّبَاحٍ فَوَجَبَ اَنْ يَّسْتَوِيَ فِيْهِ الْهَاشِمِيُّ وَغَيْرُهُ (قرطبی)۔(6)

۹۱ یعنی لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) کفار کے رئیسوں کو اس غرض سے دینا کہ وہ غریب مسلمانوں کو خود بھی اذیت نہ پہنچائیں اور دوسروں کو بھی اذیت پہنچانے سے روکیں (۲) کفار کو اسلام قبول کرنے کی رغبت دلانے کے لیے مالی امداد دینا (۳) نومسلموں کی خاطرداری کے لیے ان کی اعانت کرنا تاکہ وہ پھر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تین قسم کے لوگوں کی تالیفِ قلوب کے لیے بڑی فیاضی سے دیا کرتے تھے۔ جمہور علماء کے نزدیک اب یہ شق منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی اور اب ان لوگوں کی تالیف کی ضرورت نہیں۔ لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اگر کسی وقت اس طرح خرچ کرنے کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص172 2۔ جامع ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء من لاتحل لہ الصدقۃ ج1، ص83۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص172۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ، ج1، ص231۔ سنن دارقطنی، ج2، ص118، دارالمحاسن للطباعۃ، القاہرہ

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص178۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب تحریم الزکاۃ علی الرسول، ج1، ص345، قدیمی کتب خانہ

4۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج3، ص32-131 5۔ ترجمان القرآن، ج2، ص33-132 (مفہوم) 6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص178

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

اورمقروضوں کے لیے ۹۳ اور اللہ کی راہ میں ۹۴ اور مسافروں کے لیے ۹۵ یہ سب فرض ہے

ضرورت پڑے تو خلیفۂ وقت کو اجازت ہے۔ وَقَالَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ هُمْ بَاقُوْنَ لِاَنَّ الْاِمَامَ رُبَّمَا احْتَاجَ اَنْ يَّسْتَأْلِفَ عَلَى الْاِسْلَامِ وَاِنَّمَا قَطَعَهُمْ عُمَرُ لِمَا رَاٰى مِنْ اِعْزَازِ الدِّيْنِ...... وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ الَّذِيْ عِنْدِيْ اَنَّهٗ اِنْ قَوِيَ الْاِسْلَامُ زَالُوْا وَاِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِمْ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ اُعْطُوْا سَهْمَهُمْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُعْطِيْهِمْ (1) فَاِنَّ فِي الصَّحِيْحِ بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَّسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَاَ (2) ترجمہ: علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ مصرف اب بھی باقی ہے کیونکہ خلیفہ کو کبھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کرے۔ حضرت عمرؓ نے جب اسلام کا غلبہ دیکھا تو اسے متروک قرار دے دیا۔ ابنِ عربی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اگر اسلام قوی اور غالب ہو تو یہ مصرف باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر ان کی تالیفِ قلوب کی ضرورت پڑ جائے تو انہیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا جس طرح حضور عطا فرمایا کرتے تھے۔ الصحیح میں ہے کہ اسلام آغاز میں اجنبی تھا اور ایسے ہی لوٹے گا جیسے شروع ہوا۔

۹۲ اسلام نے غلامی کے انسداد کے لیے جہاں اور کوششیں کیں وہاں یہ کوشش بھی کی کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایک حصہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے متعین کر دیا۔ اسی طرح مسلمان جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کے لیے بھی یہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ لِاَنَّهٗ اِذَا كَانَ فَكُّ الْمُسْلِمِ عَنْ رِّقِّ الْمُسْلِمِ عِبَادَةً وَّجَائِزًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَاَحْرٰى وَاَوْلٰى اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ فَكِّ الْمُسْلِمِ عَنْ رِّقِّ الْكَافِرِ وَذِلِّهٖ (قرطبیؒ) (3) یعنی جب ایک مسلمان غلام کو اس کے مسلمان آقا کی غلامی سے آزاد کرانا عبادت ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ جائز ہے تو ایک مسلمان کو کافر کی غلامی سے رہائی دلانے کے لیے زکوٰۃ سے خرچ کرنا تو اور زیادہ ضروری اور مناسب ہوگا۔

۹۳ وہ مقروض جن کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں، ان کی امداد بھی زکوٰۃ کے فنڈ سے کی جاسکتی ہے۔ اس طبقہ کی حالتِ زار پر بھی اسلام نے ہی ترس کھایا۔ لیکن اس کے نزدیک شرط یہ ہے کہ یہ قرض اس نے کسی بُرے کام کے لیے نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی وجہ سے وہ مقروض ہوا ہو۔ (4)

۹۴ اس سے مراد وہ حج کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہیں جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے وہ جنگی ساز و سامان مہیا نہ کر سکتے ہوں۔ ان کی اعانت بھی مالِ زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد صرف یہ دو قسم کے لوگ نہیں بلکہ ہر وہ کام جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ہو وہ سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ دینی مدرسے جس میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہو اور دین کے مبلغ اور محقق تیار کیے جاتے ہوں وہ بطریقِ اَولیٰ اس میں داخل ہیں۔ شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں اس کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا: وَقَالَ الْاٰلُوْسِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِ الْكَلِمَةِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ اُرِيْدَ بِذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ مُنْقَطِعُوا الْغُزَاةِ وَالْحَجِيْجِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ طَلَبَةُ الْعِلْمِ وَاقْتَصَرَ عَلَيْهِ فِي الْفَتَاوَى الظَّهِيْرِيَّةِ وَفَسَّرَهٗ فِي الْبَدَائِعِ بِجَمِيْعِ الْقُرَبِ فَيَدْخُلُ فِيْهِ كُلُّ سَعْيٍ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ (5) "علامہ آلوسی نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 181 2۔ صحیح مسلم، ج 1، ص 84، کتاب الایمان باب بیان ان الایمان بدا غریبا وسیعود غریبا، قدیمی کتب خانہ 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 183 4۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ از عبد الرحمن الجزیری، ج 1، ص 623، مطبوعہ دار الفکر بیروت 5۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 580

اللہِ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنۡہُمُ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ النَّبِیَّ وَ

اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو ۹۶ (اپنی بدزبانی سے) اذیت

ابو یوسف کے نزدیک اس سے مراد وہ غازی اور حاجی ہیں جو اپنے وطن سے دور ہوں اور ان کے پاس اپنے اخراجات پورے کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اور بعض نے اس سے مراد طلبہ لیے ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالب علم ہی لیے ہیں۔ اور صاحب بدائع کے نزدیک ہر وہ نیک کام سبیل اللہ میں داخل ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہو سکے" اس کے بعد صاحب المنار رقمطراز ہیں وَ التَّحْقِیْقُ اَنَّ سَبِیْلَ اللهِ هُنَا مَصَالِحُ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةً الَّتِیْ بِهَا قِوَامُ اَمْرِ الدِّیْنِ وَ الدَّوْلَةِ دُوْنَ الْاَفْرَادِ (ج ۱۰۔ص ۵۸۵) (1) ترجمہ: تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ مصالح اور مفید کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ جن سے دین اور دولت دونوں کو تقویت حاصل ہو۔ وَ مِنْ اَهَمِّ مَا یُنْفَقُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فِیْ زَمَانِنَا هٰذَا اِعْدَادُ الدُّعَاةِ اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اِرْسَالُهُمْ اِلٰی بِلَادِ الْکُفَّارِ مِنْ قِبَلِ جَمْعِیَّاتٍ مُّنَظَّمَةٍ تَمُدُّهُمْ بِالْمَالِ الْکَافِیْ کَمَا یَفْعَلُهُ الْکُفَّارُ فِیْ نَشْرِ دِیْنِهِمْ (ج ۱۰۔ص ۵۸۷) (2)۔ ترجمہ: ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے وہ مبلغینِ اسلام کو تیار کرنا ہے اور انہیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفار کے ممالک میں تبلیغ دین کے لیے بھیجنا ہے اور ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ یَدْخُلُ فِیْهِ النَّفَقَةُ عَلَی الْمَدَارِسِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّةِ وَغَیْرِهَا مِمَّا تَقُوْمُ بِهِ الْمَصْلَحَةُ الْعَامَّةُ (ج ۱۰۔ص ۵۸۸) (3) ترجمہ: اس میں مدارسِ اسلامیہ داخل ہیں جن میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحتِ عامہ ہے۔

۹۵ وہ مسافر جس کی زادِ راہ ختم ہو چکی ہو اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو زکوۃ سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ سفر کسی گناہ کی نیت سے نہ ہو۔ (4)

۹۶ جوہری (امام لغت) کہتے ہیں کہ جو شخص ہر ایک کی بات سن لے اسے رَجُلٌ اُذُنٌ کہتے ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو ہر ایک کی بات سنے بھی اور اسے مان بھی لے اسے رَجُلٌ اُذُنٌ کہا جاتا ہے (قرطبی) (5) منافقین کا یہ شیوہ تھا کہ اپنی نجی محفلوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی جنابِ پاک میں جو جی میں آتا بک دیتے۔ اگر کوئی انہیں کہتا کہ تمہاری باتوں کا علم اگر حضور علیہ السلام کو ہو گیا تو بڑی فضیحت ہو گی تو وہ نابکار کہتے: اجی اس کا فکر نہ کرو، وہ کانوں کے بڑے کچے ہیں۔ اگر کسی نے ہماری کوئی بات ان سے کہہ بھی دی تو کیا ہوگا؟ ہم جا کر حلفیہ بیان دے دیں گے کہ ہم نے یہ بات ہرگز نہیں کہی تو وہ فوراً ہماری بات مان جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کا تمہاری بات سن لینا اور تم سے اعراض کرنا تمہارے لیے ہی اچھا ہے۔ ورنہ اگر حقیقت آشکارا کر دی جاتی تو تمہارا نفاق ظاہر ہو جاتا اور تم روسیاہوں کو منہ چھپانے کے لیے جگہ نہ ملتی۔ وہ تو محض از راہ شفقت و پردہ پوشی تم سے اعراض کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ وہ تمہاری بات کو سچ سمجھتے ہیں اور تمہارا جھوٹ ان سے پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی بات کا یقین رکھتے ہیں اور مخلص اہل ایمان کی باتوں پر اعتبار کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 585 2۔ ایضاً، ج 10، ص 587 3۔ ایضاً، ج 10، ص 588
4۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج 1، ص 623 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 192

يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ

دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے ۹۷ جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں ۹۸ اللہ کے

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ

رسول کو۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں ۹۹ اللہ کی تمہارے سامنے

۹۷ جو بیگانوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور دشمنوں کو رُسوا نہیں کرتا اس کی شفقت، اس کی رأفت، اس کی رحمت اپنوں پر کس طرح نوازشات فرماتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے سابقہ جملہ کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔

۹۸ قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتا دیا کہ کوئی ہو جس نے میرے حبیبؐ کے دِلِ رحیم کو ایذا پہنچائی وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اب وہ لوگ جو حضورؐ کے کمالاتِ علمی کا انکار کرتے ہیں اور اس بُرے ارادے سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسی چیز ہاتھ آ جائے جس سے وہ اپنے ناقص اور غلط خیال کے مطابق اللہ کے پیغمبر کی جہالت ثابت کر سکیں یا کمالاتِ مصطفوی کا انکار کر سکیں اور اس رفعت وتقدّس مآب کی جناب میں بازاری الفاظ بڑی بے حیائی اور بے باکی سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کرتے ہیں وہ خود سوچیں کہ ان کا حشر کیا ہوگا۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا (1)

۹۹ بتایا جا رہا ہے کہ منافقین کتنے نادان ہیں کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی پاک باطنی اور نیک نیتی کو ثابت کرنے کے لیے آسمان وزمین کے قلابے ملاتے ہیں۔ لیکن ایسی باتوں سے اللہ اور اس کا رسول تو خوش نہیں ہو سکتا۔ اور حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کے لیے کوشاں رہتے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ کی ترکیب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول کا ذکر کر دیا جائے تو ہر جگہ شرک نہیں ہو جاتا، جیسے بعض متشدد لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اہلِ ایمان کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور اس کے حبیب رسول کی خوشنودی ہر عمل میں پیشِ نظر رکھیں۔ نحوی قاعدہ کے مطابق يُرْضُوْهُمَا ہونا چاہیے تھا کیونکہ مرجع اللہ اور رسول دو ہیں اس لیے ضمیر بھی تثنیہ کی ہونی چاہیے تھی۔ واحد کی ضمیر ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا دو الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ جس پر اللہ راضی اس پر اس کا رسول بھی خوش اور جس پر اس کا رسول راضی اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی میسر ہے۔ (2)

1۔ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 903، از عزت بخاری
2۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 607

لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا

تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ

مُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ

ایماندار ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے [۱۰۰] اللہ اور اس کے رسول کی تو

لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ

اس کے لیے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ ڈرتے رہتے ہیں

الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي

منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جاتے اہل ایمان پر کوئی سورت جو آگاہ کر دے انھیں جو کچھ منافقوں

قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿۶۴﴾

کے دلوں میں ہے۔ آپ (انھیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو۔ یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو [۱۰۱]

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ

اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرمائیے

[۱۰۰] محاداة کہتے ہیں کسی کے مقابلے میں اپنا الگ محاذ قائم کر لینا وَالْمُحَادَاةُ وُقُوعُ هٰذَا فِي حَدٍّ وَّذَاكَ فِي حَدٍّ (قرطبی)(1) مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا ابدی ٹھکانا دوزخ ہے۔

[۱۰۱] یعنی ان کو ہمیشہ اس بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کے نفاق کو ظاہر نہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک جس چیز کا تمہیں اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا اور ہم نے اپنے مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ وازکی الثناء کو تمہارے ناموں اور تمہارے کاموں پر مطلع کر دیا۔ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ان کو ظاہر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے احوال اور ان کے اسماء کا علم عطا فرما دیا۔ اِخْرَاجُ اللّٰهِ اَنَّهٗ عَرَّفَ نَبِيَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَحْوَالَهُمْ وَ اَسْمَاءَهُمْ لَا اَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الْقُرْاٰنِ وَلَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَ هُوَ نَوْعُ اِلْهَامٍ (2)۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ السلام کو ان کے حالات اور ان کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 194 2۔ ایضاً، ص 196

أَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ

(گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے؟ ۱۰۲ (اب) بہانے مت بناؤ

كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو تم میں سے تو عذاب دیں گے

نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ

دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے۔ منافق مرد اور

الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں ۱۰۳ حکم دیتے ہیں برائی کا اور

ناموں پر آگاہ کر دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے نام اور احوال تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر کر دیئے بلکہ بذریعہ الہام ان کا علم دے دیا۔ قرآن کریم میں ہے وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ: (1) اے حبیب! تم ان کی گفتگو کے لہجہ سے انہیں ضرور پہچان لو گے۔ یہ پہچان بھی الہام کی ایک قسم ہے"۔

۱۰۲ مسلمانوں کا تمسخر اُڑانا منافقین کا ایک پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کوئی موقع بھی تو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ خصوصاً جب مسلمان اپنی بے سروسامانی کے باوجود قیصر سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے تو ان بدباطنوں کو پھبتیاں اُڑانے کا زرّیں موقع مل گیا۔ کوئی کہتا: یہ دیکھو! چشم بد دور! اب شہنشاہِ رُوم سے جنگ لڑنے چلے ہیں۔ کوئی کہتا ان کے وہاں پہنچنے کی دیر ہے رُومی فوجیں ان کی وہ درگت بنائیں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ دوسرا کہتا: یار مزا تو جب ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور اُوپر سے کوڑے برس رہے ہوں۔ غرضیکہ جب ان کی نامعقول باتوں کا چرچا ہوتا تو گربہ مسکین کی طرح حاضر ہوتے اور کہتے: یا حضرت! ہم تو صرف دل لگی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کم بختو! کیا اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کوئی نہیں رہا جس کے ساتھ تم دل لگی کر سکو۔

۱۰۳ منافق مرد ہوں یا عورتیں سب کا مزاج یکساں ہے۔ ہر برے نظریہ اور ہر بُرے فعل کی ترویج و اشاعت میں بڑے چست ہیں اور اگر کہیں سے نیکی کی کرن پھوٹے تو تلملا جاتے ہیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی پھلنے پھولنے نہ پائے اور اس کے علمبردار کہیں ترقی اور اقتدار حاصل نہ کر لیں۔ اگر نیک کام میں ان سے مالی اعانت کا مطالبہ کیا جائے تو خواہ ان

1۔ سورۂ محمد: 30

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ۔ (حقیقت یہ ہے کہ) انھوں نے بھلا دیا ہے

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انھیں ۱۰۴ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ

منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا، ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں۔ یہی کافی ہے انھیں

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لیے ہے دائمی عذاب ۱۰۵ (اے منافقو!) تمھاری حالت بھی ایسی ہے جیسے اُن

كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا

لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں ۱۰۶ سو لطف اٹھایا انھوں نے

کے ہاں روپیہ کی فراوانی ہو ان کی مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں اور انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس کے لیے ایک پائی بھی خرچ کریں۔

۱۰۴ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ انہیں اپنا خدا یاد نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولائے کریم نے بھی ان بدنصیبوں کو اپنی رحمت وعنایت سے فراموش کر دیا۔ جہاں دوسروں کے لیے اس کے فضل وکرم کے دروازے کھلے ہوتے ہیں وہاں ان کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، گویا باہر کوئی سائل ہے ہی نہیں جس کی طرف دستِ جود وسخاء دراز کرنا مطلوب ہو۔ خدا فراموشی انسان کو خود فراموش بنا دیتی ہے۔ یہ جرم جتنا بڑا ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہے۔

۱۰۵ رحمت وعنایت کے مستحقین کی فہرست سے تو ان کا نام خارج کر دیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس کی خواہش ہی نہ تھی البتہ دوزخ کے دہکتے ہوئے انگارے ان کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی کے لیے وہ عمر بھر کوشاں رہے۔ اسی کی آرزو میں وہ رات دن بے قرار رہے۔ سو اب ان کی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے ان سے پختہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ انہیں جہنم میں ابدی قرارگاہ دے دی جائے گی جہاں سے انہیں نکالا نہیں جائے گا۔

۱۰۶ اے اہلِ نفاق! اس محفلِ ہستی میں تمہارا وجود کوئی اچنبہ نہیں۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزر چکے ہیں جو قوت وطاقت میں اور مال ودولت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ انہیں بھی سمجھانے والوں نے بہتیرا سمجھایا لیکن زندگی کے اعلیٰ اور پاکیزہ مقصد کو سمجھنے

بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ

اپنے (دنیوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انھوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہتے تھے یہی

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ۔ اور یہی لوگ نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ

اُٹھانے والے ہیں ۔ کیا نہ آئی اُن کے پاس خبر اُن لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قومِ نوح

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ

اور عاد اور ثمود اور قومِ ابراہیم اور اہلِ مدین اور

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

وہ بستیاں جنھیں اُلٹ دیا گیا تھا ۔ ۷۱ آئے تھے ان سب کے پاس انکے رسُول روشن دلیلیں لیکر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور)

سے ان کی خام عقلیں قاصر رہیں اور وہ جسمانی لذتوں اور شہوانی خواہشوں میں ہی کھو کر رہ گئے ۔ اور زندگی کی قیمتی گھڑیاں یونہی برباد کر کے اس دُنیا سے چلے گئے ۔ اور ان کا انجام بہت حسرتناک اور دردناک ہوا ۔ وہی روش تم نے اختیار کر رکھی ہے ۔ سو تمہارا بھی وہی عبرتناک انجام ہونے والا ہے ۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ خبر ہے اور اس کی مبتداء اَنْتُمْ محذوف ہے ۔ تقدیر کلام یوں ہے: اَنْتُمْ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (قرطبی) (1) ۔

۷۱ اب صراحۃً ان قوموں کے نام لے لے کر انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے جن کی عظمت و سطوت کی داستانیں اور پھر ان کی تباہی و بربادی کے قصے خود ان کے ہاں بچے بچے کی زبان پر تھے ۔ اصحابِ مدین سے مراد قومِ شعیب علیہ السلام ہے ۔ مُؤْتَفِكَات: اِئْتَفَكَ کا معنی ہے زمین کو زیر و زبر کر دینا ۔ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے کہ جب ان پر عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو اُلٹ دیا گیا ۔ (2)

1 ۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 200 2 ۔ ایضاً، جز 8، ص 202

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٧٠ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ١٠٨ نیز مومن مرد

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں . حکم کرتے ہیں نیکی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ۔١٠٩ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ

١٠٨ مذکورہ بالا قوموں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ان پر ظلم اور زیادتی نہیں تھی بلکہ ان کو صحیح راستہ بتادیا گیا۔ وقتاً فوقتاً ان کو ان کی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے انبیاء بھیجے گئے، آسمانی ہدایت کی روشنی ان کے سامنے حق و باطل کو نمایاں کرتی رہی لیکن با ایں ہمہ جب وہ اسی راہ پر چلنے پر مصر ہوئے جو ہلاکت کے گہرے غار میں لے جانے والی تھی تو انجام کار وہ اس غار میں جا گرے۔ اب تم خود فیصلہ کرلو کہ قصوروار کون ہے؟ اور کیا خداوندِ عالم نے ان کے ساتھ بے انصافی کی، یا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے؟

١٠٩ وہ قوم جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا ان کی خصوصیتوں کا بیان تو گزر چکا کہ انہیں نیکی سے طبعی ضد ہے اور برائی سے طبعی مناسبت۔ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے سے ان کے دل ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد تو انہیں نصیب نہیں لیکن جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور اسلام کو اپنا دین اور نبی پاک کو اپنا ہادی اور مُرشد تسلیم کیا کیا انہوں نے صرف اپنا لیبل ہی بدلا ہے یا اِن میں اور اُن میں حقیقی فرق بھی ہے؟ اس آیت میں اس حقیقی فرق اور عظیم انقلاب کی کیفیت بیان کی جارہی ہے جو لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے انسان میں رونما پذیر ہوتا ہے۔ فرمایا: جو خوش نصیب مرد اور عورتیں میرے حبیب کی دعوت کو قبول کرتی ہیں ان میں ایک ایسا انقلاب رُونما ہوتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ نیکی کو فروغ دینے کے لیے اپنے سارے وسائل وقف کر دیتے ہیں۔ اپنی راحت و آرام کو قربان کر دیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو نیکی کا پرچم بلند رکھنے کے لیے وہ اپنی جان بھی خوشی خوشی نثار کر دیتے ہیں اور ان کا وجود باطل کے لیے تو ایک چیلنج ہوتا ہے۔ وہ باطل اور برائی کی سروری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور جہاں تک ان کا بس چلتا ہے وہ اس کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے میں دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ نماز ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسولِ کریم کے ہر حکم کی اطاعت

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ

نشلہ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے

جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسَٰكِنَ

باغات کا، رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ

طَيِّبَةً فِي جَنَّٰتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ

مکانات کا سدا بہار باغوں میں ااشلہ اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے ۱۲شلہ یہی تو

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جَٰهِدِ الْكُفَّارَ

بڑی کامیابی ہے ۱۳شلہ اے نبی کریم! جہاد کیجیے کافروں اور

کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

نشلہ یہاں سین تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنی رحمت فرمائے گا۔ وَحَرْفُ السِّيْنِ فِي قَوْلِهٖ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ لِلتَّوْكِيْدِ وَالْمُبَالَغَةِ (رازی) (1)

ااشلہ جب کوئی چیز کسی جگہ ہمیشہ کے لیے اقامت گزیں ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں: عَدَنَ بِمَكَانِ كَذَا۔ اسی لیے کان کو بھی معدن کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ اسی دھات کی قرار گاہ ہوتی ہے۔ ویسے جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام بھی عدن ہے جو وسط میں ہے اور دوسرے جنّت اس کے اردگرد ہیں۔ اسی میں تسنیم کا چشمہ ہے۔ انبیائے کرام، شہداء، صدیقین کے لیے مخصوص ہے۔ وَقَالَ مُقَاتِلٌ وَّالْكَلْبِيُّ عَدْنٌ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ وَفِيْهَا عَيْنُ تَسْنِيْمٍ وَّالْجِنَانُ حَوْلَهَا (قرطبی) (2)

۱۲شلہ بے شک اہلِ عشق و محبت تو فقط اسی کے متلاشی رہتے ہیں۔ محبوبِ حقیقی کی خوشنودی سے کم وہ کسی چیز پر مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کی شب بیداریاں، ان کی ریاضتیں اور ان کی آہ وزاریاں اسی لیے تو ہوتی ہیں کہ ان کا محبوب ان پر راضی ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں۔

اِذَا كُنْتَ عَنِّيْ يَا مُنَى الْقَلْبِ رَاضِيًا ۔۔۔ اَرٰى كُلَّ مَنْ فِي الْكَوْنِ لِيْ يَتَبَسَّمُ (3)

"اے میرے مطلوبِ دل! اگر تو مجھ پر راضی ہو جائے تو مجھے کائنات کی ہر چیز مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

کتنا بلند اور پاکیزہ ہے یہ مقصد اور کتنے خوش نصیب اور سعادتمند ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اس مقصد کی لگن ہوتی ہے۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 134 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 204 (ماخوذ) 3۔ ایضاً

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ

منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجیے ان پر ۱۱۴ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُرا

الْمَصِيْرُ ۝۷۳ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ

ٹھکانا ہے۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انھوں نے یہ نہیں کہا ۱۱۵ حالانکہ یقیناً اُنھوں نے کہی تھی کفر کی

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَ مَعَهُمْ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ الْاَمِيْنِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۱۳ ؏ یزداں بکمند آورا ے ہمتِ مردانہ (1)

۱۱۴ اس آیت میں غور کرنے سے ان لوگوں کے تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع ہو جانا چاہیے جو حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کے مقامِ رفیع کے انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے ایمان میں بھی شک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کفار اور مشرکین کے ساتھ اب نرمی اور عفو و درگزر کا سلوک نہ کیجیے بلکہ ان کے ساتھ جنگ کیجیے اور سختی سے برتاؤ کیجیے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہو چکا تھا اور سارے جزیرۂ عرب میں اسلام کی عظمت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کو کسی کا اندیشہ نہ تھا تاکہ یہ کہا جاسکے کہ حضور اسلام کی ظاہری کمزوری کے باعث منافقوں سے سختی نہ کر سکے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک اپنے تمام صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ، کریمانہ اور فیاضانہ تھا، محبت وعنایت کا بادل ہر وقت ان پر برستا رہا یہ دیکھ کر ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ ایمان ویقین کے مجسمے تھے۔ حضورؐ کی تئیس سال کی شبانہ روز محنت وتربیت کے شیریں ثمر تھے۔ اگر ان کو کوئی نادان منافق کہتا ہے تو وہ ان کو نہیں ان کے آقا ومولیٰ پر گویا یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے ان سے یہ محبت بھرا سلوک کر کے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

۱۱۵ منافقین جو دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ محض دنیاوی مفاد اور سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے جب وہ الگ بیٹھتے تو اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف گستاخیاں کرتے اور جب بھی ان کا راز فاش ہوتا تو اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کے پل باندھ دیتے کہ واللہ باللہ ہم نے ہرگز یہ بات نہیں کہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں سے تم خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جو سب رازوں کا جاننے والا ہے۔ تم نے یہ باتیں کہیں اور اظہارِ اسلام کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا۔ اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بارہ تیرہ منافقوں نے تہیہ کر لیا کہ جب رات کو حضورؐ سفر کر رہے ہوں اور کسی گھاٹی کے دہانے پر پہنچیں تو دھکا دے کر گرا دیا جائے۔ چنانچہ حضور تشریف لیے جا رہے تھے۔ حذیفہؓ بن یمان اونٹنی کی نکیل پکڑے آگے آگے تھے اور عمار پیچھے پیچھے۔ جب اونٹنی ایک گھاٹی کے کنارے پر پہنچی تو بارہ آدمی جنھوں نے اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ نے

1۔ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 336، پیامِ مشرق، ص 166

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

بات اور انھوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے[116]

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

سو اگر وہ توبہ کرلیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ

عتاب آلود آواز سے جب انہیں للکارا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے حذیفہ و عمار سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے انہیں پہچانا؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انہوں نے منہ چھپائے ہوئے تھے، ہم تو انہیں پہچان نہ سکے۔ حضورؐ نے فرمایا: هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ یہ ازلی بدبخت ہیں۔ قیامت تک یہ منافق ہی رہیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اس مقصد کے لیے آئے تھے کہ مجھے کھائی میں گرادیں۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ ان کے قتل کا حکم کیوں صادر نہیں فرمادیتے؟ حکیم نبی نے جواب دیا: لَا۔ اَكْرَهُ اَنْ يَّتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا اَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰى اِذَا اَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِّنْ نَّارٍ يَّقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ اَحَدِهِمْ فَيُهْلِكُ (ابن کثیر) (1) ترجمہ: نہیں۔ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد (علیہ السلام) ایک قوم کو ساتھ لے کر لوگوں سے لڑتا رہا اب جب غالب آگیا تو اسی قوم کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر عرض کیا: اے اللہ! انہیں دبیلہ کا تیر مار۔ ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ آگ کا شعلہ ہے جو ان کی رگِ دل پر پڑے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا۔

۱۱۶ یعنی ان احسان فراموشوں کو دیکھو کہ قرضوں کے بوجھ تلے دبے جارہے تھے، کھانے تک کو میسر نہ تھا میرا رسول مدینہ میں تشریف فرما ہوا تو اس کی برکت سے کاروبار میں برکت ہوئی، کھیتوں میں اناج پیدا ہونے لگا، مالِ غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملتا رہا۔ اب جب مالی حالت اچھی ہوگئی تو بجائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں جن نوازشات سے مالا مال فرمایا اس کا شکر یہ ادا کرتے الٹا مخالفت پر آمادہ ہیں۔ یہ بعینہ اس طرح ہے جس طرح ہم اردو میں کہتے ہیں کہ میرا اس کے سوا اور کیا قصور ہے کہ میں نے اسے مصیبت سے نجات دلائی۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 272۔ دلائل النبوۃ، ج 5، ص 261، دار الکتب العلمیہ، بیروت

عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

عذاب الیم ۔ دُنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا رُوئے زمین

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ

میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ۔ اور کچھ ان میں سے وہ ہیں ۱۷۱؎ جنھوں نے وعدہ کیا اللہ کے

۱۷۱؎ ثعلبہ بن حاطب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مالدار کردے۔ حضورؐ نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم میری طرح ہو؟ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے کے بن جاتے اور میرے ساتھ ساتھ چلتے۔ اس نے پھر وہی عرض کی کہ حضور دعا فرمادیں کہ میں مالدار ہوجاؤں اور مجھے خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق مبعوث فرمایا اگر مجھے دولت ملی تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا: اے ثعلبہ! قَلِيْلٌ تُطِيْقُ شُكْرَهٗ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرٍ لَّا تُطِيْقُهٗ: اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرسکو اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے سے قاصر رہو۔ لیکن اس نے پھر اپنی عرض دہرائی۔ حضورؐ نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا ''اے اللہ اس کو مال عطا فرما''۔ اب کیا تھا! لبِ مصطفوی دُعا کے لیے کھلے تو ادھر رزق کے دروازے کھل گئے۔ اس نے چند بکریاں خریدیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ مدینہ میں کوئی حویلی ایسی نہ تھا جہاں وہ سماسکیں۔ باہر دور جنگل میں ڈیرہ بنایا۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ صبح وشام مسجد میں بسر ہوتی اور اسی وجہ سے اسے حَمَامَةُ الْمَسْجِدِ (مسجد کی کبوتری) کہا جاتا تھا۔ اب پہلے دن کو غیر حاضری ہوئی۔ پھر رات کو بھی غیر حاضری ہونے لگی۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز مسجدِ نبوی میں نصیب ہوتی۔ لیکن ریوڑ کی غیر متوقع افزائش کے باعث مصروفیات اتنی بڑھیں کہ جمعہ تو کیا عید کے دن بھی حاضری نصیب نہ ہوتی۔ اسی اثنا میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ حضورؐ نے اپنے دو عامل اس کے پاس روانہ فرمائے۔ اس نے کہا: یہ تو بہت زیادتی ہے۔ تم ذرا آگے سے ہوآؤ میں اتنے میں سوچ رکھوں گا۔ وہ دونوں اس کے ہاں سے سلیمی کے پاس گئے۔ اس نے ثعلبہ کی بات سن لی تھی۔ اس نے بہترین جانور زکوٰۃ کے لیے بخوشی پیش کردیے۔ جب واپسی پر ان عاملوں کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو کہنے لگا ذرا وہ خط دکھاؤ، دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے؟ پڑھنے کے بعد کہنے لگا: یہ تو جزیہ ہے۔ تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ جب وہ عامل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس سے پیشتر کہ وہ کچھ عرض کریں حضورؐ نے فرمایا: وَيْحَ ثَعْلَبَةَ بْنِ حَاطِبٍ: ثعلبہ ہلاک ہوگیا اور سلیمی کے لیے حضورؐ نے دُعا فرمائی۔ چنانچہ ثعلبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے رشتہ داروں نے اسے بتایا کہ تیرے حق میں یہ آیت اُتری ہے تو زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے مجھے منع فرمادیا ہے۔ چنانچہ وہ رونے لگا اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی وہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تیری زکوٰۃ اللہ کے رسول نے منظور نہیں فرمائی تو میں کیسے منظور کرسکتا ہوں؟ پھر عہدِ فاروقی میں حاضر ہوا اور زکوٰۃ پیش کی۔ حضرت فاروقؓ نے بھی یہ کہہ کر رد فرمادی کہ جب تیری زکوٰۃ

اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

پس جب اس نے عطا فرمایا انھیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور رُوگردانی کر لی اور وہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ

منہ پھیرنے والے ہیں۔ پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں ۱۱۸ اس دن تک جب ملیں گے

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ

اس کو اس وجہ سے کہ انھوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انھوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ

کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

ہے سارے غیبوں کو۔ جو لوگ (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے ۱۱۹

رسولِ کریم ؐ نے اور صدیق اکبرؓ نے قبول نہ کی تو میں کیونکر قبول کر سکتا ہوں؟ چنانچہ اسی حالت میں وہ عہدِ عثمانی میں مر گیا۔ (1)

۱۱۸ یعنی نفاق کی بیماری جو پہلے ان میں تھی اس پیہم بد عملی، وعدہ خلافی اور بدکاری سے اور زیادہ بڑھ گئی اور اس کی جڑیں ان کے دل میں اس مضبوطی سے گڑ گئیں کہ موت سے پہلے ان کے اُکھڑنے کا امکان ہی نہ رہا۔ جیسے معمولی نزلہ علاج میں غفلت اور بد پرہیزی کی وجہ سے تپ دق میں بدل جاتا ہے اور مہلک اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

۱۱۹ ایک دفعہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے راہِ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لے کر حاضر ہوئے۔ عدی بن حاتم نے سو وسق کھجوریں پیش کیں۔ مسلمانوں کو اتنا مالِ کثیر راہِ خدا میں پیش کرتے دیکھ کر منافقین کہنے لگے: یہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے کب لائے ہیں یہ تو محض ریاکاری ہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر اپنی سخاوت کا سکہ جما

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 1684، دار ابن حزم و المعجم الکبیر للطبرانی، ج 8، ص 218 رقم الحدیث 7873

فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ

اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت ومشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے

مِنۡهُمۡ‌ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝٧٩ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ

ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آپ بخشش طلب کریں ان

اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ‌ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ

کے لیے یا نہ کریں ۱۲۰؎ اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے ستّر بار جب بھی

يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ

نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں۔ یہ محض اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول مکرم کا۔ اور

لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝٨٠ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ

ع ۱۰ / ۸ / ۱۶

اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔ خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر

سکیں۔ اتنے میں ایک غریب صحابی ابوعقیل سیر بھر کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو ان نالائقوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اس ایک سیر سے کس لشکر کی ضیافت کا سامان ہوگا؟ غرضیکہ ان کا نفسِ امارہ نہ تو متموّل مسلمانوں کی فیاضانہ پیش کشوں سے متاثر ہوتا نہ ان نادار جانبازوں کے ایثار سے جو ساری ساری رات کنوئیں سے پانی نکالتے رہتے اور جو کچھ مزدوری ملتی اسے وہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے اپنے رسول کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔ (1)

۱۲۰؎ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور خوشامد کرتے ہوئے کہتا: هٰذَا رَسُوۡلُ اللّٰهِ اَكۡرَمَهُ اللّٰهُ وَاَعَزَّهٗ وَنَصَرَهٗ۔ ''یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عزت ونصرت عطا فرمائے۔'' جب اُحد کے بعد اس کا نفاق واضح ہو گیا تو پھر اس نے کسی موقع پر کھڑے ہو کر یہی الفاظ دہرائے۔ حضرت فاروقؓ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اللہ کے دشمن! تیرا کفر اب چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ دوسرے حاضرین نے بھی اسے ملامت کی۔ چنانچہ نماز پڑھے بغیر غصہ سے بل کھاتا ہوا وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ راستے میں کسی نے اُسے کہا کہ کدھر بھاگے جا رہے ہو؟ حضورؐ کی خدمت میں جاؤ اور ان کا دامنِ کرم پکڑ لو اور اپنی بخشش اور مغفرت کے لیے عرض

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 215

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد ۱۲۱ اور ناگوار تھا انھیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

راہِ خدا میں ۱۲۲ اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں فرمائیے دوزخ کی آگ

اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا

اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔کاش! وہ کچھ سمجھتے۔ ۱۲۳ تو انھیں چاہیے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں

كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

زیادہ ۱۲۴ یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (اے حبیب!) پھر اگر لے جاتے آپ کو اللہ تعالیٰ

کرو۔اس بدبخت نے کہا: مَا اُبَالِيْ اسْتَغْفَرَ لِيْ اَوْ لَمْ يَسْتَغْفِرْ۔ ''وہ میرے لیے مغفرت کی دعا مانگیں یا نہ مانگیں مجھے ذرا پروا نہیں''۔ یعنی مجھے ان کی مغفرت کی دُعا کی ضرورت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔اس کے متعلق تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۱۲۱ منافق جہاد میں شریک نہ ہوئے اور حضور کریم کی ہمرکابی کی سعادت انہیں حاصل نہ ہوئی۔لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس محرومی پر غمزدہ ہوتے اور اپنے بختِ برگشتہ پر افسوس کرتے اُلٹے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ چلو بچ گئے۔

۱۲۲ جب ان کے دلوں میں ایمان ہی نہ تھا تو انہیں وہ ذوق اور لطف کیسے میسر ہوسکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اس کی رضا کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے اہلِ ایمان کو حاصل ہوتا ہے؟ ان کے لیے تو یہ سب کچھ ایک مصیبت تھی جس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے وہ بہانوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

۱۲۳ خود تو وہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے لیکن اسی پر وہ اکتفا کرنے والے کب تھے؟ وہ دوسرے اہلِ ایمان کو بھی گرمی کی شدت سے ڈراتے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔اس گرمی سے بچ گئے تو کیا ہوا؟ اس بھون کر رکھ دینے والی آگ سے کیونکر نجات حاصل کرو گے؟ لیکن ان چیزوں کو تو صرف دانا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ان نادانوں کو کیا سمجھ؟

۱۲۴ یہ جملہ صورۃً امر ہے اور معنیً خبر۔مطلب یہ ہوا کہ اس فانی زندگی کے چند روز وہ ہنسی خوشی گزار دیں گے لیکن آئندہ آنے والی ابدی زندگی میں انہیں رونا ہی رونا ہے۔ هُوَ اَمْرٌ بِمَعْنَى الْخَبَرِ اَنَّهُمْ سَيَضْحَكُوْنَ قَلِيْلًا وَّيَبْكُوْنَ كَثِيْرًا۔ (قرطبی) (2)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 40-139 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 216

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرما دیجئے نہیں نکلو گے تم میرے

مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ

ہمراہ کبھی اور ہر گز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے۔ تم نے تو (خود) پسند کیا تھا گھر بیٹھ رہنا

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی

پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ۱۲۵ اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پہ ۱۲۶ بیشک انہوں نے کفر کیا

۱۲۵ خالف کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ خَلَفَ بمعنی فَسَدَ کے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں: خَلَفَ اللَّبَنُ۔ دودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ خَالِفَةُ اَهْلِ بَیْتِهٖ۔ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ ہے جبکہ منہ کی بو روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا: فَاقْعُدُوْا مَعَ الْفَاسِدِیْنَ یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ پہلے تم نے جان بوجھ کر میرے رسول کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اب بطورِ سزا تمہیں جہاد کی توفیق سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ اب اگر لشکرِ اسلام کہیں جہاد پر روانہ ہوا اور تم جہاد کرنے کے لیے نکلنا بھی چاہو گے تو تمہیں ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا جائے گا۔ وَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰۤی اَنَّ اسْتِصْحَابَ الْمَخْذُوْلِ فِی الْغَزَوَاتِ لَا یَجُوْزُ (قرطبی)(1) ترجمہ: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی مردود اور راندۂ درگاہ کو جہاد میں ہمراہ لے جانا جائز نہیں۔

۱۲۶ منافقین نے جنگِ تبوک میں شرکت نہ کر کے جب اپنے آپ کو آشکارا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ اب آپ بھی ان سے پہلی سی نرمی اور رأفت کا برتاؤ نہ کیا کریں بلکہ ان کو ننگا ہونے دیں تا کہ دوسروں کے لیے موجب عبرت ہوں۔ اس لیے اب آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے روک دیا اور اسی سلسلہ میں ہی یہ حکم فرمایا کہ اب ان کی نماز جنازہ نہ پڑھا کیجیے اور نہ ان کی قبر پر تشریف لے جائیے۔ ان کے کفر و گمراہی نے انہیں اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ رحمتِ الٰہی ان کی طرف مائل ہو۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جب عبد اللہ بن اُبی مرضِ موت میں مبتلا ہوا تو حضور اس کی عیادت کے لیے تشریف لے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 218 (ماخوذ)

گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔ پھر اس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ کفن کے لیے اسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضورؐ نے اُوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہیے جو آپ کے جسدِ اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے کو اپنی پاک قمیص کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حقیقت سے نقاب اُٹھایا اور فرمایا اے عمر! اِنَّ قَمِيْصِي لَا يُغْنِيْ عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا فَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّدْخِلَ بِهٖ اَلْفًا فِي الْاِسْلَامِ (کبیر) اے عمرؓ اس کافر اور منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہیں پہنچائے گی۔ بلکہ اس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزار آدمیوں کو مشرف بہ اسلام کرے گا۔ منافقوں کا ایک انبوہِ کثیر ہر وقت عبداللہ کے پاس رہتا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے بعد اپنی بخشش اور نجات کے لیے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اُٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ اِس رحمتِ عالمیاں کی بارگاہِ بیکس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے تو بجائے اس کے کہ حالتِ یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں اب ہی کیوں نہ اس پر ایمان لے آئیں اور سچے دل سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اسی دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے حسنِ خلق سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اَسْلَمَ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ اَلْفٌ (کبیر) (1) جو ڈوب چکا تھا وہ تو ڈوب چکا تھا لیکن ہزاروں ڈوبتے ہوؤں کو تو بچا لیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا جو مخلص مسلمان تھا حاضر ہوا اور اپنے باپ کی موت کی اطلاع دی۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ اور اس کا جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر آؤ۔ اس نے عرض کی حضور خود کرم فرما دیں۔ اس پیکرِ عفو و عنایت نے نہ نہ کی۔ اُٹھے اور اس کی نماز جناہ پڑھنے کے لیے روانہ ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے پھر گزارش کی یارسول اللہ! اللہ اور رسول کے اس دشمن کی نماز جنازہ نہ پڑھیے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور جبریلؑ نے حضورؐ کا دامن پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ الخ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے قمیص کیوں عطا فرمائی؟ مفسرین نے اس کی کئی ایک وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے گرفتار کیے گئے تو ان کی اپنی قمیص پھٹ گئی تھی۔ حضورؐ نے انہیں قمیص پہنانا چاہی کیونکہ عباس دراز قامت تھے، عبداللہ بن ابی کا قد بھی بڑا لمبا تھا اس لیے اس کی قمیص کے سوا اور کوئی قمیص انہیں پوری نہ آئی۔ اللہ کے رسول نے چاہا کہ اس کا یہ احسان دُنیا میں ہی اُتار دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تعلیم دی کہ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ (2) کہ کسی سائل کو نہ جھڑکیے۔ اِس لیے حضورؐ نے اس کے سوال کو رد نہ کیا۔ اور سب سے بڑی وجہ وہی تھی جو حضورؐ نے خود بیان فرمائی کہ اس قمیص کی وجہ سے اللہ ایک ہزار منافقوں کو دولتِ ایمان سے مالا مال فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے اور بڑی برکت کیا ہوسکتی ہے۔ یہاں ایک چیز خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ بدنصیب جس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی اور اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ لیکن صاحب ایمان کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اس کے لیے اگر اللہ کے محبوب کے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھ جائیں تو مغفرت یقینی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج8، جز16، ص56-155
2۔ سورۃ الضحیٰ: 10

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولِ مکرم کے ساتھ۔ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے اور نہ تعجب میں ڈالیں آپکو انکے مال

وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا

اور ان کی اولاد ۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انھیں ان سے دُنیا میں

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ

اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے کہ)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاقت والے

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا

ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجیے ہمیں تاکہ ہوں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ انھوں نے یہ پسند کیا کہ ہو جائیں

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر ۱۲۷ تو وہ کچھ نہیں سمجھتے ۔

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (1)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نعمتِ ایمان نصیب فرماوے اور اس دنیا میں بھی اور روزِ حشر بھی حضورؐ کی شفاعت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین ثم آمین۔ بِجَاهِ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۲۷ یہ ان کی کم فہمی اور نادانی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے، اپنے گناہ بخشوانے اور اپنے ایمان کو جلا دینے کا موقع دیا گیا تو انہوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ ابرِ رحمت آیا، برسا، اور سوکھے کھیتوں کو شاداب کر کے چلا گیا لیکن ان کی کشتِ ایمان میں یونہی خاک اُڑتی رہی جیسے پہلے اُڑ رہی تھی۔ اللہ کریم ہر انسان کو اس کی زندگی میں موقع دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سابقہ غفلتوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر سکے لیکن بعض بدنصیب اس سنہری فرصت کو بھی ضائع کر دیتے ہیں۔

1۔ سورۃ النساء: 64

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

لیکن رسول اور جو ایمان لاتے اس کے ساتھ انھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لیے ساری بھلائیاں ہیں ۱۲۸ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات، بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ

ان میں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور آئے بہانہ بنانے والے بدو ۱۲۹

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ

تاکہ اجازت مل جاتے انھیں اور بیٹھ رہے وہ جنھوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچیگا

۱۲۸ منافقین کا رویہ تو یہ ہے کہ ہر سرفروشی کے موقع پر ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں لیکن ان کے برعکس رسول پاک اور اس کے صحابہ کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی رضاء کے لیے قربان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ دعا مانگتے ہیں کہ یہ سعادت انہیں نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے نیک بختوں کے لیے دین اور دُنیا کی راحتیں اور عزتیں ہیں اور وہی دُنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ خیرات سے مراد دونوں جہانوں کی بھلائیاں ہیں۔ فَالْمَعْنٰى لَهُمْ مَنَافِعُ الدَّارَيْنِ۔(1)

۱۲۹ پہلے مدینہ میں بسنے والے مخلصین اور منافقین کا ذکر کیا گیا۔ اب اردگرد کے دیہاتیوں کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان میں کچھ تو سچے ایماندار ہیں، ان کا ذکر تو اس رکوع کے آخر میں آئے گا وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ الخ (2) اور ان کے علاوہ منافق ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جب انہیں جہاد کی دعوت دی گئی تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرنے لگے اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے کہ جنھوں نے جہاد کا حکم سنا تو اکڑ کر گھروں میں بیٹھ رہے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ چلو محض ظاہرداری کے لیے ہی کوئی عذر لنگ پیش کر دیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر ان کے کفرو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 224
2۔ سورۃ التوبہ: 99

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ

جنھوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ۔ نہیں ہے کمزوروں پر ۱۳۰

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

(اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ۱۳۱ نہیں ہے نیکوکاروں

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ

پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ اور نہ اُن پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوئے آپکے پاس

عناد کی یہی حالت آخر تک رہی تو انہیں دردناک ابدی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اس صورت میں مُعَذِّرُوْن باب تفعیل سے ہوگا اور معذر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی حقیقی عذر نہ ہو اور پھر بھی وہ عذر پیش کرے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَعْتَذِرُ وَلَا عُذْرَ لَهٗ لیکن اخفش اور فراء وغیرہما علماء لغت ونحو نے کہا ہے کہ مُعَذِّرُوْنَ اصل میں مُعْتَذِرُوْنَ تھا۔ تاء افتعال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں مدغم کر دیا اور مُعَذِّرُوْنَ ہو گیا۔ اب اس کا معنی ہوگا صحیح عذر والے (قرطبی) (1)۔ اور ان سے مراد عامر بن طفیل کا قبیلہ ہے جس نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اگر ہم حضور کے ہمراہ جہاد پر جائیں گے تو بنی طے کے بدو ہماری بیویوں، بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر کے لوٹ لیں گے۔ حضور نے ان کی اس صحیح معذرت کو قبول فرمایا (2)۔

۱۳۰ یعنی جو لوگ حقیقۃً معذور ہیں وہ اگر جہاد میں شریک نہ ہو سکیں تو کوئی حرج نہیں۔

۱۳۱ نصیحت کا معنی ہے اخلاص۔ اسی وجہ سے خالص اور سچی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں۔ اور جب بات خلوصِ نیت سے کہی جائے تو کہتے ہیں نَصَحَ لَهُ الْقَوْلَ (3)۔ حضرت تمیم الداری سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ (رواہ مسلم) (4)۔

"دین نصیحت کو کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کی کس کے لیے؟ تو فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے اُمراء کے لیے اور عام لوگوں کے لیے"۔ اور یہاں بھی نصیحت کا معنی اخلاص ہے۔ علماء کرام نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کے لیے نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمالیہ پر خالص اعتقاد

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 25-224 (ماخوذ)
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 8، جز 16، ص 162
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 227 (ماخوذ)
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، ج 1، ص 54

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ

تاکہ آپ سوار کریں انھیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمھیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ انکی آنکھیں

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا

بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں ۱۳۲ الزام تو

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ

بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے اس

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مُہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے۔

ہو اور اس کو نقص اور عیب سے پاک جانے۔ اور رسول کے لیے نصیحت کا یہ معنی ہے کہ اس کی رسالت کو سچے دل سے مانے، اس کی فرماں برداری کرے، اس کی عزت و تکریم کرے، اور اس سے اور اس کے اہلِ بیت سے محبت کرے۔ اور مسلمانوں کے اُمراء کے لیے نصیحت سے یہ غرض ہے کہ اُن کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ ان کو صحیح مشورہ دے اور اگر ان سے غفلت سرزد ہو تو انہیں متنبہ کر دے۔ اور عوام کو نصیحت کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ان کی صحیح رہنمائی کرے، سب کے لیے دُعائے خیر مانگا کرے اور سب کی خیر خواہی میں کوشاں رہے (قرطبی)۔(1)

۱۳۲ جب غزوۂ تبوک کی تیاری شروع ہوگئی تو وہ غریب و نادار مسلمان جن کے دلوں میں راہِ حق میں جان دینے کے ہزاروں ارمان مچل رہے تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم دل و جان سے جہاد کے لیے تیار ہیں لیکن ہم نادار ہیں، اتنی طاقت نہیں کہ سواری کا انتظام کر سکیں، ازراہِ کرم سواری کا انتظام فرما دیجیے تاکہ ہم یہ سعادت حاصل کر سکیں۔ حضورؐ نے جب انہیں یہ بتایا کہ بیت المال میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمہاری سواری کا بندوبست کیا جا سکے تو انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے اور انہیں اپنی ناداری کا جتنا غم آج ہوا شاید ہی کبھی اتنا ہوا ہو۔ بجائے اس کے کہ وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے کہ آج افلاس کام آیا، اس گرم موسم میں دُور دراز کی مسافت سے جان چھوٹی، اُلٹا وہ مغموم، دلگیر اور اشکبار ہیں۔ اس حقیقت کو کچھ وہی خوش نصیب سمجھ سکتے ہیں جن کو عشق و محبت کی مینا سے ایک دو جام ملے ہوں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 227

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

وہ بہانے پیش کریں گے تمھارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے ان کی طرف فرمائیے بہانے مت بناؤ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ

ہم نہیں اعتبار کریں گے تم پر، آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمھاری خبروں پر ۱۳۳؎ اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ

عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تمھارا عمل اور اس کا رسول پھر لوٹائے جاؤ گے اُس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر کو

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

پھر وہ آگاہ کرے گا تمھیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ ۱۳۴؎ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمھارے سامنے جب تم

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انھیں سو مُنہ پھیر لو اُن سے یقیناً وہ

رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ

ناپاک ہیں ۱۳۵؎ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں

۱۳۳؎ جب مسلمان غزوۂ تبوک سے مظفر و منصور ہو کر مدینہ طیبہ واپس آنے لگے تو اللہ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو منافقین تمہارے پاس آئیں گے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی کئی تاویلیں پیش کریں گے اور اس طرح تمہیں اپنے ایمان اور اپنے اخلاص کا یقین دلائیں گے لیکن تم انہیں صاف صاف کہہ دینا کہ اس مکر و فریب کو اب رہنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے نفاق اور خُبثِ باطن پر مطلع کر دیا ہے اب ہم تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں۔

۱۳۴؎ اب تک جو تم نے کیا اس کی حقیقت کا تو ہمیں علم ہو گیا۔ اب بھی تمہیں اجازت ہے کہ تم اپنی اصلاح کر لو۔ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھے گا۔ اگر تمہارے اعمال نے تمہارے ایماندار اور مخلص ہونے کی تصدیق کر دی تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ خوب جان لو اِس چند روزہ زندگی کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور وہ سب کچھ جاننے والا تمہیں تمہارے سب کرتوتوں پر آگاہ کر دے گا۔

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى

تمھارے لیے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں

عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ

ہوگا نافرمانوں کی قوم سے۔ اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں ۱۳۶ اور حقدار ہیں

اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ

بڑا دانا ہے اور بعض بدو ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے ۱۳۷ اور

بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾

منتظر ہیں تمھارے لیے (زمانہ کی) گردشوں کے (حقیقت میں) انہی پر ہے بُری گردش ۱۳۸ اور اللہ تعالیٰ سمیع (و) علیم ہے

۱۳۵ اعراض کا مادّہ آیت میں دوبار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) عفو و درگذر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لِتُعْرِضُوْا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ میں دوسرا معنی مقصود ہے۔ یعنی منافق قسمیں اٹھائیں گے اور بمنت التماس کریں گے کہ ان کی غلطی معاف کر دی جائے۔ لیکن تمہیں یہی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ان سے قطع تعلق کرو۔ چنانچہ حضور جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہ حکم دے دیا کہ لَاتُجَالِسُوْهُمْ وَلَاتُكَلِّمُوْهُمْ: نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بات چیت کرو۔ اور قطعِ تعلق کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ انھم رجس: یہ ناپاک ہیں۔ (1)

۱۳۶ منافقین مدینہ کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر دیہات میں بسنے والے بدوؤں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اپنی صحرائی زندگی، دُرشت عادات اور مرکزِ اسلام سے دُور رہنے کے باعث ان کا کُفر اور نفاق بہت سخت اور کرخت قسم کا ہے۔ بالکل نیم چڑھے کریلے ہیں۔

۱۳۷ کیونکہ ان کے دلوں میں نفاق تھا اس لیے راہِ خدا میں جو پیسہ وہ خرچ کیا کرتے تھے، بادلِ ناخواستہ خرچ کیا کرتے تھے۔ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی جرمانہ یا تاوان ادا کر رہے ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ اسلام کی ترقی کے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج8، جز16، ص168

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا

اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور سمجھتے ہیں جو وہ

يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ

خرچ کرتے ہیں قربِ الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے ۱۳۹ ہاں ہاں وہ اُن کے لیے باعثِ قرب ہے۔

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ

ضرور داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ۱۴۰ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور سب سے آگے

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانیوالے مہاجرین اور انصار سے اور جنھوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے

ع ۱۲

ساتھ انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ اُلٹا چڑ تھی۔ رضائے الٰہی کا مفہوم انہیں معلوم ہی نہ تھا۔ ڈر کے مارے اور مسلم سوسائٹی سے چمٹے رہنے کی وہ قیمت ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ چندہ ایک جرمانہ اور تاوان ہی تھا۔ مَغْرَمًا مَعْنَاهُ غَرَمًا وَّاَصْلُهٗ لُزُوْمُ الشَّيْءِ وَمِنْهُ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اَيْ لَازِمًا (قرطبی)۔(1)

۱۳۸ دوائر جمع ہے دائرۃ کی۔ اس کا معنی ہے اچھی حالت کا بُری حالت سے بدل جانا (2) جسے ہم گردشِ زمانہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب تو وہ دل پر جبر کر کے کچھ نہ کچھ مالی امداد کر دیا کرتے ہیں لیکن دل ہی دل میں وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ کہیں گردشِ زمانہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کر کے رکھ دے اور ہم یہ چندہ دینے سے صاف انکار کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گردشِ روزگار تو تمہیں ہی پیس کر رکھ دے گی۔ اسلام اور مسلمان تو دن بدن ترقی کرتے جائیں گے۔

۱۳۹ اب ان اعرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دل وجان سے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں جو مال خرچ کرتے ہیں اسے تاوان خیال نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا کا سبب سمجھتے ہیں۔ یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس یقین سے خرچ کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور حضور رحمتِ عالم ہمارے لیے خیر وبرکت کی دُعا فرمائیں گے اور حضورؐ کی دعا کی برکت سے انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کی نعمت حاصل ہوگی۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں: لِاَنَّهَا الْغَايَةُ الْقُصْوٰى وَصَلَوَاتُ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْ ذَرَائِعِهَا (3)۔ ''اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بلند ترین مقصد ہے اور حضور کی دعائیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں'' حضرت صدر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 234 2۔ ایضاً 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 7

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ

راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات

تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾ وَ

بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۱۴۲ اور

الافاضل مراد آبادی قدس سرہٗ لکھتے ہیں: ''یہی فاتحہ کی اصل ہے کہ صدقہ کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا فاتحہ کو بدعت وناروا بتانا قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔'' (خزائن العرفان)۔(1)

۱۴۰ سین تحقیق وتاکید کے لیے ہے۔(2)

۱۴۱ یہاں ان پاک ہستیوں (مہاجرین وانصار) کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی کی دعوت اس وقت قبول کی جبکہ اس کو قبول کرنا ہزاروں مصیبتوں اور تکلیفوں کو دعوت دینا تھا۔ اس وقت اسلام کی اعانت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا جب اسلام بڑی بیکسی کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر ناز ہے بلکہ ساری انسانیت کو ان پر فخر ہے جنہوں نے حق کو محض حق کے لیے قبول کیا۔ اور اس کو فروغ دینے اور مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اپنے وطن چھوڑے، اپنے خونی رشتے توڑے، اپنے سر کٹائے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر راضی ہو گیا اور اس کے ان بندوں نے جب دیکھا کہ ان کے ربِّ کریم نے ان کی ان قربانیوں کو شرفِ قبول عطا فرمایا ہے تو وہ اس کی شانِ بندہ پروری اور ذرّہ نوازی کو دیکھ کر راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی ابدی نعمتوں سے بھی انہیں سرفراز فرمایا اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود ہی اس دولت سے خوشنود ہوئے بلکہ قیامت تک جو بھی خلوص ودیانت سے ان کی پیروی کرے گا وہ بھی عنایاتِ ربانی کا مستحق ہوگا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی شان، ظاہر وباطن کے جاننے والے خدا نے خود اپنی کتابِ مقدس میں بیان فرمادی۔ آپ ذرا سوچیں کہ جن کی توصیف وہ خود کرے، جن کے ایمان کا وہ خود گواہ ہو، جن کے جنت میں جانے کا وہ خود مژدہ سنائے ایسے پاک لوگوں کی شان میں ہمارا کچھ کہنا شیطان کا کتنا خطرناک دھوکا ہے۔ صحابۂ کرام اس لیے توشمعِ توحید پر پروانہ وار نثار نہیں ہوتے تھے کہ چودھویں صدی کا بے عمل مسلمان ان کی مدح وستائش کرے۔ ان کے پیشِ نظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی خوشنودی تھی اور وہ انہیں حاصل ہو گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے بعد ساری دُنیا بھی ان کی جناب میں گستاخیاں کرتی رہے تو اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے۔ البتہ ان لوگوں کی حرماں نصیبی قابلِ افسوس ہے جو صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکتے تھے لیکن انہوں نے ادھر سے منہ موڑ کر بلکہ ان لوگوں سے دشمنی کرکے اپنے آپ کو محروم کردیا۔

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 324، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، لاہور

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 285

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ

تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ

پکے ہوگئے ہیں نفاق میں ۱۴۳ تم نہیں جانتے ان کو۔ ہم جانتے ہیں انھیں ۱۴۴ ہم عذاب دیں گے انھیں

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

دو بار ۱۴۵ پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔ ۱۴۶ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

کرلیا ہے اپنے گناہوں کا۔ انھوں نے ملاجلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ بُرے عمل ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

۱۴۲ اللہ تعالیٰ اپنے دستِ کرم سے حقیقی کامیابی کا تاج اپنے محبوب رسول کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں کی زینت بنا رہا ہے۔

۱۴۳ مَرَدَ کا معنی ہے پختہ ہوجانا۔ اَصْلُ الْمَرْدِ الْمَلَاسَةُ وَ مِنْهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ وَّ الْاَمْرَدُ الَّذِیْ لَا شَعْرَ عَلٰی وَجْهِهٖ وَ الْمَرْدَاءُ الرَّمْلَةُ الَّتِیْ لَا تُنْبِتُ شَیْئًا (1)۔ یعنی نفاق کی جڑیں ان کے دلوں میں گہری چلی گئی ہیں اور ان کے تائب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں۔

۱۴۴ یعنی وہ اتنے ماہر منافق ہیں کہ اپنی بدباطنی اور دلی خباثت کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ کوئی بڑے سے بڑا زیرک بھی اس پر مطلع نہیں ہو پاتا۔ اور تو اور آپ بھی اپنے نفس کی صفائی اور فراست کی تیزی کے باوجود (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر) انہیں نہیں پہنچان سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریب کاریاں پوشیدہ نہیں۔

۱۴۵ انہیں دو عذاب دیئے جائیں گے۔ پہلا عذاب تو یہ دیا گیا کہ انہیں رُسوا کیا گیا۔ حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ الْجُمُعَةِ خَطِیْبًا فَقَالَ قُمْ یَا فُلَانُ فَاخْرُجْ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ اُخْرُجْ یَا فُلَانُ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ فَاَخْرَجَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ فَفَضَحَهُمْ۔ فَهٰذَا الْعَذَابُ الْاَوَّلُ وَالْعَذَابُ الثَّانِیْ عَذَابُ الْقَبْرِ (روح المعانی وغیرہ من کتب التفسیر) (2)۔ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے روز خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فلاں! اُٹھو یہاں سے نکل جاؤ تم منافق ہو۔ اے فلاں! نکل جاؤ تم منافق ہو چنانچہ ان کے نام لے لے کر انہیں نکال دیا اور ان کو رُسوا کیا۔ یہ پہلا عذاب تھا۔ دوسرا عذاب قبر میں ہو

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 10 2۔ ایضاً، جز 11، ص 11

يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

قبول فرمائے ان کی توبہ ١٤٧ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (اے حبیب!) وصول کیجیے ان

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ

کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انھیں ١٤٨ اور بابرکت فرمائیں انھیں اس ذریعہ سے نیز دُعا مانگیے انکے لیے بیشک آپکی دعا

گا''۔اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ان منافقین کا علم دے دیا تھا۔اسی لیے تو حضورؐ نے جمعہ کے دن بھرے مجمع میں ان کے نام لے لے کر نکل جانے کا حکم دیا۔اور لَا تَعْلَمُهُمْ میں جو علم کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود بخود انہیں نہیں جانتے اور ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ حضورؐ کے پاس جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا ہے۔

١٤٦ یعنی ان دونوں عذابوں کے بعد قیامت کا ابدی عذاب۔

١٤٧ منافق جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے ان کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر غلط بہانے بنا کر پیش کرتے لیکن بعض ایسے لوگ بھی شریک نہ ہو سکے تھے جو سچے مومن تھے۔انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا اور عفو و مغفرت کے لیے درخواست کی۔ان کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔روایات میں ہے کہ وہ دس آدمی تھے۔جب حضورؐ بخیریت واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔حضور جب مسجد میں تشریف لے گئے تو ان کے متعلق دریافت فرمایا۔عرض کی گئی اے اللہ کے رسول! انہوں نے قسم اُٹھائی ہے کہ جب تک آپ اپنے دستِ مبارک سے انہیں نہیں کھولیں گے وہ یونہی بندھے رہیں گی۔حضورؐ نے فرمایا بخدا میں بھی انہیں اُس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انہیں کھولنے کا حکم نہیں دے گا۔چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا۔(1)

١٤٨ جب انہیں کھول دیا گیا تو یہ سارا ساز و سامان اُٹھا کر لے آئے اور عرض کی اے نبی مکرم! اسی مال و متاع کی محبت کی وجہ سے ہم جہاد میں شریک نہیں ہو سکے۔اس لیے حضور! اسے راہِ خدا میں تقسیم کر دیجیے۔ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے۔حضورؐ نے فرمایا مجھے تمہارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا۔چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے دو حصے انہیں واپس کر دیے اور تیسرا حصہ خیرات کر دیا۔علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مالِ زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو گناہ کے سرزد ہونے کے بعد انہوں نے دیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے صدقہ کو قبول فرمائیے اور اس طرح ان کو گناہ کی نحوست سے پاک کیجیے اور ان کے دل کے آئینہ پر گناہ کا جو گرد و غبار ابھی باقی ہے اسے دُور فرما کر اسے صاف و شفاف کر دیجیے(2)۔تُطَهِّرُ اور تُزَكِّيْ میں ضمیرِ خطاب کا مرجع حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔وَالْاَجْوَدُ اَنْ تَكُوْنَ الْمُخَاطَبَةُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاِنَّكَ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔(قرطبی)(3)

1۔روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج11، ص12 (ملخصاً)۔دلائل النبوۃ للبیہقی، ج5، ص272، دار الکتب العلمیہ

2۔روح البیان، زیر آیت ہذا، ج3، ص495 (ملخصاً)　3۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص249

لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ

(باعث) تسکین کا باعث ہے انکے لیے ۱۴۹ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾

اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو۔ اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ

اور فرمائیے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مومن ۱۵۰ اور

سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ ج

لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبردار کریگا تمہیں اس سے جو تم

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ؕ

کیا کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ۱۵۱ ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم آنے تک چاہے وہ عذاب

۱۴۹ صلوۃ سے مراد دعا ہے۔ اَلصَّلٰوةُ فِیْ كَلَامِ الْعَرَبِ الدُّعَاءُ (1)۔ یعنی اے حبیب! ان کے لیے دعا بھی فرمادیجئے۔ آپ کی دعا سے ان کے بے قرار دلوں کو تسکین اور بے چین اور مضطرب روحوں کو آرام نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم شکستہ دلوں، غفلت و کاہلی کے اسیروں، نفس و شیطان کے دامِ فریب میں پھنسے ہوؤں کے لیے اگر امید کی کوئی کرن ہے تو یہی کہ اے چشم مصطفیٰ! تو ہم پر مائل بکرم ہو گی اے لب حبیب! تو ہماری آمرزش کے لیے وا ہو گا اور اے دستِ رحمت! تو چارہ سازی فرمائے گا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِیْبِهٖ وَ صَفِیِّهٖ مُحَمَّدٍ صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِهٖ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ۔

۱۵۰ علامہ اسمٰعیل حقی نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس کی توضیح اس طرح فرمائی ہے: قَالَ فِی التَّاْوِیْلَاتِ النَّجْمِیَّةِ اِنَّ لِعَمَلِ الْمُحْسِنِ وَ خُلُوْصِهٖ نُوْرًا یَّصْعَدُ اِلَى السَّمٰوٰتِ بِقَدْرِ قُوَّةِ صِدْقِهٖ وَ اِخْلَاصِهٖ فَاللّٰهُ تَعَالٰى یَرَاهُ بِنُوْرِ اُلُوْهِیَّتِهٖ وَ رُوْحُ الرَّسُوْلِ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَرَاهُ بِنُوْرِ نُبُوَّتِهٖ وَ اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِیْنَ یَرَوْنَهٗ بِنُوْرِ اِیْمَانِهِمْ (2) "نیک بندوں کے مخلصانہ عمل کا ایک نور ہوتا ہے جو آسمان کی طرف اپنے صدق و اخلاص کے اندازے کے مطابق بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے نورِ الوہیت سے، رسول اسے اپنے نورِ نبوت سے اور مومنین کاملین اسے اپنے نورِ ایمان سے دیکھتے ہیں۔"

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 250   2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 501

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا

دے انھیں اور چاہے تو بہ قبول فرمالے ان کی ۱۵۱ اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لیے ۱۵۲ کفر کرنے کے لیے ۱۵۳

۱۵۱ ان سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں۔ کسی شرعی عذر کے بغیر یہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضورؐ نے حکم فرمایا کہ ان کے ساتھ نہ کوئی گفتگو کرے اور نہ انہیں کوئی سلام کا جواب دے۔ آخر پچاس دن کے صبر آزما انتظار کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ (1)

۱۵۲ بنی خزرج کے ایک آدمی ابو عامر نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور ترکِ دنیا کر کے راہب بن گیا تھا۔ اس کی پارسائی کی بڑی شہرت ہوئی اور یثرب کے اکثر باشندے اس کے معتقد ہو گئے۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اسے محسوس ہوا کہ اب لوگوں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹتی جا رہی ہے اور اس کے ارادتمند اب اسے چھوڑ کر شمعِ رسالت کے پروانے بنتے جا رہے ہیں اپنی پیری کا چراغ بجھتا دیکھ کر وہ سیخ پا ہو گیا۔ حضورؐ نے اسے بھی دعوتِ اسلام دی۔ اس نے پوچھا آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا دینِ ابراہیمی۔

وہ کہنے لگا کہ آپ نے اس میں بہت سی چیزیں اپنی طرف سے بڑھا دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جوش میں آ کر اس کی زبان سے نکلا: ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا اسے اپنے وطن سے دُور غربت اور تنہائی میں ہلاک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا آمین! غزوۂ بدر میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتح عظیم عطا فرمائی تو یہ بیتاب ہو گیا اور مکہ میں پہنچ کر اہلِ مکہ کو انتقام لینے کے لیے خوب اُکسایا۔ اور جب ان کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو یہ ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ میدانِ اُحد میں پہنچا تو اس خیال سے کہ جب وہ اپنے پرانے عقیدتمندوں کے سامنے ہو گا تو وہ اس کی طرف دوڑ کر چلے آئیں گے۔ وہ صفوں سے آگے بڑھ کر انصار کے قریب آ کھڑا ہوا اور انہیں اپنے ساتھ آ ملنے کی دعوت دی۔ نورِ مصطفٰے علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء دیکھنے کے بعد اب انصار اس منحوس کی شکل دیکھنا بھی بھلا کب گوارا کرتے تھے۔ انہوں نے اسے راہب کی بجائے فاسق کے لقب سے بلایا۔ اور اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ جھلا کر بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب جو قوم تیرے ساتھ جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ ہوں گا۔ چنانچہ غزوۂ حنین تک کفر و اسلام کی جتنی جنگیں ہوئیں یہ کفر کے ساتھ رہا اور ان کا سرغنہ بنا رہا۔ جب ہوازن و ثقیف کے مشہور تیرانداز بھی شکست کھا گئے تو اسے یقین ہو گیا کہ اب جزیرۂ عرب میں کوئی ایسی قوت نہیں جو اسلام سے ٹکر لے سکے۔ قیصر کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے اس خیال سے وہ شام کی طرف روانہ ہوا کہ وہ قیصر کو مسلمانوں کے خلاف اُکسائے گا اور اسے ساتھ لے کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر کے ان کی قوت کو ختم کر کے رکھ دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے منافقین کے حوصلے بلند کیے۔ اسی کی انگیخت پر قیصر نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا جس کی وجہ سے تبوک کا سفر پیش آیا۔ شام سے اس نے منافقین کو لکھا کہ وہ ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں جہاں وہ تنہائی میں اسلام کے خلاف آزادی سے سازشیں کر سکیں نیز اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور جب وہ قیصر کے ہمراہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 17

وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

اور پھوٹ ڈالنے کے لیے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لیے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور

مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ

جھوٹے ہیں ۱۵۴ آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے۔

مدینہ آئے گا تو اس جگہ کو اپنی قیام گاہ بنائے گا۔ چنانچہ قبا کی بستی میں جو مسجد حضورؐ نے تعمیر فرمائی تھی اس کے قریب ہی انہوں نے یہ مسجد بنا دی۔ اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے عرض کی یا رسول اللہ! قبا کی بستی میں ایک ہی مسجد تھی۔ رات کے اندھیرے میں اور برسات کے موسم میں بوڑھوں، بیماروں اور کمزوروں کو وہاں جانے میں بڑی دقت ہوتی تھی اس لیے ہم نے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ ازراہِ مہربانی ایک مرتبہ اس میں نماز ادا فرما دیں تاکہ وہ بابرکت ہو جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب تو تبوک کا سفر درپیش ہے واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دیکھا جائے گا۔ جب حضورؐ بخیر وعافیت تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو پھر منافقین کا ایک وفد اپنی وہی عرضداشت لے کر حاضر ہوا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے رسول کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔ چنانچہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضورؐ نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جا کر پیوند خاک کر دیں اور اسے آگ لگا دیں۔ چنانچہ فرمانِ نبوی کی تعمیل کی گئی۔ (1)

۱۵۳ یہ سارے کلمات مفعول لاجلہ ہیں (2)۔ یعنی اس مسجد کی تعمیر کا مقصد رضائے خداوندی نہیں بلکہ اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، اس میں بیٹھ کر کفر کو فروغ دینے کی تجویزیں سوچی جائیں اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کیا جائے۔ نیز اس کی ایک ناپاک غرض یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ابو عامر آئے تو اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرے۔ ایسی عمارت کو ظاہر داری کی وجہ سے گو مسجد کہا جائے حقیقت میں تو یہ وہ ناپاک اور منحوس مکان ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے تاکہ اس کا نشان تک بھی باقی نہ رہے۔

۱۵۴ اے حبیبؐ! ان خبیثوں کی قسموں پر اعتبار نہ کرنا۔ خدا گواہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 18۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 253
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 254

اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ

وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں ، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

ستھرا رہنے کو ۱۵۵ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔ تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں ۱۵۶ اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم

۱۵۵ حضور سرورِ عالم نے اہل قبا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظافت اور پاکیزگی کی تعریف کی ہے، تم میں کون سی خصوصیت ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں (1)۔ یہ ان کی نظافتِ طبعی کی دلیل ہے۔ جب وہ اس معاملہ میں اتنے محتاط ہیں تو ان کے بدن اور لباس کی صفائی کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جسمانی صفائی اور نظافت کا خیال رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ تعریف ہے۔ اَثْنَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ عَلٰى مَنْ اَحَبَّ الطَّهَارَةَ وَاٰثَرَ النَّظَافَةَ وَهِيَ مُرُوْءَةٌ آدَمِيَّةٌ وَّوَظِيْفَةٌ شَرْعِيَّةٌ (قرطبی) (2) یعنی ظاہری نظافت انسانی مروت کا تقاضا بھی ہے اور شریعت کا حکم بھی۔ اور جو شخص صاف ستھرا رہتا ہے وہ اللہ کے نزدیک قابلِ تعریف ہے۔ معلوم نہیں ہم مسلمانوں نے گندا رہنے کو کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ ہمارے منہ سے بدبو، ہمارا جسم میلا کچیلا، ہمارا لباس غلیظ، ہماری بستیاں، محلے، گلی کوچے بلکہ گھر کے صحن اور سونے کے کمرے بھی بدبودار اور عفونت کا گڑھ۔ کیا ہم وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد کی يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا کے شاندار الفاظ سے تحسین وآفرین کی گئی ہے؟

۱۵۶ یہاں دو مسجدوں کا فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ پہلی مسجد کی جن لوگوں نے بنیاد رکھی وہ متقی اور پرہیزگار تھے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے۔ ان کے پیشِ نظر مسجد کی تعمیر سے یہ مقصد تھا کہ یہ اسلام کا مرکز بنے اور مسلمان اپنے مولائے کریم کے سامنے سربسجود ہونے کے لیے اس میں جمع ہوں۔ اس لیے اس کی دیواریں ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار کی گئی ہیں جو کبھی گر نہیں سکتیں لیکن اس کے برعکس دوسرا مکان جو مسجد کے نام سے تعمیر کیا گیا ہے اس کا مقصد کیونکہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 60-259، کنز العمال، ج 2، ص 430، رقم الحدیث: 4419 (حاشیہ 2) ماخوذ از جامع ترمذی، رقم الحدیث 3100 و مستدرک حاکم، ج 1، ص 155

2۔ ایضاً، جز 8، ص 261

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ

قوم کو۔ ہمیشہ اُن کی یہ عمارت ۱۵۷ جو انھوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى

مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ

ایمانداروں سے ان کی جانیں ۱۵۸ اور اُن کے مال اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے

میں تفرقہ اندازی ہے اس لیے اس کی بنیادیں بہت کمزور ہیں اور ان میں اتنی تاب نہیں کہ وہ چند روز بھی کھڑی رہ سکیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت وادی کے اس دہانے کے کنارے پر بنائی جائے جس کو سیلاب نے کھوکھلا کر دیا ہو(1)۔ تشریح الفاظ: شَفَا: کنارہ۔ جُرُفٌ: وہ دہانہ جس کو پانی کی موجوں نے اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیا ہو۔ يُقَالُ لِلْمَكَانِ الَّذِيْ يَاْكُلُهُ السَّيْلُ فَيُجْرِفُهٗ اَيْ يَذْهَبُ بِهٖ جُرُفٌ (مفردات راغب)(2)

علامہ قرطبیؒ نے خوب لکھا ہے کہ بقائے دوام صرف اس عمل کو میسر ہوتی ہے جو رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے اور جو کام ریاکاری کے لیے کیا جائے وہ جلد ہی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ كُلَّ شَيْءٍ ابْتُدِئَ بِنِيَّةِ تَقْوَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْقَصْدِ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ فَهُوَ الَّذِيْ يَبْقٰى وَيَسْعَدُ بِهٖ صَاحِبُهٗ (قرطبی)(3)

۱۵۷ یعنی جب تک موت کی ضربِ کاری ان کے دلوں کو پارہ پارہ نہیں کر دیتی اس وقت تک اس سازش کے ناکام ہونے، اس مکان کے منہدم کرنے اور جلا دیئے جانے کی حسرت کا کانٹا ہمیشہ ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ قَتَادَةُ رِيْبَةً اَيْ شَكًّا فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَنِفَاقًا وَقَالَ الْكَلْبِيُّ حَسْرَةً وَّ نَدَامَةً وَقَالَ السُّدِّيُّ وَ الْمُبَرِّدُ حَزَازَةً وَّ غَيْظًا (قرطبی)(4)

۱۵۸ ہماری جانیں اُسی نے پیدا فرمائیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اُسی کا دیا ہوا ہے۔ گویا ہماری جانوں اور اموال کا مالک حقیقی وہ خود ہی ہے۔ اس لیے وہ اگر ہر چیز یونہی لے لے تو کسی کو دم مارنے کی کیا مجال۔ لیکن اس کی شانِ بندہ پروری ملاحظہ ہو کہ اپنی چیزوں کا ہمیں مالک قرار دیا اور پھر اس فانی زندگی اور ناپائیدار متاعِ دنیا کا خود خریدار بنا اور قیمت اتنی گراں عطا فرمائی جس کا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا یعنی جنت۔ جب ستر انصار مکہ میں آئے اور رات کو تنہائی میں حضور کریم کے دستِ مبارک پر وہ تاریخی بیعت کی جسے بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی اے اللہ کے نبی! جو شرط آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے ہم سے منوانا چاہتے ہیں منوا لیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ شرط ہے اَنْ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 264 2۔ مفردات راغب، ص 192 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 265 4۔ ایضاً ص 266

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ قف وَعْدًا عَلَيْهِ

لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ ۱۵۹؎ وعدہ کیا ہے اللہ نے

حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اس پر پختہ وعدہ ۱۶۰؎ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے

تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کہ ''تم صرف اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ''۔ اور اپنے لیے یہ شرط ہے اَنْ تَمْنَعُوْنِيْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ اَنْفُسَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ۔ کہ ''جس چیز سے تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو''۔ انصار نے عرض کی کہ اگر یہ شرطیں ہم نے پوری کر دیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ فرمایا: جنت۔ اس وقت خوشی سے ان کے دل باغ باغ ہو گئے اور کہنے لگے: رَبِحَ الْبَيْعُ لَا نُقِيْلُ وَلَا نَسْتَقِيْلُ ''یہ سودا تو بڑا نفع مند ہے۔ اب ہم اس سودے کو نہ خود توڑیں گے اور نہ اس کو توڑنے کی آپ سے خواہش کریں گے''۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ (1)

۱۵۹؎ اس خرید و فروخت کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی سے تمہاری جانیں قبض کر لی جائیں اور تمہارے مال و اسباب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا جائے جیسے عام طور خریدار خرید کردہ چیز کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ جب مالی قربانی کا موقع آئے تو تم بلا تامل اپنی عمر بھر کا اندوختہ پیش کر دو۔ جب میدانِ جہاد میں نکلنے کی باری آئے تو سربکف حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری طرف سے یہ پختہ عزم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد خواہ تم صحیح وسلامت جہاد سے واپس آ جاؤ تمہاری طرف سے سودا پورا ہو گیا اور تم اس معاوضہ کے حق دار بن گئے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اُثَامِنُ بِالنَّفْسِ النَّفِيْسَةِ رَبَّهَا	میں اس نفسِ نفیس کا سودا اس کے رب سے کرتا ہوں۔
وَلَيْسَ لَهَا فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ ثَمَنٌ	ساری کائنات میں اس کا اور کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔
بِهَا تُشْتَرَى الْجَنَّاتُ اِنْ اَنَا بِعْتُهَا	یہ اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس سے جنّت خریدے جا سکتے ہیں۔
بِشَيْءٍ سِوَاهَا اِنَّ ذَالِكُمْ غَبَنٌ	اگر میں اس سے کم تر پر بیچوں تو بہت بڑا خسارہ ہے۔
لَاِنْ ذَهَبَتْ نَفْسِيْ بِدُنْيَا اَصَبْتُهَا	اگر میں نے اپنی جان دُنیا کے حصول میں ضائع کر دی۔
لَقَدْ ذَهَبَتْ نَفْسِيْ وَقَدْ ذَهَبَ الثَّمَنُ	تو میں نے اپنے نفس کو بھی برباد کر دیا اور قیمت بھی ضائع کر دی۔ (2)

۱۶۰؎ یہ ایسا وعدہ نہیں جس کے پورے نہ کیے جانے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ یہ پختہ وعدہ ہے اور اس کا ذکر صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ سابقہ کتبِ سماویہ، تورات، انجیل میں بھی صراحۃً موجود ہے۔ آیت کے اس حصہ پر عیسائی عالموں نے سخت اعتراض کیے ہیں۔ چنانچہ وہری (WHERRY) برنک مین (BRINK MAN) کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 267۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 27۔ اسباب النزول للواحدی، ص 136 (التوبہ) رقم الحدیث 529، مکتبۃ العلمیہ، بیروت

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 268

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو

الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

سب سے بڑی فیروز مندی ہے۔ توبہ کرنیوالے، (اللہ کی) عبادت کرنیوالے، حمد وثنا کرنیوالے روزہ رکھنے والے، رکوع کرنیوالے

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور

الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ

نگہبانی کرنیوالے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی (اے میرے رسول!) خوشخبری سُنا دیجیے ان (کامل) مومنوں کو۔ درست نہیں ہے نبی کے

حق وصداقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور اس نے اس کا بڑی شد و مد سے انکار کیا ہے کہ اس قسم کے وعدے کا ذکر تورات و انجیل میں آیا ہو۔ باوجود اس بات کے کہ تورات وانجیل اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں رہیں اور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی تحریفیں رُونما ہوگئی ہیں اِس لیے موجودہ بائیبل میں اگر اس معاہدہ کا ذکر نہ ملے تو بھی محلِ اعتراض نہیں لیکن خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ اس محرّف انجیل میں بھی متعدد ایسی آیات آج بھی موجود ہیں جو کہ اس آیت کے مضمون کی تصدیق کرتی ہیں۔

> ''اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کردو اور اپنے لیے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے۔ یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا جہاں چور نزدیک نہیں جاتا اور کیڑا خراب نہیں کرتا کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔'' (لوقا ۱۲: ۳۳، ۳۴) (1)

نیز متی کی انجیل میں مرقوم ہے۔

اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں .... یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا (متی ۱۹: ۲۹)۔ (2)

۱۶۱ مومنین کاملین کی صفات کا بیان ہورہا ہے اَلتَّآئِبُوْنَ سے لے کر الْاٰمِرُوْنَ تک متعدد صفات کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں حرفِ عطف نہیں استعمال ہوا لیکن وَ النَّاهُوْنَ سے پہلے حرفِ عطف لانے کی کیا وجہ ہے۔ مفسرین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں (۱) ایسے مواقع پر حرفِ عطف کا ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہیں اس لیے یہاں مزید کسی توجیہ کی ضرورت نہیں (۲) اَلنَّاهُوْنَ کا اَلْاٰمِرُوْنَ پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں مل کر ایک مکمل صفت بنتے ہیں (۳) اور علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قریش کی

1۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، لوقا، باب 12، آیت 34-33، ص 67
2۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، متی، باب 19، آیت 29، ص 23

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى

لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

ہوں جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں ۱۶۲؎ اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے

اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ

باپ کے لیے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انھوں نے اس سے کیا تھا۔ اور جب ظاہر ہو

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ

گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے ۱۶۳؎ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے

لغت یہ ہے کہ سات کے عدد تک حرفِ عطف ذکر نہیں کرتے اور جب آٹھواں ذکر کرتے ہیں تو پھر حرفِ عطف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اَلنَّاهُوْنَ کیونکہ آٹھواں وصف ہے اس لیے واؤ کا اضافہ کر دیا۔ وَمَتٰى جَاءَ فِيْ كَلَامِهِمْ اَمْرٌ ثَمَانِيَةٌ اَدْخَلُوا الْوَاوَ وَقُلْتُ هِيَ لُغَةُ قُرَيْشٍ (قرطبی)(1)۔

۱۶۲؎ جب انسان فوت ہو جائے تو زندوں پر اس کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے طلبِ مغفرت کرتے رہیں تاکہ ان کے استغفار سے پروردگارِ عالم اس میت کو بخش دے۔ لیکن یہاں واضح طور پر بیان کر دیا کہ مغفرت صرف ان کے لیے ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اور جو کفر و شرک کی حالت میں مرے ہوں ان کے لیے مغفرت کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں حکم دیا کہ جن کے متعلق تمہیں علم ہو کہ وہ حالتِ کفر میں مرے ہیں ان کے لیے کسی کو دعائے مغفرت نہ کرنی چاہیے۔ وہ تمام روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کریں کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تھا۔ ان پر بیہقی زماں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات ضعیف اور معلول ہیں اس لیے قابلِ سند نہیں۔ وَمَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْ اٰمِنَةَ اُمِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَبْدِ اللّٰهِ اَبِيْهِ لَا يَصْلُحُ مِنْهَا شَيْءٌ (2)۔ علامہ پانی پتی نے حافظ ابنِ حجر شارح صحیح بخاری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے وَقَدْ تَاَمَّلْتُهَا (الطُّرُقَ) فَوَجَدْتُّهَا كُلَّهَا مَعْلُوْلَةً (مظہری)(3) "میں نے ان روایات کے سارے طریقوں میں غور کیا ہے اور سب کو معلول (قابلِ اعتراض) پایا ہے"۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قرآن میں مَا كَانَ کا استعمال دو معنوں میں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 272 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 306 3۔ ایضاً، ج 4، ص 307

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور نہیں ہے ۱۶۴ اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کردے ۱۶۵ کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کردے

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

ان کے لیے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں

آیا ہے بمعنی نفی جیسے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (1) اور بمعنی نہی جیسے یہ آیت (قرطبی) (2)

۱۶۳ آیتِ سابقہ میں مرے ہوئے کافروں کے لیے دعائے مغفرت سے منع کر دیا گیا۔ یہاں اس وسوسہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اگر حکم یہ ہے تو پھر حضرت خلیلؑ نے آزر کے لیے مغفرت کی دعا کیوں کی۔ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے آزر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں گے اور اس وقت آپ کا یہی خیال تھا کہ شاید اسے ایمان لانے کی توفیق عنایت ہو جائے لیکن جب وہ کفر پر ہی مر گیا تو آپ اس سے بری الذمہ ہو گئے۔ لابیہ سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور حضور کے آبا و اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ لِاَبِيْهِ يَعْنِيْ آزَرَ وَ كَانَ عَمًّا لِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنَ تَارِخَ (3) وَ قَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى بُعِثْتُ فِي الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (4) فَلَا يُمْكِنُ اَنْ يَّكُوْنَ كَافِرٌ فِيْ سِلْسِلَةِ آبَائِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: ابیہ سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ نیز حضورؐ سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لیے ناممکن ہے کہ حضورؐ کے آبا و اجداد میں کوئی کافر گزرا ہو (5)۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں ''یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا''۔ (ترجمان القرآن، جلد ۲، ص ۱۱۶، از آزاد)۔ (6)

۱۶۴ سابقہ آیات کے نزول سے پہلے مسلمان اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لیے دُعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو اندیشہ ہوا کہ آج تک جو ہم ان مشرکوں کے لیے استغفار کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے خدا کی ناراضگی کا شکار نہ ہو جائیں۔ ان کے اس اندیشہ کو دُور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ کوئی کام اس وقت گناہ ہوتا ہے جب یہ علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کرنے سے منع فرما دیا ہے اور جب تک یہ پتہ نہ چلے اس وقت تک یہ عمل گناہ نہیں ہوتا۔

۱۶۵ بابِ افعال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی راہِ راست پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے سیدھی راہ سے ہٹا کر غلط راہ پر چلا دے بلکہ یہاں اضلال بمعنی اَنْ يَّحْكُمَ عَلَيْهِمْ بِالضَّلَالِ (7)۔ یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے یہ گمراہ ہو

1۔ سورۂ آل عمران: 145 | 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 274 | 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 308

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 308۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1، ص 503 (الفاظ مختلفہ کے ساتھ)

5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 308 | 6۔ ترجمان القرآن از ابوالکلام آزاد، ج 2، ص 116 | 7۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 310

يُحْيِ وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار۔

لَقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ

یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے

اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ

پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے

مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ

ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر، بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنیوالا رحم فرمانے والا ہے[۱۶۶] اور ان تینوں پر بھی

چکے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حکم عدولی اور نافرمانی کی وجہ سے انسان رفتہ رفتہ گمراہی کی عمیق غار میں جا گرتا ہے۔ فَفِي هٰذَا أَدَلُّ دَلِيلٍ عَلَى أَنَّ الْعَاصِيَ إِذَا ارْتَكَبَ وَ انْتَهَكَ حِجَابَهَا كَانَتْ سَبَبًا إِلَى الضَّلَالَةِ وَالرَّدٰى وَ سُلَّمًا إِلَى تَرْكِ الرَّشَادِ وَالْهُدٰى (قرطبی)۔(1)

۱۶۶۔ عُسْرَۃٌ کہتے ہیں تنگی اور شدت کو۔ ساعۃِ عسرۃ سے مراد غزوۂ تبوک کا زمانہ ہے جبکہ مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر بڑا طویل اور کٹھن تھا۔ قیصر روم کے لشکرِ جرار سے مقابلہ تھا۔ سواریوں کی ازحد قلت تھی۔ یہاں تک کہ دس آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری وہ سوار ہوتے تھے۔ راشن بھی کم تھا۔ ایسا وقت بھی آیا جب دو آدمیوں کو صرف ایک کھجور پر رات دن بسر کرنا پڑا۔ پانی اتنا کمیاب تھا کہ سواری کے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ میں جو پانی ہوتا اس سے اپنی پیاس کو بہلایا کرتے۔ ایسے مشکل وقت میں منافقین کو تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنا ہی تھا، حالات کی سنگینی کی وجہ سے بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی شریکِ سفر نہ ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں سے اس شیطانی وسوسہ کو نکال دیا۔ اور محض توفیق الٰہی کی یاوری سے وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ انہی میں سے ایک ابوخیثمہ تھے۔ یہ بھی مخلص مومن ہونے کے باوجود حضورؐ کے ہمرکاب جہاد پر روانہ نہ ہوئے۔ ایک روز جب دوپہر کے وقت گھر آئے اور دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر کے نیچے چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں رکھی ہوئی ہیں اور لذیذ کھانا تیار ہے تو کچھ سوچ کر دہلیز پر ہی رک گئے اور اپنے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 277

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

دنظرِ رحمت فرمائی)، جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین ۱۶۷ باوجود کشادگی

دل سے کہنے لگے صد حیف! اللہ تعالیٰ کا محبوب تو چلچلاتی دھوپ اور گرم لُو میں سفر کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہو اور ابوخیثمہ کے لیے ٹھنڈی چھاؤں میں پلنگ بچھا ہوا ہو، اس کے پینے کے لیے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لیے لذیذ کھانا موجود ہو اور دو خوبرو بیویاں اس کی خدمت گزاری میں مصروف ہوں۔ بخدا! یہ انصاف نہیں۔ پھر انہوں نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ابوخیثمہ جب تک اپنے حبیبؐ کے ساتھ جا کر نہ ملے وہ اب ٹھنڈے سایہ میں نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور تبوک کی راہ لی۔ جب وہ کچھ نزدیک پہنچے تو صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! یہ سوار تو ہماری طرف آتا معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کُنْ اَبَا خَيْثَمَةَ۔ یہ ابو خیثمہ ہوگا۔ جب وہ قریب ہوئے اور صحابہ نے پہچانا تو عرض کی وَاللهِ هُوَ اَبُوْ خَيْثَمَةَ بخدا یہ تو ابوخیثمہ ہی ہے۔ انہوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنا قصہ عرض کیا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (1)

۱۶۷ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے جن تین صحابہ کا ذکر ہو رہا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: کعب بن مالک، مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جو روایت مندرج ہے جس کے راوی خود حضرت کعب ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

جن دنوں غزوۂ تبوک کے لیے تیاری ہو رہی تھی میری صحت اور میری مالی حالت بہت اچھی تھی۔ میرے پاس سواری کے لیے دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پیشتر کبھی میرے پاس سواری کے لیے دو جانور جمع نہیں ہوئے تھے۔ جمعرات کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ چند ضروری کاموں سے جلدی جلدی فارغ ہو کر میں لشکر کے ساتھ جا ملوں گا۔ ایک دن بھی گزر گیا لیکن مجھے ان کاموں سے فراغت نہ ہوئی۔ دوسرا تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا لیکن میں فارغ نہ ہوا۔ جب کئی دن گزر گئے تو میں نے خیال کیا کہ اب تو لشکر بہت دُور چلا گیا ہوگا اور اب میرا جانا بے سُود ہے۔ چنانچہ میں نے پیچھے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں بازار جاتا تو مجھے ان لوگوں کے سوا جو نفاق کی تہمت سے متہم تھے یا جو معذور تھے اور جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے اور کوئی مسلمان دکھائی نہ دیتا۔ مجھے اس حرماں نصیبی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک بار خیال آیا بھی کہ اگرچہ تاخیر ہوگئی ہے لیکن پھر بھی چلا جاتا ہوں۔ کاش! میں ایسا کرتا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے بخیر و عافیت مراجعت فرما ہونے کی اطلاعیں آنے لگیں۔ مجھے رنج و غم نے آلیا۔ میں سوچنے لگا کہ بارگاہِ رسالت میں اپنی اس غیر حاضری کے لیے کیا عذر پیش کروں۔ خود بھی غور و فکر کیا کرتا اور دانشوروں سے بھی مشورہ لیا کرتا۔ حضورؐ جب مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو یکا یک تذبذب کی کیفیت جاتی رہی اور دل میں ٹھان لی کہ سچ سچ عرض کر دوں گا۔ اور اس بارگاہ میں اگر پناہ مل سکتی ہے تو سچ سے ہی مل سکتی ہے۔ جھوٹ بول کر تو اپنے آپ کو رُسوا ہی کرنا ہے۔ حضور کریمؐ کی سنّت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو نفل پڑھا کرتے۔ اس کے بعد حضرت خاتونِ جنّت کے ہاں قدم رنجہ فرماتے اور اس کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں کو زینت بخشتے۔ جب نبی رحمت مسجد میں تشریف لے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 13-310

آئے اور نفلوں سے فارغ ہو کر بیٹھے تو منافقین گروہ در گروہ حاضر ہو کر جھوٹے بہانے پیش کرنے لگے اور نبی کریمؐ ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کو تفویض کر کے ان کی ظاہر عذر داریوں کو قبول فرما لیتے۔ مجھے بھی بعض لوگوں نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی حرماں نصیبی کی سچی سچی داستان عرض کر دی۔ حضورؐ نے میری عرضداشت سن کر فرمایا اَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِىَ اللّٰهُ فِيْكَ بِمَا يَشَاءُ: اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ جاؤ اُٹھو تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کئی لوگوں نے مجھے بڑی سرزنش کی کہ تم نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔ میں نے خیال کیا کہ واپس جا کر کوئی عذر پیش کروں لیکن پھر معاً یہ خیال آیا کہ ایک گناہ تو یہ کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں کہ بارگاہِ نبوت میں جھوٹ بولوں۔ میں یہ جرأت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ کسی اور کو بھی اس قسم کا حکم ملا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ہلال بن امیہ اور مرارة بن ربیع کو بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے لوگوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اب ہمارے ساتھ نہ کوئی ہمکلام ہوتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا کوئی جواب دیتا تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ وہ لوگ ہی نہیں جو پہلے تھے اور جن کو ہم جانتے تھے۔ یہ وہ دیس ہی نہیں ہے جس میں ہم نے عمر گزاری بلکہ یہ کوئی نیا دیس ہے جس کے کوچہ و بازار اور در و دیوار ہمارے لیے بالکل غیر مانوس ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آ گئی اور نبی کریمؐ نے نمازِ جنازہ نہ پڑھائی تو کیا بنے گا۔ میرے دو دوسرے ساتھی تو رات دن گریہ وزاری میں گزار دیتے۔ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے تو باہر نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔ میں کبھی کبھی بازار آتا لیکن نہ کوئی مجھے سلام کہتا اور نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک دن میں لوگوں کی سرد مہری سے مایوس ہو کر اپنے چچازاد بھائی (ابوقتادہ) کے پاس چلا گیا جو اس وقت اپنے باغ میں تھا۔ مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام دیا اس نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا اے بھائی کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ چپ رہا۔ میں نے تین مرتبہ یہ جملہ دُہرایا وہ بولا تک نہیں۔ آخر چوتھی بار جب میں نے اُسے یہی بات کہی تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اس وقت بے اختیار میرے آنسو بہ نکلے اور میں وہاں سے شکستہ دل ہو کر چلا آیا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا تو ایک نبطی مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے اشارہ سے اسے میری طرف متوجہ کیا کہ یہ کعب ہے جسے تم تلاش کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھے ایک خط دیا۔ یہ خط غسان کے بادشاہ نے میری طرف بھیجا تھا۔ اس نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت جفا کی ہے اور تیرے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو ایسا نہیں کہ تیری توہین کی جائے۔ تو میرے پاس آ جا، دیکھ میں کس طرح تیری قدر دانی کرتا ہوں۔ یہ پڑھ کر میں آگ بگولا ہو گیا اور میں نے اس خط کو نذرِ آتش کر دیا اور اسے کہا کہ اپنے بادشاہ کو کہنا اس خط کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ میں نے دل میں کہا میری بدبختی ملاحظہ ہو کہ اب ایک کافر کو یہ جرأت ہو رہی ہے کہ میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالے۔ اس رنج و غم میں چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے الگ رہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مسجدِ نبوی میں جایا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا کرتا۔ اور پھر یہ دیکھا کرتا کہ کیا لبِ مبارک کو جنبش ہوئی ہے۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو بے کس نواز آقا اپنی نگاہِ لطف کو میری طرف مبذول فرماتے اور جب میں فارغ ہوتا تو اعراض فرما لیتے۔ یہ لمحے میرے لیے بڑے صبر آزما تھے۔ پچاسویں رات کو ہماری توبہ کی قبولیت کی

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ

کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انھوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی

اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

ذات تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بکرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانیوالا اور ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ

اے ایمان والو! ۱۶۸ ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔ نہیں مناسب

آیت نازل ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ صحابہ دوڑے ہوئے مبارک دینے آئے۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا وہ حمزہ الاسلمی تھے۔ میں نے فرطِ مسرت میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ پھر میں بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوا۔ احباب جوق در جوق مبارک دینے کے لیے آرہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو فرمایا جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے مبارک ہو۔(1)

۱۶۸ ان تین پاکبازوں کے ذکر کے بعد جنہوں نے منافقوں کی طرح اللہ کے رسول کی جناب میں جھوٹ بولنے کی گستاخی نہیں کی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی نگاہِ لطف وکرم ان کی طرف مائل ہوئی اور اس کا ابرِ رحمت ان پر برسا اور ان کی کشتِ ایمان کو شاداب کر گیا۔ اب عام مسلمانوں کو انہی کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کی جارہی ہے کیونکہ حقیقی کامیابی یہی ہے کہ انسان سے خطا ہو جائے تو اعترافِ جرم اور اظہارِ ندامت کے بعد عفو و درگذر کی التجا کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سچے اور نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنے کی بھی اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثِ پاک بھی یقیناً مفید ہوگی، اس لیے اسے بھی تحریر کیے دیتا ہوں۔ فرمایا: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ رَجُلٌ يَّصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا(2): ''ہمیشہ سچ بولا کرو۔ سچ بولنا نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور انسان جب سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کو صدیق کا لقب عطا فرمادیا جاتا ہے''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، ج2، ص36-634۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب توبۃ کعب بن مالک، ج2، ص360، کتاب التوبہ، قدیمی کتب خانہ

2۔ جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الصدق والکذب، ج2، ص19

لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

تھا مدینہ والوں کے لیے ۱۶۹ اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ

رسولِ پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان سے بے فکر ہو کر۔ یہ اس لیے کہ

بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

نہیں پہنچتی انھیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف اور نہ بھوک راہِ خدا میں

اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ

اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آتے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے

نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ

کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لیے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل ۱۷۰ بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً

نیکوں کا اجر۔ اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ

۱۶۹ یعنی اہلِ ایمان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ تو آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا رسول سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتا، موسم کی ناسازیوں کا مقابلہ کرتا، جہاد کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جا رہا ہو۔ یہ حکم قیامت تک ہے جب بھی خلیفۂ وقت جہادِ عام کا حکم فرما دے تو سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے جہاد کے لیے نکلیں۔
یہاں بھی مَا كَانَ نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (1) جس طرح پہلے گزرا۔

۱۷۰ اس آیت سے بھی جہاد میں شرکت کرنے کی مزید رغبت دلائی جا رہی ہے کہ جب وہ جہاد میں نکلیں گے تو چھوٹی بڑی جو تکلیف انہیں پہنچے گی اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجرِ عظیم دے گا تو پھر خدا کی رحمت میں حصہ دار بننے کے لیے وہ اس جسمانی تکلیف کو برداشت کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ کیوں کریں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 320

وَلَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا

اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے اُن کے لیے تاکہ صلہ دے انھیں اللہ تعالیٰ بہترین، اُن

كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً ؕ فَلَوۡلَا

کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے ۱۷۱ تو کیوں نہ

نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ وَ

نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور

لِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا

ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ نافرمانیوں سے بچیں ۱۷۲ اے

ع ۱۵ / ۴

۱۷۱۔ جس دین کا مقصد دل کی دُنیا بدلنا ہو اور انسان کی زندگی کے کارواں کے لیے ایک بلند منزل متعین کرنا اور اس تک پہنچنے کی تڑپ پیدا کرنا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جو اس دین کے اَسرار و رموز سے پوری طرح واقف ہوں جو اس کے اغراض و مقاصد کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اور دوسروں کو سمجھانے اور ان کے دلنشین کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ اِس چیز کی اہمیت کے پیشِ نظر ان آیات کے درمیان جن میں جہاد کی ترغیب اور جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے ایک ایسی آیت بیان فرمائی جس میں دین کے اس مقصدِ اعلیٰ کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ مسلم آبادی کے وہ علاقے جو دینی اور علمی مرکزوں سے دُور ہیں وہاں سے چند طالبانِ علم ان مرکزوں میں آئیں اور عالمانِ دین کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر دین کی صحیح سمجھ پیدا کریں اور جب فیضِ صحبت سے ان کے دلوں میں نورِ بصیرت پیدا ہو جائے تو پھر اپنے اپنے دُور افتادہ وطنوں کی طرف لوٹ آئیں اور وہاں کے رہنے والوں میں احکامِ اسلام کی تبلیغ کریں تاکہ امّت مسلمہ کا ہر فرد اپنے دین کی رُوح سے واقف ہو اور اس کے احکام سے باخبر ہو تاکہ بے علمی کی وجہ سے ان کا رابطہ اسلام کے ساتھ کمزور نہ ہو جائے اور جہالت کے باعث مسلم سوسائٹی میں اخلاقی اور اعتقادی بے اعتدالیاں رُونما نہ ہونے لگیں۔ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ (کہ ہر جماعت میں سے چند افراد) کے الفاظ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد اپنا گھر بار چھوڑ کر طلبِ علم میں مصروف ہو جائے کیونکہ اس طرح تو نظامِ اجتماعی درہم برہم ہو جائے گا۔ تجارت، زراعت، صنعت وغیرہ سب میں خلل واقع ہو جائے گا بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ ہر بستی سے چند افراد حصولِ علمِ دین اور تبلیغ و اشاعت کے کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ

ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے ۱۷۳ اور چاہیے کہ وہ پائیں تم

غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

میں سختی ۱۷۴ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۱۷۵ اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورت

۱۷۲ ان لوگوں کے حصولِ علم کا مدعا صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ واپس آ کر اپنے علم و عرفان کی شمع سے ہر گھر میں اُجالا کر دیں۔ جہاں کہیں اعتقادی اور عملی تاریکی کا سُراغ پائیں اپنے نور کا رُخ ادھر موڑ دیں۔ اسلام نے علم اور اس کی ترویج کے لیے جتنا اہتمام فرمایا ہے قرآن کے صفحات اور احادیث کے دفاتر اس سے لبریز ہیں۔ اور انہی ارشادات کی برکت تھی کہ عرب کے گنوار اور جاہل دیکھتے ہی دیکھتے اقوامِ عالم کے امام بن گئے جہاں ان کی عظمت کا جھنڈا گڑا وہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ کوہ و دمن میں جہاں کہیں وہ خیمہ زن ہوئے مسجد و مدرسہ کے بلند مینار معرفت کی تجلیاں بکھیرنے لگے۔ صاحب قرطبیؒ لکھتے ہیں هٰذِهِ الْاٰيَةُ اَصْلٌ فِيْ وُجُوْبِ طَلَبِ الْعِلْمِ (1): یہ آیت طلبِ علم کی فرضیت کی دلیل ہے۔ حضور کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّبْتَغِيْ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ الخ۔ (ترمذی) (2)۔ ''جو شخص حصولِ علم کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور طالب علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں''۔ حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰٓى اُمَّتِيْ (3) ''جس طرح مجھے میری امت پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عالم کو عابد (جو عالم نہ ہو) پر فضیلت حاصل ہے''۔

۱۷۳ یعنی سب سے پہلے ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب بستے ہیں اس کے بعد جو ان کے قریب بستے ہیں۔ اسی طرح اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کے اصول پر جہاد کا سلسلہ جاری رہے۔ کیونکہ اسلامی جہاد کا مدعا قتل و غارت تو ہوتا نہیں بلکہ یہ ناصحانہ تنبیہ اور سرزنش کے مترادف ہے اس لیے اس شفقت کے حقدار قریبی لوگ ہیں (4)۔ نیز اپنے پڑوس میں فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکتا ہوا چھوڑ کر دُور دراز کے علاقوں کی طرف متوجہ ہو جانا کوئی آئینِ دانشمندی نہیں۔ یہ آستین کے سانپ کسی وقت بھی ڈس کر ساری فتوحات کو شکست میں بدل سکتے ہیں۔

۱۷۴ یعنی جب میدانِ جہاد میں نکلو تو اپنی قوت و سطوت کا پورا مظاہرہ کرتے ہوئے جاؤ۔ اور جب تمہاری تلواریں بے نیام ہوں تو دشمن پر یوں بھرپور وار کرو کہ ان کے فولادی خودوں اور زرہوں کو کاٹتی ہوئی نکل جائیں تاکہ دوبارہ انہیں للکارنے کی ہمت نہ ہو۔ غِلْظَةً کا معنی ہے سختی، قوت اور جوش و خروش۔ اَیْ شِدَّةً وَّقُوَّةً وَّحَمِيَّةً (قرطبی)۔ (5)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 293
2۔ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، ج 2، ص 93
3۔ الفردوس بماثور الخطاب (الدیلمی)، حدیث 4346 (مکہ مکرمہ دار الباز)
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 325
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 298

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

توبعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورت نے ایمان تو وہ (سن لیں)

اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ایمان والوں کے ایمان میں اس سورت نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں ۱۷۵ اور جن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا

(نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورت نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مر گئے اس

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

حال میں کہ وہ کافر تھے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے ۱۷۶ کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار

قرآنِ حکیم نے جابجا مومن کی یہ شان بیان کی ہے کہ وہ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بڑا نرم خو اور حلیم الطبع ہوتا ہے لیکن اسلام کے دشمنوں کے سامنے وہ بپھرا ہوا شیر ہے جس کی گرج سے سینوں میں دل پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (1)۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (2)

۱۷۵ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے اور جس کے شاملِ حال اللہ تعالیٰ کی نصرت ہو اسے دُنیا کی کوئی طاقت نیچا نہیں دکھا سکتی۔ اس لیے کفر و باطل کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ تم میرے احکام کی بجا آوری میں سُستی نہیں کرتے اِس لیے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کامیابی کا سہرا تمہارے سر ہی باندھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی راہ پر چلائے اور اپنی اعانت اور نصرت سے ہماری چارہ سازی فرمائے آمین ثم آمین!

۱۷۶ کیونکہ منافقین کے پتھر کی طرح سخت دلوں پر آیاتِ قرآنی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ نزولِ قرآن کے سلسلہ کو بے سود سمجھتے تھے۔ جب کبھی کوئی نئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو وہ ازراہِ مذاق اپنے دوستوں سے پوچھتے کہ سناؤ جی! یہ جو نئی سورت اُتری ہے اس سے تمہارے ایمان میں کتنی ترقی ہوئی؟ ان کے اس مذاق کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے مردہ دلو! تمہیں اس حیات بخش پیغام کی کیا قدر؟ اے کور چشمو! تمہیں اس نورِ حق کی تابانیوں کی کیا خبر؟ اس کی تاثیر پوچھنی ہو تو اہلِ ایمان سے پوچھیے جن کی رُوح زندہ ہے اور چشمِ بصیرت بینا ہے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اس ابرِ رحمت نے ان کی کشتِ ایمان کو کس طرح شاداب کر دیا ہے۔ ان کے دل آج خوشی سے لبریز ہیں اور ان کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک رہے ہیں۔

1۔ سورۃ الفتح:29 2۔ کلیاتِ اقبال (ضربِ کلیم)، ص 682، نظم مردِ مسلمان

اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ

یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی

سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ

ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل

انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

دیتے ہیں۔ پھیر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ۱۷۸ کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے ۱۷۹

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا

۱۷۷۔ منافقین جو غفلت اور عناد کا شکار تھے ان کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے سال میں متعدد بار انہیں ایسے حالات سے دوچار کر دیا جاتا جو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیتے۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں ناکامی سے ہمکنار ہوتیں۔ بے سروسامانی کے باوجود مسلمان ہر میدان میں اپنے طاقتور دشمنوں کو شکست پر شکست دیتے چلے جاتے۔ حضورؐ کی ذاتِ پاک سے ایسے ایسے معجزات رُونما ہوتے جن کے دیکھنے کے بعد حضورؐ کی صداقت کا یقین ہو جاتا اس کے علاوہ انہیں طرح طرح کی تکالیف اور مالی خساروں میں مبتلا کیا جاتا تاکہ یہ غفلت کی نیند سے بیدار ہوں لیکن انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوتی۔

۱۷۸۔ جب حضور سرورِ عالمؐ پر وحی نازل ہوتی اور یہ منافق اس مجلس میں ہوتے تو ان کا جی چاہتا کہ کسی بہانے یہاں سے بھاگ نکلیں۔ ایک تو انہیں قرآن سے کوئی دلچسپی نہ تھی دوسرا انہیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسی آیتیں نہ اُتریں جن میں ان کو رسوا کیا گیا ہو۔ اگر یونہی اُٹھ کر چلتے ہیں تو اپنے نفاق کا راز فاش ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے میں یوں مستغرق ہیں کہ انہیں دُنیا و مافیہا کی خبر نہیں تو اس وقت وہ خاموشی سے کھسکنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو کانوں کان ان کے چلے جانے کی خبر بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے میرے محبوب رسول کی بارگاہ سے منہ موڑا تو ہم نے اُن کے دلوں کو حق قبول کرنے سے موڑ دیا۔ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ کے الفاظ بڑے غور کے مستحق ہیں۔

۱۷۹۔ ان کی کم عقلی اور نادانی کا اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا تھا کہ نبی رحمت تشریف لایا اور اس نے اپنا دامنِ کرم پھیلا دیا اور وہ کم نصیب اس سے دُور ہی دُور بھاگتے رہے۔ جاں بلب مریض کی بالیں پر مسیحا امرت کا جام ہاتھ میں لیے آ کھڑا ہوتا ہے

حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا

بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا ۱۸۰ مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ۱۸۱ (اے حبیب!) پھر

فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ

اگر منہ موڑیں تو آپ فرما دیں ۱۸۲ کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی

الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾

عرشِ عظیم کا مالک ہے

اور منتیں کرتا ہے کہ ایک گھونٹ حلق سے نیچے اُتار لو صحت یاب ہو جاؤ گے لیکن وہ بضد ہے کہ مرنا منظور ہے لیکن یہ دوا نہیں پیے گا۔ وہ دین آیا جوان کو دنیا بھر کا امام بنانا چاہتا ہے اور وہ حجر و شجر کی بندگی پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ ان کو کتابِ مقدس دی گئی جس کی ہر سطر سے علم و عرفان کا آفتابِ جہاں تاب طلوع ہو رہا ہے اور وہ جہالت کے اندھیروں سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔ ان کی اِنہیں احسان ناشناسیوں کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ ان کے دل کی آنکھ بے نور کر دی گئی۔ فہم و فراست کا جوہر ان سے چھین لیا گیا اور ہلاکت و بربادی کی جس پستی میں وہ گرنا چاہتے تھے اس میں انہیں گرنے دیا گیا۔

۱۸۰ کُم کی ضمیر کا مرجع بعض نے اہل العرب کو قرار دیا ہے (1) لیکن صحیح قول یہی ہے جو علامہ قرطبیؒ نے زجاج سے نقل کیا ہے۔ هِيَ مُخَاطَبَةٌ لِجَمِيۡعِ الۡعَالَمِ (2)۔ سارے جہان کو خطاب ہے کیونکہ حضور سب انسانوں کے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔ رسول میں تنوین تعظیم کی ہے۔ عَنَتَ کہتے ہیں مشقت وشدت کو۔ یہاں مَا یا تو مصدریہ ہے (3) یا موصولہ (4)۔ یعنی ہر وہ چیز جس سے اے اولادِ آدم! تمہیں تکلیف پہنچتی ہو وہ حضورؐ کے قلب رحیم پر بھی گراں گزرتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے تمہارا بھلا ہو اس کے حضور بہت خواہشمند ہیں۔ امت کے ساتھ اس کے آقا کو جو رشتۂ محبت والفت ہے اس کا بیان ان پاکیزہ الفاظ سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ اَنۡ تَدۡخُلُوا النَّارَ وَ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ۔ (5)

۱۸۱ جب سارے نوعِ انسانی کے ساتھ اس نبی اکرم کا یہ رشتہ ہے تو اپنے ان غلاموں پر آپ کا سحابِ جود و کرم کس طرح برستا ہوگا اس کا اظہار ان کلمات سے فرمایا۔ رؤف مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے اَلۡبَالِغُ فِي الرَّأۡفَةِ وَالشَّفَقَةِ وَقَالَ الۡحُسَيۡنُ بۡنُ فَضۡلٍ لَمۡ يَجۡمَعِ اللّٰهُ لِاَحَدٍ مِّنَ الۡاَنۡبِيَاءِ اسۡمَيۡنِ مِنۡ اَسۡمَائِهٖ اِلَّا لِلنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ عَبۡدُ الۡعَزِيۡزِ بۡنُ يَحۡيٰى عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ اَيۡ لَا يَهُمُّهٗ اِلَّا شَاۡنُكُمۡ (6) ''رؤف کا معنی ہے بے حد مہربانی اور شفقت فرمانے والا۔ حسین بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے دو ناموں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کسی نبی میں جمع نہیں فرمایا۔ عبد العزیز بن یحییٰ فرماتے ہیں عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ الخ کا مفہوم یہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 301 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جز 8، ص 302
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 327 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 302 6۔ ایضاً

ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تمہاری فلاح و بہبود کے سوا کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی"۔

۱۸۲ اگر بے سمجھ اس رسول کی تعلیم کو تسلیم نہ کریں اور ان کی اطاعت کو فرض نہ جانیں تو اے محبوب تمہیں کیا۔ تیرا نگہبان وہ اللہ ہے جو عرشِ اعظم کا مالک ہے۔

سُورۃ یُونس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورت کو حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے معنون کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ایک رکوع میں آپ کی قوم کی نجات کا ذکر ہوا ہے۔ یہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کی آیات کی تعداد ایک سونو (۱۰۹) ہے۔ اس میں ۱۸۳۲ کلمے اور نو ہزار ننانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرات حسن، عکرمہ، عطا اور جابر، ائمہ تفسیر کے نزدیک اس ساری سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ بجز ان تین آیتوں کے فان کنت فی شك الخ (1) کہ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا (قرطبی) لیکن پہلا قول ارجح ہے۔ (2)

اگرچہ اس کا سال نزول تو متعین نہیں ہو سکا لیکن مضامین میں غور کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ طرح طرح کے دلائل و بینات سے ان کے اعتراضات کا رڈ فرما دیا۔ لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی روش سے باز نہ آئے اور اُن کے معاندانہ رویہ میں مزید تندی اور سختی پیدا ہو گئی۔ اسی لیے اس سورت میں ان قوموں کا ذکر فرما دیا گیا جنہوں نے اپنے انبیاء کی دعوت کو ماننے سے جب انکار کر دیا اور ان کی ہدایت کی توقع نہ رہی تو ان پر عذابِ الٰہی آیا اور اس نے انہیں ختم کر کے رکھ دیا۔

کیونکہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس لیے اس کے مخاطب بھی وہی لوگ تھے۔ وہی ان کی بیماریاں تھیں وہی ان کے شبہات تھے اور وہی اُن کا رویہ تھا جن کا ذکر گزشتہ مکی سورتوں میں گزر چکا ہے۔ اس لیے اس سورت میں بھی انہی لوگوں کی اصلاح کی مشفقانہ کوششیں کی جارہی ہیں اور بڑے پیار بھرے انداز سے ان کے اعتراضات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پہلا شبہ: ان کی سب سے مہلک بیماری جس میں وہ مبتلا تھے شرک کی بیماری تھی۔ انہیں یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ اس عالمِ ہست و بود کی تخلیق اور تدبیر سے ایک ذات عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ وہ تمام شؤونِ حیات کے لیے الگ الگ خداؤں کے قائل تھے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ یہ بت جن کو تم نے خدا بنا رکھا ہے آخر ان کے خدا ہونے کی تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ بھلا یہ بتاؤ اس عالم میں اَن گنت چیزیں ہیں بڑی بھی اور چھوٹی بھی، گراں بھی ارزاں بھی، مفید بھی مضر بھی، خوبصورت بھی بدصورت بھی، تم ہی کہو ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی ہے جس کو تمہارے ان خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ چلو یہ نہ سہی ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ تمہاری بقاء اور سلامتی کے لیے سینکڑوں اشیاء موجود ہیں پانی، ہوا، روشنی، اناج، پھل، کھانے اور سواری کے

1۔ سورۂ یونس: 94 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 4، جز 8، ص 304

حیوانات، تم یہ بتاؤ! کیا ان میں سے بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کو تمہارے ان دیوتاؤں نے پیدا کیا ہو۔ اگر یہ بھی ان کی تخلیق نہیں تو یہ کہو! تمہیں جو دیکھنے کو آنکھیں، سننے کو کان، بولنے کو زبان، سمجھنے کو عقل اور دیگر کئی قوتیں دی گئی ہیں کیا ان میں بھی کوئی قوت ان کی عطا کردہ ہے۔ چلو اسے بھی رہنے دو! تم اپنی زندگی عزت و آرام اور امن و عافیت سے بسر کرنے کے لیے کسی راہنماء کی رہنمائی کے محتاج ہو جو اشیاء کے حسن و قبح سے تمہیں آگاہ کرے۔ تمہیں تمہارے نفع و نقصان سے خبردار کرے۔ تمہارے لیے ایسے قانون بنائے جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرسکیں۔ تمہارے ان گونگے اور بہرے خداؤں نے کبھی اس معاملہ میں بھی تمہاری راہنمائی کی ہے۔ اگر ان تمام سوالات کا جواب تمہارے نزدیک بھی نفی میں ہے تو عقل و خرد کے دعویدارو! پھر تم ان کی خدائی پر کیوں ایمان لاتے ہو۔ کتنا مؤثر اور دلنشین انداز بیان ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

ان کے معبودان باطل کی خدائی پر ضربِ کاری لگانے کے بعد ان کے اس تذبذب کو دُور کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ خدا نہیں تو کون خدا ہے؟ اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو جاننے اور پہچاننے کے لیے زیادہ عرصہ پریشان اور سرگرداں رہنے کی ضرورت نہیں۔ چشمِ ہوش کھولو! تمہیں اس جہاں کی وسعتوں میں سینکڑوں نشان ملیں گے۔ تمہارا وہی سچا خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، جس نے آفتاب و مہتاب کی قندیلیں فروزاں کرکے شبِ ہستی کو منور کر دیا، جس کے حکم سے گردشِ لیل و نہار کا سلسلہ جاری ہے، جس کی قدرت و حکمت، جس کی ہمہ دانی اور ہمہ بینی کے آثار تمہیں اپنے گردوپیش نظر آ رہے ہیں۔

اگر اب بھی اس کو نہیں پہچان سکے تو سچ بتاؤ کبھی تمہیں کسی بحری سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ تمہاری کشتی سطحِ آب پر آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہو۔ اچانک مطلع مکدر ہو گیا ہو، بادل امڈ آئے ہوں، تیز آندھی چلنے لگی ہو اور سمندر کی خونخوار موجیں منہ کھولے ہوئے تمہیں اور تمہاری کشتی کو نگلنے کے لیے بار بار آگے بڑھ رہی ہوں، تمہارے بچ نکلنے کی ساری امیدیں ختم ہو چکی ہوں، تم نے اپنے معبودوں کو بار بار پکارا ہو اور کوئی بھی تمہاری خبر لینے نہ آیا ہو، جب ہر طرف موت ہی موت دکھائی دینے لگی ہو، سچ بتاؤ کیا اس وقت کسی کا تمہیں خیال آیا تھا۔ کسی کی چوکھٹ پر بے ساختہ تمہاری جبینِ نیاز جھکی تھی۔ ان کربناک لمحوں میں تم نے کسی کے ساتھ صدق و وفا کا پیمان باندھا تھا۔ اور پھر کسی کی رحمت نے آگے بڑھ کر تمہاری ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دے کر بچا لیا تھا، وہ کون تھا؟ معلوم ہے تمہیں؟ وہی تمہارا خداوند، وہی تمہارا معبودِ برحق تھا۔ جس کو مان کو پھر تم اس سے روگردانی کرنے لگے۔

دوسرا شبہ: تمہیں حیرت ہے کہ ایک بشر کو منصبِ رسالت پر کیوں فائز کیا گیا ہے۔ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ تمہیں راہِ راست دکھانے کے لیے تمہیں پیغامِ حق سنانے کے لیے کوئی جن یا کوئی فرشتہ بھیجا جاتا جس کو نہ تم دیکھ سکتے اور نہ اس کی گفتگو کو سمجھ سکتے اور اگر وہ تمہیں اپنا آپ دکھاتا تو تم اس کی ہیبت و جلال سے اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتے اور لینے کے دینے پڑ جاتے۔ تم ہی فیصلہ کرو کیا اس قسم کے نبی کی بعثت تمہارے لیے موجبِ رحمت ہوتی یا باعثِ زحمت۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ تم میں سے کسی کو شرفِ نبوت سے مشرف کر کے مبعوث فرمائے۔ تاکہ تم اس سے فیض حاصل کرسکو۔

تیسرا شبہ: انہیں قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے پر بھی اعتراض تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے ان کے اس شبہ کو دُور کرنے کے لیے انہیں چیلنج دیا گیا کہ تم ایسا کرو کہ سب مل کر بیٹھو۔ تمہارے ملک میں جتنے زبان آور شاعر نغز بیان

خطیب اور قادر الکلام ادیب ہیں سب کو بلالو۔ اور اپنی اجتماعی فصاحت و بلاغت کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ نہیں ایک چھوٹی سی سورت ہی اس جیسی بنادو، اس طرح خود بخود اسلام کا چراغ بجھ جائے گا۔ اور تمہاری یہ بے چینی دور ہو جائے گی جس نے تمہارے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی ہے اور اگر تم سب مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورت نہیں بنا سکتے تو پھر بے جا ضد اچھی نہیں مان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ کتاب جو تمہارے لیے نازل کی گئی ہے جانتے ہو یہ کن خیرات و برکات کی حامل ہے۔ آؤ سنو:

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (1): یہ تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے نصیحت ہے۔

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (2): اس میں تمہارے سینوں کی ساری بیماریوں اور جملہ روگوں کے لیے نسخۂ شفا ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (3): اور جو اس کو دل و جان سے مان لیتے ہیں ان کے لیے یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے تم یہ تجویز پیش کرتے ہو کہ اس میں سے فلاں چیز کاٹ دی جائے اور فلاں چیز کا اضافہ کر دیا جائے۔ بھلا میری کیا مجال کہ اس میں ردّ و بدل کر سکوں۔ میں تو امین ہوں۔ اگر میں اس میں خیانت کروں تو کیا تم میں ہمت ہے کہ تم مجھے میرے رب کے عتاب سے بچا سکو۔

چوتھا شبہ: تمہیں اس پر بھی اعتراض ہے کہ میں مرنے کے بعد تمہیں ایک دوسری زندگی کی خبر دے رہا ہوں۔ تمہارے نزدیک یہ ناممکن اور خلافِ عقل ہے۔ اگر میں تم سے پوچھوں کہ کیوں؟ تو تم کیا جواب دو گے کیا خدائے قدیر نے عدمِ محض سے ہر چیز کو پیدا نہیں کیا۔ کیا اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات ہے کہ وہ موجودات کے منتشر ذرّوں کو جوڑ دے۔

غرضیکہ مشرکین کے دل میں کھٹکنے والے جتنے شکوک و شبہات تھے ان کا حکیمانہ اور مشفقانہ جواب دیا تا کہ اگر کوئی پھر بھی حق کا انکار کرے تو اس کی مرضی اور اس کی قسمت۔ کم از کم یہ تو کوئی نہ کہے کہ مجھے سمجھایا نہیں گیا تھا۔

آخر میں دو اہم چیزوں کو بیان فرما کر سورت کو ختم کیا۔ اپنے برگزیدہ رسول اور محبوب بندے کو ارشاد فرمایا: اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا۔ (4) یعنی دشمنوں کی غوغا آرائیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کی ستم کیشیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر طرف سے توجّہ ہٹا کر آپ اس دینِ حق کی طرف اپنا رُخ موڑ لیں اور اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں۔

نیز اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ نفع و ضرر کا کلی اور حقیقی اختیار اللہ جل مجدہ و عز سلطانہ کے دستِ قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے انعامات اور احسانات سے مالا مال کر دے۔ اس کے غضب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا اور اس کے دستِ جود و سخا اور فضل و عطا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر اس نے یتیمِ مکہ کو ختمِ نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا ہے تو کسی کو کیا اعتراض؟ اگر اس نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا ہے تو کسی کے پیٹ میں بل کیوں پڑے۔ اس کی تو یہ شان ہے: يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧۔ (5)

اِن اساسی مضامین کے علاوہ علم و حکمت کے کئی دمکتے ہوئے موتی ہیں جو اس سورت کی ردائے نور میں جڑے ہوئے ہیں۔ جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کا حسنِ لازوال خود ہی آپ کے دامنِ توجہ کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔

1۔ سورۂ یونس: 57 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً: 105 5۔ ایضاً: 107

سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ وَّ هِیَ مِائَۃٌ وَّ تِسْعُ اٰیَاتٍ وَّ اَحَدَ عَشَرَ رُکُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ یونس مکی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے — آیتیں ۱۰۹ - اس کے رکوع ۱۱

منزل ۳

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ

الف۔لام۔را [۱] یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی [۲] کیا (یہ بات) لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے

[۱] اس قسم کے حروف جو بعض سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں انہیں حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے۔ ان کا مفہوم کیا ہے؟ علمائے تفسیر نے اس کی کئی توجیہیں کی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتداء میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے لیے بطور رمز استعمال کیے گئے ہیں مثلاً الف اللہ کی طرف، لام لطیف اور راء رحمٰن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ كُلَّ حَرْفٍ مِّنْهَا مَاْخُوْذٌ مِّنِ اسْمٍ مِّنْ اَسْمَائِهٖ سُبْحَانَهٗ (البرہان فی علوم القرآن) (1) حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ الٓرٰ مخفف ہے اَنَا اللّٰهُ اَرٰی (2) کا (میں اللہ ہوں سب کچھ دیکھ رہا ہوں) یہ توجیہات اپنا اپنا وزن رکھتی ہیں لیکن سب سے زیادہ اطمینان بخش اور یقین افروز علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو سورۂ بقرہ کے آغاز میں حروفِ مقطعات کی تحقیق کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے: فَلَا یَعْرِفُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَ سَلَّمَ اِلَّا الْاَوْلِیَاءُ الْوَرَثَةُ فَهُمْ یَعْرِفُوْنَهٗ مِنْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ وَقَدْ تَنْطِقُ لَهُمُ الْحُرُوْفُ كَمَا كَانَتْ تَنْطِقُ لِمَنْ سَبَّحَ فِیْ كَفِّهِ الْحَصٰی۔ (3)

''یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم جانتے ہیں اور اولیائے کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیائے کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذاتِ پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی''۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ الٓرٰ پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ فَعِلْمُ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ بِلَوَازِمِهَا وَحَقَائِقِهَا مُفَوَّضٌ فِی الْحَقِیْقَةِ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَ كُمَّلِ الْوَرَثَةِ (4)۔ ان حروف کا علم ان کے لوازمات اور حقائق کے ساتھ درحقیقت اللہ تعالیٰ، اس کے محبوب رسول اور اولیاء کاملین کو تفویض کیا گیا ہے۔

[۲] کفار و مشرکین قرآن کریم پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور اپنے فہم کی نارسائی کے باعث اس کی تعلیمات کے بارے میں گوناگوں غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں ہی اِس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ یہ کتاب جس کی تعلیمات پر تم اعتراض کرتے ہو۔ جس کے بتائے ہوئے اصولوں کو ماننے سے تم انکار کرتے ہو یہ تو پُر از حکمت کتاب ہے۔ اس کے بیان کردہ عقائد، اس کے بتائے ہوئے معاشی، اخلاقی اصول، اس میں مذکورہ واقعات و قصص، اور مستقبل کے متعلق اس کی ساری پیشین گوئیاں سب ہی تو اپنی اپنی جگہ مستحکم و استوار ہیں اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ عظمت شان کی طرف اشارہ کرنے کے لیے (تِلْكَ) اسمِ اشارہ بعید استعمال فرمایا۔ (5)

1۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 1، ص 173، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 304
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 100
4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 4
5۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، ج 11، ص 47

اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ

وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو ۴؎ اور خوشخبری دو انھیں

اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ

جو ایمان لائے کہ ان کے لیے مرتبہ بلند ہے ۵؎ اُن کے رب کے ہاں۔ کفار نے کہا

۳؎ قرآن کریم کے متعلق ان کی غلط فہمی دور کرنے کے بعد صاحبِ قرآن کے بارے میں ان کے شبہ کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ ایک انسان کس طرح اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوسکتا ہے کہ وہ اسے وحی سے سرفراز فرما کر دوسرے انسانوں کی رہبری کے لیے متعین فرمائے۔ جس انسان سے وہ متعارف تھے اور جس انسانیت کے وہ خود اعلیٰ نمائندہ تھے وہ تو اس سرفرازی کا قطعاً مستحق نہیں تھا۔ لیکن انہیں معلوم تھا کہ یہ انسان خالقِ کائنات کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس میں جو صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں اگر ان کو بروئے کار لایا جائے اور تقویٰ واخلاص سے اِن کی آبیاری کی جائے تو بارگاہِ عزت میں جس مقامِ قرب کا یہ مستحق قرار پاسکتا ہے وہاں روح الامین کو بھی دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دوسری بات جس نے انہیں تصویرِ حیرت بنا رکھا تھا یہ تھی کہ نبوت کے بارِ گراں کو اُٹھانے کے لیے عبد المطلب کے یتیم پوتے کو منتخب کیا گیا تھا آخر یہ کیوں؟ اگر کسی انسان کو ہی نبی بنانا تھا تو وہ ایسا تو ہوتا جس کی دھاک تمام قوم کے دلوں پر بیٹھی ہوتی۔ اس کے منہ سے جو بات نکلتی اس کے سامنے ہر ایک کو طوعاً اور کرہاً سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا۔ وہ کہا کرتے: لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ﴿۳۱﴾ (1) یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی رئیسِ اعظم پر کیوں نہ اُتارا گیا؟ ان کے انہیں شبہات کا یہاں جواب دیا جارہا ہے کہ اگر ان میں سے کسی انسان کو نبوت اور نزولِ وحی کے لیے منتخب کیا گیا ہے تو اس میں حیرت وتعجب کی کیا بات ہے، بلکہ یہ تو عین حکمت ہے کیونکہ افادہ واستفادہ کے لیے جانبین میں باہمی مناسبت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک انسان، انسان سے ہی فائدہ حاصل کرسکتا ہے، جن وملک سے نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اگر یہاں بسنے والے فرشتے ہوتے تو ان کی طرف رسول بھی کسی فرشتہ کو بنا کر بھیجا جاتا۔ جب یہاں بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کسی انسان کو ہی مقرر کرنا چاہیے تھا۔ باقی رہا تمہارا یہ خیال کہ صاحبِ رسالت کے پاس مال و دولت اور جاہ ومنصب کا ہونا ضروری ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ ربِ قدوس کے ہاں ان چیزوں کی کوئی قدر وقعت نہیں۔ یہاں تو بلند اخلاق، پاکیزہ کردار اور اِخلاص وایثار کو شرفِ پذیرائی عطا کیا جاتا ہے اور یہ تمام صفات ذاتِ پاکِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء میں بوجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اِس لیے حضور کی نبوت پر تمہارا اظہارِ تعجب بالکل بے معنی ہے۔

۴؎ یہاں نبی پاک کی دعوت کا خلاصہ بیان کیا جارہا ہے کہ اس کا کام یہ ہے کہ عام لوگوں کو ان کی غفلت شعاریوں، مجرموں کو ان کی بداعمالیوں اور مشرکین وکفار کو ان کے عقائدِ باطلہ کے ہولناک انجام سے ڈرائے تاکہ وہ بروقت اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اہلِ ایمان کو یہ بشارت سنائے کہ تمہاری محنت ٹھکانے لگی اور تمہاری نیکیاں بارآور ہوئیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے

1۔ سورۃ الزخرف: 31

إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا ؀ بیشک تمہارا رب، اللہ تعالیٰ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں

وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

اور زمین کو ؀ چھ دنوں میں، پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) ہر کام کی تدبیر فرماتا

حضور میں بڑے بلند مقام پر فائز کیا جائے گا۔

؀ زجاج نے قَدَمَ صِدْقٍ کا معنی دَرَجَةً عَالِيَةً (یعنی بلند مقام) کیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی اچھی جزاء بتایا ہے جو انہیں ان کے اعمالِ حسنہ پر ملے گی (مظہری)(2) حضرت زید رضی اللہ عنہ بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے(3)۔ امام حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهُ شَفِيْعٌ مُّطَاعٌ يَتَقَدَّمُهُمْ كَمَا قَالَ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ (قرطبی، بحر)(4) یعنی قَدَمَ صِدْقٍ سے مراد حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے کیونکہ حضور ہی ایسے شفیع ہیں جن کی شفاعت یقیناً قبول کی جائے گی اور حضور اپنی امت سے پہلے حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہوں گے تاکہ اپنی پیاسی امت کو سیراب فرماسکیں۔ امام بخاری نے یہی قول حضرت زید بن اسلم سے نقل کیا ہے۔ قَالَ الْبُخَارِيُّ قَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ إِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔(5) (مظہری، قرطبی وغیرہما من التفاسیر)

؀ جب کفار کے پاس کوئی دلیل نہ رہی جس سے وہ قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرسکیں اور حضور کی نبوت و رسالت کی تردید کرسکیں تو ناچار اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ افتراء باندھ دیا کہ یہ عقل و دل و نگاہ کو خیرہ کردینے والی روشنی، یہ روح کو سرشار کردینے والا کلام جادو ہے اور اس کو سنانے والی یہ دلنواز ہستی نبی نہیں جادوگر ہے فرعون نے بھی تو اعجازِ موسوی کے سامنے اپنی بے بسی پر یہی کہہ کر پردہ ڈالا تھا۔ شاید کفر کے پاس یہی اوچھا ہتھیار ہے جو وہ اہلِ حق کے خلاف ہمیشہ استعمال کرتا ہے۔ مشرکین نے حضور کو جادوگر تو کہہ دیا لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ان کا یہ الزام کتنا بے سروپا ہے۔ کیا وہ یہ بتاسکتے ہیں کہ فلاں جادوگر سے حضور نے جادو سیکھا۔ کیا وہ یہ بتاسکتے ہیں کہ جادوگروں کی پست اور ذلیل ذہنیت اور ان کے رذیل اعمال کی کوئی ادنیٰ سی علامت بھی یہاں موجود ہے۔ جادوگروں کے سامنے ان کے ذاتی حقیر مفادات ہوتے ہیں اور انہیں کی تکمیل کے لیے وہ یہ سارے پاپڑ بیلتے ہیں۔ لیکن اس پاک ہستی کی کتابِ زندگی میں خود غرضی اور جاہ طلبی کا کوئی ادنیٰ سا ثبوت بھی تو نہیں ملتا۔ فکر و عمل کے اتنے بین تفاوت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہنا افتراء محض اور بہتانِ صریح نہیں تو اور کیا ہے۔

؀ اس آیت کے پہلے حصہ پر مفصل بحث سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵۴ کے ضمن میں گزرچکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔ یہاں ایک خاص چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض لوگ کائنات کی تخلیق کی تفصیلات قرآن سے تلاش کرنا چاہتے ہیں اور اپنے زمانہ کے مفکرین و فلاسفہ کے نظریات جو مقبولِ عام ہوتے ہیں اُن کے رنگ میں قرآن کو بھی رنگنا چاہتے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 306 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 5 3۔ ایضاً، ج 5، ص 6
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 306 5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 6

الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

ہے ۞ کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد ۹ یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار ہے ۞

ہیں لیکن ان کا یہ اسلوبِ فکر قرآنِ کریم کے متعلق قطعاً دانشمندانہ نہیں کیونکہ ہر زمانہ کے اہلِ فکر اپنی ذہنی کاوشوں سے اپنے نظریات وضع کرتے ہیں اور لوگ ان کے زوردار دلائل سے مرعوب ہو کر ان کو حق تسلیم کر لیتے ہیں اور اس بات میں ان کو حرفِ آخر قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں مفکرین کے پیروکار اور شاگرد اپنے پیشرو اساتذہ کے نظریات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں اور پہلے دلائل سے بھی زیادہ وزنی دلیلوں پر اپنے نئے نظریات کی پُرشکوہ عمارت لاکھڑی کرتے ہیں اور ان کے نظریات کا حشر بھی دیر یا بزود یہی ہوا کرتا ہے۔ اس لیے آیاتِ قرآنی کو کسی قدیم یا جدید نظریہ کا پابند کرنا قرآن کے مزاج کے خلاف ہے۔ کچھ وقت کے لیے کسی نظریہ سے ہم آہنگ کر کے لوگوں کو بتایا جا سکتا ہے کہ قرآن کے ارشادات بھی وہی ہیں جن کو فلاں فلسفی یا فلاں سائنسدان نے پیش کیا ہے لیکن آپ خود غور فرمایئے! اگر کچھ عرصہ بعد ان نظریات کا بطلان ہو گیا تو کیا اس کی زد آیاتِ قرآنی پر نہیں پڑے گی؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قرآنِ کریم تخلیقِ کائنات کی تفصیل بیان کرنے والی کتاب نہیں بلکہ یہ رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے۔ اس میں جہاں کہیں انفسی اور آفاقی آیات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مدعا فقط اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور علم و حکمت کو ظاہر کرنا ہے۔

۸ یعنی جس ذاتِ پاک نے آسمانوں اور زمین کو چھ دوروں میں پیدا فرمایا ہے۔ وہ ان کو پیدا کر کے ان سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ اس کارخانۂ ہستی کی زمامِ حکومت اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اسی کے حکم اور اسی کے اذن سے انجام پاتا ہے۔ وہ خالق بھی ہے اور مالک و حاکم بھی ہے۔ ہر چیز جس کو اس نے پیدا فرمایا ہے وہ ایک آئینہ ہے جس میں اس کے خالق کے علمِ کامل اور حکمتِ بالغہ کے اَن گنت جلوے جھلک رہے ہیں۔ تدبیر کا لغوی معنی ہے اَلنَّظْرُ فِیْ اِدْبَارِ الْاُمُوْرِ حَتّٰی یَاْتِیَ مَحْمُوْدَةَ الْعَاقِبَةِ یعنی تمام کاموں کو اس طرح کرنا کہ ان سے بہترین نتائج ظاہر ہوں اور یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اس طرح اپنے اپنے مقام پر مناسب صفات سے متصف کر کے رکھتا ہے کہ کسی کو انگشت نمائی کی جرأت نہیں ہو سکتی یعنی یُقَدِّرُ اَمْرَ الْکَائِنَاتِ عَلٰی مَا تَقْتَضِیْهِ الْحِکْمَةُ (مظہری) (1)

اگر آپ اس آیت میں مکرر غور فرمائیں گے تو آپ کو اس میں طرح طرح کی گمراہیوں کا رد ملے گا جس میں صرف جاہل اور بے عقل ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو اقلیمِ عقل و خرد کا فرمانروا کہلانے والے بھی گرفتار تھے۔ چنانچہ ایسے فلسفی بھی گزرے ہیں اور اب بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے ہی قائل نہیں۔ بعض اس کے وجود کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ ہر چیز کا خالق تو وہی ہے زمین و آسمان مادہ و مادیات کی تخلیق تو اس نے فرمائی لیکن پیدا کرنے کے بعد اب اس کا اپنی پیدا کی ہوئی کائنات سے کوئی سروکار نہیں۔ اس آیت میں سب کا رد فرما دیا۔

۹ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ مٹی اور پتھر کے یہ بت جن کو وہ پوجتے ہیں۔ قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں بخشوا لیں گے۔ ان کا رد فرما دیا کہ یہ اندھے، بہرے، بے بس، بے اختیار بت ان کی شفاعت نہیں کریں گے کیونکہ شفاعت تو وہ کرے گا جسے اذنِ شفاعت ملے گا اور انہیں شفاعت کی کوئی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ کیونکر شفاعت کر سکیں گے۔ اس آیت سے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 8

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ

سو عبادت کرو اس کی۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب نے یہ اللہ تعالیٰ کا سچا

حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ

وعدہ ہے بیشک وہی ابتدا کرتا ہے پیدائش کی پھر وہی دہرائے گا اسے[۱۱] تاکہ جزا دے انھیں جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

نیک عمل کیے[۱۲] انصاف کے ساتھ۔ اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا

حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ

پانی اور دردناک عذاب ہوگا بوجہ اس کے کہ وہ کفر کرتے رہتے تھے وہی ہے جس نے بنایا[۱۳]

مشرکین کے نظریہ کے بطلان کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دُور کر دی جو سرے سے شفاعت کے منکر ہیں فِیْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی ثُبُوْتِ الشَّفَاعَةِ لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (مظہری) (1) وَفِیْهِ اِثْبَاتُ الشَّفَاعَةِ لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (بیضاوی) (2) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ وہ پاک بندے شفاعت کریں گے جنہیں شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے گی۔

۱۰ یعنی ان قدرتوں اور حکمتوں کا مالک، ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کو اپنے اختیار اور مرضی سے سرانجام دینے والا جس کے حضور میں بلا اجازت کوئی لب کشائی کی جرأت بھی نہیں کر سکتا وہ ہے تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود۔ جب اور ایسا کوئی نہیں تو اسے چھوڑ کر کسی کی عبادت کیوں کی جائے۔ اب تک اگر بعض غلط فہمیوں کے باعث حقیقتِ حال سے بے خبر رہے ہو اور اپنے معبودِ برحق کے ساتھ عبودیت و بندگی کا رشتہ استوار نہیں کر سکے تو اب جبکہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے اور شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا ہے۔ اب ہوش میں آؤ اور اپنی عمر کا بقیہ حصہ تو اس کی یاد میں گزار دو۔

۱۱ مشرکین مکہ کے لیے جس طرح وحی کا نزول، کسی انسان کا شرف نبوت سے مشرف ہونا محلِ تعجب تھا اسی طرح قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی بات بھی ان کے فہم سے بالاتر تھی۔ یہاں انہیں اس بات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ لامحالہ تمہیں قیامت کے روز بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہونا ہوگا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا دیا کہ قیامت کے دن تمہیں دوبارہ زندہ کر کے جوابدہی کے لیے حاضر کرنے والی وہی ذات ہے جس نے تمہیں پہلے خلعتِ وجود سے نوازا۔ جب تم کچھ نہیں تھے اور اس نے تمہیں پیدا فرما دیا اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔

۱۲ یہاں وقوعِ قیامت کی حکمت بیان کی جا رہی ہے تاکہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا ملے۔ یہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ خیر و صلاح کو ان کے اعمالِ حسنہ کا بدلہ اس دنیا میں نہیں ملتا۔ ان کی زندگیاں آلام

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص8 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص272

الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

سورج کو درخشاں اور چاند کو نور ۱۴ اور مقرر کیں اس کے لیے منزلیں ۱۵ تاکہ تم جان لو گنتی

ومصائب سے گھری ہوتی ہیں اور کئی فاسق وفاجر عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ان کے اعمالِ بد پر انہیں سزا نہیں ملتی۔ اگر اس دنیا کے بعد دار الآخرت نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوئے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیبا نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس دارِ فنا کے بعد دارِ بقاء ہو جہاں ہر شخص کو اس کے اعمالِ نیک و بد کا بدلہ ملے۔ قیامت پر ایمان انسان میں اعمالِ بد سے نفرت پیدا کرنے اور اعمالِ حسنہ کی ترغیب دلانے میں بہت ہی مؤثر ہے۔

۱۳ قرآنِ حکیم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال کے اثبات کے لیے جو طرزِ استدلال اختیار کیا ہے وہ دنیا بھر کے فلسفیوں اور اہلِ علم کے طرزِ استدلال سے جدا ہے۔ قوت وتاثیر میں بھی اور وضاحت وبیان میں بھی، یہاں ہمیں مغلق اور پیچیدہ فنی اصطلاحات کا نشان نہیں ملتا۔ یہاں دل میں اُتر جانے والی صاف صاف باتیں ہوتی ہیں جن سے عالم بھی اور ان پڑھ بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔ یہاں بھی قدرتِ الٰہی کی چند نشانیاں بیان کر کے ان میں غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ کونسی آنکھ ہے جو صبح کے وقت مشرق کے افق سے سورج کو اُبھرتے ہوئے نہیں دیکھتی۔ جو ابھرتا ہے تو سارا جہان جگمگا اُٹھتا ہے۔ زندگی کی حرارت ہر شے کے رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی مقررہ راہ سے گزرتے ہوئے شام کے وقت مغربی افق میں ڈوب جاتا ہے۔ کونسی آنکھ ہے جس نے رات کے وقت چاند کو اپنی روپہلی کرنیں بکھیرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ سورج اور چاند دونوں عرصۂ دراز سے مصروفِ گردش ہیں اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اپنے وقت پر طلوع وغروب نہ ہوتے ہوں۔ یا انہوں نے اپنے مقررہ راستہ سے سرِ مُو انحراف کیا ہو۔ کیا ان کا پیدا کرنے والا علیم وحکیم اور سمیع وبصیر نہیں؟ یقیناً ہے۔

۱۴ اِس آیت میں اس کی تدبیر کی چند شانیں بیان کی جا رہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا مشاہدہ کرنا ہو تو آفتابِ جہاں تاب کی طرف دیکھو اور مہتابِ عالم افروز کا ملاحظہ کرو۔ سورج کو ضیاء اس نے بخشی ہے اور چاند کو روشنی اسی نے مرحمت فرمائی ہے۔ سورج کی کرنوں کی اپنی تاثیر ہے اور چاند کی روشنی کی اپنی تاثیر جو اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ پھر ان کو پیدا کر کے اور روشن کر کے آوارہ نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ان کا راستہ متعین کر دیا اور ان کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیا کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو۔ کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اِس لیے اس کے لیے ضیا کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا (1)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ستائیس دن، سات گھنٹوں اور تینتالیس منٹوں میں طے کرتا ہے لیکن اسے اس جگہ پر پہنچنے کے لیے جہاں وہ سورج سے نور حاصل کر سکے مزید ۱، ۲ دن لگتے ہیں۔ اس لیے نیا چاند ۳۰، ۲۹ دن کے بعد دکھائی دیتا ہے (2)۔ علماء فلک نے چاند کے لیے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں اور ہر منزل کو اس کے ستارے یا ستاروں کے مجموعہ سے موسوم کیا ہے جہاں وہ ہر رات پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ علماء عرب نے اس کی منازل کے مندرجۂ ذیل نام مقرر کیے ہیں:

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 12　2۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 5، ص 779A

السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ

برسوں کی اور حساب ١٦ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ ١٧ تفصیل سے بیان

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا

کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں بیشک گردش لیل و نہار میں اور جو کچھ

خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ اِنَّ

پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (ان میں اس کی) نشانیاں ہیں ١٨ اس قوم کے لئے جو متقی ہے ١٩ بیشک

الشرطان۔ البطین۔ الثریا۔ الدبران۔ النفعه۔ النعتہ۔ الذراع۔ النشرۃ۔ الطرف۔ الجبهہ۔ الزبرۃ۔ الصرفتہ۔ العواء۔ السماک۔ الاعزل۔ الغفرۃ۔ الزبانی۔ الاکلیل۔ القلب۔ الشولتہ۔ النعائم۔ البلدۃ۔ سعد الذابح۔ سعد بلع۔ سعد السعود۔ سعد الاخبیۃ۔ فرغ الدلو المقدم۔ الفرغ الموخر اور بطن الحوت۔ پھر انہیں بارہ مشہور برجوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں: حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو اور حوت (1)۔ اس طرح ہر برج 3½ منزلوں پر مشتمل ہوگا۔ جب تک چاند ان منزلوں میں ہوتا ہے وہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ پھر اگر مہینہ انتیس کا ہو تو ایک رات اور اگر تیس کا ہو تو دو رات نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے اور پھر از سر نو منزلِ اوّل سے گردش شروع کر دیتا ہے۔

١٦ ان کے لیے منزلیں متعین کرنے کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ تم سالوں کی گنتی کرسکو۔ اپنی کھیتی باڑی، کاروبار کے لیے مہینے اور دن مقرر کرسکو۔ دن رات کا تعین سورج کی یومی گردش سے ہوتا ہے۔ اور مہینے اور سال کی پہچان چاند سے ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے بیشتر احکام کی بنیاد قمری سال پر رکھی ہے۔ کیونکہ اس کا جاننا ہر ایک کے لیے یکساں طور پر آسان ہے۔ ہلال طلوع ہوتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ نیا مہینہ شروع ہو گیا۔

١٧ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۷۳ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

١٨ رات اور دن کا منقطع نہ ہونے والا تسلسل، پھر مناسب مقدار سے ان کا گھٹنا اور بڑھنا، دن میں کسبِ معاش اور دیگر مشاغل کی ہنگامہ آرائیاں اور رات میں خوابِ راحت کی خاموشیاں سبھی تو اس کی توحید اور کبریائی کے گیت گا رہی ہیں۔

١٩ یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ یعنی عام لوگ کائنات کے حسن و جمال کو دیکھتے ہیں اور دنگ رہ جاتے ہیں۔ مختلف اشیاء کے حیران کن اثرات پر آگاہ ہوتے ہیں اور فرطِ مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اس جہان کی وسعتیں اور فراخیاں، بلندیاں اور پستیاں ان کی چشمِ ہوش کو خیرہ کر دیتی ہیں لیکن ان کی رسائی اس حسن و جمال کے خالق اور ان اثرات کے پیدا کرنے والے تک نہیں ہوتی۔ ان کی نگاہیں ان حجابات میں اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ معرفتِ الٰہی کی سعادت سے فقط ان باہمت اور بلند حوصلہ لوگوں کو سرفراز کیا جاتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں جو ان حجابات کو تار تار کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جمالِ حقیقی کی دید و معرفت سے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 70-69

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا

وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور خوش و خرم ہیں دنیوی زندگی سے اور مطمئن ہو گئے ہیں

بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ﴿٧﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ

اس (کے سازو سامان) سے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بسبب ان عملوں کے جو وہ کماتے رہے ۲۰؎ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

پہنچائیگا انھیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث۔ ۲۱؎ رواں ہوں گی انکے نیچے نہریں نعمت

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

(و سرور) کے باغوں میں (بہار جنت کو دیکھ کر) اُن کی صدا وہاں یہ ہو گی پاک ہے تو اے اللہ ۲۲؎ اور اُن کی دعا یہ ہو گی

اپنے دیدۂ عقل و دل کو روشن کرتے ہیں۔ ہمارے سائنسدانوں اور علوم جدیدہ کے طلبہ کو مظاہر فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے اِس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس عالم میں جو رعنائی و زیبائی، جو قوت و تاثیر اور جو خوبی و کمال جہاں کہیں جس روپ میں انہیں دکھائی دے رہا ہے وہ کسی کائناتی حادثہ سے معرضِ وجود میں نہیں آیا بلکہ قادر و توانا، بلکہ علیم و حکیم اور مالک و حاکم پروردگار نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو مسلمان سائنسدان کو دنیا بھر کے دوسرے سائنسدانوں سے جدا کرتا ہے۔ اِس طرح ان کا ہر قدم منزل کی طرف اُٹھے گا۔ ان کی کامیابی ادھوری اور نا تمام نہیں بلکہ مکمل ہو گی۔ ان کی ترقی انسانیت کے لیے تباہ کن نہیں بلکہ فلاحِ انسانی کی ضامن ہو گی۔ اور آج دنیا کو ایسے باکمال اور باہمت علماء کی ضرورت ہے جو انسان کو سلامتی کا راستہ دکھا سکیں۔

۲۰؎ وہ پست ہمت اور کوتاہ نظر لوگ جن کے دلوں میں محبتِ الٰہی اور شوقِ وصل کی کوئی چنگاری دہک نہیں رہی اور وہ کوتاہ نظر جو دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت پر مفتون اور اس کے آرام و آسائش پر شاداں و فرحاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیلوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور ان کا ٹھکانہ آتشِ جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۱؎ دنیا پرستوں کے مقابلہ میں حق پرستوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اور اپنی زندگی کے دامن کو اعمالِ صالحہ کے رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سے بھر رہے ہیں یَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ کے کلماتِ طیبات پر مکرر غور فرمائیے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ ایمان (یقین محکم) کا چراغ روشن کر کے کوئی مسافر اپنی منزل کی طرف رواں ہو جائے تو توفیق ربانی ضرور اس کی دستگیری فرمائے گی اور اسے منزل تک پہنچا دے گی۔ کتنی ہی آندھیاں چلیں کتنے ہی طوفان اُٹھیں اس کے چراغِ ایمان کو بجھنے نہیں دیا جائے گا۔

فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

کہ "سلامتی ہو" اور اُن کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانیوالا ہے

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

سارے جہانوں کو۔ اور اگر جلد بازی کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلد بازی کرتے ہیں بھلائی کیلیے ۲۳ تو پوری کر دی گئی ہوتی

اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان کی میعاد۔ لیکن یوں نہیں بلکہ ہم چھوڑے رکھتے ہیں انھیں جو توقع نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ۲۴

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ

اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو۔ ۲۵

۲۲ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے جو سچی مسرت اور روحانی خوشی انہیں ہوگی اس کے اظہار کے لیے اس سے بلیغ تر اسلوب کوئی کہاں سے لائے گا۔

۲۳ انسان کی ایک کمزوری کی اصلاح نہایت حکیمانہ انداز میں فرمائی جارہی ہے۔ اُسے بتایا جارہا ہے کہ ایک طرف تمہارے کرتوت ہیں جو فوری گرفت اور مؤاخذہ کے مستحق ہیں اور دوسری طرف تمہارے مطالبات ہیں جو دنیا بھر کی آسائشوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اگر تمہارے مطالبات کے پورا ہونے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو تم بڑے بے چین ہو جاتے ہو اور اپنے ربِ کریم کے شکوے کرنے لگتے ہو۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے کرتوتوں پر پکڑ لیتا تو تمہاری کیا دُرگت بنتی۔ معلوم ہوا کہ تمہارے پروردگار کا سلوک تمہارے ساتھ منتقمانہ نہیں بلکہ رحیمانہ اور کریمانہ ہے۔ اِس لیے اگر تمہارے مطالبات اور تمہاری خواہشات کی تکمیل میں دیر ہوگئی ہے تو یقین کرو اس میں بھی تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے۔ اس لیے گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمت و حوصلہ سے کام لیتے ہوئے مردانہ وار آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ اس کی نگاہِ کرم چارہ سازی فرمائے گی اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور گوہرِ مقصود تمہارے دامنِ طلب کی زینت بنے گا۔

۲۴ گنہگاروں پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے اور انہیں مہلت اور ڈھیل دینے میں کبھی تو یہ حکمت ہوتی ہے کہ شاید وہ سنبھل جائیں اور اپنی اصلاح کرلیں اور کبھی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی گندی فطرت خوب آشکارا ہو جائے اور وہ جی بھر کر اپنی کمینہ خصلتوں کا مظاہرہ کرلیں تاکہ جب انہیں عذاب کی چکی میں پیسا جائے تو وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔ یہاں موخر الذکر لوگوں کو مہلت اور ڈھیل دینے کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے۔

۲۵ انسان کی ایک اور کمزوری پر اسے متنبہ کیا جارہا ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف گھیر لیتی ہے اور مصیبتوں کے منحوس سائے اس پر چھا جاتے ہیں تو اس وقت وہ سراپا نیاز بن کر گڑگڑانے لگتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کسی حالت میں ہو التجائیں کرتا ہے، دعائیں

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ

پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی۔

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ

اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے حد سے بڑھنے والوں کے لیے وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے[٢٦] اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا کئی قوموں کو جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا

پہلے تھیں جب وہ زیادتیاں کرنے لگے اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور وہ (ایسے) نہیں تھے کہ

لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم قوم کو[٢٧] پھر ہم نے بنایا تمہیں[٢٨]

مانگتا ہے اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ میرے رب! میری یہ مشکل آسان فرما مجھے اس ہلاکت و بربادی کے چکر سے بچالے۔ میں عمر بھر تیرا شکر گزار بندہ بنا رہوں گا کبھی تیری نافرمانی کا خیال تک بھی دل میں نہیں لاؤں گا۔ لیکن اِدھر مصیبت کا بادل چھٹا اور آرام و راحت کی روشنی زندگی کے افق پر طلوع ہوئی اُدھر حضرت انسان نے سب وعدے فراموش کر دیئے اور نافرمانی اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیا۔

٢٦ لیکن یہ شیوہ ہر انسان کا نہیں بلکہ فقط وہی لوگ اس طرح کیا کرتے ہیں جو اسراف اور بے اعتدالی کے عادی ہوں۔ ان کی بگڑی ہوئی فطرت اور مسخ شدہ ذہنیت ان گناہوں میں بڑا حسن اور جاذبیت محسوس کرتی ہے جس کرتوت کے باعث وہ گردابِ ہلاکت میں پھنسا تھا جس گناہ نے اس کی زندگی کے امن و سکون کو تہ و بالا کر کے چھوڑا تھا۔ اب پھر وہ اُدھر کھچا چلا جا رہا ہے۔

٢٧ اہلِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے وہ کسی عقلمند اور عاقبت اندیش انسان کی روش نہیں۔ اپنے گناہوں پر تمہیں کچھ ندامت نہیں۔ ہر بھلائی اور آرام کو حاصل کرنے کے لیے تم بہت بے چین ہو۔ جب تمہیں کوئی مصیبت گھیر لیتی ہے تو اس وقت تم اپنے پروردگار کو پکارتے ہو اور بڑی عاجزی سے دعائیں مانگتے ہو۔ جب وہ تم پر رحم فرماتا ہے تو تم اتنے طوطا چشم ہو کہ اسی وقت ادھر سے آنکھیں پھیر لیتے ہو۔ احسانمندی اور شکر گزاری کا کوئی اثر تمہارے قول و فعل میں نظر نہیں آتا۔ یاد رکھو! تم سے پہلے بھی اس قماش کے لوگ گزرے ہیں۔ ہم نے ان کو بھی سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دی۔ انہیں راہِ ہدایت دکھانے کے لیے رسول بھیجے۔ لیکن جب وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو انہیں عذاب کی چکی میں پیس دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اہلِ مکہ! آنکھیں کھولو اور نزولِ عذاب سے پہلے اپنی نجات کا سامان کر لو۔

٢٨ قدرت کے قانون اٹل اور یکساں ہیں جب تک کوئی قوم اپنی افادیت اور نفع رسانی کا ثبوت بہم پہنچاتی رہتی ہے وہ زندہ و سلامت رہتی ہے اور اس کا آفتابِ اقبال درخشاں و تاباں رہتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے اقتدار اور طاقت کو لذت کوشی اور عیش طلبی کے لیے وقف کر

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا

جانشین زمین میں ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور جب

تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں ۲۹ (تو) کہنے لگتے ہیں وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی کہ لے آیئے

دیتی ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو بجالانے میں غفلت برتتی ہے تو سمجھ لو کہ اس کی موت کی گھڑی آپہنچی۔ اسے راہ سے ہٹا دیا جاتا ہے اور دوسری قوم کو آگے بڑھا دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی نوخیز قوتوں اور جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علم وفن اور حکمت ودانش کے کارواں کی قیادت سنبھال لے۔ اے مخاطبین! تم بھی ان گزری ہوئی اور بسری ہوئی قوموں کے جانشین ہو۔ قدرت کی نگاہ ہر وقت تمہاری کڑی نگرانی کر رہی ہے۔ اگر تم نے راست بازی وعدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا، نیکی کو فروغ دینے اور بدی کا قلع قمع کرنے میں مقدور بھر سعی کی، اپنے مالک وخالق کے سامنے اپنی جبینِ نیاز کو جھکائے رکھا اور نوعِ انسانی کی خدمت میں اپنے وسائل اور اپنی قوتوں کو استعمال کرتے رہے تو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور اگر تم نے بھی اپنے مقصد سے کوتاہی برتی تو یاد رکھو تمہیں بھی ٹھکرا دیا جائے گا۔ اِس نیم براعظم پاک وہند میں اپنے عروج وزوال کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ قدم قدم پر آپ کو اس ارشادِ ربانی کی تصدیق کرنے والے شواہد ملیں گے۔ غلامی کی طویل رات کے بعد ہمیں صبحِ آزادی سے ہمکنار کیا گیا۔ کیا ہم اپنی نفع رسانی اور افادیت کا ثبوت بہم پہنچانے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ تو نہیں کر رہے۔ کیا ہماری قوتیں نیکی کو مٹانے اور بدی کو فروغ دینے میں تو صرف نہیں ہو رہیں۔ کیا ہم خدا پرستی کی بجائے نفس پرستی کا شکار تو نہیں ہو رہے؟ ان سوالات کا جواب ہمیں بڑی حقیقت پسندی سے دینا ہوگا۔ قدرت کے قانونِ احتساب کے حرکت میں آنے سے پہلے ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اسی میں ہماری نجات ہے اور اسی میں ہماری فلاح ہے۔

۲۹ کفار بھی الٹی کھوپڑی کے لوگ تھے۔ جب حضور رحمتِ عالم ﷺ انہیں دعوتِ حق دیتے اور آیاتِ ربانی پڑھ کر سناتے، تو کہتے کہ ٹھیک ہے ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اپنی لائی ہوئی کتاب میں ہماری خاطر چند تبدیلیاں کر دیں۔ ایک تو ہمارے بتوں کی جہاں جہاں مذمت کی گئی ہے وہ کتاب سے نکال دیں۔ دوسرا شریعت کے وہ احکام جو ہمارے رسم ورواج کے خلاف ہیں یا ہماری معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اُن کو حذف کر دیں۔ بس آپ اتنا کر دیں، ہم سب کے سب آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ وہ نادان نبوت کی عظمت اور شانِ امانت کو کیا جانیں۔ وہ رسالت کی ان نازک ذمہ داریوں سے بے خبر تھے جن میں بال برابر ردّوبدل بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسانی کلام کی طرح یہاں بھی ترمیم ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم ﷺ کو فرماتے ہیں کہ ان عقل کے دشمنوں کو صاف صاف بتا دو کہ تمہاری اس خواہش کو پورا کرنا میرے حیطۂ امکان سے خارج ہے۔ قدرت نے مجھے اپنے کلام کا امین بنایا ہے۔ میں اس میں خیانت کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ میرا فرض تو بس اتنا ہے کہ جو کچھ میرا رب حکم فرمائے بلا کم وکاست اُسے پہنچا دوں۔ تم سرکشی اور نافرمانی کی جرأت کر سکتے ہو مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ اس کے قہر وغضب کی جو بجلیاں کوند رہی ہیں تمہاری آنکھیں تو نہ دیکھ سکتی ہوں گی لیکن

بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

(دوسرا قرآن اس (قرآن) کے علاوہ یا ردّ و بدل کر دیجیے اسی میں۔ فرمایئے مجھے اختیار نہیں کہ ردّ و بدل کر دوں اس میں

تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ

اپنی مرضی سے میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) بجز اسکے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر میں

عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ

اپنے رب کی نافرمانی کروں، بڑے دن کے عذاب سے۔ آپ فرما دیجیے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے

عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ

تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمھیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصّہ) اس سے پہلے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ ۳۱ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ۳۱ یا جھٹلائے

میں تو ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ اگر میں تمہیں خوش کرنے کے لیے کلامِ الٰہی میں ذرہ بھر کمی بیشی کروں تو کیا تم میں اتنی ہمت ہے کہ روزِ حشر خداوند ذوالجلال کے عذابِ الیم سے مجھے چھڑا سکو؟

۳۰ میرے محبوب اُنہیں صاف صاف بتا دو کہ یہ کلام میرا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے وحی سے مشرف نہ فرماتا تو میں اُمّی ہوتے ہوئے ایسا کلامِ معجز نظام کیونکر پیش کر سکتا؟ ذرا سوچو تو میں چالیس سال کا عرصۂ دراز تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا میں نے پہلے بھی کبھی ایسی بات کہی تھی۔ جب میری صداقت، میری سچائی، میری دیانت و امانت تمہارے نزدیک بھی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے تو میری بات کو مان لو کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں کسی قسم کا ردّ و بدل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

۳۱ گناہ طرح طرح کے ہیں۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا لیکن اس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں کہ کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کوئی شخص کسی کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔ تم میرے دامن کی پاکی اور اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پختگی کے عینی شاہد ہو۔ کیا تم باور کر سکتے ہو کہ جو شخص اتنا عرصہ چھوٹے چھوٹے گناہ سے بھی اپنا دامن بچاتا رہا ہو وہ اچانک ایسے گناہ کے ارتکاب کی جرأت کرے جس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں۔ نیز یہ بھی یاد رکھو کہ جس طرح کسی بات کو ناحق اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ظلمِ عظیم ہے اُسی طرح اس کے نازل فرمائے ہوئے قرآن کا انکار بھی ظلمِ عظیم ہے۔

كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ بیشک مجرم فلاح نہیں پاتے ۳۲ اور (یہ مشرک) عبادت کرتے ہیں ۳۳ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى

اللہ تعالیٰ کے ہاں ۳۴ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ

۳۲ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کروں تو میں مجرم اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی بات کا انکار کرو تو تم مجرم۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی مجرم کامگار و کامران نہیں ہو سکتا۔ اب خود دیکھو کہ فلاح و کامیابی کا تاج کس کے سر پر ہے اور ناکامی و نامرادی کی ذلت کس کے منہ پر۔ تمہیں راستباز اور مجرم کے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔

۳۳ قرآنِ کریم میں ترمیم و اصلاح کا مشورہ دینے والے دانشوروں کی دانشمندی کی قلعی کھولی جا رہی ہے کہ ایسے بدھو ہیں کہ مٹی اور پتھر کے بے جان مجسموں کو اپنا معبود و مسجود بنائے ہوئے ہیں اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ پتھر کا روڑا جو کل تک زمین پر پڑا ہوا تھا وہ کسی صنم تراش کے ہتھوڑے کی چند ضربوں سے کیونکر خدائی کی مسند پر براجمان ہو کر ان کا حاجت روا بن گیا۔ یہ بت جو کسی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے ان کی عبادت کرنا کیا شرفِ انسانی کی توہین نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت تو تعظیم و تکریم کا سب سے بلند مقام ہے اور یہ اسی کے لیے زیبا ہے جس کا احسان و انعام تمام احسانات اور انعامات سے اعلیٰ و برتر ہو۔ جیسے زندگی، عقل و قدرت اور دنیوی اور اُخروی منافع و فوائد یہ سب چیزیں تو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عطا فرمودہ ہیں۔ اس لیے اس کے بغیر اور کون ہے جسے خدا بنایا جائے اِنَّ الْعِبَادَةَ مِنْ اَعْظَمِ اَنْوَاعِ التَّعْظِيْمِ فَهِىَ لَا تَلِيْقُ اِلَّا لِمَنْ صَدَرَ عَنْهُ اَعْظَمُ اَنْوَاعِ الْاِنْعَامِ وَ ذٰلِكَ لَيْسَ اِلَّا الْحَيَاةَ وَالْعَقْلَ وَالْقُدْرَةَ وَمَصَالِحَ الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ وَاِذَا كَانَتِ الْمَنَافِعُ وَالْمَضَارُّ كُلُّهَا مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى وَجَبَ اَنْ لَّا تَلِيْقَ الْعِبَادَةُ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى (تفسیر کبیر)(1)

۳۴ ان بتوں کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے۔ یہ بھی ان کی نادانی تھی۔ شفیع تو وہ ہو گا جسے بارگاہِ رب العزت سے شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہو گی۔ ان کو تو شفیع بنایا ہی نہیں گیا۔ ان کی کیا مجال کہ اس بارگاہِ عزت و جلال میں زبان تک بھی ہلا سکیں۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 62

الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝١٨ وَمَا كَانَ النَّاسُ

زمین میں ۳۵ پاک ہے وہ اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں ۳۶ اور نہیں تھے لوگ (ابتدا میں)

اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

مگر ایک ہی اُمت پھر (اپنی کجروی سے) باہم اختلاف کرنے لگے اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی آپکے رب کی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١٩ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ

طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا انکے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں ۳۷ اور کہتے ہیں کیوں نہ نازل کی گئی ان پر

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ

کوئی آیت ان کے رب کی طرف سے ؟ سو آپ فرمائیے غیب تو صرف اللہ کے لیے ہے پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٢٠ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ

انتظار کرنے والا ہوں ۳۸ اور جب ہم لطف اندوز کرتے ہیں لوگوں کو (اپنی) رحمت سے اس تکلیف کے بعد جو

۳۵ بتوں کے متعلق اُن کے دونوں عقیدے بیہودہ اور لغو ہیں۔ جب ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تو ان پر غور کرنے کی ہی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر ان کا کوئی وجود ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ عام لوگوں کو اس کا علم نہ ہو لیکن کوئی چیز جو موجود ہو خواہ وہ کتنی مخفی اور پوشیدہ ہو وہ ہمہ بین اور ہمہ دان خدا سے تو پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ اور جب اسے بھی اس کی خبر نہیں تو پھر ان کا سرے سے وجود ہی نہ ہوگا۔ بتوں کی خدائی اور ان کی شفاعت کا رد کس بلیغ پیرائے میں کیا گیا ہے۔

۳۶ ان کی ساری یاوہ گوئیوں اور بیہودہ سرائیوں کا رد فرما دیا۔

۳۷ چاہیے تو یہ تھا کہ جب انہوں نے حق کو قبول کرنے سے دانستہ انکار کیا اور انسانی وحدت کو کفر و الحاد کے فساد انگیز نظریات و عقائد سے پارہ پارہ کر دیا تو فوراً انہیں صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا لیکن قدرت اتنی زود گیر اور تنگ مزاج نہیں وہ انسان کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتی ہے۔ اور طرح طرح سے اسے خوابِ غفلت سے جھنجھوڑتی ہے۔

۳۸ وہ نزولِ عذاب کے لیے بڑی بے چینی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں آگاہ کر دیں کہ ان امور کا تعلق مشیت الٰہی سے ہے۔ جب اس کی حکمت کا تقاضا ہو گا تو ان پر عذاب نازل کر دیا جائے گا۔ اگر تم نے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے رہنے کا ارادہ کر لیا ہے اور حق کو قبول نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے تو پھر وہ وقت ضرور آئے

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ

انہیں پہنچی تو فوراً وہ مکروفریب کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ ۳۹ فرمایئے اللہ زیادہ تیز ہے اس فریب کی سزا دینے میں ۴۰ بیشک

رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قلمبند کر رہے ہیں جو فریب تم کر رہے ہو ۴۱ وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں ۴۲

گا۔ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر انتظار کرنے والا ہوں۔

۳۹ یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور بارگاہِ الٰہی میں حضور کی قدر و منزلت کی ایک روشن دلیل کی طرف اشارہ کر کے کفار و مشرکین کے عناد و تعصب کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اتنی روشن اور واضح دلیل کے بعد بھی وہ اپنی کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے کہ جب کفار کا عناد اور ایذا رسانیاں بڑھتی چلی گئیں تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ: اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا سات سالہ قحط مسلط فرما کر میری مدد فرما۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور قحط سالی نے اتنی شدت اختیار کی کہ ہر طرف خاک اڑنے لگی۔ غلہ اور دیگر اشیا نایاب ہو گئیں۔ یہاں تک کہ مکہ والے چمڑے اور مردار کھا کھا کر اپنی شکم پُری کرنے پر مجبور ہو گئے جب سخت مجبور ہو گئے۔ اور نجات کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو ابوسفیان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور آ کر عرض کرنے لگا یَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَ صِلَةِ الرَّحِمِ وَ اِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ اَنْ يَّكْشِفَ عَنْهُمْ فَدَعَا (مظہری عن بخاری) (1) ''اے محمد! آپ اطاعتِ الٰہی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم قحط سالی کے باعث ہلاک و برباد ہو چکی ہے۔ اپنے رب سے التجا کرو کہ وہ ہماری اس تکلیف کو دور فرما دے تو حضور نے بارگاہِ رب العزت میں دستِ دعا دراز فرمایا''۔ پھر کیا تھا موسلادھار بارش برسی ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ مردہ زمین میں زندگی اور شادابی لوٹ آئی اور شدید خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی برکت سے ان پر رحم و کرم کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ حضور کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھام لیتے اور جس دینِ برحق کی طرف حضور بلا رہے تھے اُس کو فوراً بصد خوشی قبول کر لیتے۔ لیکن ان کی اسلام دشمنی اور مسلم آزاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ ان ظالموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہمارے بتوں کی کرپا ہے یا فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے بارش برسی ہے۔ ان کے اِس رویہ کو اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْۤ اٰيَاتِنَا کے کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۰ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بڑی مہارت اور چابک دستی سے مکروفریب کے جو جال وہ بن رہے تھے۔ اللہ نے انہیں پارہ پارہ کر دیا۔ چند سال ہی نہ گزرنے پائے تھے کہ ان کے مشرکانہ عقائد کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ ان کے بڑے بڑے بتوں کو ان کے اپنے پجاریوں نے ہی ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہی جو اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لیے سارے جتن کر رہے تھے۔ وہی چراغِ حق کے پروانے بن گئے۔ لفظِ مکر کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۵۴ کا حاشیہ (ضیاء القرآن)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 18۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج 1، ص 137، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی

حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا

یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں ۴۳ اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لیکر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں

جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا

اس سے (تو اچانک) آلیتی ہے انھیں تند تیز ہوا اور آلیتی ہیں انھیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور وہ خیال کرنے

۴۱ یعنی تم بڑی رازداری سے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہو۔ رات کی تاریکی میں سنسان گوشوں میں بیٹھ کر میرے محبوب کو اذیت پہنچانے کی سعی مذموم کرتے ہو اور دل ہی دل میں یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ کارروائی ایک سر مکتوم ہے جس کو کوئی نہیں جانتا۔ نالائقو! کس سے چھپا رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے؟ اس کے تو مقرر کیے ہوئے فرشتے تمہارے دائیں بائیں بیٹھے تمہاری زبان پر آنے والی ہر بات اور تم سے سرزد ہونے والی ہر حرکت کو تمہارے نامۂ عمل میں لکھ رہے ہیں۔ جب وہ دفتر روزِ محشر کھولا جائے گا تو اس وقت کہاں منہ چھپاؤ گے؟

۴۲ یہاں اپنی قدرت اور رحمت کی ایک اور نشانی اور اپنے ایک خاص انعام کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ دیکھو! اس نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے لیے سواریوں کا انتظام فرمادیا ہے جن کے ذریعہ تم لمبی مسافتوں کو آسانی سے طے کرسکتے ہو۔ اگر یہ تیز رفتار سواریاں نہ ہوتیں تو تم بحر و بر کی ان وسعتوں میں ہی کھو کر رہ جاتے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنے میں عمریں صرف ہو جاتیں۔ بھلا تم سمندر کے گہرے اور بیکراں پانی کو عبور کرسکتے تھے؟ یہ سب اس کی عنایت اور اس کا کرم ہے کہ اس نے ایسی سواریوں کا بندوبست فرمادیا جو تمہیں اپنے کندھوں پر اٹھائے بڑی برق رفتاری سے کھلے میدانوں، دشوار پہاڑی راستوں، گھنے جنگلوں، ریگستانوں، دریاؤں اور فضاؤں میں دوڑی پھرتی ہیں۔ غور کرو اگر آمد و رفت کی یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو علم و فن کی یہ ترقی، تجارت و صنعت کی یہ گہما گہمی اور تہذیب و تمدن کی یہ بہار معرضِ وجود میں آسکتی؟ ہرگز نہیں۔ پھر تم اُس کا شکر کیوں نہیں بجالاتے؟

۴۳ جب مصیبتوں کے مہیب بادل گھر کر آجاتے ہیں۔ جب غم و اندوہ کا اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ جب سارے مصنوعی سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ جب تمام دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ جب دل کی کشتی مایوسی اور ناامیدی کے طوفان میں ڈولنے لگتی ہے۔ اس وقت انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اور ایک ایسی ہستی کا یقین آنے لگتا ہے جس کو ماننے سے آج تک وہ انکار کرتا رہا تھا۔ اس کے دامنِ رحمت میں سر چھپانے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا جس کی وہ اب تک نافرمانی کرتا رہا تھا۔ اس وقت انسان تمام معبودانِ باطل سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے گڑگڑا کر اپنی فلاح و نجات کے لیے سوال کرتا ہے اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر ایک دفعہ تو نے مجھے اس گردابِ ہلاکت سے بچالیا تو عمر بھر تری چوکھٹ سے سر نہیں اُٹھاؤں گا۔ اگر ایک مرتبہ تو نے میری بیچارگی پر ترس کھایا تو دمِ واپسیں تک تیری حمد و ثنا کے گیت گاتا رہوں گا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص سے اس کو نوازتا ہے۔ اس کی امیدوں کے ڈوبتے ہوئے سفینے کو ساحلِ مراد تک پہنچا دیتا ہے تو وہ پھر کفر و شرک کرنے لگتا ہے اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کس کریم کو اس نازک وقت میں پکارا تھا۔ مصیبت کی ان گھڑیوں میں اس نے کیا وعدہ کیا تھا۔

اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا

لگتے ہیں کہ انھیں گھیر لیا گیا (تو اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے ۴۴ (کہتے ہیں اے کریم!) اگر تو نے

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ

بچا لیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے۔ پھر جب وہ بچا لیتا ہے انھیں تو وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں

فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ

زمین میں ناحق اے لوگو! تمھاری سرکشی کا وبال تمھیں پر پڑے گا ۴۵ لطف اٹھا لو

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

دنیوی زندگی سے پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تمھیں پھر ہم آگاہ کریں گے تمھیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے

۴۴ علامہ رازیؒ نے حضرت امام جعفر صادقؓ سے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلیل طلب کی آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے عرض کی میرا پیشہ سمندری تجارت ہے۔ آپ نے اس سے اپنی بحری سفر کا کوئی واقعہ سنانے کی فرمائش کی۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان آیا اور میری کشتی ٹوٹ گئی۔ مجھے ایک تختہ مل گیا۔ میں اس کے سہارے سمندر میں تیرنے لگا۔ اچانک تیز آندھی چلنے لگی۔ آپ نے جھٹ اس سے پوچھا سچ بتاؤ جب تمہاری کشتی ٹوٹ چکی تھی اور تمہارا تختہ بپھری ہوئی موجوں کے رحم و کرم پر تھا، کیا اُس وقت تمہارے دل میں کسی برتر ہستی کے حضور میں عجز و نیاز کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ اُس نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے فرمایا فَالِهُكَ هُوَ الَّذِىْ تَضَرَّعْتَ اِلَيْهِ فِىْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ: وہ ہے تیرا معبود اور خدا جس کے لیے مصیبت کی گھڑی میں تمہارے دل میں نیازمندی اور عاجزی کی جذبات پیدا ہوئے تھے (رازی) (1) علامہ قرطبی نے یہاں بڑے نکتہ کی بات رقم فرمائی ہے کہ نفسیاتِ انسانی کے اس تجزیہ سے معلوم ہوا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ جب تکالیف کے مہیب سائے اُسے گھیر لیتے ہیں تو اُس کے دل میں اُس وقت صرف اپنے ربِ حقیقی کا ہی خیال پیدا ہوتا ہے اور اُسی کے دامنِ رحمت میں پناہ کی امید بندھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مضطر اور پریشان حال کی التجا قبول فرماتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو، کیونکہ اُس وقت جھوٹے سہارے ختم ہو چکتے ہیں اور صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے وَفِىْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْخَلْقَ جُبِلُوْا عَلَى الرُّجُوْعِ اِلَى اللّٰهِ فِى الشَّدَائِدِ وَاَنَّ الْمُضْطَرَّ يُجَابُ دُعَاؤُهٗ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا لِانْقِطَاعِ الْاَسْبَابِ وَرُجُوْعِهٖ اِلَى الْوَاحِدِ رَبِّ الْاَرْبَابِ (قرطبی) (2)

۴۵ ان کی اس طوطہ چشمی اور وعدہ شکنی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اسلام کی ترقی میں کوئی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 71 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 325

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

پس حیاتِ دنیوی (کے عروج و زوال) کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے ۴۶ سو گھنی ہو کر اُگی

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ

پانی کے باعث سرسبزی زمین کی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی۔ یہاں تک کہ جب لے لیا

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ

زمین نے اپنا سنگار اور وہ خوب آراستہ ہو گئی اور یقین کر لیا اسکے مالکوں نے کہ (اب) انھوں نے قابو پا لیا ہے اس پر

اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

(تو اچانک) آپڑا اس پر ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کے وقت پس ہم نے کاٹ کر رکھ دیا اسے گویا کل وہ یہاں تھی ہی نہیں

رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ البتہ اس کی نحوست ان کے لیے وبالِ جان ثابت ہوگی اور ان کو نیست و نابود کر دے گی۔

۴۶ اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کے عروج و زوال اور بہار و خزاں کی ایک اور اثر انگیز اور دلنشیں مثال ذکر فرماتے ہیں جو حقیقت سے اتنی قریب ہے کہ وضاحت کی حاجت نہیں اور اتنی کثرت سے وقوع پذیر ہے کہ اس میں کسی کو تردّد نہیں۔ میرے خیال میں زمین کو جو آراستگی اور زیبائش آج نصیب ہے شاید ہی کبھی نصیب ہوئی ہو۔ عمارتیں ہیں جو اپنی بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ان کے برقی طاقتور قمقمے اپنی چمک دمک میں ستاروں کو شرما رہے ہیں۔ دریاؤں کے سرکش پانیوں کو ڈیموں میں بند کر دیا گیا ہے۔ بنجر زمینیں سونا اُگل رہی ہیں۔ چٹیل میدانوں میں سرسبز و شاداب کھیت لہلہا رہے ہیں۔ صحراء رشکِ ارم بنتے جا رہے ہیں۔ بازاروں میں دنیا بھر کی عجیب و غریب مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ انسان کے علم کی حدیں پھیلتی جا رہی ہیں۔ اس کی جستجو اور تجسس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائیاں پایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ فضا کی وسعتیں سکڑ گئی ہیں۔ کاش! انسان تسخیر کائنات کے خواب دیکھنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی سمجھ لے کہ اس عالمِ رنگ و بو کا ایک خالق و مالک بھی ہے جس نے اس جہان کو ساری رعنائیاں بخشی ہیں، جس نے خود اس انسان کو بھی پیدا فرمایا ہے اور اس کو عقل و فکر اور قلب و نظر کی دولت سے مالا مال کیا ہے جن کے بل بوتے پر اس نے اتنی ترقی کی ہے۔ اس کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کریم خالق کو پہچانے اور اس کے احکام بجالائے اور اس کے ارشادات کی صدقِ دل سے اطاعت کرے۔ ایسا نہ ہو کہ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (1) کا روح فرسا منظر دیکھنا پڑے اور ایٹمی دھماکوں سے یہ دنیا جہنم زار بن جائے جو سارے نوعِ انسانی کو ہی ختم کر کے رکھ دے اور اگر کہیں دور دراز گوشوں میں کچھ لوگ بچ بھی جائیں تو انہیں خبر ہی نہ ہو کہ آج جہاں خاک کے تودے نظر آ رہے ہیں وہاں کبھی فلک بوس عمارتیں

1۔ سورۂ یونس: 23

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

یونہی ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی) نشانیوں کو اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے

اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ

(امن و) سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔ ان کے لیے جنھوں

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ

نے نیک عمل کیے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ۴۹ اور نہ چھائے گا ان کے چہروں پر (رسوائی کا) غبار اور نہ ذلت (کا اثر ہو گا)

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ

یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنھوں نے بُرے کام کیے ۵۰

تھیں۔ جہاں آج ویرانی اور بربادی نے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ وہاں کبھی نور و نکہت کے سمندر موجزن تھے، جہاں آج وحشت و دہشت کا عفریت پھنکار رہا ہے وہاں کبھی بہاریں اٹھکیلیاں کیا کرتی تھیں۔

۴۷ یعنی عروج و زوال کے ان گزشتہ واقعات کو بیان کرنے کا مقصد داستان سرائی نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ علم اور دانشوران اسباب کا سراغ لگائیں جن کی وجہ سے یہ آباد شہر اور پُررونق بستیاں اور خوشحال قومیں برباد ہو گئیں تاکہ وہ ان غلطیوں کا ارتکاب کرنے سے بچیں۔

۴۸ اللہ تعالیٰ تمہیں فانی دنیا اور اس کی فناپذیر لذتوں میں کھو جانے سے اس لیے روکتا ہے کہ تم کہیں ہوا و ہوس کی زنجیروں میں مقید ہو کر نہ رہ جاؤ۔ نفس و شیطان کے فریب میں پھنس کر اپنے حقیقی مقام سے بے خبر نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی راہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے جس پر چل کر تم اپنی منزل پا لو گے، تمہاری روح سدرہ نشین ہو گی اور تم قربِ الٰہی کی سعادت سے بہرہ اندوز کر دیے جاؤ گے۔

۴۹ اِس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو گا کہ جتنی انہوں نے نیکیاں کی ہیں ناپ تول کر ان کے برابر ان کو اجر دے دیا جائے گا اور بس۔ بلکہ اجر کے علاوہ انہیں مزید انعامات اور احسانات سے بھی نوازا جائے گا، جن کا اندازہ آج کسی پیمانے سے نہیں لگایا جا سکتا۔

۵۰ لیکن بدکاروں کو سزا اُن کے جرم سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ جتنا جرم ہے اتنی ہی سزا۔ نیک بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں جود و عطا کو ملحوظ رکھا جائے گا اور بدکاروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھا جائے گا

جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

تو بُرائی کی سزا اس جیسی ہوگی۔ اور چھا رہی ہوگی اُن پر ذلّت۔ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ (کے عذاب) سے

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ

کوئی بچانے والا۔ گویا ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ

وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو) جس روز ہم جمع کریں گے

نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

ان سب کو (میدانِ حشر میں) پھر ہم حکم دیں گے مشرکوں کو اپنی اپنی جگہ پر ٹھیر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود۔ پھر ہم منقطع کر دیں گے ان کے باہمی تعلقات

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

اور کہیں گے ان کے معبود اے مشرکو! تم ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے۵۱ پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے درمیان

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا

اور تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے وہاں آزمائے گا

۵۱۔ ان آیات میں کفار و مشرکین کو میدانِ حشر میں پیش آنے والے واقعات سنا کر انہیں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ آج تمہیں ہمارا رسول دلائل پیش کر کے اور معجزات دکھا کر دعوتِ توحید دے رہا ہے لیکن تم پرواہ نہیں کرتے اور اپنے ان مٹی اور پتھر کے بتوں کو پوجتے چلے جا رہے ہو۔ یاد رکھو قیامت کا دِن آنے والا ہے۔ اس روز تمہارے یہ معبود تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ تم سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ اس وقت تم فرطِ ندامت سے ہونٹ کاٹو گے، لیکن بے سود۔ کل کی پشیمانی اور رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو آج میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کر لو۔ ان کا دامنِ کرم تھام لو اور ان کی پیروی کو اپنا شعار بناؤ۔

كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ

ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا تھا اور انھیں لوٹا دیا جائیگا اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے اور گم ہو جائیگا ان سے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ

جو وہ افترا باندھا کرتے تھے آپ پوچھیے کون رزق دیتا ہے تمھیں ؁۵۲ آسمان اور زمین سے یا کون

يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور (کون) نکالتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

مُردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا ؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ ! پس آپ کہیئے

؁۵۲ مشرکین کی ذہنی پستی اور فکری انحطاط اور گراوٹ کا ذکر کرنے کے بعد ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ایسی کاری ضربیں لگائی جارہی ہیں جن کا جواب اُن کے پرستاروں کے پاس بھی نہیں۔ ان سے پوچھا جارہا ہے کہ بتوں کو اپنا خدا ماننے والو! ذرا یہ بتاؤ یہ قسم قسم کے اناج، رنگ برنگ پھل اور طرح طرح کی سبزیاں کس نے پیدا کی ہیں۔ یہ سینکڑوں قسم کے جانور جن کا تم گوشت کھاتے ہو کس کی پیداوار ہیں؟ تم تو زمین میں ہل چلا کر بیج ہی ڈال آتے ہو۔ اس کے بعد جو ابرِ رحمت برس کر انہیں سیراب کرتا ہے۔ چاند کی ٹھنڈی روپہلی کرنیں اور سورج کی گرم گرم سنہری شعاعیں جو اس ننھے سے بیج سے ایک درخت نکالتی ہیں، اس کو رنگ و بو سے نوازتی ہیں، اس میں ذائقہ کی رس گھولتی ہیں، یہ ہوائیں جو نر مادہ کے شگوفوں میں عملِ تلقیح (Pollination) انجام دیتی ہیں۔ ذرا انصاف سے بتاؤ آفرینش اور نشوونما کے اس عمل (Process) کی طویل زنجیر میں کوئی ایک بھی ایسی کڑی ہے جس کی نسبت تمہارے اِن بتوں کی طرف کی جاسکتی ہو؟ پھر دیکھو! تمہیں آنکھ اور کان کس نے بخشے ہیں، اُن میں دیکھنے اور سننے کی قوت کس نے رکھی ہے؟ تم اس نازک اور پیچیدہ مشینری کو دیکھو کس حکمت اور مہارت سے بنائی گئی ہے۔ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ یہ کارنامہ تمہارے معبودوں نے سرانجام دیا ہے۔ اور سوچو زندگی اور موت دو متضاد قوتیں ہیں لیکن چشمِ حقیقت آشنا کھول کر دیکھو اور بتاؤ کس کی قدرت ایک مردہ چیز (نطفہ، انڈا وغیرہ) سے زندگی کے چشمے جاری کرتی ہے اور کس طرح زندگی کے شکم سے مردہ اشیاء پیدا کرتی ہے۔ کیا اس میں تمہارے بتوں کا کوئی دخل ہے۔ آخر میں يُدَبِّرُ الْاَمْرَ فرما کر بتادیا کہ یہ چند چیزیں تو بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس کارخانۂ ہستی کی جس چیز کی طرف تم دیکھو گے وہاں اسی کی قدرت، حکمت اور علمِ کامل کے جلوے تمہیں نظر آئیں گے۔ غرضیکہ سبب اور مسبّب، علت اور معلول، مؤثر اور اثر کے باہمی تعلق کا جو نظامِ محکم قائم ہے وہ سوچنے والے انسان کو محوِ حیرت

أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا

(جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے ۵۳ پس حق کے بعد کیا ہے بجز

الضَّلٰلُ ۚ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

گمراہی کے ۵۴ پھر تمہیں (حق سے) کدھر موڑا جارہا ہے۔ یونہی ثابت ہو چکی ہے آپ کے رب کی بات ان پر جو

کر دیتا ہے۔ اب بتاؤ کہ آسمان کی بلندیاں اور زمین کی پستیاں مہر وماہ کی تابانیاں اور ستاروں کی تنک تابیاں، انسانی اور دیگر حیوانی افزائشِ نسل کے قواعد، یہ گھنگھور گھٹائیں اور لہلہاتے ہوئے کھیت کس نے پیدا فرمائے ہیں؟ کیا تم میں یہ کہنے کی ہمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور ان کا خالق ہے؟ ہرگز نہیں جب یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے تو پھر تم اس کے سوا کسی غیر کو الہ اور معبود کیوں مانتے ہو۔ اس کے بغیر کسی اور کو اپنا مسجود کیوں بناتے ہو۔ کیا تمہیں اپنے ہولناک انجام کا کوئی ڈر نہیں؟

۵۳ جو ذات ان صفاتِ کمال سے متصف ہے جو ان خوبیوں کی مالک ہے وہی تو خدائے برحق ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی کو اپنا خدا اور معبود بناؤ گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ ذرا غور تو کرو کہاں ظن وتخمین کے ریگزاروں اور وہم وگمان کے ویرانوں میں مارے مارے پھر رہے ہو۔

۵۴ اس آیت کے ضمن میں علماء کرام نے شطرنج وغیرہ کے بارے میں تحریر کیا ہے اور ابو بکر ابن العربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں غناء کے متعلق بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ انہیں کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ وَأَمَّا الْغِنَاءُ فَإِنَّهُ مِنَ اللَّهْوِ الْمُهَيِّجِ لِلْقُلُوْبِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَّلَيْسَ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي السُّنَّةِ دَلِيْلٌ عَلٰى تَحْرِيْمِهٖ أَمَّا فِي الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ إِبَاحَتُهٗ وَهُوَ الْحَدِيْثُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ مِنْ جَارِيَاتِ الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ بِهٖ يَوْمَ بُعَاثٍ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَمِزْمَارُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهٗ يَوْمُ عِيْدٍ۔ فَلَوْ كَانَ الْغِنَاءُ حَرَامًا مَا كَانَ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَدْ أَنْكَرَهٗ أَبُوْبَكْرٍ بِظَاهِرِ الْحَالِ فَأَقَرَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِعْلِ الرُّخْصَةِ وَالرِّفْقِ بِالْخَلِيْقَةِ فِيْ إِجْمَامِ الْقُلُوْبِ إِذْ لَيْسَ جَمِيْعُهَا يَحْمِلُ الْجِدَّ دَائِمًا وَتَعْلِيْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّهٗ يَوْمُ عِيْدٍ يَدُلُّ عَلٰى كَرَاهِيَةِ دَوَامِهٖ وَرُخْصَتِهٖ فِي الْأَسْبَابِ كَالْعِيْدِ وَالْعُرْسِ وَقُدُوْمِ الْغَائِبِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ مِنَ الْمُجْتَمَعَاتِ الَّتِيْ تُؤَلِّفُ بَيْنَ الْمُفْتَرِقِيْنَ وَالْمُفْتَرِقَاتِ عَادَةً وَّكُلُّ حَدِيْثٍ يُرْوٰى فِي التَّحْرِيْمِ وَآيَةٍ تُتْلٰى فِيْهِ فَإِنَّهٗ بَاطِلٌ سَنَدًا بَاطِلٌ مُعْتَمَدًا خَبَرًا وَّتَأْوِيْلًا۔ (1)

ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک جن میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی ہیں، غنا ایک ایسا لہو ہے جو دلوں میں ہیجان پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن وسنت میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس صحیح حدیث سے اس کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج 3، ص 54-1053

الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ

فسق و فجور کرتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ۵۵ (اے حبیب) آپ پوچھیے کیا تمہارے معبودوں میں کوئی ہے

مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

جو آغاز آفرینش بھی کرے پھر (فنا کے بعد) اسے لوٹا بھی دے ۵۶ آپ ہی فرمایئے اللہ ہی آفرینش کی ابتدا بھی کرتا ہے اور (فنا کے بعد

صدیق ؓ ایک روز حضرت عائشہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے بارے میں کہے تھے۔ حضرت صدیق نے (غصہ سے) فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ کا کاشانۂ اقدس اور اس میں شیطان کے آلات؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو فرمایا: اے ابو بکر! انہیں گانے دو۔ کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ اگر غنا حرام ہوتا تو اس کا گزر حضور کے گھر کیونکر ہوتا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے تو اسے بند کرنا چاہا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے رخصت دی اور لوگوں سے نرمی فرمائی تاکہ وہ اس سے اپنے دلوں کو بہلا سکیں۔ کیونکہ ہر شخص ہر وقت ایسے زہد اور ایسی پابندی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ حضور کے اس ارشاد سے کہ آج عید کا دن ہے انہیں گانے سے نہ روکو، یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وقت غنا سننا مکروہ ہے۔ بلکہ خاص خاص تقریبات مثلاً عید، شادی، کسی مسافر کی واپسی وغیرہ مواقع پر اس کی رخصت ہے اور غنا کی حُرمت پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے یا معنی کے اعتبار سے قابلِ التفات نہیں ہیں۔

۵۵ تم سے پہلے جن کی کوتاہ اندیشوں اور بدنصیبوں نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اور فرمانبرداری اور تقویٰ کے بجائے فسق و فجور کو اپنا شعار بنایا۔ ہم نے ان سے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت سلب کر لی اور ان کی آنکھوں کو نورِ حق دیکھنے کی قوت سے محروم کر دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ان مسلسل نافرمانیوں اور پیہم گستاخیوں کے باعث تم سے بھی حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی استعداد چھین لی جائے اور تم باطل کے گھپ اندھیروں میں ہی ٹکریں مارتے مارتے دم توڑ دو۔

۵۶ بتوں اور باطل خداؤں کے پجاریوں سے ایک اور سوال پوچھا جا رہا ہے کہ یہ بتاؤ اس عالمِ ہست و بُود کو پیدا کس نے کیا اور قیامت کے روز کون انہیں دوبارہ زندہ کر کے میدانِ حشر میں لا کھڑا کرے گا؟ کیا تمہارے یہ معبود ان میں سے کسی بات پر قادر ہیں؟ کیا آسمان کا سائبان اُنہوں نے تانا ہے؟ چمکتے ہوئے دمکتے ہوئے اَنگنت تارے انہوں نے اس بساط پر ٹانکے ہیں؟ یہ سب کچھ تو ان بتوں کے گھڑے جانے سے لاکھوں سال پہلے موجود تھا۔ پھر یہ ان کی پیداوار کیسے ہوئے؟ کیا پیدا کرنے والا پیدا کی جانے والی چیز سے خود بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ زمین کا فرش اُنہوں نے بچھایا ہے۔ کیا اس پر فلک بوس پہاڑ انہوں نے کھڑے کیے ہیں؟ کیا پانی اور خشکی کی آفرینش میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ بت کائنات کے خالق کیونکر ہو گئے۔ تو جب اس مہیب اور پُرعظمت جہاں کو پیدا کرنے پر وہ قادر ہے تو اسے دوبارہ زندہ کرنے کی بھی وہ قدرت رکھتا ہے اور تمہارے یہ معبود جن کو تم خدا مانتے ہو اور خدا مان کر ان کی پوجا کرتے ہو یہ جب خلق و بعث دونوں میں سے کسی پر قادر نہیں تو پھر خالقِ حقیقی اور خدائے برحق کے سوا کسی کو خدا کیوں مانا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کیوں کی جائے؟ کیونکہ سوال قیامت کے بارے میں بھی ہو رہا ہے اور

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ

اُسے لوٹانا بھی ہے۔ پس (ہوش کرو) تم کدھر پھرے جاتے ہو۔ آپ پوچھیے کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے

قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ

(خود ہی جواباً) فرمائیے اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے تو کیا جو راہ دکھائے حق کی وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے

اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ (اے مشرکین) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ ۵۷

وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا

اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم و گمان کی۔ بلاشبہ وہم و گمان بے نیاز نہیں کر سکتا حق سے ذرہ بھر۔ ۵۸

قیامت کے وہ قائل نہ تھے اس لیے جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا: قُلِ اللّٰهُ۔

۵۷ چلو یہ تو تم نے بھی مان لیا کہ تمہارے ان معبودوں کا تخلیقِ کائنات اور احوالِ کائنات میں کوئی عمل دخل نہیں۔ بھلا یہ بتاؤ کہ کیا ان کے پاس کوئی پیغامِ ہدایت ہے جس کی روشنی تمہاری زندگی کی شاہراہ کو جگمگا دے اور تم ٹھوکریں کھانے سے بچ جاؤ۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسا منشور ہے جو تمہاری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا ضامن ہو۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسا ضابطۂ اخلاق ہے جو تمہارے اعمال میں اخلاص اور نکھار پیدا کر دے۔ اور تمہاری تمدنی اور معاشرتی سرگرمیوں کو عدل و انصاف کا آئینہ دار بنا دے۔ جب اس معاملہ میں بھی وہ صفر ہیں تو پھر ان کو خدا سمجھنا اور اُن کی عبادت کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ خدا کی ذات تو وہ ہے جو رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ ہدایت کا نور جس رنگ اور جس صورت میں کہیں جلوہ طراز ہے وہ اس کی عنایت ہے۔ وہی حق و صداقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہی حق و باطل میں تمیز کرنے والی فہم و دانش دیتا ہے۔ وہی اپنے جلیل القدر انبیاء مبعوث فرما کر دعوتِ حق دیتا ہے اور روشن معجزات سے حق کو واضح کرتا ہے۔ اور وہی حق کو قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ اس لیے وہی سب کا خدا اور وہی سب کا معبود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں جسے خدا بنایا جا سکے۔ قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ: اَیْ بِنَصْبِ الدَّلَائِلِ وَاِرْسَالِ الرُّسُلِ وَالتَّوْفِیْقِ اِلَى النَّظْرِ الصَّحِیْحِ وَخَلْقِ الْهِدَایَةِ۔(1)

۵۸ لفظ ''ظن'' عربی زبان میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے لفظ ''ظن'' کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے: وَفِی الْبَصَائِرِ وَقَدْ وَرَدَ الظَّنُّ فِی الْقُرْاٰنِ مُجْمَلًا عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ بِمَعْنَى الْیَقِیْنِ وَبِمَعْنَى الشَّكِّ وَبِمَعْنَى التُّهْمَةِ وَبِمَعْنَى الْحُسْبَانِ(2)۔ ترجمہ: بصائر (لغت کی ایک معتبر کتاب) میں ہے کہ قرآنِ کریم میں لفظ ''ظن'' چار معنوں میں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 26
2۔ تاج العروس، ج 9، ص 272

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ

بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۵۹ اور نہیں ہے یہ قرآن ۶۰ کہ

استعمال ہوا ہے اور وہ معانی یہ ہیں: یقین، شک، تہمت اور وہم وگمان۔

اس آیت میں ظن کا لفظ اپنے آخری معنی حسبان (یعنی وہم وگمان) میں مستعمل ہوا ہے۔ امام زمخشری نے لکھا ہے اَلظَّنُّ: اَلْوَهْمُ وَالْخَيَالُ۔ یعنی یہاں ظن کا معنی وہم وگمان ہے۔ منکرینِ حدیث نے اس لفظ سے بڑا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ بڑی شدومد سے کہتے ہیں کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ خبرِ واحد (حدیث کی ایک قسم) سے ظن حاصل ہوتا ہے اور ظن کے اتباع سے قرآن نے سختی سے منع کیا ہے اور اسے کفار ومشرکین کا شیوہ بتایا ہے کہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ تو قرآن کی ان تصریحات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ ظن کا اتباع جائز نہیں اور خبرِ واحد کیونکہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اس لیے اس کا اتباع کرنا منشاء خداوندی کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ احادیث جو خبرِ واحد ہیں اور بیشتر وہ احادیث جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں وہ خبرِ واحد ہیں۔ اس لیے وہ ساقط الاعتبار ہوں گی اور واجب العمل نہ ہوں گی۔

اس لیے جاننا چاہیے کہ علماء اصول نے ظن کو ایک مخصوص معنی میں استعمال کیا ہے اور قرآن نے جس ظن کے اتباع سے روکا ہے وہ ظن کا چوتھا معنی ہے۔ اس لیے ہم جس ظن کی پیروی کرتے ہیں وہ اور ہے۔ ہر جگہ ظن کا ایک معنی مراد لینا قرآنِ کریم کے ساتھ بے انصافی اور عربی لغت کے ساتھ ظلمِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے اور ایسی غلط فہمیوں سے بچائے جو شریعت کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کا باعث ہوں۔ (اس کی مزید تفصیل کے لیے احقر کی تالیف سنتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفحات ۱۸۶ تا ۲۰۰ ملاحظہ ہوں)

۵۹ یہاں انہیں سرزنش کی جارہی ہے کہ یہ مت سمجھو کہ تمہاری کارستانیوں کی کسی کو خبر نہیں۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ خوب کان کھول کر سن لو کہ تمہاری ہر حرکت پر علیم وخبیر خدا آگاہ ہے اور وہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پوری پوری سزا دے گا۔ وَعِيْدٌ عَلَى الْاِعْرَاضِ عَنِ الْحُجَجِ الْعَقْلِيَّةِ وَالنَّقْلِيَّةِ اِتِّبَاعًا لِّلظَّنِّ وَالتَّقْلِيْدِ۔ (مظہری)(1)

۶۰ عقیدۂ توحید کے بعد جس چیز پر انہیں زیادہ اعتراض تھا وہ یہ تھی کہ قرآنِ مجید جو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں پڑھ کر سناتے ہیں وہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ یہ ان کے فہم و ادراک سے بالاتر تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے پر کوئی کلام نازل ہوتا ہے۔ اس ہٹ دھرمی کے باوجود قرآنِ کریم کی فصاحت وبلاغت سے انہیں انکار نہ تھا۔ بلکہ دل ہی دل میں وہ اس سے حد درجہ متاثر اور مرعوب تھے۔ قرآن کی اس حیرت انگیز تاثیر کی کیا وجہ ہے؟ اس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کبھی وہ اسے جادو کہتے، کبھی حضور پر الزام لگاتے کہ انہوں نے خود گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ہے تاکہ لوگ ان کے معتقد بن جائیں۔ کبھی کہتے کہ نہیں خود تو نہیں گھڑا کیونکہ اُمّی ہیں لیکن فلاں آدمی ان کو سکھاتا ہے۔ ایک مجرم کی طرح اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر قسم کی بہتان تراشیاں اور حیلہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 27

يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ (کی وحی آئے بغیر) بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس وحی کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

اور الکتاب کی تفصیل ہے ذرہ شک نہیں اس میں کہ یہ رب العٰلمین کی طرف سے (اتری) ہے کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس

افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کیلیے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا

اللہ تعالیٰ کے علاوہ [۶۱] اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو بلکہ انھوں نے جھٹلایا اس چیز کو [۶۲] جسے وہ پوری طرح نہ

سازیاں کرتے۔ لیکن قرآن کا دل ہلا دینے والا اسلوب انہیں کسی موقف پر جمنے نہ دیتا۔ اس لیے انہیں بار بار اپنا پینترا بدلنا پڑتا۔ یہاں بھی ان کے ایک الزام کا جواب دیا جا رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کو انسان نے گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت ذاتِ خداوندی کی طرف کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذرا سوچو اور انصاف سے بتاؤ کہ قرآنِ حکیم کے ان پاکیزہ اور پیارے پیارے کلمات کے نازک آبگینوں میں حقائق و معارف کی جو شرابِ طہور چھلک رہی ہے، اس کی آیات میں رشد و ہدایت کا جو نور چمک رہا ہے کیا یہ کسی انسان کا کارنامہ ہو سکتا ہے؟ یہ کتاب تو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان علوم کا آئینہ ہے جو لوحِ محفوظ میں مرقوم ہیں۔ کیا عقل اجازت دیتی ہے کہ ایسی کتاب کو افترا و بہتان کہا جائے؟

۶۱ یہاں ان کو چیلنج دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے اور ناحق اس کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے۔ تم بھی بڑے زبان آور، نغز بیان، قادر الکلام شعراء اور خطباء ہو۔ اس قسم کی ایک سورت تو بنا کر پیش کرو۔ اور اگر تم اکیلے اکیلے ایک سورت نہیں بنا سکتے تو لو اذنِ عام ہے۔ جس کو چاہو بلا لو۔ سر جوڑ کر بیٹھو۔ پورے غور و فکر اور باہمی صلاح مشورہ سے ہی ایک سورت اس جیسی بنا دو۔ لیکن انہیں سانپ سونگھ گیا اور انہیں ہمت نہ ہوئی کہ کوئی جواب دے سکیں۔ قرآنِ کریم کا یہ چیلنج آج بھی موجود ہے اور دشمنانِ اسلام کو للکار للکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر یہ کلامِ الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام ہے تو تم اس کے مقابلہ میں زیادہ نہیں تو ایک سورت ہی پیش کرو۔

۶۲ یعنی قرآنِ کریم کے متعلق ان کا یہ معاندانہ رویہ اور اس کو کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کسی تحقیق تفحص اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں کہ انہوں نے قرآن کو پڑھا ہو اس میں غور و فکر کیا ہو اس کو عقلِ سلیم کے میزان میں تولا ہو اور پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ اس میں

بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس اس کا انجام ٦٣ اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انھوں نے جو ان سے پہلے تھے

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ۝۳۹ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ

پھر دیکھ لو کیسا انجام ہوا ظالموں کا ٦٤ اور ان میں سے کچھ ایمان لائیں گے اس پر

وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهٖؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ۝۴۰ وَ اِنْ

اور ان میں سے کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے مفسدوں کو اور اگر وہ

فلاں فلاں عیوب اور خامیاں موجود ہیں اس لیے یہ کلام الٰہی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآنی معارف پر آگاہی ہی حاصل نہیں کی۔ انہوں نے علم و دانش کے اس بحرِ بیکراں میں غواصی ہی نہیں کی۔ اور اس میں غور وفکر کرنے کی زحمت ہی نہیں اُٹھائی اگر وہ اس میں غور وفکر کرتے اور اگر وہ قرآن کے آئینہ میں منعکس ہونے والے حسنِ حقیقی کا ایک جلوہ ہی دیکھ لیتے تو ہزار جان سے اس پر قربان ہو جاتے۔

٦٣ اس انکار کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے نیکوں کے لیے جس اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے اور نافرمانوں کو جس عذابِ الیم کی دھمکی دی اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے جن واقعات کی خبر دی ہے وہ ابھی تک پردۂ غیب میں مستور ہیں ابھی ان کا وقوع نہیں ہوا۔ وہ ان وعدوں، وعیدوں اور پیشین گوئیوں کو خالی دھمکیاں ہی تصور کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ظہور کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے انہیں سوچنے اور حق کو قبول کرنے کی مہلت دی گئی ہے۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اسے تذبذب میں ضائع نہ کریں بلکہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ جب فیصلہ کن عذاب کی گھڑی آپہنچے گی تو اس وقت ان کا آہ وفغاں کرنا بے سود ہوگا۔

٦٤ یعنی فرصت کے ان لمحوں کو پہلی قوموں نے بھی ضائع کر دیا۔ انہوں نے بھی اپنے انبیاء کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ ان کے روشن معجزات کو دیکھا اور دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نادانی سے تباہ کن عذاب کے نزول کو ہی نبی کی صداقت کی کسوٹی سمجھتے رہے۔ اور فرصت کے لمحوں کو برباد کر دیا اور جب وہ عذاب آیا اور اس نے انہیں پیس کر رکھ دیا اس وقت ان کا اشکِ ندامت بہانا اور فریاد کرنا ان کے کسی کام نہ آسکا۔ اے مشرکینِ عرب! تم بھی نزولِ عذاب سے پہلے توبہ کر لو اور میرے محبوب کے دامنِ رحمت کو تھام لو، ورنہ تمہارا بھی وہی عبرتناک انجام ہوگا جو پہلی نادان قوموں کا ہوا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۝ آمین!

كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ

آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجیے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ۶۵ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ

اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف ۶۶ تو کیا آپ

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ

سُناتے ہیں بہروں کو خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں اور ان میں سے کچھ (بظاہر) دیکھتے ہیں آپ کی طرف ۶۷

أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ

تو کیا آپ راہ دکھاتے ہیں اندھوں کو خواہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا

النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

لوگوں پر ذرہ برابر ۶۸ لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کریگا

۶۵ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! تو نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا۔ اگر ان روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت! آپ انہیں بتا دیجئے کہ میں اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہوں اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پرسش کی جائے گی۔ کسی کا بوجھ کسی پر نہیں لادا جائے گا۔

۶۶ حضور کریم جب قرآنِ حکیم کی تلاوت فرماتے یا کچھ وعظ و نصیحت کرتے تو کفار خوب کان لگا کر سنتے لیکن کیونکہ انہوں نے دل کے کانوں میں تعصب اور نفرت کی روئی ٹھونس رکھی تھی اس لیے وہ صدائے حق کو سننے سے قاصر تھے۔ ان کی مثال ایسے شخص کی سی تھی جو کانوں سے بہرہ اور عقل سے کورا ہو، نہ وہ کچھ سن سکتا ہو اور نہ اشارات و قرائن سے مطلب پا سکتا ہو۔

۶۷ اسی طرح کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑی ٹکٹکی لگا کر دیکھا کرتے لیکن نورِ حق انہیں دکھائی نہیں دیتا تھا کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں اندھی اور بے نور تھیں۔ اور نورِ حق کو دیکھنا ان ظاہری آنکھوں کا کام نہیں بلکہ دیدۂ دل سے ہی اس کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔

۶۸ اگر کوئی ساری عمر بادیۂ ضلالت میں سرگرداں رہتا ہے تو اس محرومی کا باعث وہ خود ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی ہدایت کے لیے سارے سامان مہیا فرما دیئے ہیں۔ انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں، اپنی قدرت کے انفسی اور آفاقی

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ

انھیں (وہ خیال کرینگے) گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھیرے مگر ایک گھڑی دن کی ٦٩ پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ)

خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵ وَاِمَّا

گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ٧٠ اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے اور خواہ ہم

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

دکھادیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان سے یا (پہلے ہی) ہم اٹھا لیں آپ کو۔ ہر حالت میں ہماری طرف

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا

ہی انھیں لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے ٧١ پس جب آیا

جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷

ان کا رسول (اور انھوں نے اس کو جھٹلایا تو) فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا اور ٧٢

دلائل بازارِ ہستی کے کونہ کونہ میں سجا دیئے۔ پھر بھی جو شخص اتباعِ حق کی بجائے اپنے نفس امارہ کی اطاعت کرتا ہے اسے اپنی محرومیوں پر اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا چاہیے۔

٦٩ یعنی آج جس دنیوی زندگی پر یہ مفتون ہیں اور جس کی لذتوں میں اتنے مگن ہیں کہ وہ اس کی بے ثباتی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ جب قیامت کا دن آئے گا اس وقت ان کی آنکھ کھلے گی۔ اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ چند روزہ عیش وعشرت کے لیے انہوں نے اپنی ابدی زندگی کو آلام کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ ہائے وہ زندگی کتنی ناپائدار تھی جس کی عشوہ طرازیوں پر وہ فریفتہ تھے۔

٧٠ اس دن وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن بجائے خوش ہونے کے ہر ایک اپنی گمراہی کا الزام دوسرے پر تھوپ رہا ہوگا۔

٧١ اس سے معلوم ہوا کہ کرۂ ارضی پر جہاں کہیں نسلِ آدم آباد تھی وہاں وحی کا نور اور ہدایت کی روشنی دے کر اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی نبی یا رسول کو ضرور مبعوث فرمایا۔

٧٢ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر بے شمار دلیلیں ان کے سامنے پیش کی گئیں۔ لیکن ان کی بگڑی ہوئی طبیعتیں اور مسخ شدہ ذہنیتیں ان سے متاثر نہ ہوئیں۔ انہوں نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ جس عذاب کی آپ ہمیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں وہ کیوں نہیں اُترتا۔ گویا انہوں نے قسم اُٹھا رکھی تھی کہ جب تک قہرِ الٰہی کی بجلی ان کی زندگی کے خرمن کو جلا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤٨ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو۔ آپ کہیئے نہیں مالک ہوں

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ

میں اپنے آپ کے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا مگر جتنا چاہے اللہ تعالیٰ [۳۷] ہر قوم کے لیے میعاد مقرر ہے جب آئے گی اُن کی

کر خاکستر نہ کر دے وہ دعوتِ حق کو قبول نہیں کریں گے۔ اس انسان کی بدبختی کا آپ کیا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ساری عمر فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ اس کو اس کے ہولناک انجام سے بار بار آگاہ کیا گیا لیکن اس کی چشمِ ہوش فقط اس وقت کھلی جب موت کے فرشتہ نے اُس کی رگِ حیات کاٹ ڈالی اور رحمت کا دروازہ اس کے لیے بند کر دیا گیا۔

۳۷ے کفار بار بار حضور سے پوچھتے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ اسے جلدی کیوں نہیں اُتارتے۔ ہم تو آپ کو ستانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رہے۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو ہمیں تہس نہس کر دیجئے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ جس ذاتِ پاک کے ساتھ وہ اُلجھ رہے ہیں اس نے تو اپنی مشیت اور اپنی مرضی کو اپنے خالق و مالک کی مشیت کے تابع کیا ہوا ہے۔ یہاں تو اذنِ الٰہی کے بغیر نہ قدم اُٹھتا ہے اور نہ زبان کھلتی ہے۔ جہاں تسلیم و رضا کا یہ عالم ہو وہاں تمہارے طعن و تشنیع کے ان تیروں کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔

کفار کی ایسی بیہودہ سرائی کا مسکت جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ فرمانے کا حکم دیا: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ الخ یعنی آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بجز اس کے جو اختیار اور جو قدرت میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے تو میں اس کی مرضی کے بغیر تم پر عذاب کیسے اتار سکتا ہوں۔ چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ اَيُّهَا الْقَوْمُ اَيْ لَا اَقْدِرُ لَهَا عَلٰى ضَرٍّ وَّلَا نَفْعٍ فِيْ دُنْيَا وَلَا دِيْنٍ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ اَمْلِكَهٗ فَاَجْلِبُهٗ اِلَيْهَا بِاِذْنِهٖ۔ (1)

کیا انسان کو کچھ قدرت اور اختیار دیا گیا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ روح المعانی) مختلف فرقوں کی آراء پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جبریہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان مجبورِ محض اور بالکل بے اختیار ہے۔ اس میں کوئی قدرت نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان مؤثر قدرت کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے انسان اپنی مرضی اور اختیار سے کر سکتا ہے۔ اور اشاعرہ کا خیال ہے کہ انسان کو قدرت و اختیار حاصل ہے لیکن وہ موثر نہیں۔ یعنی کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے میں اس کی قدرت کو کوئی دخل نہیں اور اہلِ حق کا مسلک یہ ہے کہ انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار اور بخشی ہوئی قدرت ہے اور یہی عطا فرمودہ قدرت و اختیار کسی کام کے ہونے اور نہ ہونے میں موثر ہے۔ نَعَمِ اسْتَدَلَّ بِهَا بَعْضُ مَنْ يَّرٰى رَاْيَ السَّلَفِ مِنْ اَنَّ لِلْعَبْدِ قُدْرَةً مُّؤَثِّرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا اَنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ قُدْرَةٌ اَصْلًا كَمَا يَقُوْلُهُ الْجَبْرِيَّةُ وَلَا اَنَّ لَهٗ قُدْرَةً لٰكِنَّهَا غَيْرُ مُؤَثِّرَةٍ كَمَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عَنِ الْاَشَاعِرَةِ وَلَا اَنَّ لَهٗ قُدْرَةً مُّؤَثِّرَةً اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ لَّمْ يَشَاْ كَمَا هُوَ رَاْيُ الْمُعْتَزِلَةِ۔ (روح المعانی) (2)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 85
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 130

یہ تحقیق لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: اَلْمَعْنٰى لَا اَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ مِّنَ الضَّرِّ وَالنَّفْعِ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ اَقْدِرَ عَلَيْهِ مِنْهُمَا فَاِنِّىْ اَقْدِرُ عَلَيْهِ بِمَشِيَّتِهٖ سُبْحَانَهٗ۔ (روح المعانی) (1)

یعنی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر جتنی قدرت اور اختیار میرے رب نے مجھے عطا فرمایا ہے اتنا ہی میں کسی کو ضرر اور نفع پہنچا سکتا ہوں۔

آیت کا مقصد تو تھا کفار کی یاوہ گوئیوں کو ختم کرنا اور یار لوگوں نے اس آیت کی آڑ لے کر حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وکمالات کا انکار کرنا شروع کر دیا اور ایسی اناپ شناپ باتیں کرنے لگے جن سے دین ودانش دونوں شرمندگی محسوس کرتے ہیں کہ حضور کچھ نہیں دیتے، حضور کچھ نہیں کر سکتے، بارگاہِ رسالت میں اپنے دکھوں اور دردوں کی فریاد کرنا شرک ہے وغیرہ وغیرہ انہوں نے لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا تو پڑھا لیکن اپنی کم نظری سے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ کو لائقِ توجہ نہ سمجھا۔ یہاں نفی بھی ہے اور اثبات بھی۔ نفی ہے ذاتی طور پر با اختیار ہونے کی اور اثبات ہے اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا سے با اختیار ہونے کا۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یہ شرک اور کفر ہے اور جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اختیار سے بھی کچھ نہیں دے سکتے تو یہ صرف واقعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ شانِ مصطفوی کا بھی انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ جود وعطا کا بھی انکار ہے۔ خدارا غور فرمائیے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمۃ للعالمینی کا تاج بخشا تو کیا اس کی کوئی حقیقت بھی تھی یا محض شاعرانہ مبالغہ آرائی اور تصنع وتکلف کا مظاہرہ تھا؟ استغفر اللہ! نہیں نہیں۔ یہ ارشاد مبنی بر حقیقت تھا ایسی روشن حقیقت جس پر کوئی ہزار پردہ ڈالنا چاہے وہ چھپ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود جا بجا ان فیوض وبرکات کا ذکر فرمایا جن کا سرچشمہ ذاتِ پاکِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کو بنایا گیا ہے۔ چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور اپنے قلب ودماغ کو نورِ ایمان سے منور کیجئے۔ ارشادِ خداوندی ہے: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ (2) ''میرا محبوب مسلمانوں کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور ان کے دلوں کو ہر گرد وغبار سے پاک کرتا ہے''۔ دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے:

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ (3)

(اے محبوب!) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت تک پہنچائیں ان کے پروردگار کے اذن سے۔

سورۂ توبہ کے اختتام پر اپنے محبوب کی شانِ رفیع اور شفقتِ عمیم کا ذکر ان پیارے کلمات میں فرمایا:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾۔ (4)

یعنی میرے محبوب رسول پر ہر وہ چیز جو تمہیں مشقت میں ڈالے بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی پر بڑے حریص ہیں۔ مسلمانوں پر بڑے مشفق اور رحم فرمانے والے ہیں۔

اگر یہ آیاتِ طیبات ان لوگوں کے نزدیک کوئی معنی اپنے اندر رکھتی ہیں تو وہ انہیں بار بار پڑھیں۔ عظمتِ مصطفوی کے متعلق ان کے شبہات دور ہو جائیں گے اور ان کے دل کی دنیا کو یقین کا آفتاب منور کر دے گا۔ اور اگر ان کے نزدیک (نعوذ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 130 ۔ 2۔ سورۃ البقرہ: 129 ۔ 3۔ سورۃ ابراہیم: 1 ۔ 4۔ سورۃ التوبہ: 128

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ

مقرر میعاد تو نہ وہ پیچھے رہ سکیں گے ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ۹۷؎ آپ فرمائیے

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

(اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر آجائے تم پر اس کا عذاب راتوں رات یا دن دہاڑے (تو تم کیا کرلوگے) کس چیز کا جلدی مطالبہ کر رہے

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

ہیں اس سے مجرم۔ کیا جب عذاب نازل ہو جائیگا تب ایمان لاؤ گے اس پر ۹۸؎ (فرشتے انہیں کہیں گے) اب (آنکھیں کھلیں) تم تو

باللہ) یہ ایسی آیات ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں ہے تو پھر وہ اپنی بدبختی پر جتنا ماتم کریں کم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت کا ظہور تو قیامت کے دن ہی ہوگا۔ ردائے رحمۃ للعالمینی کی وسعت کا صحیح اندازہ اس وقت ہی لگایا جاسکے گا۔ سب انسان دردر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد جب درِ ختم المرسلین پر حاضر ہو کر شفاعت کے لیے التجا کریں گے تو حضورؐ دوسرے انبیاء کرام کی طرح نفسی نفسی نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ ارشاد ہوگا: اَنَا لَھَا، اَنَا لَھَا (ہاں میں شفاعت کے لیے آمادہ ہوں۔ میں شفاعت کے لیے آمادہ ہوں) پھر عرشِ الٰہی کے سامنے حاضر ہو کر سر بسجود ہو جائیں گے اور تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوں گے۔ اس وقت عرشِ عزت وجلال پر نزول اجلال فرمانے والے خداوند ذوالجلال کی طرف سے آواز آئے گی یا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ اِسْأَلْ تُعْطَ: اے سراپا حمد وستائش! سر مبارک اُٹھاؤ! آپ شفاعت کرتے جائیں میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا آپ مانگتے جائیں میں اپنی رحمت ومغفرت کے خزانے لٹاتا جاؤں گا۔ (بخاری ومسلم) (1)

اسلام تو یہ ہے کہ انسان عقیدۂ توحید پر بھی غبار نہ آنے دے اور شانِ رسالت سے بھی آنکھیں بند نہ کرے۔ توحید کے گیت گاتا ہوا عظمتِ حبیبِ کبریا کا پرچم لہراتا ہوا ذوق وشوق کی وادی کو طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ اگر توحید میں فرق آگیا تو شرک ہوگیا اور اگر دانستہ بدنیتی سے حضورؐ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خداداد شان کا انکار کیا تو گمراہ ہوگیا۔ الٰہی اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمِ مازاغ کے طفیل اور مقامِ دنی فتدلی کے صدقے ہمیں راہِ ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں)

۹۷؎ تمہاری جلد بازی سے اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے نہیں بدلتا۔ جب وہ وقت آئے گا جو تم پر عذاب نازل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجھمیۃ وغیرہم التوحید باب قول اللہ لما خلقت بیدی، ج 2، ص 1102۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار، ج 1، ص 110

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

اس عذاب کے لیے بڑی جلدی مچا رہے تھے پھر کہا جائیگا ظالموں سے کہ چکھو (اب) دائمی عذاب (کا مزہ)

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ

کیا تمھیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو تم کمایا کرتے تھے اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے کیا یہ واقعی سچ ہے؟

قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ړ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ

آپ فرمائیے ہاں! بخدا یہ سچ ہے ۷۶ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اگر

لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا

ہر ظالم شخص کے لیے روئے زمین کی دولت ہو تو بھی وہ ساری دولت بطور فدیہ دیدے ۷۷ اور وہ ظالم دل ہی

النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ

دل میں چھپانے لگے جب دیکھا انھوں نے عذاب کو ۷۸ اور فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر

۷۵ اس وقت اگر تم ایمان لے بھی آؤ گے تو وہ ایمان مقبول نہیں ہوگا۔

۷۶ عذاب کے بارے میں بار بار پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی آئے گا یا یہ محض خالی دھمکیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ آپ فرمائیے کہ میں خدا کی قسم کھا کر تمھیں بتاتا ہوں کہ یہ دھمکیاں نہیں بلکہ حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۷۷ یعنی کفار آج تو مال و دولت پر پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں۔ اپنی عزت، اپنے سلامتی اور اپنی عیش و آرام کو اسی سے وابستہ سمجھ رہے ہیں لیکن کل جب یہ بارگاہِ خداوند ذوالجلال میں حاضر کیے جائیں گے اور ان کے گناہوں کا بوجھ ان کی گردن پر لاد دیا جائے گا دوزخ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اس وقت ان کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش ان سے یہ سب کچھ لے لیا جائے اور ان کی جان بخشی کردی جائے۔ لیکن اس وقت ان کی خواہش پوری نہیں کی جائے گی۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آج جب کہ درِ رحمت باز ہے اور تھوڑی سی کوشش سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکتا ہے تو کیوں نہ اس موقع کو غنیمت سمجھا جائے اور اپنے ربِ کریم کو راضی کر لیا جائے۔ دنیا کی متاعِ قلیل کی خاطر جو ضرورت اور مشکل کے وقت کھوٹا سکہ ثابت ہوگی اپنے مولائے کریم کو ناراض کر لینا آخر کہاں کی دانشمندی ہے۔

۷۸ ندامت کہتے ہیں اس حسرت کو جو کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے سے دل میں پیدا ہوتی ہے اَلنَّدَامَةُ: اَلْحَسْرَةُ

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ

ظلم نہیں کیا جائے گا ۷۹ سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ۸۰ سن لو! یقیناً

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے

وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ

اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت ۸۱ تمہارے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾

اور (آ گئی ہے) شفاء ان روگوں کے لیے جو سینوں میں ہیں اور (آ گئی ہے) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لیے۔

لِوُقُوْعِ شَیْءٍ اَوْ فَوْتِ شَیْءٍ (القرطبی)(1) بتایا جا رہا ہے کہ روزِ محشر جب خوفناک حقیقت سے پردہ اُٹھے گا تو ان کے دِل کانپ اُٹھیں گے۔ لیکن ابتداء میں ظاہرداری سے کام لیتے ہوئے وہ ضبط و تحمل سے کام لیں گے اور کوشش کریں گے کہ ان کا حزن و ملال ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن جب انہیں بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا تو اس وقت یارائے صبر نہ رہے گا اور چیخنے اور چلانے لگیں گے۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے: اَسَرَّ کا معنی اَظْهَرَ ہے(2)۔ اور یہ اضداد سے ہے(3) یعنی وہ برملا اظہارِ ندامت کریں گے کیونکہ قیامت کا دِن تکلف و تصنع کا دِن نہیں ہوگا۔

۷۹ کفّار و فجّار کی ساری نافرمانیوں کے باوجود ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوگا وہ عدل و انصاف پر مبنی ہوگا۔

۸۰ آغازِ کلام میں اَلَآ تنبیہ کی غرض سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کے دل و دماغ کو جھنجھوڑا جائے تاکہ وہ پورے غور سے متکلم کی بات کو سنے۔(4)

بتانا یہ ہے کہ جب زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ہے تو اس نے انعامات و احسانات کے جو وعدے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں سے کیے ہیں، وہ ان کو پورا کرے گا اور بدکاروں اور نابکاروں کو عذاب کی جو وعید دی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ کوئی ایسا وعدہ نہیں جس کا پورا کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔ اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسے عذاب دینے سے روک دے۔

۸۱ اس آیت طیبہ میں قرآنِ کریم کے فیوض و برکات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ موعظت: بڑے اخلاص سے نہایت اثر انگیز پیرایہ میں کسی کو نیکی اور بھلائی کی یاددہانی کو موعظت کہتے ہیں وَقَالَ الْخَلِیْلُ هُوَ التَّذْكِیْرُ بِالْخَیْرِ فِیْمَا یَرِقُّ لَهُ الْقَلْبُ (مفردات)(5)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 352 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 34 3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 53
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 353 5۔ مفردات راغب، ص 876

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا

(اے حبیب!) آپ فرمائیے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے[82] پس چاہیے کہ اسی پر خوشی منائیں[83] یہ بہتر

يَجْمَعُوْنَ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں[84] آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا[85] پس بنا لیا تم نے

اس مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآنِ حکیم کی اس صفت کا جائزہ لیجئے۔ خیر خواہی اور خیر اندیشی کا بے لوث جذبہ ہر آیت میں آپ کو نظر آئے گا جس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ اس نے صدیوں سے آغوشِ غفلت میں مدہوش ہونے والی قوم کو بیدار کر دیا۔ قرآن کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ سینوں کی لاعلاج اور پرانی بیماریوں کا کامیاب علاج ہے۔ بغض و عناد، شک اور نفاق، حسد اور کینہ غرضیکہ ہر قسم کی مذموم صفات سے روح کو پاک کرتا ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ یہ سراپا ہدایت ہے۔ حق و باطل کو نکھار کر پیش کرتا ہے۔ کسی قسم کا التباس نہیں رہتا اور حق کا متلاشی راہِ ہدایت کو اپنے سامنے منوّر اور ہموار پاتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ پیکرِ رحمت ہے۔ جس کتاب مقدس کا لانے والا رحمۃ للعالمین ہو اس کتاب کے رحمتِ مجسم ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

[82] حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن اور اس کی رحمت سے مراد دینِ اسلام ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ فُضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہمیں صاحب قرآن بنایا۔ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيُّ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَضْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ وَ رَحْمَتُهُ الْاِسْلَامُ وَ عَنْهُمَا فَضْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ وَ رَحْمَتُهٗ اَنْ جَعَلَكُمْ مِّنْ اَهْلِهٖ (قرطبی) (1)

[83] ذٰلِكَ کا مشار الیہ فضل اور رحمت دو ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ ذلکما ہوتا۔ لیکن علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اہلِ عرب ذٰلِكَ (واحد) کو واحد تثنیہ، جمع سب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اَلْعَرَبُ تَاْتِيْ بِذٰلِكَ لِلْوَاحِدِ وَ الْاِثْنَيْنِ وَ الْجَمْعِ۔ (2)

[84] لوگ دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال کے حصول کے بڑے خواہاں ہوتے ہیں اور شب و روز اسی ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ زیادہ دولت کیسے کمائی جائے۔ بتایا جا رہا ہے کہ جو نعمت انہیں قرآن کی شکل میں بخشی جا رہی ہے وہ ان تمام چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جن کو جمع کرنے کے لیے وہ سرگرداں رہتے ہیں حصولِ نعمت پر اظہارِ مسرت حکمِ الٰہی ہے۔ سرورِ عالم کی ولادت نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اس پر جتنی خوشی کی جائے کم ہے۔

[85] عہدِ جاہلیت میں اہلِ عرب کی معاشی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی زندگی ان رسوم و رواج کی پابند تھی جو انہوں نے خود یا اُن کے پہلوں نے وضع کیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ انہیں احکامِ خداوندی کہا کرتے۔ اور بڑی سختی سے ان کی پابندی کرتے اور جو شخص ان سے سرِ مو انحراف کرتا اس کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لغو اور ضرر رساں رسم و رواج کی اصلاح کے لیے جب آواز بلند کی تو وہ برافروختہ ہو گئے۔ انہیں ان کی غلط روش پر سرزنش کی جا رہی ہے کہ تم اپنے خود ساختہ رسوم و قوانین کو اللہ کی طرف کیوں منسوب کر رہے ہو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ جس چیز کو چاہتے ہو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 353 2۔ ایضاً

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَ

اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھیئے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمھیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو

مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ

اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو افترا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا۔ بیشک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَمَا

اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرماتا ہے لوگوں پر ٨٦ لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور نہیں

تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ

ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن ٨٧ اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو ٨٨

حلال بنا دیتے ہو اور جس کو چاہتے ہو حرام، جس بات کو چاہتے ہو جائز کر دیتے ہو اور جس کو چاہتے ہو نا جائز۔ یہ حق آخر تمہیں کس نے دیا ہے۔ ہر چیز کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے بندے ہو۔ پھر یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے کہ اس کے بندے ہو کر اس کی چیزوں میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے رہو۔ ہرگز نہیں۔

٨٦ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں پر انعامات واحسانات کے دروازے کھولے ہوئے ہیں۔ ان کی آفرینش، ان کی بقا اور ان کی نشوونما کے لیے تمام ضروری چیزوں کو فراہم کرنا۔ پھر نورِ عقل، نورِ وحی اور بعثتِ رسل وانبیاء سے ہدایت کی راہ کو روشن کرنا یہ سب اس کی عنایات ہی تو ہیں۔ ہم سے خطا ہوتی ہے وہ بخش دیتا ہے۔ ہم نافرمانی کرتے ہیں تو وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ ہم اس کی نعمتوں کا صحیح طور پر شکریہ ادا نہیں کرتے پھر بھی اس کی نعمتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں لیکن اس کریم ورحیم مولا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنے کی طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوتے ہیں۔

٨٧ اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن میں صرف عوام کالانعام ہی مبتلا نہ تھے بلکہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو دانشور اور اہلِ نظر کہلاتے تھے وہ بھی ان کا شکار تھے۔ ارسطو جسے اقلیم علم وفلسفہ کا تاجور کہا جاتا ہے اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اپنی ذات کا علم ہے کائنات کی کسی چیز کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا اور دلیل بھی خوب پیش کی، کہا کیونکہ اس کی ذات اعلیٰ واکمل ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں ناقص اور ادنیٰ ہے اس لیے ادنیٰ اور ناقص اشیاء کا جاننا اس کے شایانِ شان نہیں۔ اس نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اگر اس کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر انسان کو بھی اپنے سے فروتر اشیاء، حیوانات، اشجار وغیرہ کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب اشیاء بلاشبہ انسان سے فروتر ہیں۔ اسی طرح ابن سینا نے یہ کہہ دیا کہ اللہ

عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں اور نہیں چھپا ہوتا

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ

آپ کے رب سے ذرّہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں ۸۹ اور نہیں

تعالیٰ کو بطریقہ کلیہ تمام اشیاء کا علم ہے۔ تفصیلاتِ جزئیہ کے متعلق ذاتِ باری کو کچھ پتہ نہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا علم قدیم ہے۔ یعنی تخلیقِ کائنات سے پہلے اس نے ہر چیز کو جان لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے پہلے ہر چیز کا تفصیلی علم نہیں تھا بلکہ جیسے جیسے کوئی چیز معرضِ وجود میں آتی جاتی ہے تو اس وقت وہ اسے جانتا ہے۔ ان تمام شبہات کا اس آیت میں ردّ کر دیا کہ ہر فعل جو کسی سے صادر ہوتا ہے وہ اُس کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں، بلندیوں اور پستیوں میں بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ سب کو اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حال اور مآل کے اعتبار سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی جان رہا ہے۔ تخلیقِ کائنات سے پہلے ہی وہ ہر چیز کو جانتا تھا اور کتابِ مبین (لوحِ محفوظ) میں اسے درج کر دیا گیا تھا۔

تحقیق لغوی: شَاْنٌ ہر فعل کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کا اطلاق صرف اہم اور عظیم کاموں پر ہوتا ہے (1) یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب! تم سے جو فعل بھی صادر ہو رہا ہے خواہ اس کا تعلق عبادت و تبلیغ سے ہو یا عام نجی مشاغل سے وہ اپنے اندر جمال و کمال رکھتا ہے کیونکہ اس کی نسبت تیری ذات ستودہ صفات سے ہے اس لیے وہ عظیم اور اہم ہے اور سب کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ مَاتَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ میں دو مِن مذکور ہیں۔ پہلے مِنْ سے متصل ضمیر کا مرجع شَاْنٌ ہے۔ ابو البقاء نے اس مِن کو اجلیہ کہا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ جو عظیم اور اہم کام آپ کر رہے ہیں اور اس کے ثبوت اور تقویت کے لیے جو آیاتِ قرآنی آپ پڑھتے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں۔ دوسرا مِنْ زائدہ ہے اور قرآن مفعول بہ ہے۔ (2)

۸۸ پہلے روئے سخن فخرِ نوعِ انسان صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا اور انہیں بتایا گیا کہ تبلیغِ حق کے لیے جو جدوجہد آپ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے جو تکالیف آپ برداشت کر رہے ہیں اپنے پُرسوز اور اثر انگیز لہجہ میں آپ جس طرح آیاتِ قرآنی انہیں پڑھ کر سناتے اور سمجھاتے ہیں، یہ سب ہماری نظروں میں ہے۔

وَلَا تَعْمَلُوْنَ سے خطاب تمام انسانوں کو ہے کہ تمہارا کوئی عمل اور کوئی کام ہم سے پنہاں نہیں۔ اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف تمہاری ریشہ دوانیاں اور سازشیں جو تم بڑی رازداری سے اپنی مخصوص محفلوں میں کرتے ہو وہ بھی ہم پر عیاں ہیں۔ وَالْخِطَابُ الْاَوَّلُ خَاصٌّ بِرَأْسِ النَّوْعِ الْاِنْسَانِيِّ وَسَيِّدِ الْمُخَاطَبِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا عَامٌّ يَّشْمَلُ سَائِرَ الْعِبَادِ (روح المعانی) (3)

۸۹ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ زمین سے مراد پستی اور آسمان سے مراد بلندی ہے۔ یعنی ان دونوں سمتوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ یا اس سے مراد دائرۂ امکان وجود ہے۔ کیونکہ عرفِ عام میں دائرۂ امکان و وجود میں پائی جانے والی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 37 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 144 3۔ ایضاً

اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ

کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے سنو! بے شک اولیاء

اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ۚ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹۰ۓ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر)

ہر چیز کو فِی الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اَیْ فِیْ جِهَتَیِ السُّفْلِ وَالْعُلْوِ اَوْفِیْ دَائِرَةِ الْوُجُوْدِ وَالْاِمْكَانِ لِاَنَّ الْعَامَّةَ لَا تَعْرِفُ سِوَاهُمَا مُمْكِنًا لَیْسَ فِیْهِمَا وَلَا مُتَعَلِّقٌ بِهِمَا۔ (روح المعانی)(1)

کتاب مبین: لوح محفوظ

۹۰ۓ یوں تو تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس آیت کی تفسیر کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں جتنی دلکشی، شیرینی اور جامعیت ہے اس کا جواب نہیں۔ اس لیے میں انہی کی خوشہ چینی کرتے ہوئے چند حقائق ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ ولی کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قاموس میں ہے اَلْوَلْیُ الْقُرْبُ وَالدُّنُوُّ(2)۔ یعنی وَلْیٌ کا معنی قرب اور نزدیکی ہے۔ وَلِیٌّ اس سے اسم ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، محب، صدیق اور مددگار۔ وَفِی الْقَامُوْسِ اَلْوَلْیُ الْقُرْبُ وَالدُّنُوُّ وَالْوَلِیُّ اسْمٌ مِّنْهُ بِمَعْنَی الْقَرِیْبِ وَالْمُحِبِّ وَالصَّدِیْقِ وَالنَّصِیْرِ۔ پھر فرماتے ہیں کہ قرب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ (3) (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں) میں اسی قرب کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے۔ اسے قربِ محبت کہتے ہیں۔ قرب کی اِن دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہ اشتراک نہیں۔ قرب محبت کے بے شمار درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند، ایک سے ایک اعلیٰ۔ ایمان شرطِ اوّل ہے۔ دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہلِ عزم وہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں (4) جس کی وضاحت حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمائی۔ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ۔ (5)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (رواہ البخاری)

اور اس قربِ محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوبِ رب العلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فائز ہیں۔ حضور کا طائرِ ہمت

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 145 2۔ القاموس المحیط، ص 1760۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 38 3۔ سورۃ ق: 16
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 38 5۔ ایضاً صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج 2، ص 963

جہاں محوِ پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی جان نہیں سکتا۔ سوائے اس ذاتِ بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب بندے کو یہ ہمتیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔ وَ اَعْلٰی دَرَجَاتِہٖ نَصِیْبُ الْاَنْبِیَاءِ وَ نَصِیْبُ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَقِّیَاتٌ لَّا تَتَنَاھٰی اِلٰی اَبَدِ الْاٰبِدِیْنَ۔ (مظہری) (1)

صوفیائے کرام کی اِصطلاح میں "ولی" اس کو کہتے ہیں جس کا دِل ذِکرِ الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز وہ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہو۔ اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ یہی وہ مقام ہے جسے "فنا فی اللہ" کا مقام کہتے ہیں۔ اَلْوَلِیُّ فِی اصْطِلَاحِ الصُّوْفِیَّۃِ مَنْ کَانَ قَلْبُہٗ مُسْتَغْرِقًا فِیْ ذِکْرِ اللّٰہِ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ مُمْتَلِیًا بِحُبِّ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَسَعُ فِیْہِ غَیْرُہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ فَلَا یُحِبُّ اَحَدًا اِلَّا لِلّٰہِ وَلَا یُبْغِضُ اِلَّا لِلّٰہِ الخ (مظہری) (2)

مرتبۂ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ مرتبۂ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آئینہ دل پر آفتابِ رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور پرتو جمالِ محمدی علی صاحبہ اجمل الصلوات واطیب التسلیمات قلب وروح کو منور کردے اور یہ نعمت انہیں کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہِ رسالت میں یا حضور کے نائبین یعنی اولیاء امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔ (3)

مسنون طریقہ سے کثرتِ ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَالَۃٌ وَّ صَقَالَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ۔ (رواہ البیہقی) ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے۔ دِل کا زنگ ذکر اللہ سے دُور ہوتا ہے۔ (4)

انہیں نفوسِ قدسیہ کی صحبت وہم نشینی کے متعلق احادیثِ طیبہ میں بار بار ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے چنانچہ ائمۂ حدیث حضرات مالک، احمد، طبرانی وغیرہم نے حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت کی ہے قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ۔ (5) یعنی "میں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے میں ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے پیار ومحبت کرتے ہیں میری رضاجوئی کے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں"۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَّلَمْ یَلْحَقْ بِھِمْ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (متفق علیہ) (6) "اے اللہ کے پیارے رسول! اس شخص کے بارے میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن عمل وتقویٰ میں اُن کے برابر نہیں، فرمایا ہر شخص کی سنگت اس کے ساتھ ہوگی جس سے وہ محبت کرتا ہے"۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں: سنو! اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو طالب اور مرید ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو مطلوب اور مراد ہیں۔ ایک وہ ہیں جو محب ہیں۔ ایک وہ ہیں جنہیں محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔ سابقہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص38 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ج5، ص39
4۔ ایضاً، مشکوٰۃ المصابیح، باب ذکر اللہ عز وجل والتقرب الیہ، ص199 5۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الحب فی اللہ ومن اللہ، ص426، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
6۔ صحیح البخاری، کتاب الاداب، باب علامۃ الحب فی اللہ، ج2، ص911

احادیث میں جن اولیاء کا ذکر ہوا وہ طالب اور مرید ہیں اور جو مطلوب و مراد ہیں جو مقصود و محبوب ہیں ان کے احوال کا بیان اس حدیث میں ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور دیگر علماء حدیث نے اپنی اپنی کتبِ احادیث میں روایت کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُحِبُّهٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَیُبْغِضُهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَهٗ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ۔ (1)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے اے جبرئیل! میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر سب اہلِ آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے (اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں) اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبرئیل کو بھی اسے ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے پھر جبرئیل آسمان میں اس کے مبغوض اور ناپسند ہونے کی منادی کرتے ہیں۔ آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے متعلق نفرت و بغض کا جذبہ بڑھنے لگتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان علامات اور خصوصیات کا ذکر بھی فرمایا جن سے ان مخزنِ خیرات و برکات ہستیوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے چند احادیث ذکر کی ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں:

ا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: مَنْ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ: اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا اَلَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ''وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آجائے۔'' (2)

۲۔ حضرت اسماء بنت یزید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یوں گوہر افشانی کرتے ہوئے سنا (اے حاضرین!) کیا میں تمہیں ان لوگوں پر آگاہ نہ کروں جو تم سب سے بہتر ہیں۔ سب نے عرض کی بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اے اللہ کے رسول ضرور بتائیے تو حضور نے فرمایا: اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ۔ ''جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ یاد آجائے'' (3)۔ کیونکہ ان کا دل وہ آئینہ ہے جس میں تجلیاتِ الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے اور جب کوئی چیز ایسے آئینہ کے مقابلہ میں رکھی جاتی ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں تو وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر آئینہ کا عکس روئی پر ڈالا جائے تو وہ جلنے لگتی ہے۔ حالانکہ سورج کی کرنیں اگر بلاواسطہ پڑیں تو وہ نہیں جلتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورج سے دُور ہے اور آئینہ سے قریب۔ (4)

نیز اولیائے کرام میں دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں: اثر قبول کرنے کی اور اثر کرنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہِ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ ان ارواح و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص انکار اور تعصب سے پاک ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، تو وہ ان کے فیوض و برکات سے ضرور بہرہ مند ہوتا ہے۔ (5)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص40۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اذا احب اللہ عبداً، ج2، ص331 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص40۔ معالم التنزیل، ج3، ص167، دار الفکر بیروت 3۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب من لا یوبہ لہ، ص313، وزارت تعلیم 4۔ تفسیر مظہری، ج5، ص41 5۔ ایضاً

يَتَّقُوْنَ ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ

پرہیزگاری کرتے رہے۔ انھیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں ۹۱

یعنی جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید حضور کریم کی رسالت قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہیں کرسکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال اور اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرکِ جلی، شرکِ خفی، اخفی، حسد، کینہ، غرور و تکبّر اور ہوا و ہوس غرضیکہ تمام اخلاقِ ذمیمہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔ یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں جب انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعتِ ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکرِ عجز و نیاز کو وہ سربلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا رشک بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَّاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا مَنْ هُمْ وَمَا اَعْمَالُهُمْ فَلَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا فِي اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطُوْنَ بِهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَّاِنَّهُمْ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ قَرَأَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (قرطبی) (1)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید۔ لیکن قیامت کے دن قربِ الٰہی کی وجہ سے انبیاء اور شہدا ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں بتایئے وہ کون ہیں؟ ان کے اعمال کیا ہیں تاکہ ہم اُن لوگوں سے محبت کریں۔ فرمایا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں نہ اُن میں کوئی رشتہ ہے اور نہ مالی منفعت۔ بخدا ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور نور کے منبروں پر انہیں بٹھایا جائے گا۔ دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے اور انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ لوگ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے لیکن انہیں کوئی حزن و ملال نہ ہوگا۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

عارف روم نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

مگسل از پیغمبر ایام خویش تکیہ کم کن برفن و برگام خویش

"اپنا تعلق رسولِ کریم سے مت توڑو اپنے علم و فن اور اپنے زور پر زیادہ بھروسہ نہ کرو۔"

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل ہمچو روباہ در ضلال و ذلیل

"تو شیر ہی کیوں نہ ہو، اگر تو اس راہ پر رہنماء کے بغیر چلے گا تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جائے گا۔"

ہیں مپرالا کہ باپر ہائے شیخ تا بہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ (2)

"اپنے پیر و مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تب تجھے اپنے مرشد کی مدد اور لشکر کا پتہ چلے گا۔"

۹۱ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک میں یہ مژدہ حضور اپنی زبانِ حق ترجمان سے دیا کرتے تھے جس طرح متعدد صحابہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 357۔ مشکوٰۃ المصابیح ص 426، باب الحب فی اللہ و من اللہ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
2۔ مثنوی معنوی، دفتر چہارم، ص 63

لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾ وَ لَا یَحْزُنْكَ

نہیں بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں۔ ۹۲؎ یہی بڑی کامیابی ہے ۹۳؎ اور نہ غمزدہ کریں آپ کو

قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ

ان کی باتیں ۹۴؎ یقیناً ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا ہر چیز جاننے والا ہے۔ خبردار بیشک اللہ کے

کرام کو حضور نے صراحۃً جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔ چنانچہ فرمایا اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَ عَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَ الزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَ سَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ وَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ (ترمذی)(1) یعنی ان دس حضرات کے نام لے کر فرمایا کہ یہ جنتی ہیں یا حضرت صدیق اکبر کو خصوصی طور پر مژدہ سنایا اَمَا اِنَّكَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ (ابوداؤد)(2)''ابوبکر تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے''۔ یا حضرات حسنین کریمین کے متعلق فرمایا سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ''یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں''(3)۔ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن میں حضور نے کثیر التعداد صحابہ کے نام لے لے کر خوشخبریاں دیں اور حضور نبی کریم کے بعد یہ خوشخبری کبھی عالمِ بیداری میں بذریعہ کشف اور حالتِ خواب میں بذریعہ رؤیا صالحہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی لَهُمُ الْبُشْرٰی الخ قَالَ هِیَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ یَرَاهَا الْمَرْءُ اَوْ تُرٰی لَهٗ (4) میں نے اس آیت کے متعلق حضور سے دریافت کیا تو حضور نے فرمایا یہ سچا خواب ہے جو کوئی شخص خود دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھایا جاتا ہے''۔ یا فرشتے آتے ہیں اور بالمشافہ ان کو ان بشارتوں سے شاد کام کرتے ہیں چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ (سورۂ حم السجدہ:30)۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادنیٰ غلاموں کو ان کے نیک انجام اور مراتبِ عالیہ پر فائز ہونے کی خوشخبریوں سے خورسند کیا جاتا ہے اور انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں مطمئن کر کے ہر خوف وحزن سے پاک کر دیا جاتا ہے تو یہ کہنا کتنی بڑی جسارت بلکہ گستاخی ہے کہ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ! اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نورِ ایمان سے محروم نہ کر دے ورنہ حضرت انسان بایں جبہ و دستار برسرِ منبر لوگوں کے سامنے اس قسم کی ہرزہ سرائی کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

۹۲؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول ولیوں کے ساتھ جن انعامات کے وعدے کیے ہیں اور جن بے پایاں عنایات اور نوازشات کی بشارتیں دی ہیں وہ قطعی ہیں۔ ان میں ردوبدل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے مقبول بندوں کو ان نوازشات سے سرفراز فرمائے گا۔

۹۳؎ اُس خوش نصیب کے طالعِ ارجمند کا کیا کہنا جس کا سفینۂ حیات جب ساحلِ موت پر لنگر انداز ہو تو خداوندِ ذوالجلال کے فرشتے مرحبا صد مرحبا کہتے ہوئے اس کا استقبال کریں۔ اور رضائے الٰہی کا تاج زرنگار اس کے سرِ نیاز پر رکھ دیں۔ مادی لذتوں میں مگن رہنے والوں

1۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، مناقب عبدالرحمٰن، ج2، ص216
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ باب فی الخلفاء، ج2، ص284، وزارت تعلیم
3۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی محمد الحسن والحسین، ج2، ص218
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص43۔ معالم التنزیل، ج3، ص167، دارالفکر بیروت

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

ملک میں ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے ۹۵ اور کس کی پیروی کررہے ہیں جو لوگ پکار رہے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

اللہ تعالیٰ کے سوا (دوسرے) شریکوں کو ۹۶ نہیں پیروی کررہے مگر وہم و گمان کی اور نہیں وہ مگر

يَخْرُصُوْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ

اٹکلیں دوڑا رہے ہیں ۹۷ وہی ہے جس نے بنائی تمہارے لیے رات ۹۸ تاکہ تم آرام کرو اس میں اور روشن

مُبْصِرًاؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۷ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ

دن بنایا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں انھوں نے کہا بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے

اور فانی کامیابیوں کو اپنی زندگی کا منتہاء مقصود سمجھنے والوں کو کیا خبر کہ اس کامیابی میں کیا سرور ہے اور یہ کامیابی کتنی بڑی کامیابی ہے۔

۹۴ کفار کی ایذا رسانیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ کفر اپنی ساری طاقتوں کو یکجا کر کے اسلام پر بھرپور وار کرنے کے لیے پر تول رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلصانہ مساعی پر پھبتیاں کسی جارہی ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں سمجھنے لگی ہیں کہ عداوت و عناد کے ان بھڑکتے ہوئے شعلوں میں شجرِ اسلام کا برگ و بار لانا ناممکن ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تسلی آمیز کلمات سے خطاب فرماتا ہے کہ اے حبیب! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور کفار کی دلآزار گفتگو سے پریشان نہ ہوں۔ میں جو سب عزتوں اور سرفرازیوں کا واحد مالک ہوں تیرا مددگار ہوں۔

۹۵ یعنی جب زمین و آسمان کی ہر چیز اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو کسی کو کیا مجال کہ الوہیت میں اس کی ہمسری کا اور ربوبیت میں شریک ہونے کا دعویٰ کرسکے۔

۹۶ اس "مَا" کے متعلق علماءِ نحو کے تین اقوال ہیں: (۱) مَا نافیہ ہے (۲) مَا استفہامیہ ہے (۳) مَا موصولہ ہے۔ میں نے دوسرا قول پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اکثر مفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

۹۷ اِس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: كُلُّ قَوْلٍ مَّقُوْلٍ عَنْ ظَنٍّ وَّتَخْمِيْنٍ يُّقَالُ خَرْصٌ سَوَاءٌ كَانَ مُطَابِقًا لِّلشَّيْءِ اَوْ مُخَالِفًا لَّهٗ مِنْ حَيْثُ اِنَّ صَاحِبَهٗ لَمْ يَقُلْهُ عَنْ عِلْمٍ وَّلَا غَلَبَةِ ظَنٍّ۔ ہر وہ قول جو محض ظن و تخمین سے کہا جائے اسے "خرص" کہتے ہیں خواہ وہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ایسے قول کے قائل کو کاذب بھی کہا جاتا ہے (مفردات) (1) مقصد یہ ہے کہ ان کا بتوں کو اپنا معبود بنانا کسی عقلی دلیل پر مبنی نہیں اور نہ کسی رسول نے انہیں یہ تعلیم دی ہے۔

1۔ مفردات راغب، ص 279، مطبوعہ الدار الشامیۃ، بیروت

وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ

کسی کو بیٹا ۔ وہ پاک ہے وہ تو بے نیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ ۹۹ نہیں

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بے ہودہ بات) کی ۔ کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمھیں علم ہی نہیں ۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ ؕ

آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے ۔

مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ

(چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انھیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انھیں سخت عذاب

الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ

بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اور آپ پڑھ سنائیے انھیں نوح (علیہ السلام) کی خبر عجیب جب انھوں نے

خدائے برحق کو چھوڑ کر ان کا بتوں کی پوجا میں لگ جانا محض ان کے وہم و گمان کی پیداوار ہے۔

۹۸ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے علیم و حکیم اور سمیع و بصیر ہونے کی ناقابلِ تردید دلیل پیش کی جارہی ہے۔

۹۹ کفارِ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ!) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے ردّ کے لیے دو دلیلیں پیش فرمائی جارہی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ وہ غنی ہے۔ یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے وجود، اپنی نشوونما اور اپنی بقاء میں اس کا محتاج ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اس لیے محسوس کی جاتی ہے کہ انسان خود کمزور ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو تا کہ وہ طاقتور ہو جائے اور اپنے دشمنوں کو مغلوب کر سکے یا وہ فقیر و کنگال ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو جو کسبِ رزق میں اس کی معاون ثابت ہو یا انسان جب سوچتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے تو اس کے دِل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اس کے نام کو اور اس کی یاد کو زندہ رکھ سکے۔ اور جو ذات ہر قسم کے احتیاج اور ضرورت سے پاک ہے اس کو اولاد کی خواہش آخر کیوں ہو۔ دوسری دلیل لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ سے دی کہ جب عالم ہست و بود کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کی مملوک ہے تو وہ اس کی اولاد کیسے بن سکتی ہے؟

۱۰۰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عرصہ دراز سے اہلِ مکہ کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے لیکن وہ اپنے کفر و شرک کے ساتھ ایسے چمٹے ہوئے تھے کہ حق کے اجالا کو دیکھنا ہی گوارا نہ تھا۔ پہلے انہیں عقلی اور وجدانی دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس ہٹ دھرمی کا

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ

اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام (تمہارے درمیان) اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں

انجام اچھا نہ ہوگا۔ مہلت کے یہ لمحے اگر تم نے ضائع کر دیئے تو غضبِ الٰہی کی آگ تمہیں جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے گی۔ اب انہیں انسانی تاریخ کے چند واقعات سنائے جا رہے ہیں شاید ان کا دِل پسیجے اور وہ قبولِ حق کی طرف راغب ہوں۔ نیز اس میں اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تسلی دی کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ کا رب آپ کے ساتھ ہے اور آپ ہی کامیاب و کامران ہوں گے۔

۷۱۔ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی اس للکار میں جو تمکنت اور جلال ہے وہ بتا رہا ہے کہ اس مردِ حق آگاہ کا سینہ نورِ یقین سے لبریز ہے۔ اسے اپنے ربِ کریم کی تائید و نصرت پر مکمل اعتماد ہے اور اپنی کامیابی کے متعلق اسے ذرا سا بھی تردد نہیں۔ کفار کی تعداد کثیر سہی، ان کی قوت بے پناہ سہی اور ان کی عقل فتنہ اندیش کے بھڑکائے ہوئے الاؤ تند و تیز سہی لیکن پیغمبر کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ چنانچہ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میری دعوتِ توحید اگر تمہیں ناپسند ہے تو ہوا کرے میں تو اس سے باز نہیں آؤں گا جب تک دم میں دم ہے اپنے مالک و خالق کی عظمت و کبریائی کے گیت گاتا ہی رہوں گا۔ اور حق و صداقت کا پرچم لہراتا ہی رہوں گا۔ تم ایسا کرو کہ سب اکٹھے ہو جاؤ، اپنے ٹھاکروں کو بھی بلا لو۔ سب سر جوڑ کر بیٹھو۔ سوچو اور خوب سوچو! خوب سوچ بچار کے بعد میرے خلاف کارروائی کرنے کا عزم مصمم کر لو۔ تمہاری سکیم کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس پر تم نے اچھی طرح غور و فکر نہ کر لیا ہو اور اس کی کامیابی کے بارے میں پوری طرح مطمئن نہ ہو گئے ہو۔ جلدی کی ضرورت نہیں میں کہیں بھاگ کر چلا نہ جاؤں گا۔ پھر سوچ لو۔ سب مل کر، خوب غور و فکر سے جو سکیم تم میرے مٹانے کی بنا لو تو اب اس کو بروئے کار لانے میں میرا قطعاً کوئی لحاظ نہ کرو۔ پوری بربریت اور وحشت کے ساتھ یکبارگی مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ پھر دیکھو انجام کیا ہوتا ہے۔ کیا ایک مردِ حق آگاہ کی نگاہِ خشمگیں کو برداشت کرنے کی تم میں تاب ہے؟ اس کا ایک نعرہ، اللہ تمہارے مکر و فریب کے سارے قلعوں کو پیوندِ خاک کر دے گا اور تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکو گے۔ ذرا سوچو! اس بے سر و سامان کے پاس کون سی قوت تھی جس نے تمہاری طاقت و جبروت کو سرنگوں کر دیا؟ وہ تائیدِ ربانی اور نصرتِ الٰہی تھی تو جس انسان کو اپنے رب کی تائید و نصرت حاصل ہو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے میں ہی انسان کی فلاح و نجات ہے۔ جو اس سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک کسی داعی کو اپنی دعوت کی صداقت پر محکم یقین، اپنے رب کی تائید و نصرت پر مکمل اعتماد نہ ہو وہ کفر و باطل کی بپھری ہوئی اندھی قوت سے نبرد آزما نہیں ہو سکتا۔ ایک مبلغ کی قوت اور کامیابی کا راز اسی یقین اور اعتماد میں مضمر ہے۔ اس آیت کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ اِنْ كَانَ كَبُرَ الخ شرط ہے اور اکثر علماء کے نزدیک اس کی جزا فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ ہے اور فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ جملہ معترضہ ہے۔ وَقَالَ الْاَكْثَرُوْنَ الْجَوَابُ فَاَجْمِعُوْا فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ جُمْلَةُ اعْتِرَاضٍ بَيْنَ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ (بحر محیط)(1) شُرَكَآءَكُمْ کو منصوب پڑھا گیا ہے اگر فَاَجْمِعُوْٓا باب افعال سے امر ہو تو نحاس (لغت و نحو کے مشہور امام) نے شُرَكَآءَكُمْ کو منصوب پڑھنے کی تین وجہیں لکھی ہیں: (۱) یہ مفعول ہے فعلِ محذوف کا یعنی وَادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ (۲) یہ معطوف علی المعنی ہے۔ (۳) یہ مفعول معہ ہے اور ''و'' مع، کے معنی میں مستعمل ہے اور اگر فَاجْمَعُوْا کو جَمَعَ سے امر بنایا جائے تو پھر شُرَكَآءَكُمْ کو منصوب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف اَمْرَكُمْ، پر ہے فَاجْمَعُوْا اَمْرَكُمْ وَاجْمَعُوْا شُرَكَآءَكُمْ یہاں بھی اسے مفعول معہ بنایا جا

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 178

اللّٰہِ فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَکُمۡ وَ شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُنۡ

سے پس (سن لو) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرلیا سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کرلو اپنے شریکوں سے مل کر۔ پھر نہ ہو تمہارا

اَمۡرُکُمۡ عَلَیۡکُمۡ غُمَّۃً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَیَّ وَ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ

یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو سوا نیمہ اگر تم منہ موڑے

فَمَا سَاَلۡتُکُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۙ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ

رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کچھ اجر ۱۰۲ نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۷۲﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَنَجَّیۡنٰہُ وَ مَنۡ مَّعَہٗ فِی

میں ہو جاؤں مسلمانوں سے تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا ۱۰۳ پس ہم نے نجات دی انھیں اور جو ان کے ساتھ

الۡفُلۡکِ وَ جَعَلۡنٰہُمۡ خَلٰٓئِفَ وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ

کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا انھیں ان کا جانشین اور ہم نے غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ

ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا ان کا جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ پھر ہم نے بھیجے نوح (علیہ السلام) کے بعد

سکتا ہے (قرطبی)(1) لغوی تحقیق: اَجْمِعُوْا کا معنی ہے عزمِ مصمم کر لینا۔ چنانچہ جب انسان کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو کرنے کا عزمِ مصمم کرتا ہے تو عرب کہتے ہیں اَجْمَعَ الرَّجُلُ الشَّیْءَ: عَزَمَ عَلَیْہِ وَنَوَاہُ (بحر محیط)(2)

۱۰۲ اگر تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے تو اپنا ہی زیاں کرو گے میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا میں تم سے کسی چیز کا طلبگار نہیں۔ مجھے اجر دینے والا میرا رب ہے۔ اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے در کا سائل اتنا غیور ہوتا ہے کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا ہی نہیں کرتا۔

۱۰۳ یعنی اے کفارِ مکہ حضرت نوح نے اپنی قوم کو بہتیرا سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ طوفان آیا اور ان غرور و نخوت کے پیکروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ہوش کرو! کہیں اس مسلسل نافرمانی اور انکارِ حق کی پاداش میں تمہیں بھی تباہ و برباد نہ کر دیا جائے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 63-362 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 178

رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

اور رسول ان کی قوموں کی طرف پس وہ لائے ان کے پاس روشن دلیلیں تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے وہ

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

جھٹلا چکے تھے پہلے۔ یونہی ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

پھر ہم نے بھیجا ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف

بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اپنی نشانیوں کے ساتھ۔ تو فرعونیوں نے غرور و تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے پھر جب آیا ان کے پاس حق

۱۰۴ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی حضرات انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا انہوں نے اپنی اپنی قوم کو پیغامِ حق سنایا اور اپنے پیغام کی صداقت کو دلائل و معجزات سے ثابت کیا۔ لیکن قوم نے ایک مرتبہ جس بات کو ماننے سے انکار کیا پھر اس کو ماننے سے انکار ہی کرتی رہی۔ کوئی قوی سے قوی دلیل بھی انہیں اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ ان کی اس پیہم سرکشی کے باعث حق پذیری کی جو صلاحیت ان میں رکھی گئی تھی وہ ضائع ہوگئی اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان میں بھی نورِ حق کو دیکھنے، آوازِ حق کو سننے اور دعوتِ حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیتیں تھیں لیکن انہوں نے اپنی بداعمالیوں سے خود ہی انہیں ضائع کر دیا۔ "معتد" اسے کہتے ہیں جو اپنے نفس کی خواہش کی تعمیل کرتے ہوئے حق و انصاف کی حدود سے تجاوز کر جائے۔ اَلْاِعْتِدَاءُ: مَعْنَاهُ تَجَاوُزُ حُدُوْدِ الْحَقِّ وَالْعَدْلِ اِتِّبَاعًا لِهَوَى النَّفْسِ وَ شَهَوَاتِهَا۔ (المنار) (1)

۱۰۵ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ایک جلیل المرتبت رسول حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے جن کے ذمہ دو اہم کام تھے۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو جو صدیوں سے مصر میں غلامانہ زندگی بسر کر رہی تھی آزاد کرانا اور فرعون کو جس نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا اور اپنی رعایا کو اپنی پرستش کرنے کا حکم دے رکھا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کا پیغام پہنچانا۔ یہ دونوں کام جتنے اہم تھے اتنے ہی مشکل اور دشوار بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم معجزات سے نوازا تا کہ ان کی قوت سے ہر باطل کو سرنگوں کر سکیں اور ان کی روشنی سے شک و شبہ کے سارے اندھیروں کو دور کر سکیں۔ جب آپ نے وہ معجزات دکھائے تو ان کو جادوگر کہا گیا۔ اس کا مفصل بیان سورۃ الاعراف کی آیات ۱۰۳ تا ۱۱۸ کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۰۶ یعنی دلائل و براہین کی روشنی نے حق کی حقانیت تو ان پر واضح کر دی تھی لیکن ازراہ نخوت وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 464

مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوۡسٰۤى اَتَقُوۡلُوۡنَ

ہماری طرف سے تو انھوں نے کہدیا کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے ۱۰۷ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا (عقل کے اندھو) کیا

لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡ‌ؕ اَسِحۡرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوۡۤا

تم کہتے ہو (ایسی بات) حق کے متعلق جب وہ تمہارے پاس آیا (سوچو!) کیا یہ جادو ہے؟ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر ۱۰۸ کہنے لگے کیا تم

اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوۡنَ لَـكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ

اس لیے آئے ہو ہمارے پاس تاکہ ہٹا دو ہمیں اس (دین) سے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو اور ہو جائے صرف تم دونوں کے لیے بڑائی

فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا نَحۡنُ لَـكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِىۡ

سرزمین (مصر) میں۔ اور ہم لوگ تو تم کو نہیں مانیں گے ۱۰۹ اور فرعون نے حکم دیا (فوراً) لے آؤ میرے پاس

ہوئے۔ وہ عادی مجرم تھے جرم و گناہ کی محبت میں وہ مگن تھے۔ سچائی اور نیکی سے انہیں خدا واسطے کا بیر تھا۔

۱۰۷ وہ کلیم اللہ کے معجزات کو بھی ساحرانہ شعبدہ بازی ہی سمجھتے اور اس فن میں تو انہیں کمال حاصل تھا۔ اس لیے وہ کسی ساحر کی غلامی پر کسی طرح رضامند ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

۱۰۸ جب فرعون اور اس کے درباریوں نے آپ کے معجزات کو جادو کہا تو آپ جلال میں آ گئے۔ اور فرمانے لگے عقل کے اندھو! کیا یہ جادو ہے۔ کیا یہ تابانی اور یہ رعنائی کبھی جادو میں بھی تم نے دیکھی ہے۔ تم اتنے کودن ہو کہ کھرے اور کھوٹے میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ کیا ہر چمکنے والی چیز سونا ہوتی ہے۔ پھر دیکھو جادوگر کے مقدر میں بجز ذلت و رسوائی کے کچھ نہیں۔ فلاح و کامرانی سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر میں بھی جادوگر ہوا تو دوسرے جادوگروں کی طرح میں بھی خائب و خاسر ہوں گا اور اگر میں اور میرے نقشِ قدم پر چلنے والے حقیقی فوز و فلاح کی منزل پر پہنچ گئے تو پھر تو مانو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا مُرسل تھا؟

۱۰۹ آپ کے معجزات، آپ کے دلائل اور آپ کی بے دھڑک صاف گوئی کے باعث ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ جب کوئی معقول جواب نہ بن پڑا تو الزام تراشی پر اُتر آئے کہ تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں۔ ہم اس کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ دوسرا یہ کہ تم مذہب کی آڑ لے کر سیاسی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہو۔ تمہارے پیشِ نظر عقائد کی اصلاح اور اخلاق کی تربیت ہرگز نہیں تم محض اقتدار کے بھوکے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ مصر میں تمہاری حکومت قائم ہو جائے۔ ہم اس انقلاب کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ بنی اسرائیل جو صدہا سال سے ہمارے غلام ہیں ہمارے حکمران بن جائیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علمِ حق بلند کرنے والوں پر حکمران طبقہ کی طرف سے یہی الزام لگایا جاتا ہے۔ ان کے اخلاص اور للّٰہیت کو اسی قسم کی بہتان تراشیوں سے داغدار کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

ہر ماہر جادوگر پھر جب آگئے جادوگر تو کہا انھیں موسیٰ (علیہ السلام) نے ڈالو

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ

(امیدان میں) جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب ڈال دیا انھوں نے تو موسیٰ نے فرمایا یہ جو تم لائے ہو یہ

السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾

جادو ہے [۱۱۱] یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دیگا اسے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى

اور اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے اور خواہ ناپسند ہی کریں (اسے) مجرم [۱۱۲] پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ

بجز ان کی قوم کی اولاد کے [۱۱۳] (وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے

[۱۱۰] ان کلمات سے جو تعصب اور ہٹ دھرمی نمایاں ہو رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

[۱۱۱] جب وہ اپنے جادو کے کمال کا مظاہرہ کر چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میری آیاتِ بینات کو سحر کہتے تھے۔ وہ سحر نہیں سحر تو یہ شعبدہ بازیاں ہیں جن کا مظاہرہ تم کر رہے ہو۔ ابھی تمہیں میرے اس قول کی صداقت کا علم ہوا چاہتا ہے۔ سحر باطل ہے اور باطل کا کام مٹ جانا ہے۔ اور حق ہمیشہ زندہ و پائندہ ہوتا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس مقابلہ میں کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے؟ جب حضرت کلیم نے اپنا عصا پھینکا تو وہ چشم زدن میں ان تمام کو نگل گیا۔ حق کا بول بالا ہوا اور باطل کے پرستاروں کو شرمناک ہزیمت اُٹھانا پڑی۔

[۱۱۲] کفار ناک بھوں چڑھاتے رہیں، جرائم پیشہ لوگوں کی پیشانیوں پر بل پڑتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہیں۔ وہ تو اپنے ارشاداتِ طیبات سے حق کو سربلند کر کے چھوڑتا ہے۔

[۱۱۳] فرعون مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا لیکن اس نے صرف بادشاہ کہلانے پر ہی قناعت نہ کی بلکہ اس نے اپنے ربِ اعلیٰ ہونے کا بھی اعلان کر دیا اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ اس کی پرستش کیا کرے۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کی جاسکتی ہے لیکن کوئی پجاری اپنے خدا کے خلاف بغاوت کا تصور تک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نے چاہا کہ وہ اپنی حکمرانی کا محل اپنے بادشاہ اور خدا ہونے کی بنیادوں پر تعمیر کرے تاکہ کسی کو سرکشی کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں جب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا نعرہ لگایا

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ

کہ کہیں وہ انہیں بہکا نہ دے۔ اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں اور واقعی وہ حد سے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ

بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر

تو اس کی زد فقط فرعون کے ربِّ اعلیٰ ہونے کے دعوے پر ہی نہیں پڑی تھی بلکہ اس سے تو اس کی حکومت وفرمانروائی کے قصر کی بنیادیں لرز اٹھی تھیں۔ فرعون ایسی جسارت کب برداشت کر سکتا تھا اس نے صاف اعلان کر دیا، قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶ (۲۶:۴۰) ''یعنی مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کا سر قلم کر دوں۔ بے شک وہ اپنے رب کو بلا لائے۔ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر اس کو فوراً قتل نہ کر دیا گیا تو وہ تمہارا دین بگاڑ دے گا یا زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دے گا۔'' اِن حالات میں موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ حکومت کی قہر آلود نگاہوں کو برداشت کر لینا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہوا کرتی۔ وہ لوگ جو حکومت کے وظائف پر زندہ تھے، جن کی ساری عظمتیں صرف اس وابستگی کی مرہونِ منت تھیں، جنہیں اس حکومت کے سایہ میں ہر طرح کی جائز وناجائز مراعات حاصل تھیں انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ خواہ مخواہ اپنے مستقبل کو تاریک کر دیں۔ اور اپنے ہاتھوں اپنی بساطِ عیش ونشاط کو الٹ دیں۔ اس لیے قبطیوں کے لیے دعوتِ موسوی میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ رہے بنی اسرائیل تو ان کی مردانہ قوتوں کو طویل عرصہ کی غلامی نے کھوکھلا کر دیا تھا۔ ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ مدتیں گزریں ان کے سینوں میں کسی ایسی امنگ نے انگڑائی ہی نہیں لی تھی جو ان کی خفیہ صلاحیتوں کو گرما دے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف شکم پروری اور زیادہ دنوں تک جیتے رہنا ہو گیا تھا۔ ان میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ فرعون جیسے جابر حاکم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والے کے دوش بدوش کھڑے ہو سکیں۔ اس لیے آپ کی قوم کے بڑے بوڑھوں نے اس معرکۂ حق وباطل میں آپ کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ البتہ بنی اسرائیل کے چند نوجوان ان مہیب خطرات اور جان گسل مشکلات کو جانتے ہوئے جن سے انہیں بلاشبہ دوچار ہونا تھا آگے بڑھے اور حضرت کلیم اللہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔

۱۱۴ ان جانبازوں کو فرعون کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ انہیں خوب علم تھا کہ وہ ایک سرکش اور مطلق العنان حکمران ہے اس کا ظلم و استبداد کسی قانون اور ضابطہ کا پابند نہیں، وہ ان پر ایسے ستم توڑے گا کہ پہاڑوں کے دل بھی کانپ اٹھیں گے۔ لیکن وہ مئے توحید سے سرشار اپنے معبود برحق کی وحدانیت کا پرچم لہرانے کا عزم بالجزم کر چکے تھے۔ انہوں نے نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وابستہ کر دی تھی۔ یہاں چند امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) ذُرِّيَّةٌ: کمسن بچوں کو لغت میں ذریت کہتے ہیں لیکن عرف میں اس کا استعمال چھوٹوں بڑوں سب پر ہوتا ہے۔ اَلذُّرِّيَّةُ اَصْلُهَا الصِّغَارُ مِنَ الْاَوْلَادِ وَاِنْ كَانَ قَدْ يَقَعُ عَلَى الصِّغَارِ وَالْكِبَارِ مَعًا فِي التَّعَارُفِ وَيُسْتَعْمَلُ لِلْوَاحِدِ وَالْجَمْعِ وَاَصْلُهُ الْجَمْعُ۔ (مفرداتِ راغب)(1) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ مفرداتِ راغب، ص 327

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوٓا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا

تو اسی پر بھروسہ کرو ۱۱۵ اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انھوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے ۱۱۶

تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے بڑوں بوڑھوں کو دعوت دی تو انہوں نے فرعون کے خوف سے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے نوجوان بچوں کو بھی سمجھایا کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں لیکن ان نوجوانوں نے تمام خطرات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اس کو قبول کیا اس لیے یہاں ذُرِّيَّةٌ سے مراد کمسن بچے نہیں بلکہ نوجوانانِ قوم ہیں۔ حَيْثُ دَعَا عَلَيْهِ السَّلَامُ الْآبَاءَ فَلَمْ يُجِيبُوهُ خَوْفًا مِّنْ فِرْعَوْنَ وَأَجَابَتْهُ طَائِفَةٌ مِّنْ شُبَّانِهِمْ فَالْمُرَادُ مِنْ ذُرِّيَّةِ الشُّبَّانُ لَا الْأَطْفَالُ (روح المعانی)(1)

(۲) مِّن قَوْمِهِ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس کا مرجع فرعون ہے۔ کیونکہ اس کا مرجع اگر موسیٰ کو بنایا جائے تو لازم آئے گا کہ قومِ موسیٰ کی اکثریت بھی کافر تھی اور ان میں صرف چند لوگ ایمان لائے تھے حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ آپ کی ساری قوم آپ کو اپنا نبی مانتی تھی۔ ہاں اگر اس کا مرجع فرعون ہو تو پھر کوئی التباس نہیں کیونکہ قوم فرعون میں سے تو گنتی کے چند آدمی ایمان لائے تھے۔ مثلاً حضرت آسیہ، مومن، آلِ فرعون، فرعون کا خزانچی اور اس کی بیوی۔ لیکن اگر آپ قرآنِ کریم کے الفاظ میں غور کریں تو یہ شبہ خود بخود دُور ہو جاتا ہے۔ علماء ادب ونحو کی تحقیق کے مطابق اگر اٰمَنَ کا صلہ با ہو تو اس کا معنی کسی پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ہوتا ہے اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو پھر اس کا معنی اطاعت وپیروی کرنا ہوتا ہے۔ اٰمَنَ بِهٖ: صَدَّقَهٗ وَوَثِقَ بِهٖ۔ وَاٰمَنَ لَهٗ: خَضَعَ وَانْقَادَ (المنجد)(2) یہاں اٰمَنَ بِمُوْسٰى نہیں تاکہ بنی اسرائیل کی اکثریت کا کفر ثابت ہو بلکہ اٰمَنَ لِمُوْسٰى کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگرچہ موسیٰ کی رسالت کو مانتے تھے لیکن اس معرکہ حق وباطل میں وہ آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

۱۱۵ یہاں موسیٰ علیہ السلام اپنے وفاکیش ساتھیوں کی تربیت فرما رہے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر تمہیں حالات کی تمام ناسازگاریوں کے باوجود گھبرانا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر مکمل بھروسہ کرنا ہوگا۔ راہِ حق کے مسافر کے لیے توکل علی اللہ سے بہتر اور کوئی زادِ راہ نہیں ہے۔

۱۱۶ ان جانبازوں نے اپنے مرشد کے اس سبق کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اس پر عمل پیرا رہنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد اپنے مولا کریم کی بارگاہِ عزت وجلال میں دامنِ طلب پھیلا کر دو التجائیں کیں۔ ایک یہ کہ ہمیں اس ظالم قوم کے لیے فتنہ نہ بنا، دوسری یہ کہ ہمیں ان کے پنجۂ استبداد سے رہائی بخش۔ فتنہ بننے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں یعنی ہمیں ان کے ظلم وستم کا ہدف نہ بنا مبادا ہماری قوتِ برداشت جواب دے دے اور ہمارے پاؤں ڈگمگا جائیں اور صبر واستقامت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ دوسرا معنی جو زیادہ پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان کے ظلم وتشدد کے مقابلہ میں ہماری بے بسی کا یہی عالم رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی برتری کے باعث اپنے برحق ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں وہ جب دیکھیں گے کہ انہوں نے تو ہم پر مظالم کی انتہا کر دی ہے اور مار مار کر ہمیں لہولہان کر دیا ہے اور ان میں سے تو کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی تو وہ یقین کر لیں گے کہ ہمارا کوئی خدا نہیں ورنہ اسکی غیرت اپنے بندوں کی اس رسوائی کو برداشت نہ کر سکتی۔ اَيْ لَا تُسَلِّطْهُمْ عَلَيْنَا فَيَقُوْلُ قَوْمُ فِرْعَوْنَ لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ عَلٰى

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 11 ص 168 2۔ المنجد فی اللغۃ، ص 18

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب)، ظالم قوم کے لیے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

کافروں (کے ظلم و ستم) سے اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ مہیا کرو

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ

اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھر[117] اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ

اور (اے موسیٰ!) خوشخبری دو مومنوں کو[118] اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے[119] فرعون اور

الْحَقَّ مَا عَذَّبُوْا وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ خَيْرٌ مِّنَّا (1)۔ ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ہمیں ایسی لغزش سے بچا جس سے اہلِ باطل کو دعوتِ حق پر زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع مل جائے یا اس کو رد کرنے کا بہانہ مل جائے۔ عام لوگ حق کو اس کے پرستاروں کی زندگی کے آئینہ میں ہی دیکھا کرتے ہیں۔ ان کی سیرت اور کردار میں ذرا سی خامی دیکھی جھٹ اس کا الزام ان پر نہیں بلکہ ان کی دعوت پر لگا دیا۔ اس لیے وہ نوجوان عرض کر رہے ہیں کہ آزمائش کی گھڑیوں میں ہمیں جس حوصلہ، اولوالعزمی اور استقامت کی ضرورت ہے وہ ہمیں عطا فرما کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کسی بشری کمزوری کا ظہور ہو جائے اور ظاہر بین لوگوں کو حق پر آوازہ کسنے کا موقع مل جائے۔ واقعی داعیانِ حق کی ذمہ داریاں بڑی نازک ہوتی ہیں۔ ان کی ادنیٰ سی لغزش لوگوں کے لیے حجاب بن جاتی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی میں اس نازک ذمہ داری کے سنگین تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق طلب کرتے رہیں۔

117۔ مصر میں بنی اسرائیل نے اپنی عبادت گاہیں تعمیر کی ہوئی تھیں جن میں وہ اکٹھے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت کلیم کی آمد کے بعد فرعون کے حکم سے ان عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا گیا اور ان کے دینی اجتماعات پر بھی طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئیں اہلِ استبداد کا آج بھی یہی دستور ہے۔ ان حالات میں جبکہ ان کی عبادت کے مرکز کھنڈر بنا دیئے گئے تھے انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ہی عبادت کر لیا کریں۔ "قبلة" سے مراد یا تو مصلی ہے یعنی اپنے گھروں کو ہی عبادت گاہ بنا لیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مکان تعمیر کریں جو قبلہ رخ ہوں تاکہ وہاں عبادت کرنے میں انہیں آسانی ہو اور سمت متعین کرنے میں انہیں تردّد نہ ہو۔ (2)

118۔ بگڑے ہوئے حالات میں قوم کے حوصلوں کو بلند رکھنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ ان کی قوتِ مدافعت جواب دے دیتی ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش بڑی طویل اور صبر آزما تھی۔ فرعون کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا اور بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 50 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 154

مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ

اس کے سرداروں کو سامانِ آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لیے کہ وہ گمراہ کرتے

سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو

فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ

تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کر لی گئی

دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

تمہاری دعا ۱۲۰ پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا (طریقہ) ہے

کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا اگر قدم قدم پر ان مجاہدوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جاتی تو وہ کسی وقت بھی حوصلہ ہار سکتے تھے اس لیے خصوصی طور پر فرمایا کہ اے کلیم! انہیں اپنے رب کریم کی نصرت کا یقین دلاتے رہو انہیں بتاؤ کہ کامیابی کا سہرا یقیناً تمہارے سر بندھے گا اور فرعون بایں ہمہ جاہ وجلال تباہ کر دیا جائے گا۔

۱۱۹ موسیٰ علیہ السلام عرصۂ دراز تک فرعون اور اس کی قوم کو رشد وہدایت کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن بے سود۔ آئے دن ان کے فسق و فجور میں اضافہ ہی ہوتا اور ان کی سرکشی بڑھتی ہی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ازراہِ تعجب بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی اے ہمارے پروردگار! یہ آرائش وتجمل کے اَن گنت سامان، یہ دولت وثروت کی ریل پیل کیا انہیں اس لیے دی گئی کہ یہ رنگ رلیاں مناتے رہیں اور دادِ عیش دیتے رہیں، نہ تجھے یاد کریں اور نہ تیرے انعامات پر تیرا شکریہ ادا کریں۔ ان کے عشرتکدوں کے سایہ میں مجبور ومقہور انسانیت سسکتی رہے، کراہتی رہے اور انہیں کبھی ان کا خیال ہی نہ آئے؟ یہ نشۂ دولت میں اتنے سرمست رہیں اور ان تاریک جھونپڑوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں جہاں غربت اور فاقہ کشی نے اپنے ظالم پنجے گاڑ رکھے ہیں؟ اب تو ان بے رحم ہاتھوں سے ظلم کی تلوار چھین لے۔ اے منتقمِ حقیقی! یہ زر وسیم کے انبار جنہوں نے انہیں بد دماغ بنا دیا ہے اب ان کو بھسم کر دے۔ ان پر اپنا درِ رحمت ہمیشہ کے لیے بند کر دے۔ اب یہ اس لائق ہی کہاں ہیں کہ انہیں تیرے دامنِ کرم میں جگہ دی جائے۔ اکثر مفسرین نے لِيُضِلُّوْا کے لام کو لامِ عاقبت کہا ہے (1)۔ یعنی تو نے ان کو سامانِ آرائش بخشا اور انہیں دولتِ فراواں عطا کی لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے راہِ ہدایت کو چھوڑ کر اپنے لیے گمراہی کا راستہ منتخب کیا۔ لیکن میں نے ترجمہ کرتے ہوئے امام رازی کے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہاں ہمزۂ استفہام مقدر ہے اور آپ ازراہِ حیرت واستعجاب دریافت کر رہے ہیں۔ اَنْ يَّكُوْنَ مُوْسٰى

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 51

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ

اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے[۱۲۱] پھر پیچھا کیا اُن کا فرعون اور اس کے لشکر نے

بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بصد یاس) کہنے لگا[۱۲۲] میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں

اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰

بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

اٰۗلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱ فَالْيَوْمَ

کیا اب[۱۲۳] اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ سو آج ہم[۱۲۴]

عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَكَرَ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّعَجُّبِ الْمَقْرُوْنِ بِالْاِنْكَارِ ...... ثُمَّ حُذِفَ حَرْفُ الْاِسْتِفْهَامِ۔ (کبیر) (1)

اگر چہ پیغمبر کا کام پیغامِ حق سنانا ہوتا ہے بددعا کرنا نہیں ہوتا لیکن جب کسی قوم کی ہدایت کا امکان ہی باقی نہ رہے، تو باذنِ الٰہی وہ بددعا کرتا ہے۔

۱۲۰ ارشاد ہوا کہ تمہاری دعا قبول ہوئی۔ ان پر عذاب آئے گا جو ان کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا لیکن اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے تم ناواقف لوگوں کی طرح جلد بازی نہ کرنا۔ ۱۲۱ سورۂ بقرہ اور اعراف میں بنی اسرائیل کے صحیح سلامت پار اترنے اور فرعون کے غرق ہونے کا ذکر گزر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۲۲ جب سمندر کی تند موجوں نے اسے اپنے نرغہ میں لے لیا اور اسے اپنی ہلاکت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہا تو خدائی کا نشہ ہرن ہو گیا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ جس دعوت کو وہ اب تک بڑی حقارت سے ٹھکراتا رہا تھا اب ایک ہی سانس میں تین مرتبہ اس کی صداقت کا اعتراف کرنے لگا۔ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ ...... اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰۔

۱۲۳ عذاب کا فرشتہ جب شہ رگ کو آ کر دبوچ لے۔ پردۂ غیب میں مستور حقائق جب بے حجاب دکھائی دینے لگیں تو اس وقت ایمان لانا شریعت میں معتبر نہیں۔ اس لیے حالتِ اضطرار میں جب فرعون نے ایمان لانے کا اعلان کیا تو اسے اس کے منہ پر پٹخ دیا گیا۔ اگر چہ بائیبل میں فرعون کے ایمان لانے کا تذکرہ نہیں لیکن تلمود میں صراحۃً مذکور ہے کہ اس وقت فرعون نے کہا۔ ''میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ اے خداوند تیرے سوا کوئی خدا نہیں''۔ (تفہیم القرآن) (2)

۱۲۴ ہوسکتا تھا کہ سمندر کی بے رحم موجیں اس کی نعش کو کہیں دور بہالے جاتیں اور سمندر کا کھارا پانی تھوڑی دیر میں اس کے گوشت

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 156 2۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 10-309

نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ

بچالیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں سے) تاکہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لیے (عبرت کی) نشانی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ

النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ

اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں ۱۲۵ اور ہم نے عطا فرمایا بنی اسرائیل کو بہترین

صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ

ٹھکانا ۱۲۶ اور ہم نے انھیں پاکیزہ رزق بخشا پس انھوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ آگیا ان کے پاس (حقیقت کا)

الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا

علم۔ (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روزِ قیامت جن باتوں میں وہ

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ

جھگڑا کیا کرتے تھے اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعہ) تیری طرف اتارا

پوست کو گلا کر رکھ دیتا یا بحری جانور اسے نگل جاتے اور اس کا کوئی نشان تک باقی نہ رہتا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ دنیا خدائی کے جھوٹے مدعی کے ہولناک انجام کو فراموش کر دے چنانچہ موجوں کو حکم ملا اور انہوں نے اس کے بے روح جسم کو اٹھا کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا یہ جگہ آج بھی جبلِ فرعون کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں فرعون کی لاش کو سمندر نے پھینکا تھا اس کی لاش کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی اس کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ نیز باقی لوگوں کے لیے بھی اس میں درسِ عبرت ہے۔ مصر میں ایسے مسالے ایجاد ہو چکے تھے جن کے استعمال سے لاش کو گلنے سڑنے سے بچایا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں بادشاہوں اور امراء کی لاشوں کو ممی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے مصر کے شاہی قبرستانوں سے متعدد ممی شدہ لاشیں نکالی ہیں جو محفوظ ہیں۔ مصر کے عجائب گھر (دارالآثار) میں ایک لاش موجود ہے جس کے متعلق ماہرینِ اثریات کا خیال ہے کہ یہ فرعون موسیٰ (رعمسیس ثانی) کی لاش ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔ (تفہیم القرآن) (1)

۱۲۵ کاش لوگ گزرے ہوئے نافرمانوں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے اور اس راہ پر نہ چلتے جن پر چل کر ان کے کئی پیشرو بربادی و نامرادی کے گڑھوں میں گر کر ہلاک ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ ایسا نہیں۔ اگرچہ قدم قدم پر عبرت کی نشانیاں اپنی زبانِ

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 310

الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور ہرگز نہ ہونا ان لوگوں سے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ

جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ۱۲۷ ورنہ تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں سے۔ بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے

عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ

جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۲۸ اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ

جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں درد ناک عذاب ۱۲۹ پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ ۱۳۰ کوئی بستی ایمان لاتی تو

حال سے انہیں متنبہ کر رہی ہیں لیکن غافل انسانوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہیں جو انہیں راہوں پر سرپٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

۱۲۶ یعنی فرعون کے غرقاب ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کیا اور انہیں بسنے کے لیے ایک زرخیز اور شاداب خطۂ زمین (فلسطین اور اُردن) مرحمت فرمایا اور انہیں کھانے کے لیے پاکیزہ اور لذیذ چیزیں فراہم کیں۔

مُبَوَّاَ: ٹھہرنے کی جگہ، مسکن۔ صدق کا معنی عمدہ پسندیدہ اَیْ مَنْزِلًا صَالِحًا مَّرْضِیًّا (بحر) (1)

مبوأ کو صدق سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی توصیف کرتے ہیں تو اسے صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی یہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اُترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کر دے گی۔ اِنَّمَا وُصِفَ الْمُبَوَّاُ بِکَوْنِہٖ صِدْقًا لِاَنَّ عَادَۃَ الْعَرَبِ اَنَّھَا اِذَا مَدَحَتْ شَیْئًا اَضَافَتْہُ اِلَی الصِّدْقِ تَقُوْلُ رَجُلُ صِدْقٍ، قَدَمُ صِدْقٍ الخ (رازی) (2)

۱۲۷ ان دو آیتوں میں بھی خطاب عام انسان کو ہے۔ ۱۲۸ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس کے علمِ ازل میں جو دولتِ ایمان سے محروم ہیں انہیں ہزار معجزے دکھائے جائیں ہزار دلیلیں سنائی جائیں وہ حق قبول نہیں کریں گے۔

۱۲۹ یہاں تک کہ انہیں عذابِ الٰہی گھیر لے۔ اس وقت انہیں ہوش آئے گا اور وہ کفِ افسوس ملیں گے لیکن کیا حاصل۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 190 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 165

فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸

رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انھیں ایک مدت تک۔

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ

اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب [۱۳۱] کیا آپ

۱۳۰ لَوْلَا بمعنی هَلَّا سرزنش اور توبیخ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ لوگ کیوں ایمان نہ لائے تا کہ عذاب الٰہی سے بچ جاتے؟(1)
ابن عطیہ نے کہا ہے کہ لفظی اعتبار سے یہ استثناء منقطع ہے لیکن معنوی لحاظ سے یہ متصل ہے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے: مَا آمَنَ مِنْ اَهْلِ قَرْيَةٍ اِلَّا قَوْمُ يُوْنُسَ (2)۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ عذاب اُن پر آیا لیکن ان کی گریہ وزاری اور نالہ وبکا کی وجہ سے ٹال دیا گیا اور یہ اسی قوم کی خصوصیت ہے کہ نزولِ عذاب کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی (3)۔ لیکن زجاج کا قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہیں ہوا تھا بلکہ صرف اس کی علامتیں اور آثار نمودار ہوئے تھے کہ انہوں نے صدقِ دل سے توبہ کر لی۔ یا یہ کہ عذاب نے ابھی ان کو اپنے نرغہ میں نہیں لے لیا تھا جس طرح فرعون کو موجوں نے گھیر لیا تھا بلکہ جب انہوں نے دور سے کالے بادل منڈلاتے دیکھے تو سجدوں میں گر پڑے اور رو رو کر معافی مانگنے لگے ان کی مثال ایسے بیمار کی تھی جس پر بیماری کا حملہ اگرچہ شدید ہو لیکن بچ جانے کے امکانات بھی ابھی موجود ہوں۔ علماء نے زجاج کے اس قول کو بڑا پسند کیا ہے۔ قَالَ الزَّجَاجُ: اِنَّهُمْ لَمْ يَقَعْ لَهُمُ الْعَذَابُ وَ اِنَّمَا رَأَوُا الْعَلَامَةَ الَّتِيْ تَدُلُّ عَلَى الْعَذَابِ وَلَوْ رَأَوْا عَيْنَ الْعَذَابِ لَمَا نَفَعَهُمُ الْاِيْمَانُ۔ قُلْتُ قَوْلُ الزَّجَاجِ حَسَنٌ۔ (قرطبی)(4)
وَقَالَ الزَّجَاجُ: هٰؤُلَاءِ دَنَا مِنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَمْ يُبَاشِرْهُمْ كَمَا بَاشَرَ فِرْعَوْنَ فَكَانُوْا كَالْمَرِيْضِ الَّذِيْ يَخَافُ الْمَوْتَ وَيَرْجُو الْعَافِيَةَ فِيْهِ فَاَمَّا الَّذِيْ يُبَاشِرُهُ الْعَذَابُ فَلَا تَوْبَةَ لَهٗ۔ (بحر محیط)(5)

۱۳۱ بظاہر تو یہ چیز بڑی خوش آئند معلوم ہوتی ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ نورِ حق سے مُنوّر رہو، ہر طرف سے اِلَّا اللّٰہ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہوں، محبت و پیار کا زمزم بہہ رہا ہو، احسان و مروت کی کارفرمائی ہو، کوئی بھی حق کا منکر نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تکوینی مصلحتیں اس کی مقتضی نہیں۔ ذکر وفکر کی محفلیں تو فرشتوں کے دم سے پہلے ہی آباد تھیں۔ آسمان کی وسعتوں میں کوئی چپہ ایسا نہ تھا جہاں ملائکہ اپنی نورانی پیشانیوں سے سجدہ ریز نہ ہوں۔ بایں ہمہ محفلِ کائنات اُداس تھی۔ کسی خلیل نے آتشکدۂ نمرود میں ابھی چھلانگ نہیں لگائی تھی۔ حسن وشباب کی ساری انگیختوں اور اشتعال انگیزیوں اور طبعی تقاضوں کو کسی یوسف نے ابھی پائے حقارت سے ٹھکرایا نہیں تھا۔ یدِ بیضا نے عصا کلیمی کو جنبش دے کر کسی فرعون کا غرور خاک میں ملایا نہیں تھا۔ ابھی تک احد وحنین کے

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج4، ص81 (مفہوم) 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز8، ص384 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص195

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ

مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو۔ یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں اور کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ

تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

ایمان لاسکے بغیر حکمِ الٰہی کے۔ ۱۳۲ے اور (سنتِ الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) آلودگی ان لوگوں پر جو

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا

بے سمجھ ہیں فرمایئے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں ۱۳۳ے اور فائدہ

تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ

نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ۱۳۴ے پس

سنگریزے عشاقِ باوفا کے خونِ ناب سے رنگینِ قبا نہیں ہوئے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ بزمِ ہستی ان مناظر کے بغیر ناتمام معلوم ہو رہی تھی۔ یہ کمی تب ہی پوری ہوسکتی تھی کہ افرادِ انسانی کو متنوع صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا جاتا اور ان کو بروئے کار لانے کے لیے انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ ان کی نشوونما کے لیے ایسا ماحول مہیا کیا جاتا جہاں نیکی اور بدی دونوں پنپ سکیں، جہاں حق و باطل دونوں کے لیے زندہ رہنے کی گنجائش ہو۔ اس لیے خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا کیا، اس میں طرح طرح کی صلاحیتیں رکھیں، اسے ہدایت و ضلالت کی راہوں سے آگاہ کر دیا اور پھر اسے عمل کی آزادی مرحمت فرمائی۔ اور انہیں بتا دیا کہ یہ دارالعمل ہے جو بوؤ گے وہی کاٹنا پڑے گا۔ اے محبوب! اگر تیرا رب چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ راہِ حق اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ کے الفاظ میں مکرر غور کرو۔ کیا لطف ہے! رب تو وہ ساری کائنات کا ہے لیکن ربوبیت کا جو خصوصی تعلق اے یتیمِ مکہ! تیری ذات سے ہے وہ کسی سے نہیں، نہ عرش سے نہ کرسی سے، اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ (سورۃ الضحیٰ:6) کا شرف صرف تیری ذات کو ہی حاصل ہے۔ عَلَيْكَ الصَّلٰوةُ يَا اَحَبَّ خَلْقِ اللّٰهِ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا عُرُوْسَ مَمْلَكَةِ اللّٰهِ۔

۱۳۲ے یعنی شرفِ ایمان سے فقط وہی مشرف ہوسکتا ہے جس کی یاوری توفیقِ الٰہی کرے اور بلاوجہ لوگوں کو نعمتِ ایمان سے محروم نہیں کر دیا جاتا اور بلاسبب ان پر کفر و خذلان کی ذلت تھوپ نہیں دی جاتی۔ فقط انہیں لوگوں کو توفیق سے محروم کیا جاتا ہے۔ جو فہم و عقل کی خداداد قوتوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے لیے انہیں استعمال نہیں کرتے۔

۱۳۳ے آپ انہیں فرمایئے کہ صحیفۂ کائنات کو ذرا غور سے دیکھیں، انہیں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے انفسی اور آفاقی دلائل نظر آئیں گے، ہر جگہ انہیں ہدایت کے چراغ جگمگاتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ لیکن اگر وہ آنکھیں بند رکھنے پر ہی مصر

يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ

وہ انتظار نہیں کر رہے مگر ان لوگوں جیسے حالات کا جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے آپ فرمائیے

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۱۰۲ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا

اچھا انتظار کرو۔ بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں ۱۳۵ (جب عذاب آجائیگا) پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۰۳ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

اور انھیں جو ایمان لائے۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم بچالیں گے اہلِ ایمان کو ۱۳۶ فرمائیے اے

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

لوگو اگر تمھیں کچھ شک ہو میرے دین کے بارے میں تو (سن لو) میں عبادت نہیں کرتا ان (بتوں)

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ

کی جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو مارتا ہے تمھیں

ہوں تو ان کی قسمت! عین دوپہر کے وقت وہ اندھوں کی طرح گھپ اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

۱۳۴ نُذُر: نذیر کی جمع ہے(1)۔ یعنی ان آیات اور شواہد سے فقط وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں طلبِ حق کا جذبہ ہو۔ لیکن جو حق کو حق سمجھتے ہوئے اس سے روگردانی کیے ہوئے ہوں اور واضح دلائل کے باوجود ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوں ان کے لیے نہ کوئی معجزہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ڈرانے والا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھ سکتا ہے۔

۱۳۵ حجت پوری ہو چکی، حق واضح ہو چکا۔ اب بھی وہ ایمان نہیں لا رہے۔ شاید وہ اس عذاب کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گمراہ قوموں پر نازل ہوا تھا اور انہیں ملیا میٹ کر گیا تھا۔ اگر ان کی یہی منشا ہے تو ان کی یہ حسرت بھی پوری کر دی جائے گی۔ انہیں کہیے کہ چندے انتظار کریں یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ اور فرمائیے میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت کا منتظر ہوں۔ ایام سے مراد یہاں دن نہیں بلکہ وہ واقعات اور حالات ہیں جن سے ان کے پیش روؤں کو سابقہ پڑا تھا۔ اَلْاَيَّامُ هٰهُنَا بِمَعْنَى الْوَقَائِعِ يُقَالُ فُلَانٌ عَالِمٌ بِاَيَّامِ الْعَرَبِ اَىْ بِوَقَائِعِهِمْ(2)۔ نیز عربی میں ایام کا لفظ عذاب اور نعمت و احسان دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح ارشادِ باری ہے: وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ۔ (3) ان کو اللہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 386 2۔ ایضاً 3۔ سورہ ابراہیم: 5

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں اہلِ ایمان سے ۱۳۸ نیز مجھے حکم دیا گیا ہے کہ، اپنا رُخ سیدھا کرے

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ

اِس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے ۱۳۹ اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے ۱۴۰ اور نہ عبادت کر

تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاؤ وَالْعَرَبُ تُسَمِّي الْعَذَابَ اَيَّامًا وَالنِّعَمَ اَيَّامًا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ (قرطبی) (1)

۱۳۶ یعنی کافروں پر جو تباہ کن عذاب نازل ہوگا اس سے اہلِ حق کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ بحرِ احمر کی چنگھاڑتی ہوئی موجیں جو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو تنکوں کی طرح بہا لے جائیں گی وہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کے لیے خدمتگاروں کی طرح راستہ بناتی جائیں گی۔ آندھی کے زوردار جھٹکے جو قومِ عاد کی بستی کو زیروزبر کر کے رکھ دیں گے جب ان کا گزر حضرت لوط اور ان کے گھرانے کے پاس سے ہوگا تو ان کی تندی نرمی سے بدل جائے گی اور ایسے معلوم ہوگا کہ نسیمِ صبح کے جھونکے ہیں جو خفتہ غنچوں کو بیدار کرنے کے لیے سمتِ چمن رواں ہیں۔

۱۳۷ اپنے بندوں سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم ان پر آنچ نہیں آنے دیں گے اور ہمارا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے اس میں خلف نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

۱۳۸ کفارِ مکہ کو صاف صاف بتایا جا رہا ہے کہ دلائل و براہین کی روشنی پھیل چکی ہے اور کوہ و دمن جگمگا رہے ہیں اور تم ابھی تک شک اور تردّد کا شکار ہو تو ہو مجھے تو تمہارے مذہب کے جھوٹا ہونے اور تمہارے عقائد کے باطل ہونے میں ذرا تامل نہیں۔ اس لیے میں تو کسی قیمت پر تمہارے ان پتھر کے گھڑے ہوئے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سرِ نیاز تو صرف اس قادر و قیوم کی بارگاہِ صمدیت میں جھک سکتا ہے جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی اور موت دونوں ہیں۔ میں تو یہ نادانی نہیں کر سکتا کہ اسے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا معبود بناؤں۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس حکم سے سرتابی کی مجھ میں تو ہمت ہے نہیں۔ تم دنیا بھر کی دولت لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو یا مجھ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دو، میں جادۂ حق سے سرِ مُو انحراف نہیں کروں گا۔

۱۳۹ نیز مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اس دینِ برحق کی طرف اپنا رُخ سیدھا کر لو۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی طرف رُخ کیا جاتا ہے تو اس کے علاوہ تمام دوسری چیزوں سے منہ مڑ جاتا ہے۔ اگرچہ اَقِمْ وَجْهَكَ کے حکم میں جو جلال ہے وہ کسی مزید توضیح کا محتاج نہیں لیکن اس مضمون کی اہمیت کے پیشِ نظر حَنِيْفًا کا اضافہ فرمایا۔ یہ اقم کی ضمیر خطاب سے حال ہے اور اس کا معنی ہے ہر باطل سے منہ موڑ کر ہمہ تن حق کی طرف متوجہ ہو جانا یعنی اے ہادئ عالم! ہر باطل سے خواہ وہ کسی رنگ میں ہو، کسی روپ میں ہو اپنا منہ موڑ لو اور کمال یکسوئی کے ساتھ صرف اس دینِ حق کی طرف رُخ کر لو (2)۔ سچ تو یہ ہے کہ دینِ اسلام قبول کر لینے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج8، ص 386 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 198

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے تجھے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے تجھے ۱۴۱ اور اگر تو ایسا کرے گا تو پھر تیرا شمار

الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ

ظالموں میں ہوگا اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے بجز اس کے ۱۴۲ اور اگر

يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

ارادہ فرمائے تیرے لیے کسی بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔ سرفراز فرماتا ہے اپنے فضل وکرم سے جس کو چاہتا ہے اپنے

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ

بندوں سے اور وہی بہت مغفرت فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ (اے حبیب!) فرمائیے اے لوگو! بیشک آگیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

۱۴۳ تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے

کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی انفرادی یا اجتماعی، معاشی یا سیاسی رہنمائی کے لیے کسی اور نظام حیات کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ جب تک کتاب وسنت کا دامن ہم نے مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی بات وزن رکھتی تھی، ہماری سیرت پرکشش تھی اور ہمارے کردار میں ایک رعب تھا۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ (1)

۱۴۰ صرف یہی شرک تو نہیں کہ غیر خدا کو خدا مان لیا جائے۔ بلکہ اگر کوئی مدعی اسلام قرآن کے واضح احکام کو نظر انداز کر کے اپنی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے کسی غیر اسلامی نظام کی قیادت قبول کرنے کے لیے بیتاب نظر آتا ہے یا اپنے سیاسی نظام کو کسی دوسرے سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے یا اسے اسلام کا لایا ہوا تمدن پسند نہیں اور وہ اجنبی طرز تمدن پر فریفتہ ہو چکا ہے تو آپ اسے شرک کا مرتکب نہیں کہیں گے تو کیا مومن کہیں گے؟ وہ اربابِ اختیار جنہیں قوم کی رہنمائی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے انہیں قرآنِ مجید کے اُس پُرجلال ارشاد کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

۱۴۱ جب نفع وضرر کا کلی اختیار اسی کے دستِ قدرت میں ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرنا کتنی بڑی نادانی ہے

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، بال جبریل، غزلیات (حصہ دوم)، ص 477

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لیے اور میں تم پر نگران نہیں ہوں ۱۴۴ اور (اے حبیب!) آپ پیروی کرتے

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩

رہیں جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف اور (ظلم کفار پر) صبر کیجیے یہاں تک کہ فیصلہ فرمادے اللہ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ ۱۴۵

ع ۱۱ / ۱۶

لَاتَدْعُ: لَا تَعْبُدْ (قرطبی وغیرہ)(1)

۱۴۲ اللہ جل مجدہٗ کی قدرتِ کاملہ کا ذکر کس دلنشین پیرایہ میں کیا جا رہا ہے۔

۱۴۳ اے مکہ کے باشندو! اے عرب کے رہنے والو! بلکہ اے آدم کی ساری اولاد! کان کھول کر سن لو! مطلعِ ہدایت پر آفتابِ محمدی طلوع ہو چکا۔ نیکی کی شاہراہ جگمگا اٹھی۔ شک وشبہ کی دھند دور ہوگئی۔ تبلیغِ حق کا حق ادا کر دیا گیا۔ اب تمہاری مرضی دعوتِ حق کو قبول کرو یا گمراہی کے گڑھے میں پڑے رہو۔ تم کوئی سا طرزِ عمل اختیار کرو تم آزاد ہو۔ لیکن ایک بات یاد رہے کہ اگر رشد و ہدایت کا راستہ اختیار کرو گے تو تمہارا اپنا بھلا ہوگا۔ اور غلط روی سے باز نہ آئے تو اس کا نقصان بھی صرف تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔

۱۴۴ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

۱۴۵ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ واجمل التسلیم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب! آپ ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ جو وحی آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے بے خوف وخطر اس پر عمل پیرا رہیں۔ ان کی اذیت رسانیوں اور دل آزاریوں پر صبر فرماتے رہیں۔ فیصلہ کی گھڑی آرہی ہے۔ فیصلہ کرنے والا خود رب العلمین ہوگا اور وہی سب سے بہتر اور صحیح فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِىْ بِتَوْفِيْقِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهِ الَّذِىْ بِجَاهِهٖ تُقْبَلُ الْحَسَنَاتُ وَيَحْفَظُ السَّالِكُ عَنِ الْعَثَرَاتِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مَنَابِعِ الْخَيْرَاتِ وَ مَصَادِرِ الْبَرَكَاتِ۔

۴۔ ربیع الثانی یوم الخمیس ۱۳۸۷ھ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 8، ص 388

سُورَۃ ھُود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے اس مناسبت سے اسے آپ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ ایک سو تیئیس (۱۲۳) آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ایک ہزار چھ سو اور حروف کی تعداد ۹۵۶۷ ہے۔

نزول: ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا(1)۔ قرائن اس بات پر شاہد ہیں کہ سورۂ یونس کے فوراً بعد یہ سورت نازل ہوئی اسلامی دعوت کا یہ وہ نازک دور ہے جب سنگین مزاحمتوں کے باوجود اسلام کا نور کفر و شرک کے پختہ مورچوں کو سر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے جس کے باعث کفار و مشرکین آتش زیر پا ہو گئے ہیں۔ اپنے ترکشِ جور و جفا کا ہر تیر آزمانے پر اُتر آئے ہیں۔ اسلام اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کی ہرزہ سرائی اور بہتان طرازی خِسّت و کمینگی کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ نادار اور بے بس مسلمانوں پر انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ ان حالات میں اس سورت کا نزول ہوتا ہے۔

مضامین: پہلے دو رکوعوں میں حسبِ سابق بڑے موثر پیرایہ میں کفار کے سامنے اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، وحی، رسالت اور قیامت پیش کیے گئے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ ذات جس کا علم اتنا وسیع اور محیط ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ اُس کے آغاز کی بھی اسے خبر ہے اور اس کے انجام پر بھی وہ آگاہ ہے۔ جس کے جود و سخا کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے جاندار کو اس کی مخصوص خوراک مطلوبہ مقدار میں مناسب اوقات پر فراہم کر رہا ہے۔ اور جس کی قدرت و حکمت کی یہ کیفیت ہے کہ بلندیوں (سماوات) اور پستیوں (ارض) کو اور ان میں جو کچھ ہے اس نے پیدا فرمایا۔ خود غور کرو! جس کا علم اتنا محیط، جس کا دسترخوانِ کرم اتنا وسیع، جس کی قدرت اتنی بے پایاں اور جس کی حکمت اتنی حیران کن ہو کیا اس کی الوہیت میں شک کی کوئی گنجائش ہے؟ اور اس کے سوا کوئی اور ایسا ہے جس میں ان کمالات کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو؟ تاکہ خدائی اور الوہیت میں وہ اس کے شریک ہونے کا مدعی بن سکے۔ اور کیا ایسی قادر و توانا ہستی کے لیے تمہیں مارنے کے بعد زندہ کرنا کوئی مشکل کام ہے؟ ہرگز نہیں۔

پھر انہیں فرمایا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو پھر تم سب مل کر اس کی مثل کیوں پیش نہیں کر دیتے؟ زیادہ نہیں تو دس سورتیں ہی اس جیسی بنا لاؤ۔ اگر ملکِ سخنوری کے تاجدار ہونے کے باوجود تم دس سورتیں بھی پیش کرنے سے قاصر ہو تو پھر بے جا ضد نہ کرو اور مان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا لانے والا اس کا سچا رسول ہے۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزِ اول سے ہی ان لوگوں کو اسلام کے ان بنیادی عقائد کی دعوت بڑی دلسوزی اور خلوص سے دے رہے تھے۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور ان کا رویّہ اسلام کے خلاف سخت سے سخت ہو رہا تھا۔ کوئی دلیل ان پر کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ کسی معجزہ سے ان کی چشمِ خرد کو بینائی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے اس سورت میں بڑی وضاحت سے ان کے سامنے ان پہلی قوموں کے حالات بیان کیے گئے جنہوں نے

1۔ درمنثور، ج3، ص576، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت

اپنے انبیاء کے ساتھ ان جیسا سلوک کیا اور پھر جس ہولناک انجام سے وہ دوچار ہوئے اس پر بھی ان کو آگاہ کیا۔ کفارِ عرب کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی دعوت کو جو حقارت سے ٹھکراتے ہیں، ان کی مخلصانہ مساعی کا جو بدبخت مذاق اُڑاتے ہیں۔ انبیاء کے پیروکاروں کی غربت، افلاس کے باعث ان کی محفل میں بیٹھنا اور ان سے ہمکلام تک ہونا جو لوگ اپنے لیے کسرِ شان سمجھتے ہیں ان کی مہلت کی گھڑیاں جب ختم ہو جاتی ہیں اور غور وفکر کرنے کے لیے جو فرصت انہیں دی جاتی ہے وہ انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر ان پر قہرِ خداوندی کی بجلی کڑکتی ہے اور ان کی ساری عظمتوں اور نخوتوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اے کفارِ عرب! اگر تم اس انجامِ بد سے بچنا چاہتے ہو تو آج آنکھیں کھولو اور دینِ حق کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔

ایک بات توجہ طلب ہے۔ ہر قوم، ہر معاشرہ اپنے مخصوص، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کے زیرِ اثر مختلف قسم کی غلط کاریوں کا شکار ہوتا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے جب کوئی مصلح میدان میں نکلتا ہے تو اس کی قوم کا ردِ عمل بھی خاص نوعیت کا ہوتا ہے۔ کہیں قومِ نوح کی طرح جہالت کی تاریکی اور تقلید کا جمود اپنے پنجے گاڑے ہوتا ہے اور کہیں قومِ لوط کی طرح عیش و عشرت اور نفس کی ہوسناکیوں نے اخلاقی انحطاط اور آوارگی پیدا کر دی ہوتی ہے۔ کہیں قومِ شعیب کی مانند تجارت کی ہماہمی نے کاروباری بددیانتی کا بازار گرم کر دیا ہوتا ہے۔ اور کہیں قومِ ثمود کی طرح صنعت و حرفت میں ترقی کے باعث ذہن بگڑ چکے ہوتے ہیں اور دل مسخ ہو جاتے ہیں اور کہیں فرعونی استبداد نے قوم سے آزادیٔ فکر وعمل کی صلاحیتیں سلب کر لی ہوتی ہیں اور جب کوئی مصلح اصلاحِ احوال کے لیے کوشاں ہوتا ہے تو اُسے مختلف قسم کے ردِ عمل سے واسطہ پڑتا ہے۔

انبیاءِ سابقین کی بعثت کیونکہ صرف ایک مخصوص حلقہ کے لیے اور ایک محدود وقت تک تھی۔ اس لیے ان کی تعلیمات بھی انہیں مقامی اور وقتی ضروریات کے مطابق تھیں۔ لیکن وہ مرشدِ اعظم اور ہادیٔ اکمل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام اقوام کے لیے اور قیامت تک کے لیے تشریف فرما ہوا اس نے ہر معاشرہ کی اصلاح کرنا تھی اور بوقلموں حالات سے دوچار ہونا تھا۔ اس کے مخاطب صحراؤں اور جنگلوں کے ناخواندہ عوام بھی تھے۔ اور شہروں اور آبادیوں کے متمدن باشندے بھی، ملوکیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے غلام بھی تھے اور صنعت وحرفت میں اوجِ کمال تک پہنچے ہوئے لوگ بھی، دولت وثروت کے خمار سے مخمور بھی اور مفلس وخستہ حال بھی۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مختلف طبقوں میں پیدا ہونے والی متنوع غلط کاریوں کی اصلاح کرنا تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی سیرتوں، اور اپنے انبیاء پر ان کے اعتراضات اور دعوتِ حق کے مقابلہ میں ان کا ردِ عمل، ایک ایک کر کے بیان فرما دیا تا کہ حضور کریم کو ان تمام احوال سے آگاہ کر دیا جائے جن سے حضورؐ کو دوچار ہونا تھا تا کہ کوئی بات خلافِ توقع نہ ہو اور کوئی ردِ عمل باعثِ حیرت واستعجاب نہ بنے۔

ان تمام امور کو اس سورۂ مبارکہ میں بڑے دلنشین اسلوب میں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں: **فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ**: (1) آپ اور آپ کے ساتھی حکمِ الٰہی کو بجالانے کے لیے حالات کی سنگینی اور ماحول کی ناسازگاری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مستعد اور ثابت قدم رہیں۔ اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ **نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ** (2) آپ کے دل کو ثبات وقرار نصیب ہو۔

آپ عبادتِ الٰہی میں سرگرم رہیں اور اس کی تائید ونصرت پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے سامنے دشمنانِ اسلام کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا اور فتح ونصرت آپ کے قدم چومے گی۔

1۔ سورۂ ہود: 112
2۔ سورۂ ہود: 120

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ ہود مکی ہے۔ اس کی آیتیں ۱۲۳ اس کے رکوع ۱۰
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾

الف لام را۔ یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنادی گئی ہیں جسکی آیتیں۔ پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (خدا) کی طرف

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ

سے کہ تم نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ کی بیشک میں تمھیں اس کی طرف سے ڈرانیوالا اور خوشخبری دینے والا ہوں اور یہ کہ

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (صدق دل سے) متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کریگا تمھیں زندگی کی راحتوں سے

۱۔ حروف مقطعات پر بحث سورۂ بقرہ اور سورۂ یونس کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر الٓرٰ سورت کا نام ہو تو وہ مبتداء ہوگی اور کتاب خبر، یا یہ مبتدا محذوف "هٰذا" کی خبر ہوگی اور اُحْكِمَتْ الخ جملہ کتاب کی صفت واقع ہوگی۔ (1)

۳۔ اُحْكِمَتْ اِحکام سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو یوں پختہ اور استوار کرنا کہ اس میں کسی خلل اور نقص کا گمان تک نہ رہے۔ اور فُصِّلَتْ تفصیل سے ہے، یعنی مدعا اتنا واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس کی گنجائش نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے پختہ ہے، اس میں کوئی جھول نہیں اور معنی کے اعتبار سے یہ ہر شک و التباس سے بالاتر ہے۔ یعنی صورۃً اور معنیً درجۂ کمال پر فائز ہے۔ اَیْ هِیَ مُحْكَمَةٌ فِیْ لَفْظِهَا مُفَصَّلَةٌ فِیْ مَعْنَاهَا فَهُوَ كَامِلٌ صُوْرَةً وَّمَعْنًی (ابن کثیر) (2) اور اس میں یہ استحکام اور تفصیل کہاں سے آئی؟ بتادیا کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو اپنے اقوال و افعال کے لحاظ سے حکیم ہے اور اپنے علم کے لحاظ سے ہر کام کے انجام سے اچھی طرح واقف ہے۔ اَیْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْحَكِیْمِ فِیْ اَقْوَالِهٖ وَاَحْكَامِهِ الْخَبِیْرِ بِعَوَاقِبِ الْاُمُوْرِ۔ (ابن کثیر) (3)

۴۔ اور اس کو اس شان و عظمت سے نازل کرنے کا مدعا کیا ہے؟ صرف یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ کسی کو اپنا معبود نہ بناؤ۔ تمہاری جبینِ نیاز صرف اسی کی بارگاہِ صمدیت میں زمین بوس ہو۔

۵۔ اور میری بعثت کی غرض و غایت یہ ہے کہ میں تمہیں اس کی نافرمانی کے انجامِ بد سے ڈراؤں اور اس کی اطاعت و بندگی پر حسنِ خاتمہ کی بشارت دوں۔

۶۔ میں تمہیں یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ اس سے پیشتر نادانی کی حالت میں یا شیطان کی انگیخت پر تم لغزشیں کرتے رہے ہو تو

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 184۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 66 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 435 3۔ ایضاً

إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُۥ ۖ وَإِن

اچھی طرح مقرر میعاد تک ۷ اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب) ۸ اور اگر

تَوَلَّوْا فَإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ إِلَى ٱللَّهِ

تم (یونہی) روگردان رہے تو میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ۹ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ

تمھیں لوٹ کر جانا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ سنو! وہ دُہرا کر رہے ہیں ۱۰ اپنے

اب ہی چشمِ ہوش کھولو اور کانپتے ہوئے دل، اشکبار آنکھوں سے سراپا عجز بن کر ان گناہوں کی مغفرت کے لیے التجا کرو۔ اور آئندہ کے لیے اپنی تمام کوششوں، سوچوں اور اعمال کا قبلہ اس کی ذات کو بنالو۔ دل وجان سے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ثُمَّ تُوبُوٓا إِلَيْهِ أَيِ ارْجِعُوٓا بِالطَّاعَةِ إِلَيْهِ (مظہری) (1) أَيِ ارْجِعُوٓا إِلَيْهِ بِالطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ۔ (2)

۷ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی لذتوں سے کنارہ کش ہو جائے۔ چہرہ پر محرومی کا غازہ لگالے اور غربت وناداری کے قفس میں پھڑ پھڑاتے رہنے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہاں بتایا جارہا ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کرلیا، اپنے گناہوں پر استغفار کرلی اور بقیہ زندگی میں اس کے ہو رہے تو تم کو ہر طرح کی لذت وراحت، عزت وآرام اور فوز وفلاح سے سرفراز کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا بن جانے کا یہ مقصد تو نہیں کہ انسان ہر قسم کی محرومیوں کا شکار ہو جائے بلکہ جو سچے دل سے اُس کا ہو جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، سچی خوشیوں اور حقیقی کامرانیوں سے اسے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ هٰذِهٖ ثَمَرَةُ الْاِسْتِغْفَارِ (قرطبی) (3)

۸ یعنی ہر نیک انسان کو اس کے اعمالِ حسنہ کی جزا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عطا فرماتا ہے۔ نیکیوں میں جتنا کوئی بڑھتا جائے گا اُسی انداز سے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خزانۂ عامرہ سے مالا مال کرتا جائے گا۔ فَضْلَهٗ کی ضمیر کا مرجع ذاتِ باری ہے۔ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ عَمَلٍ مِّنَ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَاتِ جَزَاءَ عَمَلِهٖ۔ (قرطبی) (4)

۹ اور اگر تم اپنی غلط روی سے باز نہ آؤ اور اپنے گزشتہ گناہوں پر سچے دل سے نادم نہ ہو تو پھر مجھے تمہارا انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی بُرے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ۔ یوم کبیر سے یا تو روزِ قیامت مراد ہے یا عذاب کا کوئی دن۔ (5)

۱۰ لغت میں يَثْنُوْنَ کسی چیز کو لپیٹنے، دوہرا کرنے اور تہ درتہ کرنے کو کہتے ہیں۔ ثَنَى يَثْنِيْ ثَنْيًا الشَّيْءَ: عَطَفَهٗ، طَوَاهُ، رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ۔ جب کپڑے کو تہ درتہ لپیٹا جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں ثَنَى الثَّوْبَ۔ کپڑے کی ایک تہ کو ثِنْيٌ ج اَثْنَاءٌ کہا جاتا ہے: اَثْنَاءُ الثَّوْبِ: اَطْوَاءُهٗ وَ مَطَاوِيْهِ۔ اور ثَنٰى کا صلہ جب عَنْ ہو تو اس کا معنٰی موڑنا، پھیرنا ہوتا ہے۔ ثَنَاهُ عَنْهُ: لَوَّاهُ وَحَوَّلَهٗ اور جب

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص67 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص3 3۔ ایضاً، ص4 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

اپنے سینوں کو تاکہ چھپالیں اللہ تعالیٰ سے (اپنے دلوں کا بغض) سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے ۱۱ ۔

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ۱۲ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔

اس کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو کسی چیز پر لپیٹ دینا تاکہ وہ اس میں چھپ جائے۔ ثَنَاهُ عَلَيْهِ: اَطْبَقَهٗ وَ طَوَاهُ لِيُخْفِيَهٗ۔ اس لغوی تحقیق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے یا وعظ فرماتے تو جو منافق اور کافر اس مجلس میں موجود ہوتے وہ اپنے سر جھکا لیتے اور اپنی سینوں کو دوہرا کر کے اپنی رانوں سے ملا لیتے تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہوں سے چھپ جائیں مبادا! حضور ان کی طرف متوجہ ہو کر براہِ راست ان سے خطاب فرمائیں اور انہیں ان کی کورباطنی پر سرزنش کر دیں یَسْتَخْفُوْا مِنْهُ میں مِنْهُ کی ضمیر کا مرجع ذاتِ پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء ہوگی۔ (1)

علامہ نیشاپوریؒ نے لکھا ہے کہ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کا معنی اعراض اور روگردانی کرنا ہے (2)۔ یعنی کفار و منافقین کی عادت یہ تھی کہ حضور فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب انہیں دعوتِ اسلام دیتے اور کفر و نفاق سے باز آنے کی انہیں تلقین کرتے تو بجائے اس کے کہ وہ اس ناصحِ مشفق کی نصیحت کو بطیبِ خاطر قبول کرتے وہ الٹا بے رخی اور سرد مہری کا مظاہرہ کرتے۔

صاحبِ تاج العروس نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے: ثَنٰى صَدْرَهٗ ثَنْيًا اَسَرَّ فِيْهِ الْعَدَاوَةَ اَوْ طَوٰى مَا فِيْهِ اسْتِخْفَاءً۔ (3) (تاج العروس) یعنی ''اس کا معنی ہے کسی کے متعلق سینے میں بغض و عداوت کے جذبات کو چھپانا''۔ اس تحقیق کی رو سے آیت کا مدعا یہ ہوگا کہ کفار و منافقین اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی دشمنی اور عداوت کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں تاکہ وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ظاہر نہ ہونے دیں اور پس پردہ حضور کو اذیت پہنچانے اور اسلام کی ترقی میں روڑے اٹکانے کے منصوبے بناتے رہیں اور سازشیں کرتے رہیں۔

۱۱ اَلَا (حرفِ تنبیہ) کو مکرر ذکر فرما کر ان کی غلط فہمی دور کر دی کہ وہ ان تمام کوششوں اور کاوشوں کے باوجود اپنے عزائم کو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ اس کے محبوبِ کریم کے متعلق بغض و عناد کے جو گھناؤنے جذبات انہوں نے اپنے دلوں کے نہاں خانوں میں بڑی مہارت سے چھپائے ہوئے ہیں وہ ان سے اچھی طرح آگاہ ہے بلکہ جب رات کے وقت وہ بستر پر دراز ہوتے ہیں، ہر طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوتا ہے اور ہو کا عالم ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کسی لحاف یا چادر میں لپیٹ لیتے ہیں اس وقت بھی وہ علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ان کی ہر حرکت کو جان رہا ہوتا ہے۔ تو ایسے ہمہ دان اور ہمہ بین خدائے ذوالجلال سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرنا محض نفس فریبی ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نادانو! تم کس سے چھپ رہے ہو اور کس سے اپنے دلوں کے نفاق اور اسلام دشمنی کو چھپا رہے ہو؟

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 68-67 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 209 3۔ تاج العروس، ج 10، ص 63

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ

اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اسکے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے ۱۳؎ اور وہی (خدا) ہے جس نے پیدا فرمایا

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں ۱۴؎ اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا ۱۵؎ (زمین و آسمان پیدا کیے)

اس ذاتِ پاک سے، اس ہمہ دان اور ہمہ بین سے جو تمہارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور تمہارے باطن کو بھی۔ جو تمہارے ان اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور ان کو بھی جن کا تم برملا ارتکاب کرتے ہو۔ وہ تو وہ ذات ہے جس سے تمہارے سینوں میں چھپا ہوا کوئی راز بھی مخفی نہیں۔ اس لیے اس ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

۱۳؎ سابقہ آیت میں ظاہر و باطن پر مطلع ہونے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے احوال سے ہی باخبر نہیں بلکہ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ہر ذی روح حیوان پر دَابَّۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اُطْلِقَ عَلٰی کُلِّ حَیَوَانٍ ذِیْ رُوْحٍ (کبیر وغیرہ) (1)

رزق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی جاندار کی غذا بنے اور اس میں اس کی روح کی بقاء اور جسم کی نشوونما ہو۔ اَلرِّزْقُ حَقِیْقَتُہٗ مَا یَتَغَذّٰی بِہِ الْحَیُّ وَیَکُوْنُ فِیْہِ بَقَاءُ رُوْحِہٖ وَنَمَاءُ جَسَدِہٖ (قرطبی) (2)

مُسْتَقَرٌّ: اسمِ ظرف، قرار پکڑنے کی جگہ مستودع بھی ظرف ہے، ودیعت رکھے جانے کی جگہ۔ مستقر سے مراد اُس دنیا میں اس کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ مستودع سے مراد اس کی قبر ہے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے دن کی جولان گاہ کو مستقر اور اس کی رات کی آرامگاہ کو مستودع کہا گیا ہے۔ کتابِ مبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے (4)۔ ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب آیت میں غور فرمائیے۔ بتایا جا رہا ہے کہ تم جانتے ہو کہ دنیا میں اَن گنت قسم کے جانور ہیں اور ہر قسم کے اتنے افراد ہیں کہ ان کا شمار کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ تو کون ہے جو چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ممولے سے لے کر شہباز تک، مینڈک اور جھینگے سے لے کر مگرمچھ تک ہر جاندار کو اس کی مخصوص خوراک مطلوبہ انداز پر بلاناغہ بہم پہنچا رہا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ وہ یہ ذمہ داری اُٹھا سکے؟ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا لنگر خانہ کھلا ہوا ہے جس کا دسترخوانِ کرم بچھا ہوا ہے۔ ہر چیز کو بروقت اس کی خوراک مہیا کر دی جاتی ہے۔ یہ اس نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے کہ وہ ہر چیز کی ضرورت کا انتظام خود فرمائے گا۔ اگر خداوندِ کریم کو ہر چیز کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو اسے خوراک کیسے پہنچائے گا؟ اب جب ہر چیز کو اس کی غذا مہیا کی جا رہی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور مرنے کے بعد بھی جہاں جہاں کوئی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز17، ص193
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص6
3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص204
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص8

مدفون ہوگا اس کا بھی اسے علم ہے۔ اے کفار! وہ خدا جس سے کسی چٹان میں چھپا ہوا کیڑا بھی مخفی نہیں، جو رات کے اندھیروں میں تاریک غار میں رینگنے والی چیونٹی کو بھی دیکھ رہا ہے، تم ہزار اس سے چھپنے کی کوشش کرو اس سے چھپ نہیں سکتے۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے بیان کے بعد اب اس کی قدرتِ کاملہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ قرآنِ مجید میں کائنات کی تخلیق کی مدت کو ستة ایام (چھ دن) کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے پہلے کئی مقامات پر بتایا جا چکا ہے کہ یوم کا لفظ جس طرح طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک کی مدت کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح اہلِ زبان مطلق وقت کے معنی میں بھی اسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یوم بمعنی دن کا آغاز تو سورج کی تخلیق کے بعد ہوا اور یہ جس زمانہ کا ذکر ہے اس وقت نہ سورج تھا اور نہ اس کا طلوع وغروب، نہ دن تھا اور نہ رات تھی۔ اس لیے یہاں اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ مطلق وقت کے معنی میں ہی یہ مستعمل ہوا ہے۔ یعنی آسمان وزمین کی تخلیق چھ دوروں میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ ہر دور کی مقدار کتنی تھی۔ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس کی وضاحت نہ قرآنِ کریم نے کی ہے اور نہ سنتِ نبوی میں اس کا ذکر ہے اور نہ ہی تخلیق کائنات کی تفصیل، اس کے دوروں کا تعین۔ ہر دور میں رونما پذیر ہونے والے تغیرات کا بیان قرآن کے اغراض ومقاصد میں داخل ہے۔

آج اس آیت کی وضاحت کے سلسلہ میں جہاں اور ورق گردانی کی وہاں دورِ غلامی کے ابتدائی ایام کی ایک مقتدر اور مشہور شخصیت کی نگارشات کے مطالعہ کا موقع بھی ملا۔ ان کا یہ مضمون سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن افسوس کہ تسکینِ قلب کا سامان نہ مل سکا۔ بلکہ ان کی ذہنی مرعوبیت پر دل بُری طرح تلملاتا رہا۔ ان کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں جو کئی مقامات پر مذکور ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق چھ دن میں ہوئی، یہ بات مبنی بر حقیقت نہیں بلکہ یہود کے مزعوماتِ باطلہ کے پیشِ نظر کہی گئی ہے۔ انہیں کا ایک فقرہ سنئے، وہ فرماتے ہیں کہ اِن آیات میں ''دنیا ومافیہا کا چھ دن میں بننا بطور بیانِ حقیقت واقع نہیں بلکہ نقلاً علیٰ اعتقاد الیہود کہا گیا۔'' گویا قرآن کو اظہارِ حقیقت اور بیانِ صداقت سے کوئی سروکار نہیں بلکہ اسے تو فقط خصم پر الزامی حجت قائم کرنا ہے۔ چلو اس وقت تو حجت قائم ہوگئی اور کام چل گیا، لیکن جب کہ سائنسی تحقیقات نے یہودی مفروضات کو غلط ثابت کر دیا تو اب فرمائیے عصرِ حاضر کے طالبانِ ہدایت کے لیے قرآن میں کون سی جاذبیت پائی گئی؟ آج اسے کون اللہ تعالیٰ کا کلام مانے گا؟ اس کے دوسرے دلائل پر کون اعتماد کرے گا؟

''ستہ ایام'' (چھ یوموں) کی جو تحقیق میں نے پیش کی ہے اور جسے بیشتر مفسرین نے پسند فرمایا ہے، اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا اور صفحوں پر صفحے لکھتے چلے گئے۔ صرف یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ ان دنوں سے مراد یہی ہمارے بارہ چودہ گھنٹے کے دن ہیں۔ چنانچہ دادِ تحقیق دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ''علمائے اسلام نے بھی جہاں جہاں قرآنِ مجید میں دنیا ومافیہا کے چھ یوم میں پیدا کرنے کا ذکر آیا ہے یوم کی مدت بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے تو ایام سے ایامِ آخرت مراد لیے ہیں۔ جس کے ہر ایک دن کی مقدار ہزار برس کے برابر خیال کی ہے اور کسی نے ستة ایام سے ستة احوال مراد لیے ہیں اور کسی نے ستة اطوار اور کسی نے مجرد الحین والوقت۔ مگر جب ہمارا یقین یہ ہے کہ اس باب میں جو کچھ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے وہ نقلاً علی اعتقاد الیہود ہے نہ بطورِ بیانِ حقیقتِ واقعہ کے تو ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' ص ۶۸، مقالاتِ سرسید حصہ چہارم (1)۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرماویں کہ اس قسم کا اندازِ تفسیر کہاں تک پسندیدہ ہو سکتا ہے؟

1۔ مقالات سرسید، ج 4، ص 68، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ

تاکہ آزمائے تمھیں کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل کے لحاظ سے ۱۶ اور اگر آپ (انھیں) کہیں کہ یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے موت

بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کے بعد ۱۷ تو ضرور کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا

اور اگر ہم ملتوی کر دیں ان سے عذاب کچھ عرصہ تک تو (از راہِ مذاق) کہیں گے کہ کس چیز نے روک دیا

يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

ہے اس عذاب کو ۱۸ وہ کان کھول کر سن لیں جس دن عذاب آجائیگا ان پر تو نہیں پھیرا جاسکے گا ان سے اور گھیر لے گا انھیں وہ (عذاب)

۱۵ اس سے یہ بتایا گیا کہ ارض وسما سے پہلے پانی کی تخلیق ہو چکی تھی (1) اور یہی اصلِ کائنات ہے اور یہی منبعِ حیات ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (2) یعنی "ہم نے پانی کے ذریعہ ہر چیز کی زندگی کا سامان فراہم کیا"۔ اس پانی کی حقیقت کیا تھی؟ کیا وہ یہی پانی تھا یا کوئی مائع (بہنے والی چیز) تھی جسے سیال ہونے کی مناسبت سے پانی فرمایا گیا؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶ تخلیق انسان کا مقصد بتایا کہ یہ دیکھنا ہے کہ انسان کو عقل وعمل کی جو گرانقدر قوتیں بخشی گئی ہیں انہیں وہ کس طرح استعمال کرتا ہے۔ کیا اس کے علم وعمل سے گلشنِ ہستی میں بہار آتی ہے یا تباہی اور بربادی کی خاک اُڑنے لگتی ہے؟ کیا وہ اپنی زبان اور اپنے قلم کو انسانیت کے چاک گریبانوں کو رفو کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے یا وہ انسان کی قباءِ شرف کو تار تار کر دیتا ہے؟ کیا اس نے اپنی ساری صلاحیتیں نفس پرستی، عیش کوشی اور فتنہ پردازی میں ہی صرف کر دیں یا اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انہیں استعمال کیا؟ اس آزمائش کے لیے حضرت انسان کو پیدا فرمایا گیا۔ یہ دنیا کھیل کود کا میدان نہیں ہے بلکہ امتحان گاہ ہے۔ ہر قدم اُٹھانے سے پہلے خوب غور وفکر کر لینا چاہیے کہ یہ ہمیں کدھر لے جائے گا۔

۱۷ خود تو وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں اور اگر انہیں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس عمرِ عزیز کو یونہی ضائع نہ کرو، ان قوتوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے وبالِ جان نہ بنو، تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا، بارگاہِ خداوندی میں تمہاری پیشی ہوگی، اور تم سے ان اعمال پر محاسبہ کیا جائے گا تو اُلٹا الزام لگانے لگتے ہیں کہ جس کتاب کی آیتیں پڑھ کر تم ہمیں سناتے ہو یہ تو کوئی جادو منتر کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نہیں۔

۱۸ یعنی ان منکرینِ حق کا نرالا انداز ہے۔ جب ان کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے تو اسے رد کر دیتے ہیں۔ جب ان کے اس بلا

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 194 2۔ سورۃ الانبیاء: 30

مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ

جس کا وہ تمسخر اُڑایا کرتے تھے ۱۹ اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر

نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ

ہم چھین لیں اس رحمت کو اس سے۔ تو وہ بڑا مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے ۲۰ اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ۲۱ تو وہ

وجہ انکار پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے تو بڑی شوخی اور بیباکی سے کہتے ہیں: لے آؤ اس عذاب کو۔ دیکھیں تو وہ کیسا ہوتا ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت اور مصلحت کے باعث نزولِ عذاب میں تاخیر فرماتا ہے تو اسے اس کا احسان خیال نہیں کرتے اور ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے الٹا طعنے دینے لگتے ہیں کہ کہاں گیا وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرایا کرتے تھے؟(1)

۱۹ انہیں بتایا جارہا ہے کہ جب مقررہ گھڑی آپہنچے گی تو عذاب الٰہی تم پر نازل ہوگا۔ اس وقت تم چلاؤ گے، شور مچاؤ گے، بھاگنے کی کوشش کرو گے لیکن سب بے سود۔ وہ عذاب تمہیں نیست ونابود کردے گا۔ اس لیے ان مہلت کی گھڑیوں کو ضائع نہ کرو۔ رحمت کا دروازہ کھلا ہے آؤ توبہ کرو، معافی مانگ لو، بخش دیئے جاؤ گے۔

۲۰ انسان کو اس زندگی میں مختلف قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی اس کے مطلع حیات پر خوشی کے ستارے جگمگاتے ہیں اور کبھی اسے ایسی شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا اسے تصور تک بھی نہیں ہوتا۔ کبھی وہ تندرست وتوانا ہوتا ہے اور کبھی بیمار ورنجور۔ ان مختلف حالات میں دو قسم کے انسانوں (کافر ومومن) کا جو طریقِ کار اور ردِّعمل ہوتا ہے اس کو ان آیات میں بڑے مؤثر پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی بھلائی اور اپنے وقار کی خاطر بہتر راستہ اختیار کرسکے۔ انسانی نفسیات کا یہ ایسا حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے جس میں شک وشبہ کی ذرا گنجائش نہیں۔

آیت کے چند تشریح طلب الفاظ: اَلْاِنْسَانَ سے جنسِ انسان مراد ہے، کسی خاص شخص یا قوم کی تخصیص نہیں۔ رحمۃً سے مراد صحت، امن وعافیت، اقبال مندی، خوشحالی غرضیکہ ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے۔ يَئُوْسٌ: مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بالکل مایوس ہو جانے والا، جسے حالات کے بہتر ہونے کی کوئی توقع ہی نہ رہے۔ كَفُوْرٌ: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ناشکری کرنے والا(2)۔ پہلے جب اسے گوناں گوں نعمتوں سے نوازا گیا تھا تو اس نے کبھی اپنے مالک کا شکریہ ادا نہ کیا۔ اور اب بھی اگرچہ اس کی زندگی کا ایک گوشہ تاریک ہے لیکن کئی گوشے ایسے بھی تو ہیں جہاں سکون وطمانیت کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ تھوڑی سی تکلیف پر اس کا دوسری نعمتوں سے بھی آنکھیں بند کرلینا کیا یہ ناشکری نہیں؟

۲۱ اگر ہجوم مصائب سے اسے نجات دے دی جاتی ہے تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم کیا اور میری بے کسی پر رحم فرمایا ہے بلکہ مصائب کے ٹل جانے کو حادثاتِ روزگار سے منسوب کرتا ہے۔ لَا يَنْسِبُ ذِهَابَ السَّيِّئَاتِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يَشْكُرُهٗ بَلْ يَنْسِبُهٗ اِلٰى عَادَةِ الدَّهْرِ (مظہری)(3) فَرِحٌ: فرح کہتے ہیں اس لذت کو جو مطلوب کے حاصل ہونے پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ فَخُوْرٌ: مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی اس پر وہ اترانے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ عزتیں، یہ اقبال مندیاں، یہ مال ودولت کی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز17، ص97-196 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص71 3۔ ایضاً

مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۙ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ

کہ اٹھتا ہے کہ دُور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ بڑا خوش ہونیوالا اترانے والا ہے۔ مگر وہ لوگ جو

صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰۤـئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

صبر کرتے ہیں ۲۲ اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے) وہی ہیں جن کے لیے بخشش بھی ہے اور بڑا اجر بھی ہے ۲۳

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ

پس کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ چھوڑ دیں کچھ حصہ اس کا جو وحی کی جاتی آپ کی طرف ۲۴ اور تنگ ہو جائے اس کے ساتھ آپ کا سینہ (اس اندیشہ سے

فراوانی ایسی چیزیں ہیں جن کا وہ اپنی ذاتی اہلیت کی وجہ سے مستحق تھا۔(1)

اب آپ غور فرمایئے کہ جس انسان کی یہ حالت ہو کہ ناکامی اور نامرادی کے وقت وہ حوصلہ ہار کر اور پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور اپنے مستقبل کے بارے میں بالکل مایوس ہو جائے اور اگر اس پر فارغ البالی اور آسائش کا دور آئے تو کبر و غرور سے زمین پر اٹھلا اٹھلا کر چلنے لگے اس سے کسی اچھے کام کی توقع کی جا سکتی ہے؟ اگر اس کے رنج و محن کا دور اس کی ذات کے لیے تباہ کن ہوتا ہے تو اس کے عروج کا زمانہ خلقِ خدا کے لیے مصیبت اور بدبختی کا زمانہ ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی کبھی مثالی زندگی نہیں بن سکتی۔

۲۲ عام لوگوں کے طرزِ عمل کو ذکر کرنے کے بعد یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور اچھے عمل کیا کرتے ہیں وہ یوں نہیں ہوا کرتے۔ وہ مصائب و اندوہ کے تاریک لمحوں میں بھی نہیں گھبراتے بلکہ چٹان کی طرح ڈٹے رہتے ہیں۔ اور خوشی کے دنوں میں بھی وہ کسی کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کا شکریہ ادا کرتے ہیں (2) اور اپنے وسائل کو اس کی مخلوق کی خدمت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: عَجَبًا لِاَمۡرِ الۡمُؤۡمِنِ اِنَّ اَمۡرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيۡرٌ وَلَيۡسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلۡمُؤۡمِنِ اِنۡ اَصَابَتۡهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيۡرًا لَّهٗ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيۡرًا لَّهٗ۔ (مسلم)(3)

یعنی "مومن کی بھی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لیے بہتر ہے۔ اور یہ صرف مومن کی ہی خصوصیت ہے۔ اگر اسے آرام و راحت پہنچے اور وہ اس پر شکر ادا کرے تو یہ آرام و راحت اس کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ تکلیف بھی اس کے لیے خیر و برکت کا موجب ہے۔

۲۳ واقعی اس قسم کے لوگ اس سرفرازی کے مستحق ہیں۔

۲۴ کفار نے آ کر کہا کہ یہ قرآن جو آپ ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں اس میں تو ہمارے خداؤں کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے اس لیے ہم اس قرآن کو تو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں اگر آپ ایسا قرآن لے آئیں جس میں ہمارے بتوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا ہو تو ہم آپ پر ایمان لا سکتے ہیں۔ دوسرا اعتراض انہوں نے یہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کے پاس سونے چاندی، لعل و

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 71
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 71
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب فی احادیث متفرقہ، ج 2، ص 413

يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ

کہ کافر یہ کہیں گے کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ۲۵

وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ؕ﴿۱۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے ۲۶ آپ فرمائیے

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ

(اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لیے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ

سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو۔ پس اگر وہ نہ قبول کر سکیں تمہاری دعوت تو پھر جان لو کہ یہ قرآن محض

اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

علم الٰہی سے اتارا گیا ہے ۲۷ اور (یہ بھی جان لو کہ) نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے۔

جواہرات کے خزانے ہوتے جنہیں آپ لوگوں میں تقسیم کرتے اور لوگ آپ کی بات مانتے۔ یا آپ کے ہمراہ کوئی فرشتہ ہوتا جو لوگوں کو آپ کی صداقت کا یقین دلاتا اور جو ماننے سے انکار کرتا اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا۔ دو چار کے ساتھ ایسا کیا جاتا تو کسی کو آپ کی دعوت رد کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ اور آپ کا حال یہ ہے کہ خود نانِ جویں میسر نہیں تو کسی کو کیا دیں گے؟ اور ہم آپ پر آوازے کستے ہیں، پتھر مارتے ہیں، غلاظت پھینکتے ہیں، راستہ میں کانٹے بچھاتے ہیں اور ہمیں تو کبھی سر درد بھی نہیں ہوا۔ آپ خود سوچیے کہ آپ جیسے نبی کا اتباع کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے؟ یقیناً حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اس قسم کی ہرزہ سرائیوں پر دکھ ہوتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ان کی رضاجوئی کے لیے کتاب میں ردّ و بدل کر دیں یا دولت کی کمی اور کسی فرشتہ کے ہمراہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دل گرفتگی محسوس کریں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وَقِیْلَ: مَعْنَی الْكَلَامِ النَّفْیُ مَعَ اسْتِبْعَادٍ اَیْ لَا یَكُوْنُ مِنْكَ ذٰلِكَ بَلْ تُبَلِّغُهُمْ كُلَّ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ (قرطبی) (1) یعنی یہ بات آپ سے بعید ہے۔ آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ بلکہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے جوں کا توں پہنچا دیں گے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۲۵ آپ کا فرض انہیں عذابِ الٰہی سے آگاہ کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان سے نپٹ لے گا۔

۲۶ قرآن پر ان کے بار بار دہرائے جانے والے اعتراض کا کہ یہ کلامِ الٰہی نہیں ہے وہی دندان شکن جواب دیا جا رہا ہے جو سورۂ یونس میں ابھی ابھی گزرا ہے کہ تم بھی ملکِ سخن کے بادشاہ ہو، اقلیمِ فصاحت و بلاغت میں تمہارا ابھی سکہ رواں ہے سب مل کر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 12

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ

جو طلب گار ہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے ۲۸ تو ہم پورا بدلہ دیتے انھیں ان کے اعمال کا

بیٹھو اور اس قسم کا کلام بنا کر دکھاؤ۔ یہاں دس سورتیں اس جیسی پیش کرنے کا چیلنج دیا۔ جب نہ لا سکے تو سورۂ یونس میں (جو ہود کے بعد نازل ہوئی) انہیں کہا گیا کہ دس نہیں بنا سکتے تو ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دو۔

۲۷ اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے: اے مسلمانو! اگر وہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکیں تو تم جان لو کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اس صورت میں لَكُمۡ اور فَاعۡلَمُوۡٓا میں جو ضمیر ہے دونوں کا مرجع مسلمان ہوں گے۔ لیکن آیت کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ مسلمان تو پہلے ہی قرآن کو منزل من اللہ سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر انہیں یقین محکم تھا۔ انہیں فَاعۡلَمُوۡٓا اور هَلۡ اَنۡتُمۡ میں خطاب کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے مناسب یہ ہے، کہ لکم کا مرجع مشرکین ہوں اور خطاب بھی انہیں سے ہو۔ یعنی اے مشرکو! اگر تم قرآن کا مثل بنانے کے لیے اپنے بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعروں اور خطیبوں کو دعوت دو اور وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکیں تو پھر تم بھی جان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ بھی یقین کر لو کہ اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو! اب تو حقیقت روشن ہو گئی، حق واضح ہو گیا۔ کیا اب بھی اسلام لانے میں پس و پیش کرو گے؟ وَقِيۡلَ الضَّمِيۡرُ فِيۡ لَكُمۡ وَ فِيۡ فَاعۡلَمُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمَعۡنٰى فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ مَّنۡ تَدۡعُوۡنَهٗ اِلَى الۡمُعَاوَنَةِ وَلَا تَهَيَّأَتۡ لَكُمُ الۡمُعَارَضَةُ فَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّمَآ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ (قرطبی و مثلہ فی غیرہ من التفاسیر)(1)

۲۸ جو شخص کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے: کسی یتیم کی پرورش، کسی خستہ حال بیوہ کی سرپرستی، غرباء کی امداد، رفاہِ عامہ کے کام، ہسپتال، سرائیں، سکول وغیرہ اور ان اعمال سے اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی بلکہ وہ دنیا میں ناموری، کاروبار میں ترقی اور بقاء و دوام کی خواہش وغیرہ مقاصد کے لیے یہ کام کرتا ہے تو بھی اس کے اچھے اور مفید اعمال رنگ لائیں گے۔ لوگ اس کی سخاوت اور رحم دلی کے گیت گائیں گے۔ رفاہِ عامہ کے کاموں کو دیکھ کر لوگ اس کی راہ میں آنکھیں بچھائیں گے۔ اس کے کاروبار کو بھی بڑی ترقی ہوگی اور مورخین اس کے قومی کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر ثبت بھی کر دیں گے لیکن کیونکہ اس نے یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے نہیں کیے تھے اس لیے اللہ کی ابدی نعمتوں میں سے اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ لِاَنَّهُمۡ لَمۡ يُرِيۡدُوۡا بِهَا وَجۡهَ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَكُوۡنَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (مظہری)(2) کیونکہ وہ نعمتیں تو صرف ان خوش نصیبوں کو مرحمت کی جاتی ہیں جو شاہراہِ حیات پر قدم اُٹھانے سے پہلے اپنے مولا کی رضا کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک یہ آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ قِيۡلَ نَزَلَتۡ فِي الۡكُفَّارِ۔ قَالَهُ الضَّحَّاكُ وَاخۡتَارَهُ النُّحَاسُ (3) یعنی کافر جو اچھے کام کریں گے انہیں ان کا بدلہ صحت، ثروت، عزت اور ناموری کی شکل میں پورا پورا دے دیا جائے گا۔

اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ریاکاروں کے حق میں نازل ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ریاکاروں کو کہا جائے گا:

صُمۡتُمۡ وَصَلَّيۡتُمۡ وَتَصَدَّقۡتُمۡ وَجَاهَدۡتُمۡ وَقَرَأۡتُمۡ لِيُقَالَ ذٰلِكَ فَقَدۡ قِيۡلَ ذٰلِكَ۔ (4)

"اے ریاکارو! تم نے روزے رکھے، تم نے نمازیں پڑھیں، صدقے دیئے، جہاد کیا اور قرآن کی تلاوت کی محض اس مقصد کے لیے کہ تمہیں نمازی وغیرہ کہا جائے اور وہ تمہیں کہہ دیا گیا" آج تمہارے لیے کچھ نہیں۔ پھر انہیں لوگوں سے سب سے پہلے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 14 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 73 3۔ تفسیر قرطبی زیر آیت ہذا، جز 9، ص 13 4۔ ایضاً، جز 9، ص 14

فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿۱۵﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

اس زندگی میں اور انھیں اس میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں نہیں ہے جن کے لیے

الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾

آخرت میں مگر آگ۔ اور اکارت گیا جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا اور (درحقیقت) مٹ جانیوالا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن

تو کیا وہ شخص (انکار کرسکتا ہے) جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آگیا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۲۹، اور

دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت بیان کی اور پھر زاروقطار رونے لگے۔ (قرطبی)

مگر جو لوگ دنیا کے حصول کو اپنا مطمعِ نظر نہیں بناتے بلکہ طالبِ مولیٰ ہوتے ہیں انہیں دنیا بھی ملے گی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی انہیں سرفراز کیا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْآخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَهُ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَّمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَلَا يَاْتِيْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ اَبَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ۔ (مظہری)(1)

ترجمہ: جو شخص طلبِ آخرت کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے قدموں میں ذلیل ہو کر حاضر ہوتی ہے اور جس شخص کے پیشِ نظر دنیا کا حصول ہوتا ہے تو اُس کی غربت اُس کی آنکھوں کے سامنے کر دی جاتی ہے۔ اس کے حالات کو پراگندہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس خستہ حالی کے باوجود دنیا اسے اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدّر میں لکھی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرماوے۔ اور فانی کی طلب میں ہی ہلکان نہ ہوتے رہیں۔ بلکہ باقی کے طالب بنیں۔ اور جب باقی مل گیا تو پیچھے پھر رہ ہی کیا گیا۔

۲۹ دنیا کے طلب گار اسلام کو قبول نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہیں لیکن وہ شخص جس کے پاس اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل بھی ہو اور اس کے ساتھ ایک سچا گواہ گواہی بھی دے رہا ہو، تورات جیسی سراپا ہدایت کتاب بھی اس کی صداقت کا بار بار اعلان کر رہی ہو تو وہ تو کسی قیمت پر اسلام سے منہ موڑنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اور نہ کسی مصیبت سے ڈر کر راہِ راست کو چھوڑے گا۔ اور جو بدقسمت ان دلائل وشواہد کے ہوتے ہوئے دینِ مبین کا انکار کرتا رہے گا تو اس کا ٹھکانا آتش جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ جو شخص حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرے اور اس انکار پر مصر بھی رہے تو اگر اس پر آگ کے انگارے نہیں تو کیا جنت کے پھول نچھاور کیے جائیں گے؟

یہاں دو چیزیں تحقیق طلب ہیں۔ بَيِّنَةٌ سے کیا مراد ہے اور شَاهِدٌ کون ہے۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 74۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص 454، قدیمی کتب خانہ کراچی

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ

اس سے قبل کتاب موسیٰ بھی آ چکی ہو جو امام اور سراپا رحمت ہے؟ (قطعاً نہیں بلکہ) یہ لوگ تو ایمان لائیں گے اس پر۔ اور

مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔ پس (اے سننے والے!) نہ پڑ جا

مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

شک میں اس کے متعلق ۳۰ بلاشبہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ۳۱ یہ لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ

اپنے رب کے سامنے اور کہیں گے گواہ ۳۲ یہی وہ (گستاخ) ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا

بیّنة سے مراد عقلی دلیل، قرآن مجید اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (1)۔ شاہد سے مراد یا جبریل ہے یا حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان ہے (2)۔ اور بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قُلْتُ لِاَبِیْ اَنْتَ الشَّاهِدُ؟ میں نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا: حضور! کیا شاہد آپ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: وَدِدْتُّ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ لٰكِنَّهٗ لِسَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "میرا جی تو بہت چاہا کہ شاہد میں ہی بنوں لیکن شاہد حضور فخر عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک ہے"۔ (3)

۳۰ اس میں خطاب عام قاری یا سننے والے کو ہے۔ جس کی تحقیق ابھی سورۂ یونس میں گزری ہے۔

۳۱ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی اور من گھڑت باتیں منسوب کیا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ یا فلاں اس کا شریک ہے یا جو اس کا کلام ہو اس کے متعلق کہا کہ یہ اس کا کلام نہیں اور جو اس کا کلام نہ ہو اسے اس کا کلام کہنا شروع کیا (4)۔ کسی چیز کو حلال یا حرام تو خود کیا اور دعویٰ یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال اور اسے حرام کیا ہے۔

۳۲ قیامت کے روز انہیں بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جائے گا۔ ان پر فرد جرم لگایا جائے گا۔ کراماً کاتبین کے نوشتے تحریری طور پر پیش کیے جائیں گے۔ ان کے علاوہ عینی گواہ گواہی دیں گے جب ان کا جرم اچھی طرح ثابت ہو جائے گا تو انہیں در رحمت سے دھکیل

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص74
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص16
3۔ ایضاً تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج12، ص10
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص18

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ

خبردار! اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر۔ جو بدنصیب روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ

اللّٰهِ وَ یَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمۡ

سے اور چاہتے ہیں کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنادیں ۳۳ اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو)

یَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ

عاجز کرنے والے نہیں تھے زمین میں ۳۴ اور نہ ہی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

دیا جائے گا۔ گواہ کون ہوں گے؟ بعض نے کہا ہے کہ فرشتے۔ اور حضرت عباس سے مروی ہے کہ انبیاء ورسل گواہی دیں گے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالرُّسُلُ وَهُوَقَوْلُ الضَّحَاكِ (1)۔ قرآنِ کریم کی اس آیت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے فَكَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیۡدًا (2) یعنی ''ہم ہر امت سے اس پر گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے''۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے سید التابعین حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے: قَالَ لَیْسَ مِنْ یَوْمٍ اِلَّا وَ تُعْرَضُ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمَّتُهٗ غُدُوَّةً وَعَشِیَّةً فَیَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ وَاَعْمَالِهِمْ فَلِذٰلِكَ یَشْهَدُ عَلَیْهِمْ (مظہری) (3)

یعنی ''ہر روز حضور نبی کریم ﷺ پر حضورؐ کی امت صبح وشام پیش کی جاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے چہروں اور اُن کے اعمال کی وجہ سے انہیں پہچانتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے۔ خدا نہ کرے کہ ہم مجرموں اور نافرمانوں کی حیثیت سے بارگاہِ رسالت میں پیش کیے جائیں۔ کتنے رنج والم کا مقام ہے کہ ہم اپنی بداعمالی کی وجہ سے اس ذات پاک کو اذیت پہنچائیں، جس کی آنکھیں ہماری مغفرت کے لیے اشکبار ہیں۔ اور جس کے مبارک ہاتھ ہمارے لیے طلبِ رحمت وبخشش کے لیے پھیلے ہوئے ہیں۔ شاید حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا ہی واقعہ ہے کہ جب آپ حج کے لیے حاضر ہوئے تو کعبہ کی دہلیز پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنی مغفرت کے لیے التجائیں کیں۔ آخر میں عرض کی اے مولا! اگر تیری مرضی یہ ہو کہ مجھے بخشانہ جائے تو میری یہ التجا ضرور منظور فرما کہ مجھے قیامت کے روز نابینا کر کے اٹھا، تا کہ میں تیرے محبوب کی جناب میں شرمسار نہ ہوں۔

۳۳ دوسرے لوگوں کو حق سے متنفر کرنے کے لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ حق کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اس کو باطل سمجھنے لگتا ہے۔ آج بھی باطل پرستوں کا یہی شیوہ ہے کہ وہ خود ہی حق کے ترجمان بن بیٹھتے ہیں اور اس کو ایسا جامہ پہناتے ہیں کہ انسان اس سے دور بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا ہے وہ حق کو صحیح طور پیش کرنے کے بعد اس پر اعتراض کیوں نہیں کرتے۔ وہ یہ اوچھے ہتھیار کیوں استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے نہاں خانۂ دل میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر دامنِ حق کو ان تہمتوں سے ملوث نہ کیا گیا اور اس کے حقیقی حسن کی ایک جھلک بھی کسی نے دیکھ لی تو پروانہ وار اس پر نثار ہونے لگے گا، پھر ہم ہزار جتن کریں اس کو حق سے برگشتہ نہیں کر سکیں گے اس لیے وہ اپنا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 18   2۔ سورۃ النساء: 41   3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 15۔ التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ از ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی، متوفی 671ھ، ج 1، ص 335، مکتبۃ الکلیات الازہری

أَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ

مددگار تھا۔ دوگنا کردیا جائے گا ان کے لیے عذاب۔ نہ وہ (آوازِ حق) سن سکتے تھے اور

مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ

نہ وہ (نورِ حق) دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ (بدقسمت) ہیں جنھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہوگئیں

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

ان سے وہ باتیں جو وہ تراشا کرتے تھے۔ ۳۵؎ یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے

الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَخْبَتُوْٓا

ہوں گے۔ بیشک جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ۳۶؎ اور عجز و نیاز سے جھک گئے اپنے

إِلٰى رَبِّهِمْ ۙ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ

پروردگار کی طرف۔ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان دونوں

الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں

سارا زورِ حق کو اپنے رنگ میں پیش کرنے کے لیے صرف کرتے ہیں۔

۳۴؎ یعنی ہماری نافرمانی اور دینِ حنیف سے کھلی دشمنی کے باوجود اس چندروزہ زندگی میں جو ان کا طوطی بولتا رہتا ہے اور ان کی عظمت و سطوت کا نقارہ بجتا رہتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہم سے زبردست اور طاقتور تھے۔ اس لیے اپنی من مانی کرتے رہے۔ ایسا نہیں۔ اگر ہم چاہتے تو ان کے بگڑے ہوئے دماغوں کو نمرود کی طرح ایک مچھر سے درست کروا دیتے اور ان کو کوئی ایسا مددگار بھی نہ ملتا جو ان کو زبردستی ہمارے عذاب سے چھڑا لیتا، بلکہ یہ ڈھیل ہم نے خود انہیں دے رکھی تھی تاکہ وہ جی بھر کر نافرمانیاں کرلیں اور انہیں سخت سے سخت عذاب میں گرفتار کردیا جائے۔ ان بدبختوں کے وہ کان ہی بہرے ہوگئے تھے جو آوازِ حق کو سنتے ہیں وہ آنکھیں ہی اندھی ہوگئی تھیں جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہیں۔

۳۵؎ ان کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اپنے معبودانِ باطل سے بخشش اور نجات کی جو حسین توقعات انہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے لیکن ان کے خداؤں کا تو کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ

کا حال ۳۶ کیا تم (اس مثال میں) غور و فکر نہیں کرتے اور بیشک ہم نے بھیجا ۳۸ نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف۔ ۳۹ (انھوں نے کہا)

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ

اے قوم! میں تمھیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن

یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

نہ آجائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمھیں مگر

۳۶ ان ازلی بدبختوں کے باطل معتقدات، طرزِ حیات اور دُور از حقیقت تصورات اور اُن پر ان کے طبعی نتائج کے ذکر کے بعد اب سعادت مندوں کے گروہ کا ذکر کیا جارہا ہے کہ پہلے گروہ کے مقابلہ میں ان کے اعتقادات کیا ہیں۔ ان کا دستورِ زندگی کیا ہے۔ ان کے دل کی کیفیت کیا ہے۔ اسکے بعد ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا تاکہ سننے والے کو پتہ چل جائے کہ انہوں نے اپنے حسنِ عمل، پاکیٔ قلب اور قوتِ ایمان کی وجہ سے رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف ملتفت کرلیا ہے۔ ان کے دل کے یقین، اعمال کے حسن اور ان کے عجز و نیاز اور سوز و گداز نے عنایاتِ ربانی کو ان کی طرف متوجہ کردیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ بِجَاهِ حَبِیْبِكَ الْكَرِیْمِ عَلَیْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِیْم۔

۳۷ کتنی پیاری، دلنشین اور حقیقت افروز مثال ہے۔

۳۸ گزشتہ آیات میں راہِ حق پر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے جانے والوں اور راہِ راست سے دانستہ بھٹک جانے والوں کا تذکرہ ہوا۔ دونوں کے عقائد، ان کے اعمال اور ان کے انجام کی تفصیل بیان ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی امتوں کی سرکشیوں کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے ان روح فرسا حالات سے گھبرا نہ جائیں جو انہیں پیش آنے والے ہیں۔ نیز اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح پہلے علمبردارانِ حق نے منکرین کی شورشوں اور غوغا آرائیوں کے باوجود صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا آپ بھی کریں اور جس طرح انجامِ کار وہ کامیاب ہوئے اور ان کے دشمن مٹادیئے گئے اسی طرح آپ کے دشمن بھی مٹ جائیں گے اور آپ کی عظمت و رفعت کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔

۳۹ آپ کا نسب نامہ، آپ کی قوم کا وطن اور آپ کا زمانہ سورۂ اعراف کے حواشی میں تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرماویں۔ سرسید احمد خان نے لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے (۱۶۵۰) سال بعد ہوئی۔ اور دوسری روایت جو اس سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے، ۲۲۶۲ سال بعد ہوئی (1) (واللہ اعلم) یہ دونوں روایتیں علماء توریت کی ہیں۔ اس طویل عرصہ میں ان میں ہر طرح کی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ بدکاری، اخلاقی پستی، ظلم و سرکشی، روزِ قیامت کا انکار۔ ان کے علاوہ دامنِ توحید بھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ چکا تھا۔ خدائے واحد و یکتا کی عبادت کو چھوڑ کر انہوں نے ود، سواع، یعوق اور نسر کی

1۔ مقالات سرسید، ج 14، ص 16، (ماخوذ)

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ

انسان اپنے جیسا ۳۹ اور ہم نہیں دیکھتے تھیں کہ پیروی کرتے ہوں تمھاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر وذلیل (اور) ظاہر بین

الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

ہیں ۴۱ اور ہم نہیں دیکھتے کہ تھیں ہم پر کوئی فضیلت ہے ۴۲ بلکہ ہم تو تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ

آپ نے فرمایا اے میری قوم! بھلا یہ بتاؤ ۴۳ اگر میرے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا فرمائی ہو مجھے

پرستش شروع کر رکھی تھی۔ آخرت کی زندگی کا کوئی تصور ان کے ذہن میں باقی نہ تھا۔ اس لیے انہیں آخرت کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ اسی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ اور اس میں ہی زیادہ سے زیادہ دولت، طاقت، عزت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیئے تھے۔ یہ وہ بیماریاں تھیں جن میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ان کی انہیں خرابیوں کی اصلاح تھا۔ اب آپ غور فرمایئے! وہ عقیدہ جس کی جڑیں دور تک ان کے دل ودماغ میں چلی گئی تھیں، وہ بُری عادتیں جو مرورِ وقت سے ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھیں ان تمام کے خلاف حضرت نوح علیہ السلام کا علمِ بغاوت بلند کر دینا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ یکایک ایک کہرام برپا ہو گیا اور آپ پر طرح طرح کے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

۴۰ آپ نے جب اپنی قوم کو توحید کا پیغام سنایا چند سلیم الطبع لوگ فوراً لبیک لبیک کہتے ہوئے حاضرِ خدمت ہو گئے۔ گویا ان کی پیاسی روحیں مدت سے ابرِ رحمت کی منتظر تھیں۔ لیکن برسرِ اقتدار طبقہ کو آپ کی دعوت پسند نہ آئی۔ اس لیے انہوں نے ایک ساتھ حضرت نوح علیہ السلام پر بھی اعتراضات شروع کر دیئے اور آپ کے ماننے والوں پر طعن وتشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ کے بارے میں تو انہوں نے یہ کہا آپ کون ہیں نبوت کا دعویٰ کرنے والے! آپ تو ہماری طرح ایک بشر ہیں اور جس قسم کے بشر سے وہ واقف تھے اور جس قسم کی انسانیت کے وہ معزز فرد تھے وہ تو واقعی اس قابل نہ تھا کہ اسے منصبِ نبوت و رسالت پر فائز کیا جاتا اور آپ کے پیروکاروں کو انہوں نے کمینہ اور رذیل ہونے کا طعنہ دیا۔ ان کی نگاہیں ان کے پھٹے ہوئے کپڑوں کے حجاب میں ہی اٹک کر رہ گئیں وہ ان چیتھڑوں میں ملبوس ان کی عظیم روحوں اور حقیقت شناس فراست کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ اَرَاذِلُ جمع ہے اَرْذُلُ کی اور اَرْذُلُ کا واحد رَذْلٌ ہے یعنی کمزور اور مفلوک الحال لوگ۔ (1)

۴۱ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ رَأْيٌ کا معنی ہے آنکھ اور دل سے دیکھنا۔ اعتقاد کو بھی رائے کہا جاتا ہے (2)۔ بادی کا ماخذ یا بَدَأَ ہو گا یا بَدْوٌ پہلی صورت میں اس کا معنی ہو گا کسی چیز کو دیکھتے ہی اس میں غور وفکر کیے بغیر جو پہلی رائے قائم کر لی جاتی ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہو گا ظاہر بینی سے رائے قائم کرنے والے مَعْنَاهُ ظَاهِرُ النَّظَرِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّقٍ اَوِ الرَّأْيُ مِنَ الْبَدْءِ۔ (3) کفار کا مقصد یہ تھا کہ چند بے عقل اور ناسمجھ قسم کے لوگ آپ کے پیروکار بن گئے ہیں جو کسی بات کی تہ تک پہنچ نہیں سکتے اور جو نئی چیز سنی اس کو قبول کر لیا۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 37 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 80 3۔ ایضاً

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

خاص رحمت اپنی جناب سے پھر پوشیدہ کردی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) تو کیا ہم جبراً مسلط کریں تم پر یہ دعوت درآنحالیکہ

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

تم اسے ناپسند کرتے ہو ۴۴ اور اے میری قوم! میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال ۴۵ نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ

ذمہ اور میں (تمہیں خوش کرنے کے لیے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں ۴۶ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے

۴۲ یعنی جب تم بھی ہماری طرح بشر ہو اور یہ لوگ جو تمہارے معتقد بنے ہوئے ہیں وہ بھی خستہ حال اور سادہ لوح قسم کے لوگ ہیں۔ ہمیں تو تم میں کوئی وجہِ امتیاز دکھائی نہیں دیتی جس کے باعث ہم تمہارا ساتھ دیں۔ ہمارے نزدیک تو تم اس دعویٰ میں جھوٹے ہو اور جھوٹوں کی بات کون سنتا ہے۔(1) ۴۳ آپ کی دعوت کو بھی جھٹلایا اور آپ پر ذاتی حملے بھی کیے۔ اس کے باوجود آپ کی جبین پر بل نہیں پڑتا اور یٰقَوْمِ (اے میری قوم) کے پیارے اور محبت بھرے الفاظ سے ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے ہیں۔ ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہیں۔ فرمایا تم کہتے ہو، میں تمہاری مثل بشر ہوں کیونکہ میں بظاہر تمہاری طرح کھاتا پیتا اور زندگی بسر کرتا ہوں۔ لیکن تم میں اور مجھ میں ایک واضح فرق ہے۔ مجھے روشن دلیل (بینة) دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی خصوصی رحمت سے سرفراز فرمایا ہے جس کی تمہیں ہوا تک بھی نہیں لگی تو ذرا سوچو! تم میری مثل کیسے ہو گئے۔ لیکن صد افسوس! تمہاری نگاہوں کو اندھا بنا دیا گیا اور وہ اس مقامِ رفیع کو نہیں دیکھ سکتیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو فائز کرتا ہے۔

۴۴ اگر تم میری دعوت کو ناپسند کرتے ہو تو مجھے کیا پڑی کہ میں خواہ مخواہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کروں۔ میرا کام اظہارِ حق تھا وہ کر دیا گیا اب تم جانو اور تمہارا کام! اگر کسی مرید کے دل میں اپنے مرشد کے متعلق حسنِ عقیدت نہ ہو تو مرشد کو کیا پڑی ہے کہ اسے زبردستی روحانی فیضان سے مستفیض کرے۔ ۴۵ تم میرا مذاق اُڑاتے ہو، مجھے بُرا بھلا کہتے ہو، میرے رفیقوں کی تذلیل وتحقیر کرتے ہو اور میں پھر بھی تمہیں دعوتِ حق دیے چلا جا رہا ہوں۔ کیا میں اس طرح تم سے مال بٹورنا چاہتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ میرا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اسی کا حکم مان رہا ہوں۔ میرے اجر کا بھی وہ خود ذمہ دار ہے۔

۴۶ انہوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ ہر وقت آپ کے اردگرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہمارا تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں جہاں اس قسم کے گندے، غلیظ اور کمینے لوگوں کا جمگھٹا ہو۔ آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہوگا کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صاف جواب دیا۔ یہ ناممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمہاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج12، ص37

أَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

والے ہیں البتہ میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے ۴۷ اور اے میری قوم کون مدد کرسکتا ہے میری اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ۴۸ اگر میں

طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ

نکال دوں اہلِ ایمان کو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

ہیں ۴۹ اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو! اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو

تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ

تمھاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں ۵۰ کہ ہرگز نہیں دیگا انھیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے

اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کروں تو) میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے۔ وہ (برافروختہ ہو کر) بولے اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا

دوں۔ تم اپنی جگہ بڑے لوگ ہو گے لیکن میری نظر میں جو قدر و منزلت شمعِ نور کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ ان گدھوں کی نہیں ہو سکتی جو دنیا کے متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ یہاں قدر و منزلت کا معیار اخلاص اور تقویٰ ہے دولت و ثروت نہیں۔

۴۷ ابھی نوح علیہ السلام کا سلسلۂ جواب شروع ہے فرمایا تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز ہو گا لیکن میرے نزدیک تو تم انجان اور ناواقف لوگ ہو جنہیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرفِ انسانیت کا راز کثرتِ مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی، کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔

۴۸ پھر فرمایا اے میری قوم! یہ مئے توحید کے متوالے جو تمہیں حقیر نظر آرہے ہیں ان کی شان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی اونچی ہے۔ اگر میں تمہاری خاطر ان کی دل آزاری کروں اور ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا اور میں اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا۔

۴۹ اس جملہ کی وضاحت کے لیے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۵۰ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۰ تم تو یہ کہتے ہو کہ یہ رذیل اور خستہ حال لوگ اس قابل نہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو۔ میں تو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کو دیکھتا ہے۔ اگر ان کا باطن درست ہوا، ان کا سینہ نورِ توحید سے منوّر ہوا تو ان کی ظاہری خستہ حالی کے باوجود وہ انہیں اپنی خیرات و برکات سے مالا مال کر دے گا۔

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا (اس مباحثہ کو رہنے دو) اور لے آؤ ہمارے پاس جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو[51] اگر تم سچے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَ

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی لے آئیگا اسے تمہارے پاس[52] اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ اور

لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ

نہیں فائدہ پہنچائیگی تمہیں میری خیر خواہی[53] اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی

يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کردے، وہ پروردگار ہے تمہارا۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے

افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمایئے اگر میں نے خود گھڑا اسے تو مجھ پر ہو گا وبال میرے جرم کا[54] اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے

[51] دلائل کے میدان میں لاجواب تو ہو گئے لیکن حق کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ کہنے لگے آپ بڑے جھگڑالو ہیں۔ ہم اتنی طویل بحث سے باز آئے۔ آپ جس عذاب کی ہمیں صبح وشام دھمکی دیتے رہتے ہیں وہ لے آئیے۔ اَكْثَرْتَ جِدَالَنَا اَىْ اَطَلْتَهٗ (مظہری) (1) [52] آپ نے جواب دیا یہ میرے مولا کے اختیار میں ہے۔ جب وہ مناسب سمجھے گا عذاب نازل کردے گا اور پھر تمہیں بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔

[53] میں نے تو مقدور بھر تمہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ لیکن تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی کو ہدایت دینا یا ہدایت نہ دینا اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اگر وہ کسی کو ہدایت نہ دینا چاہے تو دنیا بھر کے مبلغ اسے گمراہی سے نہیں بچا سکتے۔ اس لیے انسان کو کبھی اپنے علم، سمجھ اور نیکی پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔ کسی وقت بھی قدم پھسل سکتا ہے اور انسان منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ اسی کی جناب میں بصد نیاز دست بدعا رہنا چاہیے کہ یہ سفینۂ حیات خیر وسلامتی سے کنارے پر جا لگے۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْٓ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ۔

[54] یہاں خطاب نوحؑ کو ہے یا فخر دو جہاں محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء سے (2)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر یہ کلام اور یہ پیغام خدا کی طرف سے نہیں بلکہ میں نے خود گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے تو یہ جرم میرا ہے۔ اس کی سزا تمہیں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 82 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 29

تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ

جو جرم تم کرتے ہو۔ اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے

اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ

بجز ان کے جو ایمان لا چکے ۵۵ اس لیے آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور بنائیے

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے ۵۶ اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجیے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ظلم کیا

نہیں دی جائے گی۔ لیکن سن لو! اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کر کے جو جرم تم کر رہے ہو، وہ نہ معاف کیا جائے گا اور نہ اُسے فراموش کیا جائے گا۔ اس کی سزا تمہیں بھگتنی ہوگی، تیار ہو جاؤ۔

۵۵ جب ان کو درسِ توحید دیتے دیتے مدتیں گزر گئیں اور ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی مخالفت اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا گیا جس سے حضرت نوح علیہ السلام کو یقیناً روحانی کوفت ہوتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اطمینان کے لیے ان کی طرف وحی فرمائی کہ جن کی قسمت میں دولتِ ایمان رقم تھی وہ ایمان لا چکے۔ ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اس لیے آپ ان کے لیے غمزدہ نہ ہوں۔ اب مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور ان کی تباہی کا مقررہ وقت آپہنچا ہے۔ تورات میں اس چیز کا جس طرح اور جن الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے وہ پڑھیے آپ کو خود بخود قرآن اور موجودہ تورات کا فرق سمجھ آجائے گا۔ کتاب پیدائش کی آیتیں ملاحظہ ہوں:۔

> اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی ہوتے ہیں ○ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا۔ اور دل میں غم کیا ○ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک، کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں ○ (باب ٦۔ آیات ۷،٦،۵)(1)

گویا پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال کا علم نہ تھا اس لیے اس کو پیدا کیا۔ اب جب اس کے کرتوتوں سے دنیا بھر گئی تو پتہ چلا کہ یہ کتنی خطرناک مخلوق تھی۔ اسے تو پیدا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب کفِ افسوس ملنے لگا۔ خود سوچیے کیا یہ اسلوبِ بیان شانِ الٰہی کے شایاں ہے؟

۵٦ کیونکہ علمِ الٰہی میں انہیں ایک عظیم سیلاب سے ہلاک کرنا مقدر ہو چکا تھا۔ اس لیے پہلے ہی اپنے نبی کو کشتی بنانے کا حکم دیا تاکہ اُس دن وہ اسے استعمال کر سکیں۔ بِاَعْيُنِنَا یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِمَرْأًى مِنَّا یا ہماری نگرانی اور حفاظت میں قِيْلَ: بِحِفْظِنَا اور وَوَحْيِنَا کا مطلب ہے ہماری ہدایات کے موافق یعنی جس کشتی کے بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کے متعلق بتایا کہ کشتی بناؤ گے تم لیکن بنوائیں گے ہم۔ اور ہمارے مجوزہ نقشہ کے عین مطابق (2)۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول

1۔ کتاب پیدائش (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 6، آیت 5-7، ص 9
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 83

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝٣٧ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ

وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے ۵۷ اور نوح کشتی بنانے لگے ۵۸ اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے

قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ

سردار (تو) آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے

كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝٣٨ۭ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ سو تم جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کر دے گا اسے

بندوں کے اعمال کی یونہی خصوصی حفاظت ونگرانی کرتا ہے اور لحہ بہ لحہ رہنمائی فرماتا ہے۔

۵۷ یعنی مجرموں کے غرق کیے جانے کا حتمی فیصلہ ہو چکا۔ اب اس میں کسی ردّ وبدل کی گنجائش نہیں۔ اس لیے آپ کسی مغضوب کے لیے سفارش نہ کریں۔

۵۸ حکمِ الٰہی ملا۔ فوراً تعمیل کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ لکڑی لائی جارہی ہے اُسے چیرا جارہا ہے۔ تختے نکالے جارہے ہیں۔ دیگر ضروری چیزیں فراہم کی جارہی ہیں۔ آپ کل تک تو وعظ وتذکیر میں مصروف تھے۔ اب تیشہ اور آری ہاتھ میں لیے دنیا ومافیہا سے بے خبر کشتی بنائے جارہے ہیں۔ آپ کے ہموطنوں کو مذاق اور تمسخر کرنے کا ایک انوکھا بہانہ مل گیا۔ طرح طرح کے آوازے کسے جانے لگے۔ حضرت! کیا نبوت چھوڑ کر اب بڑھئی بن گئے۔ صاحب! کیا یہ کشتی خشکی میں چلے گی۔ یہاں تو کوئی دریا یا سمندر نہیں۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں لیکن اللہ تعالیٰ کا بندہ تعمیل حکم میں محو ہے۔ آپ نے پہلے ان کے اعتراضات کو کب کبھی اہمیت دی تھی کہ آج توجہ کرتے۔ اتنا فرمادیا کہ آج جی بھر کے ہمارے ساتھ مذاق کرلو۔ کل ہماری باری بھی آنے والی ہے۔

غرضیکہ کچھ عرصہ کے بعد کشتی تیار ہوگئی۔

قرآنِ کریم نے یہ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کردی۔ لیکن اس کا طول وعرض کیا تھا۔ اس کی بلندی کتنی تھی۔ اس میں دروازے اور کھڑکیاں کتنی تھیں۔ یہ ایک منزلہ تھی یا سہ منزلہ۔ یہ کس لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ ان تمام تفصیلات کو یکسر نظر انداز کردیا گیا۔ کیونکہ ان امور کا عبرت پذیری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بعض علمائے تفسیر نے اسرائیلی روایات اور مصادر کی روشنی میں ان امور کی تفصیل بیان کی ہے لیکن امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ اَمْثَالَ هٰذِهِ الْمَبَاحِثِ لَا تُعْجِبُنِيْ لِاَنَّهَا اُمُوْرٌ لَّا حَاجَةَ اِلٰى مَعْرِفَتِهَا اَلْبَتَّةَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِمَعْرِفَتِهَا فَائِدَةٌ اَصْلًا (1)۔ یعنی ''مجھے اس قسم کے مباحث بالکل پسند نہیں اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ہمارے لیے اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ وہ اتنی وسیع تھی کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام، آپ کا کنبہ اور آپ کے پیروکار اور جانوروں کا جوڑا جوڑا سما سکتا تھا۔ (کبیر)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 232

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ

اور (کون ہے) اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا۔ یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابل پڑا

التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

تنور ۵۹ تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کر لو کشتی میں ۶۰ ہر جنس سے نر و مادہ دو ۶۱ اور اپنے گھر والوں کو

۵۹ یہاں تک کہ عذاب کا مقررہ وقت آ گیا۔ اور سب سے پہلے تنور سے پانی اُبل پڑا۔ تنور کا کیا معنی ہے؟ علامہ بغویؒ نے عکرمہ اور زہری سے روایت کی ہے: هُوَ وَجْهُ الْاَرْضِ یعنی سطحِ زمین۔ قتادہ نے کہا ہے کہ تنور سے مراد اَعْلَى الْاَرْضِ وَ اَشْرَفُهَا یعنی زمین کے بلند ٹیلے۔ اور حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ تنور ایک چشمہ ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے فَارَ التَّنُّوْرُ کا معنی صبح کا طلوع ہونا منقول ہے۔ بعض نے اس سے روٹی پکانے والا تنور مراد لیا ہے۔ گویا آپ کے لیے بطورِ علامت یہ مقرر کیا گیا تھا کہ جب آپ کے تنور سے پانی کا فوارہ پھوٹ نکلے تو سمجھ لینا کہ طوفان کا وقت آ گیا۔ اس وقت کشتی میں سوار ہو جانا۔ (1)

۶۰ جب طوفان آ گیا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ کشتی میں چڑھا لیں تا کہ ان کی نسل ضائع نہ ہو جائے۔ یہاں تورات میں عجیب قسم کا تضاد پایا جاتا ہے۔ کہیں دو دو جانوروں کو کشتی میں رکھنے کا حکم ہے اور کہیں سات سات۔ کتابِ پیدائش کے باب ششم کی آیت انیس بیس میں ہے۔

''اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔ دو نر و مادہ ہوں اور پرندوں کی ہر قسم میں سے اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والوں کی ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں تا کہ وہ جیتے بچیں''۔ (2)

اور اسی کتابِ پیدائش کے ساتویں باب کی دوسری آیت میں ہے۔ ''کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ اور ان میں سے جو پاک نہیں دو، دو نر اور ان کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا ○ اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لینا تا کہ زمین پر ان کی نسل باقی رہے'' (3)۔ اور اسی باب ہفتم کی آیت 9 میں ہے:

''دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے پاس گئے جیسا خدا نے نوحؑ کو حکم دیا تھا''۔ (4)

اب آپ بتائیے کہ اوپر دو حکم ہیں۔ نوح علیہ السلام نے کیوں ایک حکم مانا اور دوسرا ترک کر دیا۔

۶۱ اس سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے کہ ہر قسم کے دو دو جوڑے یعنی چار جانور رکھنے کا حکم ہو رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس لیے ان الفاظ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں۔ جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآنِ کریم میں ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (5) اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہو گا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے قرآنِ مجید میں ہے وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٤٥﴾ (6) اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔ (7)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 86-85
2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 6، آیت 20-19، ص 9
3۔ ایضاً، آیت 2-3، ص 9
4۔ ایضاً، باب 7، آیت 9، ص 9
5۔ سورۃ النسا: 1
6۔ سورۃ النجم: 45
7۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 235 (مفہوم)

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ

سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں۔ اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ

اِلَّا قَلِيْلٌ ۞ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ

مگر تھوڑے لوگ۔ اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں[62] اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے[63]

۶۲ یہ چیز غور طلب ہے کہ کیا یہ طوفان روئے زمین پر آیا تھا اور کیا آپ نے دنیا بھر کے حیوانات کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ محققین کا قول یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا جہاں نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم آباد تھی۔ اگرچہ ایسی تصریحات بھی کتب میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ طوفان عالمگیر تھا لیکن یہ اسرائیلی روایات ہیں یا ان سے اخذ کیے ہوئے علماء کے اقوال، کتاب وسنت سے کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جاسکتی جس سے صراحۃً اس طوفان کا عالمگیر ہونا ثابت ہو۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۞ (1) (اے رب زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ) لیکن ہوسکتا ہے اَلْاَرْض جو معرف باللام ہے اس سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہو۔ جس طرح فرعون کے متعلق ہے وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ (2) یہاں بھی اَلْاَرْض سے مراد ساری روئے زمین نہیں بلکہ ملکِ مصر مراد ہے نیز من الکافرین بھی معرف بالام ہے یعنی وہ مخصوص کافر جو آپ کی قوم سے تھے۔ قرآنِ کریم میں ہمیں یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ آپ کی بعثت صرف آپ کی قوم کے لیے تھی وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ (3)۔ ''ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا''۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک نسلِ انسانی زیادہ پھیلی نہ ہو بلکہ اسی علاقہ میں ہی بس رہی ہو۔ اس اعتبار سے تمام انسانی افراد اس طوفان کی زد میں تھے اور اس وجہ سے اس کو عالمگیر کہہ دیا گیا ہو۔ یہ بات قابلِ فہم ہے لیکن اگر یہ اندازہ درست ہو کہ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے تیئیس سو سال بعد ہوئی تو اتنے عرصہ دراز تک اولادِ آدم کا ایک تنگ سے رقبہ میں محدود در ہنا دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے انہیں امور کے پیشِ نظر علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے محتاط پیرایہ میں لکھا ہے:

وَالَّذِیْ یَمِیْلُ الْقَلْبُ اِلَیْهِ اَنَّ الطُّوْفَانَ لَمْ یَکُنْ عَامًّا (روح المعانی) (4) یعنی دل اس طرف مائل ہے کہ طوفان عام نہیں تھا۔

اگر اس قول کو راجح قرار دیا جائے تو پھر نوح علیہ السلام کو دنیا بھر کے حیوانات کشتی میں لے جانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ جانور اپنے ہمراہ لیے ہوں گے جن کی فوری ضرورت تھی اور جن کو دور دراز کے علاقوں سے جو طوفان کی زد سے محفوظ تھے لے آنا مشقت اور تکالیف کا موجب تھا۔ بَلْ اُمِرَ بِحَمْلِ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ اِذَا نَجَا وَمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْغَرَقِ لِئَلَّا یَغْتَمُّوْا لِفَقْدِهٖ وَیَتَکَلَّفُوْا مَشَقَّةَ جَلْبِهٖ مِنَ الْاَصْقَاعِ النَّائِیَةِ الَّتِیْ لَمْ یَصِلْهَا الْغَرَقُ (روح المعانی) (5)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ المومنون کی آیت فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (6) کی تفسیر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے: اَیْ کُلِّ زَوْجَیْنِ مِنَ الْحَیَوَانِ الَّذِیْ یَحْضُرُهٗ فِی الْوَقْتِ اثْنَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی لِکَیْ لَا یَنْقَطِعَ نَسْلُ ذٰلِكَ

1۔ سورۂ نوح: 26 2۔ سورۂ یونس: 83 3۔ سورۂ ہود: 25 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 54 5۔ ایضاً 6۔ سورۃ المومنون: 27

اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ قف

بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے اور وہ چلنے لگی انھیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند ہیں ۶۴

وَنَادٰى نُوْحُ ِۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو ۶۵ اور وہ (ان سے) الگ تھا۔ بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ

الْحَیَوَانِ۔ واللہ تعالیٰ اَعلَم (کبیر)(1)

۶۳ جن جانوروں، گھر والوں اور اہلِ ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کی اجازت ملی تھی اُن کو آپ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور کہا بِسْمِ اللہِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا الخ یعنی اس بلاخیز سیلاب سے جس کے سامنے بلندیاں اور پستیاں سب یکساں ہوگئی ہیں۔ ہم اپنی نجات اور سلامتی کے لیے اعتماد اس کشتی پر نہیں کرتے بلکہ ہمارا بھروسہ تو اس رب العٰلمین پر ہے جس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے۔ اور جس کی رحمت کا ابر نیساں ہر وقت ہی برستا رہتا ہے۔ ہمارے بیڑے کے چلنے کا آغاز اسی کے نام نامی سے ہو رہا ہے۔ اور اس بیڑے کا لنگر انداز ہونا بھی اسی کے اسمِ پاک سے ہوگا۔ ہمارے سفر کی ابتداء بھی اسی کے کرم کے سہارے ہو رہی ہے اور اس کی انتہاء بھی اسی کے فضل سے ہوگی۔ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور رحمتِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت جب کشتی میں سوار ہو اور یہ پڑھے تو اسے غرق ہونے سے امان مل جائے گی۔

"بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔ بِسْمِ اللہِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (قرطبی)(2)

آخر میں مجری اور مرسی کی ترکیب اور صیغہ کے متعلق کچھ سن لیجئے:

اِرْكَبُوْا میں جو ضمیر فاعل ہے وہ ذوالحال ہے۔ اور بِسْمِ اللہِ الخ حال ہے۔ یعنی کشتی میں یہ کہتے ہوئے سوار ہو بِسْمِ اللہِ الخ مَجْرٰی وَ مُرْسٰی ظرفِ زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت۔ یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدرِ میمی ہیں۔ یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا۔ اَیْ وَقْتَ جَرْیِهَا وَ وَقْتَ اِرْسَائِهَا(3)۔ مَجْرٰی جَرٰی یَجْرِیْ مجرد سے ہے، اور مُرْسٰی، اَرْسٰی، یُرْسِیْ بابِ افعال مزید فیہ سے ہے۔

۶۴ طوفان کی شدت کا بیان ہو رہا ہے یعنی یہی نہیں کہ سیلاب آگیا اور وادیاں اور بستیاں، پہاڑ اور اونچے ٹیلے غرقاب ہو گئے اور اس کی پُرسکون سطح پر کشتی آہستہ آہستہ چلی جارہی تھی۔ نہیں بلکہ اس میں خوفناک قسم کی تند و تیز موجیں اُٹھ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ پانی کا پہاڑ بڑھا چلا آرہا ہے۔ اس دل ہلا دینے والی خوفناک طغیانی میں ایک کشتی اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو لیے ان دھاڑتی ہوئی موجوں کو چیرتی ہوئی سلامتی سے چلی جارہی تھی۔(4)

1۔ تفسیر کبیر، ج 12، جز 23، ص 95
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 37۔ معجم کبیر للطبرانی، ج 12، ص 25-124، مکتبۃ العلوم والحکم، بغداد
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 56
4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 239

قوم نوح کا علاقہ اور جبل جودی

بحر اسود
ترکی
اردن
شام
عراق
سعودی عرب
ارارات
۱۶۹۴۶
آذربائیجان
آرمینیا
سوویت روس
ایران
جزیرہ ابن عمر
جبل جودی
موصل
نینوی
دریائے دجلہ
قوم نوح کا علاقہ
دریائے فرات
کربلا
بغداد
بابل
دریائے فرات
دریائے دجلہ
دجلہ
بصرہ
کویت
شمال

جودی ایک پہاڑ کا نام ہے جو اقلیم موصل میں دریائے دجلہ کے مشرقی جانب واقع ہے (معجم البلدان: یاقوت حموی) جزیرہ ابن عمر سے ۴۰ کلومیٹر ہے اس کی بلندی تیرہ ہزار فٹ کے قریب ہے۔ سفینہ نوح اسی پر آکر ٹھہرا تھا۔ یہاں سے جو سلسلہ کوہ شروع ہوتا ہے اسے کوہ ارارط کہتے ہیں۔ ارارط اس پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام بھی ہے جس کی بلندی سولہ ہزار نو سو چھیالیس فٹ ہے۔ بعض ہوابازوں نے اپنی پرواز کے دوران کشتی نما کوئی چیز برف میں دھنسی ہوئی دیکھی ہے اور اسے کشتی نوح کا ڈھانچہ خیال کر لیا ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ آپ کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری ہے۔

وَلَا تَكُن مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ

اور نہ مل کافروں کے ساتھ۔ بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچا

مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

لے گا مجھے پانی سے۔ آپ نے کہا (بیٹا!) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۶۶ مگر جس پر وہ رحم کرے۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ

اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی انکے درمیان موج ۶۷ پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے اور حکم دیا گیا اے زمین! ۶۸

۶۵ اس حال میں آپ کو اپنا بیٹا کنعان نظر آیا جو آپ کی رفاقت اور سنگت کو چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کافروں کا ساتھ چھوڑ دے۔ اب بھی سچے دل سے تائب ہو جا۔ اب بھی ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ بچ جائے گا۔ لیکن جو ازلی بدبخت ہو اس میں نصیحت کب اثر کرتی ہے۔ وہ اکڑ گیا۔ بڑی بے پرواہی اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا: مجھے آپ کی کشتی میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ سامنے کتنے اونچے پہاڑ ہیں، ان میں سے کسی پر چڑھ جاؤں گا۔ یہ پانی میرا کیا بگاڑ سکے گا۔ (1)

۶۶ آپ نے فرمایا کمبخت، پہاڑوں کی کیا مجال کہ تمہیں خدا کی گرفت اور اس کے عذابوں سے بچا سکیں۔ بچنے کا ایک ہی ذریعہ تھا، کہ تم سچے دل سے توبہ کرتے پیغمبر کے دامن میں پناہ لیتے اور کشتی میں اس کے ساتھ سوار ہو جاتے۔ بعض ظاہر پرست اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی بے بسی ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل اکثر یہ آیت پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ یہ عجز کس کی طرف سے ہے۔ اگر کنعان منت سماجت کرتا کہ ابا جان مجھے بچا لیجیے اور آپ فرماتے کہ نہیں میں تمہیں نہیں بچا سکتا تو ان حضرات کا استدلال قابلِ التفات ہوتا۔ یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ آپ تو بار بار فرما رہے ہیں آ جا، کشتی میں سوار ہو جا۔ بچ جائے گا۔ لیکن وہ اپنی بدبختی کے باعث انکار کر رہا ہے کہ میں کشتی میں نہیں چڑھوں گا۔ وہ غرق ہو گیا۔ اس کے غرق ہو جانے کی وجہ یہ نہ تھی کہ پیغمبر کا دامنِ شفقت تنگ تھا، اس نے چاہا بھی، لیکن اسے جگہ نہ مل سکی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ کنعان پناہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔

۶۷ پانی کا ایک ریلہ آیا اور اس مغرور اور متمرد کو تنکے کی طرح بہا کر لے گیا۔ اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

۶۸ سیلاب کے اترنے کے متعلق تورات میں ہے:

> سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کیے گئے اور آسمان سے جو بارش ہو رہی تھی تھم گئی۔ اور پانی زمین پر سے گھٹتے گھٹتے ایک سو پچاس دن کے بعد کم ہوا اور ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی اور پانی دسویں مہینہ تک برابر گھٹتا رہا اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔ (پیدائش باب ۸، آیت ۲ تا ۵) (2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص 89-88
2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 8، آیت 2-5، ص 10

ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ

نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اُتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہوگیا۔

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَ

اور ٹھیر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر ٦٩ اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کے لیے۔ اور

نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ

پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے ٧٠ اور یقیناً تیرا وعدہ

لیکن قرآن کریم کے بیان میں جو جلال و تمکنت ہے اس کی نظیر دنیا بھر کے صحائف میں کہاں مل سکتی ہے۔ صاحب روح المعانی وجد آفرین لہجے میں رقم طراز ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ قَدْ بَلَغَتْ مِنْ مَّرَاتِبِ الْاِعْجَازِ اَقَاصِيَهَا وَاسْتَذَلَّتْ مَصَاقِعَ الْعَرَبِ فَسَفَعَتْ بِنَوَاصِيْهَا وَجَمَعَتْ مِنَ الْمَحَاسِنِ مَا يَضِيْقُ عَنْهُ نِطَاقُ الْبَيَانِ (1)۔ اس کے اعجاز کی بلندیوں کے سامنے بلغاء عرب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ عرب کے فصحاء و بلغاء نے قرآن کی مثل پیش کرنے کا عزم کر لیا۔ چالیس روز تک کباب و شراب سے اپنی فصاحت و بلاغت کی قوتوں کو تیز بلکہ برافروختہ کرتے رہے۔ اچانک یہ آیت ان کے کان میں پڑی تو ہتھیار ڈال دیئے اور کہنے لگے هٰذَا الْكَلَامُ لَا يُشْبِهُهٗ كَلَامَ الْمَخْلُوْقِيْنَ۔ ابن مقفع ایک ملحد جو عہد عباسی کا ایک نامور عالم و ادیب تھا، اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت میں کوئی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ اس نے بڑی دماغ سوزی، دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے ایک سورت بنائی تا کہ اسے قرآن کے مقابلہ میں پیش کرے۔ ایک روز اس کا گزر ایک مکتب کے پاس سے ہوا جہاں بچے قرآن حفظ کر رہے تھے۔ کوئی بچہ یہ آیت پڑھ رہا تھا، اسے سن کر دم بخود ہوگیا۔ اُلٹے پاؤں واپس گھر پہنچا اور اپنی تحریر کو دھوڈالا اور کہا کہ اس کلام کا مقابلہ ممکن نہیں۔

٦٩ ایک پہاڑ کا نام ہے جو موصل کے قریب ہے اور جبل ارارات کی ایک شاخ ہے۔ کہتے ہیں محرم کی دس تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا۔ جب آپ کی کشتی کوہ جودی پر آ کر رُکی۔ (2)

٧٠ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ التجا کنعان کے غرق ہونے سے پہلے کی تھی یا غرق ہونے کے بعد؟ (3) علماء سے دونوں قول مروی ہیں۔ اگر پہلے ہو تو اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کنعان کھلم کھلا کفر نہیں کیا کرتا تھا لیکن اس کے دل میں نفاق تھا۔ حضرت نوحؑ نے اس کے ظاہری اسلام کے پیش نظر یہ گزارش کی کہ بارِالٰہا! یہ میرا بچہ ہے اور ڈوب رہا ہے اور تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تیرے اہل و عیال کو بچالوں گا۔ جواب دیا گیا کہ یہ تیرا بیٹا نہیں اس کے دل میں کفر و نفاق ہے۔ اس کے اعمال اچھے نہیں۔ اس لیے اس کے متعلق مت سفارش کرو۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ کھلا کافر تھا۔ لیکن غلبہ محبت کی وجہ سے خیال نہ رہا اور یہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 63 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 41 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 68

الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۴۵ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ

سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

(کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو

اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ

میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے عرض کرنے لگے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے

عرض کر بیٹھے جس پر تنبیہ کی گئی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی یہ ندا کنعان کے ڈوب جانے کے بعد تھی (اور میرے نزدیک یہی راجح ہے کیونکہ اس ندا کا ذکر وَ كَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ کے بعد ہوا ہے) تو پھر اس کا مقصد یہ تھا کہ الٰہی! کنعان کے غرق کیے جانے کی وجہ کیا ہے حالانکہ وہ میرا بیٹا تھا۔ اس استفسار کے جواب میں پہلے تو فوراً یہ فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ وہ تیرے اہل وعیال سے ہے ہی نہیں۔ بعد میں اس کی وجہ بتائی کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ وہ بدعمل اور بدکردار تھا اور ایسے شخص کو نبوت کے پاک خاندان کا فرد شمار نہیں کیا جا سکتا (1)۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا سبب صرف کسی نیک اور بزرگ کی اولاد ہونا نہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح ہے۔ اگر کوئی نعمتِ ایمان سے محروم ہے تو اس کو کسی بزرگ باپ کا بیٹا ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا خواہ وہ باپ نوح جیسا عظیم المرتبت نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات اور ترقی درجات کا دارومدار ایمان اور صالح عمل پر ہے۔ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کے لیے بخشش نہیں اور نہ اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول ہوگی۔ لیکن جو ایماندار ہو مگر شومئ قسمت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا ہو اس کے لیے شفاعت اور بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔ جو لوگ اس واقعہ سے انبیاء وصلحاء کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی حق و انصاف سے دور ہیں۔ اور جو اس گھمنڈ میں احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرتے ہیں کہ وہ فلاں بزرگ کی اولاد سے ہیں، اُن کی سیاہ بختی بھی دیدۂ عبرت نگاہ کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ کیا انہیں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ جس ربِ ذوالجلال کے ہر حکم کی بجا آوری ان کے بزرگ آباؤ اجداد کی زندگی کا واحد نصب العین تھا، جنہوں نے ایک قدم بھی تقویٰ کی راہ سے ادھر اُدھر نہیں رکھا۔ ان کی اولاد ہو کر اس پروردگارِ عالم کی نافرمانی کر رہے ہیں جس کریم نے ان کے بزرگوں کی شب بیداریوں، اشکباریوں، نیازمندیوں اور دل گدازیوں پر رحم فرما کر انہیں عزت و ناموری کے اتنے بلند مقام تک پہنچایا۔ کیا ان کے فرزندوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے مولا کریم کی اطاعت و بندگی کو چھوڑ کر اس کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائیں۔ اس غلط نظریہ نے ان شریف خاندانوں کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی کسی اور حادثہ نے پہنچایا ہو۔ کاش! ان خاندانوں کے چشم و چراغ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور خداداد صلاحیتوں کو خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کے لیے استعمال کریں تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کتنی بخششیں فرماتا ہے اور ان کی وجہ سے کتنی خلقِ خدا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 46-45

أَنْ أَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِۦ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِيٓ أَكُن مِّنَ

کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں ۷۶ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں

ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَٰنُوحُ ٱهْبِطْ بِسَلَٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكَٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰٓ أُمَمٍ

کاروں سے۔ ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اُتریئے امن و سلامتی کے ساتھ ۷۷ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں

مِّمَّن مَّعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ

اور ان قوموں پر جو آپکے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انھیں پھر پہنچیگا انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ یہ قصہ

مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلْغَيْبِ نُوحِيهَآ إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَآ أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ

غیب کی خبروں سے ہے ۷۸ جنھیں ہم وحی کر رہے ہیں آپکی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم

مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَٱصْبِرْ ۖ إِنَّ ٱلْعَٰقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ

اس سے پہلے پس آپ صبر کریں ۷۹ یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور عاد کی طرف (ہم نے) انکے بھائی

کو ہدایت ہوتی ہے۔ وہ ذرا سوچیں! اگر وہ بخش بھی دیئے گئے تو اپنی غفلت اور بدعملی کی وجہ سے ان کے مقامات میں جو تنزّل اور ان کے درجات میں جو انحطاط ہوا ہے کیا وہ کچھ کم افسوسناک ہے۔ کیا انہوں نے دانائے شیراز کا یہ شعر بھی نہیں سنا۔

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت (1)

۷۶۔ بارگاہِ الٰہی سے ذرا سی تنبیہ ہوئی۔ فوراً سراپا عجز و نیاز بن گئے اور معافی مانگنی شروع کی۔ مردانِ خدا کا یہی دستور ہوا کرتا ہے۔

۷۷۔ جب طوفان تھم گیا، پانی اُتر گیا، کشتی جودی پہاڑ پر آکر رک گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دعاؤں اور برکات و خیرات کی خوشخبری کے ساتھ زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ فرمایا اس خاکدانِ ارضی میں امن و سلامتی کے ساتھ اتریئے۔ ہماری برکتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں گی۔ تمہارے مال میں تمہارے کاروبار میں تمہاری کھیتی باڑی میں اور تمہاری نسلوں میں زیادتی ہوگی۔ اور آپ کے ہمراہی بھی ان نعمتوں سے سرفراز کیے جائیں گے۔ ۷۸۔ اگرچہ نوح علیہ السلام کے نام سے لوگ آگاہ تھے اور ان کے احوال کی بھی کچھ کچھ انہیں خبر تھی۔ لیکن وہ سب ظن و گمان کے تراشیدہ افسانے تھے۔ حقیقتِ حال سے کوئی واقف نہ تھا۔ اے میرے نبی! تمہیں بھی ان کے صحیح حالات کا علم نہ تھا اور تیری قوم بھی جاہل اور اَن پڑھ تھی۔ اس غیب کو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی منکشف فرمایا۔

۷۹۔ اس واقعہ کے ذکر کا مقصد محض تاریخ بیان کرنا یا دل بہلانا نہیں بلکہ آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے صبر و استقامت پر

1۔ گلستان سعدی، باب 3، حکایت: 3، ص 111

هُودًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

ہود کو بھیجا۵ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۶ نہیں ہو تم

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

مگر افترا پرداز۔ اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں ہے میری اجرت مگر اس (ذات پاک)

الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔۷ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے۸ پھر (دل وجان سے)

آگاہ کرنا ہے تاکہ آپ بھی کفار و مشرکین کی دل آزاریوں کے مقابلہ میں صبر سے کام لیں (1)۔ یقین کیجئے ان کی نخوت و سرکشی خاک میں مل جائے گی اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

۵ے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا نام عاد تھا جو اپنے کسی دادا کے نام سے موسوم ہوئی تھی۔ ان کا وطن حضر موت اور یمن کا علاقہ تھا۔ اس کی تفصیل سورۃ الاعراف کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیے۔

۶ے آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری طرح طرح کی خرابیوں کے علاوہ وہ شرک کی گمراہی میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مختلف کاموں کے لیے الگ الگ دیوتا مقرر کر رکھے تھے اور انہیں کی وہ پوجا کیا کرتے تھے اپنے خالق سے ان کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا، اس کی یاد کا دیا بجھ چکا تھا، اور اس کی عبادت کا انہیں خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا نبی آتا ہے، انہیں دعوتِ حق بھی دیتا ہے۔ اپنی صداقت کی ایک عقلی دلیل بھی پیش کرتا ہے اور اس گمراہی کے اثرات بد سے بچنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ حضرت ہود اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیتے ہیں اور جھوٹے خداؤں سے قطع تعلقی کی تلقین فرماتے ہیں۔ فرمایا مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ ''اس کے علاوہ اور کوئی نہیں'' یہ مٹی پتھر کے بت بھی کبھی خدا بن سکتے ہیں۔ یہ تمہاری من گھڑت باتیں ہیں جو ہرگز توجہ کے لائق نہیں۔

۷ے اپنی صداقت کی دلیل پیش کی کہ نہ تو میں تم سے کچھ مانگتا ہوں اور نہ تم سے کسی اجر کی تمنا کرتا ہوں، تو پھر مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ سے فرمایا کہ آخر میں تم سے مانگوں تو کیوں مانگوں؟ جبکہ میرا پیدا کرنے والا موجود ہے جو میری ساری ضروریات کا ذمہ دار ہے۔ وہ غنی بھی ہے اور کریم بھی اسے چھوڑ کر میں تمہارے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاؤں۔ ذرا سوچو تو!

۸ے اگر تم گزشتہ گناہوں کی مغفرت طلب کرو گے اور آئندہ کے لیے اپنی عبادت واطاعت اور توجہ کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنا لو گے تو عقبیٰ کی سرخروئی کے ساتھ ساتھ تمہیں اس دنیا میں خوشحال کر دیا جائے گا۔ بارشیں برسیں گی۔ تمہاری بنجر زمین ان سے سیراب ہو کر سونا اگلنے لگے گی۔ ہر طرف سرسبز کھیت لہلہانے لگیں گے۔ معاشی خوشحالی کا ایک زرّیں دور شروع ہو جائے گا۔ جب تمہاری مالی حالت سدھر گئی تو اولاد بھی صحت مند، خوبرو اور بکثرت پیدا ہوگی۔ دولت کی فراوانی اور قبیلہ کے افراد کی کثرت سے تمہاری قوت میں

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، ج 18، ص 9

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى

رجوع کرو اس کی طرف۔ وہ اتاریگا آسمان سے تم پر موسلادھار بارش اور بڑھادیگا تمھیں قوت میں تمھاری پہلی

قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا

قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) جرم کرتے ہوئے۔ انھوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں

نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمھارے کہنے سے ۷۹ اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ

ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کردیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ۸۰ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں

اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ

اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنھیں تم شریک ٹھیراتے ہو۔ ۸۱ اس کے سوا پس سازش کرلو میرے خلاف

بے پناہ اضافہ ہوجائے گا۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی شریعت کی پابندی شروع کردی تو تم مفلس اور قلاش ہوجاؤ گے۔ سوچیے کیا اسی قسم کے غلط تصورات کے باعث ہی ہم دینِ اسلام سے کھچے کھچے نہیں رہتے۔ شریعتِ اسلامیہ کی پیروی کا تصور کرتے ہی غربت وافلاس کے خوفناک سائے ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلنے لگتے ہیں۔ اس حقیقت کا ذکر اس سورت کی ابتدائی آیت میں بھی ہوچکا ہے: وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا۔ مِدْرَارًا: دَرَّ۔ دَرًّا سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے کثرت سے بہنا۔ اَلْمِدْرَارُ غَزِيْرُ السَّيَلَانِ یعنی موسلادھار بارش۔

۷۹ اہلِ کفر کا رویہ ہمیشہ معاندانہ اور متعصّبانہ ہوتا ہے۔ صاف کہہ دیا کہ آپ نے ہمارے سامنے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے ہمیں آپ کی صداقت کا یقین آجائے۔ ہم نہ اپنے خداؤں کو چھوڑیں گے اور نہ آپ کی دعوت قبول کریں گے۔ خواہ مخواہ آپ اپنا دماغ کھپا رہے ہیں۔ اور ہمارا بھی وقت ضائع کررہے ہیں اور اپنا بھی۔

۸۰ یہ جو آپ بہکی بہکی (نعوذ باللہ!) باتیں کررہے ہیں، جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی خدا تم سے ناراض ہوگیا ہے۔ اس نے تم سے عقل سلب کرلی ہے اور اب تم دیوانوں کی طرح باتیں کررہے ہو۔ اپنی سلامتی مطلوب ہے تو ہمارے خداؤں کے قدموں میں گر پڑو اور اپنی گستاخی کی معافی مانگ لو۔ يُقَالُ عَرَاهُ الْاَمْرُ وَاعْتَرَاهُ اِذَا اَلَمَّ بِهٖ (قرطبی) (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 51

جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْؕ

سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو ۸۲ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَاؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے ۸۳ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ ۸۴

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ

پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تو پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف اور جانشین بنا دے گا میرا رب

قَوْمًا غَيْرَكُمْۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔاؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

کسی اور قوم کو تمہارے علاوہ ۸۵ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان

۸۱ ان کی لایعنی اور لغوبات سے آپ جلال میں آ گئے۔ فرمایا تم میری سچائی کی گواہی مت دو۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی میری صداقت کے لیے کافی ہے۔ ہاں! تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے علی الاعلان یہ کہا کہ میرا ان بتوں اور تمہارے ان جھوٹے خداؤں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

۸۲ لو میرا ایک اور اعلان بھی سن لو۔ تم سب مل کر، تم بھی اور تمہارے خدا بھی میرے خلاف جو سازش کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں تم سے کسی رحم کی التجا نہیں کروں گا۔ تم سے مہلت نہیں مانگوں گا۔ لیکن سن لو۔ تم میرا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔

۸۳ اس غیر متزلزل یقین اور نا قابلِ شکست اعتماد کی وجہ بیان فرما دی کہ میرا جس پر بھروسہ ہے وہ بڑی طاقت اور قوت کا مالک ہے وہ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی بلکہ دنیا میں اَن گنت انواع و اقسام کے جو کروڑوں چرند پرند وغیرہ تمہیں نظر آ رہے ہیں وہ سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں اور دم مارنے کی کسی میں مجال نہیں۔ خود سوچو جس کی تائید و نصرت کرنے والا اتنی طاقت کا مالک ہو اسے تم اور تمہارے بے بس خدا کیا گزند پہنچا سکتے ہیں۔ ناصیۃ: پیشانی کے اُوپر اُگے ہوئے بال۔ اَلنَّاصِيَةُ قِصَاصُ الشَّعْرِ فِىْ مُقَدَّمِ الرَّأْسِ (قرطبی) (1) پیشانی کے بالوں کو پکڑنے کا مطلب ہے کسی کو مقہور و مغلوب کرنا۔ اَلْاَخْذُ بِالنَّاصِيَةِ تَمْثِيْلٌ لِّقَهْرِ الْقَاهِرِ عَلَى الْمَقْهُوْرِ وَ ذُلِّ الْمَقْهُوْرِ بَيْنَ يَدَيْهِ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ كَيْفَ يَشَاءُ (قرطبی) (2)

۸۴ تقدیر و تدبیر، جزا و سزا، عطا و حرمان غرضیکہ اس کے تمام افعال عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور اس کی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ واسعہ کے آئینہ دار ہیں۔ قِيْلَ مَعْنَاهُ لَا خَلَلَ فِىْ تَدْبِيْرِهٖ وَلَا تَفَاوُتَ فِىْ خَلْقِهٖ سُبْحَانَهٗ (قرطبی) (3)

۸۵ تمہیں اگر تمہاری پیہم سرکشیوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا گیا تو گلشنِ ہستی کی رونق میں کچھ فرق نہ پڑے گا۔ تم سے بہتر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 52 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 32 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 53

حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

ہے۔ اور جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دیدی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا

اپنی رحمت کے ۸۶ اور ہم نے نجات دے دی انہیں سخت عذاب سے۔ اور یہ قوم عاد (کی داستان) ہے انھوں نے انکار

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾

کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر متکبر منکرِ حق کے حکم کی۔ ۸۷

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا

اور ان کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! ہلاکت و بربادی ہو عاد کے لیے جو ہود کی قوم تھی ۸۸ اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی

کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیا جائے گا جو زندگی کی گلستان میں اعمالِ صالحہ کے پھول کھلائے گی۔ جو اپنی محنت و کاوش سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دے گی۔ ان کے دم قدم سے بزمِ کائنات میں نئی چہل پہل دکھائی دینے لگے گی۔ دنیا کی تقریباً ہر طاقت ور قوم یہی سمجھتی ہے کہ عالم کی آبادی اس کے دم قدم سے ہے۔ اگر اس پر کوئی افتاد پڑی تو ہر طرف بربادی اور ویرانی کا دَور دورہ ہوگا۔ روشنی کے سارے دیئے بجھ جائیں گے۔ جہالت و وحشت کا گھپ اندھیرا چھا جائے گا۔ لیکن ہزاروں قومیں آئیں۔ اپنا مقررہ وقت پورا کر کے چلتی بنیں۔ لیکن خدا کی دنیا آباد ہی رہی اور جب تک اس کی مرضی ہو گی آباد ہی رہے گی۔

۸۶ اس سے مراد ایمان ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق مرحمت فرمائی۔ اَوِ الْاِيْمَانُ الَّذِيْ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ۔ (1)

۸۷ جَبَّارٍ: متکبر اور سرکش۔ عَنِيْدٍ: جو جان بوجھ کر حق کا انکار کرے۔ اَلْعَنِيْدُ الطَّاغِيْ الَّذِيْ لَا يَقْبَلُ الْحَقَّ وَلَا يُذْعِنُ لَهٗ (قرطبی) (2) اِذَا اَبٰى اَنْ يَّقْبَلَ الشَّيْءَ وَاِنْ عَرَفَهٗ (مظہری) (3)

یعنی قومِ عاد کی بربادی کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کا برسرِ اقتدار طبقہ تو ویسے سرکش اور متکبر تھا۔ حق کو قبول کرنا ہی اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا لیکن اس قوم کے عوام نے بھی عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے بھی حضرت ہود کی دعوت پر سنجیدگی سے غور و فکر نہیں کیا تھا۔ وہ بھی لکیر کے فقیر تھے اور اپنے رئیسوں کی چاپلوسی کرتے اور اُن کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ دونوں گروہوں، خاص و عام کو غور و فکر کی طویل مہلت دی گئی۔ لیکن انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ آخر تباہ کر دیئے گئے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 95 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 54 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 95

صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

صالح کو بھیجا ۸۹ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا اس نے پیدا فرمایا تمہیں

مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ

زمین سے اور بسادیا تمہیں اس میں۔ ۹۰ پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل وجان سے) رجوع کرو اس

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

کی طرف ۹۱ بیشک میرا رب قریب ہے (اور) التجائیں قبول فرمانیوالا ہے ۹۲ انہوں نے کہا اے صالح! تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں

۸۸ بُعد کے معنی دُور ہونا اور بَعد کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا گیا یا انہیں ہلاک کر دیا گیا۔(1)

۸۹ حضرت ہود اور اُن کی قوم کے حالات بیان کرنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ثمود کا مسکن حجاز اور شام کا درمیانی خطہ ہے(2)۔ یہ بھی عاد کے قبیلہ کی ایک شاخ ہے جو حضرت ہود پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب سے بچ گئے تھے اور وہاں سے نقل مکانی کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ یہاں آ کر وہ خوب پھلے پھولے۔ ان کے آنے سے یہ خطہ لہلہاتے ہوئے کھیتیوں اور سرسبز و شاداب باغات کے باعث رشکِ ارم بن گیا۔ فنِ تعمیر میں انہوں نے خصوصی مہارت حاصل کی۔ ان کا مفصل ذکر سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ علوم وفنون میں ترقی اور زراعت و باغبانی میں مہارت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت عمدہ ہو گئی۔ لیکن دولت کی فراوانی اپنے جلو میں جن خرابیوں کو لاتی ہے وہ بھی پوری قوت سے ان میں نشوونما پانے لگیں۔ اپنے مالک حقیقی سے رشتہ ٹوٹ گیا۔ باطل خداؤں کی چوکھٹ پر جبیں سائی کرنے لگے۔ عقیدہ کی گمراہی کے ساتھ ساتھ اخلاق کی گراوٹ طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو انہی کی قوم کے ایک فرشتہ سیرت فرد تھے۔

۹۰ حضرت صالح نے بھی اپنی تبلیغ کا آغاز درسِ توحید سے کیا۔ انہیں بتایا کہ تمہارا معبود وہ ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور پھر تم کو اس میں آباد کرنے کا اہتمام فرمایا اور وہ تمام اسباب فراہم کر دیئے جو تمہاری بقاء کے لیے ضروری تھے۔ لیکن جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ رازق انہوں نے تمہیں کچھ بھی نہیں دیا۔ وہ بیچارے دے بھی کیا سکتے ہیں جو اپنے وجود اور اپنی تراش خراش میں تمہارے فنِ سنگتراشی اور مجسمہ سازی کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ بات کتنی احمقانہ ہے! اِسْتَعْمَرَكُمْ: قَالَ قَتَادَةُ اَسْكَنَكُمْ فِيْهَا یعنی اس کا معنی قتادہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں آباد کر دیا ہے۔ ایک دوسرا معنی بھی کیا گیا ہے: اَیْ طَلَبَ الْعِمَارَةَ (3) یعنی اس نے زمین کو آباد کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص55 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت سورۂ اعراف: 83، ج7، جز14، ص168 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص56

هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِىْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

وابستہ تھیں اس سے پہلے۔ کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ اور بیشک ہم

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک ایسے چین کھو دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔۹۳ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن

۹۱ اگرچہ تمہاری زندگی کا اکثر حصہ کفر و شرک میں برباد ہو چکا ہے لیکن ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کی رحمت تمہاری منتظر ہے۔ اب بھی اگر سچے دل سے آ جاؤ گے تو قبول کر لیے جاؤ گے۔ تمہاری عمر بھر کی خطاؤں اور گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

۹۲ جس رب کو تم دور بہت دُور سمجھے ہوئے ہو، بلکہ اپنے ذہن و تصور سے بھی جس کی یاد کے نقش مٹا چکے ہو وہ تو تمہارے بالکل قریب ہے۔ رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب۔ اور مہربان اتنا ہے کہ جو مانگو گے وہی ملے گا۔ اس کے درِ کرم سے کسی سائل کو محروم واپس لوٹایا ہی نہیں جاتا۔ ان اندھے بہرے خداؤں پر فریفتہ ہو رہے ہو جو نہ تمہیں دیکھتے ہیں اور نہ تمہاری فریاد سنتے ہیں۔ اور اس ربِّ کریم سے منہ موڑ رہے ہو جو تمہارے دل کی دھڑکنوں کو بھی سنتا ہے جو رحیم و کریم بھی ہے اور قادر و توانا بھی، جسے تمہارے حال پر ترس بھی آتا ہے اور جو تمہاری مشکلوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

۹۳ حضرت صالح بچپن سے ہی شرافت و متانت کے پتلے تھے۔ ان کی ہر ہر بات سے ذہانت اور دانائی ظاہر ہوتی تھی۔ ان کا دامنِ حیات ہر قسم کی آلودگیوں اور کمزوریوں سے پاک تھا۔ ان کو دیکھ کر ان کی قوم کے افراد ان کے شاندار مستقبل کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر ہماری قومی عظمت کو چار چاند لگا دے گا۔ اس کی حکیمانہ قیادت میں ہم خوب ترقی کریں گے لیکن جب آپ نے انہیں ان کے بتوں کی عبادت سے روکنا شروع کیا جن کی عبادت وہ صدہا سال سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور اللہ رب العزت کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا تو وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ وہ صالح کی زبان سے یہ کیا سن رہے ہیں۔ ان کو اپنے کانوں پر اعتبار ہی نہ آ رہا تھا۔ وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ جسے ہم قومی عروج و اقبال کا ضامن سمجھے ہوئے تھے وہ تو قوم کے بنیادی عقیدہ پر کلہاڑا اچلا رہا ہے۔ یہ تو قوم کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دے گا۔ بڑے حیرت زدہ انداز میں کہنے لگے صالح! ہم نے تو تم سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اور تم یہ کیا کر رہے ہو۔ غور تو کرو کیا ہم ان خداؤں کی پُوجا چھوڑ دیں۔ جن کی پوجا آج تک ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں تو تمہاری اس عجیب و غریب دعوت پر یقین نہیں آ رہا۔ تم نے تو ہمیں ایک ایسے تذبذب سے دوچار کر دیا ہے جس نے ہمارا چین ختم کر دیا ہے اور ہمارے اطمینان و یقین کی دنیا میں ہل چل پیدا کر دی ہے۔ مُرِيْبٍ شَكٍّ کی صفت ہے۔ بابِ افعال سے اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے ریبۃ میں ڈال دینا۔ کہتے ہیں اَرَابَهٗ اِذَا اَوْقَعَهٗ فِى الرِّيْبَةِ۔ نفس کے قلق اور اطمینان و سکون کے اُٹھ جانے کو عربی میں رِيْبَةٌ کہتے ہیں۔ هِىَ قَلَقُ النَّفْسِ وَ انْتِفَاءُ الطُّمَانِيْنَةِ (مظہری) (1) اَلرِّيْبَةُ اسْمٌ مِّنَ الرَّيْبِ قَالَ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اَىْ تَدُلُّ عَلٰى دَغْلٍ وَّ قِلَّةِ يَقِيْنٍ (مفردات) (2) وہ کس قسم کا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 97
2۔ مفردات راغب، ص 369

رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ قف

دلیل پر ہوں ۹۴ اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچائیگا مجھے اللہ (کے عذاب) سے ۹۵

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لیے سوا نقصان کے ۹۶۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے ۹۷ تمہارے لیے نشانی ہے

قلق واضطراب تھا جس کی آگ حضرت صالح نے اُن کے دل میں لگا دی تھی۔ وہی قلق جو ہمیشہ صدائے حق بلند ہونے کے بعد اہلِ باطل کے دِلوں میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ پہلے وہ جس غلط عقیدہ کو قبول کیے ہوتے ہیں۔ اس کے سچا ہونے کے بارے میں انہیں کامل یقین ہوتا ہے۔ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ ایک سراسر باطل نظریہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ لیکن جب حق کا منادی کرنے والا آتا ہے اور اپنی دلنشین آواز، قوی براہین سے ان کی غلطی کو آشکارا کرتا ہے تو وہ قبول کریں یا نہ کریں ان کے دل کی دنیا میں ایک تہلکہ ضرور برپا ہو جاتا ہے۔ اور وہ سکون واطمینان کافور ہو جاتا ہے جو سالہا سال سے ان کے دل میں خیمہ زن تھا۔ بے چارے اسی سکون وطمانیت کے لٹ جانے پر حرفِ شکایت زبان پر لا رہے ہیں۔

۹۴ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لوگوں نے پہلے بڑی منت سماجت کی ہوگی، اپنی توقعات اور امیدوں کا واسطہ دیا ہوگا کہ آپ اس انوکھی دعوت سے باز آجائیں۔ پھر ذرا دھمکا کر آپ کو رام کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ انہیں کی ترغیب وترہیب کے جواب میں آپ نے فرمایا ہوگا کہ اَے قوم! مانا کہ تمہیں نورِ ہدایت نظر نہیں آرہا لیکن میں تو دیکھ رہا ہوں کہ آفتابِ صداقت ضوفشاں ہے۔ میری چشم بصیرت کو میرے پروردگار کی وحدانیت اور کبریائی کے جلوے قدم قدم پر نظر آرہے ہیں۔ میں کس طرح ان تابندہ حقائق کا انکار کرسکتا ہوں مجھے اس نے جن بے پایاں رحمتوں سے نوازا ہے میں ان کی ناشکری کی کیسے جرأت کرسکتا ہوں۔

۹۵ اگر ان حقائق کو یوں بے نقاب دیکھ لینے کے بعد میں تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا انکار کردوں تو اگر میرے رب نے مجھے پکڑ لیا تو کیا تم میں سے کسی میں اتنا دم خم ہے کہ وہ مجھے چھڑا لے؟ اگر تم میری دعوت قبول کرکے اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچانا نہیں چاہتے تو میرے حال پر ترس کھاؤ اور مجھے اپنے ساتھ غرق ہونے پر مجبور نہ کرو۔

۹۶ تم میرے خیر خواہ بن کر مجھے سمجھا رہے ہو لیکن میں تمہاری بات نہیں مان سکتا کیونکہ میرا اس میں سراسر نقصان ہے۔ مجھے ایسے نادان دوستوں کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں جو اپنی بے سمجھی سے مجھے بھی راہ حق سے برگشتہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔

۹۷ آپ کی اس استقامت کو دیکھ کر انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو کوئی معجزہ دکھایئے جس طرح سورۃ الشعراء میں مذکور ہے: فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ ۔(1) ''اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ'' ان کے اس مطالبہ کے جواب میں آپ نے ایک اونٹنی اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے بطورِ معجزہ اور دلیل پیش کی۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ مروی ہے کہ عید کے موقع پر قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ وہ سامنے جو چٹان نظر آرہی ہے۔ اس سے ایک اونٹنی پیدا ہو جائے۔ آپ نے دعا مانگی۔ قدرتِ الٰہی کے سامنے کون سی چیز مشکل ہے۔ دعا قبول ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مطلوبہ اونٹنی نمودار ہوگئی۔ امام

1۔ سورۃ الشعراء: 154

فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ۹۸ ورنہ پکڑ لے گا تمہیں

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ

عذاب بہت جلد پس انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو صالح نے فرمایا لطف اٹھالو اپنے گھروں میں تین

اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا

دن تک ۹۹ یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پھر جب آگیا ہمارا حکم نـ۱ تو ہم نے بچا لیا صالح کو

وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ؕ اِنَّ

اور انھیں جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے نیز (بچا لیا) اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

(اے محبوب) تیرا رب ہی بہت قوت والا بہت عزت والا ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے ۱۰۱ اور صبح کی انھوں نے

مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں اعجاز کی کئی وجوہ تھیں۔ (۱) اس کا یوں چٹان سے نکل آنا۔ (۲) اس کا حاملہ پیدا ہونا (۳) اس کا ایک دن میں سارا پانی پی جانا وغیرہ۔ یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ پر قوی معجزے ہیں۔ لیکن کیا قرآن حکیم نے بھی اس کے متعلق کوئی تصریح کی ہے تو فرماتے ہیں: وَلَيْسَ فِي الْقُرْاٰنِ اِلَّا اَنَّ تِلْكَ النَّاقَةَ كَانَتْ اٰيَةً وَّمُعْجِزَةً فَاَمَّا بَيَانُ اَنَّهَا كَانَتْ مُعْجِزَةً مِّنْ اَيِّ الْوُجُوْهِ فَلَيْسَ فِيْهِ بَيَانُهٗ (کبیر) (1) یعنی قرآن میں تو اتنا مذکور ہے کہ یہ اونٹنی معجزہ تھی۔ لیکن اس میں وجہِ اعجاز کیا تھی، اس میں معجزہ کا کون سا پہلو تھا تو یہ قرآن میں مذکور نہیں۔ اِس لیے ہمیں اتنا ہی یقین کرنا کافی ہے کہ آپ نے بطور معجزہ ایک اونٹنی پیش کی۔ جب کتاب اور سنتِ صحیحہ میں اس کے معجزہ ہونے کی کیفیت بیان نہیں ہوئی پھر اس کی تفصیل کے درپے ہونا وقت ضائع کرنا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۷۳ کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو۔

۹۸ ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۷۸ کا حاشیہ۔

۹۹ جب اُنہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو آپ نے انہیں بتایا کہ تین دن کے بعد تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب یقیناً آئے گا۔ اب جی بھر کر رنگ رلیاں منالو۔

۱۰۰ مدّتِ مقررہ کے بعد عذاب نازل ہوا جس نے کفار کو موت کی نیند سلا دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو اس تباہ کن عذاب سے بھی محفوظ رکھا کہ ان کو خراش تک بھی نہ آئی دوسرا ان کو شرمساری سے بھی بچا لیا۔ کیونکہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق عذاب نہ اُترتا تو آپ کو کتنی خفت اُٹھانی پڑتی۔ کافر تالیاں بجاتے، آوازے کستے اور ان کی اذیت

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 20

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ

اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انھیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی

رسانیوں میں کئی گناہ اضافہ ہو جاتا اور بعض علماء نے وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ میں واؤ کو زائد کہا ہے۔(1)

۱۰۱ یعنی ایسی خوفناک کڑک پیدا ہوئی کہ ان کے دل سینوں میں پھٹ گئے۔ سورۃ الاعراف میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہ انہیں زلزلے نے آلیا۔ یہاں کڑک کا ذکر ہوا، وہاں زلزلہ کا۔ یہ اختلاف کیوں؟ کوئی اختلاف نہیں۔ جب گرجدار آواز پیدا ہوتی ہے تو زمین تھرا اٹھتی ہے۔ جب توپ کا گولہ پھٹتا ہے تو کیا مکان لرزنے نہیں لگتے اور زمین کا نپتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ اگر توپ کے ایک گولہ کے پھٹنے سے یہ حالت ہوتی ہے تو معلوم نہیں اس دہشت ناک کڑک سے کیا محشر بپا ہوا ہوگا۔

اسلام کے کئی خیر خواہوں نے اسلام پر بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ یہاں جس خیر خواہانہ زیادتی کا ذکر مقصود ہے وہ ہے جو بعض کرم فرماؤں نے مستشرقین کے اعتراض سے ڈر کر قرآنی مطالب کے بیان کرنے میں کی ہے۔ قرآنِ کریم میں بیسیوں مقامات پر اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے، اعتقاد و عمل کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، ان کے فسق و فجور سے طہارت و تقویٰ کا دامن تار تار ہو جاتا ہے، ان کا غرور اور تمرد جب عدل و انصاف کے تقاضوں کو روندڈالتا ہے، جب مظلوم کو فریاد کرنے پر سزائیں دی جاتی ہیں تو ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں کے باعث ایسا عذاب مسلط کرتا ہے کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور ان عذابوں کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ جو طوفانوں، زلزلوں، تند و تیز آندھیوں اور بجلی کی کڑک وغیرہ کی شکل میں ان قوموں پر نازل ہوئے اور ان کے غرور کو مٹی میں ملا دیا۔ ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد ہر بار اس قسم کے جملے فرمائے کہ یہ قصص اور حالات عبرت پذیری کے لیے ذکر کیے گئے ہیں، قصہ گوئی اور داستان سرائی مطلوب نہیں لیکن اسلام کے کئی کرم فرماؤں کو اس بات پر اصرار ہے کہ یہ ایسا نہیں یہ عذاب کسی جرم کی سزا نہیں ہے بلکہ ان حادثات کے طبعی اسباب مہیا ہو گئے تو وہ رو پذیر ہوئے۔ ان کے واقع ہونے کو قطعاً کسی کی نیکی اور بدی کے ساتھ ہلکا سا بھی رابطہ نہ تھا۔ ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

"آندھی اور طوفان، پہاڑوں کی آتش فشانی، ان سے ملکوں کا اور قوموں کا برباد ہونا، زمین کا دھنس جانا، قحط کا پڑنا، کئی قسم کے حشرات کا زمین میں، پانی میں، ہوا میں پیدا ہو جانا کئی قسم کی وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہونا سب امور طبعی ہیں۔ جو ان کے اسباب جمع ہو جانے پر موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے رہتے ہیں۔ انسانوں کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے سے فی الواقع اس کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ تورات میں اور دیگر صحفِ انبیاء میں اس قسم کے ارضی وسماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دیئے ہیں۔ مثل ایک پوشیدہ بھید کے سمجھ سے خارج ہے۔ اس سے ہم کو اس مقام پر بحث نہیں ہے مگر قرآن پاک میں بھی ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بلاشبہ تعجب سے خالی نہیں ہے (مقالاتِ سرسید، ص ۱۲۸ حصہ چہاردہم) (2) اس تعجب کو دور کرنے کے لیے دوسرے صفحہ پر یوں رقم طراز ہیں:

پس قرآنِ پاک کے اس قسم کے بیانات کو جن میں حوادثِ ارضی وسماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ ایک

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 61   2۔ مقالاتِ سرسید، ج 14، ص 128

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ

نہ ہوتے تھے۔ سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لیے! اور بلاشبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے

بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ

پاس خوشخبری لے کر۔ انھوں نے کہا (اے خلیل!) آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت

حقیقت اشیاء ''عَلٰی مَا هِیَ عَلَیْهِ'' کا بیان ہے ان سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآن پاک کی۔'' (مقالات سرسید، ص ۱۳۰ چہاردہم) (1)

اس طویل اقتباس پر معذرت خواہی کے بعد گزارش ہے کہ اگر صاحب موصوف نے یہ کہہ کر کسی شبہ کا ازالہ کیا ہے تو انہوں نے دوسری طرف ساتھ ہی سینکڑوں اعتراضات جوان سے بھی زیادہ سخت ہیں، کے لیے زمین ہموار کر دی ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر یہ الزام لگایا کہ ان کے مواعظ کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنی مطلب براری کے لیے ہر مفید مطلب بات کو اپنا لیتے ہیں خواہ وہ صداقت سے کوسوں دُور ہو۔ جب کسی نبی کے متعلق یہ گھٹیا تصوّر آپ کے ذہن میں جاگزیں ہو جائے تو ایک نبی اور ایک سیاسی شعبدہ باز میں آپ کیونکر تمیز کر سکیں گے؟

پھر قرآن جس کو ہم سب کلام الٰہی یقین کرتے ہیں اس کے بیان کردہ حقائق پر آپ کا اعتقاد کیونکر باقی رہے گا۔ حضرت صالح اپنی قوم کو فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد یقیناً تم پر عذاب آئے گا۔ اس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں اور ایسا ہی ہوا تو کیا ان تین دنوں میں وہ سب طبعی اسباب فراہم ہو گئے جن کی وجہ سے کڑک اور زلزلہ رونما ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان عذابوں کی زد صرف کفار پر پڑی اور اہل حق کو خراش تک نہ آئی۔ کون سی چیز تھی جس نے ان عذابوں میں نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت پیدا کر دی۔ قرآن کریم کی ان آیات پر مکرّر غور فرمائیے!

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا الخ ''ہم نے ان کو غرق کیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا'' اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ''عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا اور ان کو ہلاک کر دیا گیا''۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿٩١﴾ (2) ''اے فرعون! عمر بھر نافرمانی کرتا رہا، فساد برپا کرتا رہا، اب ایمان لاتے ہو؟'' وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ ''اس کڑک نے ان لوگوں کو برباد کیا جو ظلم کرتے تھے''۔ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ، الْمُفْسِدِیْنَ، الْمُجْرِمِیْنَ۔ طبعی اسباب کا انکار نہیں لیکن طبعی اسباب کو یکجا کر کے ایک خاص وقت پر ایک مخصوص قوم کے لیے عذاب کی صورت میں ظاہر کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اسی کی قرآن پاک نے بار بار وضاحت فرمائی ہے۔

۱۰۲۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے (3)۔ دونوں مصر سے اس علاقہ میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ آپ نے کنعان کے علاقہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت لوط دریائے اردن کی ترائی میں فروکش ہوئے۔ یہ علاقہ اپنی زرخیزی اور شادابی میں بے مثل تھا۔ یہاں سدوم، عموراہ، اوماد، زبولیم کی بستیاں آباد تھیں۔ حضرت لوط کی قوم جن اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھی ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان کی بستیوں کو زیروزبر کرنے کے لیے جن فرشتوں کو بھیجا گیا انہیں یہ بھی حکم دیا

1۔ مقالات سرسید، ج 14، ص 130 2۔ سورۂ یونس: 91 3۔ حضرت لوط علیہ السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رشتہ داری کے بارے میں دو قول ہیں۔ بھتیجا، چچازاد بھائی

حَنِيۡذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ

کے لیے) ایک بچھڑا بُھنا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انھیں اور دل ہی دل میں

مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ ﴿۷۰﴾ وَامۡرَاَتُهٗ

ان سے اندیشہ کرنے لگے (۱۳۱) فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپکی اہلیہ (سارہ پاس)

گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر ان کی اہلیہ سارہ کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری سناتے جائیں۔ چنانچہ جب وہ حضرت خلیل کے پاس پہنچے تو آپ جلدی سے اُٹھے اور ان کی ضیافت کا اہتمام فرمانے لگے۔ اپنی اہلیہ کو آٹا گوندھنے کا حکم دیا۔ خود اپنے مویشیوں کے گلّہ سے ایک موٹا تازہ بچھڑا پکڑ کر لائے اور ایک خادم کو تیار کرنے کی فرمائش کی۔ جلدی جلدی کھانا تیار کر کے لے آئے اور اپنے مہمانوں کے سامنے دسترخوان پر چُن دیا۔ لیکن مہمانوں نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا آپ حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اگر نووارد اپنے میزبان کے پیش کردہ کھانے کے طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس کی نیت بخیر نہیں۔ آپ سہم گئے اور دل ہی دل میں اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے آپ کی تشویش کو یہ کہہ کر ختم کر دیا۔ آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (1)

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ آنے والے کو سلام کہنا چاہیے اور جنہیں سلام کہا جائے ان پر لازم ہے کہ بڑی خوش اسلوبی سے اس سلام کا جواب دیں۔ قَالُوۡا سَلٰمًا میں سلام منصوب ہے اور قَالَ سَلٰمٌ میں مرفوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا سلام فعل محذوف کا مفعول ہے۔ عبارت یوں ہے: نُسَلِّمُ عَلَيۡكَ سَلَامًا اور دوسرا اسلام مبتداء موخر ہے اور اس کی خبر عَلَيۡكُمۡ محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: عَلَيۡكُمۡ سَلَامٌ آپ نے ان کے سلام کے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال فرمایا جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ چیز جملہ فعلیہ میں نہیں جو ملائکہ نے استعمال کیا تھا۔ نیز اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ مہمان نوازی سنتِ ابراہیمی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مہمان نوازی کی بڑی ترغیب دی ہے اور اسے ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَلۡيُكۡرِمۡ جَارَهٗ وَمَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَلۡيُكۡرِمۡ ضَيۡفَهٗ (2) جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسایہ کی عزت کرنی چاہیے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت و تکریم کرنی چاہیے۔ سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مہمانوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آرام و آسائش کا ازحد اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ دیہات جہاں باہر سے آنے والے مسافروں کے لیے قیام و طعام کا کوئی انتظام نہیں ہوتا وہاں کے لوگوں پر لازمی ہے کہ وہ مہمان کے قیام و طعام کا بندوبست کریں اور بڑے شہر جہاں آرام دہ ہوٹل ہیں وہاں مہمان کی ضیافت مکارم اخلاق سے ہے لیکن ضروری نہیں۔

اِنَّهَا وَاجِبَةٌ فِي الۡقُرٰى حَيۡثُ لَا طَعَامَ وَلَا مَاۡوٰى بِخِلَافِ الۡحَوَاضِرِ فَاِنَّهَا مَشۡحُوۡنَةٌ بِالۡمَاۡوَاتِ وَ الۡاَقۡوَاتِ وَلَا شَكَّ اَنَّ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 63-62 2۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد از حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، متوفی 807ھ، ج 1، ص 619، کتاب الطہارۃ، باب فی الحمام والنورۃ، مطبوعہ دارالفکر بیروت۔ تقدیم و تاخیر کے ساتھ

قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

کھڑی تھیں (یہ بات سن کر) وہ ہنس پڑیں ۱۰۵ تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی ۱۰۶ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا

سارہ نے کہا وائے حیرانی ۱۰۷ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو

لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ

عجیب وغریب بات ہے ۱۰۸ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ ۱۰۹ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور

الضَّيْفُ كَرِيْمٌ وَّالضِّيَافَةُ كَرَامَةٌ (قرطبی)(1)

۱۰۳ بعض صاحبان اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے علمی پر استدلال کرنے لگتے ہیں کہ دیکھو انہیں پتہ نہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں۔ ان کے اس شبہ کے ازالہ کے لیے میں خود تو کچھ عرض نہیں کرتا البتہ مولانا تھانوی کا ایک جملہ نقل کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ شاید ان لوگوں کو اپنی جلد بازی پر تنبیہ ہو جائے۔ ''مفسر تھانوی نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کر لینا صرف ان کے دعوئی پر نہ تھا بلکہ قوتِ مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہو کر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔'' (نقل از تفسیر ماجدی)(2)

کسی چیز کی طرف توجہ کا نہ ہونا اور چیز ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور چیز ہے۔ یہاں توجہ کی نفی ہے علم کی نفی نہیں فَلْيَتَدَبَّرْ۔

۱۰۴ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ بنت ہاران بن ناخور (جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں پاس کھڑی تھیں یا تو جب مہمان آئے اور حضرت ابراہیم ان سے گفتگو کرنے لگے تو یہ خیمہ میں کھڑی ہو کر سننے لگیں یا آپ نے انہیں مہمان کی خدمت گزاری کے لیے مقرر فرمایا اور وہ کھڑی ہو کر یہ خدمت بجا لا رہی تھیں۔(3)

۱۰۵ آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ تھی؟ یا تو آپ نے جب محسوس کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی تشویش دُور ہو گئی ہے اور آپ مطمئن ہو گئے ہیں تو خوشی سے ہنس پڑیں یا عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاقَ فَضَحِكَتْ کہ ہم نے جب انہیں اسحاق کی بشارت دی تو وہ فرطِ مسرّت سے ہنس پڑیں۔ (قرطبی، کبیر)(4) دونوں توجیہیں معقول ہیں۔

۱۰۶ فرشتے آئے تو حضرت خلیل اللہ کے پاس تھے۔ انہوں نے حضرت اسحاق کی بشارت حضرت سارہ کو کیوں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت ہاجرہ کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیل جیسا چندے آفتاب چندے ماہتاب فرزند عطا فرمایا ہوا تھا۔ یہ حضرت سارہ تھیں جن کی شاخِ امید ابھی پھول سے محروم تھی۔ اس لیے انہیں بھی یہ خوشخبری سنائی گئی(5)۔ نیز بچہ کی پیدائش کی خوشی قدرتاً باپ سے زیادہ ماں کو ہوتی ہے۔(6)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 65 2۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 473۔ بیان القرآن، ج 1، ص 56، علیمی، لاہور 3۔ روح المعانی زیر آیت ہذا، جز 12، ص 97

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 67۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 27 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ص 69 6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 100

بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ

اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بیشک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔ پھر جب دُور ہو گیا

عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ

ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف اور مل گیا انھیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے

لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ

میں۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار، رحم دل (اور) ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنیوالے تھے۔ ۱۱۱ اے ابراہیم! اس بات کو

عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ

رہنے دیجئے۔ بیشک آگیا تیرے رب کا حکم۔ اور ان پر آکر رہے گا عذاب

۱۰۷ وَيْلَتٰى اصل میں ویلتی تھا تخفیف کے لیے یاء کو الف سے بدل دیا۔ ''ویل'' کا لغوی معنی ہلاکت ہے۔ یہاں اس سے مراد اپنے لیے بددعا کرنا نہیں محض اظہار حیرت و تعجب مقصود ہے۔ اور عورتیں عام طور پر اظہار تعجب کے لیے ایسے الفاظ ہی استعمال کرتی ہیں (1)۔ وَلَمْ تُرِدْ بِالْوَيْلِ الدُّعَاءَ عَلٰى نَفْسِهَا وَلٰكِنَّهَا كَلِمَةٌ تَخِفُّ عَلٰى اَفْوَاهِ النِّسَاءِ اِذَا طَرَأَ عَلَيْهِنَّ مَا يَعْجَبْنَ مِنْهُ (قرطبی) (2)

۱۰۸ یعنی جب بیوی کی عمر ۹۰ سال کے لگ بھگ ہو اور میاں سو (۱۰۰) سے تجاوز کر چکے ہوں ان حالات میں کسی بچے کا پیدا ہونا خرقِ عادت نہ سہی تعجب خیز ضرور ہے اور ان کا حیرت زدہ ہو کر رہ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔ (3)

۱۰۹ قدرتِ خداوندی اتنی بے پایاں اور وسیع ہے کہ اس کے سامنے سارے تعجب اور ساری حیرتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حضرت سارہؓ کی توجہ جب قدرتِ الٰہی کی طرف مبذول کرائی گئی تو ان کا استعجاب یقین اور فکر مسرت میں بدل گیا۔

۱۱۰ اہلِ بیت پر رحمتِ الٰہی کے نزول اور اس کی بے حساب برکتوں کے ورود کی خوشخبری دی جا رہی ہے یا دعا کی جا رہی ہے ان میں کون شامل ہے؟ حضرت سارہ حضرت خلیل کی زوجہ محترمہ، تو جب حضرت خلیل کے اہلِ بیت میں آپ کی زوجہ محترمہ داخل ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت سے ازواجِ مطہرات کو خارج کرنا کتنی نادانی ہے اور قرآن پر زیادتی ہے۔ یقیناً اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ ۔ (4) کی بشارت میں اولاً اور اصلاً حضور کی ازواجِ مطہرات داخل ہیں (5) اور ثانیاً دوسرے حضراتِ قدسی صفات رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِنَّ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔

۱۱۱ جب آپ کی پریشانی دور ہو گئی اور بیٹے اور پوتے کی بشارت سے دل خورسند ہو گیا تو لگے قوم لوط کے لیے سفارش کرنے يُجَادِلُنَا (ہم سے جھگڑنے لگا) کا لفظ جس محبت، قرب اور پختہ تعلق پر دلالت کر رہا ہے، وہ اہلِ نیاز سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12 ص 99 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9 ص 69 — 3۔ ایضاً ص 70

4۔ سورۃ الاحزاب: 33 — 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9 ص 71

غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

جو پھیرا نہیں جاسکتا ۱۱۲ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس ۱۱۳ وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور

بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ

بڑے پریشان ہوئے ۱۱۴ ان کی وجہ سے۔ اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور (مہمانوں کی خبر سنتے ہی) آئے ان کے پاس

اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ

اس کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ۱۱۵ اور اس سے پہلے ہی وہ کیا کرتے تھے بُرے کام ۱۱۶ لوط نے کہا اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری قوم کی

فرماتے ہیں میرا بندہ میرا خلیل میرے ساتھ ان کے بارے میں جھگڑنے لگا جب اپنے سے کسی اعلیٰ و برتر ہستی کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا ہے اور دونوں طرف سے انتہائی محبت و پیار پایا جاتا ہے تب ہی کسی بات پر ضد اور اصرار کیا جاسکتا ہے ورنہ پہلے تو خود ہی اس قسم کی حرکت کی جرأت نہیں ہوتی اور اگر کسی غلط فہمی کے باعث کوئی ایسی بات زبان پر لاتا ہے تو "ایاز! قدر خود بشناس" کا جواب ملتا ہے، قہر و عتاب کی بجلی کوندتی ہے اور کانوں سے پکڑ کر اسے باہر نکال دیا جاتا ہے لیکن یہاں بڑی محبت سے حضرت خلیل کے اس انداز کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد حَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ کے القاباتِ عالیہ سے ممتاز فرمایا۔ "حَلِيْمٌ" کہتے ہیں بردبار کو جو بدی کرنے والے سے انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ اَوَّاهٌ کہتے ہیں جو دوسرے لوگوں کی غمخواری میں آہ بلب رہے۔ "مُنِيْبٌ" کہتے ہیں جو ہر وقت دل و جان سے اپنے رب کی طرف راغب رہے۔ (مظہری)(1)

۱۱۲ جواب ملا اس جھگڑے کو رہنے دو۔ ان بدبختوں کو مدتوں سمجھایا گیا لیکن وہ اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے۔ ان کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ اب یہ فیصلہ بدلا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ مشرکین کے لیے بخشش نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ان کے حق میں سفارش کرنے سے روک دیا۔

۱۱۳ ملائکہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت لوط کے پاس پہنچے۔ ان باجمال اور بے حد حسین مہمانوں کو دیکھ کر آپ گھبرا گئے۔ آپ کو اپنی قوم کی اخلاقی پستی کا اچھی طرح علم تھا۔ آپ کو خطرہ تھا کہ اگر انہیں خبر ہوگئی تو وہ میرے ان مہمانوں کی بے حرمتی سے باز نہیں آئیں گے۔ قرآنِ پاک نے آپ کے اس اضطراب اور بے چینی کو سِیْٓءَ بِهِمْ اور ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا اور هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ کے بلیغ جملوں سے ظاہر فرمایا ہے۔ (2)

۱۱۴ سِیْٓءَ بِهِمْ کا معنی کیا گیا ہے: سَاءَ مَجِيْئُهُمْ لُوْطًا ان کی آمد نے لوط کو پریشان کیا سَاءَ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ سَاءَ فَهُوَ لَازِمٌ اَسَاءَهٗ فَهُوَ مُتَعَدٍّ (قرطبی)(3)

ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا، ذَرْعٌ کہتے ہیں کہنی تک ہاتھ کو ہاتھ ذکر کر کے قوت مراد لینا عام ہے معنی یہ ہوا کہ آپ نے ان کی وجہ سے اپنے آپ کو کمزور اور بے دست و پا محسوس کیا اور قوم کے شر سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہ آئی قُلْتُ وَالذَّرْعُ فِي الْاَصْلِ الْيَدُ اِلَى الْمِرْفَقِ وَالسَّاعِدِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص102 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص32 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص74

بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

بیٹیاں ہیں ۱۱۷ وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لیے تم خدا کا خوف کرو! اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے معاملہ میں۔

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۞۷۸ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ

کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی)

بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۞۷۹ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ

بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ۱۱۸ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس

وَيُطْلَقُ عَلَى الْقُوَّةِ كَالْيَدِ وَالْمَعْنٰى هٰهُنَا ضَاقَتْ اَيْ ضَعُفَتْ بِهِمْ طَاقَتُهٗ وَلَمْ يَجِدْ مِنَ الْمَكْرُوْهِ مُخْلِصًا (کذافی القاموس)(1)

علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ھُوَ كِنَايَةٌ عَنْ شِدَّةِ الْاِنْقِبَاضِ لِلْعِجْزِ عَنْ مُدَافَعَةِ الْمَكْرُوْهِ (2) یعنی یہ الفاظ اس دل گرفتگی اور انقباض کے بیان کے لیے بطور کنایہ ذکر کیے جاتے ہیں، جو انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی تکلیف کو دور کرنے سے بالکل عاجز ہو جائے۔ يَوْمٌ عَصِيْبٌ: شدید سخت۔ ان کے مزید حالات کے لیے سورۃ الاعراف کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

۱۱۵ قوم کو جب پتہ چلا کہ اس طرح کے خوبرو نوجوان لوط کے مہمان بنے ہیں تو بھاگتے چلے آئے۔ کہتے ہیں ان کی آمد کی اطلاع حضرت لوطؑ کی بیوی نے انہیں دی تھی۔ يُهْرَعُوْنَ: اَلْاِهْرَاعُ سے مشتق ہے۔ کہتے ہیں اَهْرَعَ الرَّجُلُ اِهْرَاعًا اَيْ اَسْرَعَ فِيْ رَعْدَةٍ مِّنْ بَرْدٍ اَوْ غَضَبٍ اَوْ حُمًّى یعنی شدتِ جوش و غضب سے کانپتے ہوئے بھاگتے چلے آئے۔ یہ لفظ عام طور پر مجہول ہی استعمال ہوتا ہے۔ (3)

۱۱۶ جس فاسد اور گندی نیت سے وہ بھاگتے چلے آرہے تھے اس کی طرف اشارہ کیا کہ وہ لواطت کا فعلِ بد چھپ کر نہیں کیا کرتے تھے کہ کسی کو خبر تھی اور کوئی بے خبر تھا۔ بلکہ اس کا ارتکاب بانگ دُہل کیا کرتے۔ سب کو ان کی خباثت کا علم تھا۔ اس لیے ان کے یوں دندناتے چلے آنے کا مقصد کسی سے مخفی نہ تھا۔

۱۱۷ حضرت لوط کو جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا۔ یہ لوگ ان کے محترم مہمانوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی ایسی جمعیت نہ تھی جو ان وحشیوں کو ڈنڈے مار کر بھگا دیتی۔ بڑے یاس کے عالم میں فرمایا هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ یہ میری لڑکیاں ہیں۔ یہ طریقہ بڑا پاکیزہ اور ستھرا ہے۔ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ (میری لڑکیاں) سے مراد آپ کی قوم کی بچیاں ہیں۔ کیونکہ نبی اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں جن کو تم نے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے لیکن ان کے قریب تک نہیں جاتے ہو۔ ان کی طرف متوجہ ہو۔ تمہاری خواہشِ نفس بھی احسن طریقہ پر پوری ہوگی اور ان کے حقوقِ زوجیت بھی ادا ہو جائیں گے۔ یہی توجیہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اُن کی قوم کے رئیسوں نے آپ سے آپ کی بیٹیوں کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ نے ان کے فسق و فجور اور ان کی رذیل حرکتوں کے باعث رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جب انہوں نے آپ کے مہمانوں کی بے حرمتی کرنا چاہی تو آپ اس بات پر بھی آمادہ ہو گئے کہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 102 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 302 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 75-74

قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝۸۰ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی ۱۱۹ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں ۱۲۰

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پس آپ لیکر نکل جائیے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی

اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ

نہ دیکھے۔ مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیے بیشک وہی (عذاب) اسے بھی پہنچے گا جو ان (دوسرے مجرموں) کو پہنچا۔ ان پر عذاب آنے کا مقرر وقت

الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝۸۱ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا

صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟ پھر جب آپہنچا ہمارا حکم ۱۲۱ تو ہم نے کر دیا اس کی

خواہشمند رئیسوں کو دے دیں۔ تاکہ اس تعلق کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے اوباشوں کو اس ذلیل حرکت سے باز رکھیں۔ لیکن تورات کی روایت کو اگر معتبر مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بیٹیاں شادی شدہ تھیں۔ اس لیے ان کے بیاہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کتاب پیدائش باب ۱۹ کی آیت ۱۲ میں ہے۔ "تب ان مردوں نے لوط سے کہا کیا یہاں تیرا اور کوئی ہے؟ داماد اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور جو کوئی تیرا اس شہر میں ہو سب کو اس مقام سے باہر نکال لے جا"۔ آیت ۱۴ میں ہے۔ "تب لوط نے باہر جا کر اپنے دامادوں سے جنہوں نے اس کی بیٹیاں بیاہی تھیں، باتیں کیں اور کہا کہ اُٹھو اور اس مقام سے نکلو کیونکہ خداوند اس شہر کو نیست کرے گا" (1)۔ اس لیے پہلی توجیہہ ہی درست ہے اور حضرت لوط کے مقام رسالت کے مناسب ہے۔

۱۱۸ حق سے مراد یہاں حاجت ہے یعنی ہمیں ان عورتوں کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ ہم جس مقصد کے لیے آئے ہیں تم اچھی طرح جانتے ہو، اِس لیے ہماری مزاحمت نہ کرو اور بیچ سے ہٹ جاؤ۔ (2)

۱۱۹ جب آپ نے دیکھا کہ منت و سماجت بھی بے اثر ہے اور افہام و تفہیم کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو آپ پر گویا کوہِ الم ٹوٹ پڑا اور نہایت ہی حسرت آمیز لہجہ میں یہ فرمایا۔

۱۲۰ فرشتے اب تک یہ منظر خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ جب ان اوباشوں کی گستاخی اور حضرت لوط کی پریشانی اور بے بسی کی انتہا ہو گئی تو فرشتے گویا ہوئے اے لوط! گھبراؤ نہیں۔ دروازہ کھول دو اور ان مسخروں کو آگے آنے دو ہم لونڈے تھوڑے ہیں کہ یہ آگے بڑھ کر ہم کو دبوچ لیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور ہمیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں لیکن آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اس کا انجام وہی ہو گا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان ظالموں کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ صرف

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہدنامہ)، پیدائش، باب 19، آیت 12، 14، ص 18 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 35

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً

بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے اُن پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے۔ جو نشان زدہ تھے

عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ

آپکے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دُور۔ اور اہلِ مدین کی طرف (ہم نے) انکے بھائی

شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا

شعیب کو بھیجا ۱۲۲ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو ۱۲۳

صبح ہونے کی دیر ہے اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں۔(1) **۱۲۱** جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا گیا۔ ان کی فلک بوس عمارتیں زمین پر اوندھی گرا دی گئیں۔ ان پر سخت پتھروں کی ایسی موسلا دھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاک سیاہ بن کے رہ گئے۔ سعدون، عموراہ، اوما اور زبوئیم ان کی چاروں بستیاں اس جگہ آباد تھیں۔ جہاں آج کل بحرِ مردار یا بحرِ لوط ہے۔ اب بھی بحرِ لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں۔ اور کثرت سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔

چند تشریح طلب الفاظ: سِجِّيْلٌ کا معنی نحاس اور ابوعبیدہ نے بہت سخت اور کثیر کیا ہے اَلسِّجِّيْلُ: اَلشَّدِيْدُ الْكَثِيْرُ۔ مَنْضُوْدٌ۔ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے یعنی جب وہ پتھر برسنے لگے تو بلا توقف برستے چلے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دھاگہ میں پروئے ہوئے ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے گرتے چلے جاتے ہیں (2) مُسَوَّمَةٌ: نشان زدہ۔ گویا ان پر قدرت کے اسلحہ سازی کے کارخانہ کی مہر لگی ہوئی تھی مُسَوَّمَةٌ مُعَلَّمَةٌ مِنَ السِّيْمَاءِ وَهِيَ الْعَلَامَةُ (3) اور مُسَوَّمَةٌ کا یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ ہر پتھر پر اس فاسق کا نام لکھا ہوا تھا جسے اس نے فنا کرنا تھا۔ وما ھی الخ یعنی قوم لوط کی اُجڑی اور الٹی ہوئی بستیاں مکہ کے ظالم کافروں سے دور نہیں ہیں۔ وہ خود وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس واقعہ کی تصدیق کر سکتے ہیں ہم انہیں کسی ایسی قوم کا حال نہیں سنا رہے کہ جن کے ویران علاقہ تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں بِبَعِيْدَةٍ ہونا چاہیے لیکن ھی میں مکان کا معنی ملحوظ رکھ کر بَعِيْد مذکر ذکر کیا گیا قِيْلَ الْمَعْنٰى مَا هٰذِهِ الْقُرٰى مِنَ الظَّالِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ بَيْنَ الشَّامِ وَالْمَدِيْنَةِ وَجَاءَ بِبَعِيْدٍ مُذَكَّرًا عَلٰى مَعْنٰى بِمَكَانٍ بَعِيْدٍ۔ (قرطبی) (4)

۱۲۲ حضرت لوط کی قوم کے عبرتناک انجام کے بعد اب حضرت شعیب علیہما السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کی قوم مدین اور اس کے نواحی علاقہ میں آباد تھی۔ یہ شہر بحرِ احمر کے اس مقام پر آباد تھا جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو تجارتی شاہراہیں آ کر ملتی تھیں۔ یمن و شام اور عراق و مصر کے قافلے یہیں سے گزرتے تھے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مدین کتنی بڑی تجارتی منڈی ہوگی، وہاں کاروبار کا کیا عالم ہوگا اور وہاں کے باشندے کتنے آسودہ حال ہوں گے۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ ہر پیغمبر کا مقصد اولین یہی ہوتا ہے کہ بندے کا رشتہ اس کے رب کے ساتھ استوار کرے۔ اور معبودِ حقیقی کی صحیح معرفت سے اسے بہرہ ور کرے۔ اس کے بعد قوم جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہو چکی ہو اسے ان سے نجات پانے کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج9، ص79 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص83 4۔ ایضاً، ص84

الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّىٓ أَرٰىكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ

ناپ اور تول میں میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

اُس دن کا عذاب آجائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾

اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔

راستہ بتائے۔ حضرت شعیب جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ اپنے رب کو بھول چکی تھی۔ ان کا تعلق اس معبودِ برحق سے بالکل کٹ چکا تھا جس کی الوہیت کے زمزمے ان کے جدِ امجد حضرت خلیل علیہ السلام عمر بھر گاتے رہے تھے۔ انہوں نے بھی مشرک قوموں سے متاثر ہو کر طرح طرح کے بت بنا لیے تھے جن کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب نے سب سے پہلے انہیں یہی دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی خدا نہیں۔

۱۲۳؎ ہر قوم اپنے مخصوص حالات اور ماحول کی وجہ سے مخصوص اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اہلِ مدین کیونکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی میں آباد تھے اور کاروبار میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اس لیے ان میں وہی کمزوریاں پوری شدت سے رونما ہوئیں جو عام طور پر اس ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ناپ اور تول میں خیانت، لیتے وقت زیادہ ناپنا اور زیادہ تولنا اور دیتے ہوئے کم ناپنا اور کم تولنا۔ آپ نے اسی حرکت سے انہیں باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت شعیب کو حسنِ خطابت کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کا یہ خطبہ جو ان آیات میں مذکور ہے کتنا حکیمانہ اور مدلل ہے۔ پہلے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ یہ گھٹیا حرکت تو وہ کرتے ہیں جو غریب اور نادار ہوں لیکن اِنِّىٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ تمہاری مالی حالت بہت بہتر ہے تم آسودہ حال ہو، کاروبار بڑے عروج پر ہے اتنے متمول ہونے کے باوجود تمہارا ان رذیل ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا تمہاری شان کے شایان نہیں۔ کس عمدہ طریق سے انہیں شرم دلائی جارہی ہے اور اس فعل سے انہیں روکا جارہا ہے۔ غیرت وحمیت کو مہمیز لگانے کے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کردی کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس چابکدستی سے ڈنڈی مارتے ہو کہ تم لوگوں کی سادہ لوحی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نفع کما لو اور تھوڑی سی مدت میں امیر کبیر بن جاؤ۔ اور تمہارا خیال ہے کہ اگر تم نے بہت دولت اکٹھی کرلی تو امن وسلامتی اور راحت و شادمانی کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن تمہارا یہ خیال درست نہیں۔ ناجائز معاشی استحصال کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ اس سے آخر کار فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ وہی لوگ جو آج تمہیں کمزور اور بے زبان نظر آرہے ہیں اور جن کے متعلق تمہارا یہ نظریہ ہے کہ ان کے جسم سے جتنا بھی خون نکال لیا جائے یہ اُف تک نہیں کریں گے۔ ان میں تو احتجاج کی سکت تک بھی نہیں لیکن جب ظلم وتشدد کی انتہا ہو جائے گی تو ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جائے گا۔ اور مُہرِ خاموشی ٹوٹ جائے گی۔ ان کی بے نور آنکھوں سے غیظ وغضب کے انگارے چھوٹیں گے۔ ان کی زبان شعلہ نوا بنے گی اور تمہارے عشرت کدوں اور تمہارے سامانِ تعیش کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادے گی۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دینے سے وہی بہتر ہے[۱۲۴] تمھارے لیے اگر تم ایمان دار ہو۔[۱۲۵] اور نہیں ہوں میں تم پر

بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

نگہبان[۱۲۶] قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمھاری نماز تمھیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انھیں جن کی عبادت

اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ

کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا[۱۲۷] یا یہ کہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں[۱۲۸] (ازراہِ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن

الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

رہ گئے ہو۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے

تم انہیں باغی کہو گے، فسادی اور فتنہ باز کہو گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فتنہ وفساد کے باعث تم ہو، سارا ایندھن تم نے فراہم کیا۔ انہوں نے تو صرف آگ لگادی۔ یہ ہلاکت خیز بم تم نے تیار کیا۔ انہوں نے تو جوشِ انتقام میں صرف اس کا بٹن دبا دیا۔

معاشی میدان میں ناجائز وسائل سے نفع اندوزی کرنے والوں کو فساد برپا کرنے والا کہہ کر ایک تلخ لیکن ناقابلِ انکار حقیقت سے پردہ اٹھایا۔ آج ہر ملک میں بے چینی اور بے اطمینانی کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ معاشی زبوں حالی کی وجہ سے کتنے ملک سرخ انقلاب کی آماجگاہ بنے کتنے شاہی خاندانوں کو ان کی نادار اور کمزور رعایا نے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا۔ کیا یہ چیزیں ہمیں بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں۔ اللہ نے اس حقیقت کو صدہا سال پہلے کتنی وضاحت سے بیان فرما دیا۔ اب اس سے نصیحت حاصل کرنا تو ہمارا فرض ہے۔

۱۲۴ دولت کی ہوس بڑی شدید ہوتی ہے۔ اس کا طالب کبھی سیر نہیں ہوتا وہ چاہتا ہے کہ دولت کے انبار پر انبار لگاتا ہی چلا جائے۔ یہی لالچ اسے ہر قانون شکنی اور اخلاقی ضابطوں کی پامالی پر اکساتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نبی قناعت کا درس دیتا ہے کہ حلال ذریعہ سے جو دولت مل جائے اسی پر قناعت کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ زیادہ دولت کا کمانا قطعاً وجہِ شرف نہیں۔

۱۲۵ یہ فرما کر ان کی غیرت ایمانی کو جھنجوڑا۔ نیز بتایا کہ مومن کا یہی شعار ہونا چاہیے تم اپنے آپ کو مومن کہلا کر بھی اگر کافرانہ حرص وحوس کے اسیر ہو تو پھر یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

۱۲۶ یعنی میرا کام تو تمہیں سمجھانا ہے اور اس میں میں کوتاہی نہیں کر رہا۔ تمہاری ہر وقت نگرانی کرنا اور تمہیں جبراً ان حرکات سے باز رکھنا میرے فرائض میں داخل نہیں۔

۱۲۷ حضرت شعیب کے خطبہ میں دو چیزیں تھیں۔ پہلی یہ کہ اپنے خدا کی عبادت کرو اور ان من گھڑت خداؤں کی پوجا سے باز آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے جواب میں تو انہوں نے وہی جملہ کہہ دیا جو سارے مشرک کہا کرتے تھے کہ ہم

وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ

اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی [129] اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں

اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ

جس سے میں تمہیں روکتا ہوں [130] نیز نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (و درستی) جہاں تک میرا بس چلے [131] اور نہیں میرا راہ پانا

اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے [132] اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت

ان خداؤں کو چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں جن کی عبادت صدیوں سے ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ بات کہنے کے ساتھ ساتھ آپ پر ایک چوٹ بھی کردی یعنی یہ جو تم بڑے صوفی بنے ہوئے ہو اور اپنے مصلی پر اوپر نیچے ہوتے رہتے ہو کیا اس چیز نے تمہیں ایسی اَن ہونی اور ناقابلِ اعتبار بات کہنے کی جرأت دلائی ہے۔

۱۲۸ دوسری بات جو آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی تھی کہ کاروبار میں بددیانتی چھوڑ دو۔ پورا تولو، پورا ناپو۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے ورنہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔ اور تم پر قہرِ خداوندی نازل ہوگا، اس کے جواب میں جو بات انہوں نے کہی آج تک دولت کے پجاری اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار یہی کہتے سنائی دیتے ہیں کہ یہ مال ہمارے ہیں۔ ان کے ہم مالک ہیں۔ اس لیے ہمیں مکمل اختیار ہے کہ جس طرح ہم چاہیں انہیں استعمال کریں۔ ہم اپنی اس آزادی پر کسی قسم کی پابندی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اے شعیب! آپ خواہ مخواہ ہماری آزادیٔ عمل میں مخل نہ ہوں اور ہماری اقتصادی ترقی میں روڑے نہ اٹکائیں۔ اس سلسلہ میں ہم آپ کی کوئی بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ آخر میں پھر ایک طنزیہ جملہ چست کردیا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۔ کہ بس ایک آپ ہی حلیم و رشید اس علاقہ میں رہ گئے ہیں باقی تو سب نادان اور گمراہ ہی ہیں۔

حضرت شعیبؑ نے ان کی سرد مہری اور دل آزاری کے باوجود انہیں فرمایا کہ تم مجھ سے بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو تمہیں شاید یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ میں تمہاری آسودگی پر حسد کرتا ہوں اور مجھے تمہاری یہ ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ آسودگی عارضی نہ ہو، پائیدار ہو۔ تمہاری یہ ترقی کھوکھلی نہ ہو حقیقی ہو۔ اور مجھے جو نورِ بصیرت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ تم ہلاکت کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہو۔ میں یہ کیسے برداشت کرسکتا ہوں کہ میری قوم جن کے ساتھ میرا خونی رشتہ ہے وہ برباد ہو رہی ہو اور میں خاموش بیٹھا رہوں؟ میں تو تمہیں آگاہ کرتا ہی رہوں گا۔ میں تو تمہیں باز آ، باز آ کی ندائیں دیتا ہی رہوں گا۔ اگر تم نے میری دعوت کو مسترد ہی کردیا اور گردابِ ہلاکت میں چھلانگ لگادی تو کم از کم میرا ضمیر تو مطمئن ہوگا کہ میں نے تمہاری خیراندیشی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

۱۲۹ اور مجھے تم سے حسد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ میں کوئی مفلس و نادار تو نہیں ہوں کہ تمہاری دولت کو دیکھ کر جل رہا ہوں۔

شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

(اللہ کی نافرمانی پر)[۱۳۳] مبادا پہنچے تمھیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝٨٩ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

یا قوم صالحؑ کو۔ اور قوم لوطؑ تو تم سے کچھ دُور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝٩٠ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ

پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اسی کی طرف[۱۳۴] بیشک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنیوالا ہے۔ وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے

مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمت کے خزانوں سے حلال اور وسیع رزق عطا فرمایا ہے کَانَ شُعَيْبٌ كَثِيْرَ الْمَالِ قَالَ بِهٖ ابْنُ عَبَّاسٍ۔ (1)

۱۳۰۔ میرا عمل تو دیکھو کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ دولت جمع کرنے کے جن ناجائز ذرائع سے میں تمہیں روکتا ہوں کبھی میں نے انہیں خود استعمال کیا ہو یا جس بات کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہو خود اس کی خلاف ورزی کی ہو۔ جب میرا عمل میرے ہر قول کی تصدیق کر رہا ہے۔ تو پھر تمہیں میری خیر خواہی پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

۱۳۱۔ میری ان ساری کاوشوں کا ایک ہی مقصد ہے کہ تمہارا عقیدہ بھی درست ہو جائے اور تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہو جائیں۔ تمہاری ساری مخالفتوں کے باوجود میں حتی المقدور یہ کوشش جاری رکھوں گا۔

۱۳۲۔ پہلے جملہ میں اصلاح کی نسبت اپنی طرف کی گئی تھی جس سے بظاہر ادعاء کی بُو آ رہی تھی اس لیے فوراً کہہ دیا۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض میرے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری سے ہو رہا ہے۔ توفیق کا معنی ہے اچھے مقصد کے حصول کے لیے تمام اسباب کا مہیا کر دینا۔ جَعْلُ الْاَسْبَابِ مُوَافِقًا لِلْمَطْلُوْبِ الْخَيْرِ۔ (2)

۱۳۳۔ بعض لوگ کسی کی عداوت اور مخالفت میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہیں رہتا۔ وہ اس کی ہر بات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ اس کے اتباع میں ان کا ذاتی فائدہ بھی ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں سچی سچی باتیں تمہیں سنا رہا ہوں۔ کھلی کھلی حقیقتیں بتا رہا ہوں۔ اور تم ان سے دُور بھاگتے ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم محض میری وجہ سے ان حقائق کو پس پشت ڈالنے پر مصر ہو۔ عقلمند لوگ تو ایسا نہیں کیا کرتے۔ وہ کسی کی عداوت میں اندھے ہو کر اپنے آپ کو تو برباد نہیں کرتے۔ تم بڑے جہاندیدہ لوگ ہو۔ تم میری مخالفت میں اتنے دُور تو نہ چلے جاؤ کہ نجات کے سارے راستے مسدود ہو جائیں۔

۱۳۴۔ اپنے بارِ گناہ کو دیکھ کر اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یہ خیال نہ کرو کہ عمر بھر تو اس کی سرکشی کرتے رہے۔ اب آخر میں کیا خاک مسلمان ہوں گے؟ یہاں مایوسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تم اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے مغفرت طلب کرو گے اور آئندہ کے لیے اس کے ساتھ اطاعت و انقیاد کا پیمانِ وفا باندھو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے دامنِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اس کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 89 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 111

كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرٰىكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ۱۳۵ اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو

لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم

ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ ۱۳۶ آپ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے ۱۳۷ تمہارے نزدیک

مغفرت کا ایک چھینٹا تمہاری عمر بھر کی غلطیوں اور نادانیوں کے لیے کافی ہوگا۔ کیونکہ میرا رب جس کی رحمتِ واسعہ کی میں تم کو خوشخبری دے رہا ہوں، جس کی بارگاہِ عزت میں حاضر ہونے کی میں تمہیں ترغیب دے رہا ہوں، جس کے دامنِ کرم میں سر چھپانے کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے، اس کا بحرِ کرم بیکراں ہے، اس کی عنایات کا بادل جب برستا ہے تو ہر چیز کو سیراب کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے بلکہ زمین وآسمان کا واحد مالک ہونے کے باوجود وہ اپنے بندوں سے نفرت نہیں کرتا اور انہیں نظرِ حقارت سے نہیں دیکھتا بلکہ محبت فرماتا ہے اور جب کوئی روسیاہ شکستہ دل ہو کر اس کے حضور میں حاضر ہوتا ہے تو اسے بے پایاں مسرت ہوتی ہے۔ میں تمہیں ایسے رحیم اور ودود کے دربار میں باریابی بخشنے کے لیے اتنا بے چین و بے قرار ہوں۔

وَدُوْدٌ مبالغہ کا صیغہ ہے (1)، بہت محبت فرمانے والا۔

۱۳۵ اللہ کا نبی اپنے اخلاص اپنی بے غرضی اور خیر اندیشی کا یقین دلانے کی کوشش فرماتا ہے اور انہیں متنبہ کرتا ہے کہ تم میری عداوت کے جوش میں دامنِ حق کو چھوڑ دینے کی غلطی نہ کرو لیکن اس ساری دلسوزی کا صلہ قوم کی طرف سے بجز نفرت وحقارت کے اور کچھ نہیں ملتا بلکہ وہ ازراہِ طنز اور استہزاء کہتے ہیں کہ جناب! آپ ایسی باتیں کرتے ہیں جو ہمارے فہم سے ہی بالاتر ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ہمیں کیوں دق کرتے ہیں۔ کسی ایسی قوم کے پاس تشریف لے جائیے جو آپ کی ان عالمانہ باتوں کی قدر کر سکے اور ان فاضلانہ نکات کی داد دے سکے۔ قَالُوْا ذٰلِكَ إِعْرَاضًا عَنْ سِمَاعِهٖ اِحْتِقَارًا لِّكَلَامِهٖ (قرطبی) (2)

۱۳۶ یعنی بہتر یہ ہے کہ آپ ہماری سمع خراشی سے باز آجائیں۔ جب ہمیں آپ کی باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں تو آپ خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو بھی ہلکان کر رہے ہیں اور ہمیں بھی پریشان کر رہے ہیں اور اگر ہماری اس مہذبانہ تنبیہ کے باوجود آپ نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو پھر ہمیں دوسرا حربہ استعمال کرنا پڑے گا۔ اے شعیب! ہمیں تو تمہارے کنبہ والوں کا لحاظ ہے اس لیے ہم خاموش ہیں ورنہ تم میں اتنی طاقت کہاں کہ ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکو۔ رَهْطٌ خاندان کے ان افراد کو کہتے ہیں جو کسی شخص کی تقویت کا باعث ہوں اور دُکھ سکھ میں اس کے شریک ہوں۔ رَهْطُ الرَّجُلِ عَشِيْرَتُهُ الَّذِيْ يَسْتَنِدُ اِلَيْهِمْ وَيَتَقَوّٰى بِهِمْ (قرطبی) (3)

۱۳۷ حضرت شعیب کو ان کا یہ قول از حد ناگوار گزرا اور اپنی اس ناگواری اور ناپسندیدگی کا برملا اظہار فرما دیا کہ تمہیں میرے خاندان کا پاس تو ہے جس کی وجہ سے تم مجھے کچھ نہیں کہتے ہو لیکن کیا تمہیں میرے رب کا لحاظ نہیں جس نے مجھے تمہاری ہدایت کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے؟ یہ سچی باتیں جو بے دھڑک تمہیں سنا رہا ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ میرا خاندان میری پشت

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 122 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 91 3۔ ایضاً

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۹۲﴾

اللہ تعالیٰ سے۔ اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اسکو اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے

وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

اور اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمھیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر

یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ

آتا ہے۔ عذاب جو اسے رسوا کر دے گا ۱۳۸ اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار

رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

کرنے والا ہوں۔ اور جب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انھیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ

مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ

اپنی خاص رحمت سے اور آ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں

جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ

کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بسے ہی نہ تھے ۱۳۹ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لیے جیسے ہلاک ہو چکے تھے

پناہی کر رہا ہے بلکہ میری اس دلیری اور بیباکی کا راز اپنے رب پر توکّل کرنے میں ہے۔ اسی کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر میں اتنا دلیر بنا ہوا ہوں کہ تم تمام سیٹھوں کی مخالفت کو خاطر میں نہیں لا رہا۔ مجھے تمہارے اس بیہودہ قول سے سخت صدمہ پہنچا ہے کہ تمہارے دلوں میں میری قوم کا لحاظ اور وقار تو ہے لیکن میری طاقت کے اصلی سرچشمے، میرے رب کو تم نے یوں بھلا دیا ہے جیسے کوئی چیز پسِ پشت ڈال دی جاتی ہے تف ہے تمہاری اس نادانی اور کم فہمی پر یَعْنِیْ تَرَكْتُمْ قَتْلِیْ لِاَجْلِ رَهْطِیْ وَمَا بَالَیْتُمْ مِّنَ اللّٰهِ بِنِسْبَتِیْ بِرِسَالَتِهٖ (مظہری)(1) اَلظِّهْرِیُّ مَنْسُوْبٌ اِلَی الظَّهْرِ وَالْكَسْرُ مِنْ تَغْیِیْرَاتِ النَّسَبِ۔(2)

۱۳۸ جب ان کو سمجھاتے سمجھاتے سالہا سال گزر گئے اور وہ دعوتِ حق کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے انہیں آگاہ فرما دیا کہ اب وہ عذاب آنے والا ہے اور کھرے اور کھوٹے اور سچے اور جھوٹے میں خود بخود امتیاز ہو جائے گا۔

۱۳۹ وہ عذاب ایک خوفناک کڑک کی صورت میں آیا سارے ظالم موت کی نیند سو گئے۔ اور ان کی برباد بستیوں کو دیکھ کر یہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص113 2۔ ایضاً

ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى

ثمود۔ اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور صریح غلبہ کے ساتھ۔ ۱۴۰؎

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انھوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی۔ اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا ۱۴۱؎

بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ

وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا روزِ قیامت ۱۴۲؎ اور لا ڈالیگا انھیں آتش (جہنم) میں۔ بہت بری داخل

خیال ہونے لگا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آدمی بسا ہی نہیں تھا لیکن ہم نے اس عذاب سے شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بچالیا بِرَحْمَةٍ مِّنَّا کے الفاظ سے یہ بتایا کہ ان کا نجات پا جانا محض ہماری رحمت کی وجہ سے تھا۔

۱۴۰؎ متعدد انبیاء اور ان کی نافرمان قوموں کے عبرت آموز حالات سنانے کے بعد حضرت موسیٰ اور فرعون کے ذکر سے اس بات کا اختتام ہو رہا ہے۔ آیات سے مراد تورات کی آیتیں نہیں، کیونکہ تورات کا نزول تو غرقِ فرعون کے بعد ہوا بلکہ آپ کے وہ نو معجزات مراد ہیں جن کا ذکر سورۃ الاسراء میں بالتفصیل ان شاء اللہ آئے گا اور سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد یا تو وہ قوی دلائل و براہین ہیں جو فرعون سے مناظرہ کے وقت آپ نے پیش کیے اور اسے خاموش ہونا پڑا یا اس سے مراد عصا ہے جس نے ساحرانِ فرعون کی ساری شعبدہ بازی کا طلسم چشم زدن میں توڑ کر رکھ دیا اور حق کو اتنا عیاں کر دیا کہ وہ سب کے سب آپ پر ایمان لائے۔

عصا اگرچہ ان نو نشانیوں میں سے ایک ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے علیحدہ بھی ذکر کیا۔(1)

۱۴۱؎ رَشِیْدٌ غَوِیٌّ کی ضد ہے۔ رشید کا لفظ ہر اس کام کے لیے استعمال ہوتا ہے جو قابلِ تحسین اور پسندیدہ ہو اور غوایت ہر اس کام کو کہتے ہیں جو قابلِ مذمت اور ناپسندیدہ ہو اَلرُّشْدُ يُسْتَعْمَلُ فِيْ كُلِّ مَا يُحْمَدُ وَيُرْتَضٰى ضِدُّ الْغَيِّ فَاِنَّهٗ يُسْتَعْمَلُ فِيْ كُلِّ مَا يُذَمُّ (مظہری)(2) یعنی فرعون کی ساری باتیں رشد و ہدایت سے بیگانہ تھیں۔ اس کے دعویٰ خدائی سے لے کر بنی اسرائیل کو غلام بنانے تک کوئی چیز بھی تو ایسی نہ تھی جسے بنظرِ استحسان دیکھا جا سکتا ہو یا عقل و دانش کے معیار پر پوری اترتی ہو اور اس سے بھی زیادہ قابلِ تاسف اس کی قوم کا طرزِ عمل تھا جس نے کسی دعویٰ کو عقلِ سلیم کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری نہ سمجھا اور جس ظلم و تشدد اور جن احمقانہ حرکات کا وہ عمر بھر ارتکاب کرتا رہا۔ اس کے متعلق اس سے بازپرس تو کجا اس کے حسن و قبح پر غور کرنے کی حاجت بھی محسوس نہ کی۔

۱۴۲؎ جس طرح دنیا میں وہ آنکھیں بند کیے فرعون کے پیچھے چلتے رہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس روز بھی ان کا حشر اپنے اس لیڈر کے ساتھ ہوگا جس کی غلط قیادت نے انہیں دنیا میں برباد کیا تھا۔ آج بھی جو منزل اس کی ہوگی وہی ٹھکانہ ان کا ہوگا۔ یہ بتا دیا کہ آنکھیں بند کر کے پیچھے چلنے والے یہ فرض نہ کر لیں کہ اگر ان کے لیڈر اپنی غوایت و گمراہی کی وجہ سے گرفتارِ عذاب

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 114 2۔ ایضاً

الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ

ہونے کی جگہ ہے ۱۴۳ جہاں انھیں داخل کیا جائیگا اور ان پر بھیجی جاتی رہے گی اس (دنیا) میں لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ بہت بُرا

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا

عطیہ ہے جو انھیں دیا جائیگا ۱۴۴ یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ

ہوئے تو انہیں اس لیے معاف کر دیا جائے گا کہ ان بے چاروں نے خود تو برائی کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا، یہ تو غلط قیادت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے اس لیے سارا مواخذہ ان کے لیڈروں سے ہی ہونا چاہیے۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ گمراہ لیڈر کو بھی سزا ملے گی اور ان کے پیروکاروں پر بھی عذاب آئے گا۔ اُن کو غور و فکر کی جو صلاحیتیں دی گئی تھیں ان سے کام لے کر انہوں نے حق و باطل میں کیوں امتیاز نہ کیا۔ ان کو دیدۂ بینا بخشا گیا تھا۔ وہ دانستہ کیوں اندھے بنے رہے۔ کیا یہ کوئی کم جرم ہے؟ قیامت کے دن بھی ان کا لیڈر آگے آگے ہوگا اور یہ نامراد پیروکار اپنی قسمت کو روتے ہوئے اپنے لیڈر کو کوستے ہوئے کشاں کشاں، افتاں و خیزاں اس کے پیچھے جا رہے ہوں گے۔ ہر گمراہ لیڈر اور اس کے ماننے والے اسی طرح میدانِ حشر میں حاضر کیے جائیں گے اور انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔ علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے یہ حدیث نقل کی ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَؤُ الْقَیْسِ حَامِلُ لِوَاءِ شُعَرَاءِ الْجَاهِلِیَّةِ اِلَی النَّارِ (1) کہ زمانہ جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امرؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ان سب کو لے کر جہنم میں جائے گا۔

۱۴۳ یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں۔ وِرْدٌ اسم ہے اس کا مصدر وُرُوْدٌ ہے جس کا معنی ہے پانی کی تلاش میں جانا اور اَلْوِرْدُ اس پانی کو کہتے ہیں جس کا قصد کیا گیا ہو اَلْوُرُوْدُ اَصْلُهٗ قَصْدُ الْمَاءِ یُقَالُ وَرَدْتُ الْمَاءَ فَاَنَا وَارِدٌ وَّ الْمَاءُ مَوْرُوْدٌ اَلْوِرْدُ الْمَاءُ الْمُرَشَّحُ لِلْوُرُوْدِ اسْتُعْمِلَ فِی النَّارِ عَلٰی سَبِیْلِ الْفَظَاعَةِ (مفردات) (2)

صاحب روح المعانی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں فَالْوِرْدُ عَلٰی هٰذَا بِمَعْنٰی نَصِیْبٍ مِّنَ الْمَاءِ وَ الْمَوْرُوْدُ صِفَتُهٗ وَ الْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ وَهُوَ النَّارُ (3) : وِرْدٌ کا معنی ہے پانی کا حصہ۔ یہ موصوف ہے اور اَلْمَوْرُوْدُ اس کی صفت ہے۔ دونوں مل کر بِئْسَ کے فاعل ہیں اور مخصوص بالذم اَلنَّارُ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اپنے پیروکاروں کے آگے اس طرح جا رہا ہوگا جس طرح قافلہ کی ضروریات کے لیے پانی تلاش کرنے والا قافلہ کے آگے چلتا ہے۔ لیکن ان بدنصیبوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا کہ جس گھاٹ پر فرعون انہیں لیے جا رہا ہے وہاں میٹھا اور ٹھنڈا پانی نہ ہوگا جو ان کی تشنگی کو دور کرے گا اور ان کے گھبرائے ہوئے دلوں کی تسکین کا باعث ہوگا۔ بلکہ ابلتا ہوا کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ اگر وہ پئیں گے تو ان کے منہ اور گلے جل جائیں گے اور ان کی آنتیں پھٹ جائیں گی اور اگر نہیں پئیں گے تو شدتِ پیاس سے ویسے جان نکلے گی۔

۱۴۴ رِفْدٌ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو سہارا دینے کے لیے اس کے ساتھ رکھی جاتی ہے مَا یُضَافُ اِلٰی غَیْرِهٖ

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج2، ص458۔ مسند امام احمد، ج2، ص228
2۔ مفردات راغب، ص865
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج12، ص134

قَآئِمٌ وَّحَصِيۡدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَمَاۤ

ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں ۱۴۵ اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انھوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر۔ پس

اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىۡ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ

نہ فائدہ پہنچایا انھیں ان کے (جھوٹے) خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی

شَىۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ‌ؕ وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ‏ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ

جب آ گیا حکم آپ کے رب کا۔ ان دیوتاؤں نے تو فقط ان کی بربادی میں ہی اضافہ کیا ۱۴۶ اور یونہی

اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ‌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ

گرفت ہوتی ہے آپکے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور)

شَدِيۡدٌ‏ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ‌ ؕ ذٰلِكَ

سخت ہوتی ہے۔ بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لیے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے ۱۴۷ یہ وہ

لِيَعْبِدَهٗ وَيَدْعَمَهٗ۔ اور اس کا معنی مدد کرنا اور بخشش بھی آیا ہے۔ اَلرِّفْدُ الْمَعُوْنَةُ وَ الْعَطَاءُ (المنجد)(1) یعنی جو مدد انہیں دی گئی جو بخشش ان پر کی گئی وہ بہت بری تھی یعنی دنیا میں بھی سب لوگ ان نابکاروں اور نابکاروں پر لعنت بھیجتے رہے اور قیامت کے دن بھی اگر ان کی کچھ امداد کی گئی یا انہیں کوئی چیز بخشی گئی تو وہ یہی تھی کہ انہیں مزید لعنت اور پھٹکار کا مستوجب قرار دیا گیا بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ کا معنی ہوگا وہ مدد جو اُن کی گئی تھی یا وہ عطا جو ان کو بخشی گئی تھی وہ بہت بُری تھی۔

۱۴۵ یہ واقعات جو تمہارے سامنے پیش کیے گئے ہیں ان بستیوں کے حالات ہیں جن میں سے بعض کے کچھ کھنڈرات باقی ہیں اور اپنے پاس سے گزرنے والوں کو زبانِ حال سے اپنی آبادی اور بربادی کی ہوشربا داستان سنا رہے ہیں۔ اور بعض بستیاں ایسی بھی ہیں جن کا نام ونشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ان کی عظمت پر نوحہ کرنے کے لیے کوئی شکستہ دیوار بھی موجود نہیں۔ قَآئِمٌ: جس کا کوئی نہ کوئی نشان باقی ہو۔ حَصِیْدٌ۔ وہ کھیتی جسے کاٹ دیا گیا ہو۔ یہاں وہ قوم مراد ہے جس کا کوئی نشان باقی نہ رہا ہو۔

۱۴۶ یعنی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو جن جھوٹے سہاروں پر انہوں نے تکیہ کیا ہوا تھا وہ ایک ایک کرکے گرتے اور ناپید ہوتے چلے گئے اور اس آڑے وقت میں وہ ان کے کسی کام نہ آئے بلکہ ان جھوٹے سہاروں پر اعتماد ہی ان کی بربادی کا باعث بنا۔ وہ ان کو بڑا قوی اور مضبوط سمجھتے رہے اور ان کی بے بسی اور بے دست و پائی کا یقین تب انہیں ہوا جب وقت ہاتھ سے گزر چکا تھا۔

1۔ المنجد، ص 270

يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا

دِن ہے جس دن اکٹھے کیے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دِن ہے جب سب کو حاضر کیا جائیگا ۱۴۸ اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

ایک مقررمدت تک جو گنی ہوئی ہے۔ جب وہ دِن آئیگا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اسکی اجازت کے ۱۴۹ بعض ان میں سے

شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ

بدنصیب ہونگے اور بعض خوش نصیب ۱۵۰ سو وہ جو بدنصیب ہیں وہ آگ میں ہوں گے ان کے (مقدر میں) وہاں چیخنا

وَّشَهِيْقٌ ۙ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا

اور چلانا ہوگا ۱۵۱ وہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں ۱۵۲ مگر

۱۴۷ ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد وحید تو صرف یہ ہے کہ گمراہ لوگ اپنی اصلاح کریں لیکن ایسا نہیں ہوتا جو عیش و عشرت میں کھوئے ہوئے ہیں وہ ان باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اُن کے لیے یہ اجڑے ہوئے دیار اور کھنڈرات تفریح کا سامان ہوتے ہیں۔ ان کے استاد انہیں یہ بتاتے ہیں کہ ان بربادیوں کا تعلق ان کی سرکشیوں سے نہ تھا بلکہ طبعی اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ زلزلہ آیا اور اس آبادنگر کی فلک بوس عمارتیں پیوندِ خاک ہوگئیں، بارشیں کثرت سے ہوئیں، دریاؤں میں پانی آگیا اور طغیانی آگئی جس نے ان تمام آباد علاقوں کو ویران کر دیا۔ بادل آئے جس طرح آتے رہتے ہیں۔ بجلی کڑکی جیسے اکثر کڑکتی رہتی ہے اور اتفاقیہ اس محل یا قلعہ پر آگری اور اس کی بنیادوں کو بھی اکھیڑ کر رکھ گئی۔ اس بگڑی ہوئی اور بڑی کوشش سے بگاڑی ہوئی ذہنیت سے جب ان بستیوں کو دیکھا جائے تو کبھی اپنے اعمال کے محاسبہ کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا آج آثارِ قدیمہ میں غور وفکر کرنے والے عبرت پزیری کے اس جذبہ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہی خوش نصیب ان گزرے ہوئے واقعات سے درسِ ہدایت سیکھتا ہے اور ان خاموش در و دیوار کی زبانِ حال سے عبرت کی کہانی سن کر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوتا ہے جو قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ وہ دن آنے والا ہے جبکہ سب لوگ بارگاہِ ربّ العزت میں پیش کیے جائیں گے اور ان سے ان کے اعمال پر محاسبہ ہوگا اور اسے بھی وہاں جواب دہی کے لیے ضرور حاضر ہونا ہوگا۔

۱۴۸ یعنی نیک و بد سب حاضر ہوں گے۔ (1)

۱۴۹ آج تو ان خدا فراموشوں اور خود فریبوں کی چرب زبانی کا یہ عالم ہے کہ بولتے بولتے تھکنے کا نام نہیں لیتے لیکن اس روز سب دم بخود کھڑے ہوں گے کسی کو یارائے تکلّم نہ ہوگا۔ ایسے معلوم ہوگا کہ گویا کسی نے ان کی زبانوں پر تالے ڈال دیے ہیں اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 96

مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۰۷ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا

جتنا چاہے آپ کا پروردگار بیشک آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور وہ جو خوش نصیب ہیں تو وہ

فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا

(نعیم) جنت میں ہونگے ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر

مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝۱۰۸ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

جتنا چاہے آپ کا رب۔ یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی ۱۵۴ تو اے سننے والے! نہ ہو جا تو شک میں ۱۵۵ انکے متعلق جنکی یہ پوجا

هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا

کرتے ہیں۔ وہ نہیں پوجتے مگر ایسے ہی جیسے پوجتے تھے انکے باپ دادا اس سے پہلے۔ اور ہم یقیناً

ان کے لبوں کو سی دیا گیا ہے۔ اس دن وہی لب کشائی کر سکے گا جسے بولنے کی اجازت ملے گی اور کون نہیں جانتا کہ وہ حاملِ لواء الحمد اور صاحب مقام محمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۵۰ آج بھی دنیا بٹی ہوئی ہے لیکن یہ تقسیم امیر وغریب، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کی بنیادوں پر قائم ہے۔ قیامت کے روز یہ مصنوعی امتیازات ختم کر دیئے جائیں گے اور نوعِ انسانی صرف دو گروہوں میں بانٹی جائے گی۔ ایک گروہ کو سعید کہا جائے گا اور دوسرے کو شقی۔ جنہوں نے اپنی دنیوی زندگی میں اپنے رب کو پہچانا اور اس کی بندگی میں اپنی عمر بسر کی ان کو الگ کر دیا جائے گا اور ان پر سعادت کا پرچم لہرائے گا اور جو عمر بھر اپنے مالک کو بھلائے رہے اور اپنی نفس پرستی میں مگن رہے ان پر بدبختی اور حرماں نصیبی کی پھٹکار پڑتی ہوگی۔

۱۵۱ جب گدھا ہینگتا ہے تو اس کی ابتدائی آواز کو زفیر کہتے ہیں جو بلند ہوتی ہے اور اس کی آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں جو نسبتاً آہستہ ہوتی ہے اور سینے سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے بلند آواز سے چلانے کو زفیر اور آہستہ آہستہ نالہ وفریاد کرنے کو شہیق سے تعبیر کیا گیا۔

۱۵۲ یعنی دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آیت میں آسمان اور زمین سے موجودہ آسمان وزمین مراد نہیں کیونکہ یہ تو اس وقت فنا کر دیئے جائیں گے۔ بلکہ عالمِ آخرت کے آسمان وزمین مراد ہیں جو ابدی ہوں گے اور اگر آیت میں یہی زمین وآسمان مراد ہوں تو پھر کفار کے ابدی عذاب کو ان الفاظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب جب کسی چیز کی ابدیت اور دوام کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو انہی الفاظ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اِنَّ الْعَرَبَ يُعَبِّرُوْنَ عَنِ الدَّوَامِ وَالْاَبَدِ بِقَوْلِهِمْ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ (1)

۱۵۳ ابنِ قتیبہ، ابن الانباری وفراء جو لغت ونحو کے امام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ استثناء ہے جسے عملی جامہ نہیں پہنایا جائے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص65

لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

پورا پورا دینے والے ہیں انھیں ان کا حصہ جس میں ذرا کمی نہیں ہوگی۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰؑ کو کتاب

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ

پھر اختلاف کیا جانے لگا اس میں ۱۵۶ اور اگر ایک بات پہلے طے نہ کر دی گئی ہوتی آپکے پروردگار کی جانب سے ۱۵۷ تو فیصلہ کر دیا گیا ہوتا انکے

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

درمیان اور بیشک وہ ایسے شبہ میں ہیں اسکے متعلق جو بے چین کر دینے والا ہے۔ اور یقیناً ان سب اختلاف کرنیوالوں کو پورا پورا بدلہ دیگا انھیں

اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ

آپ کا رب انکے کرتوتوں کا ۱۵۸ بیشک اللہ تعالیٰ جو کام وہ کرتے ہیں ان سے خوب آگاہ ہے۔ پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے حکم دیا گیا ہے آپکو اور وہ بھی ۱۵۹ جو

گا۔ محض اظہارِ قدرت و اختیار کے لیے ذکر کیا گیا جیسے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (1) میں ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہاں الا استثناء کے لیے نہیں بلکہ سوا کے معنی میں ہے یعنی وہ اتنی مدت دوزخ میں رہیں گے جتنی مدت آسمان و زمین کو بقا نصیب ہے اور اس کے سوا اور بھی اور وہ اتنا جتنا اللہ چاہے گا جس کو نہ تم سمجھ سکتے ہو اور نہ اس کا اندازہ ہی کر سکتے ہو۔ اگرچہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ کفار کے لیے بھی جہنم کا عذاب کبھی نہ کبھی منقطع ہو جائے گا لیکن جمہور کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ ختم نہیں ہوگا (2) اور احادیثِ صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۱۵۴ یعنی اہلِ جنت کو جن انعامات سے سرفراز کیا جائے گا وہ ایسے نہیں ہیں جن کا سلسلہ کچھ مدت کے بعد منقطع ہو جائے، بلکہ ان خوش نصیبوں پر ان کے خداوند کریم کے فضل و کرم اور جود و عطا کی بارش ہمیشہ ہمیشہ برستی رہے گی۔

۱۵۵ یہاں بھی خطاب عام قاری کو ہے کیونکہ حضور کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس صدرِ منشرح اور قلبِ منور میں اس قسم کے شبہ کی پرچھائیں تک بھی پڑ سکتی ہو۔ اس سے پہلے کئی مقامات پر اس مسئلہ کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۵۶ یعنی جس طرح اہلِ مکہ قرآن کے متعلق دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بعض لوگ اس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں اور ان کی ایک بھاری اکثریت اس کو کلامِ الٰہی ماننے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ اے محبوب ان کے طرزِ عمل پر آپ پریشان و حزین نہ ہوں۔ ایسا ہوتا ہی آیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ پر جو کتاب اُتاری گئی تھی اس پر بھی تو سب لوگ ایمان نہیں لائے تھے فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (3)

۱۵۷ چاہیے تو یہ تھا کہ منکرین پر فوراً عذاب آتا، تاکہ دوسرے لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہوتا لیکن آپ کا رب ان کے

1۔ سورۃ الاعلیٰ 7-6 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 67-66 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 121

وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۲ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ

ثابت قدم رہیں) جو تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں اور سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ اور مت جھکو انکی طرف جنھوں نے ظلم کیا ۱۶۰ ورنہ

ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ

چھوئے گی تمھیں بھی آگ۔ اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۳ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ

پھر تمھاری مدد بھی نہ کی جائے گی اور قائم کیجیے نماز دن کے دونوں سروں پر ۱۶۱ اور کچھ رات کے

بارے میں ایک فیصلہ فرما چکا ہے اس لیے اس کے پیشِ نظر فوراً عذاب نہیں اُترے گا۔

۱۵۸ اس آیت میں لَمَّا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ عاصم بن عامر اور حمزہ قراء نے لَمَّا مشدد پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے لَمَا مخفف پڑھا ہے اگر یہ مخفف ہو تو لام قسم کا ہوگا اور مَا تاکید کے لیے اور مزید ہوگا یا مَا بمعنی مَنْ ہوگا مَا کو مزید مانا جائے تو آیت کا معنی ہوگا وَ اللّٰهِ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ اور اگر مَا کو بمعنی مَنْ کہا جائے تو معنی ہوگا وَ اللّٰهِ لَمَنْ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ اور اگر لَمَّا مشدد پڑھا جائے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں اس کا اصل لَمَنْ مَا تھا۔ نون کو میم سے بدلا گیا لَمَمَّا ہوا۔ تین میم جمع ہو گئے۔ پہلے کو حذف کیا یہاں بھی مَا مزید ہوگا۔ معنی ہوگا لَمَنْ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ یا یہ لَمَّ (يَلُمُّ) سے مصدر ہے۔ تنوین کے عوض تخفیف کے لیے الف آ گیا لَمَّا ہو گیا۔ اس وقت معنی ہوگا اِنَّ كُلًّا جَمِيْعًا (مظہری)(1) آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن پر ایمان لانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں۔ ہم سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیں گے۔

۱۵۹ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے عقائد، اعمال اور اخلاق میں اسلام کے احکام پر پابندی سے چلنے اور چلتے رہنے کو استقامت کہتے ہیں۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کے مفہوم کی وضاحت بڑے واضح انداز میں بیان فرمائی ہے قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَلِاسْتِقَامَةُ اَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى الْاَمْرِ وَ النَّهْيِ وَ لَا تَرُوْغَ رَوْغَانَ الثَّعْلَبِ یعنی استقامت کا یہ معنی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر ثابت قدمی سے عمل پیرا رہے اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر نہ کرتا رہے (2)۔ ع حکم دشوار است تاویلے مجو واقعی استقامت کا مقام بڑا کٹھن ہے اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا: اَلِاسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ (3) کہ استقامت کا درجہ کرامت سے بہت بلند ہے۔

۱۶۰ رُكُوْن کا معنی ہے محبت اور دلی میلان اَلرُّكُوْنُ اَلْمَحَبَّةُ وَ الْمَيْلُ بِالْقَلْبِ۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ظالموں کی مداہنت (خوشامد) مت کرو قَالَ السُّدِّيُّ لَا تُدَاهِنُوا الظَّلَمَةَ۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ان کی اطاعت نہ کرو۔ وَقَالَ عِكْرِمَةُ لَا تُطِيْعُوْهُمْ (4)۔ علامہ بیضاوی نے فرمایا لَا تَمِيْلُوْا اِلَيْهِمْ اَدْنٰى مَيْلٍ (5) یعنی ان کی طرف تھوڑا سا قلبی میلان بھی مت کرو۔ علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تشریح

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 22-121 2۔ ص 122 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، ص 123 5۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 307

الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

حصوں میں۔ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ ۱۶۲ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنیوالوں کے لیے۔

وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوۡلَا كَانَ

اور آپ صبر کیجیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کے اجر کو۔ تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ

مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِيَّةٍ يَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ

ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں ایسے زیرک لوگ ہوتے ۱۶۳ جو روکتے زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے

فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا

مگر وہ قلیل تھے ۱۶۴ جنھیں ہم نے نجات دی تھی ان سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اس

اس طرح لکھی ہے: اَلرُّکُوْنُ حَقِیْقَتُہُ الْاِسْتِنَادُ وَالْاِعْتِمَادُ وَالسُّکُوْنُ اِلَی الشَّیْءِ وَالرِّضَاءُ بِہٖ۔ رکون کا معنی ہے کہ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور اس کی طرف سے مطمئن اور راضی ہو جانا۔ ابو العالیہ نے کہا ہے لَا تَرْضَوْا اَعْمَالَھُمْ (قرطبی)(1)

ان کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ان بدمذہبوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا عذابِ الٰہی کا باعث ہے ہم اپنی نادانی سے ان کی صحبت کو بے ضرر خیال کرتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے بے دھڑک ان کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہر وقت اس موقع کی تاڑ میں رہتے ہیں جبکہ وہ پھونک مار کر تمہارے ایمان کی شمع کو گل کر دیں۔ اس لیے اہلِ اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت سے احتراز کریں اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی سنگت کرنا اور ان کی تقویت کا باعث بننا جو لوگوں کے حقوق تلف کرتے ہیں یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔ تمہاری تائید اور اعانت صرف ان لوگوں کے لیے ہونی چاہیے جو صحیح عقیدہ کے علمبردار ہیں اور اپنی عملی زندگی میں عدل وانصاف کی قدروں کو سربلند دیکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ مذاہبِ باطلہ کی فرقہ بازیاں، سیاسی جتھہ بندیاں اور قبائلی تعصب ملت کے لیے تباہ کن ہیں اور اس کے شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہیں۔

۱۶۱ دن کا ایک کنارہ صبح اور دوسرا شام ہے۔ اس آیت میں صبح، مغرب اور عشاء کی نمازوں کا حکم ہے(2)۔ اگر یہ سورت (واقعۂ معراج) سے پہلے نازل ہوئی ہو تو پھر اس آیت سے نماز پنجگانہ کا ثبوت تلاش کرنا قبل از وقت ہوگا۔ کیونکہ صلوات خمسہ کی فرضیت تو شبِ معراج میں ہوئی۔

۱۶۲ نیکیوں کا دوگنا اثر ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ بذاتِ خود نیکی ہے اور اس پر اچھے نتائج مرتب ہوں گے۔ دوسرا وہ برائیوں کے ان اثرات کے ازالہ کے لیے بھی اکسیر کا کام دیتی ہے جو انسان سے وقتاً فوقتاً صادر ہو ہی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی وضاحت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 108 2۔ ایضاً، ص 109

مَآ اُتۡرِفُوۡا فِيۡهِ وَكَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهۡلِكَ الۡقُرٰى

عیش وطرب کیے جس میں وہ تھے ۱۶۵ اور وہ مجرم تھے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کردے بستیوں کو

بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ

ایک ہی امّت ۱۶۶ (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لیے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لیے انھیں پیدا فرمایا ہے ۱۶۷ اور پوری ہوگئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دونگا جہنم کو

کرنے کے لیے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اے صحابہ اگر کسی آدمی کے گھر کے سامنے سے نہر گزرتی ہو۔ وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ وہ تو بالکل پاک ہو جائے گا۔ اس کے جسم پر میل کا نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ تو حضور نے فرمایا اسی طرح جو آدمی دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بالکل باقی نہیں رہتے۔ (1)

۱۶۳ بَقِيَّةٌ سے مراد عقل و دانش ہے اور اسے بقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان وہی چیز محفوظ رکھتا ہے جو نہایت ہی عمدہ ہو۔ عرب جب یہ بتاتے ہیں کہ فلاں آدمی زیرک اور عقلمند ہے تو کہتے ہیں فُلَانٌ ذُوْ بَقِيَّةٍ يُقَالُ فُلَانٌ مِّنْ بَقِيَّةِ الْقَوْمِ مِنْ خِيَارِهِمْ (مظہری) (2) آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب شوریدہ سر اور بد دماغ لوگوں نے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی شروع کی تو قوم کا ایک سنجیدہ اور سمجھ دار طبقہ آگے بڑھتا اور ان لوگوں کو سمجھاتا کہ تم اس سرکشی کی راہ کو اختیار نہ کرو، کیونکہ یہ راہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں جا کر پھینکے گی۔ وہ لوگ جو سمجھ بوجھ کے مالک تھے وہ گوشۂ عافیت میں دبکے بیٹھے رہے ان کے سامنے ان کی قوم گل کھلاتی رہی لیکن وہ اس خوف سے ان کے مزاحم نہ ہوئے کہ مَبادا انہیں بھی ہدفِ تنقید بننا پڑے۔ اس مجرمانہ خاموشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم بھی غرق ہوئی اور یہ بھی اس کے ساتھ غرق کر دیئے گئے۔ ۱۶۴ بہت کم ایسے لوگ تھے جنہوں نے انبیاء کے دوش بدوش کھڑے ہو کر تبلیغِ حق کا دشوار فریضہ ادا کیا اور ہم نے ان کو اپنے عذاب سے نجات دی۔

۱۶۵ یعنی عیش و عشرت کے جو اسباب انہیں میسّر تھے انہیں میں وہ مگن رہے، اُنہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ انہیں ایک دن اس بزمِ طرب کو الوداع کہنا ہوگا۔ وہ اِن فانی اور ناپائیدار مسرتوں میں ایسے کھوئے رہے اور اس فرحت و سرور کے سلسلہ کو دراز کرنے میں اتنے منہمک رہے کہ انہیں اپنی موت کا دن کبھی یاد نہ آیا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل الصلوٰۃ المکتوبہ فی جماعۃ، ج 1، ص 235، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 127

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

رجن و انسان (دونوں) سے۔ اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لیے

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ

ہیں کہ پختہ کردیں ان سے آپکے قلب (مبارک) کو۔ ۱۶۸ اور آیا ہے آپکے پاس اس سورت میں حق اور

مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا

پُر نصیحت اور یاد دہانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔ اور آپ فرما دیجئے انھیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم عمل کرتے رہو

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ لا وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ

اپنی جگہ پر اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی منتظر ہیں اور اللہ ہی کے

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ

لیے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام۔ تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی پر بھروسہ رکھیے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ ۱۶۹

ع ۱۰ / ۱۴

۱۶۶ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کی فطرت میں نافرمانی کی قوت پیدا ہی نہ کرتا۔ یا ان کو غلط راستے پر چلنے کا اختیار ہی نہ دیتا یا اپنے خوف کا وہ ڈنڈا آٹھوں پہر ان کے سر پر آویزاں کردیتا کہ وہ گناہ کے ارتکاب کی طاقت واختیار کے باوجود اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر ہی نہ دیکھتے لیکن اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہ تھا اور انسانی شرافت اور عظمت بھی اس کی متحمل نہ تھی۔ اس لیے سب کو حق و باطل کی راہیں بتلادی گئیں اور انہیں ان دونوں راہوں میں سے کوئی ایک اختیار کرنے کی آزادی دے دی گئی۔

۱۶۷ اس جملہ کا تعلق آیت کے کس حصہ کے ساتھ ہے؟ بعض نے یہ لکھا ہے کہ اس کا تعلق اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے ساتھ ہے۔ یعنی انسان کی آفرینش کی غایت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہرہ ور ہوتا رہے۔ اور ہمیشہ ہدایت کی شاہراہ پر گامزن رہے۔ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ مُجَاهِدٌ وَّ قَتَادَةُ وَضَحَّاكٌ وَّ لِرَحْمَتِهٖ خَلَقَهُمْ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق اختلاف سے ہے یعنی انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کوئی راہ اختیار کرے۔ اسے کسی ایک راہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح جو اختلاف رونما ہوگا اس کے پیشِ نظر بعض کو جنت میں اور بعض کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ قَالَ الْحَسَنُ وَّ مُقَاتِلٌ وَّ

عطاءٌ اِيماءُ الْاِشَارَةِ لِلْاِخْتِلَافِ اَیْ وَلِلْاِخْتِلَافِ خَلَقَهُمْ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذٰلك کا مشارٌ الیہ اختلاف اور رحمة دونوں ہیں اور واحد اسمِ اشارہ کا مشارٌ الیہ دو متضاد چیزیں ہوتی رہتی ہیں جیسے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (1) یہاں بھی ذلك کا مشارٌ الیہ فضل اور رحمت دونوں ہیں یعنی اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اہلِ اختلاف کو اختلاف کے لیے پیدا کیا اور اہلِ رحمت کو رحمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں هٰذَا اَحْسَنُ الْاَقْوَالِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ یہ توجیہ سب سے بہتر ہے۔(2)

۱۶۸؎ جن ایام میں اس سورت کا نزول ہوا وہ اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کے لیے بڑے صبر آزما دن تھے۔ کفار کا غیظ و غضب شباب پر تھا۔ اسلام کی ترقی نے انہیں آتشِ زیر پا کر دیا تھا وہ اس شمعِ حق کو بجھانے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش میں مصروف تھے۔ غریب مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلآزاری اور حوصلہ شکنی کے لیے ہر ہتھکنڈا استعمال میں لایا جا رہا تھا ظاہر بین نگاہوں کو یاس وقنوط کے اندھیرے ہر سمت چھائے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ امید کی کوئی کرن بھی توافق پر نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں اور ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اولوالعزم انبیاء ورسل کے واقعات سنائے اس آیت میں اس حقیقت کو بیان فرمایا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ اے میرے محبوب! آپ کا قلبِ مبارک مستحکم و مضبوط رہے اور آپ کے غلاموں کو بھی تسکین واطمینان کی دولت نصیب ہو۔

۱۶۹؎ آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں سرگرم رہو اور اس پر بھروسہ اور اعتماد قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے آپ کا رب آپ کے ماننے والوں اور آپ کے مخالفین کے تمام اعمال پر بخوبی آگاہ ہے۔ وہ ان کے ان اعمال کا بدلہ ضرور دے گا آپ پریشان نہ ہوں۔ کامیابی اور کامرانی آپ کے قدم چومے گی اور دنیا کی مخالفت اور کوئی آندھی اس چراغِ اسلام کو نہ بجھا سکے گی۔

1۔ سورۂ یونس: 58

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 115

تعارف سُورۃ یُوسف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۂ پاک میں کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذِکرِ خیر شرح و بسط سے کیا گیا ہے اِس لیے اس سورت کو آپ ہی کے نامِ نامی سے موسوم کیا گیا۔ اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اس میں ۱۶۰۰ کلمے اور ۷۱۶۶ حروف ہیں اور بارہ رکوع ہیں۔

صحیح قول کے مطابق یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتا کر تسلی دی کہ جس طرح برادرانِ یوسف کے ناپاک منصوبے ناکام ہوئے اور سب کو چار و ناچار حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم کرنا پڑا اسی طرح ایک دِن وہ بھی آنے والا ہے جب قریش آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور آپ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے میں ہی اپنی نجات یقین کریں گے۔

یوں تو قرآنِ حکیم میں سابقہ انبیائے کرام کی پُرنور اور درخشاں زندگیوں کے بیسیوں قصے مذکور ہیں جن کا ہر پہلو رشد و ہدایت کے انوار برسا رہا ہے لیکن ''احسن القصص'' کے لقب سے صرف یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستانِ حیات کو ہی نوازا گیا ہے۔ اس کی وجہ؟ اس کی وجہ ظاہر ہے تکمیلِ انسانیت کی منزلِ رفیع کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس کے سارے پیچ و خم، نشیب و فراز، پیش آنے والی دشواریاں، منزل سے دل برداشتہ کر دینے والے سنگین مرحلے، منزل سے غافل کر دینے والے حسین و جمیل مناظر، اور دِل موہ لینے والی دلچسپیوں کو اتنی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی ابہام و التباس کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ پھر اس جانگداز، کٹھن اور طویل راہ کو طے کرنے کے لیے مسافر کو جس صبر، عزم، توکّل، تقویٰ عالی حوصلگی اور سیر چشمی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ذکر بھی اتنے دلنشین اور مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے کہ اگر انسان فطرتِ سعید اور قلبِ سلیم کی نعمت سے محروم نہ ہو تو وہ اس منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔ وہ طوفانوں سے کھیلتا، بپھری ہوئی لہروں سے آنکھ مچولی کرتا، ہلاکت انگیز گردابوں کا منہ چڑاتا، چٹانوں سے کبھی ٹکراتا، کبھی دامن بچاتا ہوا ساحلِ مراد کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آپ خود انصاف فرمائیے جس ذاتِ اقدس و اطہر کی داستانِ حیات کا دامن ایسے انمول حقائق سے لبریز ہو اگر اسے احسن القصص نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے اور اگر قرآن اسے احسن القصص نہ کہے تو اور کون کہے؟

حضرت اسحاق کے فرزند حضرت یعقوب علیہما السلام کا خانوادہ کنعان کے علاقہ میں فروکش ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر تعداد میں بیٹے عطا کیے ہیں جو خوبرو، دراز قامت، تنومند اور بڑے جفاکش ہیں۔ آخری عمر میں حضرت یعقوب کے ہاں ایک فرزند

1۔ تفسیر روح المعانی، جز 12، ص 170، دار احیاء التراث العربی

تولد ہوتا ہے جو حسن و رعنائی کا ایسا حسین و جمیل پیکر ہے جس سے حسین تر پیکر چشمِ فلک نے اس وقت تک دیکھا ہی نہیں جمالِ صوری کو حسنِ معنوی نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ حضرت یعقوب اس مرقعِ دلبری و زیبائی کو دیکھ دیکھ کر پھولے نہیں سماتے یہ طفلِ جلیل جیسے جیسے زندگی کے مرحلے طے کرتا جا رہا ہے ہونہاری اور ارجمندی کے آثار ظاہر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ نجابت و شرافت کا رنگ دن بدن نکھرتا جا رہا ہے بڑے بھائیوں کے دل میں حسد کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں۔ دس بارہ سال کا سن ہے کہ ایک رات یوسف نے ایک خواب دیکھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں صبح اس کا ذکر اپنے پدرِ بزرگوار سے کر دیتے ہیں۔ آپ اس خواب کے آئینہ میں اپنے نورِ نظر کے درخشاں اور تابندہ مستقبل کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

گویا اس خواب نے حضرت یوسف کی منزل کا تعین کر دیا ہے۔ پہلے ہی بتا دیا گیا کہ گلشن خلیل کا یہ لالہ رنگین قبا شرفِ انسانیت کی جاوداں اور ہر دم جواں عظمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے والا ہے۔

لیکن کیا ان جاودانی عظمتوں کو پا لینے کا راستہ ہموار اور خوشگوار ہے؟ کیا اس پر گلاب کی نرم و نازک پتیاں بچھی ہوئی ہیں جن پر خراماں خراماں گزرتے جانا ہے؟ یا وہ راستہ تیز کانٹوں اور کھردری چٹانوں سے اٹا پڑا ہے اور اس پر چلنے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنے خونِ ناب سے ان کانٹوں اور چٹانوں کو لالے کی سرخی اور گلاب کی مہک بخشے، اپنی جواں ہمتی اور اولوالعزمی سے ویرانوں کو فردوس بداماں بناتا ہوا آگے بڑھے۔

قدرتِ الٰہی کے سامنے تو کچھ مشکل نہیں کہ آنِ واحد میں گمنامی کی پستیوں سے نکال کر سچی عزت اور حقیقی ناموری کی بلندیوں تک پہنچا دے اور کسی کی پیشانی پر پسینہ کا قطرہ بھی نمودار نہ ہو لیکن سنتِ الٰہی یوں نہیں۔ نوامیسِ فطرت کے تقاضے اس کے برعکس ہیں۔

برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

مقامِ یوسفی کی بلندیوں پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالنے والے یاد رکھیں کہ اس راہ کا پہلا مرحلہ ہی صبر آزما اور حوصلہ شکن ہے۔ کنواں ہے تنگ، تاریک اور گہرا کنواں۔ بھائیوں کے ہاتھ گلے میں رسّہ ڈال رہے ہیں پھر اسی کنوئیں میں لٹکا رہے ہیں جب کنوئیں کی گہرائی نصف رہ جاتی ہے تو اوپر سے رسّہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ انجام سے بے نیاز ہونے کی ہمت اور حوصلہ ہے تو آگے بڑھو! فکر مت کرو! تمہیں رحمتِ خداوندی ضائع نہیں ہونے دے گی جب تم گرو گے تو جبرائیل کے نورانی پر تمہیں تھام لینے کے لیے بچھے ہوں گے لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے تم کہاں تک صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتے ہو یہ ضرور دیکھا جائے گا۔

پھر مصر کا بازار ہے اور خاندانِ رسالت کا یہ گلِ سرسبد، غلام کی حیثیت سے وہاں بیچنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ خریدار بولیاں دینے لگے ہیں یوسف جو کل تک اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا تھا اپنی اس تذلیل و رسوائی کو دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کرتا کہ وہ کون ہے لبوں پر مہرِ خاموشی ہے۔ آنکھ قدرتِ الٰہی کے کرشمے دیکھنے میں محو ہے اور دل ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور زبان اپنے رب کے فیصلہ پر شکوہ سنج کہاں شکر کناں ہے۔ آخر کار بادشاہ کا مدار المہام عزیزِ مصر سب سے زیادہ بولی دیتا ہے اور یہ نیلامی اس کے حق میں ختم ہوتی ہے۔

اب نہ تاریک کنواں ہے نہ بھائیوں کی سرد مہری اور سرزنشیں ہیں نہ کارواں والوں کی درشتی ہے اور نہ بازار کی رسوائی۔ اب

آزمائش ایک نیا روپ اختیار کرتی ہے۔ مصر کے رئیسِ اعظم اور سلطنت کے مدار المہام کا عظیم الشان قصر ہے، جہاں ہر سمت زندگی اپنی ساری رنگینیوں کے ساتھ محوِ خرام ہے۔ آرام و آسائش اور خور و نوش کا شاہانہ اہتمام ہے کئی سال عیش و طرب میں ڈوبے ہوئے اس ماحول میں بسر ہوتے ہیں۔ اب کمسن یوسف جوان ہو گیا ہے حسن کی جلوہ سامانیاں محشر بپا کرنے لگی ہیں محل کی جس رَوش پر چل نکلتے ہیں دل قدموں میں بچھے چلے جاتے ہیں۔ خود عزیز مصر کی بیوی ہزار جان سے نثار ہے لیکن آنکھیں ہیں کہ بارِ حیا سے اُٹھتی ہی نہیں، ہونٹ ہیں کہ ہلتے ہی نہیں۔ آخر کار اس امتحان کی سنگینی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ جب عزیزِ مصر کی بیوی انہیں اپنے خلوت کدہ میں لے گئی اور سارے دروازے بند کر دیئے اور ھَیْتَ لَكَ (1) (جلدی کرو اب کیا دیر ہے) کی اشتعال انگیز دعوت دی لیکن یوسفِ معصوم نے معاذ اللہ! (خدا کی پناہ) کہہ کر اس کی پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر رکھ دیا اور بتا دیا کہ مقامِ یوسفی پر پہنچنے کا خواب دیکھنے والو! اس راہ میں ایسے پُرخطر اور ہوش ربا لمحے بھی آتے ہیں اور مردانِ پاک یوں دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

اس گناہ کی پاداش میں کہ تم نے عفت و عصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے کیوں بچایا آپ کو جیل کی کوٹھری میں قید کر دیا جاتا ہے تو نو دس سال اسی اسیری میں گزر جاتے ہیں لیکن نہ دِل میں شکوہ ہے اور نہ زبان پر شکایت۔ دل اپنے ربِ کریم کی محبت سے سرشار ہے۔ اور زبان اس کی توحید و کبریائی کے گیت گا رہی ہے اور کئی بھٹکے ہوؤں کو راہِ ہدایت دکھا رہی ہے یہاں تک کہ بادشاہِ مصر ایک بھیانک خواب دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے اپنے وزیروں، دربار کے دانشوروں اور کاہنوں کو طلب کرتا ہے۔ سب بے بس ہیں اور اسے خوابِ پریشان کہنے پر مصر ہیں آخر وہ شخص جس نے قید خانے میں آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور اسے صحیح پایا تھا بادشاہ سے اجازت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور بادشاہ کا خواب بیان کر کے تعبیر بتانے کی درخواست کرتا ہے یہاں حضرت یوسف صدیق کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ایک پہلو بے نقاب ہوتا ہے نہ تو آپ نے اس شخص کو وعدہ فراموشی کا طعنہ دیا نہ تعبیر بتانے کے لیے اپنی رہائی کا مطالبہ کیا بلکہ خواب کی تعبیر بھی بتا دی اور ان سنگین حالات سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر بھی بیان فرما دی گویا آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ آفتاب ہیں۔ آفتاب بن مانگے نور برساتا ہے اور ہر چشمِ بینا کو روشن کرتا ہے۔

بادشاہ جب آپ کی عظمت کا معترف ہو کر از خود آپ کو رہا کرنے کا حکم صادر کرتا ہے تو فقرِ غیور اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے اس الزام کی تحقیق کرو جس کی پاداش میں مجھے اتنا عرصہ پابندِ سلاسل رکھا گیا اس کے بعد تمہارے اس حکم کو ماننے یا رد کرنے پر غور ہوگا۔ بادشاہ نے زنانِ مصر سے تحقیقِ احوال کے لیے جب باز پرس کی نہ صرف زنانِ مصر نے یک زبان ہو کر آپ کی پاکیٔ دامن کی شہادت دی بلکہ عزیزِ مصر کی بیگم نے جو بہتان تراشنے اور قید کرانے میں پیش پیش تھی برملا کہہ دیا الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ (2) آج حق عیاں ہو گیا قصوروار میں تھی میں اپنے جرم کا اعتراف کرتی ہوں وہ معصوم ہے اس کی چشمِ باحیا کی قسم! اس کا دامنِ عصمت ہر داغ سے پاک ہے۔

یوں وہ نبی جس نے اپنے ربِ کریم کو راضی کرنے کے لیے مصر کے کوچہ و بازار میں اپنے آپ کو بدنام کرنے کا جرأت مندانہ اقدام کیا تھا آج جب زندانِ مصر سے قدم باہر رکھتا ہے تو دوست و دشمن اس کی سیرت کی پاکی، اس کے اخلاق کی بلندی، اور اس

1۔ سورۂ یوسف: 23 2۔ سورۂ یوسف: 51

کے کردار کی پختگی کو دل وجان سے تسلیم کر رہے ہیں۔ اگر چہ آپ کی عظمتِ شان اس طرح بھی آشکارا ہو رہی ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ آپ حضرت یوسف کی جلالتِ مرتبت کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ جملہ غور سے سنیئے جو اس وقت ان کے دِل کی گہرائیوں سے نکل کر آہستہ آہستہ زبان پر آ رہا ہے آپ کہہ رہے ہیں وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ (1) (مجھے اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں نفس کا کام ہی برائی کا حکم دینا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے بے شک میرا پروردگار غفور رحیم ہے) سبحان اللہ! کیا شان ہے اس تواضع کی اور تمکنت اور وقار ہے اس انکسار میں!

مؤرخین کے بیان کے مطابق مصر پر اس وقت پندرھویں خاندان کی حکومت تھی جو تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (SHEPHERD KINGS OF HYKSOS KINGS) کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت یوسف کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس کا نام اپوفس (APOPHIS) بتایا جاتا ہے۔ اسی کے عہد میں مصر اپنی تاریخ کے طویل اور بدترین قحط سے دوچار ہوا بادشاہ نے ان بگڑے ہوئے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضرت یوسف کو مکمل اختیارات دے دیئے اور آپ نے کسی ہچکچاہٹ اور تذبذب کے بغیر اس سنگین ذمہ داری کو قبول فرمایا۔ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ ۔(2)

جب قحط پڑا تو آپ نے اپنے غذائی ذخیروں کے منہ کھول دیئے صرف اہلِ مصر ہی آپ کی حسنِ تدبیر سے قحط کی ہلاکت انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہے بلکہ گردونواح کے ضرورت مند بھی جب حاضر ہوتے تو انہیں محروم واپس نہ لوٹایا جاتا یہاں تک کہ آپ کے جود وسخا کا چرچا کنعان تک جا پہنچا اور فرزندانِ یعقوب علیہ السلام طلبِ خوراک کے لیے حاضر ہوئے آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن جتایا تک نہیں۔ ان کے اونٹوں کو بھی لاد دیا اور جو قیمت انہوں نے ادا کی وہ بھی چپکے سے ان کی خرجیوں میں رکھ دی اور فرمائش کی کہ دوبارہ آئیں تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لیتے آئیں۔ وہ دوبارہ آئے پھر انہیں اپنی داد ودہش سے مالا مال کر دیا لیکن راز سے پردہ نہ اُٹھایا۔ تیسری مرتبہ جب آئے تو اب وہ گھڑی آ پہنچی تھی کہ آپ اپنا تعارف کرا دیں۔ جس انداز سے آپ نے اپنا تعارف کرایا وہ صرف آپ کو ہی زیبا ہے اور یہی باتیں آپ کی شانِ یوسفی کو چار چاند لگانے کا باعث بنتی ہیں۔ فرمایا: هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ ؟ (3) کیا تمہیں یاد ہے جو سلوک تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا (مبادا وہ حقیقت سے پردہ اُٹھنے کے باعث شرمندگی محسوس کریں) اس لیے فوراً فرما دیا اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ ۔ (4) یعنی اس وقت تم ناواقف اور بے خبر تھے۔ ساتھ ہی ان کے ظالمانہ اُس رویہ کی خود ہی معذرت پیش کر دی اور انہیں یقین بھی دِلا دیا کہ وہ مطمئن رہیں ان سے کوئی باز پُرس نہیں کی جائے گی بھائی حیرت سے منہ تک رہے ہیں اس وقت بھی آپ کے دل میں نخوت کا کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا بلکہ فرما دیا: قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا (5)۔ بے شک ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ لطف واحسان فرمایا ہے۔ کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچا دیا لیکن اپنے پیغمبرانہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی عیاں کر دیا کہ ایسے لطف واحسان سے بہرہ ور ہونے کا طریقہ کیا ہے فرمایا: اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾ (6) (بے شک جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا) کیا بات ہے قدم قدم پر حقائق کے موتی لٹاتے ہوئے

1۔سورۂ یوسف:53 2۔سورۂ یوسف:55 3۔سورۂ یوسف:89 4۔ایضاً 5۔سورۂ یوسف:90 6۔ایضاً

معارف کے گلستان اگاتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تقویٰ اور صبر اختیار کیا اس لیے ان احسانات کا مستحق قرار پایا کیونکہ اس میں غرور وادّعا کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے اور یہ غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی تھی کہ یہ صرف آپ کی ذاتِ والاصفات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ فرمایا مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ جو بھی تقویٰ کا لباس پہن کر صبر کی قندیل روشن کر کے آگے بڑھے گا رحمتِ خداوندی اس کی مخلصانہ جدوجہد پر اپنی قبولیت کے پھول نثار کرتی جائے گی۔ آئے جس میں ہمت ہے خود تجربہ کر کے دیکھ لے۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

ہجر و فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے وہ روزِ سعید طلوع ہو رہا ہے جب بچھڑے ہوئے والدین اپنے نورِ نظر سے ملنے کے لیے مصر پہنچ رہے ہیں حضرت یوسف ان کی پیشوائی کے لیے بڑے کرّ و فر سے آگے جاتے ہیں۔ بڑی عزت و تکریم سے ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں تخت پر بٹھاتے ہیں اس وقت گیارہ بھائی اور والدین حضرت یوسف کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ حضرت کی زبان سے نکلتا ہے یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ (1) اے پدرِ مکرم یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اس تعبیر کو بروئے کار لانے میں میرا کوئی کمال نہیں محض میرے پروردگار کی بندہ نوازی ہے۔ یہاں ان مشکلات کا مختصر ذکر بھی کر دیا تا کہ لطفِ راحت میں اضافہ ہو۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ صمدیت میں دامنِ طلب پھیلا دیتے ہیں اور وہ چیز مانگتے ہیں جس کے مانگنے کے بعد دل کی ساری حسرتیں اور سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں اور آپ کا عقابِ ہمت جواب تک بلندیوں کی طرف پرکشا رہا ہے اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ عرض کی:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾ (2) گویا شمعِ ایمان کو فروزاں کر کے اس دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی سنگت میں شامل ہو جانا یہی منزلِ یوسفی ہے۔

جو خواب آپ نے بچپن میں دیکھا وہ سچا خواب تھا اسے ضرور پورا ہونا تھا اور وہ پورا ہوا لیکن خواب دیکھنے والے کو تکمیل کی منزل تک پہنچنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا وہ آپ کی اقتدا کرنے والوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں۔ ہمت، صبر، توکل اور رحمتِ خداوندی کی دستگیری سے ہی انسان اس رفیع منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآنِ کریم پر مستشرقین کا ایک بے بنیاد الزام، یورپ کے مستشرقین قرآنِ کریم پر جہاں دوسرے بے سروپا اعتراضات کرتے ہیں وہاں بڑی شدّ و مد سے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں انبیائے سابقین کے جو واقعات مذکور ہیں وہ وحیِ ربانی نہیں بلکہ پیغمبرِ اسلام نے علمائے اہلِ کتاب سے انہیں سنا اور پھر قرآن میں درج کر دیا اس الزام کی لغویت ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں اگر آپ تورات و انجیل میں بیان کردہ قصص کا موازنہ قرآنِ کریم میں مذکورہ واقعات سے کریں گے تو حقیقت خود بخود اظہر من الشّمس ہو جائے گی۔ یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہی لیجئے قرآنِ کریم نے اس واقعہ کو جس انداز سے بیان فرمایا ہے وہ کس قدر سبق آموز، بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہے۔ ہر آیت روشنی کا ایک بلند مینار ہے جس کی تابانی سے

1۔ سورۂ یوسف:100 2۔ سورۂ یوسف:101

تکمیل انسانیت کا راستہ جگمگا رہا ہے۔ قدم قدم پر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی جلالتِ شان کے آثار دکھائی دیتے ہیں اسے پڑھ کر کامیاب و کامران زندگی گزارنے کا شوق دِل میں انگڑائیاں لینے لگتا ہے لیکن یہی قصہ جب ہم تورات میں پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک عام آدمی کی رُوکھی پھیکی داستانِ حیات معلوم ہوتی ہے جو ہر قسم کی جاذبیت اور کشش سے یکسر خالی ہے۔

اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تورات کی کتاب پیدائش کے چند حوالے پیش کرتا ہوں۔ ان کا مقابلہ آپ آیاتِ قرآنی سے کیجیے۔ آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس واقعہ کا ماخذ تورات نہیں بلکہ وحیِ الٰہی ہے۔ اِسی لیے اس کا ہر جملہ حکمت و دانش کا وہ آئینہ ہے جس میں زندگی کی حقیقتیں بے نقاب نظر آ رہی ہیں۔

حضرت یوسف کا تعارف یوں کرایا جا رہا ہے:

یہ لڑکا اپنے باپ کی بیویوں بلہاہ اور زلفہ کے بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا اور وہ ان کے بُرے کاموں کی خبر باپ تک پہنچا دیتا تھا۔ (کتابِ پیدائش: باب ۳۷۔ آیت ۲) یعنی یوسف کا کام چغلی کھانا تھا۔

آپ نے جب اپنا خواب اپنے والدِ محترم کو بتایا تو انہوں نے سن کر جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

''تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے۔ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مُچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے۔'' (باب ۳۷: آیت ۱۱)

اس کے بعد سورۂ یوسف کی آیات ۴، ۵، ۶ بھی تلاوت فرمائیے۔

یوسف کے بھائی آپ کو ٹھکانے لگا کر جب بکرے کے خون سے آپ کی قبا کو آلودہ کر کے لے آئے تو حضرت یعقوب کا ردِّ عمل کیا تھا۔

''پھر اُنہوں نے یوسف کی قبا لے کر اور ایک بکرا ذبح کر کے اسے اس کے خون میں تر کیا۔۔۔ سو وہ اسے ان کے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم کو یہ چیز پڑی ملی۔ اب تو پہچان کہ یہ تیرے بیٹے کی قبا ہے یا نہیں اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔ تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔'' (باب ۳۷۔ آیات ۳۴، ۳۳، ۳۲)

اس کے بعد سورۂ یوسف کی آیات ۱۸، ۱۷، ۱۶ ملاحظہ فرمائیے۔

جب یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کی بیوی سے دامن چھڑا کر بھاگے اور راستہ میں عزیزِ مصر سے مڈھ بھیڑ ہوئی تو زلیخا نے جو الزام لگایا اور اسی کے خاندان کے ایک گواہ نے جس طرح آپ کی براءت ثابت کی۔ یہاں تک کہ عزیز کو بھی اپنی بیوی سے یہ کہنا پڑا، اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ (1) (بلاشبہ تو ہی خطا کار ہے) اس کا مطالعہ آپ سورۂ یوسف میں کریں گے۔ اب اسی واقعہ کو تورات کی زبان سے سنیے۔

''جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا۔ اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا۔ سو وہ وہاں قید خانہ

1۔ سورۂ یوسف: 29

میں رہا"۔(باب ۳۹: آیات ۲۰،۱۹)

قید خانہ میں آپ کے نظر بند کیے جانے اور بادشاہ کے ساقی اور باورچی کے خواب بیان کرنے کا تو ذکر ہے لیکن اس دعوتِ توحید کی طرف اشارہ تک بھی نہیں جس سے زندانِ مصر کی تاریک فضا نورِ توحید سے جگمگا اُٹھی تھی۔

جب بادشاہِ مصر نے وہ بھیانک خواب دیکھا جس کی تعبیر کاہن اور دانشور نہ بتا سکے تو اس نے اپنے ساقی کو قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا اس وقت آپ نے جس سیر چشمی اور غیرت کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل آپ سورۂ مذکورہ کی آیات ۴۵ تا ۵۲ میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔ اب یہاں بھی پڑھیے۔ فرق خود ہی واضح ہو جائے گا۔

"تب فرعون نے یوسف کو بلوا بھیجا۔ سو اُنہوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا۔" (باب ۴۱۔ آیت ۱۴)

بھائی جب پہلی بار آپ کے پاس آئے تو ان کی آمد کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"سو یوسف کے بھائی آئے اور اپنے سر زمین پر ٹیک کر اس کے حضور آداب بجالائے۔" (باب ۴۲۔ آیت ۶)

پھر آپ اُن پر جاسوسی کا غلط الزام لگاتے ہیں۔

"یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا پر انہوں نے اُسے نہ پہچانا اور یوسف...... ان سے کہنے لگا کہ تم جاسوس ہو کے آئے ہو کہ اس ملک کی بری حالت دریافت کرو۔" (باب ۴۲۔ آیت ۸،۹)

بھائی اس الزام سے اپنی براءت ثابت کرتے ہیں لیکن آپ پھر انہیں کہتے ہیں۔

"تب یوسف نے ان سے کہا۔ میں تو تم سے کہہ چکا کہ تم جاسوس ہو سو تمہاری آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ فرعون کی حیات کی قسم تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آجائے...... ورنہ فرعون کی حیات کی قسم، تم ضرور ہی جاسوس ہو۔ اور اس نے ان سب کو تین دِن تک اکٹھے نظر بند رکھا۔ (باب ۴۲۔ آیات ۱۷،۱۶،۱۵،۱۴)

حضرت یوسف کے پیراہن بھیجنے حضرت یعقوب کے یوسف کی خوشبو سونگھنے کا تورات میں ذکر تک بھی نہیں۔

جب مصر قحط میں مبتلا ہو گیا۔ زرخیز زمینیں بنجر بن گئیں۔ جہاں کبھی سرسبز و شاداب کھیت لہلہایا کرتے تھے وہاں خاک اُڑنے لگی اور مصری قحط کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے تو تورات کے بیان کے مطابق حضرت یوسف نے جو سلوک اپنی رعایا سے کیا وہ منصبِ نبوت تو کجا کسی رحمدل حاکم کے شایانِ شان بھی نہیں بلکہ وہ ایک سنگدل اور بے رحم بنیے کا سلوک ہے۔ چنانچہ پہلے سال ہی غلہ اتنی گراں قیمت پر فروخت کیا گیا کہ قوم کی ساری پونجی ختم ہو گئی۔ دوسرے سال جب وہ غلہ کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے تو ان کے سارے مویشی لے لیے گئے۔ تیسرے سال جب فاقہ کشیوں سے مجبور ہو کر یوسف کے پاس آتے ہیں تو یوسف اس شرط پر انہیں غلہ دینے پر رضا مند ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی ساری زمینوں کو فرعون کے نام پر فروخت کر دیں۔ تورات کا بیان ملاحظہ ہو۔

"اور اس سارے ملک میں کھانے کو کچھ نہ رہا۔ کیونکہ کال ایسا سخت تھا کہ ملکِ مصر اور ملکِ کنعان دونوں کال کے سبب سے تباہ ہو گئے تھے۔ اور جتنا روپیہ ملکِ مصر اور ملکِ کنعان میں تھا وہ سب یوسف نے اس غلہ کے بدلے جسے لوگ خریدتے

تھے لے لے کر جمع کر لیا اور سب روپے کو اس نے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔'' (باب ۷ ۴۔ آیت: ۱۴، ۱۳)

دوسرے سال جب غلہ لینے آئے تو انہوں نے کہا:

''تو مصری یوسف کے پاس آ کر کہنے لگے: ہم کو اناج دے کیونکہ روپیہ تو ہمارے پاس رہا نہیں۔ ہم تیرے ہوتے ہوئے کیوں مریں۔ یوسف نے کہا اگر روپیہ نہیں ہے تو اپنے چوپائے دو اور میں تمہارے چوپایوں کے بدلے تم کو اناج دوں گا۔'' (آیت ۱۶، ۱۵)

چنانچہ انہوں نے سارے مویشی یوسف کو دے کر غلہ لیا اور سال گزارا۔ تیسرے سال وہ پھر غلہ کی طلب میں حاضر ہوئے تو اُن کی بے بسی اور خستہ حالی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے غلہ لینے کے معاوضہ میں اپنے آپ کو اور اپنی زرعی زمینوں کو فروخت کرنے کی پیشکش کر دی اور یوسف کو ذرا رحم نہ آیا بلکہ اُس نے بڑی خوشی سے ان کی پیشکش کو قبول کیا اور فرعون کے نام پر انہیں بھی اور ان کی زمینوں کو بھی خرید لیا۔ تورات میں ہے:

''سو تو ہم کو اور ہماری زمین کو اناج کے بدلے خرید لے کہ ہم فرعون کے غلام بن جائیں اور ہماری زمین کا مالک بھی وہی ہو جائے اور ہم کو بیج دے تاکہ ہم ہلاک نہ ہوں بلکہ زندہ رہیں اور ملک بھی ویران نہ ہو اور یوسف نے مصر کی ساری زمین فرعون کے نام پر خرید لی۔ کیونکہ کال سے تنگ آ کر مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنا کھیت بیچ ڈالا۔ سو ساری زمین فرعون کی ہو گئی۔ (باب ۷ ۴۔ آیت ۲۰، ۱۹)

''تب یوسف نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں نے آج کے دِن تم کو اور تمہاری زمین کو فرعون کے نام پر خرید لیا ہے سو تم اپنے لیے یہاں سے بیج لو اور کھیت بو ڈالو۔'' (باب ۷ ۴۔ آیت ۲۳)

یہ ہے سیرتِ یوسفی کا وہ خاکہ جو تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا موازنہ قرآنِ کریم سے کیجیے۔ آپ اگر انصاف اور حق طلبی کے جذبہ سے یکسر محروم نہیں کر دیئے گئے تو مستشرقین کے اس اعتراض کی لغویت اور بیہودگی آپ کے سامنے عیاں ہو جائے گی اور آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ہادیٔ برحق پیغمبرِ اسلام علیہ اطیب التحیۃ وازکی السلام نے ان واقعات کو اہلِ کتاب سے سن کر بیان نہیں کیا، بلکہ براہِ راست اللہ رب العالمین سے سنا اور لوگوں کو سنایا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ یوسف مکی ہے۔اس کی آیتیں ۱۱۱ اور رکوع ۱۲ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

الف لام۔را لے یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ۲؎ بیشک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو تاکہ تم (اسے)

تَعْقِلُوْنَ ۞۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ

خوب سمجھ سکو ۳؎ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ ۴؎ اس (قرآن) کے ذریعہ جو

۱؎ حروف مقطعات ہیں۔ان پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۲؎ تِلْكَ مبتدا ہے اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ خبر ہے(1) مُبِيْن اسمِ فاعل ہے اَبَانَ سے۔یہ لفظ بَانَ اور بَيَّنَ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔پہلی صورت میں یہ لازم ہوگا اور اس کا معنی ہوگا ظَهَرَ یعنی اس کتاب کا کلامِ الٰہی ہونا ایک ایسی صداقت ہے جو اظہر من الشمس ہے کسی دلیل کی محتاج نہیں۔

دوسری صورت میں یہ متعدی ہوگا اور اَظْهَرَ کے معنی میں مستعمل ہوگا۔اس وقت اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ کتاب حق و باطل کو ظاہر کر دینے والی ہے۔(2)

۳؎ اَنْزَلْنٰهُ کی ضمیر کا مرجع کتاب ہے یا قصہ یوسف۔پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کتاب کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم اس کو بکثرت تلاوت کرو اور آسانی سے سمجھو۔دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قصہ یوسف جس کے متعلق اہلِ کتاب نے دریافت کیا ہے اسے ہم نے عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اے اہلِ عرب! تم اسے سمجھو اور اس سے نصیحت حاصل کرو۔قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا کے منصوب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابوحیان لکھتے ہیں وَانْتُصِبَ قُرْءٰنًا قِيْلَ عَلَى الْبَدَلِ مِنَ الضَّمِيْرِ وَقِيْلَ عَلَى الْحَالِ الْمُوَطِّئَةِ (بحر محیط)(3) یعنی قُرْءٰنًا بدل ہوگا اَنْزَلْنٰهُ کی ضمیر کا۔میں نے یہی ترکیب ملحوظ رکھی ہے اور یا عَرَبِيًّا ضمیر کا حال ہوگا۔اور قُرْءٰنًا بطور تمہید وتاکید حال ہوگا جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ رَجُلًا صَالِحًا (قرطبی)(4)

۴؎ اَلْقَصَصُ۔قَصَّ يَقُصُّ سے مصدر ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا تتبع کرنا۔چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے جب آپ کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی بہن سے کہا وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ (5) کہ اس تابوت کے پیچھے جاؤ۔دیکھو کدھر جاتا ہے کیونکہ قصہ گو واقعہ کو ایک ترتیب سے بیان کرتا ہے اس لیے اس کو قاصّ (تتبع کرنے والا) کہتے ہیں۔اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم اس واقعہ کو بڑے احسن پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔بعض علماء کا خیال ہے کہ قصص قصہ کا ہم معنی ہے جو اسم ہے یعنی آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔اس کو احسن القصص کہنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام کرداروں کو یہاں اس خوبی سے پیش کیا

1۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 118
2۔روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 71-170
3۔بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 277
4۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 118
5۔سورۃ القصص: 11

اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے ۔ اگرچہ آپ اِس سے پہلے غافلوں میں سے تھے ۔ ۵

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ

(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے کہ اے میرے محترم) باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ④ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند کو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں ۔ ۶ آپ نے فرمایا اے میرے بچے ۷ نہ بیان کرنا

گیا ہے کہ ہر ایک کی حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی ہے اور اسی کے ضمن میں زندگی کے ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جن کا انسانی معاشرہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اس میں توحید کے دلائل، خوابوں کی تعبیر، سیاسی مسائل، معاشرہ کی پیچیدگیاں، معاشی اصلاح کی تدابیر۔ غرضیکہ تمام وہ امور جو دین اور دنیا کی اصلاح میں موثر ثابت ہو سکتے ہیں بڑی عمدگی سے بیان کر دیئے گئے۔ فِيْهَا ذِكْرُ التَّوْحِيْدِ وَالْفِقْهِ وَالسِّيَرِ وَ تَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا وَالسِّيَاسَةِ وَالْمُعَاشَرَةِ وَتَدْبِيْرِ الْمَعَاشِ وَجُمَلِ الْفَوَائِدِ الَّتِيْ تَصْلُحُ لِلدِّيْنِ وَالدُّنْيَا۔ (قرطبی) (1)

۵ یعنی وحیِ الٰہی سے پہلے دوسرے لوگوں کی طرح اس واقعہ کا صحیح علم آپ کو بھی نہ تھا۔

۶ حضرت یوسفؑ کی عمر ابھی چھوٹی ہی تھی بعض روایات کے مطابق تیرہ سال اور بعض کے مطابق اس سے بھی کم کہ آپ نے یہ خواب دیکھا اور اپنے والدِ بزرگوار سے بیان کیا۔ آپ نے آیت میں ملاحظہ کیا کہ رَاَيْتُ کا لفظ دو دفعہ مذکور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آپ نے گیارہ چمکتے ہوئے ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا اور پھر دیکھا کہ وہ سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ دونوں مشاہدے کیونکہ مستقل اہمیت کے حامل تھے اس لیے ان کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا۔ رَاَيْتُهُمْ کی ضمیر کا مرجع ستارے اور شمس و قمر ہیں۔ قاعدہ کے مطابق رَاَيْتُهَا ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ غیر ذوی العقول ہیں لیکن ان سے اطاعت و انقیاد کا جو فعل صادر ہو رہا ہے وہ ذوی العقول کا فعل ہے اس لیے ان کے لیے مذکر کی جمع استعمال کی (2)۔ سجدہ کا لغوی معنی بھی یہاں مراد لیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آپ کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی۔ سجدۂ تعظیمی کی بحث آگے آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

۷ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ حضرت یوسفؑ سے محبت کیا کرتے تھے۔ تورات میں ہے اور اسرائیل یوسف کو اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ پیار کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اسے ایک بوقلموں قبا بھی بنوا دی۔ (پیدائش ۳:۳۷) (3) میرے نزدیک محبت کی یہ وجہ درست نہیں ورنہ چاہیے یہ تھا کہ بنیامین سے سب سے زیادہ پیار کیا جاتا۔ کیونکہ وہ حضرت یوسف سے بھی زیادہ بڑھاپے کا بیٹا تھا۔ اس محبت کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی کہاوت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 20-119 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 180

3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 37، آیت 3، ص 38

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ۸ ورنہ وہ سازش کرینگے تیرے خلاف۔ بیشک شیطان انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

کھلا دشمن ہے ۹ اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب ۱۰ اور سکھادے گا تجھے باتوں کا انجام ۱۱

کے مطابق حضرت یوسف کی سلیم الطبعی، شرافت اور مدارج عالیہ پر فائز کرنے والی صلاحیتوں کے آثار وانوار آپ کے چہرے پر نمایاں تھے۔ اسی لیے حضرت یعقوب ان کو دل سے چاہتے تھے۔ بُنی ابن کی تصغیر ہے جو انتہائی محبت کی غمازی کر رہی ہے۔

۸ جب معصوم یوسف نے یہ خواب اپنے والدِ بزرگوار سے بیان کیا تو آپ نے اس کی تعبیر بتانے سے پہلے یوسف کو ہدایت کرنا ضروری سمجھا کہ وہ اس عظیم خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرے مبادا وہ درپے آزار ہوں۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بھائی ان سے حسد کرتے ہیں۔

۹ شیطان کا تو کام ہی لوگوں کو بہکاتے رہنا ہے۔ وہ بُرے کاموں اور سنگین جرموں کو بھی اتنا حسین اور دلکش بنا کر پیش کرتا ہے کہ اچھا بھلا عقلمند انسان بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ یہی شیطان تھا جس نے قابیل کے سامنے اپنے نیک نفس بھائی ہابیل کا قتل عین مصلحت بنا کر پیش کیا تھا اس لیے شیطان کی مکاریوں سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تیرے بھائیوں کو تیرے خلاف اُکسائے اور تجھے اذیت پہنچانے کے لیے ان کو برانگیختہ کردے۔ اس لیے تم اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے نہ کرنا۔

۱۰ اِجْتَبٰی کی تحقیق کرتے ہوئے زجاج لکھتے ہیں کہ جَبَیْتُ الشَّیْءَ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص کر لینا قَالَ الزُّجَاجُ الْاِجْتِبَاءُ مُشْتَقٌّ مِّنْ جَبَيْتُ الشَّيْءَ اِذَا اَخْلَصْتَهٗ لِنَفْسِكَ (کبیر)(1) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں اِجْتِبَاءُ اللّٰهِ الْعَبْدَ تَخْصِيْصُهٗ اِيَّاهُ بِفَيْضٍ اِلٰهِيٍّ يَتَحَصَّلُ لَهٗ مِنْهُ اَنْوَاعٌ مِّنَ النِّعَمِ بِلَا سَعْيٍ مِّنَ الْعَبْدِ وَذٰلِكَ لِلْاَنْبِيَاءِ وَبَعْضِ مَنْ يُّقَارِبُهُمْ مِّنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ (مفردات)(2)

یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو چن لینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے مخصوص فیض سے بہرہ یاب فرماتا ہے جس کی برکت سے اسے طرح طرح کی نعمتیں بغیر اسکی ذاتی کوشش کے حاصل ہوتی ہیں اور یہ شرف انبیاء کو اور صدیقین اور شہداء کو بخشا جاتا ہے۔

۱۱ حضرت یعقوب اپنے فرزند ارجمند کو مزید خوشخبری سنا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے خوابوں کی تعبیر کا ملکہ عطا فرمائے گا۔ امام رازی نے تاویل الاحادیث کا ایک اور مفہوم بھی بیان فرمایا ہے یعنی روحانی اور جسمانی مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کی جلالتِ شان پر استدلال کرنا۔ اَلْمُرَادُ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ كَيْفِيَّةُ الْاِسْتِدْلَالِ بِاَصْنَافِ الْمَخْلُوْقَاتِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَالْجِسْمَانِيَّةِ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحِكْمَتِهٖ وَجَلَالَتِهٖ (کبیر)(3)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص91 2۔ مفرداتِ راغب، ص186 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص92

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا

(یعنی خوابوں کی تعبیر) اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر ١٢ اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اُس نے پُورا

عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦﴾ ع ١١

فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحٰق پر یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے ١٣

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿٧﴾ اِذْ قَالُوْا

بیشک یوسف اور اسکے بھائیوں (کے قصہ) میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں دریافت کرنے والوں کے لیے ١٤ جب بھائیوں نے

لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا

(آپس میں) کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے حالانکہ ہم ایک (مضبوط) جتھہ ہیں ١٥ یقیناً ہمارے والد

١٢ اس نعمت سے مراد دنیوی اور اُخروی سعادتیں ہیں اور نعمتِ نبوت تمام نعمتوں سے افضل و برتر ہے۔ (1)

١٣ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کونسی نعمت کسے دی جائے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

١٤ بھائیوں کا آپ سے حسد اور اس کا انجام، حضرت یوسف کا انتہائی اشتعال انگیز حالات میں دامنِ عفت پر داغ نہ آنے دینا۔ غربت اور غلامی کی رسوائیوں اور قید و بند کی سختیوں کو خوشی سے برداشت کرنا، با اقتدار ہونے کے بعد اپنے ظالم بھائیوں کو معاف کر دینا، حضرت یعقوب کا حزن و ملال اور پھر طویل فراق کے بعد وصال، یہ ساری ایسی باتیں ہیں جن میں جتنا زیادہ غور کیا جائے گا اتنا ہی فطرتِ انسانی کے دقائق کھلتے چلے جائیں گے۔ نیکی، صبر، عفو و درگزر اور دیگر اخلاقِ حسنہ کی بالادستی پر یقین اتنا ہی پختہ ہوتا جائے گا اس لیے فرمایا کہ اس کے بھائیوں کے قصہ میں قوانینِ فطرت اور سُننِ الٰہیہ کے متعلق استفسار کرنے والوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف اور بنیامین ایک والدہ کے شکم سے تھے۔ ان کا نام راحیل تھا اور تورات میں راحل ہے۔ یہ آپ کے ماموں کی لڑکی تھی۔ روبیل، شمعون، لاوی، یہودہ، ریان اور یشحر چھ بیٹے اور ایک بیٹی دینہ، لیا کے بطن سے تھے جو راحیل کی بہن تھیں۔ اور چار بیٹے دان، نفتالی، جاد اور آشر کنیزوں کی اولاد تھے۔ (مظہری) (2)

١٥ حضرت یعقوب کی یوسف سے خصوصی محبّت کے باعث بھائیوں کے دلوں میں حسد کا جذبہ پہلے ہی سلگ رہا تھا، اب اُس خواب کے متعلق سنا تو وہ جذبہ بھڑک اُٹھا۔ انہوں نے اپنے احساس میں چبھنے والے کانٹے کو نکال پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ باہمی مشورہ کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ہم دس جوان بھائی ہیں، سارے کنبہ کا بوجھ ہم اُٹھائے ہوئے ہیں، کاروبار کی ساری ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے، مویشی ہم چراتے ہیں، ان کی حفاظت ہم کرتے ہیں اور یہ ہمارے والد ہیں کہ جب دیکھو یوسف کو گود

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 92   2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 142

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۸ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ

(ایسا کرنے میں) کھلی غلطی کا شکار ہیں ١٦ قتل کر ڈالو یوسف کو ١٧ یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں (یوں) تنہا ہو جائے گا

وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۹ قَالَ قَآئِلٌ

تمھاری طرف تمھارے باپ کا رخ اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک قوم ١٨ (یہ سن کر) ان میں سے ایک ١٩

میں اُٹھائے ہوئے پچکار رہے ہوتے ہیں۔ اولاد کے بارے میں ان کا یہ رویہ قطعاً درست نہیں۔ عُصْبَةٌ دس سے لے کر چالیس تک کے جتھہ کو کہتے ہیں اَلْعُصْبَةُ مِنَ الرِّجَالِ وَالْخَيْلِ وَالطَّيْرِ مَا بَيْنَ الْعَشَرَةِ إِلَى الْأَرْبَعِيْنَ كَالْعَصَابَةِ (قاموس) (1)

١٦ ضلال سے مراد یہاں عقیدہ کی گمراہی نہیں بلکہ ان دنیوی معاملات میں راہ اعتدال سے انحراف ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ترجیحی سلوک عدل و انصاف کے منافی ہے اَلْمُرَادُ مِنْهُ الضَّلَالُ عَنْ رِعَايَةِ الْمَصَالِحِ فِي الدُّنْيَا لَا الْبُعْدُ عَنْ طَرِيْقِ الرُّشْدِ وَالصَّوَابِ (کبیر) (2) انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ جوان وتوانا بیٹوں کو نظر انداز کر کے چھوٹے اور ضعیف بچوں سے اتنا پیار کہاں کی مصلحت اندیشی اور دانشمندی ہے۔ آج بھی جبکہ تمدن میں یکسر انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ ازمنہ قدیمہ کی طرح اولاد کی کثرت انسان میں قوت وشوکت کا شعور پیدا کر دیتی ہے۔ وہ زمانہ جبکہ قبائل صحراؤں اور کھلے میدانوں میں بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اس وقت قبیلہ کی عزت وشوکت کا انحصار صرف قوتِ بازو پر تھا۔ معاشی خوشحالی کے لیے کنبہ کا کثیر افراد پر مشتمل ہونا ضروری تھا۔ آپ خیال کریں کہ اس سوسائٹی میں جوان بیٹوں کی کتنی اہمیت ہوگی۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ یعقوب کی حقیقت شناس نگاہیں یوسف کی طلعتِ زیبا میں سعادت، نجابت، شرافت اور نبوت کے وہ جلوے دیکھ رہی تھیں۔ جن کا ان میں نام ونشان تک نہ تھا۔

١٧ تجویز پیش ہوئی کہ یا تو یوسف کو قتل کر دیا جائے یا اسے کسی دُور دراز علاقہ میں پہنچا دیا جائے۔ جب یہ باپ کی آنکھوں سے نہاں ہو جائے گا تو اس کی ساری توجہ اور محبت کا مرکز ہم ہو جائیں گے۔

١٨ پیغمبر زادے تھے بارہا یہ سُنا تھا کہ کسی کو بلاوجہ قتل کرنا یا اسے اذیت پہنچانا جرمِ عظیم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت گرفت ہوتی ہے اس لیے کچھ گھبراہٹ محسوس کی ہوگی لیکن ان کے نفسِ حیلہ ساز نے انہیں سہارا دیا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یوسف کو ٹھکانے لگانے کے بعد توبہ کر لیں گے۔ اور نیک ہو جائیں گے۔ گناہ معاف ہو جائے گا اور عذاب سے چھٹکارا مل جائے گا۔ مجرم ذہنیتیں کچھ اسی طرح ہی سوچا کرتی ہیں۔ لیکن ایسے مجرموں کے دلوں کو وہ سوز وگداز، وہ احساسِ ندامت، وہ اشکبار آنکھیں نصیب ہی کب ہوتی ہیں جو رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہوں۔ یہ بھی شیطان کا فریب اور نفس کا عظیم دھوکہ ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یوسف کو قتل کرنے کے بعد تمہاری ساری دشواریاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے معاملات درست ہو جائیں گے لَيْسَ الْمَقْصُوْدُ هٰهُنَا صَلَاحَ الدِّيْنِ بَلِ الْمَعْنٰى يَصْلُحُ شَأْنُكُمْ عِنْدَ اَبِيْكُمْ وَيَصِيْرُ اَبُوْكُمْ مُحِبًّا لَّكُمْ (کبیر) (3)

١٩ ایک بھائی (شمعون) نے کہا کہ یہ تجویز بڑی سنگدلانہ ہے۔ ایک معصوم بچے کو یوں بلاوجہ موت کے گھاٹ اُتار دینا سخت معیوب

1۔ القاموس المحیط از مجد الدین محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی الشیرازی، متوفی 817ھ، ج 1، ص 201 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 96 3۔ ایضاً، ص 97

مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ

کہنے والے نے کہا کہ نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہ میں ۲۰ اٹھالیں گے اسے کوئی

السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى

راہ چلتے مسافر۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے (یہ طے کرنے کے بعد) انھوں نے ۲۱ آکر کہا اے ہمارے باپ! کیا ہوا آپ کو کہ آپ اعتبار ہی

یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ

نہیں کرتے ہم پر یوسف کے بارے میں حالانکہ ہم تو اسکے سچے خیر خواہ ہیں ۲۲۔ آپ بھیجیے اسے ہمارے ساتھ کل تاکہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے ۲۳

وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ

اور کوئی فکر نہ کیجیے ہم اسکے نگہبان ہیں ۲۳۔ آپنے فرمایا بیشک مجھے غمزدہ بناتی ہے یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ

بات ہے اگر تم یوسف کو سامنے سے ہٹانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو تو اسے کسی سنسان جنگل کے ویران وتاریک کنوئیں میں پھینک دو۔ کوئی قافلہ گزرے گا تو اس کی آواز سن کر وہ اسے نکال لے گا اور اپنے ساتھ لے کر اپنے ملک میں چلا جائے گا۔ اس طرح ہمارا مقصد بھی پورا ہوجائے گا اور ایک بے گناہ کے خونِ ناحق سے ہمارا دامن بھی آلودہ نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی۔(1)

۲۰ غیابہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو تیری آنکھوں سے چھپادے۔ کنوئیں کی تہ کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زیادہ گہرائی کی وجہ سے تاریک ہوتی ہے اور جو چیز اس میں گرے وہ کسی کو نظر نہیں آتی (2) اور جُبّ: اس کنوئیں کو کہتے ہیں جو بہت گہرا ہو اور اُس میں پانی زیادہ ہو۔ فِی الْقَامُوْسِ اَلْجُبُّ اَلْبِئْرُ الْكَثِیْرَةُ الْمَاءِ الْبَعِیْدَةُ الْقَعْرِ۔(3)

۲۱ اب مشکل یہ درپیش تھی کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں تو کیونکر حضرت یعقوب تو یوسف کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ آئے اور آتے ہی آپ سے یہ شکایت کی کہ آپ ہم پر یوسف کے بارے میں اعتماد نہیں کرتے۔ آخر اس بے اعتباری کا باعث کیا ہے۔ ہم اس کے دشمن تو نہیں۔ وہ ہمارا بھائی ہے ہمیں تو اس کی ہر طرح کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال کرنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اَلنُّصْحُ الْقِیَامُ بِالْمَصْلِحَةِ وَاِرَادَةُ الْخَیْرِ (مظہری) (4)

۲۲ یہ کہنے کے بعد کہ ہم تو دل وجان سے یوسف کے خیر خواہ ہیں۔ اور آپ ناحق ہم پر شک کرتے ہیں۔ اب کہا کہ اگر آپ ہم پر اعتماد کرتے ہیں تو اسے کل سیر وتفریح کے لیے ہمارے ساتھ روانہ کیجیے۔ رتع کہتے ہیں جی بھر کر کھانا پینا (5) رَتَعَ الْاِنْسَانُ وَالْاِبِلُ اِذَا اَكَلَا كَیْفَ شَاءَا۔ کھیلنے سے مراد ہے دوڑنا، شکار کرنا، تیر اندازی وغیرہ جو شریعت میں مباح ہیں۔ وَتَتَّسِعُ فِیْ اَكْلِ الْفَوَاكِهِ نَلْعَبُ بِالسِّبَاقِ وَالصَّیْدِ وَالرَّمْیِ مِمَّا یُبَاحُ اِتْیَانُهٗ۔ (مظہری) (6)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 132 | 2۔ القاموس المحیط، ج 1، ص 209 | 3۔ ایضاً، ج 1، ص 137
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 145 | 5۔ القاموس المحیط، ج 2، ص 967 | 6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 145

سورۂ یوسف سے متعلقہ علاقے

اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ

کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا ۲۴ اور تم (سیر وتفریح کے باعث) اس سے بیخبر ہو۔ کہنے لگے اگر کھا جائے اسے

الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ

بھیڑیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں بلاشبہ ہم تو بڑے زیاں کار ہوئے ۲۵ پھر جب (بڑے اصرار سے) اسے لے گئے ۲۶ اور

اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

سب نے یہی طے کر لیا کہ ڈال دیں اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہ میں اور (عین اس وقت) ہم نے اسکی طرف وحی کی (گھبراؤ نہیں ۲۷) تم

۲۳ یعنی اس کی ہر طرح سے نگرانی کریں گے۔ اس طرح آپ کو ہمارے خلوص اور نیک نیتی کا پتہ چل جائے گا۔ اور یہ بے اعتمادی ختم ہو جائے گی۔

۲۴ آپ نے اپنے دلی خدشات کا اظہار فرما دیا۔ اور ممکن ہے کہ اُن کے بہانہ کی طرف اشارہ کر دیا ہو۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ آپ کو معلوم تھا کہ بھیڑیا آپ کو نہیں کھا سکتا۔ لیکن آپ نے انہیں تنبیہ کی کہ وہ ان کی حفاظت میں تساہل نہ برتیں۔ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ الزَّجْرُ عَنِ التَّهَاوُنِ فِیْ حِفْظِهٖ وَاِنْ كَانَ یَعْلَمُ اَنَّ الذِّئْبَ لَا یَصِلُ اِلَیْهِ۔(1)

۲۵ وہ اپنی طرف سے ان خدشات کا ازالہ کر رہے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم دس گرانڈیل جوان ساتھ ہوں تو بے چارے بھیڑیے کی کیا مجال کہ یوسف کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ اگر ہماری موجودگی میں یوسف کو گزند پہنچے تو پھر ہمیں مارے شرم کے ڈوب مرنا چاہیے۔

۲۶ حضرت یعقوب نے بادلِ نخواستہ اجازت دے دی۔ اس پر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور یوسف کو بڑی محبت سے اپنے ساتھ لے چلے۔ جب حضرت یعقوب کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو زدوکوب شروع کی۔ حضرت یوسف رحم طلب نگاہوں سے ایک ایک بھائی کے منہ کو دیکھتے لیکن بے سُود۔ ہر ایک یہی طعنہ دیتا کہ بلاؤ ان گیارہ ستاروں کو اور چاند اور سورج کو جنہوں نے تجھے سجدہ کیا۔ چنانچہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک مجوزہ کنوئیں پر پہنچے۔ اور انہیں ڈول میں ڈال کر یا گلے میں رسی ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا۔ جب وہ درمیان میں پہنچے تو اوپر سے رسی کاٹ دی۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا اَدْرِكْ عَبْدِیْ جاؤ میرے بندے کو جا کر سنبھال لو۔ (2)

اس سے پیشتر کہ وہ سطح آب پہنچتے جبرئیل نے آ کر آپ کے نیچے پَر بچھا دیئے اور ان کو سنبھال لیا۔

۲۷ ان روح فرسا لمحوں میں حضرت یوسف کے معصوم دل پر جو گزری ہوگی اُس کا آپ آسانی سے تصور کر سکتے ہیں۔ اس دل شکستگی اور رنج والم کی ان روح فرسا گھڑیوں میں حضرت یوسف کو یہ مژدہ سنایا جاتا ہے: یوسف گھبراؤ مت، ایک درخشاں

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18 ص 93 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9 ص 139

بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾

ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر[۱] اور وہ (تیرے رتبۂ عالی کو) نہیں سمجھتے۔ اور آئے اپنے باپ کے پاس عشا کے وقت گریہ زاری

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا

کرتے ہوئے[۲] (آکر) کہا[۲۹] اباجی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس!)

فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

کھا گیا اس کو بھیڑیا۔ اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات[۳۰] اگرچہ ہم سچے ہیں۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر[۳۱] آپ نے فرمایا (غلط کہتے ہو یوں نہیں) بلکہ آراستہ کر دکھایا[۳۲] تمہیں تمہارے

مستقبل تیرے لیے چشم براہ ہے۔ تجھے ہم اتنا سرفراز کریں گے کہ تو یہ سب غم بھول جائے گا۔ تیرے یہ بھائی ایک دن تیرے دربار میں سائل کی حیثیت سے آئیں گے اور تو انہیں اس واقعہ سے آگاہ کرے گا۔ ان کی آنکھیں ان رفعتوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں جو ہم نے تیرے لیے مقدر فرما دی ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ تو ایک گوہر نایاب ہے جس کی قدر و قیمت کا یہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ یہاں اَوْحَيْنَا بمعنی اَلْهَمْنَا ہے۔ یعنی ہم نے یوسف کو بذریعہ الہام یہ امور بتا دیئے ہیں۔ بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ آپ کو اسی وقت شرف نبوت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔ (1) ۲۸ اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے بعد دن بھر خوب سیر و تفریح کرتے رہے۔ عشاء کے وقت چیختے چلاتے، شور مچاتے گھر لوٹے۔ (2)

۲۹ حضرت یعقوب تو پہلے ہی اتنی تاخیر پر مضطرب ہوں گے جب انہوں نے یہ شور و فغاں سنا ہو گا تو بے چین ہو گئے ہوں گے پوچھا ہو گا کیا ہوا۔ کیوں رو رہے ہو، مجھے یوسف نظر نہیں آرہا، وہ کہاں ہے؟ (3) تو انہوں نے انتہائی فریب کاری سے یہ جواب دیا۔

۳۰ ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری اس بات کو مانیں گے نہیں، کیونکہ پہلے ہی آپ کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں۔ لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں جو قصہ ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں یہ سوفی صد سچا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۳۱ اس کے ساتھ انہوں نے ایک اور فریب کیا۔ ایک دُنبہ یا ہرن ذبح کیا اور یوسف کی قمیص کو اس کے خون میں لت پت کر کے لے آئے اور اسے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے بطورِ ثبوت پیش کر دیا۔ (4)

۳۲ آپ نے یہ سن کر فرمادیا: یہ محض تمہارے نفسوں کی فریب کاری ہے اور تمہارے اس دعویٰ میں صداقت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ قمیص جو تم کسی کے خون میں لت پت کر کے لائے ہو یہ بھی صاف صاف بتا رہی ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص102 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص148 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص149

اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾

نفسوں نے اس سنگین جرم کو؛ اس جانکاہ حادثہ پر صبرِ جمیل کروں گا ۳۳ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔ ۳۴

وَجَآءَتۡ سَيَّارَةٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَهُمۡ فَاَدۡلٰى دَلۡوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشۡرٰى

اور (تھوڑی دیر بعد) ایک قافلہ آیا تو اہلِ قافلہ نے (پانی لانے کے لیے) اپنا آبکش بھیجا۔ اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ وہ پکار اٹھا مژدہ باد! ۳۵ یہ

هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوۡهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ

تو کتنا من موہنا بچہ ہے! اور انھوں نے چھپا دیا اسے متاع (گرانبہا) سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور

ہو۔ اگر بھیڑیے نے یوسف کو کھایا ہوتا تو کیا یہ قمیص جگہ جگہ سے پھٹ نہ گئی ہوتی۔ ایسا عقلمند بھیڑیا تو آج تک دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ اس نے آدمی کو تو کھا لیا ہو اور قمیص پر خراش تک نہ آنے دی ہو۔ سوّل کا معنی ہے مزین اور آراستہ کرنا سَوَّلَتۡ اَیۡ زَیَّنَتۡ۔ اَلتَّسۡوِیۡلُ تَزۡیِیۡنُ النَّفۡسِ لِمَا تَحۡرِصُ عَلَیۡهِ وَ تَصۡوِیۡرُ الۡقَبِیۡحِ بِصُوۡرَةِ الۡحَسَنِ۔ (مظہری)(1)

۳۳ آپ نے فرمایا میں تو اس جانکاہ حادثہ پر صبرِ جمیل کروں گا۔ صبرِ جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جہاں نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ جزع وفزع کا گزر ہو وَالصَّبۡرُ الۡجَمِیۡلُ هُوَ الَّذِیۡ لَا جَزَعَ فِیۡهِ وَلَا شَکۡوٰی۔ (قرطبی)(2)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی جلالتِ شان اور مقامِ نبوی کو یہی زیبا تھا کہ وہ دامنِ صبر کو مضبوطی سے تھام لیں اور کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کریں جو عام لوگوں سے ایسے موقعوں پر سرزد ہوتی ہے۔ لیکن تورات کا بیان اس کے برعکس ہے "اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔ تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کا ماتم کرتا رہا اور اس کے سب بیٹے بیٹیاں اُسے تسلی دیتے جاتے تھے پر اسے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں تو ماتم ہی کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔ سو اس کا باپ اس کے لیے روتا رہا"۔ (پیدائش ۳۷: ۳۳، ۳۴، ۳۵)(3) قرآنِ کریم کی عظمت اور صداقت کا آپ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۳۴ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نفیس بحث لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کو ان کی غلط بیانی کا یقین ہو گیا تھا تو وہ کیوں نہ یوسف کی جستجو میں نکلے اور کیوں آتشِ فراق میں برسوں جلتے رہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس امر کا تو واقعی یقین تھا کہ یوسف زندہ ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے خاموش ہو کر بیٹھے رہنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلاش کرنے سے منع فرما دیا ہو، تاکہ ان کے صبر و استقامت کا اچھی طرح امتحان ہو جائے اور یا اس لیے کہ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ یوسف کی خود حفاظت کرے گا، وہ خود ہی اس کا نگران ہے اور جس شاندار مستقبل کے متعلق پہلے ہی بتا دیا گیا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ لَا جَوَابَ عَنۡهُ اِلَّا اَنۡ یُّقَالَ اِنَّهٗ سُبۡحَانَهٗ وَ تَعَالٰی مَنَعَهٗ عَنِ الطَّلَبِ تَشۡدِیۡدًا لِلۡمِحۡنَةِ عَلَیۡهِ وَ تَغۡلِیۡظًا لِلۡاَمۡرِ عَلَیۡهِ (4)...... وَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 148
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 152
3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، باب 37، آیت 35-33، ص 39
4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 106

شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

انھوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیر سی قیمت پر چند درہموں کے عوض ۳۶؎ اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے ۳۷؎

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى

اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا ۳۸؎ اہل مصر سے اپنی بیوی کو عزت واکرام سے اسے ٹھہراؤ ۳۹؎ شاید یہ

اَیْضًا لَعَلَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَصُوْنُ یُوْسُفَ عَنِ الْبَلَاءِ وَ الْمِحْنَةِ وَ اَنَّ اَمْرَهٗ سَیَعْظُمُ بِالْاٰخِرَةِ ثُمَّ لَمْ یُرِدْ هَتْكَ اِسْتَارِ سَرَائِرِ اَوْلَادِهٖ (1)...... فَلَمَّا وَقَعَ یَعْقُوْبُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ هٰذِهِ الْبَلِیَّةِ رَاٰی اَنَّ الْاَصْوَبَ الصَّبْرُ وَ السُّكُوْتُ وَ تَفْوِیْضُ الْاَمْرِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِالْكُلِّیَّةِ۔ (کبیر)(2)

۳۵؎ ایک قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا۔ انکا گزر اس کنوئیں کے قریب سے ہوا اور یہ واقعہ پیش آیا۔ سَیَّارَةٌ سَیَّار کی مؤنث ہے۔ اسکا معنی قافلہ ہے یعنی وہ قوم جو سفر کر رہی ہو۔

اَدْلٰی: اَدْلٰی کا معنی ڈول کو کنوئیں سے نکالنا اور دَلَا کا معنی ڈول کا کنوئیں میں لٹکانا۔(3)

وَارِد: اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو کنوئیں یا چشمہ وغیرہ پر جا کر قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرے۔(4)

یٰبُشْرٰی: یہ لفظ غایت تعجب و سرور کو ظاہر کرتا ہے جب اس آبکش نے ڈول باہر نکالا اور اس میں ایک چاند کو شرما دینے والا حسین بچہ دیکھا تو وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گیا اور پکار اُٹھا یٰبُشْرٰی: اے خوشخبری۔(5)

۳۶؎ جب تیسرے دن یوسف کے بھائی خبر لینے کے لیے آئے تو ان کو کنوئیں میں نہ پایا۔ لیکن وہاں ایک قافلہ کے فروکش ہونے کے نشانات موجود تھے۔ وہ اس قافلہ کے تعاقب میں نکلے۔ جلد ہی وہ قافلہ انہیں مل گیا۔ اس میں یوسف کو پکڑ لیا اور بتایا کہ یہ ہمارا غلام ہے چند دن سے بھاگ آیا ہے۔ چنانچہ تھوڑی سی قیمت پر اس گوہر شہوار کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔(6)

۳۷؎ یعنی ان کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اسے فروخت کر کے زیادہ روپیہ کمانے کے آرزومند نہ تھے۔ ان کے پیش نظر تو صرف یہ بات تھی کہ کسی طرح وہ باپ کی نظروں سے دُور ہو جائے۔ لِاَنَّهٗ لَمْ یَكُنْ قَصْدُهُمْ تَحْصِیْلَ الثَّمَنِ اِنَّمَا كَانَ قَصْدُهُمْ تَبْعِیْدَ یُوْسُفَ عَنْ اَبِیْهِ (مظہری)(7) علامہ راغب اصفہانی لفظ زاہد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلزَّهِیْدُ: اَلشَّیْءُ الْقَلِیْلُ الزَّاهِدُ فِی الشَّیْءِ الرَّاغِبُ عَنْهُ (مفردات)(8) تھوڑی چیز کو زہید کہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی چیز سے بیزار ہو اس میں کوئی دلچسپی نہ لیتا ہو اس کو اَلزَّاهِدُ فِی الشَّیْءِ کہا جاتا ہے۔

۳۸؎ جب وہ قافلہ مصر کے پایۂ تخت منف (منفس) میں پہنچا تو قافلہ والوں نے دوسرے سامانِ تجارت کے ساتھ آپ کو بھی فروختگی کے لیے پیش کیا۔ گلشنِ خلیل کا مہکتا ہوا پھول جب بازارِ مصر میں لایا گیا ہو گا تو ساری فضا معطر ہو گئی ہو گی۔ حسن و جمال کا ایسا مرقع نہ آنکھوں نے آج تک دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ ایسے غلام کی آمد کی خبر آنِ واحد میں شاہی ایوانوں میں گھومنے لگی ہو

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص106 2۔ ایضاً ص107 3۔ ایضاً ص108 (مفہوم) 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً
6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص155 7۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص150 8۔ مفردات راغب، ص384

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ

ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں

وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ

اور تاکہ ہم سکھادیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ ۴۱ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر ۴۲

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا

لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۴۳ اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں

گی اور دیکھتے ہی دیکھتے خریداروں کے ٹھٹ لگ گئے ہوں گے۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیا ہوگا۔ آخر مصر کے ایک امیر کبیر شاہی دربار کے ایک اعلیٰ افسر نے اسے خریدا اور آپ کے خریدار کا نام فوطی فار ہے چنانچہ بائیبل میں ہے دومدیانیوں نے اسے مصر میں فوطی فار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا بیچا (پیدائش ۳۶:۳۷) (1) قرآنِ حکیم نے اسے عزیزِ مصر کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

۳۹ عزیزِ مصر نے آپ کی لوحِ جبیں پر سعادت ونجابت کے نقوش دیکھ لیے تھے۔ بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے۔ اس کے آرام وآسائش کا ہر وقت خیال رکھنا۔ اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اس کی شکل وصورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کررہی ہے۔ ہوسکتا ہے کسی دن ہمارے لیے یہ مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ اس عورت کا نام ایک روایت میں راعیل ہے اور تلمود میں اس کا نام زلیخا ہے۔ شاید اس روایت سے ہماری کتابوں میں وہ زلیخا کے نام سے مشہور ہوئی اِسْمُهَا رَاعِیْلُ وَقِیْلَ زُلَیْخَا۔ مَثْوٰی: اسم ظرف ہے ٹھہرنے کی جگہ۔ (2)

۴۰ ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا جسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا جسے بیچنے والے بھی ایک بھگوڑا غلام تصور کرتے تھے۔ پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا اس کے لیے اتنی عزت وآسائش کے سامان مہیا فرمادینا مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لیے پدرانہ شفقت بلکہ فدویانہ جذبہ پیدا کردینا یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ (3)

۴۱ یعنی جس طرح ہم نے اس پر یہ مہربانی فرمائی اُسی طرح حضرت یعقوب کی بتائی ہوئی تعبیر کو بھی پورا کیا جائے گا اور اُسے تَاْوِیْلُ الْاَحَادِیْثِ کا علم مرحمت فرمایا جائے گا۔

۴۲ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مشکلات کا ہجوم مخالفتوں کے طوفان اسباب ووسائل کا فقدان اس کے حکم کے وقوع پذیر ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ بھائیوں کی ساری سازشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یوسف کو جہاں پہنچانے کا ارادہ فرمایا وہ ہو کر رہا۔

۴۳ عام لوگ ظاہری حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام ناممکن ہے۔ ان کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہدنامہ)، پیدائش، باب 37، آیت 36، ص 39 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 151 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 160

وَّعِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ

نبوت اور علم۔ اور یونہی ہم نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنیوالوں کو ۴۵ اور بہلانے پھسلانے لگی انھیں وہ عورت جس کے گھر

بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ

میں آپ تھے کہ ان سے مطلب براری کرے اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی بس آ بھی جا۔ ۴۶

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بیشک ظالم فلاح

کی حکمت سے ناواقف ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ شک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ورنہ قدرتِ خداوندی کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

۴۴ عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی جسمانی اور عقلی قوتیں پوری طرح نشوونما پا لیتی ہیں۔ اسے اَشُدَّ کہتے ہیں۔ حکماء کے نزدیک یہ تیس اور چالیس سال کے درمیانی عرصہ کا نام ہے۔ یعنی جب آپ کی فطری صلاحیتیں پوری طرح رونما ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خصوصی نوازشات سے سرفراز فرمایا اور انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ حکم سے مراد حکمت اور نبوت ہے۔ اور علم سے مراد احکامِ شرعی کا علم یا خوابوں کی تعبیر کا علم۔ اور عظمتِ شان کے اظہار کے لیے دونوں کو نکرہ ذکر کیا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْحُكْمَ النُّبُوَّةُ وَالْعِلْمَ الشَّرِیْعَةُ وَتَنْكِیْرُهُمَا لِلتَّفْخِیْمِ (روح المعانی)(1)

علامہ نظام الدین نیشاپوری حکم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کے نفسِ مطمئنہ کو نفسِ امارہ پر حاکم بنا دیا۔ کیونکہ عالمِ قدس سے جوہرِ نفس پر انوارِ الٰہیہ اور ربّانی تجلّیات کا فیضان فقط اُسی وقت ہوتا ہے فَحِیْنَئِذٍ تَفِیْضُ الْاَنْوَارُ الْقُدْسِیَّةُ وَالْاَضْوَاءُ الْاِلٰهِیَّةُ مِنْ عَالَمِ الْقُدْسِ عَلٰی جَوْهَرِ النَّفْسِ (تفسیر نیشاپوری)(2) یہاں علامہ مذکور نے بڑی نفیس بحث لکھی ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔

۴۵ یعنی ہمارے یہ احسانات صرف حضرت یوسف تک محدود نہیں بلکہ جو بھی صبر و استقامت، عصمت و طہارت اور دیگر خصائلِ حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کرے گا ہم اسے بھی ان نوازشات سے بہرور فرمائیں گے۔(3)

۴۶ کچھ ہی عرصہ گزرا کہ عزیز کی بیوی آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی۔ لیکن اس کے لیے یوسف جیسے پاکباز جوان سے یکبارگی اظہارِ مدعا کرنا آسان نہ تھا۔ اس نے نسوانی فطرت کے مطابق انہیں اپنا صیدِ زبوں بنانے کے لیے سینکڑوں جتن کیے ہوں گے اور آپ سے بے تکلف ہونے کی ہر ممکن کوشش کی ہوگی۔ رَاوَدَتْ: کا لفظ اسی امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اَلْمُرَاوَدَةُ الْمُطَالَبَةُ بِرِفْقٍ مِّنْ رَادَ یَرُوْدُ: ذَهَبَ- وَ جَاءَ(4) یعنی مُرَاوَدَة کہتے ہیں بڑی نرمی اور لطائف الحیل سے کسی چیز کی طلب کرنا۔ اس کا اصل رَادَ ہے۔ اُس کا مفہوم آنا جانا، آمد و رفت رکھنا ہے۔ لیکن جب اس جوان صالح کی بے نیازیوں نے اس کے تمام

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 209
2۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 121-120
3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 113
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 152

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ

نہیں پاتے ٤٧ اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا

حیلوں کو ناکام بنا دیا تو اُس نے آخری قدم اُٹھایا۔ یوسف کو اپنے پاس بلایا اور اپنے خلوت خانہ کے تمام دروازے بند کر دیئے اور جب بالکل تنہائی ہوگئی تو شرم وحیا کے تمام آداب کو پسِ پُشت پھینکتے ہوئے کہنے لگی ''هَيْتَ لَكَ'' هَيْتَ کی حرکات وسکنات کے متعلق بڑی طویل بحثیں کی گئی ہیں۔ لیکن حضرت ابنِ مسعود کی اس روایت کے بعد کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے هَيْتَ لَكَ پڑھایا ہے (ھا اور تا دونوں پر فتح) مزید قیل وقال کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علماء نے اس بارے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے یا عجمی۔ کسی نے اسے حُورانی، کسی نے عبرانی اور سریانی اور ایک صاحب نے اسے قبطی بھی کہا ہے لیکن صحیح قول وہ ہے جو مجاہد سے منقول ہے کہ یہ لفظ عجمی نہیں بلکہ عربی ہے کسی چیز پر برانگیختہ کرنے اور اس کی طرف توجہ دلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قَالَ مُجَاهِدٌ وَّغَيْرُهٗ هِيَ لُغَةٌ عَرَبِيَّةٌ وَّهِيَ كَلِمَةُ حَثٍّ وَّاِقْبَالٍ عَلَى شَيْءٍ (مظہری وغیرہ) (1)

علامہ ابوحیان نے لکھا ہے: هَيْتَ اسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنٰى اَسْرِعْ (بحر) (2) یہ اسمِ فعل ہے اور جلدی کرو کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

٤٧ آپ خیال فرمایئے عزیزِ مصر کے محل کی ایک خلوت گاہ ہے۔ اس کے سارے دروازے بڑے اہتمام سے مقفل کر دیئے گئے ہیں۔ مکمل تنہائی ہے۔ اس عالم میں آپ زلیخا کی اس اشتعال انگیز درخواست بلکہ تقاضا کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ آپ کے جواب کے ہر لفظ سے پیغمبرانہ جلالت، متانت اور تمکنت ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ یعنی میرا معبودِ برحق اس فعلِ قبیح کو ناپسند کرتا ہے۔ میں ایسے جرم سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا اِنَّهٗ رَبِّيْٓ تو عزیزِ مصر کی آبرو ہے۔ جس نے مجھ پر اس غریب الوطنی میں اتنا احسان اور مروّت کی ہے۔ بھلا میں ایسے محسن کی آبرو کو کیسے داغدار کر سکتا ہوں۔ آخر میں سننِ الٰہیہ میں سے مکافاتِ عمل کے اٹل قانون کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جو شخص اپنے محسن کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ ظالم ہے اور ظلم کرنے والا کبھی کامران نہیں ہوسکتا۔ کتنے حکیمانہ اور باوقار انداز میں زلیخا کو بتا دیا کہ یہ سودا بڑا مہنگا ہے۔ یوسف اس کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

مَعَاذَ اللّٰهِ ان مصادر میں سے ہے جن کے فعل کا محذوف ہو جانا واجب ہے جیسے سبحان اللہ۔

رَبِّيْٓ کے متعلق اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد عزیزِ مصر ہے کیونکہ رب بمعنی سید اور مربی (پرورش کرنے والا) عام مستعمل ہے اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ ربی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ (3)

٤٨ یہ آیت بڑی معرکۃ الآراء ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے تاکہ حقیقت منکشف ہو اور کسی قسم کا شبہ دل میں خلجان پیدا نہ کرے۔ اس آیت میں هَمَّ کا لفظ دو دفعہ مذکور ہے لیکن دونوں کے فاعل جدا جدا ہیں هَمَّتْ کا فاعل عزیز کی بیوی ہے اور دوسرے هَمَّ کا فاعل حضرت یوسف ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ دونوں فعل ایک ہی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں یا هَمَّتْ فعل کا معنی اور ہے، هَمَّ کا اور ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ هَمَّ بِهَا مستقل جملہ ہے۔ اور لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ شرط ہے۔ اور اس کی جزا محذوف ہے۔ اس جملہ شرطیہ کا پہلے کلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس رائے کے حاملین پھر اس بات میں باہم مختلف ہیں کہ کیا ان دونوں فعلوں کا ایک ہی معنی ہے یا الگ الگ۔ ان میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ هَمَّتْ کا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص152 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص293 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص165

معنی ہے کسی چیز کا عزم اور قصد کرنا اور ھَمَّ بِهَا میں عزم وقصد کا معنی نہیں بلکہ محض میلانِ طبع مراد ہے۔ ان کے خیال کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس حرکت کے ارتکاب کا عزمِ مصمم کیا۔ لیکن حضرت یوسف کے دل میں محض میلانِ طبع کا ظہور ہوا۔ لیکن یہ معنی بیان کرنے میں لغت سے زیادہ عقیدت کو دخل ہے۔ جو شخص حضرت یوسف کی نبوت کا قائل نہیں یا نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کو آپ کیسے مطمئن کریں گے۔ اگر وہ یہ اصرار کرے کہ پہلا فعل جس کا اسناد زلیخا کی طرف ہے۔ اس کا معنی محض میلان طبع ہے اور دوسرے فعل کا معنی عزم وقصد ہے تو ہم اسے کیونکر قائل کر سکیں گے؟ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا عزم اور قصد کرنا۔ وہ کہتے ہیں زلیخا نے بھی اس فعل کا قصد وعزم کیا اور آپ بھی (نعوذ باللہ!) بالکل تیار ہو گئے۔ لیکن اس سے ملوث نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نمودار ہو گئی تھی۔ امام فخر الدین رازی اور دیگر محققین نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے اور اُن کے اِس قول پر انتہائی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اسے حضرت یوسف کے دامانِ عصمت پر ایک ناروا بہتان قرار دیا ہے۔ چونکہ حضرت امام رازی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح وبسط سے لکھا ہے اس لیے انہیں سے استفادہ کرتے ہوئے اس گتھی کو سلجھانے کی بتوفیق اللہ کوشش کروں گا۔ وہ فرماتے ہیں لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ شرط موخر ہے اور هَمَّ بِهَا جزا مقدم ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس فعل کا عزمِ مصمم کیا اور اگر یوسف برہانِ الٰہی کو نہ دیکھتے تو وہ بھی (ان انتہائی اشتعال انگیز حالات میں) اس فعل کا عزم اور قصد کرتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے کیونکہ برہانِ الٰہی کا مشاہدہ فرمایا۔ اس لیے ان سے اس فعل کا عزم وقصد وقوع پذیر نہیں ہوا (1)۔ علامہ موصوف نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے متعدد زوردار دلائل پیش کیے ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ آؤ ان سے پوچھیں جن کا اس واقعہ کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا کہ کیا حضرت یوسف نے عزم وقصد کیا تھا یا نہیں۔ جو فیصلہ وہ دیں اس کو تسلیم کرنے میں تو کسی کو تذبذب نہیں ہونا چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ جن کا اس واقعہ سے براہِ راست تعلق تھا وہ یہ ہیں:

خود حضرت یوسف۔ زلیخا، اس کا خاوند۔ زنانِ مصر۔ گواہ خود رب العالمین۔

یوسف علیہ السلام کا اپنا بیان یہ ہے هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ کہ اس عورت نے مجھے طرح طرح سے پھسلانا چاہا۔ پھر آپ کا یہ دعا فرمانا: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ اے اللہ جس بُری حرکت کی طرف مجھے وہ بلاتی ہیں اس سے تو قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ عزیز کی بیوی نے دوبار آپ کے دامن کی پاکی کا اعتراف کیا۔ پہلی مرتبہ اس نے زنانِ مصر کے سامنے کہا وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ اور دوبارہ جب بادشاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے رہا کر کے اپنے دربار میں لے آنے کا حکم دیا تو حضرت یوسف نے اُس کی اس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگائے ہوئے بہتان کی تحقیق نہ ہو جائے میں جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں۔ اس وقت زلیخا نے پھر برملا کہا: اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ اور عزیزِ مصر نے تو اس وقت ہی کہہ دیا تھا اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ ۔ "یہ سب تمہارا مکر ہے۔ یوسف بے گناہ ہے"۔ اور اس گواہ نے بھی گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یہ سچا ہے اور سب سے سچا گواہ اللہ جل مجدہ ہے۔ اس نے بھی آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ اسی آیت میں فرمایا لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ یعنی "یوسف تو ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔ اس سے تو ہم نے ہر قسم کی برائی اور فحشاء کو دُور کر دیا ہے"۔ اس کے بعد امام

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص20-117

لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَ الۡفَحۡشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۲۴﴾

تاکہ ہم دُور کردیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چُن لیے گئے ہیں ۴۹

فرماتے ہیں کہ اور تو اور خود ابلیس نے کہہ دیا کہ یوسف کا دامن اس داغ سے پاک ہے: فبعزتك لاغوينهم اجمعين الاعبادك منهم المخلصين الخ یعنی "مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو راہ راست سے بھٹکا دوں گا لیکن تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چل سکتا"۔ اور یوسف بارشادِ الٰہی مخلصین میں سے ہیں۔ اس لیے شیطان کے فریب میں نہیں آسکتے۔(1)

ابھی ایک چیز حل طلب باقی ہے۔ اہلِ لغت میں سے زجاج نے هَمَّ بِهَا کو جزاء مقدم بنانے سے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جزاء کی تقدیم شاذ ہے اور کلامِ فصیح میں موجود نہیں اِنَّ تَقۡدِيۡمَ جَوَابِ لَوۡلَا شَاذٌّ وَّغَيۡرُ مَوۡجُوۡدٍ فِي الۡكَلَامِ الۡفَصِيۡحِ اس کا امام نے یہ جواب دیا ہے کہ بے شک احسن یہی ہے کہ جزاء شرط سے مقدم نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی معنوی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو مقدم کر دیا جائے تو یہ غلط ہے۔ بلکہ علامہ ابوحیان نے تصریح کی ہے کہ جزاء کو شرط پر مقدم نہ کرنے کا قاعدہ نحویوں کے نزدیک متفقہ نہیں ہے۔ کوفیوں نے تو اس تقدیم کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ اور بصریوں میں سے ابوزید انصاری اور مبرد جیسے بلند پایہ عالم اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (بحر)(2)

زجاج نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ لَوۡلَآ کی جزاء پر لام آنا ضروری ہے(3) اگر هَمَّ بِهَا جزائے مقدم ہوتی تو اس پر لام ضرور داخل ہوتا۔ لام کا نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کا لولا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا کہ لام کا جزاء پر لے آنا جائز ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لام کے بغیر جزاء آہی نہیں سکتی۔ پھر انہوں نے یہ آیت بطور استشہاد پیش کر کے زجاج کے دونوں اعتراضوں کو ردّ کر دیا۔ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِيۡ بِهٖ لَوۡلَآ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا یہاں تو باتفاق اِنۡ كَادَتۡ لولا کی جزاء ہے۔ یہ مقدم بھی ہے اور اس پر لام بھی نہیں اور اگر اس پر کوئی بضد ہی ہو کہ لولا کی جزاء مقدم نہیں ہوسکتی تو ہم کہیں گے کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ هَمَّ بِهَا جزاء نہیں ہے کیونکہ یہ مقدم ہے اور تمہارے خیال میں اگر اس مقدم کو جزاء مان لیا گیا تو آسمان گر پڑے گا لیکن وہ کیا جزا ہے جس کو تم مقدر مانتے ہو۔ قاعدے کے مطابق اسی چیز کو مقدر مانا جاسکتا ہے جس پر کلام سابق دلالت کرے۔ اس لیے جو جزاء مقدر مانی جائے گی وہ یہی هَمَّ بِهَا ہی ہوگی جس پر کلامِ سابق دلالت کر رہا ہے۔ اس صورت میں بھی معنی وہی رہے گا جو ہم نے بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض اسلاف کے اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں نے یہ کہا کہ حضرت یوسف نے عزم وارادہ کیا تھا۔ امام رازی اور ابوحیان اور دیگر محققین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اقوال آپس میں اتنے متضاد ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب کر رہے ہیں کہ انہیں صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ نیز یہ کسی مستند روایت سے ان اسلاف سے ثابت بھی نہیں جن کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے علامہ ابوحیان رقم طراز ہیں: وَاَمَّا اَقۡوَالُ السَّلَفِ فَنَعۡتَقِدُ اَنَّهٗ لَا يَصِحُّ عَنۡ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ شَيۡءٌ مِّنۡ ذٰلِكَ لِاَنَّهَا اَقۡوَالٌ مُتَكَاذِبَةٌ يُنَاقِضُ بَعۡضُهَا بَعۡضًا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: قَدۡ طَهَّرۡنَا كِتَابَنَا هٰذَا عَنۡ نَقۡلِ مَا فِيۡ كُتُبِ التَّفۡسِيۡرِ مِمَّا لَا يَلِيۡقُ ذِكۡرُهٗ وَاقۡتَصَرۡنَا عَلٰى مَا دَلَّ عَلَيۡهِ لِسَانُ الۡعَرَبِ (بحر)(4)

یعنی ہم نے اپنی کتاب کے صفحات کو ایسی روایات کے نقل کرنے سے پاک رکھا ہے اور آیت کی توضیح کرتے ہوئے لغتِ عرب کے قواعد پر اعتماد کیا ہے۔ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ: برہان سے مراد حرمتِ زنا کی وہ قطعی دلیل جو آپ کو معلوم تھی یا آپ کی جبلی طہارت اور فطری عصمت جو نفوسِ انبیاء کا خاصہ لازمہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 119 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 295 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا

اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف ۵۰ اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا اُس کا کُرتہ پیچھے سے اور (اتفاق ایسا ہوا کہ) ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے

الۡبَابِ‌ؕ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ

خاوند کو دروازے کے پاس ۵۱ جھٹ بول اٹھی (میرے سرتاج! بتائیے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اسکے

عَذَابٌ اَلِيۡمٌ‏ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِىَ رَاوَدَتۡنِىۡ عَنۡ نَّـفۡسِىۡ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

کہ اسے قید کر دیا جائے یا اسے) دردناک عذاب دیا جائے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب براری کرے

مِّنۡ اَهۡلِهَا‌ ۚ اِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ

اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو!) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ

دیکھا کہ وہ دانتوں میں انگلی دبائے کھڑے ہیں۔ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ۔ سُوۡٓءٌ سے مراد گناہ صغیرہ اور فحشاء سے مراد گناہ کبیرہ ہیں۔

۴۹ مُخۡلِصِيۡنَ اور مُخۡلَصِيۡنَ: پہلی قراءت کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو خالص کر دیا (اَلَّذِيۡنَ اَخۡلَصُوا الطَّاعَةَ لِلّٰهِ) اور دوسری قراءت کے مطابق وہ مراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے چُن لیا ہے اَلَّذِيۡنَ اَخۡلَصَهُمُ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ اور حضرت یوسف ان دونوں وصفوں سے موصوف تھے۔(1)

۵۰ آپ کے انکار کے باوجود جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو آپ نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی، لیکن دروازے تو سب بند تھے اور انہیں قفل لگا کر کنجیاں زلیخا نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں (وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ) اب یہاں سے نکلیں تو کیونکر۔ دل ہی دل میں عرض کی مولا! بھاگنا میرا کام ہے اور دروازے کھولنا تیرا کام۔ جب بھاگے تو تالے ٹوٹتے گئے اور دروازے خود بخود کھلتے گئے۔ آخری دروازے پر پہنچے جو محل کے صحن میں کھلتا تھا تو پیچھے سے زلیخا نے آلیا۔ اور آپ کا پیراہن پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔ آپ اس کشمکش کی شدت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یونہی ہاتھ لگانے سے تو کپڑا پھٹ نہیں جاتا۔ اور حضرت یوسف کا لباس تو بڑا عمدہ اور نیا ہوگا۔ اُس کے پھاڑنے میں تو زلیخا کو بھی کافی زحمت ہوئی ہوگی۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف پوری قوت سے دروازے کی طرف دوڑے جا رہے تھے پیچھے سے زلیخا بڑی تیزی سے لپکی اور پوری طاقت سے آپ کی قمیص کو کھینچ کر آپ کو روکنا چاہا۔ آپ اسی سرعت کے ساتھ آگے بڑھے۔ اس طرح پیراہن پیچھے سے پھٹ گیا۔(2)

۵۱ باہر نکلے تو دیکھا کہ عزیزِ مصر کھڑا ہے۔ زلیخا اپنے خاوند کو دیکھ کر سہم گئی لیکن فوراً سنبھلی اور حضرت یوسف پر دست اندازی کا الزام لگا دیا تاکہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر سکے۔ جب عزیزِ مصر نے اپنی بیوی سے یہ بات سنی ہوگی تو اس کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 170 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 155

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

جھوٹوں میں سے ہے۔ ۵۲ اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا

وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ

اور یوسف سچوں میں سے ہے۔ پس جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تم

مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سكتة

عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے ۵۳ اے یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو ۵۴

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿٢٩﴾ ع وَقَالَ نِسْوَةٌ

اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک تو ہی قصور واروں میں سے ہے۔ اور کہنے لگیں عورتیں

ع ۳ ۹ ۱۲

ہوگا کہ کتنا ناشکر گزار اور احسان فراموش ہے یوسف۔ میں نے اس کے ساتھ اتنی مروّت کی اور اس نے اس کا صلہ مجھے کیا دیا اس لیے آپ نے فوراً اس الزام کی تردید کرنا ضروری سمجھا۔ فرمایا: یہ غلط کہتی ہے اس نے مجھے ورغلانا چاہا۔ میں تو اس سے بھاگ کر آیا ہوں۔

۵۲ عزیز مصر اب حیران تھا کہ وہ کس کو سچا کہے اور کس کو جھوٹا۔ لیکن ایک عقلمند شخص نے کہا کہ دیکھو اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف نے دست درازی کی اور زلیخا نے مدافعت کی۔ اس کشمکش میں قمیص آگے سے پھٹ گئی اور اگر قمیص پیچھے سے دریدہ ہے تو یوسف کی صداقت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ: حَكَمَ حَاكِمٌ کے معنی میں ہے (1) کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے اور جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا۔ یہ شخص کون تھا۔ اس کے متعلق حضرات حسن، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور سدی کا قول یہ ہے کہ وہ زلیخا کے رشتہ داروں میں ایک عقلمند آدمی تھا جس سے عزیز اکثر مشورہ لیا کرتا تھا اَنَّهٗ رَجُلٌ حَكِيْمٌ ذُوْ عَقْلٍ كَانَ الْوَزِيْرُ يَسْتَشِيْرُهٗ فِيْ اُمُوْرِهٖ وَكَانَ مِنْ جُمْلَةِ اَهْلِ الْمَرْاَةِ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّهُوَ الصَّحِيْحُ فِي الْبَابِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (قرطبی) (2) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور قدرتِ الٰہی سے یہ امر کوئی بعید نہیں کہ جس نے حضرت مریم کی براءت کے لیے حضرت عیسیٰؑ کو گویا کر دیا تھا اس نے حضرت یوسف کی براءت کے لیے ایک شیر خوار بچہ کو بولنے کی قدرت بخش دی ہو لیکن اکثر علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

۵۳ عجیب بات یہ ہے کہ اپنی بیوی کی اتنی بڑی خیانت پر مطلع ہو کر اس کا خون نہیں کھولا، اسے غصہ نہیں آیا۔ اس نے اُس کو سزا دینا تو کجا، کرخت لہجہ میں جھڑکنا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ بڑے نرم انداز میں جس میں بے غیرتی، بے حمیتی اور بے چارگی کی بو آ رہی ہے۔ اتنا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 172 2۔ ایضاً، ص 173

فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا

شہر میں کہ عزیز کی بیوی بہلاتی ہے اپنے (نوجوان) غلام کو تاکہ اس سے مطلب براری کرے

حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اسکی محبت۔ ۵۵ ہم دیکھ رہی ہیں اسکے وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ پس جب زلیخا نے سنا انکی مکارانہ باتوں کو تو اس نے انھیں

اِلَیْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا

بلا بھیجا ۵۶ اور تیار کیں ان کے لیے مسندیں اور (جب وہ آگئیں تو) دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری

وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ

اور یوسف کو کہا کہ (ذرا) نکل (تو) آؤ ان کے سامنے۔ پس جب (یوسف آئے اور) انھوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت (حسن) کی قائل

کہنا ہی کافی سمجھا کہ یہ تمہارا مکر ہے اور تمہارا مکر بڑا ہوتا ہے۔ ان الفاظ میں بھی غور فرمائیے۔ اس بیچارے نے تو اِنَّ كَیْدَكِ (کہ زلیخا یہ تیرا فریب ہے) کہنے کی بھی جراءت نہیں کی بلکہ كُنَّ جمع مؤنث کی ضمیر ذکر کر کے ساری عورتوں کی طرف کید کو منسوب کر دیا۔(1)

۵۴ حضرت یوسف کی دلجوئی کرتے ہوئے انہیں بھی یہی مشورہ دیا کہ آپ اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور اس پر خاک ڈالیں جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس سے اس وقت کے مصری معاشرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور امراء کی عورتیں کس طرح من مانی کیا کرتی تھیں اور ان کے شوہر ان کی ان برملا خیانتوں کے باوجود کتنے بے بس تھے یا ان میں جذبۂ غیرت کس حد تک مفقود ہو چکا تھا۔

۵۵ زلیخا کی اس وارفتگی کا چرچا عام ہونے لگا۔ بڑے بڑے رؤسا کی بیگمات جب کبھی ایک جگہ اکٹھی ہوتیں تو ان کا موضوعِ سخن زلیخا کی داستانِ محبت ہی ہوتی۔ کہتیں کہ زلیخا اپنے زرخرید غلام پر ڈورے ڈالنے لگی ہے۔ اس کی محبت نے تو اس کو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے۔ اسے اپنے مقام کا بھی پاس نہیں۔ مصر کے ایک رئیسِ اعظم کی بیوی ہو کر اپنے غلام پر یوں فریفتہ ہو جانا کتنی بڑی نادانی ہے۔ شغف: اس پردے کو کہتے ہیں جس میں دل لپٹا ہوتا ہے۔ اس صورت میں قد شَغَفَهَا حُبًّا کا معنی یہ ہوگا کہ اس کی محبت نے زلیخا کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ شَغَف اس سیاہ نکتہ کو کہتے ہیں جو دل کے وسط میں ہوتا ہے(2)۔ یعنی یوسف کی محبّت زلیخا کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہے ضَلاَل سے مُراد عقل وفہم سے بیگانگی ہے نِسْوَةٌ چونکہ نساء کا اسم ہے اسلئے اس کا فعل مذکر لانا جائز ہے۔(3)

۵۶ زلیخا کو جب پتہ چلا کہ اس کا رازِ عشق افشا ہو گیا ہے اور مصر کی امیرزادیاں اسے نادانی اور بیہودگی کے طعنے دینے لگی ہیں تو اس نے اپنے ماہِ کنعانی کی جلوہ نمائی کے لیے ایک پُر تکلّف شاہانہ دعوت کا انتظام کیا۔ جس میں چالیس کے قریب معزز خواتین کو دعوت دی۔ اُن کے بیٹھنے کے لیے قیمتی قالین بچھائے گئے اور گاؤ تکیے رکھے گئے۔ دسترخوان پر کھانا چن دیا گیا۔ تازہ اور خوشبودار پھلوں کو پلیٹوں میں سجا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 224 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 129

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 27-225

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ

ہو گئیں اور (وارفتگی کے عالم میں) کاٹ بیٹھیں اپنے ہاتھوں کو اور کہہ اٹھیں سبحان اللہ! یہ انسان نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے زلیخا (فاتحانہ

فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

انداز میں) بولی یہ ہے وہ (پیکرِ رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں ۵۷ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا ۵۸

فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ

لیکن وہ بچا ہی رہا ۵۹ اور اگر وہ نہ بجا لایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائیگا ان لوگوں سے جو

کر سامنے رکھ دیا گیا اور پھل کاٹنے کے لیے ایک ایک تیز چھری ان کے ہاتھ میں دے دی۔ ہوسکتا ہے اس وقت بھی کھانے میں چھری کا استعمال کیا جاتا ہو۔ جب پھل کاٹنے میں مشغول ہوئیں تو زلیخا نے حضرت یوسف کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ ان عورتوں نے جب اس حسنِ معصوم کو دیکھا تو ان کے ہاتھ زخمی ہو گئے لیکن انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ یہ حُسن کی دلآویزی، اس پر تقدسِ نبوت کی ہیبت، یہ پیکرِ رعنا اور اس پر طہارت کی خلعت فاخرہ، جمال وجلال کے ایسے حسین امتزاج کا انہوں نے تو کبھی تصور تک نہیں کیا تھا۔ بیساختہ زبان سے نکلا سبحان اللہ! سبحان اللہ! پاک ہے وہ اللہ جس نے اے یوسف! تجھے پیدا فرمایا۔ زلیخا یہ انسان تو نہیں، یہ تو کوئی نوری فرشتہ ہے۔ اَكْبَرْنَهٗ کا معنی ہے کہ وہ حُسن یوسفی کو دیکھ کر مسحور بھی ہوئیں اور مرعوب بھی۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَعْظَمْنَهٗ وَهِبْنَهٗ (قرطبی) قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ کٹ کر الگ جا گرے بلکہ خراش آجانا اور زخمی ہو جانا۔ اِنَّمَا هُوَ خَدْشٌ وَحَزٌّ (قرطبی)(1) حَاشَ كَلِمَةٌ تُفِيْدُ مَعْنَى التَّنْزِيْهِ وَالْمَعْنٰى هٰهُنَا تَنَزُّهُ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْعَجْزِ حَيْثُ قَدَرَ عَلٰى خَلْقِ جَمِيْلٍ مِثْلِهٖ۔(2)

۵۷ زلیخا نے جب انہیں یوں بے خود پایا تو فاتحانہ انداز میں کہنے لگی۔ یہی وہ یوسف ہے جس کے عشق کے طعنے تم مجھے دیا کرتی ہو۔ تم تو اس کے حُسن کی ایک جھلک کی تاب بھی نہ لا سکی ہو۔ کیا اب بھی مجھ پر زبانِ طعن دراز کرو گی، کیا اب بھی مجھے نادان اور بے وقوف کہو گی۔ ۵۸ یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ ایک بھری محفل میں وہ کس بے باکی کے ساتھ یوسف کو ورغلانے اور اس کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا کر اپنی مقصد براری کی ناپاک کوششوں کا ذکر کر رہی ہے اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کن کے سامنے کہہ رہی ہے اور ان معزز خواتین میں سے بھی کوئی اس بیباکی پر اسے نہیں ٹوکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری معاشرہ میں اس وقت یہ چیزیں معیوب نہیں خیال کی جاتی تھیں۔ جس طرح یورپ زدہ معاشرہ میں اپنے عشق و معاشقہ کی داستانیں بڑے فخر سے بیان کی جاتی ہیں۔ یہی اُن کی حالت تھی۔ زلیخا کی داستان کی شہرت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک وزیر کی بیگم ہو کر اپنے ایک غلام کے دامِ محبت میں اسیر ہے بلکہ یوسف کا اس کی خواہشات کو ٹھکرا دینا اور اس کی منت وسماجت کے باوجود اس کی طرف نگاہِ التفات نہ کرنا اس داستان کی شہرت کا باعث بنا۔ جب کسی قوم میں غیرت وحمیت کے جذبات فنا ہو جاتے ہیں اور شرم وحیا کے تقاضے پسِ پشت ڈال دیے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 180 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 131

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ

بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں[۶۰] اس (گناہ) سے جس

وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤنگا انکی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے[۶۱]

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ

پس قبول فرمالی اس کی دعا اسکے رب نے[۶۲] اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو۔ بیشک وہ (اپنے بندوں کی فریادیں) سننے والا

الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی

اور (اُن کے حالات) خوب جاننے والا ہے۔ پھر مناسب معلوم ہوا انھیں اسکے باوجود کہ وہ (یوسف کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ

جاتے ہیں تو وہاں یہ چیزیں تہذیب وشائستگی کی علامت سمجھی جاتی ہیں اور اس قسم کے اذکار پر شرمانے کے بجائے فخر کیا جاتا ہے۔

۵۹ یہاں زلیخا حضرت یوسف کی پاکدامنی کا ذکر آپ کی سیرت کی بلندی کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں کر رہی بلکہ یوسف پر یہ الزام لگانے کے لیے اپنی سہیلیوں کو بتا رہی ہے کہ اس شخص نے اب تک میرے حسن وشباب کی توہین کی ہے اور میرے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ میں نے اب تک اس کی مجرمانہ بیبا کی کو برداشت کیا ہے لیکن اب میں اس سے زیادہ اپنی توہین برداشت نہیں کرسکتی۔ اگر اس نے حسبِ سابق میرا مطالبہ نہ مانا تو میں اسے ذلیل ورسوا کر کے جیل بھجوادوں گی۔

۶۰ جب آپ نے زلیخا کی یہ دھمکی سُنی اور اُن عورتوں نے بھی انہیں سمجھایا کہ یوسف نادان نہ بنو۔ اپنی جوانی اور حُسن پر رحم کرو۔ تم کتنے خوش قسمت ہو کہ مصر کی ایک امیر ترین اور حسین ترین عورت تجھے دل سے چاہتی ہے تم کیوں بضد ہو تم درخواست کو ضرور قبول کرو۔ ہم تجھے ازراہِ خیر خواہی یہ مشورہ دے رہی ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ مجھے ہر طرف سے گھیرا جارہا ہے۔ آپ نے اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے میرے مالک! بیشک مجھے یہاں ہزار آرام ہے اور ہر شخص میرا دل سے احترام کرتا ہے لیکن اگر اس آرام اور احترام کی مجھے یہ قیمت ادا کرنا پڑے کہ میں تیری نافرمانی کروں، تو اے کریم مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ قید وبند کی صعوبتیں اور سختیاں جو مجھے اس گناہ سے بچائیں وہ مجھے اس آرام واحترام سے بہت عزیز ہیں۔

۶۱ حضرت یوسف اب تک متعدد سخت ترین آزمائشوں سے گزرے تھے اور انہوں نے کبھی اپنے دامنِ عفت پر داغ نہ آنے دیا تھا۔ زلیخا کے ابتدائی فریبوں میں بھی نہ پھنسے۔ اس کی خلوت گاہ میں اس کے حُسن وشباب کے سرمست تقاضوں کو روندتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس ضیافت میں جہاں مصر کا سارا حُسن بن سنور کر اور بے نقاب ہو کر آ گیا تھا وہاں بھی اس پیکرِ حُسن وعفت کو پیش کیا گیا تو ان کی نگاہیں جھکی ہی رہیں اور ان کے شرم وحیا نے کسی کی طرف دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ ان تمام نازک مراحل سے

حِينٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي

وہ اسے قید کر دیں کچھ عرصہ تک ۶۳۔ اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قید خانہ میں دو نوجوان ان میں سے ایک نے (آکر) کہا کہ میں نے

أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا

(خواب میں) اپنے آپکو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپکو دیکھا کہ میں اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر

تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۶﴾

کچھ روٹیاں، پرندے کھا رہے ہیں اس سے۔ آپ بتائیے ہمیں اسکی تعبیر۔ بیشک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کو نیکوکاروں سے۔ ۶۵

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ

آپ نے فرمایا نہیں آئیگا تمھارے پاس کھانا جو تمھیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمھیں بتا دونگا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمھارے پاس

کامیابی سے گزرنے اور شیطان کے ہر دامِ فریب کو تار تار کر دینے کے باوجود آپ کے دل میں اپنے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوئی۔ اور کبھی اس کو اپنا کمال تصور نہ کیا بلکہ اپنے رب کے سامنے اپنی بے بسی اور ناتوانی کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اعانت اور توفیق کی بھیک ہی مانگتے رہے۔ یہاں بھی یہی التجا کر رہے ہیں کہ اے میرے خداوند ذوالجلال اگر تو مجھے ان کے مکرو فریب سے نہ بچائے اور میری دستگیری نہ کرے تو میں ایک لمحہ بھی ان کی عیاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے قدم تو پھسل جائیں گے اور مجھ سے ایسا قصور سرزد ہو جائے گا کہ میرا شمار پھر صادقین اور مخلصین میں نہ ہوگا بلکہ جاہلوں میں ہونے لگے گا۔

۶۲ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے یوسف کی عاجزانہ التجا کو شرفِ قبول بخشا اور ہر مرحلہ پر وہ ثبات اور پختگی عطا فرمائی کہ حسنِ عریاں کی کوئی یورش آپ کو متزلزل نہ کر سکی۔

۶۳ اس ضیافت کے بعد حسنِ یوسف کے چرچے گھر گھر ہونے لگے۔ نہ صرف زلیخا بلکہ سارے متموّل گھرانوں کی رئیس زادیاں آپ کی محبت کا دم بھرنے لگیں تو حکومت کے اربابِ بسط وکشاد نے پاکدامن اور بے گناہ یوسف کو قید کرنے میں ہی مصلحت سمجھی مِنۢ بَعۡدِ مَا رَأَوُا کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ یوسف کو قطعاً بے گناہ سمجھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ ان گنہگار نگاہوں کو سرزنش کرتے اور انہیں معتوب گردانتے انہوں نے حضرت یوسف کو ہی قید کرنا آسان سمجھا اور ایک روایت میں ہے کہ زلیخا نے اپنے شوہر سے شکایت کی کہ اس کنعانی غلام نے مجھے بہت رُسوا کر دیا۔ جہاں جاتا ہے میرے متعلق توہین آمیز باتیں بتاتا ہے۔ اگر تمہیں اپنی عزت و ناموس کا کچھ پاس ہے تو اسے قید کر دو۔ اس نے جانتے ہوئے کہ یوسف بے گناہ ہے اور سارا قصور اسکی بیوی کا ہے۔ اس نے اپنی مجرم اور خائن بیوی کی پاسداری کے لیے ایک بے گناہ اور معصوم کو جیل میں بھیجنا گوارا کر لیا۔

يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آئے۔ ۶۶ یہ ان علموں میں سے ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے۔ میں نے چھوڑ دیا ہے دین اس قوم کا

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

جو نہیں ایمان لاتے ۶۷ اللہ تعالیٰ پر نیز وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور میں تو پیرو بن گیا اپنے

اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ

باپ دادا ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین کا ۶۸ نہیں روا ہمارے لیے کہ ہم شریک ٹھیرائیں

۶۴ لغت میں ''حین'' وقت کے ایک غیر معین عرصہ کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق مختصر اور طویل عرصہ پر یکساں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس مدّت کو متعین کرنے کے لیے کئی اقوال موجود ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اسے مقرر نہ کیا جائے۔ فَالصَّحِيْحُ اَنَّ هٰذِهِ الْمَقَادِيْرَ غَيْرُ مَعْلُوْمَةٍ وَّاِنَّمَا الْقَدْرُ الْمَعْلُوْمُ اَنَّهٗ بَقِيَ مَحْبُوْسًا مُدَّةً طَوِيْلَةً۔ (1)

۶۵ اتفاق سے اُسی زمانہ میں شاہِ مصر اپنے دو ملازموں سے ناراض ہو گیا اور انہیں جیل بھجوا دیا۔ ان میں سے ایک اس کے مطبخ کا ناظم تھا اور دوسرا اس کی محفلِ عیش و طرب کا نگرانِ اعلیٰ تھا۔ ان دونوں پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی ہے۔ وہ اپنی قید کاٹ رہے تھے کہ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا۔ وہ بڑے پریشان تھے کہ اس خواب کی تعبیر کس سے پوچھیں۔ حضرت یوسف بھی عرصہ سے اسی زنداں میں اسیر تھے۔ اور اپنے اخلاقِ عالیہ، نیک نفسی اور عالی ظرفی کے باعث تمام قیدیوں کی نظروں میں بڑے محبوب اور محترم تھے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر غمزدہ کی دلداری کرتے۔ ہر مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی زخمی ہوتا تو اُس کی مرہم پٹی کرتے۔ ساری رات اپنے رب کے حضور میں دست بستہ کھڑے رہتے اور اتنا روتے کہ جیل خانہ کے در و دیوار بھی آہ و فغاں کرتے ہوئے معلوم ہوتے۔ (قرطبی، کبیر) چنانچہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بھی بتا دیا کہ ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہم آپ کو محسن سمجھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف جیل میں بھی ایسی پاکیزہ زندگی بسر کر رہے تھے کہ آپ کے پاس رہنے والے قیدی آپ کو محسن کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ (2)

۶۶ آپ نے فرمایا اس سے پیشتر کہ تمہارا کھانا آئے۔ میں تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ اب یہاں سے آپ کی پیغمبرانہ شان کا ظہور شروع ہوتا ہے۔ فرمایا خوابوں کی جو تعبیر میں بتایا کرتا ہوں یہ ظن و تخمین اور کہانت و قیافہ شناسی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم کیا ہے۔

۶۷ یہاں سے آپ کے اس عظیم اور مدلل خطبہ کا آغاز ہو رہا ہے جو آپ نے توحید کے موضوع پر مصر کے مُشرکانہ ماحول میں سب سے پہلے دیا۔ اس خطبہ کی ابتدا اور اس کے بعد توحید کی صداقت کے دلائل، پھر انہیں شرک کو ترک کر کے توحید قبول کرنے کی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 136 2۔ ایضاً، ص 137۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 91-189

بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ (توحید پر ایمان) تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر اور لوگوں پر ۶۹

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ

لیکن بہت سے لوگ اس احسان پر شکر ہی بجا نہیں لاتے ۔ اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے ۷۰ تم نہیں پوجتے ۷۱ اس کے

ترغیب اور آخر کار ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ کا اعلان کتنا مدلل، بصیرت افروز اور موثر ہے۔ ان کے جذبات عقیدت کو ٹھیس لگائے بغیر کس طرح اپنے مدعا کو پُر اثر اور دلکش انداز میں بیان فرمایا کہ خود ہی اس عقیدہ سے دست بردار ہونے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ جب تک کسی داعیٔ حق میں یہ حکیمانہ فراست اور یہ عالی حوصلگی نہ ہو وہ اپنی دعوت کے لیے کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ حق کو کسی پر زبردستی تھوپنا حق کی توہین کرنا ہے۔ اسے یوں پیش کرنا چاہیے کہ ذہن وقلب اُسے قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور وہ انسان کی روح میں سرایت کر جائے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ دعوت میں تدریج کی عمدہ مثال ہے (1)۔ اب آپ مختلف آیات کا سلسلہ وار مطالعہ فرماتے جائیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم مشرک ہو تم بتوں کی پُوجا کرتے ہو بلکہ اپنا عقیدہ بیان فرمایا کہ میں اس ملّت سے بیزار ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی اور روزِ قیامت کی منکر ہے۔ ۶۸ پھر انہیں بتایا کہ میرا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جسے پہلی دفعہ میں ہی اختیار کیے ہوئے ہوں بلکہ میرے جلیل القدر آباؤ اجداد جن کے نام سے دنیا واقف ہے، ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ آج تک یوسف علیہ السلام کو مختلف مشکلات سے واسطہ پڑا لیکن انہوں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میں کس خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ سب سے پہلے ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہے۔

فرمایا: میں بھی توحید کا قائل ہوں اور میرے آباؤ اجداد حضرات ابراہیم، یعقوب، اسحاق بھی اسی عقیدۂ توحید کے پرستار تھے۔

۶۹ اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس نے اپنی معرفتِ توحید کے لیے اَن گنت دلائل قائم فرما دیئے ہیں لیکن اکثر لوگ ان کی طرف توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اس شرفِ معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ اور عقل وفہم کی خداداد صلاحیتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ ۷۰ آپ کی اس تقریر کا مقصد تو ان دو ساتھیوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرنا ہے۔ ذرا اس حکیمانہ اندازِ دعوت کو ملاحظہ فرمائیے کس طرح قدم بہ قدم ان کو منزلِ ہدایت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا میرا مسلک تو وہ ہے جو میں نے تم سے بیان کر دیا اور وہ صرف میرا ہی مسلک نہیں بلکہ جلیل القدر ہستیاں جن کے نام سے تم خوب واقف ہو ان کا بھی یہی مسلک تھا۔ اس کے بعد یہ نہیں فرماتے کہ تم بھی میرا دین اختیار کر لو بلکہ ان سے ایک سوال پوچھتے ہیں

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 315

دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ

علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے۔ نہیں اتاری

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ تعالیٰ کے اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو

اِلَّاۤ اِیَّاهُؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

بجز اس کے ۲ے یہی دین قیم ہے ۳ے لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو)

لَا یَعْلَمُوْنَ۝۴۰ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ

نہیں جانتے ۴ے اے قید خانہ کے میرے دوساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا

خَمْرًاۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖؕ

اپنے مالک کو شراب۔ لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِؕ۝۴۱ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ

(اٹل) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو ۵ے اور کہا (یوسف علیہ السلام) نے اسے جس کے بارے میں آپ کو

کہ تم ہی بتاؤ کہ بہت سے خداؤں کی بندگی بہتر ہے یا ایک اللہ کی جو ہر چیز پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے، جو بارش بھی برساتا ہے، رزق بھی دیتا ہے بچے بھی عطا کرتا ہے، شفا بھی بخشتا ہے۔ کیا یہ بہتر ہے کہ ایسے خدا کی بندگی کا اعتراف کر لیا جائے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یا ایسے متعدد خداؤں کو مانا جائے جو تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی صرف محدود اختیار کے مالک ہیں۔ کوئی صرف بارش برسا سکتا ہے لیکن اولاد کا دینا اُس کے بس کی بات نہیں۔ کوئی دولت تو بخش سکتا ہے لیکن کسی بیمار کو صحت دینا اس کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے سے تو ایک قادرِ قیوم کا ہو رہنا ہی ہزار سعادت ہے دوسرا اتنے خداؤں کو راضی رکھنا بھی کوئی آسان بات نہیں۔ ممکن ہے کہ دولت کی دیوی کی پُوجا کرتے کرتے تم کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو کہ زندگی کا دیوتا برہم ہو جائے۔ ہُن تو برسا لیکن اسی لحہ دوسرے نے غضبناک ہو کر زندگی کا دیا بجھا دیا۔ کیا عقلِ سلیم اس قسم کے خرافات قبول کر سکتی ہے؟

ا ے پہلے ان کے اعتقاد کے مطابق خدائے واحد کی بندگی کی معقولیت کو واضح کیا۔ اب صاف صاف انہیں بتا دیا کہ یہ مختلف قسم کے دیوی دیوتا جو تم نے بنا رکھے ہیں اور ان کو مختلف قسم کے اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ یہ سب تمہاری خود ساختہ باتیں ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

نَاجٍ مِّنۡهُمَا اذۡكُرۡنِيۡ عِنۡدَ رَبِّكَ فَاَنۡسٰهُ الشَّيۡطٰنُ ذِكۡرَ رَبِّهٖ

یقین تھا کہ وہ نجات پاجائے گا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس۔ لیکن فراموش کرادیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے

فَلَبِثَ فِي السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ اِنِّيۡۤ اَرٰى سَبۡعَ

اپنے بادشاہ کے پاس۔ پس آپ ٹھہرے رہے قید خانہ میں کئی سال۔ اور (کچھ عرصہ بعد ایک روز) بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں کیا)

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ

دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی کھا رہی ہیں انھیں سات دُبلی گائیں اور سات سبز خوشے ہیں اور

وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِيۡ فِيۡ رُءۡيَايَ اِنۡ كُنۡتُمۡ

دوسرے سات خشک سوکھے ہوئے۔ اے درباریو! بتاؤ مجھے میرے خواب کی تعبیر اگر تم خوابوں کی

لِلرُّءۡيَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِيۡلِ

تعبیر بتایا کرتے ہو۔ درباریوں نے کہا (اے بادشاہ) یہ خواب پریشان ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر

۷۲ کائنات کی ہر چیز اللہ وحدہٗ لاشریک کے زیرِ نگیں ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ اسی واحد قہار کا یہ حکم ہے کہ اُسی کی عبادت کی جائے اور اسی کو معبودِ برحق اور مالکِ حقیقی تسلیم کیا جائے۔

۷۳ یعنی وہ دین جس کی صداقت اور حقانیت روشن دلائل سے ثابت ہے۔ اَیْ ثَابِتٌ اَلَّذِیْ دَلَّتْ عَلَیْہِ الْبَرَاھِیْنُ۔(1)

۷۴ لیکن اکثر لوگ اپنے رب کی دی ہوئی غور وفکر کی صلاحیتوں سے کام ہی نہیں لیتے۔ دینِ حق سے اُن کی محرومی اُن کی ناشکری کا نتیجہ ہے۔ یہ ہے حضرت یوسف صدیقؑ کا پہلا خطبہ جو آپ نے زندانِ مصر میں ارشاد فرمایا۔

۷۵ اپنے فریضۂ نبوت کو ادا کرنے کے بعد اُن کو خوابوں کی تعبیروں سے آگاہ کیا اور ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔

۷۶ ظَنَّ کا فاعل اگر یوسفؑ ہوں تو اس کا معنی یقین کرنا ہے کیونکہ آپ کو اس تعبیر کے وقوع میں ذرا شک نہ تھا۔ اِس لیے آپ نے فرمایا قُضِیَ الْاَمْرُ: اس امر کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ نیز نبی کا علم ظنی نہیں یقینی ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ظَنَّ کا فاعل وہ ساقی ہو اور ھُوَ کی ضمیر اَلَّذِیْ کی طرف راجع ہو۔(2)

۷۷ اگرچہ بعض علماء نے فَاَنْسٰہُ کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کو قرار دیا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ حضرت یوسف جن کے شب وروز ذکرِ الٰہی میں بسر ہو رہے تھے بلکہ دوسروں کو بھی یادِ الٰہی کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے تھے وہ اپنے رب کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں؟ صحیح یہ ہی ہے کہ اس کا مرجع وہ ساقی ہے جس کو آپ نے رہا ہونے اور اپنے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص164
2۔ ایضاً، ص165

الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ

جاننے والے نہیں۔ اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

کی یاد آئی ایک عرصہ کے بعد میں بتاتا ہوں تمھیں اس خواب کی تعبیر۔ مجھے (قیدخانہ تک) جانے دیجیے۔ اے یوسف! اے صدیق!

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ

بتائیے ہمیں (اس خواب کی تعبیر) کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں۔ کھا رہی ہیں انھیں سات لاغر گائیں اور سات

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ

خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک تاکہ میں (آپ کا جواب لیکر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف

لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا

شاید وہ (آپ کے علم و فضل کو) جان لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسبِ دستور۔ تو جو

حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ

تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کے لیے نکال لو) جسے تم کھا لو۔ پھر

منصب پر دوبارہ فائز ہونے کی خوشخبری دی تھی۔ حضرت امام رازی کا خیال ہے کہ آپ کا اپنی رہائی کے لیے کسی کو ذریعہ بنانا بھی آپ کی شانِ رفیع کے شایاں نہ تھا حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کے مطابق غیر کی طرف یہی التفات نسیانِ الٰہی شمار ہوا۔ (1)

۴۸ے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یوسف کو جیل سے رہائی دلانا چاہی تو اس کے لیے ظاہری اسباب پیدا کر دیئے۔ ایک رات بادشاہ مصر کو یہ خواب آیا جو آیات میں مذکور ہے۔ اس نے مشہور کاہنوں، نامور نجومیوں اور زیرک لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد اس کی تعبیر دریافت کی۔ وہ کہنے لگے کہ خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کے فن میں بلاشبہ ہم مہارت رکھتے ہیں۔ لیکن جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ خواب نہیں بلکہ افکار پریشان ہیں۔ ان کی تعبیر ہم نہیں بتا سکتے۔ بلکہ یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کیلئے فکر کیا جائے۔ اَضْغَاث: (م) ضِغْثٌ قُبْضَةُ رَیْحَانٍ اَوْ حَشِیْشٍ اَوْ قُضْبَانٍ (2) پھولوں کا گلدستہ یا گھاس اور لکڑی کا گٹھا۔

اَحْلَام اُن افکارِ پریشان کو کہتے ہیں جو انسان نیند کی حالت میں دیکھتا ہے جن کی حقیقت کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شُبِّهَ الْاَحْلَامُ الْمُخْتَلِطَةُ الَّتِیْ لَا یَتَبَیَّنُ حَقَائِقُهَا قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ حُزَمُ اَخْلَاطٍ مِّنَ الْاَحْلَامِ۔ (المفردات) (3)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص48-147 2۔ مفردات راغب، ص509 3۔ ایضاً

يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ

آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا۔

لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

ان کے لیے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لوگے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال

عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ

جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لیے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے۔ (تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا

ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

(فوراً) لے آؤ انھیں میرے پاس۔ پس جب (فرمان شاہی لیکر) انکے پاس قاصد آیا (تو) آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے

فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ

پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی اُن عورتوں کی جنھوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ بے شک میرا

رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ

پروردگار توان کے مکر (وفریب) سے خوب آگاہ ہے۔ بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا تمہارا جب تم نے یوسف کو بہلایا

۷۹؎ اب اس ساقی کو عرصہ دراز کے بعد حضرت یوسف کا خیال آیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جو ایسے مشکل خوابوں کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ اگر اس خانہ زاد کو اجازت ہو تو اس سے خواب کی تعبیر دریافت کرے۔ چنانچہ وہ حضرت یوسف کے پاس آیا اور بادشاہ کا خواب ذکر کیا۔ اس نے یہ بھی ضرور بتایا ہوگا کہ بادشاہ اس سے بڑا پریشان ہے۔ اس نے اپنے دربار کے ماہر کاہنوں، نجومیوں اور معبروں کو بلا کر اس کی تعبیر پوچھی لیکن کوئی بھی اس کی تعبیر بیان نہ کر سکا۔ یہاں پھر شانِ یوسفی پوری آب و تاب سے نمایاں ہوتی ہے۔ آپ نے اُس شخص کو ملامت تو کجا اس سے اس کی طویل فراموشی کا ذکر تک بھی نہ کیا۔ اور اس خواب کی تعبیر کے لیے یہ شرط بھی پیش نہیں کی کہ مجھے پہلے رہا کرو تو میں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ بلکہ خواب سن کر اس کی تعبیر بھی بتا دی (1)۔ نہ صرف تعبیر بلکہ اس مشکل کا حکیمانہ حل بھی پیش کر دیا۔

۸۰؎ بادشاہ نے آپ کی بتائی ہوئی تعبیر اور آپ کی حکیمانہ تجویز سنی تو فوراً حکم دیا کہ ایسے مرد دانا کو قید میں رکھنا بڑا ظلم ہے۔ ابھی اسے رہا کر کے میرے پاس لے آؤ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 167

عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمۡنَا عَلَيۡهِ مِنۡ سُوۡٓءٍ ؕ

تھا اپنی مطلب براری کیلیے ۔ (یک زبان) بولیں حاشا اللہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی ۔

قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ الۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَـقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

عزیز کی بیوی (گویا رائے ضبط نہ رہا) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق ۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا

عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَـعۡلَمَ اَنِّىۡ

تھا اپنی مطلب براری کیلیے بخدا وہ تو سچا ہے ۔ (یوسفؑ نے کہا) یہ میں نے اس لیے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے

لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ الۡخَـآئِنِيۡنَ ﴿۵۲﴾

کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو ۔

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوۡۤءِ اِلَّا مَا رَحِمَ

اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا ۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا

رَبِّىۡ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِىۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ

رب رحم فرمائے ۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے ۸۴ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لے آؤ اسے میرے پاس ۔ میں چن لونگا اسے

الربع ۱۳

۸۱ فَلَمَّا جَآءَهُ الخ تقریباً نو سال کا عرصہ قید و بند کی تکلیفیں جھیلتے گزر گیا تھا اور وہ بھی بغیر قصور کے ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب آپ کو رہائی کا مژدہ سنایا گیا تو خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اسی وقت جیل سے باہر تشریف لاتے ۔ لیکن آپ کی بلند ہمتی اور عالی ظرفی نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ آپ مشکوک حالت میں باہر آئیں ۔ قاصد کو فرمایا کہ میں اس وقت تک جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک اس الزام کی تحقیق نہ کر لی جائے جو مجھ پر عائد کیا گیا تھا ۔ یہ اولوالعزمی صرف بندگانِ خدا کو ہی زیب دیتی ہے ۔ (1)

۸۲ بادشاہ نے ان خواتین کو بلایا اور ان سے حقیقتِ حال دریافت کی ۔ سب نے اور سب سے بڑھ کر زلیخا نے جو یوسف کو ملزم گردانے میں پیش پیش تھی اور جس کی انگیخت سے انہیں قید کیا گیا تھا، اس واشگاف انداز میں آپ کی براءت اور پاکدامنی کا اعتراف کیا کہ شک و شبہ کا ادنیٰ سا احتمال بھی باقی نہ رہا ۔ (2) ۸۳ آپ نے فرمایا میں نے اس لیے اس الزام کی تحقیق کرانا ضروری سمجھا کہ عزیزِ مصر کو پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں ۔ میں نے کسی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا ۔ اور اس کی بیوی نے جو ناپاک الزام لگایا تھا اس میں رائی برابر بھی صداقت نہ تھی ۔ تورات میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے لیکن مقامِ رسالت کی جن رفعتوں کا

1 ۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 155
2 ۔ ایضاً، ص 57-156

لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ

اپنی ذات کے لیے۔ پھر جب اس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہو گیا) تو کہا آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم (اور) قابلِ اعتماد (درباری)

اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذٰلِكَ

ہیں ۸۵۔ آپ نے فرمایا مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر ۸۶ بیشک میں (انکی) حفاظت کرنیوالا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔ یوں ہم

پتہ قرآنِ حکیم کے بیان سے چلتا ہے ان کا وہاں نام ونشان تک نہیں۔ دیکھیے (کتابِ پیدائش باب نمبر ۳۹۔ ۴۰)

۸۴۔ پہلی آیت میں حضرت یوسفؑ کے ان الفاظ میں لَمْ اَخُنْهُ کہ میں نے خیانت نہیں کی۔ اپنی پاکدامنی کا اِدّعاء پایا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تو اپنے کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کرتے بلکہ ہر خوبی اور کمال کو اپنے خداوند ذوالجلال کا محض احسان یقین کرتے ہیں اس لیے لَمْ اَخُنْهُ کے الفاظ زبان سے نکالنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں میری کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ میرے ربِّ کریم کا فضل وکرم ہے کہ اس نے میری دستگیری فرمائی اور میں زنانِ مصر کے دامِ تزویر میں پھنسنے سے بچ گیا۔ اگر اس کی نگاہِ کرم میری چارہ سازی نہ فرماتی اور مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا جاتا تو میں کیونکر جذبات کو بے قابو کر دینے والے ان حالات میں ثابت قدم رہتا۔ نفسِ امّارہ کی تو عادت ہے کہ وہ گناہ کے خارزاروں میں انسان کو اس بے رحمی سے گھسیٹتا ہے کہ قبائے شرافت تار تار ہو جاتی ہے۔ نفسِ سرکش کی شرانگیزیوں سے وہ ہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ اگر میں ان صبر آزما اور جاں گسل آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزر آیا ہوں تو سب سُن لو کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ میرے رب کا کرم ہے۔ بے شک اس کا دامنِ مغفرت بڑا وسیع ہے اور اس کا بحرِ رحمت بے پایاں ہے۔

۸۵۔ بادشاہ تو اپنے خواب کی تعبیر سُن کر ہی آپ کے علم وفہم کا معتقد ہو گیا تھا لیکن جب اُس نے آپ کی عالی ظرفی کا مشاہدہ کیا اور یہ دیکھا کہ جو زبانیں کل تک اس پر بہتان تراشنے میں تیز تھیں وہ آج سب اس کی پاکیٔ دامن کے گیت گا رہی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خائن اور آپ کو راستباز، اپنے آپ کو جھوٹا اور آپ کو سچا کہہ رہی ہیں تو اس کے دل میں آپ کی قدر ومنزلت بہت بڑھ گئی۔ خواب کی تعبیر سن کر اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ اِئْتُوْنِيْ بِهٖ کہ انہیں فوراً میرے پاس لے آؤ۔ لیکن آج آپ کی امانت، عصمت اور عالی ظرفی کو دیکھ کر بول اٹھا: اِئْتُوْنِيْ بِهٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ کہ اسے فوراً جیل سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اس کو اپنا معتمد علیہ بنالوں۔ جب آپ کو لایا گیا تو اس نے بڑی عزّت وتکریم کی۔ اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اس کے بعد مصروفِ گفتگو ہوا۔ یقیناً وہ گفتگو سیاسی حالات، ملکی مسائل اور آنے والے معاشی بحران کے متعلق ہوئی ہوگی۔ جب اسے آپ کی دانائی اور معاملہ فہمی کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ کے الفاظ سے آپ کو اپنے دربار کے معزز ترین اُمراء میں شامل کر لیا۔

کیا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی فاسق وفاجر حکمران یا ایک غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کر لے؟ اس کے متعلق علمائے اسلام نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر اس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ ظالم وکافر اسے آلۂ کار ہی بنائے گا اور اس کی ساری قوتیں

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ

نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں ۔۸۵ تاکہ رہے اس میں جہاں چاہے ہم سرفراز کرتے ہیں

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ

اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا ۸۶ اور آخرت کا اجر

اس کے ظالمانہ اور کافرانہ عزائم کی تکمیل میں ہی صرف ہوں گی تو اس صورت میں اس کا کوئی عہدہ قبول کرنا ناجائز ہے لیکن اگر اُسے ظنِ غالب ہے کہ وہ عدل وانصاف قائم کرنے میں ممد ثابت ہوگا اور اس کی خدمات ملک کی معاشی خوشحالی اور سیاسی استحکام کے لیے مفید ثابت ہوں گی تو ایسے حالات میں اسے فاسقانہ اور کافرانہ حکومتوں میں عہدہ قبول کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت یوسف نے اس کافر بادشاہ کی مملکت میں وزارتِ مال اور وزارتِ خزانہ کا چارج اسی بناء پر لیا تھا کہ شاہِ مصر نے آپ کو ہر قسم کے اختیارات تفویض کر دیئے تھے اور آپ آزادی سے اپنے فرائض انجام دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ صَارَ فِي الْمُلْكِ بِحَيْثُ لَا يُدَافِعُهٗ اَحَدٌ وَّلَا يُنَازِعُهٗ مُنَازِعٌ بَلْ صَارَ مُسْتَقِلًّا بِكُلِّ مَا شَاءَ وَاَرَادَ۔ (کبیر) (1)

۸۶ آپ نے فرمایا کہ میں مالی امور میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ دولت کو کس طرح مفید اور نفع بخش مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور کس طرح ناجائز اور بے مقصد مصارف سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تو مجھے مال وخزانہ کا وزیر مقرر کر دے۔ اِنِّيْ حَفِيْظٌ لِّلْخَزَائِنِ بِمَا لَا يَسْتَحِقُّهَا عَلِيْمٌ بِوُجُوْهِ مَصَالِحِهَا (مظہری) (2) یعنی میں ناجائز اخراجات سے خزانے کی حفاظت کر سکتا ہوں اور مفید اور نفع بخش مقامات پر خرچ کرنے کے اصولوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَنْ اَوْ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهٗ (3)۔ کہ اگر کسی عہدہ کی کوئی شخص خواہش رکھتا تو ہم ایسے شخص کو وہ عہدہ نہیں سونپتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے ارشاد فرمایا: يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْئَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ مَّسْئَلَةٍ وُّكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا (4)۔ ''اے عبدالرحمٰن کوئی عہدہ مت مانگو۔ کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں کوئی عہدہ دیا جائے گا تو اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا تمہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور اگر طلب کے بغیر تمہیں کوئی عہدہ ملا تو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد پہنچے گی'' ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی عہدہ کا خود مطالبہ کرنا درست نہیں۔ تو پھر حضرت یوسف کا یہ فرمانا اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کیونکر جائز ہوگا؟ اِس کے متعلق علماء کرام نے وضاحت کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ اس کے بغیر کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان ملکی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر انجام دے سکے تو اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے اور اس ذمہ داری کو اٹھائے۔ لیکن اس کے علاوہ اگر اور لوگ موجود ہوں تو اس وقت اسے کسی عہدہ کی خواہش کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت یوسف جانتے تھے کہ آنے والے حالات میں ان کے علاوہ کوئی بھی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص166 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص173
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج9، ص216۔ صحیح مسلم، باب النہی عن طلب الامارة والحرص علیہا، ج2، ص120 4۔ ایضاً

الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ جَآءَ اِخْوَةُ

(اس سے) یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔ اور (ایک روز) آنکلے برادرانِ

یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَمَّا

یوسف (علیہ السلام) اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انھیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ سو جب مہیا

اس ذمہ داری کو اُٹھانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس لیے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔

اِنَّ یُوْسُفَ اِنَّمَا طَلَبَ الْوِلَایَةَ لِاَنَّهٗ عَلِمَ اَنَّهٗ لَا اَحَدٌ یَقُوْمُ مَقَامَهٗ فِی الْعَدْلِ وَ الْاِصْلَاحِ وَ تَوْصِیْلِ الْفُقَرَاءِ اِلٰی حُقُوْقِهِمْ فَرَاٰی اَنَّ ذٰلِكَ فَرْضٌ مُّتَعَیِّنٌ عَلَیْهِ فَاِنَّهٗ لَمْ یَكُنْ هُنَاكَ غَیْرُهٗ وَ هٰكَذَا اَلْحُكْمُ الْیَوْمَ۔ (قرطبی) (1)

۸۷۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے سننے والوں کی توجہ اپنی شانِ کریمی اور بندہ نوازی کی طرف مبذول کرا رہا ہے کہ دیکھو کس طرح ہم نے یوسف کو سرفراز فرمایا۔ کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچایا۔ کنعان کے جنگل کے ایک غیر آباد کنوئیں کی تاریکی سے نکالا اور مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے سارے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ ذرّوں کو اٹھانا اور ان کو رشکِ خورشید بنا دینا میرا ہی کام ہے۔

۸۸۔ ان کلماتِ طیبات سے ہر نیکوکار کی حوصلہ افزائی فرما دی کہ ہماری رحمت وعنایت کا دروازہ ہر اُس شخص کے لیے اب بھی کھلا ہے جو یوسف کی طرح بے داغ سیرت کا مالک ہو جو دیانت اور امانت کی بہترین خوبیوں سے متصف ہو جسے کوئی بیرونی انگیخت اپنی منزل سے غافل نہ کر سکے۔ ہم کسی نیکوکار کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے۔ ہر اس شخص کے لیے صلائے عام ہے جس میں اولوالعزمی کا جوہر ہے نیکی کی صلاحیتیں ہیں۔ مجھے راضی کرنے کے لیے ہر قسم کی تکلیفوں اور بدنامیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے کہ وہ بے جھجک آگے چلا آئے۔ اس کے برہنہ سر کو عزت وکرامت کے تاج سے ضرور سرفراز فرمایا جائے گا اور دُنیا میں جاہ وجلال بخشنے کے علاوہ ہم قیامت کے دن بھی اسے اپنی ابدی رحمتوں سے مالا مال فرما دیں گے۔

۸۹۔ بادشاہِ مصر نے مملکت کا سارا نظم ونسق آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے خوشحالی کے سات سالوں میں زراعت کی طرف خاص توجہ مبذول کی۔ کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ غلّہ پیدا کرنے کی سہولتیں دیں۔ غیر آباد زمینوں کو آباد کیا گیا۔ پیداوار کی حفاظت کے لیے بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ بڑے بڑے وسیع وعریض گودام تعمیر کیے گئے اور جو غلّہ فوری ضرورت سے زائد ہوتا اُسے خوشوں میں رہنے دیا گیا تاکہ کیڑے مکوڑے سے محفوظ رہے۔ اس عرصہ میں نئے اور پرانے تمام گودام غلّہ سے لبالب بھر گئے۔ آخر وہ وقت آیا جب کہ ہر طرف قحط اور خشک سالی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ مینہ برسنا بند ہو گیا۔ دریائے نیل کے پانی کی سطح بہت نیچی ہو گئی۔ سرسبز و شاداب علاقوں میں خاک اڑنے لگی۔ زرخیز زمینیں بنجر ہو گئیں۔ آپ کے حسنِ تدبیر سے جو غلّہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ اب وہ لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ اس طرح مصر کے لوگ قحط کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ رہے۔ اردگرد کا علاقہ بھی قحط زدہ علاقہ تھا۔ وہاں قحط کی تباہ کاریاں قیامت ڈھا رہی تھیں۔ مصر میں پبلک کے لیے حکومت کی طرف سے غلّہ کی فراہمی کا چرچا عام تھا۔ ان لوگوں نے بھی غلّہ حاصل کرنے کے لیے مصر کا رُخ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے بیرونِ ملک سے آنے والوں کے لیے بھی غلّہ مہیا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 216

جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا

کر دیا ان کے لیے ان (کی رسد خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو کیا تم نہیں دیکھتے

تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي

کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں۔ اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس

بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمھارے لیے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آسکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کرینگے اس کے بھیجنے

أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي

کے متعلق اسکے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کرینگے اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ (چپکے سے) رکھ دو ان کا سامان (جس کے عوض انھوں نے غلّہ خریدا)

کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ لیکن اُن سے غلّہ کی مناسب قیمت وصول کی جاتی تھی۔ اور ہر ایک کے لیے غلّہ کی مخصوص مقدار سے زیادہ غلّہ حاصل کرنا ممنوع تھا۔ ان ہنگامی حالات میں اگر یہ دونوں طریقے نہ اپنائے جاتے تو آپ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے۔ اگر حکومتِ مصر مفت غلہ بانٹتی تو خود مصر کی معاشی حالت بگڑ جاتی اور اگر راشن بندی کا طریقہ جاری نہ کیا جاتا تو کتنے ہی ذخائر کیوں نہ ہوتے چند دنوں میں ختم ہو جاتے۔ اسی حسنِ انتظام اور حقیقت شناسی کے باعث حضرت یوسف علیہ السلام سات سالہ قحط کے طویل عرصہ میں ملکی معیشت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی ضروریات کی کفالت بھی کرتے رہے۔ علمائے اسلام نے آپ کے اسی طریقۂ کار سے حکومتِ وقت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ہنگامی حالات میں راشن سسٹم جاری کرے۔ چنانچہ علامہ ابوبکر جصّاص لکھتے ہیں: وَفِيمَا قَصَّ اللهُ تَعَالَى عَلَيْنَا مِنْ قِصَّةِ يُوسُفَ وَحِفْظِهِ لِلْأَطْعِمَةِ فِي سِنِي الْجَدْبِ وَقِسْمَتِهِ عَلَى النَّاسِ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْأَئِمَّةَ فِي كُلِّ عَصْرٍ أَنْ يَّفْعَلُوا مِثْلَ ذٰلِكَ إِذَا خَافُوا إِهْلَاكَ النَّاسِ مِنَ الْقَحْطِ (احکام القرآن) (1)

کنعان کا علاقہ بھی اس قحط کی زد میں تھا۔ اور لوگوں کی طرح حضرت یعقوب کے فرزندوں نے بھی بار برداری کے مویشی لیے اور مصر کا رُخ کیا۔ کیونکہ غلہ کی تقسیم کا سب کام حضرت یوسف کی ذاتی نگرانی میں ہو رہا تھا۔ اس لئے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے غلّہ کے لیے درخواست کی۔ حضرت یوسف سے اُن کی ملاقات اگرچہ عرصۂ دراز کے بعد ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے دیکھتے ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور بے چارے پہچانتے بھی تو آخر کیونکر؟ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ شاہانہ لباس میں ملبوس زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا جس کے حکم کی تعمیل کے لیے سینکڑوں، ہزاروں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں، یہ وہ ننھا یوسف ہے جس کو عرصہ ہوا انہوں نے ایک تاریک کنوئیں میں پھینکا تھا اور پھر صرف بیس روپے میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔

1۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 176

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

ان کی خورجیوں میں ۸۹ تاکہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس لوٹیں اپنے گھر والوں کے پاس شاید وہ لوٹ کر آئیں

يَرْجِعُوْنَ ۝٦٢ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

پھر جب واپس لوٹے اپنے باپ کے پاس تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پدر (بزرگوار) روک دیا گیا ہے ہم سے

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝٦٣ قَالَ هَلْ

غلہ سو (از راہ نوازش) بھیجیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بن یامین) کو تاکہ ہم غلہ لاسکیں اور ہم یقیناً اس کی نگہبانی کریں گے۔ ۹۱ آپ نے (جواباً) فرمایا

اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ

کیا میں اعتماد کروں تم پر اس کے بارے میں بجز اس کے جیسے میں نے اعتماد کیا تھا تم پر اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل پس

خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝٦٤ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے ۹۲ اور وہ زیادہ مہربان ہے تمام مہربانی کرنے والوں سے۔ اور جب انھوں نے کھولا اپنا سامان ۹۳ تو

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کے گھر کے حالات دریافت کیے اور انہیں کی زبانی یہ بھی پتہ چل گیا کہ اُن کا ایک اور بھائی بھی ہے جسے وہ گھر چھوڑ آئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنا حصہ لینے کے بعد اپنے والد اور اپنے بھائی کے لیے بھی راشن کا مطالبہ کیا ہو اور حضرت یوسف کے دریافت کرنے پر بتایا ہو کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں اور اس بچے کو ہم ان کی خدمت کے لیے چھوڑ آئے ہیں۔ اس طرح ان کی زبان سے ہی بنیامین کا ذکر آ گیا ہو۔ امام رازیؒ نے یہی بیان کیا ہے۔ آخر میں آپ نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ تو میں تمہارے چھوٹے بھائی کا راشن دے رہا ہوں لیکن آئندہ اُسے ہمراہ لانا ہوگا۔ دیکھو میں تم سے کتنی مہربانی اور فراخدلی سے پیش آ رہا ہوں۔ آخر میں یہ دھمکی بھی دے دی کہ اگر اُس کو نہ لائے تو پھر تمہیں بھی غلّہ نہیں ملے گا۔

۹۰ جب اپنے بھائیوں کی زبانی آپ کو اپنے خاندان کی تکلیفوں کا علم ہوا تو آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے کُنبہ والوں سے اس غلّہ کی قیمت وصول کریں۔ اسلئے آپ نے غلہ تولنے والوں کو کہا کہ ان کا روپیہ ان کی بوریوں میں اس طرح رکھ دو کہ انہیں پتہ نہ چلے۔

۹۱ جب اپنے وطن پہنچے تو عزیزِ مصر کی عنایاتِ خسروانہ، فیاضی، محبت بھری گفتگو کا سارا تذکرہ حضرت یعقوب سے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی گزارش کردی کہ اس کریم النفس حاکم نے ہمیں بڑی تاکید کی ہے کہ آئندہ بنیامین کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ حضرت یعقوب کو

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ

انھوں نے دیکھا کہ ان کا مال انھیں واپس لوٹا دیا گیا ہے (ترغیب دینے کے لیے) کہنے لگے اے ہمارے پدر (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں یہ (دیکھیے)

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَ نَمِیْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَیْلَ

ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے ہماری طرف اور (اگر بنیامین ساتھ گیا تو) ہم رسد لائیں گے اپنے اہل خانہ کیلیے اور رکھوالی کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لینگے

بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ

ایک اونٹ کا بوجھ۔ یہ غلہ بہت تھوڑا ہے[۹۱] آپ نے کہا میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو تم میرے ساتھ

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ

وعدہ جو پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم سے[۹۴] کہ تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ تمھیں بے بس کر دیا جائے[۹۵] پس جب وہ لے آئے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾ وَ قَالَ یٰبَنِیَّ

آپ کے پاس اپنا پختہ وعدہ[۹۶] تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر گواہ ہے اور آپ نے کہا اے میرے بچو!

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

(شہر میں) نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے[۹۷]

یقین دلانے لگے کہ آپ ہرگز فکر نہ کریں۔ ہم اس کی خوب دیکھ بھال کریں گے اور اس کی حفاظت میں ذرا سستی نہ کریں گے۔

۹۲ آپ نے فرمایا: میں تمھیں خوب جانتا ہوں اور تمہارے وعدوں کی حقیقت بھی مجھے معلوم ہے۔ میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ میرا بھروسہ تو اپنے رب پر ہے اور اسی کی حفاظت مجھے کافی ہے۔

۹۳ اس ابتدائی ملاقات سے فارغ ہوئے تو بوریوں کو کھولنے لگے تاکہ غلہ نکال کر حفاظت سے رکھیں۔ ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی ساری رقم ان کی بوریوں میں رکھ کر واپس کر دی گئی ہے۔ خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ دوڑے ہوئے پھر حضرت یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں بنیامین کو ان کے ہمراہ مصر بھیجنے پر آمادہ کرنے لگے۔

نَمِیْرُ: مَارَ اَهْلَهٗ یَمِیْرُ مَیْرًا اِذَا حَمَلَ اِلَیْهِمُ الطَّعَامَ مِنْ بَلَدٍ اٰخَرَ (1)۔ یعنی دوسرے علاقے سے سامانِ خورونوش کو اپنے اہل وعیال کے لیے لے آنا۔

۹۴ آپ نے انکار فرما دیا کہ میں ایک بارِ شتر کے لیے اپنے بیٹے کو تمہارے ساتھ بھیجنے کو تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر تم پختہ قسم اٹھاؤ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 178

وَمَآ اُغۡنِیۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیۡهِ

اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اسی پر

تَوَكَّلۡتُ ۚ وَعَلَیۡهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوۡا مِنۡ حَیۡثُ

میں نے توکل کیا ہے اور اسی پر توکل کرنا چاہیے توکل کرنیوالوں کو ۹۸ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح

اَمَرَهُمۡ اَبُوۡهُمۡ ؕ مَا كَانَ یُغۡنِیۡ عَنۡهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ اِلَّا حَاجَةً

حکم دیا تھا انھیں اُن کے باپ نے۔ وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا انھیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر (یہ احتیاطی تدبیر) ایک خیال تھا

فِیۡ نَفۡسِ یَعۡقُوۡبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰهُ وَلٰكِنَّ

نفسِ یعقوب میں جسے انھوں نے پورا کیا اور بیشک وہ صاحب علم تھے بوجہ اسکے جو ہم نے سکھایا تھا انھیں لیکن

اور مجھے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یقین دلاؤ کہ تم اسے بحفاظت واپس لے آؤ گے تو پھر میں اس کو بھیج سکتا ہوں۔

۹۵ مگر یہ کہ تم سب کو دشمن گھیر لیں اور تمہیں ہلاک کر دیں اِلَّآ اَنۡ تَهۡلِكُوۡا جَمِیۡعًا۔ اور قتادہ نے کہا ہے: اِلَّآ اَنۡ تُغۡلَبُوۡا حَتّٰی لَا تُطِیۡقُوۡا ذٰلِكَ (1) یعنی یہاں تک کہ تم کو بالکل مغلوب اور بے بس بنا دیا جائے۔

۹۶ اُنہوں نے حضرت یعقوب کو مطمئن کرنے کے لیے بڑی قسمیں اٹھائیں یہاں تک کہ اس طرح کی قسم اٹھائی کہ اُس اللہ تعالیٰ کی قسم جو محمد مصطفیٰ کا رب ہے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے (مظہری) تو آپ مجبور ہو گئے اور بنیامین کو بھیجنے پر آمادگی ظاہر کی۔ (2)

۹۷ جب خوراک کا پہلا ذخیرہ ختم ہو گیا اور مزید غلہ لانے کے لیے مصر جانے کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حضرت یعقوب نے اپنے فرزندوں کو بلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ جب شہر میں داخل ہونے لگو تو ایک جتھے کی صورت میں داخل نہ ہونا بلکہ دو دو تین تین ہو کر مختلف دروازوں میں سے داخل ہونا۔ آپ کے اس ارشاد کی کیا وجہ تھی؟ علمائے کرام نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں یا تو آپ کو یہ خیال آیا کہ جب یہ گرانڈیل، تندرست و توانا، حسین و جمیل نوجوان ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں تو ممکن ہے لوگ ان کے ساتھ حسد کریں اور بادشاہ کے پاس جا کر ان کی کوئی شکایت کر دیں اور بادشاہ کہیں انہیں قید نہ کر دے۔ امام رازی فرماتے ہیں: وَاعۡلَمۡ اَنَّ هٰذَا الۡوَجۡهَ مُحۡتَمَلٌ لَا اِنۡكَارَ فِیۡهِ (3)۔ کہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے لیکن اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ آپ نے انہیں نظر بد سے بچانے کے لیے یہ حکم دیا تھا اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ نظر حق ہے۔ ایک روایت میں حضور سے مروی ہے اِنَّ الۡعَیۡنَ لَتُدۡخِلُ الرَّجُلَ الۡقَبۡرَ وَالۡجَمَلَ الۡقِدۡرَ (4) یعنی نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے۔ نیز حضور ان کلمات طیبات سے حسنین کریمین کو دم فرمایا کرتے تھے اَعُوۡذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنۡ كُلِّ شَیۡطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنۡ كُلِّ عَیۡنٍ لَّامَّةٍ (5) جس شخص کو اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص179
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص178
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص226
5۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب ما عوذ النبی وما عوذ بہ، ص260، مطبوعہ مجتبائی، پاکستان، لاہور

ع ۱۱

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ

اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۹۹ اور جب پہنچے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو (نیز)

اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا

اُسے فرمایا میں تمھارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو (ان حرکتوں پر) جو یہ کیا کرتے تھے ۱۰۰ پھر جب

جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ

فراہم کر دیا انھیں ان کا سامان (خوراک)، تو رکھ دیا (اپنا) پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا ایک

مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا

پکارنے والا اے قافلہ والو! بلاشبہ تم چور ہو ۱۰۱ (حیرت زدہ ہو کر) وہ بولے در آنحالیکہ وہ انکی طرف متوجہ تھے

اس کی نظر لگتی ہے تو اسے چاہیے کہ جب کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے پسند آئے تو کہے تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ (1) اور جس کو نظر کی وجہ سے تکلیف پہنچے تو جس کی نظر سے تکلیف ہوئی ہو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔

۹۸ امر مکروہ سے بچنے کی ایک تدبیر بتادی لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ یہ تدبیریں اُسی وقت تک کارگر ثابت ہو سکتی ہیں جب اذنِ الٰہی ہو۔ اسی کا فرمان اٹل ہے۔ اور ہم سب کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۹۹ امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ کو اس لیے صاحبِ علم کہا گیا ہے کہ آپ کو اس بات کا یقینِ محکم تھا کہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔ امام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسباب کا مہیا کرنا ہر شخص پر فرض ہے لیکن اسے یہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور اس کی کوئی احتیاط اُسے تقدیر کے فیصلے سے نہیں بچا سکتی۔ آپ فرماتے ہیں: فَاعْلَمْ اَنَّ الْاِنْسَانَ مَاْمُوْرٌ بِاَنْ يُّرَاعِيَ الْاَسْبَابَ الْمُعْتَبَرَةَ فِيْ هٰذَا الْعَالَمِ وَمَاْمُوْرٌ اَيْضًا بِاَنْ يَّعْتَقِدَ وَيَجْزِمَ بِاَنَّهٗ لَا يَصِلُ اِلَيْهِ اِلَّا مَا قَدَّرَهُ اللهُ تَعَالٰى وَاَنَّ الْحَذَرَ لَا يُنْجِيْ مِنَ الْقَدَرِ (کبیر) (2) نیز امام مذکور نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ کو علم تھا کہ مصر کا حکمران آپ کا لختِ جگر یوسف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی اس راز کے افشاء کرنے کی اجازت نہ تھی اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَالِمًا بِاَنَّ مَلِكَ مِصْرَ هُوَ وَلَدُهٗ يُوْسُفُ اِلَّا اَنَّ اللهَ تَعَالٰى مَا اَذِنَ لَهٗ فِيْ اِظْهَارِ ذٰلِكَ (کبیر) (3)

۱۰۰ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب مصر کے پایہ تخت میں پہنچے تو حسبِ ہدایت مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو بڑی عزت و تکریم سے خوش آمدید کہا۔ اور شاہی مہمان خانہ کے نگران کو حکم دیا کہ دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا جائے۔ بنیامین کو اپنی تنہائی کا خیال

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 227 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 178 3۔ ایضاً

تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ

کونسی چیز تم نے گم کی ہے ۔ انھوں نے کہا ہم نے گم کیا ہے بادشاہ کا پیالہ اور وہ شخص جو (ڈھونڈ) لائیگا اسے (بطورِ انعام) بارِ شتر (غلّہ)

وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ

دیا جائیگا۔ اور میں[۱۰۲] اس کا ضامن ہوں ۔ کہنے لگے خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم (یہاں) اسلئے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں زمین میں

وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا

اور نہ ہی ہم چوری پیشہ ہیں ۔ خدام (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت[۱۰۳] ہو جاؤ ۔ انھوں نے کہا کہ

گزرا تو افسردہ ہو گئے۔ ان کو غمزدہ دیکھ کر حضرت یوسف نے انہیں بلایا اور اس افسردگی کی وجہ پوچھی تو آپ نے کہا مجھے آج اپنا بھائی یاد آرہا ہے۔ کاش وہ ہوتا تو میں بھی اس کے ساتھ ٹھہرایا جاتا۔ آپ نے بظاہر اُن کی دلداری کے لیے اُن کو اپنے پاس ٹھہرانے کا حکم دیا۔ تنہائی میں جب ملاقات ہوئی تو آپ نے اپنی حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ بنیامین! گھبراؤ نہیں جس بھائی کی یاد تمہیں ہر وقت غمگین رکھا کرتی تھی میں وہی تمہارا بھائی یوسف ہوں۔ دونوں بھائیوں نے چھوٹی بڑی ساری باتیں ایک دوسرے کو بتائی ہوں گی۔ اس ضمن میں بھائیوں کی زیادتیوں کا تذکرہ بھی بنیامین نے کیا ہوگا۔ ان کی دلجوئی کے لیے آپ نے کہا: فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

۱۰۱ عرصہ دراز کے بعد بنیامین اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سے ملے تھے اور ایسے حالات میں جبکہ مصران کے زیرِ نگین ہے اور مملکت کے سیاہ وسفید کے وہ مالک ہیں تو بچھڑنے کو دل نہ چاہا اور کہا کہ میں تو ان ظالموں کے ساتھ واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بنیامین میں تمہیں کس طرح روک سکتا ہوں ملک کا قانون اجازت نہیں دیتا کہ کسی اجنبی کو اپنے ملک جانے سے روک دیا جائے۔ اور اگر صاف صاف بات کی جائے تو قبل از وقت پردہ فاش ہوتا ہے اور اس کی بھی اجازت نہیں۔ آخر یہ طے پایا کہ آپ کے سامان میں شاہی قیمتی پیالہ رکھ دیا جائے۔ تمہاری روانگی کے بعد لازمی طور پر جب اہلکار اس پیالہ کو نہ پائیں گے تو تمہارے سامان کی تلاشی لیں گے اور پیالہ جب تمہارے سامان سے برآمد کر لیا جائے گا تو پھر تجھے روکنے کی صورت نکل آئے گی۔ لیکن اس طرح تم پر چوری کا الزام لگے گا۔ کیا تم اس کے لیے آمادہ ہو؟ اُنہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ آپ نے خود یا کسی خادمِ خاص کے ذریعہ وہ پیالہ ان کے سامان میں رکھ دیا۔ جب وہ روانہ ہو گئے اور غلہ کے گودام کے اہلکاروں نے وہ پیالہ مفقود پایا تو انہیں سخت فکر لاحق ہوئی۔ سوچنے لگے ابھی تو پیالہ یہیں تھا اور ان کنعانیوں کے بغیر اور کوئی یہاں آیا بھی نہیں۔ ان کے دل میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہو نہ ہو پیالہ وہی اُڑا لے گئے ہیں۔ فوراً ان کے تعاقب میں ایک افسر چند ملازمین کے ساتھ بھیجا گیا۔ جب وہ اس قافلہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا اے قافلہ والو ٹھہر جاؤ۔ تم ہمارے چور ہو۔

۱۰۲ وہ یہ سنگین الزام سن کر دہشت زدہ ہو گئے اور پیچھے مُڑ کر پوچھنے لگے کیا چیز گم ہوگئی ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ شاہی پیالہ نہیں

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی

اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

ظالموں کو۔ پس تلاشی یعنی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے ۱۰۵ آخر کار نکال

مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ

لیا وہ پیالہ اس کے بھائی کی خورجی سے۔ یوں تدبیر کی ہم نے ۱۰۶ یوسف کے لیے نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو

مل رہا اور تمہارے بغیر اور وہاں کوئی آیا بھی نہیں۔ یقیناً پیالہ تمہارے ہی پاس ہے۔ اور تم میں سے جو پیالہ تلاش کر دے گا اسے غلہ کا لدا ہوا ایک اونٹ بطورِ انعام دیا جائے گا۔ **۱۰۳** وہ قسمیں اُٹھا اُٹھا کر اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔

۱۰۴ اہلکاروں کو اپنی جگہ پر یقین تھا کہ ان کے سوا کوئی اور چور نہیں ہے۔ ادھر وہ قسمیں اُٹھا اُٹھا کر اپنی براءت کر رہے تھے۔ عام طور پر ایسے موقع پر یہ ہی ہوتا ہے کہ ملزم سے ہی پوچھا جاتا ہے کہ تم جو اپنی صفائی پیش کرتے کرتے نہیں تھکتے تم خود ہی بتاؤ کہ اگر تم پر یہ الزام ثابت ہو جائے تو تمہیں کیا سزا دی جائے۔ یہی بات ان ملازمین شاہی نے بھی کہی۔ انہیں براءت کا پختہ یقین تھا۔ اس لیے انہوں نے کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے کوئی چور ثابت ہو تو ہم اُسے سخت سزا دیں گے جو ہماری شریعت میں ہے کہ چور کو ہم آپ کے سپرد کر دیں گے۔ وہ عمر بھر غلام رہے گا۔ **۱۰۵** اب ان کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ابتدا سب سے بڑے کے سامان سے ہوئی ہوگی۔ اور آخر میں سب سے چھوٹے کی باری آئی ہوگی۔ سب کے سامان کھول کر تلاشی لی گئی لیکن پیالہ برآمد نہ ہوا۔ آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا تو پیالہ مل گیا۔ ان کی تجویز کردہ سزا کے مطابق بنیامین کو پکڑ لیا گیا اور اسے حضرت یوسف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت یوسف اپنے راز کو افشا کیے بغیر اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

معتبر تفاسیر کے مطالعہ سے صورتِ حال کو جس طرح میں سمجھا ہوں وہ میں نے پیشِ خدمت کر دی۔ اس کے بعد ان شبہات کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا جو یہاں صورتِ حال کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث کیے جاتے ہیں۔

۱۰۶ یہاں دو امر تحقیق طلب ہیں ایک کِدْنَا کا معنی کیا ہے اور کیا اس کی نسبت ذاتِ خداوندی کی طرف جائز ہے۔ عام طور پر کَیْدٌ کا معنی حیلہ سازی اور فریب دہی کیا جاتا ہے لیکن لغتِ عرب میں اس کے علاوہ کئی دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی کام کو کرنے۔ کوئی تدبیر سوچنے اور ارادہ کرنے کے معنی میں بھی اس کا استعمال عام ہے۔ چنانچہ علامہ ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں: قَوْلُهٗ تَعَالٰی کِدْنَا مَعْنَاهُ صَنَعْنَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَلْقُتَبِیُّ: دَبَّرْنَا، ابْنُ الْاَنْبَارِیِّ: اَرَدْنَا (قرطبی)(1) یعنی ”حضرت ابنِ عباس نے کِدْنَا کا معنی کیا ہے صَنَعْنَا بمعنی ہم نے یوں کیا اور قتبی نے اس کا معنی دَبَّرْنَا کیا ہے کہ ہم نے یوں تدبیر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 236

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ

بادشاہِ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں اور

فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ

ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے۔ بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بیشک چوری کی تھی

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ

اسکے بھائی نے بھی اس سے پہلے پس چھپا لیا اس بات کو یوسف نے اپنے جی میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ (جی میں) کہا تم بہت

اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ

بُری جگہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ

کی۔ ابن الانباری نے اس کا معنی اَرَدْنا کیا ہے کہ ہم نے اس طرح ارادہ کیا اور بطورِ استشہاد کسی شاعر کا یہ شعر بھی ذکر کیا ہے۔

كَادَتْ وَكِدْتُ وَتِلْكَ خَيْرُ اِرَادَةٍ لَوْعَادَ مِنْ عَهْدِ الصِّبَا مَاقَدْ مَضٰى (1)

یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بڑا بابرکت تھا بشرطیکہ بچپن کا گزرا ہوا زمانہ لوٹ آئے۔ یہاں کَادَ بمعنی اَرَادَ ہے اور اگر پہلا معنی ہی مراد ہو تو اُسے اُس کے انجام کے پیشِ نظر ذاتِ باری کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے جس طرح امام رازی نے لکھا ہے: فَالْكَيْدُ السَّعْيُ فِي الْحِيْلَةِ وَالْخَدِيْعَةِ وَنِهَايَتُهُ اِلْقَاءُ الْاِنْسَانِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُ فِيْ اَمْرٍ مَكْرُوْهٍ وَلَا سَبِيْلَ لَهٗ اِلٰى دَفْعِهٖ فَالْكَيْدُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ مَحْمُوْلٌ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى (کبیر) (2)

دوسرا امر جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ ان واقعات میں سے کس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تدبیر فرمایا ہے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ اگر ذرا غور کیا جائے حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا تھا کہ اس قافلہ کی روانگی کے بعد فوراً ان کو پیالہ کی گمشدگی کا پتہ نہ چلتا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد انہیں معلوم ہوتا کہ پیالہ گم ہو چکا ہے اتنے میں وہ مصر کی سرحد عبور کر کے چلے جاتے یا پہلے اپنے میں سے کسی کو چوری سے متہم کرتے اور ان کی طرف ان کا خیال ہی نہ جاتا۔ یا یہ نوبت ہی پیش نہ آتی کہ چور کی سزا کے متعلق ان سے ہی دریافت کیا جاتا اور اگر ان سے پوچھا بھی گیا تھا تو وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جو بادشاہ کی مرضی ہو اس چور کو سزا دے۔ یہ سب ایسے احتمالات تھے جو اغلب الوقوع تھے۔ اس لیے ان کو پیالہ کی گمشدگی کا فوراً علم ہو جانا، پھر ذہن کا فوراً ان کی طرف منتقل ہونا پھر مجرم کی سزا کے متعلق ان سے پوچھنا اور پھر ان کا یہ سزا تجویز کرنا یہ سب تدبیر الٰہی اور ادارہ ربانی کی کرشمہ سازی تھی۔ اور اگر ان واقعات میں سے ایک آدھ کڑی بھی گم ہو جاتی تو پھر بنیامین کو رکھنے کی کوئی وجہ جواز آپ کو نہ مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اگر تدبیر یوسفی کو حاصل نہ ہوتی تو حضرت یوسف کے لیے اپنے ملکی قانون کے مطابق بھائی کو رکھ لینا ممکن نہ تھا۔ علامہ بدر الدین الزرکشی نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 236 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، ج 18، ص 186

لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

بہت بوڑھا ہے (اسکی جدائی برداشت نہ کرسکے گا) پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے ۱۰۷ بیشک ہم تجھے نیکوکاروں سے

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ

دیکھتے ہیں۔ آپ نے کہا ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑ لیں ہم مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ورنہ

اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

ہم ظالم ہوں گے۔ پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے ۱۰۸ انکے بڑے بھائی نے کہا

اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ کیا گیا تھا اللہ کے نام سے اور اس سے

قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ

پہلے جو زیادتی یوسف کے حق میں تم کر چکے ہو (وہ بھی تمہیں یاد ہے) سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے

البرھان فی علوم القرآن میں لفظ کاد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے: تَجِيْءُ كَادَ بِمَعْنٰى اَرَادَ وَمِنْهُ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (1): یعنی کاد ارادہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اس آیت میں مستعمل ہے۔ (البرہان جلد ۴، صفحہ ۱۳۹)

۱۰۷ ایسی تدبیر جس میں کسی کی حق تلفی نہیں، کسی پر بے جا الزام نہیں، کوئی قانون شکنی نہیں، ذہنِ یوسفی میں ایسی تدبیر کے آجانے کو اللہ تعالیٰ رفع درجات سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ ۱۰۸ وہ اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے کہنے لگے کہ اے عزیز! آپ ہمارے متعلق بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ یہ لڑکا جس نے یہ حرکت کی ہے یہ ہمارا سگا بھائی نہیں یہ دوسری ماں سے ہے۔ اس کا ایک اور بھائی تھا، وہ بھی چور تھا۔ ہم دوسری ماں کے بیٹے ہیں۔ ہمارا کردار بے داغ ہے۔ ہم اس قسم کی رذیل حرکتیں نہیں کیا کرتے۔ حضرت یوسف نے بڑی خاموشی اور تحمل سے ان کی یہ دلآزار گفتگو سنی لیکن کسی ناگواری کا مظاہرہ نہ کیا۔ اور ان کو سارے سازوسامان کے ساتھ بڑی عزت و تکریم سے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ یہ ہی وہ عالی ظرفی ہے جس نے آپ کو ان مراتب عالیہ اور مناصبِ رفیعہ پر فائز کیا۔ اخلاق کی انہیں بلندیوں کی طرف ہمیں راغب کرنے کے لیے یہ واقعہ سنایا بھی جا رہا ہے۔

۱۰۹ انہوں نے اپنے باپ کی پیرانہ سالی کا واسطہ دے کر بنیامین کی واپسی کی التجا کی لیکن آپ نے مسترد کر دی۔ فرمایا ہم تمہاری تجویز کردہ سزا اس کو دیں گے جس کے سامان سے ہمارا پیالہ برآمد ہوا۔ اس کی جگہ کسی اور کو روک لینا سراسر ظلم ہے۔

1۔ البرہان فی علوم القرآن از بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، متوفی 794ھ، ج4، ص139

اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ

باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لیے۔ اور وہ تمام فیصلہ کرنیوالوں سے بہتر ہے۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر انھیں یہ

فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا

عرض کرو اے ہمارے محترم باپ! بلاشبہ آپکے بیٹے نے چوری کی (اس لیے وہ گرفتار کر لیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم

كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ سْــٴَـلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَ الْعِیْرَ

نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجیے بستی والوں سے جس میں ہم رہے

الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور پوچھیے اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور یقیناً ہم سچ عرض کر رہے ہیں۔ ۱۱۱ آپنے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کر دی ہے تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ

یہ بات (میرے لیے) اب صبر ہی زیبا ہے ۱۱۲ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئیگا میرے پاس ان سب کو ۱۱۳

۱۱۰ اگرچہ یہ باب استفعال ہے۔ لیکن یَئِسُوا کے معنی میں ہے۔ جس طرح اِسْتَسْخَرَ بمعنی سَخِرَ اور اِسْتَعْجَبَ بمعنی عَجِبَ ہے۔ نیز اس کا مصدر اِیَاسٌ (مہموز الفاء) نہیں بلکہ یَئْسٌ (مہموز العین) ہے۔ نَجِیًّا نُصِبَ عَلَى الْحَالِ مِنَ الْمُضْمَرِ فِيْ خَلَصُوْا وَهُوَ وَاحِدٌ يُّؤَدِّيْ عَنْ جَمْعٍ (قرطبی) (1)

جب حضرت یوسف نے ان کی درخواست مسترد کر دی تو بڑے سٹپٹائے اور الگ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب حضرت یعقوب کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ ہماری پیشانی سے پہلا کلنک کا ٹیکہ ابھی دُور نہیں ہوا۔ ان میں سے (روبیل) جو سب سے بڑا تھا اس نے تو گھر واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ کہ جب تک حضرت یعقوب خود مجھے واپسی کا حکم نہ دیں یا خدا کا کوئی حکم نہ ہو میں واپس نہیں جاؤں گا اور دوسرے بھائیوں کو کہا کہ تم یہ غلہ بھی لے جاؤ اور خود بھی جاؤ۔ حضرت یعقوب سے سارا ماجرا بیان کر دو کہ تمہارے لاڈلے بچے نے یہ گل کھلایا ہے۔ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ ہم نے تو اسے نہیں کہا کہ تم چوری کرو اور اگر وہ ہمارے سامنے پیالہ چراتا تو ہم یقیناً اسے ٹوکتے۔ اِس نے تو اتنی چابکدستی سے ہم سب کی آنکھوں میں خاک ڈال کر پیالہ چرایا کہ نہ ہمیں پتہ چلا اور نہ کسی اہلکار کو۔ اس معاملہ میں ہم بالکل بے قصور ہیں حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہم سے ناراض نہ ہوں۔ (2)

۱۱۱ اور اگر انہیں تمہاری بات پر یقین نہ آئے تو کہنا کہ آپ بے شک مصر کوئی اپنا آدمی بھیج کر تحقیق کر لیں یا اس قافلہ میں دوسرے لوگ جو ہمارے ساتھ تھے اُن سے تسلی کر لیں قَرْيَة سے مراد مصر ہے۔ (3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 241 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 192 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 246

جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ

بیشک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے ۱۱۴ اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے ۱۱۵ اور کہا ہائے افسوس ۱۱۶

عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾

یوسف کی جدائی پر اور سفید ہوگئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث اور وہ اپنے غم کو ضبط کیے ہوئے تھے ۱۱۷

۱۱۲ وہ بھائی اونٹوں پر غلّہ لادے ہوئے گھر پہنچے لیکن بنیامین ساتھ نہیں تھا۔ حضرت یعقوب نے پوچھا تو سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ "اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی (اور پکڑا گیا)" اس کے متعلق آپ نے فرمایا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ یعنی میرے بیٹے پر چوری کا الزام لگانا غلط ہے۔ اس نے ہرگز چوری نہیں کی۔ اس میں ایک رازِ الٰہی ہے جسے تم نہیں جانتے۔ میں اس نئے جانکاہ صدمہ پر بھی صبرِ جمیل کروں گا اِنَّ ابْنِيْ سَرَقَ وَمَا سَرَقَ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ لِاَمْرٍ يُّرِيْدُهُ اللّٰهُ۔ (قرطبی) (1)

۱۱۳ اگرچہ برسوں گزر گئے اور بظاہر یوسف کی کوئی خبر نہ ملی۔ انہی کا دردِ جدائی کیا کم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں بنیامین بھی غلام بنا لیا گیا اور اس سے ملنے کی بھی کوئی امید نہ رہی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا نبی ان ظاہری مایوسیوں سے کب دل برداشتہ ہوتا ہے۔ امیدِ کرم کا جو چراغ وہ روشن کرتا ہے، غم کی یہ آندھیاں اسے بجھا نہیں سکتیں۔ آپ نے فرمایا میں صبر کروں گا اور صبر کرنا ہی میرے لیے پسندیدہ ہے اور مجھے اپنے رب سے قوی امید ہے کہ شبِ فراق طویل سہی، لیکن یہ صبحِ وصال میں بدل کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ میرے بچھڑے ہوئے تمام بچوں کو ضرور مجھ سے ملائے گا۔ ہم تفسیر کبیر سے علماء کا یہ قول پہلے نقل کر آئے ہیں کہ آپ کو یوسف علیہ السلام کے مصر میں موجود ہونے کا علم تھا۔ ایک بات اور غور طلب ہے۔ مانا کہ حضرت یعقوب کو علم نہ تھا لیکن حضرت یوسف کو پہلے نہ سہی بھائیوں کی آمد کے بعد تو اپنے والدِ بزرگوار کے حزن و ملال کا پتہ چل گیا اور وہ مصر کے حکمران تھے۔ انہوں نے آدمی بھیج کر آپ کو کیوں نہ بلوا لیا، یا کم از کم اطلاع ہی کیوں نہ بھیج دی کہ آپ غم نہ کریں میں زندہ ہوں۔ آپ کا یوں خاموش رہنا بظاہر تو دانستہ اذیت رسانی کے مترادف تھا۔ اس کا جواب عارف باللہ حضرت ثناء اللہ پانی پتی نے دیا ہے کہ یہ خاموشی بامر اللہ تھی۔ فَاِنْ قِيْلَ قَالَ الْبَغَوِيُّ كَيْفَ اسْتَجَازَ يُوْسُفُ اَنْ يَّعْمَلَ مِثْلَ هٰذَا بِاَبِيْهِ وَلَمْ يُخْبِرْهُ بِمَكَانِهِ وَحَبَسَ اَخَاهُ مَعَ عِلْمِهِ بِشِدَّةِ وَجْدِ اَبِيْهِ فَفِيْهِ مَعْنَى الْعُقُوْقِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَقِلَّةِ الشَّفَقَةِ قُلْنَا اَكْثَرُ النَّاسِ فِيْهِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ عَمِلَ ذٰلِكَ بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (مظہری) (2)

۱۱۴ اسے میرے سب احوال کا علم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ میں اسکے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔ اور اس کے فضل و کرم کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ ۱۱۵ جب یہ دوسری چوٹ لگی تو دل اُچاٹ ہو گیا اور تمام گھر والوں سے اور علائقِ دنیوی سے منہ موڑ لیا اور اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہنے لگے۔

۱۱۶ اَسَفٌ شدّتِ غم کو کہتے ہیں۔ اصل میں عبارت یوں ہے يَا اَسَفِيْ تَعَالَ فَهٰذَا اَوَانُكَ (3)۔ اے میرے درد و غم آ جا۔ اب تیرے آنے کا وقت ہے۔ شدّتِ غم و اندوہ کے وقت یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ کثرتِ گریہ سے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج9، ص246 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص187 3۔ ایضاً، ص188

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ

بیٹوں نے عرض کی بخدا! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی صحت ۱۱۸ یا

کے اا اَیْ مَكْظُوْمٌ: مَمْلُوْءٌ مِّنَ الْحُزْنِ مُمْسِكٌ عَلَيْهِ لَا يَبُثُّهُ (1) یعنی جو شخص غم واندوہ سے لبریز ہو چکا ہو اور اس نے لبوں پر مہر خاموشی لگا رکھی ہو اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرتا ہو۔

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل المرتبت پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اتنا وارفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر دینا آپ کے شایانِ شان معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اہلِ معرفت نے اس خلش کو یہ کہہ کر دور کیا ہے کہ حسنِ یوسف کو آپ کے لیے جمالِ الٰہی کا آئینہ بنا دیا گیا تھا۔ وہ اس طلعتِ زیبا کے آئینہ میں تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو انوارِ خداوندی کی لذتِ دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین اور بے قرار ہو گئے وَاخْتَارَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ اَنَّ ذٰلِكَ الْاَسَفَ وَالْبُكَاءَ لَيْسَا اِلَّا لِفَوَاتِ مَا انْكَشَفَ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ تَجَلِّي اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ مِرْاٰةِ وَجْهِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (روح المعانی) (2) اس کے بعد علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں: وَلَعَمْرِيْ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ شَاهَدَ تَجَلِّيَهٗ تَعَالٰى فِيْ اَوَّلِ التَّعَيُّنَاتِ وَعَيْنِ اَعْيَانِ الْمَوْجُوْدَاتِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسِيَ مَا رَاٰى وَلَمَّا عَرَاهُ مَا عَرَا۔ (روح المعانی) (3) یعنی "مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انہیں حسنِ یوسف یاد ہی نہ رہتا اور ان کے ہجر و فراق میں آپ کا یہ حال نہ ہوتا"۔

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اور بڑے عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف کا حسن انوارِ الٰہیہ کی جلوہ گاہ تھا۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کی ذاتِ اقدس کی مربی اور مبدا التعین اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم ہے جو تمام صفات سے قریب تر اور محبوب تر ہے۔ اور علم کا حسن و جمال اتنا لطیف اور بلند مرتبت ہوتا ہے کہ اسے نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ اسی لیے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ حسن کو ہماری نظریں صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن و جمال قیامت کو بے نقاب ہوگا۔ اُس دن دنیا کو پتہ چلے گا کہ حسن، حسنِ محمدی ہی ہے اور جمال، جمالِ احمدی ہی ہے وَلِلْعِلْمِ حُسْنٌ وَّ جَمَالٌ لَا كَيْفِيَّةَ لَهٗ فَلِاَجْلِ كَمَالِ لَطَافَتِهٖ وَعُلُوِّ دَرَجَتِهٖ تَجَلّٰى فِيْ (سَيِّدِنَا) مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحُسْنِ وَالْجَمَالِ مَالَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ وَسَيَظْهَرُ حُسْنُهٗ وَجَمَالُهٗ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُوْسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنْ سَلَّمَ لَهٗ فِي الدُّنْيَا ثُلُثَيِ الْحُسْنِ لٰكِنْ فِي الْاٰخِرَةِ الْحُسْنُ حُسْنٌ مُحَمَّدِيٌّ وَالْجَمَالُ جَمَالُهٗ۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رقمطراز ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حُسن پر تو صرف حضرت یعقوب اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال سے خالقِ کائنات محبت فرماتا تھا۔ كَانَ حُسْنُ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبِحَيْثُ اَحَبَّهٗ يَعْقُوْبُ وَالْخَلَائِقُ وَكَانَ حُسْنُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَيْثُ اَحَبَّهٗ رَبُّ يَعْقُوْبَ وَالْخَلَائِقِ جَلَّ جَلَالُهٗ۔ (4)

حضرت مجدد نے تصوّف کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالاتر ہے۔ میں نے عام فہم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 249 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 80 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 192

تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ

آپ ہلاک نہ ہو جائیں آپ نے فرمایا میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا

اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا

خدا کی بارگاہ میں ۱۱۹ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ ۱۲۰ اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ

مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ

یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے ۱۲۱ بلاشبہ مایوس نہیں ہوتے

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا

رحمتِ الٰہی سے مگر کافر لوگ۔ پھر جب وہ گئے (یوسف علیہ السلام) کے پاس ۱۲۲ تو انھوں نے

انداز میں آپ کا مدعیٰ اور خلاصۂ کلام پیش کیا ہے تاکہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ اہلِ علم سے میری استدعا ہے کہ وہ خود تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں اور محظوظ ہوں۔ انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ فیلسوفِ اسلام شاعرِ مشرق نے جب یہ فرمایا تھا تو بجا فرمایا تھا۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دِل کا نور نہیں (1)

۱۱۸ بیٹوں نے جب دیکھا کہ حضرت یعقوب ہر لحہ یوسف کے فراق میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے رہتے ہیں اور انہیں یاد کر کے آنسوؤں کے دریا بہاتے رہتے ہیں تو انہیں اس سے باز رکھنے کے لیے یہ کہا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو آپ کی صحت بگڑ جائے گی اور موت کے واقع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

تَفْتَأُ۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا ہے کہ قسم میں یہاں لا کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت کوئی التباس نہیں ہوتا اور بعض نحویوں کے نزدیک مَافَتِئَ اور فَتَأَ دونوں لغتوں میں معنیٰ ایک ہی ہے۔

زَعَمَ الْخَلِيْلُ وَسِيْبَوَيْهِ اِنَّ "لَا" تُضْمَرُ فِي الْقَسَمِ لِاَنَّهٗ لَيْسَ فِيْهِ اِشْكَالٌ وَّيُقَالُ مَا فَتِئَ وَفَتَأَ فَهُمَا لُغَتَانِ وَلَا يُسْتَعْمَلَانِ اِلَّا مَعَ الْجَحْدِ (قرطبی) (2)

حَرَضًا حَرَضَ سے ہے اور اس کا اصلی معنی ہے فرطِ غم، غلبۂ عشق اور بڑھاپے کی وجہ سے جسمانی اور عقلی قوتوں کا مضمحل ہو جانا۔ نحاس نے کہا ہے کہ جب کسی کو رنج و اندوہ بیمار کر دے تو کہتے ہیں اَحْرَضَهُ الْهَمُّ۔ (3)

۱۱۹ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے تم کچھ نہ کہو، میں تو اپنی حکایتِ درد و غم صرف اپنے خداوندِ ذوالجلال کی بارگاہِ بے کس پناہ میں بیان کر رہا ہوں۔ مجھے اس سے مت روکو۔

بَثّ: انتہائی حزن و ملال، وہ غم جس کو انسان ہزار کوشش کے باوجود چھپا نہ سکے۔ حَقِيْقَةُ الْبَثِّ فِي اللُّغَةِ مَا يَرِدُ عَلٰی

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، بالِ جبریل، غزلیات (حصہ دوم)، ص 464 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 51-250 3۔ ایضاً

يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

عرض کی اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت اور (اس مرتبہ) ہم لے آئے ہیں حقیر سی پونجی ۔

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

پس پورا ناپ کر دیں ہمیں پیمانہ اور (اس کے علاوہ) ہم پر خیرات بھی کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

آپ نے پوچھا کیا تمھیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب[۱۲۳] تم نادان تھے

الْاِنْسَانِ مِنَ الْاَشْيَاءِ الْمُهْلِكَةِ الَّتِىْ لَا يَتَهَيَّاُلَهٗ اَنْ يُّخْفِيَهَا وَقِيْلَ اَشَدُّ الْحُزْنِ۔(1) ۱۲۰ اس واقعہ میں جو حکمتیں مستور ہیں اور جو راز پوشیدہ ہیں اُنہیں میں ہی جانتا ہوں تم ایک خاموش تماشائی کی طرح دیکھتے رہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

۱۲۱ ایک روز آپ نے اپنے بیٹوں کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ آپ اس آیت میں غور فرمائیں۔ حضرت یعقوبؑ کا یوسفؑ کو تلاش کرنے کا حکم دینا صاف بتا رہا ہے کہ آپ کو یقین ہے کہ یوسفؑ زندہ ہے۔ پھر یوسف کے ساتھ ان کے بھائی کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یوسف وہی ہے جس کے پاس تم بھائی چھوڑ آئے ہو، وہیں جا کر تلاش کرو اور آخر میں مزید تاکید فرمائی کہ مایوس نہ ہو کیونکہ اہلِ ایمان اپنے رب کی رحمتِ بے پایاں سے مایوس نہیں ہوا کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خاموش رکھنے کی حکمت پوری ہو چکی۔ اب پردہ اٹھنے والا ہے۔ اور اذنِ لب کشائی ملنے والا ہے۔

۱۲۲ اپنے پدر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق تلاشِ یوسف میں مصر روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عزیزِ مصر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ان مشکلات کا ذکر کیا جن سے قحط سالی کی وجہ سے ان کا سارا خاندان دوچار تھا۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دی کہ اس سے پیشتر تو ہم جب غلہ لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو ہم اس کی قیمت ساتھ لاتے تھے لیکن اس دفعہ تو تنگدستی کا یہ عالم ہے کہ پوری قیمت بھی میسر نہیں ہو سکی۔ تھوڑے سے اور رڈی سے جو درہم مل سکے ہیں وہ تو لے آئے ہیں۔ اے عزیز آپ کا رویہ ابتدا سے ہمارے ساتھ بڑا کریمانہ رہا ہے اِس لیے روپیہ کی کمی کی وجہ سے ہمارے غلّہ کی مقررہ مقدار میں کمی نہ فرمائیے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہمارے ساتھ مروت فرمائیے۔ ہم بڑی طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں اور ہماری معاشی حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔ آپ جو عنایتِ خسروانہ ہم پر کریں گے اگرچہ ہم درہم و دینار سے اس کا معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس عنایت و شفقت کا اجر آپ کو ضرور عطا فرمائے گا۔ بِضَاعَةٍ: مال کا حصہ مراد قیمت۔ مُزْجَاةٍ: اِزْجَاءٌ سے ہے(2): کسی چیز کو دور پھینک دینا، مسترد کر دینا کیونکہ دکاندار کو اگر کم قیمت دی جائے یا کھوٹا سکہ دیا جائے تو وہ غصہ میں اسے پھینک دیا کرتا ہے۔ اسی مناسبت سے کم قیمت، یا کھوٹے سکّوں کو بِضَاعَةٌ مُّزْجَاةٌ کہا گیا ہے۔ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا کا معنی یہاں تَفَضَّلْ عَلَيْنَا کرنا زیادہ مناسب ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 251 2۔ ایضاً، ص 54-253

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ

(سراپا حیرت بن کر) کہنے لگے کیا (سچ مچ) آپ ہی یوسف ہیں فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بڑا کرم فرمایا ہے

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

اللہ تعالیٰ نے ہم پر۔ یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہوتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا

الْمُحْسِنِيْنَ ۹۰ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

اجر ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے کہا خدا کی قسم! بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی

لَخٰطِـِٕيْنَ ۹۱ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ

خطاکار تھے ١٢٤ آپ نے فرمایا نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن ١٢٥ معاف فرمائے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو

١٢٣ جب آپ کو کنوئیں میں لٹکا کر اُوپر سے رسی کاٹ دی گئی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف کو کہا تھا کہ غم نہ کھا تیرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا اور ایک روز وہ آئے گا جب تو ان کو اس کارستانی پر آگاہ کردے گا۔ آج اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آپہنچا۔ لیکن کس آن بان سے، اس کا اس وقت نہ یوسف کو پتہ تھا اور نہ بھائیوں کو خبر تھی۔ بھائی جنہیں اپنی طاقت و جوانی پر بڑا گھمنڈ تھا، سائل کی صورت میں غلہ مانگنے کے لیے حاضر ہیں۔ سراپا ادب و احترام بن کر اپنے فقر و فاقہ کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔ بڑے خوشامدانہ لہجہ میں اس سے مزید غلہ دینے کی درخواست کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ یہ شاہی جاہ و جلال سے سنہری تخت پر جو سامنے بیٹھا ہے وہ یوسف ہے۔ اچانک آپ نے ان سے پوچھا یہ تو بتاؤ جو کچھ تم نے لاعلمی کی حالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ سلوک کیا تھا وہ بھی یاد ہے۔ اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دہشت اور حیرت سے پوچھنے لگے۔ کہیں آپ یوسف تو نہیں؟ فرمایا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ شان و شوکت جو تم دیکھ رہے ہو اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ یہ سب میرے ربّ کریم کا احسان ہے جو اس نے اپنے مسکین بندوں پر فرمایا ہے۔ اس فضلِ ربّانی کی جو اصلی وجہ تھی وہ بھی بتا دی لیکن اس حکیمانہ انداز میں کہ حقیقت بھی بیان ہوگئی اور کسی قسم کی خودستائی بھی نہیں پائی گئی۔ فرمایا جو تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور جو مشکلات و مصائب میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور خوبیوں کو ضائع نہیں کرتا اور ان کو اُن نتائج سے شادکام کرتا ہے جو اس نے مقرر کر رکھے ہیں۔ حضرت یوسف کی شانِ کریمی آپ کے ہر ارشاد سے نمایاں ہو رہی ہے۔ بھائیوں سے جب پوچھا کہ تم نے یوسف کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا وہ یاد ہے۔ یہ سنتے ہی اُنہیں اپنی ساری کارستانیاں ایک ایک کر کے یاد آگئی ہوں گی اور ندامت کے بارِ گراں کے نیچے ڈوبے چلے جا رہے ہوں گے۔ لیکن پیش ازیں کہ وہ معذرت خواہی کریں۔ حضرت یوسف خود ہی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتے ہیں کہ یہ غلطی تم نے بے علمی کی وجہ سے کی تھی۔ تمہیں حقیقتِ حال کا علم نہ تھا۔ اہلِ کرم کا یہی شیوہ ہے کہ اپنے مجرم کو بھی پریشان نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا رنج و غم انہیں بھول جاتا ہے اور اس

أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ

اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ۱۲۶ لے جاؤ میرا یہ پیراہن ۱۲۷ پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر

اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ

وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور (جاکر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل و عیال کو ۱۲۸ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ

الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿٩٤﴾

ہوا (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔ ۱۲۹

کے احساسِ ندامت کی تلخی کو کم کرنے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے جب اللہ تعالیٰ کے احسان کی وجہ بیان کی تو یہ نہیں کہا کہ کیونکہ میں بڑا متقی اور پرہیز گار تھا اور ہر مرحلہ پر صابر رہا اس لیے مجھ پر یہ کرم ہوا بلکہ قاعدہ کلیہ ذکر کر دیا۔ اس میں ان کی حوصلہ افزائی بھی فرما دی کہ اگر تم بھی تقویٰ اور صبر کو اپنا شعار بنا لو گے تو تم بھی اس کے انعام و اکرام کے مستحق بن جاؤ گے۔

۱۲۴ بھائیوں کو آپ کی فضیلتِ شان کا آخر اعتراف کرنا ہی پڑا۔ خَطِئَ خَطَأً اِذَا تَعَمَّدَ بِالذَّنْبِ وَ اَخْطَأَ اِذَا كَانَ غَيْرَ مُتَعَمِّدٍ۔ (1)

۱۲۵ جب آپ نے بھائیوں کو اعترافِ جرم کے ساتھ اظہارِ ندامت کرتے ہوئے سنا تو طبعِ کریم میں پھر جوش آیا اور فرمایا بے فکر ہو جاؤ، میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں کی جائے گی۔ بلکہ تمہیں ان کارستانیوں کی یاد دلا کر شرمندہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ اَلتَّثْرِيْبُ التَّعْيِيْرُ وَالتَّوْبِيْخُ۔ حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس روز مکہ مکرمہ فتح کیا اور کفر و شرک کی اس راجدھانی میں توحید کا پرچم لہرایا تو خانہ کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ''اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی امداد فرمائی اور تمام کافروں کے لشکروں کو اکیلے شکست دی''۔ پھر ان مکہ کے سرکشوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آج تک اسلام کو مٹانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کرتے رہے تھے اور غریب مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہوئے کبھی ان کے ہاتھ نہیں کانپتے تھے، جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی، ان کو مخاطب ہو کر فرمایا مَا تَظُنُّوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! ''اے قریش کے گروہ! تم کیا خیال کرتے ہو؟'' تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟ قَالُوْا خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ وَّقَدْ قَدَرْتَ۔ انہوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی توقع ہے۔ آپ کریم النفس بھائی ہیں اور شریف الطبع بھائی کے بیٹے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت و اختیار بھی دیا ہے اور جب کوئی کریم النفس شخص صاحبِ اختیار ہوتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا کرتا ہے۔

قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ كَمَا قَالَ اَخِيْ يُوْسُفُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ حضور نے فرمایا میں آج تمہارے حق میں وہی فیصلہ صادر کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کے لیے صادر کیا تھا۔ ''تم پر آج کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو'' (2)۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَنَبِيِّهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

۱۲۶ اپنے حقوق معاف کرنے کے بعد اب بارگاہِ الٰہی میں ان کے قصوروں کی مغفرت کے لیے خود ہی التجا کرتے ہیں۔ یہی وہ شانِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 198 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 257

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝۹۵ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ

گھر والوں نے کہا بخدا! (بابا جی!) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں ۱۳۰ پس جب آپہنچا خوشخبری سنانے والا (اور)

اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ

اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے ۱۳۱ آپ نے (فرطِ مسرت سے) کہا (دیکھو) کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے بتانے) سے جو تم نہیں جانتے ۱۳۲ بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگیے ہمارے لیے ہمارے گناہوں

کریمی ہے یہی وہ حسنِ خلق ہے۔ یہی وہ عالی ظرفی ہے جس کا نام یوسف ہے۔ انہی خصائلِ حمیدہ کے باعث بازارِ مصر میں بکنے والے کنعانی نوجوان کے قدموں میں مصر جیسی عظیم مملکت کا تخت بچھایا جاتا ہے۔ اس واقعہ کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کا صرف یہی مقصد ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کرلے کہ صبر وتحمل، حلم و بُردباری، عفت، پاکدامنی، عفوودرگزر اور خوفِ الٰہی کی صفاتِ حمیدہ سے متصف ہونے والا آخر کار کن عزتوں اور کامرانیوں اور حقیقی مسرتوں سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور باطل کی نام ونمود اور غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی کامیابی کتنی عارضی اور سرعت سے فنا پذیر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ منزلِ رضا کے راستہ پر پھول بچھے ہوئے نہیں کہ آپ خراماں خراماں چلے جائیں گے بلکہ اس راستہ میں گمنامی کے کنوئیں، بازارِ مصر کی رسوائی، محلاتی زندگی کی راہزنی اور طویل قید وبند کی سختیاں ہیں اگر ان مرحلوں سے ثابت قدمی سے گزرنے کی ہمت ہے تو آؤ بسم اللہ۔

۱۲۷ جو قمیص اس وقت آپ نے زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ وہ اُتار کر دی اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور حضرت یعقوب کی آنکھوں پر جا کر رکھو، ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے وہ قمیص بھیجی تھی جسے زلیخا نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا تھا لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ ھُوَ الْقَمِیْصُ الَّذِیْ کَانَ عَلَیْهِ حِیْنَئِذٍ کَمَا ھُوَ الظَّاھِرُ (روح المعانی) (1)

۱۲۸ واپس جا کر اپنے سارے خاندان کو یہاں میرے پاس لے آؤ تا کہ وہ آرام و آسائش سے زندگی بسر کریں۔

۱۲۹ اس دفعہ جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب نے بھی باذنِ الٰہی مہر خاموشی توڑی اور فرمانے لگے کہ اگر تم مجھے نادان، اور مخبوط الحواس نہ کہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ آج مجھے اپنے بیٹے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے۔ تُفَنِّدُوْنِ کہتے ہیں کسی کو نادانی اور بیوقوفی کی طرف منسوب کرنا۔ اَیْ لَوْلَا تُنْسِبُوْنِیْ اِلَی الْفَنَدِ وَھُوَ نُقْصَانُ عَقْلٍ یَحْدُثُ مِنَ الْھَرَمِ (مظہری) (2) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو آنے لگی (3)۔ ۱۳۰ آپ کے سارے بیٹے تو مصر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں جو بہو بیٹیاں اور پوتے پوتیاں تھیں، انہوں نے کہا بابا جی رہنے بھی دو۔ آپ کو تو ہر وقت یوسف کے خواب ہی آتے رہتے ہیں۔ جس خوشبو کا آپ ذکر کر رہے ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ تو اس محبت اور وارفتگی کی فسوں کاری ہے۔ (4)

1۔ تفسیر روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 52
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 199
3۔ تفسیر طبری، ج 13، ص 81، دار احیاء التراث العربیہ
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 199

اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

کی۔ بیشک ہم ہی قصوروار تھے ۱۳۳ فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے۔ بیشک وہی غفور

الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ

رحیم ہے ۱۳۴ پھر جب وہ سب یوسف کے روبرو ہوئے ۱۳۵ آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو ۱۳۶ اور (انہیں) کہا

ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى

داخل ہو جاؤ مصر میں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے۔ اور (جب شاہی دربار میں پہنچے تو) آپ نے اوپر

۱۳۱ جب قافلہ قریب پہنچا تو ایک قاصد بھیجنے کی تجویز ہوئی تا کہ آپ کو جلد از جلد خوشخبری سنائی جائے چنانچہ یہودا نے کہا کہ اس روز یوسف کی قمیص خون سے لت پت کر کے میں ہی لے گیا تھا۔ اب یہ قمیص بھی مجھے دو کہ میں پہلے جا کر آپ کو یہ مژدۂ جانفزا سناؤں (1)۔ شاید میری پہلی غلطی کی کچھ تلافی ہو جائے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ قمیص لے جانے والا شمعون تھا (2)۔ الغرض ان میں سے ایک بھائی قمیص لے کر پہلے پہنچ گیا اور حضرت یوسف کے مل جانے کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت یوسف کے ارشاد کے مطابق ان کی قمیص آپ کی آنکھوں پر رکھ دی۔ قمیص کے رکھنے کی دیر تھی کہ اس کی برکت سے آپ کی کھوئی ہوئی بینائی واپس آ گئی فَعَادَ بَصِيْرًا بَعْدَ مَا كَانَ اَعْمٰى (مظہری) (3) بعض ظاہر پرستوں کو یہاں بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ کپڑے کی قمیص کو آخر بینائی کے ساتھ کیا تعلق؟ اگر یہ بات کسی روایت یا حدیث میں ہوتی تو بیک جنبشِ قلم اس حدیث کو غلط، ضعیف، موضوع وغیرہ کہہ کر جان چھڑا لیتے۔ لیکن یہ بات تو قرآن نے خود بیان کی ہے۔ اس کو غلط کہیں تو کیونکر؟ اس لیے یہاں تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ نابینا نہیں ہو گئے تھے بلکہ محض ضعفِ بصر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ جب فرزند دلبند کی بازیابی کی خوشخبری سُنی تو فرطِ مسرّت سے خون میں جوش پیدا ہوا اور بینائی قوی ہو گئی۔ لیکن وہ حضرات فَارْتَدَّ بَصِيْرًا (آپ پھر بینا ہو گئے) کے قرآنی کلمات کا ترجمہ کیا کریں گے۔ سیدھی بات ہے یہ قمیص اگرچہ دوسری قمیصوں کی طرح کپڑے کی بنی ہوئی تھی لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے، یوسف کے جسم کے ساتھ چھونے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ جس خدا نے مختلف ادویہ میں حیرت انگیز تاثیرات رکھ دی ہیں، اس قادرِ مطلق کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اس نے اپنے بندے کی عزت افزائی کے لیے اس کی قمیص کو حضرت یعقوب کے بینا ہونے کا سبب بنا دیا ہو۔ فَالظَّاهِرُ اَنَّ عَوْدَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَصِيْرًا بِاِلْقَاءِ الْقَمِيْصِ عَلٰى وَجْهِهٖ لَيْسَ اِلَّا مِنْ بَابِ خَرْقِ الْعَادَةِ وَلَيْسَ الْخَارِقُ بِدْعًا فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ۔ (4) (روح المعانی) یعنی ظاہر قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب کا بینا ہونا بطور خرقِ عادت تھا۔

۱۳۲ جب سب آ گئے تو آپ نے فرمایا دیکھا میرے رب نے مجھ پر کتنا کرم فرمایا۔ میں تم سے کہا نہیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچھڑا ہوا یوسف ضرور ملائے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ہم پھر اکٹھے ہوں گے مِنْ حَيَاةِ يُوْسُفَ وَاَنَّ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 200 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 261
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 200 — 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 55

الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر ۱۳۷ اور وہ گر پڑے آپ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے ۱۳۸ اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب

مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ

کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا ۱۳۹ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے۔ اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے

اللهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا (مظہری) (1) یوسف گم گشتہ کی بازیابی کی خبر سن کر آپ نے بعینہ وہی لفظ کہے جو ہجر و فراق کے انتہائی دردناک لمحوں میں کہے تھے وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یہاں فرمایا اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶۔ یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت یعقوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ صرف قبل از وقت افشاء راز کی اجازت نہ تھی۔

۱۳۳ سب فرزندوں نے مؤدبانہ التجا کی اے ہمارے پدر بزرگوار! ہم سے قصور ہو گیا، ہم نے بڑی غلطی کی اب ہم اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور سخت نادم بھی ہیں۔ آپ از راہ کرم بارگاہِ رب العزت میں ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا فرمائیے۔

۱۳۴ آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے لیے اپنے رب کے حضور میں مغفرت کی التجا کروں گا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سحری کے وقت اور بعض میں ہے کہ شبِ جمعہ کو دعا مانگی (2)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے قصوروں کو معاف فرما دیا (3)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے التماسِ دعا کرنا اور پھر ان کی برکت سے دعا کا مستجاب ہو جانا اور بڑے بڑے گناہوں کا بخش دیا جانا قرآن کی ان آیات سے ثابت ہے۔

۱۳۵ حضرت یوسف کی خواہش کے مطابق حضرت یعقوب اپنے سارے کنبہ کو لے کر مصر روانہ ہوئے۔ حضرت یوسف کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ بادشاہِ مصر، وزراء اور امراء بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت یعقوب نے جب یہ جاہ و حشمت دیکھی تو پوچھا: کیا یہ شاہِ مصر کی سواری آ رہی ہے؟ بتایا گیا نہیں، بلکہ آپ کا نورِ نظر یوسف ہے جو آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے استقبال کرنے کو آ رہا ہے۔ (4) ۱۳۶ جب قریب پہنچے تو حضرت یوسف اپنے بچھڑے ہوئے ماں باپ سے بغلگیر ہو کر ملے۔ اس ملاقات کی لذت کو ان کے دل ہی جانتے ہوں گے یا کوئی فرقت کا مارا جسے عرصۂ دراز کے بعد اپنے محبوب کا وصال نصیب ہوا ہو۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آپ کی والدہ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت یعقوب نے آپ کی خالہ سے نکاح کیا تھا اور وہی اس وقت ساتھ تھیں۔ لیکن مجھے علامہ ابن کثیرؒ کی تحقیق زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ زندہ تھیں اور اُن کی وفات پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کا ظاہر بھی اُن کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور جو چیز قرآن ثابت کرے وہی درست ہے۔ محمد ابن اسحاق اور امام ابن جریر کی یہی رائے ہے قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ كَانَ اَبُوْهُ وَ اُمُّهٗ يَعِيْشَانِ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَّلَمْ يَقُمْ دَلِيْلٌ عَلٰى مَوْتِ اُمِّهٖ وَ ظَاهِرُ الْقُرْاٰنِ يَدُلُّ عَلٰى حَيَاتِهَا (تفسیر ابن کثیر) (5)

۱۳۷ حضرت یوسف نے عرض کی اب آپ شہر میں قدم رنجہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو ہر طرح کا آرام میسر ہو گا۔ اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 200 — 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 55 — 3۔ ایضاً، ص 56
4۔ ایضاً، ص 57 — 5۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 491

مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ

قید خانہ سے ۱۴۰ اور لے آیا تمہیں صحرا سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈال دی تھی شیطان نے

بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ‌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ

میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان ۱۴۱ بیشک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے جس کیلیے چاہتا ہے ۱۴۲ یقیناً وہی سب کچھ جاننے

الۡحَكِيۡمُ‏ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ

والا بڑا دانا ہے ۱۴۳ اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم

سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا تھا (1) وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ الخ جب اپنے دربار میں پہنچے جہاں ان کا زرنگار تخت بمع تمام شاہانہ تکلفات کے بچھا ہوا تھا تو بصد احترام اپنے والدین سے اس تخت پر قدم رنجہ فرمانے کی التجا کی اور ان دونوں نے تخت پر جلوس فرمایا۔ ۱۳۸ پھر والدین نے اور سب بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہاں سجدہ سے کیا مراد ہے اور سجدہ کس کو کیا گیا تھا۔ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں بعض کی رائے ہے کہ سجدہ سے مراد صرف جھکنا ہے یعنی اظہارِ تعظیم کے لیے وہ آپ کے سامنے جھکے۔ اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ سجدہ سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا ہے کیونکہ خَرُّوْا کا لفظ اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔ خَرَّ کا معنی ہے سَقَطَ مِنْ عُلْوٍ اِلٰى اَسْفَلَ: اوپر سے نیچے گرنا (2)۔ اور یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ سجدہ سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا ہو۔ اب اس صورت میں علماء کا پھر اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سجدہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور یوسف بحیثیت قبلہ کے تھے۔ یہاں ''لَهٗ'' بمعنی اِلَيۡهِ ہے یعنی آپ مسجود الیہ تھے۔ مسجود لہ اللہ تعالیٰ تھا اور بعض نے کہا کہ یہ 'ل' اجلیہ ہے خَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا: خَرُّوۡا لِاَجۡلِهٖ سُجَّدًا یعنی انہوں نے سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو کیا تھا لیکن اس کی وجہ حضرت یوسف تھے۔ یعنی اتنی طویل جدائی کے بعد ان سے وصال کا جو موقع دیا گیا تھا اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا۔ لیکن اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ سجدہ یوسف کو ہی کیا گیا اور اس سے مراد بھی وہی زمین پر پیشانی رکھنا ہے لیکن یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ سجدۂ تعظیمی تھا۔ جو پہلی تمام شریعتوں میں جائز تھا اور حضور کی تشریف آوری سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی (3)۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: سَجَدَ اَبَوَاهُ وَاِخۡوَتُهُ الۡبَاقُوۡنَ۔ وَقَدۡ كَانَ هٰذَا سَائِغًا فِىۡ شَرَائِعِهِمۡ اِذَا سَلَّمُوۡا عَلَى الۡكَبِيۡرِ يَسۡجُدُوۡنَ لَهٗ وَلَمۡ يَزَلۡ هٰذَا جَائِزًا مِنۡ لَّدُنۡ اٰدَمَ اِلٰى شَرِيۡعَةِ عِيۡسٰى فَحُرِّمَ هٰذَا فِىۡ هٰذِهِ الۡمِلَّةِ وَجُعِلَ السُّجُوۡدُ مُخۡتَصًّا بِجَنَابِ الرَّبِّ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔ (4)

۱۳۹ اس وقت حضرت یوسف نے عرض کی اے پدرِ بزرگوار یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ حضرت سلمان فارسی کا قول ہے کہ خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر میں چالیس سال کا عرصہ گزرا تھا وَاَخۡرَجَ جَمَاعَةٌ عَنۡ سَلۡمَانَ الۡفَارِسِىِّ اَنَّهَا اَرۡبَعُوۡنَ سَنَةً وَهُوَ قَوۡلُ الۡاَكۡثَرِيۡنَ۔ (5)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 57
2۔ المعجم الوجیز، ص 190، مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیۃ، مصر
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 202
4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 491
5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 61

الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا

اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے ۱۴۲ توہی میرا کارساز ہے دنیا میں

۱۴۰ اس کے بعد آپ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کر کے اس کا شکر بجالاتے ہیں جو اس جدائی کے عرصہ میں اُن پر فرمائے گئے۔ ان احسانات کی ابتدا قید خانہ سے رہائی پانے سے کی۔ لیکن کنوئیں سے نکلنے کا ذکر نہ کیا تا کہ ان کے بھائی شرمسار نہ ہوں اور مشائخ صوفیاء کا یہ قول ہے: ذِكْرُ الْجَفَاءِ فِيْ وَقْتِ الصَّفَاءِ جَفَاء (1) کہ صلح وصفائی کے وقت گزشتہ جور وستم کا تذکرہ ظلم ہے۔ ۱۴۱ یہاں بھی بھائیوں کے فعل کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اس کا ذمہ دار شیطان کو ٹھہرایا۔ یہ بھی آپ کی کریم النفسی تھی۔ اَحَالَ ذَنْبَهُمْ عَلَى الشَّيْطَانِ تَكَرُّمًا مِّنْهُ۔ (قرطبی) (2)

۱۴۲ ان احسانات کا ذکر کرنے کے بعد پھر اپنے رب کریم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ لطیف ہے۔ اور لطیف اس کو کہتے ہیں جو اپنے احسانات کو بڑی نرمی سے دوسروں تک پہنچائے۔ وَحَقِيْقَةُ اللَّطِيْفِ الَّذِيْ يُوْصِلُ الْاِحْسَانَ اِلٰى غَيْرِهٖ بِالرِّفْقِ (مظہری) (3) علامہ قرطبی نے لطیف کا یہ معنیٰ کیا ہے جو اپنے بندوں کے ساتھ اس طرح لطف وکرم کرے اور ان کی ضروریات کو اس طرح فراہم کردے کہ انہیں خبر تک نہ ہو۔ اَللَّطِيْفُ هُوَ الْبَرُّ بِعِبَادِهٖ الَّذِيْ يَلْطُفُ بِهِمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَيُسَبِّبُ لَهُمْ مَصَالِحَهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ۔ (4)

۱۴۳ اللہ تعالیٰ کی صفات علم وحکمت کی جو خصوصی جلوہ نمائی اس قصہ سے ہو رہی ہے وہ کسی غور وفکر کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ جو چاہے آنِ واحد میں ظہور پذیر ہو جائے۔ اگر وہ چاہتا تو حضرت یوسف کو ان آزمائشوں میں مبتلا کیے بغیر ان مدارج عالیہ پر فائز کر دیتا، اس کی قدرت کے سامنے یہ کچھ بعید نہ تھا لیکن اس کی حکمت؟ حکمت کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ ان بلند مراتب تک پہنچنے کے لیے ان تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن سے حضرت یوسف گزرے۔ انسان کی صلاحیتیں بیدار ہی تب ہوتی ہیں جب انہیں بے رحم طوفانوں سے دوچار کیا جاتا ہے۔ صحیح تربیت کے لیے زندگی کے سارے نشیب وفراز سے گزرنا ضروری ہے۔ حضرت یوسف کی ذات کو ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور رضائے الٰہی کی منزل کے مسافر کو جس قسم کے لوگوں، جس قسم کے حالات اور جس قسم کی رکاوٹوں سے واسطہ پڑتا ہے ان کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ قدم قدم پر یہ تنبیہ سنائی دیتی ہے، اے سالک راہِ حق تیری منزل بڑی دور ہے، اس کی راہ بڑی کٹھن ہے، اس میں حائل ہونے والی رکاوٹیں بڑی حوصلہ شکن ہیں، گہرے اور خوفناک غار منہ کھولے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تجھے منزل سے غافل کرنے کے لیے فردوس بداماں وادیاں ہیں جن کے درختوں کے سائے بڑے گھنے اور ٹھنڈے ہیں، جن میں کھلنے والے پھول بڑے خوبصورت اور خوشبودار ہیں، اس کا ہر منظر بڑا دلکش اور دلربا ہے۔ بھلا دیکھیں تیری ہمت کو کہ تو کس طرح کانٹوں سے الجھتا ہوا، چٹانوں کو روندتا ہوا، پہاڑوں کو پھلانگتا ہوا اور ان جنت نظیر وادیوں، دلکش مناظر سے دامن بچاتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی راحت نے تجھے اپنی منزل سے غافل کر دیا یا کسی ہوشربا حادثہ کی وجہ سے تو دل برداشتہ ہو گیا تو تیرا نام اس منزل کے مسافروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ یہاں تو ایک لمحہ کی غفلت بھی قیامت برپا کر دیتی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 267 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 5، ص 202 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 267

وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ

اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے درآنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملادے مجھے نیک بندوں کے ساتھ (اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی

اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا

خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے

اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ

اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر کر رہے تھے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں،

بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

ایمان لانے والے[۱۴۵] اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (درسِ ہدایت) پر کچھ معاوضہ۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ ؑ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ

سب جہانوں کے لیے۔ اور کتنی ہی (بیشمار) نشانیاں ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (بکھری ہوئی) ہیں جن پر (ہر صبح و شام)

ع ۱۱ ۵

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر | یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد (1)

اپنے مقبول بندوں کو سرفراز کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے جس میں ان گنت حکمتیں ہیں۔ اس منزل کا عزم کرنے سے پہلے طلبِ صادق کے ساتھ صبر و شکیب کی زاد اور امید کا نہ بجھنے والا چراغ ہاتھ میں لینا شرطِ اوّل ہے۔ یہ ہی اس کی سنت ہے اور اسی میں اس کی حکمت کی جلوہ طرازی ہے۔

۱۴۴ حضرت سیّدنا یوسف صدیق علیہ السلام کی عالی ظرفی اور کریم النفسی کا نظارہ آپ کئی مقامات پر کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کی اولوالعزمی، سیر چشمی اور خدا طلبی کا جو ظہور یہاں ہو رہا ہے اس کی مثال نہیں۔ یہاں آپ کی ایک دعا کا ذکر ہے۔ جن نعمتوں سے آپ کو اب تک سرفراز کیا گیا ان میں سے کوئی ایسی نعمت نہیں جو آپ نے اپنے رب سے طلب کی ہو۔ وہ سب انعامات و احسانات بے طلب اور بن مانگے عطا فرمائے گئے تھے۔ قرآن میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے مصر کے تاج و تخت کے لیے التجا کی ہو یا ان مراتبِ عالیہ کے لیے تمنا کی ہو کہ ان کے ماں باپ اور بھائی ان کو آکر سجدہ کریں لیکن یہاں وہ پیکرِ تسلیم و رضا اپنا دامنِ طلب پھیلا رہا ہے دیکھنا چاہیے کہ جو آج تک بے طلب عنایات سے شادکام ہوتا رہا ہے وہ آج کس نعمت کے لیے زبانِ سوال کھول رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک اور امر توجہ طلب ہے کہ وہ مانگ کس شان سے رہا ہے؟ اس کے سوال کرنے کا انداز کیا ہے؟ آیئے آپ بھی یہ سیکھیے کہ انسان اپنے خداوندِ کریم سے مانگے تو کیا مانگے اور مانگے تو کیسے مانگے رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ سے دعا کا

1۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) اسرار و رموز، ص 138، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ

گزرتے ہیں اور وہ ان سے رُوگردانی کیے ہوتے ہیں ۱۴۶ اور نہیں ایمان لاتے اُن میں سے اکثر اللہ کے ساتھ

اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنیوالے ہوتے ہیں ۱۴۷ کیا وہ بے غم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آئے اُن پر چھا جانے والا

عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آجائے ان پر قیامت اچانک اور انھیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو ۱۴۸

آغاز ہے۔ آپ اُن احسانات اور انعامات کا اعتراف کر رہے ہیں جن سے آپ کو اب تک بہرہ ور کیا گیا ہے فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ سے اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا بیان ہے۔ اَنْتَ وَلِيّٖ سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو ہی میرا کارساز ہے۔ تیرے سوا میرا کوئی نہیں ایسی حمد وثنا، ایسی تمجید وتحمید اور ایسے اظہارِ بے بسی کے بعد مانگا تو کیا مانگا۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ میرے مولیٰ! اس دنیا سے جب میری روانگی کا وقت آئے تو میں اس حال میں یہاں سے روانہ ہوں کہ زبان تیری توحید کا اعتراف کر رہی ہو، دل تیری عظمت و کبریائی کے گیت گا رہا ہو اور سر تیرے حضور میں جھکا ہوا ہو، تیری نافرمانی کا کوئی داغ میرے دامنِ حیات کو بدنما نہ کر رہا ہو۔ اس طرح یہاں سے میری روانگی ہو اور اس کے بعد اپنے صالح بندوں کے ساتھ مجھے ملا دے۔ مجھے اُن کی سنگت اور رفاقت نصیب فرما۔

یہ ہے مردِ حق اندیش کی منزل اس کے لیے وہ ساری عمر مصروفِ عمل رہتا ہے۔ اُس کا سوز وساز اس کا پیچ وتاب اسی کے لیے ہوتا ہے اُسی کی دُھن میں وہ دن کو بے قرار اور رات کو بے چین رہتا ہے۔ اسی کی لگن میں وہ سب سے روٹھا رہتا ہے۔ اسی منزل کا پتہ بتانے کے لیے قرآن آیا۔ اسی منزل کی لگن پیدا کرنا اسلام کا مقصدِ وحید ہے۔ اور اسی منزل کی طرف سے لے جانے کے لیے رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اَللّٰهُمَّ خُذْ بِيَدِ عَبْدِكَ الضَّعِيْفِ الْمِسْكِيْنِ الَّذِيْ لَا حَوْلَ لَهٗ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ وَتَوَفَّهٗ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْهُ بِسَيِّدِ الصَّالِحِيْنَ وَقَائِدِ الشُّهَدَاءِ قُدْوَةِ الصِّدِّيْقِيْنَ اِمَامِ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِيْ وَحَبِيْبِيْ وَشَفِيْعِيْ مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَطْيَبِهَا وَالتَّسْلِيْمَاتِ اَطْهَرِهَا وَالتَّحِيَّاتِ اَزْكٰهَا وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

۱۴۵ یہودیوں کے اُکسانے پر مشرکینِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوسف علیہ السلام کا قصہ سنانے کی درخواست کی جب اُن کی یہ خواہش پوری کر دی گئی تو انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس پر ایمان لے آتے لیکن وہ اپنے کفر پر بضد رہے۔ حضور کریم کے قلبِ نازک کو تکلیف پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ (1)

۱۴۶ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ یعنی ان کفار کا اپنے کفر پر اڑے رہنا اس لیے نہیں کہ ان کے سامنے توحید کی کوئی روشن دلیل پیش نہیں کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 65

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ

آپ فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی)

اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٨ وَمَآ

جو میری پیروی کرتے ہیں اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے۔ اور ہم نے

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ

(رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا یہ (منکر) لوگ سیر وسیاحت نہیں کرتے زمین میں تاکہ وہ دیکھیں کہ کیا ہوا تھا انجام ان (منکرین) کا جو

گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کی روشن دلیلیں تو زمین و آسمانوں میں بکھری پڑی ہیں۔ اور یہ ان دلیلوں کو دیکھتے بھی ہیں لیکن دانستہ ان سے اعراض کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ كَاَيِّنْ: اصل میں اَيٌّ تھا۔ کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو تنوین کو ظاہر کیا گیا تو كَاَيِّنْ ہو گیا (1)۔ یہ یہاں کَمْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۴۷ یعنی ان کفار و مشرکین کی بھی عجیب حالت ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے۔ تمہارا خالق کون ہے کہتے ہیں اللہ۔ بارش کون برساتا ہے اور غلہ کون اُگاتا ہے تو کہتے ہیں اللہ۔ لیکن اس کے باوجود بتوں کو بھی الٰہ مانتے ہیں اور اُن کی عبادت کرتے ہیں (2)۔ بتوں کے متعلق مشرکین کا جو عقیدہ تھا وہ متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے وہ کہتے وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝٣٦ (الصافات) ''وہ کہتے ہیں کیا ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟'' نیز حج کے موقعہ پر جو تلبیہ وہ کہا کرتے تھے اس سے بھی ان کے عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہا کرتے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ (3) ''ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔''

یا اس آیت میں مشرکین کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ مصائب میں گھر جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے اور جب مصیبتیں ٹل جاتی تھیں تو پھر اس کا انکار کرتے تھے (4) یا اس سے مراد ریاکار ہیں جو عبادت تو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں لیکن دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں مجھے اچھا سمجھے۔ یہ بھی ایمان اور شرک کو یکجا کرنے کی ایک صورت ہے (5) اور اہلِ حق نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر اسبابِ ظاہری کی طرف مائل ہوا اور مسببِ حقیقی کی طرف سے نگاہ ہٹ گئی تو یہ بھی شرک ہوا۔ مولانا ثناء اللہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 65
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 205
3۔ ایضاً
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 66
5۔ مختصر تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 264 (مفہوم)

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ان سے پہلے (ہو گزرے) تھے۔ اور دار آخرت یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں (اے سننے والو!) کیا تم نہیں سمجھتے۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا

جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہو گئے رسول ۱۵۲ اور وہ منکرین گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے

جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

اس وقت آگئی انکے پاس ہماری مدد۔ پس بچا لیا گیا (عذاب سے) جس کو ہم نے چاہا۔ اور نہیں ٹالا جا سکتا ہمارا عذاب اس قوم سے جو

پانی پتی بَلِ النَّظْرُ اِلَى الْاَسْبَابِ مَعَ الْغَفْلَةِ عَنِ الْمُسَبِّبِ يُنَافِي التَّوْحِيْدَ فَالْمُوَحِّدُوْنَ هُمُ الصُّوْفِيَةُ (مظہری) (1) یعنی سچے موحد تو صوفیائے کرام ہیں کہ ان کی نظر کسی حالت میں بھی اسباب میں نہیں الجھتی بلکہ ہر وقت مسبب الاسباب پر جمی رہتی ہے۔

۱۴۸ یعنی ان کا عذاب الٰہی سے یوں بے خوف ہو کر کفر و شرک اور فسق و فجور میں مشغول رہنا بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے اگر اس بے خبری کے عالم میں ان پر عذاب الٰہی آ گیا یا قیامت قائم ہو گئی تو پھر ان کا کیا بنے گا۔ یہ کہاں سر چھپائیں گے۔

۱۴۹ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہنا ہی میرا مقصدِ حیات ہے۔ میں تمہیں یہ دعوت عَلٰى وَجْهِ الْبَصِيْرَةِ دے رہا ہوں۔ میرے پاس اس کی صداقت کے روشن دلائل ہیں اور مجھے اس کی حقانیت پر محکم یقین ہے۔ اور یہی حال ان لوگوں کے ایمان و یقین کا ہے جنہوں نے سچے دل سے میری پیروی اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔ هٰذِهٖ کا مشار الیہ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت سَبِيْلِيْٓ سے مراد سُنَّتِيْ وَ مِنْهَاجِيْ اور بصیرت سے مراد وہ واضح دلائل اور قوی براہین ہیں جن کے بعد کوئی اندھیرا نہیں رہتا (2)۔ مَنِ اتَّبَعَنِيْ میں قیامت تک اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے لوگ ہیں اور صحابہ کرام کا مقام ان سب میں اعلیٰ و برتر ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مَنِ اتَّبَعَنِيْ سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ يَعْنِيْ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ كَانُوْا عَلٰى اَحْسَنِ طَرِيْقَةٍ وَاَقْصَدِ هِدَايَةٍ مَعْدَنَ الْعِلْمِ وَكَنْزَ الْاِيْمَانِ وَجُنْدَ الرَّحْمٰنِ (3) یعنی اس سے مراد حضور کریم کے صحابہ کرام ہیں۔ انہی کا طریقہ سب سے بہتر اور انہی کی ہدایت سب سے عمدہ تھی۔ وہ علم کی کان، ایمان کا خزانہ اور رحمان کا لشکر تھے۔

۱۵۰ کفار اپنی اس غلط فہمی کا بار بار اظہار کر چکے تھے کہ انسان اس قابل نہیں کہ وہ مرتبۂ نبوت پر فائز ہو سکے۔ اس کے لیے تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے جو بشری کمزوریوں سے مبرا ہو۔ اُن کے اس وسوسہ کا پھر ردّ فرما دیا کہ ہماری سُنّت یہی ہے کہ ہم انسانوں کی طرف انسان ہی نبی بنا کے بھیجتے ہیں تاکہ اِفادہ اور اِستفادہ صحیح طور پر ہو سکے۔ ۱۵۱ اس آیت میں انہیں ان برباد شدہ کھنڈروں پر نگاہِ عبرت ڈالنے کی تلقین کی جا رہی ہے جن کے پاس سے اُن کا گزر اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 206 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ج 5، ص 7-206

الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

جرائم پیشہ ہے۔ بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (ورسِ) عبرت ہے سمجھ داروں کے لیے ۱۵۳

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑلی گئی ہو بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱

اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے اس قوم کیلیے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۱۵۴

۱۵۲ آیت کا یہ حصہ بڑا غور طلب ہے۔ رسولوں کے مایوس ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ظَنُّوْا کا فاعل کون ہیں؟ اَنَّهُمْ کا مرجع کون ہیں؟ قَدْ كُذِبُوْا کا نائب فاعل کون ہیں؟ پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ جب انبیاء کرام نے اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی اس کی صداقت پر دلائل و براہین پیش کیے اور طرح طرح کے معجزات بھی دکھائے اور دعوت وارشاد کا یہ سلسلہ سال دو سال تک نہیں بلکہ عرصۂ دراز تک جاری رہا تب بھی ان کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں نہ ہوئی تو انبیاء کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ ظَنُّوْا کا فاعل بعض لوگوں نے انبیاء کو بنایا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ انبیاء نے یہ ظن کیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت اور کفار پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا نہیں کیا گیا۔ لیکن اس طرح کا ظن انبیاء کی طرف منسوب کرنا درست نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے ظن کے معنی میں تاویل کی اور کہا کہ اس سے مراد محض وہم وخیال ہے جس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ اور کبھی یہ کہا کہ اس ظن کی وجہ ان کا اجتہاد تھا۔ لیکن صاف بات یہ ہے کہ ظَنُّوْا کا فاعل کفار ہیں۔ کفار نے یہ گمان کیا یہ رسول جو ہمیں ہر روز عذاب کے نزول سے ڈراتے تھے وہ عذاب کہاں ہے ہم نے تو ان کی دعوت کو ٹھکرانے میں اور انہیں اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی اور اگر وہ عذاب آنا ہوتا تو اب تک آ گیا ہوتا۔ عذاب کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ہم سے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا جس نے ان سے وعدہ کیا کہ ان پر عذاب اُتاروں گا، اس نے وعدہ خلافی کی ہے (مظہری)(1) علامہ آلوسی نے طویل بحث کے بعد آخر کار اسی قول کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں:

وَ اَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ الْاَوْفَقَ بِتَعْظِيْمِ الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بَلْ اَبْعَدَ عَنِ الْحَوْمِ حَوْلَ حِمٰى مَالَا يَلِيْقُ بِهِمُ الْقَوْلُ بِنِسْبَةِ الظَّنِّ اِلٰى غَيْرِهِمْ (2) کہ انبیاء کی تعظیم اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ظن کی نسبت انبیاء کی طرف نہ کی جائے بلکہ غیروں کی طرف کی جائے۔

اب اگر معنی یہ کیا ہو جائے کہ کفار نے یہ خیال کیا کہ ان سے غلط بیانی کی گئی ہے تو اس صورت میں هُمْ کا مرجع اور كُذِبُوْا کا نائب فاعل کفار ہی ہوں گے اور اگر یہ معنی کیا جائے کہ کفار نے یہ گمان کیا کہ انبیاء سے نزولِ عذاب کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے یعنی وہ پورا نہیں کیا گیا تو اس وقت هُمْ کا مرجع اور كُذِبُوْا کا نائب فاعل انبیاء ہوں گے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 208 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 72

۱۵۳ یعنی حضرت یوسف ان کے بھائیوں، ان کے والدین، اہلِ مصر اور دیگر لوگ جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے ان کے واقعات میں اربابِ عقل و دانش کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔

۱۵۴ اس قصہ کے بیان کے بعد کفار کے اس قول کی تردید کر دی کہ یہ کلام حضور خود گھڑ کر پیش کرتے ہیں فرمایا کہ تم خود سوچو ایک اُمّی جو لکھتا نہیں پڑھتا نہیں۔ کسی صاحبِ علم کے پاس اس کی نشست و برخاست نہیں ہے۔ وہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر کیونکر اس عمدگی سے پیش کر سکتا ہے۔ یقیناً یہ ناممکن ہے۔ اس لیے اس قرآن کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللہِ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب سے تو ان آسمانی صحیفوں کی تصدیق ہوتی ہے جو پہلے انبیاء پر نازل کیے گئے تھے۔ نیز ان کتب میں طرح طرح کے تغیّر و تبدل اور تحریف کے پائے جانے سے ان واقعات میں جو الجھنیں اور جو خفا پیدا ہو گئے تھے، اُن کو یہ کھول کر بیان کرتی ہے۔ نیز یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانے۔

تعارف سُورۃ الرَّعد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِس سورۂ مبارکہ کا نام ''الرعد'' ہے کیونکہ اس کی ایک آیت میں یہ کلمہ مستعمل ہے یُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِہٖ۔(1)

اس کی آیات کی تعداد تینتالیس ہے۔ یہ ۸۵۵ کلمات اور ۳۵۰۶ حروف پر مشتمل ہے۔ اس کے چھ رکوع ہیں۔

نزول: اس کا نزول مکّہ مکرّمہ میں ہوا یا مدینہ طیبہ میں؟ اِس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ خود حضرت ابنِ عباس سے دونوں قول مروی ہیں۔ آیات کا مضمون مکی سورتوں سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ کہہ اس اختلاف کو ختم کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اِس میں کئی آیتیں ایسی بھی ہیں جو مدنی ہیں۔ وَالَّذِیۡ یُجۡمَعُ بِہٖ بَیۡنَ الۡاِخۡتِلَافِ اَنَّھَا مَکِّیَّۃٌ اِلَّا آیَاتٍ مِّنۡھَا۔ (روح المعانی) (2)

مضامین: سورت کا آغاز اس بیان سے ہوا کہ قرآنِ حکیم کلامِ الٰہی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی عظمت و کبریائی، اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کو ایسی روشن اور نا قابلِ انکار تکوینی آیات سے ثابت کیا گیا ہے جن کا انکار فقط وہی بدنصیب کرسکتا ہے جس نے عقل وفہم کا چراغ بجھا دیا ہو۔ سر پر آسمان ہے جس کی رفعت اور وسعت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جاسکتا۔ پھر اس میں آفتاب و مہتاب اپنے انوار سے ہر طرف اجالا کر رہے ہیں۔ نیچے زمین کا فرش بچھا ہے۔ اس میں کہیں چشمے اُبل رہے ہیں، کہیں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے دریا بہہ رہے ہیں۔ کہیں پہاڑ ہیں جن کی برف پوش چوٹیاں آسمان سے باتیں کررہی ہیں اور جن کی وادیاں قدرت کی رنگینیوں کی جلوہ گاہ ہیں، کہیں شاداب کھیت لہلہارہے ہیں، کہیں باغات اپنے گونا گوں اشجار و اثمار کی بہار دکھا رہے ہیں۔ زمین ایک ہے پانی ایک ہے لیکن اس ایک زمین سے جو پھل پھول اُگتے ہیں وہ اپنے رنگ و بو میں، اپنے ذائقہ اور تاثیر میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ بوقلمونی اور تنوع کہاں سے آ گیا؟ کیا کوئی قلبِ سلیم اس ذاتِ پاک کا انکار کرسکتا ہے جس کی قدرت کی جلوہ طرازیاں چاروں طرف محوِ خرامِ ناز ہیں؟

اس قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ ساتھ ذرا اس کے علمِ محیط کا بھی اندازہ لگایئے۔ ظاہر و باطن میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کی اسے خبر نہ ہو۔ شکمِ مادر میں ایک قطرۂ آب کو انسان بننے تک جن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، جن تبدیلیوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے، جو نازک اور لطیف تغیّرات وہاں رُوپذیر ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی تو ایسی بات نہیں جو اس کے علم اور اس کے اذن کے بغیر رُونما ہورہی ہو۔

جس ذاتِ اقدس کی قدرت اتنی کامل، جس کی حکمت اتنی محکم اور جس کا علم اتنا محیط ہو بلاشبہ وہی اور صرف وہی معبودِ برحق ہے۔

1۔ سورۃ الرعد:13

2۔ روح المعانی، ج13،ص84، داراحیاء التراث العربی

ان براہینِ ساطعہ کے باوجود منکرینِ حق کی ہٹ دھرمی کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ وہ باطل کے اندھیروں سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ حق کا اُجالا اپنی ساری دلآویزیوں کے باوجود ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ دُعا مانگتے ہیں تو یہ عرض نہیں کرتے کہ انہیں نورِ حق کو پہچاننے اور راہِ حق پر چلنے کی سعادت نصیب ہو بلکہ عرض کرتے ہیں کہ اگر یہ سچ ہے تو اُن پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ لیکن رحمتِ خداوندی ان کی اس طفلانہ ضد پر فوراً مؤاخذہ نہیں کرتی بلکہ انہیں مزید سوچنے سمجھنے اور حق قبول کرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (1) اے محبوب! تیرا رب لوگوں کی ظلم کیشیوں کے باوصف ان سے درگزر ہی فرماتا رہتا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں میں جو ذہنی، رُوحانی اور عملی انقلاب برپا کرتا ہے اس کا ذکر بھی آیات انیس تا چوبیس میں فرمادیا اور اسلام سے بے بہرہ ہوتے ہوئے انسان کا دامن فکر وعمل جن آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے انہیں بھی آیت ۲۵ میں جامع طور پر بیان کردیا تاکہ اسلام کے انقلاب آفرین اثرات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

اگرچہ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی رشد وہدایت کا مینار ہے۔ لیکن میں قارئین کی خصوصی توجہ آیات ۱۱، ۱۷، ۲۸ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آیت ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے افراد واقوام کے عروج وزوال کا ایک اٹل قانون بیان فرما دیا ہے۔ ہر وہ شخص یا قوم جو اپنی موجودہ پستی اور ذلّت پر نالاں ہے اور عروج وبلندی کی خواہاں ہے وہ اس آیت کو بار بار پڑھے۔

قرآن سے ناواقف لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ تَنَازُعُ لِلْبَقَاءِ STRUGGLE FOR EXISTENCE اور بقائے اصلح SURVIVAL OF THE FITTEST کا نظریہ سب سے پہلے ڈارون نے پیش کیا لیکن اگر آپ آیت ۱۷ کا بغور مطالعہ فرمائیں گے تو آپ تسلیم کریں گے کہ حکمت کی انگوٹھی کا یہ قیمتی نگینہ بھی قرآن کے بحرِ حکمت کا ہی ایک چمکتا ہوا موتی ہے۔

انسان اپنی مادی اور سائنسی ترقی کے باوجود آج بے چین اور مضطرب ہے۔ اس کے فکر کے اُفق پر خوفناک اندیشوں اور کربناک تصوّرات کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ نرم وگداز صوفوں پر بیٹھ کر بھی اسے اطمینان نصیب نہیں۔ ٹیلیویژن کی سکرین پر حسنِ عریاں کی عشوہ طرازیاں اور نغموں کی پھوار بھی اس کی پیاس کو بجھا نہیں سکتی۔ دولت کے انبار بھی اس کو تسکین نہیں دے سکتے۔ اطمینانِ قلب ہی وہ جنسِ نایاب ہے جس کی انسان کو آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ قرآنِ کریم نے اپنے سادہ، دلنشین اور روح پرور انداز میں یہ بتا کر اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (آیت ۲۸) انسان کو اس متاعِ عزیز کا سُراغ بتادیا۔

آخر میں یہ فرما کر بات ختم کردی کہ اَے محبوب! میں نے تجھے رسالت کا منصب بخشا ہے اور صحیفۂ رشد وہدایت عطا فرمایا ہے تاکہ تو اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو شاہراہِ ہدایت پر گامزن کردے۔ زبان تیری ہے لیکن بات میری ہے۔ قدم تو اٹھاتا ہے توفیق میں بخشتا ہوں۔ رکاوٹوں، دشواریوں کو نظرانداز کرتے ہوئے، منکرین کے شور وغوغا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آپ اپنے فرضِ رسالت کی ادائیگی میں سرگرم رہیں۔ اگر یہ کور باطن تیری نبوت کا انکار بھی کریں تو پرواہ نہیں۔ تیری رسالت، تیری صداقت کا میں خود گواہ ہوں۔ اور وہ لوگ بھی گواہ ہیں جن کے دِل نورِ وحی سے منور ہیں۔

1۔ سورۃ الرعد: 6

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ رعد مدنی ہے اس کی آیات ۴۳ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ، اور رکوع چھ ہیں ،

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

الف لام میم را ۱ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی ۲ اور جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپکے رب کی جانب سے، وہ حق ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن اکثر لوگ (اپنی کج فہمی کے باعث) ایمان نہیں لاتے ۔ اللہ وہ (قدرت و حکمت والا) ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو

۱ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول عطاء سے یہ مروی ہے کہ یہ مخفف ہے اَنَا اللّٰهُ الْمَلِكُ الرَّحْمٰنُ کا۔ (1)

۲ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی۔ اور جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نازل فرمائے اُس کے حق ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس سچی کتاب پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجازِ بیان کے سامنے تو انہیں دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔ لیکن قرآنی دعوت کے تین بنیادی اصولوں سے انہیں اتنا شدید اختلاف تھا کہ وہ کسی قیمت پر ان کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ (۱) توحیدِ باری (۲) روزِ قیامت (۳) وحی۔ یہ بات ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی کہ ایک خدا اس وسیع و عریض کائنات کے اَن گنت مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوسکتا ہے؟ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ (2)۔ نیز قرآن کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد تمہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور قیامت کے دِن تمہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہوگا تو اس کو بھی عقل و دانش کے خلاف یقین کرتے ہوئے اس کا انکار کرتے تھے۔ وہ یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ کوئی انسان ایسا بھی ہوسکتا ہے جس پر وحی نازل ہو۔ یہ تین شبہات ان کے دل میں ایسے جڑ پکڑ چکے تھے کہ ان کی موجودگی میں آفتاب سے روشن دلائل کے سامنے بھی وہ سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ اس سورت میں انہی تین شبہات کو پُرزور طریقہ سے دُور کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت کا فہم تو انسان کے بس میں نہیں لیکن اس کی صفات کے آئینوں میں اس کی عظمت و کبریائی کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ذرا آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر تو دیکھو۔ کیا تم اس کی بلندی کا اندازہ لگا سکتے ہو؟ کیا اس کی وسعت و فراخی کا تمہاری نظریں احاطہ کرسکتی ہیں؟ کیا اس کو اتنی بلندی پر تھامنے کے لیے کوئی ستون تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔ تم تو ایک چھوٹے سے کمرے کی چھت ڈالنا چاہو تو پہلے دیواریں بناتے ہو، پھر شہتیر رکھتے ہو، ان پر درجنوں کڑیاں بچھاتے ہو، تب جا کر ایک چھت بنتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کچھ مدت کے بعد اس میں شگاف پڑنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اس پر بھی تمہیں اپنے فن اور ذہانت پر ناز ہے۔ ذرا اس کی قدرت کو دیکھو جس نے آسمانوں کو ستونوں اور سہاروں کے بغیر کھڑا کردیا ہے۔ پھر اس کی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج10، جز19، ص3 2۔ سورہ ص: 5

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

بغیر ستونوں کے (جیسے) تم انھیں دیکھ رہے ہو پھر وہ متمکن ہوا عرش پر ۳؎ اور پابند حکم بنا دیا سورج

وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ

اور چاند کو ۴؎ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی ۵؎ کھول کر بیان کرتا ہے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ

(اپنی) نشانیوں کو۔ شاید تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کر لو ۶؎ اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا زمین کو ۷؎

پختگی کا یہ عالم ہے کہ اسے بنے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال گزر گئے اور اس میں لچک تک پیدا نہیں ہوئی۔ تَرَوْنَهَا کی ضمیر کا مرجع سَمٰوٰت بھی ہو سکتے ہیں اور عَمَد بھی۔ پہلی صورت میں آیت کا ترجمہ وہ ہوگا جو درج ہے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جس نے بلند کیا آسمانوں کو ان ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ یعنی آسمانوں کو ستونوں پر تو قائم کیا گیا ہے لیکن ایسے نہیں جو تمہیں نظر آ سکیں (1)۔ اَیْ لَهَا عَمَدٌ فِی الْحَقِیْقَةِ اِلَّا اَنَّ تِلْكَ الْعَمَدَ هِیَ قُدْرَةُ اللهِ تَعَالٰی وَحِفْظُهٗ وَتَدْبِیْرُهٗ وَاِبْقَاءُهٗ اِیَّاهَا فِی الْجَوِّ الْعَالِیْ (کبیر) (2) یعنی حقیقت میں اس کے ستون ہیں، اور وہ قدرتِ ربّانی اور امرِ الٰہی ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی بلندی میں قائم ہیں۔

۳؎ یعنی کائنات کی تخلیق کے بعد اُس کی بقا اور اس کی نشوونما اور اس کی حکمرانی کی زمام اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس پر حواشی پہلے گزر چکے ہیں۔

۴؎ اگر اب بھی اطمینان نہیں ہوا تو آؤ تمہیں اس کی قدرت کا ایک اور روشن ثبوت دکھائیں۔ سورج اور چاند کو دیکھو کس طرح اپنے معینہ مداروں میں گردش کر رہے ہیں۔ مقرّرہ وقت پر طلوع ہوتے ہیں، مقررہ راستے سے گزرتے ہوئے غروب ہوتے ہیں۔ انقیاد و اطاعت کا یہ عالم ہے کہ ایک دن بھی انہوں نے چڑھنے اور ڈوبنے میں تاخیر یا عجلت نہیں کی۔ کیا مجال کہ اپنے مقررہ راستے سے بال برابر دائیں بائیں سرک سکیں۔ کوئی مشرق سے مغرب کی طرف، کوئی مغرب سے مشرق کی طرف، کوئی مائل بجنوب اور کوئی مائل بشمال ہے۔ کسی کی رفتار تیز ہے اور کسی کی رفتار سُست، لیکن نہ آپس میں ٹکراتے ہیں نہ راستہ بدلتے ہیں۔ نہ مقررہ وقت سے پہلے اپنا دورہ مکمل کرتے ہیں اور نہ پیچھے۔ خود ہی بتاؤ جس کے حکم سے یہ سب کچھ رو پذیر ہو رہا ہے اس کے علم، اس کی قدرت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟ وہ لوگ جو شمس و قمر اور دیگر اجرامِ فلکی کی پوجا کیا کرتے ہیں انہیں بھی بتا دیا کہ وہ خدا نہیں، وہ معبود نہیں بلکہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح اپنے مالک کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ علامہ راغب سَخَّرَ کا معنی لکھتے ہیں: اَلتَّسْخِیْرُ سِیَاقَةٌ اِلَی الْغَرَضِ الْمُخْتَصِّ قَهْرًا (3): کسی چیز کو قہراً و جبراً کسی مخصوص غرض کی طرف لے جانا۔

۵؎ یعنی اس جہانِ رنگ و بو اور عالمِ ہست و بود کو پیدا کرنے کے بعد وہ بے تعلق ہو کر بیٹھ نہیں رہا بلکہ وجود و عدم، حیات و موت،

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 10، جز 19، ص 5 2۔ ایضاً، (ماخوذ) 3۔ مفردات راغب، ص 402

وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ۭ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

اور بنا دیئے اس میں پہاڑ ۸ اور دریا ۹ اور ہر قسم کے پھلوں میں سے دو دو

فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جوڑے بنا دیئے ۱۰ وہ ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو ۱۱ بیشک ان تمام چیزوں میں (اس کی قدرت کی)

فقر و غنا اور جملہ شئونِ کائنات اُسی کی تدبیر سے انجام پا رہے ہیں۔ اس پر بھی حواشی گزر چکے ہیں۔

۶۔ اپنی قدرت و حکمت کی آیاتِ بینات کے ذکر کے بعد ان کے دوسرے شُبہ کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں بتایا کہ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ آسمان اور شمس و قمر اور تمام اجرامِ فلکی اس کے فرمان کے غلام ہیں۔ اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ مردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور میں پیش کر دے؟ بیان کا حُسن اور اسلوب کی دلکشی غور طلب ہے۔

۷۔ عالمِ علوی میں اپنی قدرت کے نشانات کا مشاہدہ کرانے کے بعد اب عالمِ سفلی میں اپنی قدرت کے شاہکاروں کی طرف توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے۔ اس آیت میں پانچ دلیلیں ذکر ہوئیں۔ (۱) دیکھو! سوچو، انصاف کرو اور بتاؤ زمین کا یہ وسیع و عریض فرش کس نے بچھایا ہے؟ کیا تمہارے ان بتوں نے؟ جنہیں گھڑے ہوئے ابھی صرف چند سال ہی ہوئے ہیں اور انہیں گھڑا بھی گیا تو کس پتھر سے جو اس وسیع زمین کے کسی گوشہ میں پایا گیا۔ اس آیت سے زمین کے چپٹے ہونے پر استدلال درست نہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ زمین کی کرویت دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس کی مخالفت کرنا ہٹ دھرمی ہے۔ اِنَّهٗ ثَبَتَ بِالدَّلَائِلِ اَنَّ الْاَرْضَ كُرَوِيَّةٌ فَكَيْفَ يُمْكِنُ الْمُكَابَرَةُ فِيْهِ (کبیر)(1) کیونکہ کرۂ ارضی بڑا وسیع ہے اس کو اپنی شکل میں ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اِنَّ الْاَرْضَ جِسْمٌ عَظِيْمٌ وَّ الْكُرَةُ اِذَا كَانَ فِيْ غَايَةِ الْكِبَرِ كَانَتْ كُلُّ قِطْعَةٍ مِّنْهَا تُشَاهَدُ كَالسَّطْحِ۔ یاد رہے کہ امام رازی نے یہ سطور ۶۰۱ھ میں لکھی تھیں۔ حکمائے اسلام کے نزدیک زمین کی کرویت اس وقت سے ہی محقق ہو چکی تھی۔

۸۔ دوسری دلیل: جگہ جگہ پہاڑوں کا قائم کر دینا بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی روشن دلیل ہے۔ کس طرح ان کو بلند کیا اور ایک جگہ پر انہیں مستحکم کر دیا جن میں اَن گنت معدنیات کے خزانے پیدا کر دیئے۔ کہیں سے کوئلہ نکل رہا ہے، کہیں سے لوہا، کہیں سے سونا برآمد ہو رہا ہے۔ کہیں سے تانبا، کہیں سے کچھ اور کہیں سے کچھ۔

۹۔ تیسری دلیل: پہاڑوں کے سخت پتھروں اور سنگین چٹانوں سے ہزار ہا فٹ کی بلندی پر پانی کے ایسے چشمے جاری کر دینا جن سے بڑے بڑے دریا نکلیں اور میدانی علاقوں میں جا کر لاکھوں مربع میل زمین کو سیراب کریں یقیناً یہ اس کی کبریائی کی روشن نشانی ہے۔

۱۰۔ چوتھی دلیل: پھلوں کی اقسام کا شمار آسان نہیں۔ ان میں رنگ و بو، ذائقہ اور تاثیر کا جو بے پناہ فرق ہے وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اگر آپ بیک وقت قدرت کی ان تمام نیرنگیوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں تو ایک قسم کے پھل کو ہی لیجیے۔ ایک ہی زمین ہے، ایک ہی موسم ہے اور ایک ہی چشمہ کے پانی سے آبپاشی ہوتی رہتی ہے لیکن پھر بھی ان میں یکسانیت نہیں۔ کوئی انتہائی شیریں

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج10، جز19، ص8

لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝ وَفِي الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ

نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں ۱۱ اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے

ہے، کوئی بے حد ترش، کسی کا رنگ سبز ہے، کسی کا زرد، کوئی عمدہ ہے اور کوئی ردّی۔ سوچو ان میں رنگ و بو، ذائقہ و تاثیر کا یہ تفاوت کہاں سے آیا؟ طبعی اسباب تو یکساں تھے۔ معلوم ہوا کہ ان تمام طبعی عوامل کے پیچھے کوئی اور قوت کارفرما ہے جس کا حکم سب پر غالب ہے۔ اسباب میں اثر بھی اسی نے رکھا ہے۔ اثر کا ظہور بھی اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ بھی وہی مقرر فرماتا ہے۔

زوجین سے مراد نر، مادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ جتنی جڑی بوٹیاں، فصلیں، پھل دار درخت اور بیلیں ہیں سب میں کوئی نر ہے اور کوئی مادہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسی ہوائیں مقرر کر دی ہیں جو نر پودوں سے مادۂ تولید لے کر مادہ پودوں پر ڈالتی رہتی ہیں تاکہ عملِ تلقیح انجام پذیر ہوتا رہے۔ وَاَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ (1) میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۱ پانچویں دلیل: دن کے اُجالے کے بعد رات کی تاریکی کا پھیل جانا یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ آپ خود غور فرمائیے کہ اگر لیل و نہار کا یہ تسلسل نہ ہوتا تو یہ دنیا یا تو سائبیریا سے بھی زیادہ سنسان برفستان ہوتی یا ایک چٹیل لق و دق صحرا۔ اور دونوں زندگی کی رنگینیوں سے بالکل محروم ہوتے۔

۱۲ ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ ہے بھی ایک۔ اگر یہ کائنات کسی حادثہ سے معرض وجود میں آئی ہوتی تو اس کے جمال میں یہ رعنائی اور اس کے کمال میں یہ نکھار نہ ہوتا۔ اگر کائنات کے کئی خالق ہوتے تو کائنات کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز میں جو حیرت انگیز ہم آہنگی موجود ہے وہ مفقود ہوتی۔ آسمان سے لے کر زمین تک، سورج سے لے کر ذرّہ تک، دریاؤں سے لے کر ایک معمولی جڑی بوٹی تک ایسا نظم و نسق قائم ہے گویا کسی ماہر کاریگر نے کائنات کی بظاہر ان مختلف متضاد اور بکھری ہوئی چیزوں کو ایسی لڑی میں پرو دیا ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسری کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پہاڑوں کو بنانے والا کوئی دوسرا خدا ہوتا اور میدانوں کو بنانے والا اور، تو وہ کبھی پہاڑوں سے ایسے دریا جاری نہ کرتا جن کا پانی وہاں سے بہہ کر میدانوں کو جا کر سیراب کرے۔ اگر اجرامِ فلکی اور زمین کے خالق الگ الگ ہوتے تو انہیں کیا پڑی تھیں کہ سورج چاند اور دوسرے کواکب کو اتنی مسافت پر رکھتے کہ ان سے پیدا ہونے والی حرارت اور روشنی کی صرف اتنی مقدار زمین پر پہنچے جس سے زندگی نشوونما پا سکے۔ کائنات کے تنوع میں جو وحدت، اختلاف میں یکسانیت اور ہر چیز کا دوسری چیز سے جو گہرا ربط ہے وہ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ ایک قادرِ مطلق حکیم اور ہمہ دان خدا ہی اس کا خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن یہ روشن دلائل اس قوم کے دلوں کو ہی نورِ یقین سے منور کر سکتے ہیں جو ان آیاتِ بینات میں غور و فکر کیا کرتی ہے۔ کاش! ہمارے نوجوان قرآن کی ان آیات کا صدقِ دل سے مطالعہ کریں اور ان کے تقاضوں کو دیانتداری اور دلسوزی سے پورا کریں تو بخدا! نہ صرف یہ کہ اُن کا آفتابِ اقبال نصف النہار پر چمکنے لگے بلکہ انسانوں کا منزل گم کردہ قافلہ جو وہم و گمان کے گھپ اندھیروں میں بھٹک رہا ہے اس کی آوارگی کے دن بھی ختم ہو جائیں۔ انہیں بھی وہ منزل مل جائے جو انسان کی حقیقی منزل ہے۔ یہ آیتیں ان نوجوانوں کو اور ان کی خفتہ صلاحیتوں کو سختی سے جھنجھوڑ رہی ہیں جنہیں اب یاد ہی نہیں کہ وہ اس ملّت کے فرد ہیں جسے قدرت نے خیر الامم فرمایا

1۔ سورۃ الحجر: 22

أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ

اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی

وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

پانی سے اسکے باوجود ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں ۱۳ بیشک ان میں اللہ تعالیٰ

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا

کی عظمت و کبریائی کی نشانیاں ہیں اس قوم کیلیے جو عقلمند ہو۔ اے سننے والے! اگر تو (انکے تعصب) حیران ہوتا ہے تو حیرت انگیز ان کا یہ قول بھی

كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ج

ہے کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا ۱۴ یہی (منکرین قیامت) وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار

ہے۔ اور جس کے فرائض میں اہم ترین فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس غارت گر متاع حیات کو کون بتائے کہ اے پچھلی رات تک رقص گاہوں اور سینماؤں میں دادِ عیش دینے والے تو کب لوٹے گا؟ تیرا گھر تو لٹ گیا۔ تیری ناموس تو خاک میں ملادی گئی۔ اقوامِ عالم کے قافلے ترقی کی دوڑ میں اتنے آگے نکل گئے کہ اب ان کی آوازِ جرس بھی سنائی نہیں دے رہی۔

۱۳ اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی طرف پھر متوجہ کیا جا رہا ہے۔ چشمِ خرد کھولو اور دیکھو! گوشِ ہوش وا کرو اور سنو کہ یہ تمہاری زمین ہے۔ اس کو مختلف ٹکڑوں میں تم نے تقسیم کیا ہوا ہے۔ کسی میں انگوروں کے باغات لگاتے ہو، کسی میں اناج اُگاتے ہو، کہیں کھجوروں کے نخلستان کھڑے ہیں۔ ایک ہی پانی سے ان کھیتوں اور باغات کو تم سیراب کرتے ہو۔ زمین بھی ایک، پانی بھی ایک، موسم بھی ایک۔ لیکن دیکھو ہر جگہ ہماری قدرت کے نرالے گل کھلے ہیں۔ کوئی اعلیٰ، کوئی ادنیٰ، کوئی ردّی۔ کسی کی اوسط پیداوار کچھ، کسی کی کچھ۔ کیا یہ ہمارے قادرِ مطلق ہونے کے ناقابلِ تردید دلائل نہیں۔ اگر ہماری قدرت کا دخل نہ ہوتا تو طبعی اسباب کی یک رنگی کے باعث نتائج میں بھی اسی قسم کی یکسانیت ہوتی۔ اگر عقل و خرد سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سب ہماری قدرت کی منہ بولتی براہین ہیں۔ وَ هٰذَا اَدَلُّ دَلِيْلٍ عَلٰى بُطْلَانِ الْقَوْلِ بِالطَّبْعِ اِذْ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ بِالْمَاءِ وَالتُّرَابِ وَالْفَاعِلِ لَهُ الطَّبِيْعَةُ لَمَا وَقَعَ الْاِخْتِلَافُ (1)۔ قوتِ فکر اور نعمتِ عقل کو قرآن جو اہمیت دیتا ہے اور اس کو کام میں لانے اور اُن سے صحیح صحیح فائدہ اُٹھانے کا جو چبھتا ہوا احساس دلاتا ہے وہ ان آیات سے عیاں ہے۔ تحقیق لغوی: صِنْوَانٌ کا واحد صِنْوٌ ہے۔ اس کا معنی مثل ہے جیسے حدیث شریف میں ہے عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ (2): چچا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ صِنْوَانٌ کھجوروں کے ان متعدد درختوں کو کہتے ہیں جو ایک اصل سے پھوٹے ہوں۔ هِيَ النَّخَلَاتُ وَ النَّخْلَتَانِ يَجْمَعُهُنَّ اَصْلٌ وَّاحِدٌ وَتَتَشَعَّبُ مِنْهُ رُؤُوْسٌ فَتَصِيْرُ نَخِيْلًا (قرطبی) (3)

غَيْرُ صِنْوَانٍ: اَلْمُتَفَرِّقُ (4) کھجوروں کے الگ الگ درخت۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 281 | 2۔ ایضاً، ص 282 | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

کا انکار کیا۔ اور انھیں (بدنصیبوں) کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس (آگ) میں

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ

ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور یہ تیزی سے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کا بھلائی (یعنی بخشش) سے پہلے۔ اور (ان

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ

نادانوں کو یاد نہیں کہ) گزر چکے ہیں ان سے پہلے نزولِ عذاب کے کئی واقعات [۱۶] اور (اے محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کیلیے

[۱۴] یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے ان روشن دلائل کے بعد روزِ قیامت پر ایمان نہ لانا انتہائی تعجب انگیز ہے۔ جب انہیں سمجھا دیا گیا کہ یہ جہانِ بالا و پست اس کی صفاتِ کمال کی جلوہ گاہ ہے۔ چشمِ بینا کو ہر ذرہ میں اس کی قدرت، حکمت اور علم کے حسین جلوے نظر آ رہے ہیں، تو جس کی قدرت وحکمت کی یہ شان ہو، کیا اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس نے اس دارالعمل کے بعد کوئی دارالجزاء نہ بنائی ہو۔ ایک آدمی حق کا علم ہاتھ میں اٹھائے اور ساری دنیا کی آفتیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور اس گناہ کی پاداش میں کہ وہ حق کو حق کیوں کہتا ہے اسے گھر سے نکال دیا جائے، اسے مال ومتاع سے محروم کر دیا جائے، اسے تختۂ دار پر کھینچ دیا جائے اور اس کے بعد کوئی ایسا دن نہ آئے جب اس کو اس کی حق کیشی، جراٴت مندی اور ثابت قدمی کا صلہ دیا جائے۔ دوسرا شخص قہر وظلم کی بجلی بن کر تباہی مچاتا ہے، حقوق تلف کرتا ہے، دادِ عیش دیتا ہے اور یہ باغی جب یہاں سے جائے تو کیا اس کو فراموش کر دیا جائے؟ اور اس کی عمر بھر کی بدکاریوں اور دل آزاریوں کی اسے کوئی سزا نہ دی جائے؟ ایسا ہونا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ عقلِ سلیم اس کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دنیا میں کئی تعجب انگیز باتیں ہیں لیکن اس کھلی حقیقت کا اس بے حیائی سے انکار ایک ایسا تعجب خیز امر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز حیرت انگیز اور مضحکہ خیز نہیں ہوسکتی۔

[۱۵] یعنی ان منکرینِ حق کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ اسلام کی حقانیت کے جو روشن دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان میں تو غور وفکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے البتہ منکروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب مقدر کیا ہے اس کے جلد آنے کے لیے بڑا شور مچاتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کی حقانیت کی صرف ایک دلیل اپنے ذہن میں جمائی ہوئی ہے کہ اگر وہ عذاب اُتر آیا تو یہ نبی بھی سچا اور اس کا دین بھی برحق۔ اور اگر ان کی فرمائش کے مطابق نہ اُترا اور انہیں سوچنے کی مزید مہلت دے دی گئی تو بس یہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ من گھڑت اور کھوکھلی دھمکیاں ہیں۔ وہ نادان یہ بھی نہیں سوچتے کہ اگر وہ عذاب ان پر نازل کر دیا جائے اور اس وقت اسلام اور داعیٔ اسلام کی صداقت کا یقین انہیں آ بھی جائے تو اس سے آخر انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ وہ تو تباہ وبرباد کر دیئے گئے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نادان بچوں کی طرح یہ ضد چھوڑ دو۔ ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اُٹھاؤ۔ ان دلائل وشواہد میں غور کرو اور نورِ ایمان سے اپنے سینوں کو روشن کر لو۔

[۱۶] یعنی ان سے پہلے بھی تو کئی قومیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اس قسم کی حماقت کی اور عذابِ الٰہی کے نزول کا مطالبہ کیا اور اسی

عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود ۱۷ اور بیشک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے ۱۸ اور کافر کہتے ہیں

كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ

کہ کیوں نہ اتاری گئی اُن کی طرف کوئی نشانی اُن کے رب کی طرف سے ۱۹ آپ تو (کجروی کے انجام بد سے) ڈرانیوالے ہیں

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ

اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں ۲۰ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اُٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور (جانتا ہے) جو کم کرتے ہیں

نزولِ عذاب کو نبی کی صداقت کا معیار قرار دیا۔ ہم نے ان پر ان کی بیتاب خواہش اور بے حد اصرار کے باعث جب عذاب بھیجا تو کیا وہ تباہ و برباد ہو کر نہ رہ گئے؟ یہ لوگ ان کے خوفناک انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ کیا یہ بھی بے چین ہیں کہ پہلے تباہ ہونے والوں کی روش اختیار کر کے اپنے آپ کو بھی بالکل تباہ و برباد کر کے دم لیں گے؟

اَلْمَثُلٰتُ: اَلْعُقُوْبَاتُ (1) اس کا واحد مَثُلَةٌ ہے۔ یعنی عذاب۔ علامہ راغب لکھتے ہیں: اَلْمَثُلَةُ: نِقْمَةٌ تَنْزِلُ بِالْاِنْسَانِ فَيُجْعَلُ مِثَالًا يَرْتَدِعُ بِهٖ غَيْرُهٗ وَ ذٰلِكَ كَالنَّكَالِ وَ جَمْعُهٗ مُثُلَاتٌ وَّ مَثُلَاتٌ۔ (مفردات)(2)

۱۷ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرا پروردگار تو اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیتا۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ بندے نافرمانی کرتے ہیں، قصور کرتے ہیں، کفر و شرک پر اڑے رہتے ہیں، فسق و فجور کی انتہا کرتے ہیں، لیکن وہ عفو و درگزر ہی کرتا رہتا ہے۔ اس کا شیوہ ہی کرم کرنا اور پیہم کرم کرنا ہے۔ کفّارِ مکّہ نے بھی غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگیں تھیں اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ (3) اے اللہ! اگر یہ کتاب سچی ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اصرار کے باوجود ان پر عذاب نہ اُتارا۔ بلکہ یہ فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (4) اے محبوب! تم ان کے درمیان تشریف فرما ہو۔ ان پر عذاب کیونکر اُتارا جائے؟

۱۸ لیکن جب انکار و عناد کی حد ہو جاتی ہے اور مہلت کا عرصہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر ان پر اتنا شدید عذاب آتا ہے کہ وہ نیست و نابود کر کے رکھ دیے جاتے ہیں۔ ۱۹ سینکڑوں معجزات دیکھنے کے باوجود پھر وہ یہی کہتے ہیں کہ کوئی اور معجزہ دکھایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو فرماتے ہیں کہ ان کو بتا دیجئے کہ میرا کام تمہیں اس کے عذاب سے ڈرانا تھا وہ میں نے پوری طرح کر دیا۔ میرے رب نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ تم معجزات کے لیے فرمائشیں کرتے رہو اور میں اُن کو پورا کرتا رہوں۔

۲۰ عکرمہ اور ابو ضحیٰ نے کہا کہ ھاد سے مراد حضور کی ذات ہے کہ حضور مُنْذِر بھی ہیں اور قیامت تک آنے والی سب اقوامِ عالم کے لیے راہ نما بھی ہیں (5)۔ عَنْ عِكْرِمَةَ وَ اَبِي الضُّحٰى (لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) قَالَا هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔ (ابن

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 284 2۔ مفردات راغب، ص 760 3۔ سورۃ الانفال: 32 4۔ ایضاً: 33 5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 217

الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ

رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں ۲۱ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے۔ وہ جاننے والا ہے

الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ

ہر پوشیدہ چیز کو اور ہر ظاہر چیز کو سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے ۲۲ (اس کے علم میں) سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات

الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَ سَارِبٌۢ

کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے

بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ

دن کے وقت۔ ۲۳ انسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنیوالے فرشتے ہیں اسکے آگے بھی اور اسکے پیچھے بھی ۲۴ وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی

کثیر)(1) اور اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی قومیں گزری ہیں یا اب موجود ہیں سب کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کے نائبین کو مقرر کیا کہ انہیں پیغامِ حق پہنچائیں اور شاہراہِ ہدایت پر چلنے کی دعوت دیں۔

۲۱ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کو بیان کیا جا رہا ہے کہ شکمِ مادر میں قرار پانے والے نطفہ کو اور مدتِ حمل میں جو چھوٹے بڑے، اہم اور غیر اہم تغیرات اس میں رونپذیر ہوتے ہیں۔ وہ ان سب کو جانتا ہے۔ ہر چیز کے لیے اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ہر چیز اسی کے عین مطابق معرضِ وجود میں آتی ہے۔ جو ذات تمہیں اس وقت سے جانتی ہے جبکہ تم ایک قطرۂ آب سے زیادہ کچھ نہ تھے، تو کیا اب تمہارا کوئی قول اور تمہارا کوئی ارادہ اس سے چھپارہ سکتا ہے یا اگر تم قبروں میں پڑے پڑے خاک ہو جاؤ اور تمہارے ذرّوں کو ہوا اُڑا لے جائے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے اور قیامت کے دن وہ ان سب منتشر ذرّوں کو اکٹھا کر کے زندہ کرے گا اور تم سے باز پُرس ہوگی۔

۲۲ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ کا ذکر فرمایا اَلْكَبِیْرُ الَّذِیْ كُلُّ شَیْءٍ دُوْنَهٗ اَلْمُتَعَالُ عَمَّا یَقُوْلُ الْمُشْرِكُوْنَ الْمُسْتَعْلِیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ بِقُدْرَتِهٖ وَقَهْرِهٖ (قرطبی)(2) یعنی کبیر وہ ہے جو سب سے بڑا ہو اور ہر چیز اس کے نیچے ہو اور متعال کا یہ مفہوم ہے کہ جو اپنی قدرت اور طاقت کے باعث ہر چیز پر غالب ہو۔ ۲۳ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا بیان ہے۔ یعنی وہ تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے خواہ تم بڑی رازداری سے سرگوشیاں کرو یا بلند آواز سے اظہارِ خیال کرو خواہ رات کی تاریکی کے پردہ میں تم چھپے ہوئے ہو یا دن کے اجالے میں ظاہر دکھائی دے رہے ہو، وہ تمہاری ہر بات سنتا ہے اور تمہیں ہر حال میں دیکھتا ہے۔ سَارِبٌ: ظاہر۔ اس کے علاوہ اس کا معنی اَلْمُتَوَارِیْ: یعنی سرنگوں میں چھپنے والا۔ اَلسَّارِبُ الْمُتَوَارِیْ اَیْ دَاخِلٌ سَرَبًا (قرطبی)(3)

۲۴ یعنی شکمِ مادر میں قطرۂ آب سے لے کر انسانِ کامل بننے تک جتنے تغیرات ہوئے وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے اندازے

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 501 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 289 3۔ ایضاً، ص 290

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی

بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ

پیدا نہیں کرتے ۲۵ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے ۲۶ اور نہ ہی ان کے لیے

کے مطابق ہوئے، وہ سب ہمارے علم میں ہیں۔ اسی طرح جب انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو ہمارے خدائی پہرہ دار اس کے اعمالِ نیک و بد کی نگرانی پر مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس کا ہر قول و فعل ریکارڈ کر لیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اگر وہ اپنے جرائم کو تسلیم کرنے سے انکار کرے گا تو یہ نوشتہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور پھر اس کو مجالِ انکار نہیں رہے گی۔

اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے آگے پیچھے رہتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب سے اسے بچاتے ہیں۔ ایک روز ایک آدمی حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا اور آ کر عرض کی کہ قبیلہ مراد کے چند آدمی آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں، اس لیے اپنی حفاظت کا اہتمام فرمایئے۔ اقلیمِ یقین و رضا کے فرمانروا نے فرمایا: ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں۔ جب تک وہ مقررہ گھڑی نہ آ جائے اور جب وہ ساعت آ جاتی ہے تو وہ فرشتے تقدیرِ الٰہی کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں اور موت کا مقررہ وقت ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں وقت سے پہلے کوئی داخل نہیں ہو سکتا وَاِنَّ الْاَجَلَ حِصْنٌ حَصِیْنَةٌ (1) اور بعض علماء کا ارشاد یہ ہے کہ لَهٗ کا مرجع حضور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو کفّار کی دست اندازیوں اور ان کے مکر و فریب سے حضور کی حفاظت کرتے ہیں۔ مُعَقِّبٰتٌ: لوٹ کر آنے والے۔ اَلتَّعَقُّبُ: اَلْعَوْدُ بَعْدَ الْبَدْاِ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ میں من بمعنی با یعنی بامر اللہ (2)۔ ان کی وہ حفاظت اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے ہوتی ہے۔

۲۵ عروج و ترقی، عزت و خوشحالی اور امن و عافیت کی جن نعمتوں سے کوئی قوم بہرہ ور ہوتی ہے ان سے اسے بلا وجہ محروم نہیں کر دیا جاتا بلکہ جب وہ خود اپنے اچھے اعمال کو بُرے اعمال سے، پسندیدہ خصال کو ناپسندیدہ اطوار سے، فرض شناسی، محنت اور جفاکشی کی صفات کو فرض ناشناسی، سہل انگاری اور دوں ہمتی سے بدل دیتی ہے اس وقت قدرت کا اٹل قانون اسے عزت کی بلندیوں سے ذلّت و نامرادی کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ (مِنَ الْعَافِیَةِ وَالنِّعْمَةِ) حَتّٰی یُغَیِّرُوْا (اَیِ الْقَوْمُ) مَا بِاَنْفُسِهِمْ (مِنَ الْاَحْوَالِ الْجَمِیْلَةِ بِالْاَحْوَالِ الْقَبِیْحَةِ) (مظہری)(3)

اسی طرح کسی خستہ حال قوم یا فرد کو بلا وجہ خوشحال نہیں بنا دیا جاتا، بلکہ پہلے اسے اپنی مذموم خصلتیں چھوڑنی پڑتی ہیں اور خصالِ حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کرنا پڑتا ہے، تب اس کی حالت بدلی جاتی ہے۔

۲۶ جب کوئی قوم بار بار کی نصیحتوں، ان کے بعد پیہم تنبیہوں اور سرزنشوں کے باوجود اپنی اصلاح نہیں کرتی اور اپنی اصلاح

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 92-291 2۔ ایضاً، ص 291 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 223

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے۔ وہی ہے جو تمھیں دکھاتا ہے بجلی (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی)

طَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ

امید دلانے کیلئے ۲۷ اور اٹھاتا ہے (دوشِ ہوا پر) بھاری بادل اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اس کی حمد کے ساتھ ۲۸

وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا

اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے ۲۹ پھر گراتا ہے انھیں

کے لیے جو مہلت اسے دی جاتی ہے وہ بھی غفلت میں گزار دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے اعمال کے بدلے میں کوئی سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس کو اپنے اعمال کے نتائج سے بچا نہیں سکتی۔ یہ وہ قانونِ قدرت ہے جس میں کوئی استثناء نہیں۔ وہ حقیقت ہے جو ناقابلِ تردید ہے۔ کیا اُمتِ مُسلمہ کو اپنے اعمال واطوار کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس روشن آیت کے بعد بھی کسی سمجھانے والے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر اور شواہد پیش کیے جا رہے ہیں کہ بادلوں میں جو بجلی کوندتی ہے جس کی خیرہ کُن چمک کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں بیم ورجا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، تم دل ہی دل میں ڈر بھی رہے ہوتے ہو کہ کہیں تم پر گر کر تمہیں ہلاک نہ کر دے اور خوش بھی ہو رہے ہوتے ہو کہ بارش ہوگی، کھیت اور باغات سیراب ہو جائیں گے اور تم نہال ہو جاؤ گے۔ یہ بجلی اور یہ بھاری بھرکم بادل جو اِدھر اُدھر منڈلاتے پھر رہے ہیں تمہیں معلوم ہے یہ کس نے پیدا کیے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے جس کی تخلیق کا یہ کرشمہ ہے۔ خَوْفًا اور طَمَعًا کے منصوب ہونے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ حال ہیں اور یہ بھی کہ یہ مفعول لہٗ ہیں۔ قَالَ اَبُو الْبَقَاءِ خَوْفًا وَّ طَمَعًا مَّفْعُوْلٌ مِّنْ اَجْلِهٖ (بحر)(1) سحاب: اسم جنس ہے مذکر، مؤنث، مفرد، جمع سب پر یہ استعمال ہوتا ہے۔

۲۸ یہ بجلی کی کڑک جسے سُن کر تم دہل جاتے ہو اور تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ بھی اپنی زبانِ حال سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ہر عیب اور ہر ناتوانی سے پاک ہے۔ ہر خوبی اور ہر کمال سے متصف ہے اور فرشتے بھی اسی کی پاکی اور حمد کے ترانے گا رہے ہیں۔ سب اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قوت اور مقرب سے مقرب فرشتہ اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ رعد اس کڑک کو کہتے ہیں جو بادلوں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور اس فرشتہ کا نام بھی ہے جس کے ذمہ بادلوں کی تدبیر اور انتظام ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّعْدُ مَلَكٌ اِنَّهٗ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ يَصْرِفُهٗ حَيْثُ يُؤْمَرُ (بحر)(2)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب بادل گرجے اور بجلی کڑکے تو جو شخص یہ کلمات پڑھے، اگر اس کو بجلی سے نقصان پہنچے تو اس کی دیت کا میں ذمہ دار ہوں۔ سُبْحَانَ مَنْ يُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔(3)

۲۹ اسی کے حکم سے بجلی گرتی ہے اور اسی پر جا گرتی ہے جس پر گرانا چاہتا ہے۔ لوگ بڑی بے فکری سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص374 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص223 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص298

مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳ لَهٗ

جس پر چاہتا ہے۔ اس حال میں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اسی کو

دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

پکارنا سچ ہے [30] اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا [31] وہ نہیں جواب دے سکتے انھیں کچھ بھی

موضوعِ سخن بنائے ہوتے ہیں۔ اپنے علم وفہم پر اتنے نازاں ہوتے ہیں کہ ادب واحترام کا دامن بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور جو جی میں آئے وہ زبان پر لے آتے ہیں اور اس کی بے باکی پر جب اللہ تعالیٰ کے غضب کی بجلی گرتی ہے تو ان کو خاک سیاہ بنا کے رکھ دیتی ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے شَدِيْدُ الْمِحَالِ کا معنی کیا ہے "بڑی سخت گرفت کرنے والا"۔ شَدِيْدُ الْاَخْذِ قَالَهٗ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ (1) اس آیت کی شانِ نزول میں علماء کرام نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ میں حضرت صدرالافاضل مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ خزائن العرفان سے اس کی شانِ نزول نقل کر رہا ہوں۔

"حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے ایک نہایت سرکش کافر کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے اپنے اصحاب کی ایک جماعت بھیجی۔ انہوں نے اس کو دعوت دی۔ کہنے لگا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب کون ہے جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو؟ کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا یا تانبے کا؟ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری اور انہوں نے واپس جا کر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ایسا اکفر، سیاہ دل سرکش دیکھنے میں نہیں آیا۔ حضور نے فرمایا: اس کے پاس پھر جاؤ۔ اس نے پھر وہی گفتگو کی اور اتنا اور کہا کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت قبول کر کے ایسے رب کو مان لوں جسے نہ میں نے دیکھا نہ پہچانا۔ یہ حضرات پھر واپس آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور اس کا خبث تو اور ترقی پر ہے۔ فرمایا: پھر جاؤ۔ بتعمیل ارشاد پھر گئے۔ جس وقت اس سے گفتگو کر رہے تھے، اور وہ ایسی ہی سیاہ دلی کی باتیں بک رہا تھا، ایک ابر آیا اس سے بجلی چمکی اور کڑک پیدا ہوئی اور بجلی گری اور اس کافر کو جلا دیا۔ یہ حضرات اس کے پاس بیٹھے رہے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو راہ میں انہیں اصحاب کرام کی ایک اور جماعت ملی۔ وہ کہنے لگے: کہیے وہ شخص جل گیا؟ ان حضرات نے کہا کہ آپ صاحبوں کو کیسے معلوم ہو گیا؟ انہوں نے فرمایا: سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی آئی ہے۔ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ الآیۃ۔ (خزائن العرفان) (2)

[30] آیت کا یہ حصہ غور طلب ہے۔ علامہ زمخشری نے تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الحق کا کلمہ یا تو سچ جو باطل کی نقیض ہے کے معنی میں ہوگا یا اللہ تعالیٰ کا اسم ہوگا۔ اگر حق سچ کے معنی میں ہو تو پھر دَعْوَةٌ کی یہ صفت ہوگی۔ لیکن مرکب توصیفی کی جگہ مرکب اضافی ذکر ہوا اور لغتِ عرب میں موصوف کو صفت کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے كَلِمَةُ الْحَقِّ یا مَسْجِدُ الْجَامِعِ میں ہے۔ یعنی وہ دعا جو سچی اور درست ہے جس پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور جو قبول ہوتی ہے وہ تو وہی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے کی جائے۔ وَالْمَعْنٰى اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ يُدْعٰى فَيَسْتَجِيْبُ الدَّعْوَةَ وَالدَّاعِيَ سُؤْلَهٗ (3)۔ اور اگر حق اسماء الٰہی میں سے ہو تو اس وقت معنی ہوگا دَعْوَةُ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 299 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 401-400، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، لاہور 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 376

بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ

مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہوا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف تاکہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے اور (یوں تو)

مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۴ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

پانی اسکے منہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہیں کافروں کی دعا بجز اسکے کہ وہ بھٹکتی پھرتی ہے! اور اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے

اَلْمَدْعُوُّ الْحَقُّ الَّذِيْ يَسْمَعُ فَيُجِيْبُ۔ علامہ ابوحیان نے بحر محیط میں پہلی ترکیب کو صحیح قرار دیا ہے اور وہی واضح بھی ہے۔ (1)

۳۱ جو بے جان بتوں کے پجاری ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کی محرومی اور نامرادی کو ایک بڑی دلنشین مثال دے کر واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا ایسے کنوئیں کے دہانے پر بیٹھا ہو جس کی تہ میں پانی کھڑا ہے۔ وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ پانی اوپر آجائے لیکن اس بے جان اور بے شعور پانی کو کیا خبر کہ ایک پیاسا کنوئیں کے کنارے پر بیٹھا ہوا بڑی بے تابی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے تاکہ پانی اوپر ہو جائے اور اس کے منہ میں داخل ہو کر اس کی پیاس کو دُور کر دے۔ وہ پانی نہ تو اس کی آواز سنتا ہے، نہ اسے دیکھتا ہے، نہ اس کی شدتِ تشنگی سے باخبر ہے اور نہ ہی اس میں اتنی قوت ہے کہ خود بخود نیچے سے اوپر چلا جائے۔ اور اپنے طالب کی پیاس کو بجھائے (2)۔ بس یہی حال اُن مشرکوں کا ہے جو بتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں لیکن وہ بے جان مجسّمے نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ان کی مصیبت کا انہیں کچھ احساس ہوتا ہے، نہ وہ انہیں نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا ان سے دعائیں مانگنا اور فریادیں کرنا سب بے محل اور بے معنی ہے۔ وَكَذٰلِكَ مَا يَدْعُوْنَهٗ جَمَادٌ وَّلَا يَحُسُّ بِدُعَائِهِمْ وَلَا يَسْتَطِيْعُ اِجَابَتَهُمْ وَلَا يَقْدِرُ عَلٰى نَفْعِهِمْ (بحر) (3) امام لغت ونحو ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ عرب اس شخص کیلئے جو بے فائدہ کوشش کر رہا ہے اَلْقَابِضُ عَلَى الْمَاءِ بطور ضرب المثل پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے بطور استشہاد یہ شعر لکھا ہے

وَاِنِّيْ وَاِيَّاكُمْ وَشَوْقًا اِلَيْكُمْ كَقَابِضِ مَاءٍ لَمْ تَسَعْهُ اَنَامِلُهٗ (4)

۳۲ اس لیے کافروں کی یہ چیخ وپکار سب ضائع اور بے فائدہ ہے۔ کیونکہ جو دینے پر قادر ہے اس سے وہ مانگتے نہیں اور جن سے وہ مانگتے ہیں وہ بے بس، بے جان پتھروں کے وہ مجسّمے ہیں جو کچھ نہیں دے سکتے۔ اُن کی دُعا منظور ہو تو کیسے؟

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ اگر لکڑی یا پتھر سے گھڑی ہوئی کسی مورتی سے یہ معاملہ کیا جائے تو کفر اور شرک ہے لیکن اگر کسی انسان سے جو زندہ ہے، جس کی آنکھیں ہیں وہ ان سے دیکھتا ہے، جس کے کان ہیں وہ ان سے خوب سُنتا ہے، اس سے یہ معاملہ کیا جائے تو شرک نہ ہوگا بلا شبہ وہ بھی مشرک ہوگا۔ جس طرح مشرکین ان مجسموں کو اپنا الٰہ اور معبود سمجھا کرتے تھے اگر کسی انسان کے متعلق بھی کسی کا یہ عقیدہ ہو تو وہ قطعاً مشرک ہوگا۔ جس طرح یہ خیال کر لینا بدبختی ہے اسی طرح یہ تصور کر لینا بھی حقیقت ناشناسی ہے کہ اگر کسی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندہ سے دعا کی درخواست کی جائے یا بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا جائے تو یہ بھی شرک ہو جاتا ہے۔ حضورؐ کی برکت سے توحید کا سبق ہر مومن کی لوحِ قلب پر یوں نقش ہو چکا ہے کہ وہ کسی غیرِ خدا کو اپنا معبود یا اللہ سمجھنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ اس مرقعِ ہر خوبی وزیبائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ہر کلمہ گو ہر نماز میں کئی کئی بار پورے یقین اور شرحِ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 376 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ

اور زمین میں ہے بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً۔ اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔ ۳۳ آپ (ان سے)

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

پوچھیے کون ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا؟ (خود ہی) فرمائیے اللہ ۳۴ (انہیں) کیسے کیا تم نے بنا لیے ہیں اللہ کے

دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ

سوا ایسے حمایتی جو اختیار نہیں رکھتے اپنے لیے بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا۔ (ان سے) پوچھیے

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ۬

کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور بینا یا کیا یکساں ہوتے ہیں اندھیرے اور نور ۳۵

صدر سے یہ شہادت دیتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا آقا و مولیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باایں ہمہ کمالات اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے“۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو کسی اور کے متعلق اس کے دل میں شرک کا خیال کیسے آسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ملت میں انتشار پیدا کرنے اور افراط و تفریط سے بچائے اور راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسٓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۳۳ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے مالک کے حکم کے آگے سرافگندہ ہے۔ کوئی تو وہ خوش نصیب ہیں جن کا ظاہر اور باطن، جن کا دل اور دماغ، جن کی روح اور جن کا بدن اس کی عظمت و کبریائی کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں اور جن کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ بھی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ اسی کے حکم سے اور اسی کے مقرر کیے ہوئے وقت پر یہ پیدا ہوئے اور جب اس کا حکم آئے گا انہیں اس دنیا سے اسی وقت بلاتوقف جانا پڑے گا، کوئی چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا طوق اس کے گلے میں آویزاں ہے، کسی کی مرضی ہو یا نہ ہو اس کے حکم کے سامنے ہر ایک کو گردن جھکانی پڑتی ہے۔ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَسْجُدُ بِبَدَنِهٖ طَوْعًا وَّ كُلُّ مَخْلُوْقٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِ وَ الْكَافِرِ يَسْجُدُ مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ مَخْلُوْقٌ يَّسْجُدُ دَلَالَةً وَّ حَاجَةً اِلَى الصَّانِعِ۔ (قرطبی) اَلْآصَال (م) اَصِيْلٌ۔ عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔(1)

۳۴ بے شمار دلائل اور اَن گنت شواہد کے باوجود وہ بتوں کو خدا کا شریک اور اپنا معبود بنانے سے باز نہیں آتے۔ اے میرے رسول! ان سے پوچھو آسمان و زمین کا خالق و پروردگار کون ہے؟ اگر وہ اس کا جواب دینے میں پس و پیش کریں تو آپ خود ہی فرما دیجئے ”اللہ“۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے جب یہ سوال اِن سے پوچھا تو خاموش ہو گئے۔ پھر کہنے لگے: اَجِبْ اَنْتَ۔ آپ بتائیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا: قُلِ اللّٰهُ۔ اب ان سے پوچھو کہ جب تم بھی یہ مانتے ہو کہ زمین و آسمان کی ہر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 302

أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ

کیا انھوں نے بنائے ہیں اللہ کے لیے ایسے شریک جنھوں نے کچھ پیدا کیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ۳۶ پس یوں تخلیق ان پر مشتبہ ہو گئی ہو۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ أَنْزَلَ مِنَ

فرمائیے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔ ۳۷ اس نے اُتارا

السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا

آسمان سے پانی ۳۸ پس بہنے لگیں وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق۔ تو اٹھا لیا سیلاب کی رَو نے ابھرا ہوا

رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

جھاگ۔ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور بنانے کے لیے یا دیگر سامان بنانے کے لیے

چیز کا خالق اور مالک وہی ہے تو پھر تم ان بے بس اور بے اختیار معبودوں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ جو اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور اپنے آپ کو ضرر سے نہیں بچا سکتے وہ تمہارے کس کام آئیں گے؟ (1)

۳۵ پھر ان سے پوچھا: یہ بتاؤ کیا اندھا اور بینا یکساں ہیں؟ کیا گمراہی کی ظلمتیں اور ہدایت کا نورِ تاباں ایک جیسا ہے؟ تم بڑے زیرک ہو۔ ذرا عقل سے تو کام لو۔ ۳۶ اگر کائنات کی چھوٹی بڑی، خوبصورت، بدصورت چیزوں میں سے چند چیزیں بھی ان کے بتوں نے پیدا کی ہوتیں تو پھر ان کو خدا ماننے اور ان کی عبادت کرنے کے متعلق شک ہو سکتا تھا لیکن ہر چیز کا جب وہی خالق ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود بنانے کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۷ اے میرے رسولِ مکرم! آپ پھر اعلان کر دیجئے تا کہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تخلیقِ کائنات میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ وہ واحد، یکتا ہے، رب ہونے میں بھی اور معبود ہونے میں بھی۔ بلکہ نگاہِ حقیقت آگاہ سے دیکھا جائے تو موجودِ حقیقی بھی وہی ایک ہے باقی سب موجودات اس کے وجود کے ظلال ہیں۔ اَلْمُتَوَحِّدُ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَاسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ بَلِ الْمُتَوَحِّدُ بِالْوُجُوْدِ الْمُتَأَصِّلِ لَا مَوْجُوْدَ غَيْرُهٗ اِلَّا بِوُجُوْدٍ هُوَ ظِلٌّ وُجُوْدِهٖ (مظہری) (2) اَلْقَهَّارُ: سب پر غالب ہے۔ کوئی چیز اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اَلْغَالِبُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ لَا يُقَاوِمُهٗ شَيْءٌ۔ (مظہری) (3)

۳۸ حق و باطل کا فرق ایک مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ حق کے دوام و بقاء اور باطل کے زوال و فنا کی وجہ بھی بیان کی جا رہی ہے۔ فرمایا: تم نے بار بار مشاہدہ کیا ہو گا کہ جب موسلا دھار مینہ برستا ہے تو وادیاں پانی سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ بڑی اور وسیع وادیوں میں پانی کی مقدار زیادہ اور چھوٹی اور تنگ وادیوں میں پانی کی مقدار تھوڑی ہوتی ہے۔ جب پانی تیزی سے بہتا ہے تو تم نے دیکھا ہو گا کہ سطحِ آب پر جھاگ نمودار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب زیور بنانے کے لیے تم سونا چاندی پگھلاتے ہو یا دیگر

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 28-227 2۔ ایضاً، ج 5، ص 228 3۔ ایضاً، ص 29-228

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اس میں بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے حق اور باطل کی۔ پس (بیکار) جھاگ تو

فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین میں ۳۹

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ

یونہی اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا بھلائی (ہی بھلائی)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ

ہے اور جنہوں نے نہیں مانا اس کا حکم تو اگر ان کے ملک میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور

چیزیں بنانے کے لیے تم دوسری دھاتوں کو گلاتے ہو تو اسی قسم کا جھاگ اُن پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس اُبھرے ہوئے جھاگ کے نیچے جو نتھرا ہوا پانی یا صاف پگھلی ہوئی دھاتیں ہیں یوں سمجھو کہ وہ حق ہے اور ان پر اُبھرا ہوا جھاگ یوں سمجھو کہ وہ باطل ہے۔ بظاہر تو وہ جھاگ اُوپر ہے اور پانی اس کے نیچے چھپا ہوا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد پانی کی کوئی لہر اسے اُٹھا کر کنارہ پر پھینک دے گی اور کوئی کاریگر اس میل کچیل کو نکال باہر کرے گا اور اس جھاگ اور میل کچیل کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح باطل ظاہری کرّ وفرّ کے باوجود مٹنے والا ہے۔ حادثات کی کوئی ایک ٹکر ہی اس کی مغرور گردن کو مروڑ کر رکھ دیتی ہے اور حق نتھرے ہوئے پانی کی طرح رواں دواں آگے بڑھتا ہے، باغوں اور کھیتوں کو سیراب کر کے ان کو نیا جوبن بخشتا ہے اور لاکھوں پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے۔

۳۹ اب اس راز سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے کہ حق کو بقائے دوام کیوں بخشا گیا اور باطل کے مقدر میں فنا وزوال کیوں رقم ہوا؟ بتایا ہمارا یہ اصول ہے کہ جو چیز نفع رساں ہوگی، جس سے ہماری مخلوق کو فائدہ پہنچے گا، جو بزمِ ہستی کی رونق میں افزائش کا باعث ہوگی وہ باقی رہے گی۔ اور جو چیز افادیت اور نفع رسانی کی صفت سے محروم ہوگی وہ فنا ہو جائے گی۔ قرآنِ حکیم نے چودہ صدیاں پہلے تنازع للبقاء (Struggle for existence) میں بقاءِ اصلح کا قانون (Survival of the fittest) واضح طور پر بتادیا تھا کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہے گی جو مفید اور نفع بخش ہوگی اور جب بھی کوئی چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے وہ کسی وقت کتنی عزیز اور گراں قدر کیوں نہ ہو، اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ آپ صبح سویرے اپنے باغیچہ سے خوبصورت، رنگین اور پیارے پیارے پھول چُن کر اُن کا گلدستہ بناتے ہیں اور کس شوق سے اُسے کسی گلدان میں سجاتے ہیں۔ دِن بھر انہیں دیکھ دیکھ کر کتنی تازگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں لیکن جب وہ دوسرے دن کملا جاتے ہیں، ان کی مہک ختم اور ان کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے تو اس گلدستہ کو اپنے انہیں ہاتھوں سے اُٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہی حال نظریات کا بھی ہے۔ زندگی کے وہ کسی شعبہ سے متعلق ہوں، جب تک وہ مفید نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں وہ زندہ وسلامت رہتے ہیں اور جب وہ افادیت سے محروم ہو جاتے ہیں تو انہیں بھلا دیا جاتا

ہے۔قوموں اور افراد کے لیے بھی عروج وزوال کا یہی معیار ہے۔ جب تک کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے اور ہر حادثہ اس کو نئی طاقت بخشتا ہے، ہر آزمائش اس کی قوتوں کو جلا بخشتی ہے۔ لیکن جس وقت اُس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، ان کے اخلاق گر جاتے ہیں اور اُن کا طریقۂ کار راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے تو عزت و کرامت کا جو تاج صدیوں سے اُن کے سر پر جگمگا رہا تھا وہ چپکے سے اُتار لیا جاتا ہے۔ وہ زرنگار مرصّع تخت جس پر وہ بیٹھا کرتا تھا اس کے نیچے سے از خود کھسک جاتا ہے۔ آپ قوموں کی ترقی و ادبار کا مطالعہ کریں، آپ افراد کے عروج وزوال کا جائزہ لیں ایک ہی اصول ہر جگہ آپ کو جاری و ساری نظر آئے گا۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کے لیے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، ہر قوم کو عزت و ناموری کے حصول کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے اور پھر اس حاصل کردہ عزت و ناموری کو برقرار رکھنے کے لیے شدید محنت سے کام کرنا پڑتا ہے اور یہی حال افراد کا ہے۔ ہم عروج حاصل کرنے کے لیے بڑے منصوبے بناتے ہیں، ہم بلند مناصب تک پہنچنے کے لیے بڑے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ لیکن صد حیف! وہ راستہ اختیار نہیں کرتے جو قدرت نے اس منزل تک پہنچنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور اس طرح عمر بھر ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں، تھک کر چُور ہو جاتے ہیں اور منزل ہے کہ دُور دُور ہوتی چلی جاتی ہے۔ ترقی کا خواب دیکھنے والوں، بامِ عروج پر پہنچنے کی تڑپ رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود کو نفع بخش بنائیں۔ دُکھی دلوں کا سکون بنیں تا کہ اشکبار آنکھیں ان کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ اپنے دامنِ شفقت کو حتی الامکان کشادہ کریں تا کہ مصیبت زدوں کو ان کے سایہ میں پناہ مل سکے۔ منزل چل کر خود ان کے قدموں میں آئے گی اور اقتدار کی کرسی بصد منت ان کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ جب تک بنی اسرائیل رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیے رہے اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (سورۃ البقرہ: 47) کا شرف انہیں نصیب رہا۔ جب ملّتِ اسلامیہ نے اس ذمّہ داری کو سنبھالا تو خیر الامم کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا گیا۔ اپنے عہدِ عروج میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے جہالت کے اندھیروں میں علم و عرفان کے چراغ روشن کرتے رہے۔ لق و دق صحراء مرغزاروں اور لالہ زاروں میں بدل گئے۔ ان کے اٹھارہ سالہ بچے مشرق و مغرب کے مظلوموں اور ستم زدوں کی امداد کے لیے پہنچے اور انہیں ظلم واستبداد کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔ اگر ان کے عالمِ تحقیق واجتہاد سے علم وحکمت کے گلستانوں میں تازہ پھول کھلا رہے تھے تو ان کا ایک کاشتکار اور ایک باغبان بھی اپنے ذوقِ تجدید کی تسکین کے لیے پھلوں پھولوں اور اناجوں میں عمدہ سے عمدہ قسمیں پیدا کر رہا تھا۔ ان کا طبیب اگر امراضِ جسمانی کی تشخیص میں سب سے گوئے سبقت لے گیا تھا تو ان کا صوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ جب تک اس قوم کا وجود خیر و برکت کا سرچشمہ بنا رہا اس کی پیشقدمی کو روکنے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی اور جب اس کی صلاحیتیں سہل انگاری کا شکار ہو گئیں، جب اس کا نشترِ تحقیق کند ہو گیا اور جذبہ اجتہاد ٹھنڈا پڑ گیا، جب اس کے حوصلے پست اور ولولے سرد ہو گئے، جب اس کے نوجوانوں کو شمشیر وسناں سے نفرت اور طاؤس و رباب سے پیار ہو گیا، تو پھر اَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡهَبُ جُفَآءً کے اصول کے مطابق انہیں تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ الحمراء کی دیواروں کے سایوں میں ان کے بوڑھوں اور بچوں کو بیدردی سے ذبح کر دیا گیا۔ شاہی محلات میں شہزادیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور انہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انہوں نے نو سو سال تک حکومت کی تھی نکلنا پڑا۔ یہی حال ہندوستان اور دوسری جگہوں پر ہوا۔

عزّت و کرامت کی وہ قباء زرّیں جو ان کے آباؤ اجداد نے بڑی محنت و مشقت سے حاصل کی تھی وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے اتار کر دوسروں کو دینی پڑی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ اس میں کسی قوم یا فرد کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اگر تم اپنی موجودہ حالت پر خوش نہیں ہو تو

مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَ مَاْوٰىهُمْ

اتنا ہی اور اسکے ساتھ۔ تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) اسے بطور فدیہ دیدیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنکے لیے سخت باز پرس ہوگی۔ اور اُنکا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

جہنم ہے۔ اور وہ بہت بُری قرارگاہ ہے۔ تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے

رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۹ الَّذِيْنَ

رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے ؎۴۰ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔ وہ جو

يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو ؎۴۱ اور جو لوگ جوڑتے ہیں ؎۴۲ اسے جسے

منہ بسورنے یا سرد آہیں بھرنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اپنے آپ کو بدلیے زمانہ خود بخود بدل جائیگا۔ یہی سبق ابھی ابھی قرآن نے آپ کو پڑھایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ (1) الآیۃ اور یہ بھی اب آپ کو بتا دیا گیا کہ قوم ہو یا فرد بقاء دوام اس کے لیے ہے، عزت کی بلندیاں اس کے لیے ہیں جس سے خلقِ خدا کو فائدہ ہو۔ آؤ اپنے آپ کو اس کی مخلوق کے لیے نفع رساں بنائیں، آؤ اپنی صلاحیتوں کی برتری، اپنی سیرت کی پاکیزگی، اپنے عزائم کی پختگی اور حق کے لیے جینے اور حق کے لیے مرنے کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ دنیا خود ہی آپ کو اپنی آنکھوں پر بٹھائے گی۔ اس آیت میں چند مشکل الفاظ ہیں، ان کو بھی سمجھ لیجئے۔ اَوْدِيَةٌ جمع ہے اس کا واحد وادی ہے (2)۔ زَبَدٌ: جھاگ۔ رَابِيًا رَبَا () سے ہے: بلند ہونا۔ یعنی وہ جھاگ جو سطحِ آب پر تیر رہا ہوتا ہے (3)۔ جُفَاءً: اَیْ مَا اَجْفَاهُ الْوَادِیْ اَیْ رَمٰی بِهٖ (4) "یعنی جس کو وادی نے باہر پھینک دیا"۔ جب ہانڈی میں اُبال آئے اور جھاگ کو باہر پھینک دے تو کہتے ہیں اَجْفَأَتِ الْقِدْرُ اِذَا غَلَتْ حَتّٰى يَنْصِبَ زَبَدَهَا (5)۔ اِبْتِغَاءَ حِلْيَةٍ: کی نصب یا حال ہونے کی وجہ سے ہے یا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے۔ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ، مبتداء موخر ہے اور علیہ خبر مقدم۔ ؎۴۰ یعنی قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے والا اور اس کا انکار کرنے والا یکساں نہیں ہو سکتے۔

؎۴۱ جن اولوا الالباب کا ذکر اس سے پہلی آیت پاک میں ہوا۔ ان کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ عَهْدُ اللّٰهِ سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جن کو نبھانے کا اسلام قبول کرتے وقت اس نے وعدہ کیا تھا خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے۔ انفرادی حیثیت کی حامل ہوں یا ملی حیثیت کی ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔ میثاق پختہ وعدہ خواہ وہ خدا سے ہو یا خلقِ خدا سے۔ (6)

؎۴۲ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام اُن امور پر حاوی ہے جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولِ کریم نے حکم دیا ہے۔ تمام آسمانی کتب اور تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا، ملتِ اسلامیہ کے ساتھ ہمدردی اور اس کے لیے ایثار اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ

1۔ سورۃ الرعد: 11 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 229 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 305 5۔ ایضاً
6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 231

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ

متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت

الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

حساب سے ۔ اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو۔

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

اور خرچ کرتے رہے اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں برائی کی نیکی سے

سلوک سب اس میں مندرج ہیں۔ لیکن اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، حسنِ معاملہ اور ان کی ایذا رسانی کے باوجود ان سے محبت و پیار پر خصوصی دلالت کرتی ہے اور اس کی اہمیت سے کوئی ہوشمند انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کسی خاندان کے افراد میں باہمی محبت ہوگی، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور فراخدلی کے جذبات پائے جائیں گے تو اس کے افراد رنج و غم کی گھڑیوں میں ایک دوسرے کے مونس و غمخوار ہوں گے اور فرحت و سرور کے لمحوں میں شریک ہو کر خاندان کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کا موجب ہوں گے۔ لیکن جس خاندان میں محبت کی جگہ عداوت لے لے، جب ایک عزیز اپنے عزیز کا، ایک بھائی اپنے بھائی کا بدخواہ بن جائے تو دماغ سازشی ہو جاتا ہے۔ اس کی ذہانت کوئی مفید کام کرنے کی بجائے تخریبی منصوبے بناتی ہے۔ اس خاندان کے وسائل، اس کا سرمایہ اور اس کی قوتیں اسی خاندان کی بنیادوں کو اکھیڑنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ بھائی، بھائی کو سہارا دینے کی بجائے ایسی فرصت کی تاڑ میں رہتا ہے کہ وہ اسے ایسا دھکا دے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے۔ بیدریغ روپیہ، بڑی عزیز عمریں اور بڑی نادر صلاحیتیں اسی ادھیڑ بن میں برباد ہو جاتی ہیں۔ ہادیٔ مشفق، مرشد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے اور ان کی زیادتیوں سے بھی اغماض کرنے کی بار بار تاکید فرمائی۔ چند ارشاداتِ گرامی ملاحظہ فرمایئے: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا انْقُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ (رواہ البخاری) (1)

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو صلہ رحمی کے بدلہ میں ایسا کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ اگر اس سے قطع تعلقی کی جائے تو پھر بھی وہ اس کو جوڑتا ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ (2): حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بہترین سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی اس کے بعد؟ فرمایا تیری ماں۔ پھر پوچھا: اس کے بعد؟ فرمایا: تیری ماں۔ پھر سوال کیا: اس کے بعد؟ (چوتھی مرتبہ) حضورؐ نے ارشاد فرمایا تیرا باپ۔

۳۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی، ج 2، ص 886۔ جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صلۃ الرحم، ج 2، ص 13

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب بر الوالدین، ج 2، ص 312

السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

برائی کی انھیں لوگوں کے لیے دار آخرت کی راحتیں ہیں ۴۴ (یعنی) سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، اُن کی بیویوں اور ان کی اولاد سے وہ بھی داخل ہوں گے ۴۵ اور فرشتے

يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بوجہ اسکے جو تم نے صبر کیا ۴۶

یُوَلِّیَ (رواہ مسلم) (1) یعنی حضور ؐ نے فرمایا کہ کسی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ۔ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِی الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِی الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِی الْاَثَرِ (ترمذی) (2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنا شجرہ نسب سیکھا کرو۔ تاکہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرسکو۔ صلہ رحمی کی وجہ سے خاندان میں محبت، مال میں زیادتی اور عمر میں طوالت اور ڈھیل ہے۔

۴۳ یعنی بُرائی کرنے کے بعد نیکی کرتے ہیں یا گناہ کے بعد توبہ کرتے ہیں یا یہ کہ اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اس کے بدلہ میں زیادتی نہیں کرتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ قَالَ الْحَسَنُ اِذَا حُرِمُوْا اَعْطَوْا وَاِذَا ظُلِمُوْا عَفَوْا وَاِذَا قُطِعُوْا وَصَلُوْا (3) یعنی اگر انہیں محروم کیا جاتا ہے تو وہ عطا کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ درگزر کرتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

۴۴ کسی فعل پر جو جزاء دی جاتی ہے اس کو عُقْبٰی کہتے ہیں۔ اس کا لغوی معنی پیچھے آنا ہے۔ اور کیونکہ ہر فعل کی جزا اس کے پیچھے آتی ہے اس لیے اسے عقبیٰ کہتے ہیں۔ اَعْقَبَهٗ کا معنی ہے جَازَاهُ۔ اگر جزا اچھی ہو تو اس کے لیے اَلْعُقْبَةُ، اَلْعُقْبٰی، اَلْعَاقِبَةُ کے لفظ مستعمل ہوتے ہیں۔ اور اگر جزاء بُری ہو تو اس کے لیے اَلْعُقُوْبَةُ، اَلْمُعَاقَبَةُ اور اَلْعِقَابُ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ عَاقِبَةٌ کا لفظ اگر مضاف ہو تو پھر یہ عذاب کا معنی بھی دیتا ہے۔ (4)

۴۵ وَمَنْ صَلَحَ: حضرت مولانا ثنا اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی نفیس بحث لکھی ہے۔ اس کا ذکر کرنا ناظرین کے لیے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کو بشرطیکہ وہ ایمان کی صفت سے متصف ہوں، ان کاملین کے درجات اور مقامات پر فائز فرما دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے ان درجات و مقامات کے اہل نہ ہوں۔ اور یہ عنایت محض اپنے مقبول بندوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے فرمائی جاتی ہے۔ فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِیْ دَرَجَاتِ الْكَامِلِيْنَ مَنْ لَّمْ يَبْلُغْ دَرَجَتَهُمْ وَلَمْ يَعْمَلْ مِثْلَ اَعْمَالِهِمْ مِّنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ تَطْيِيْبًا لِقُلُوْبِهِمْ وَتَعْظِيْمًا لِشَانِهِمْ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب فضل صلۃ اصدقاء الاب، ج2، ص314
2۔ جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی تعلم النسب، ج2، ص19
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص232
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص233

فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ

پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کیے ہوئے) وعدہ کو

بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَ

اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور

يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

(فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔

اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ وَفَرِحُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ

اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے (جسے چاہتا ہے) اور کفار بڑے مسرور ہیں دنیوی زندگی (کی آسودگیوں)

بِشَرْطِ اِیْمَانِھِمْ (مظہری) (1) کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نسب اور تعلق کام نہیں دیتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا سَبَبِىْ وَنَسَبِىْ (رواہ الطبرانی والحاکم والبیہقی عن عمر بسند صحیح)۔(2)

ابن عساکر نے حضرت ابن عمر سے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے: كُلُّ نَسَبٍ وَّصِهْرٍ يَّنْقَطِعُ اِلَّا نَسَبِىْ وَصِهْرِىْ (3): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سبب اور نسب کے بغیر قیامت کے دن تمام اسباب اور انساب منقطع ہو جائیں گے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اور انساب کا بھی یہ حال ہوگا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ کفّار کی قرابتیں اور ان کی دوستیاں منقطع ہو جائیں گی لیکن اہلِ ایمان کی قرابتیں اور دوستیاں باقی رہیں گی۔ کیونکہ یہ رشتہ داریاں اور دوستیاں حضورؐ کے سبب سے ہوئی ہیں۔ اور سارے مومن حضورؐ کے روحانی فرزند ہیں۔ فَكَاَنَّ الْمُرَادَ اَنَّ قَرَابَاتِ الْكُفَّارِ وَمُوَالَاتِهِمْ تَنْقَطِعُ دُوْنَ قَرَابَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمُوَالَاتِهِمْ (مظہری مختصراً) (4)

۴۶ وہ کون خوش نصیب ہیں جن کی خدمت میں فرشتے حاضر ہو کر تسلیمات و تحیات عرض کریں گے؟ وہ لوگ جو ساری عمر نفس کو گناہوں سے بچانے اور نیکی اور اطاعت پر مداومت کرنے میں کوشاں رہے، جو دنیا کی لذتوں اور عیش و طرب سے زندگی بھر کنارہ کش رہے۔ حضرت سیّدنا امام زین العابدینؓ سے مروی ہے کہ روزِ حشر اعلان کیا جائے گا کہ اہلِ صبر و استقامت حاضر ہوں۔ کچھ لوگ حاضر ہوں گے۔ انہیں حکم ملے گا جاؤ جنّت میں چلے جاؤ۔ راستہ میں ان سے فرشتے پوچھیں گے کہاں جا رہے ہو وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ فرشتے کہیں گے کیا حساب سے بھی پہلے؟ وہ جواب دیں گے جی ہاں! پوچھا جائے گا تم کون ہو؟ وہ بتائیں گے ہم اہلِ صبر

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 34-233 2۔ ایضاً، ص 233۔ سنن کبریٰ از بیہقی، باب ماجاء انکاح الاباء الابکار، ج 7، ص 114، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 234۔ کنز العمال، ج 11، ص 409، رقم الحدیث 31915 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 234

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) نہیں ہے دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر متاعِ حقیر۔ اور کفار کہتے ہیں (کہ اگر یہ سچے نبی ہیں) تو

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

کیوں نہ اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے ۴۸ آپ فرمائیے (نشانیاں تو بہت ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ

جسے چاہتا ہے اور رہنمائی فرماتا ہے اپنی (بارگاہِ قرب کی) طرف جو صدق دل سے رجوع کرتا ہے ۴۹ (یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے

قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ

ہیں جن کے دل ذکرِ الٰہی سے ۵۰ خوب سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو

ہیں۔ فرشتے استفسار کریں گے کہ تمہارے صبر کی حقیقت کیا تھی؟ تو وہ فرمائیں گے صَبَرْنَا اَنْفُسَنَا عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ وَصَبَرْنَاهَا عَنْ مَّعَاصِی اللّٰهِ وَصَبَرْنَاهَا عَلَی الْبَلَاءِ وَالْمِحَنِ فِی الدُّنْیَا۔ قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْاِمَامِ حُسَیْنٍ فَتَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْنَ۔ (1) ہم نے اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رکھا اور اس کی نافرمانی سے ان کو بچایا اور دنیا کے مصائب و آلام پر صبر سے کام لیا تو فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ، نیک عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ غزوۂ اُحد کے بعد ہر سال کی ابتدا میں شہداء اُحد کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور جب اس وادی کے دہانہ پر پہنچتے تو فرماتے: سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾۔ (اے پیکرانِ صبر و وفا صبر کے بدلے جس کا مظاہرہ تم نے اُحد کے میدان میں کیا، تم پر اللہ تعالیٰ کے سلام ہوں۔ کتنا اچھا بدلہ ہے جو تمہیں عطا فرمایا گیا) ثُمَّ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ بَعْدَ النَّبِیِّ یَفْعَلُهٗ وَكَانَ عُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَكْرٍ یَّفْعَلُهٗ وَكَانَ عُثْمَانُ بَعْدَ عُمَرَ یَفْعَلُهٗ۔ (قرطبی) (2) "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر ہر سال جایا کرتے۔ ان کے بعد حضرت عمر ان کے بعد حضرت عثمان جایا کرتے"۔ اولیاء کرام کے اعراس اور مزارات پر حاضری کی یہ روشن دلیل ہے۔

۴۷ رزق کی زیادتی اور تنگی، حق و باطل کا کوئی معیار نہیں۔ اس دار الامتحان میں ایک کافر کے پاس بھی زر و سیم کے خزانے ہو سکتے ہیں اور مردِ مومن تنگ دست ہو سکتے ہیں۔ (3) ۴۸ کفار کا یہی وطیرہ تھا بار بار نئے معجزہ کی فرمائش کرتے اور اتنی سنجیدگی سے کہ گویا یہ پہلی بار معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ انہوں نے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا اور نہ انہیں کوئی دکھایا گیا۔

۴۹ اس سے پیشتر تمہیں کئی معجزات دکھائے گئے لیکن ہدایت تمہارے مقدر میں نہ تھی۔ کیونکہ یہ کوئی ایسی حقیر اور ارزاں چیز تو ہے نہیں کہ تم منہ اُٹھائے اِدھر اُدھر بھاگتے رہو اور تمہاری منتیں کی جائیں کہ از راہِ نوازش یہ ہدایت ہے اسے جھولی میں ڈال لو، بلکہ یہ تو وہ گوہرِ نایاب ہے کہ صرف انہیں کو عطا کیا جاتا ہے جن کے دلوں میں اس کی سچی طلب ہو۔ تم اس قابل ہی نہیں کہ یہ گلِ رعنا تمہاری دستار کی زینت بنایا جائے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 312　2۔ ایضاً، ص 313۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 96　3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 314

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

ایمان بھی لائے اور عمل (بھی) نیک کیے مژدہ ہو ان کیلئے ۵۱ اور (انہی کے لیے) اچھا انجام ہے۔ اسی طرح ہم نے آپ کو

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ

رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں انھیں وہ (کلام)

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ

جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا ۵۲ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر ہی میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی جناب میں رجوع کیے ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا ۵۳ جسکے

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ

ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعہ بات کی جا سکتی

۵۰ جب تک دل میں شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا اور جب یقین کا اجالا ہوتا ہے تو سارے اضطراب ختم اور ساری بے چینیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے ہی دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس سے شبہات کے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں۔ یہی وہ غذا ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے اور انسان میں نیکی کی مضمر صلاحیتیں نشو ونما پاتی ہیں اور جوان ہوتی ہیں۔ اسی سے انسان میں وہ جلال اور وہ قوت نمودار ہوتی ہے جس سے شیطان پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور اس کے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ دنیا کی ساری نعمتوں میں سے اطمینانِ قلب سب سے عظیم نعمت ہے۔ دولت، عزّت، صحت اور کثرتِ اولاد کے باوجود بھی روح کو سکون اور دل کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ آبِ حیات ہے کہ جس سے سیر کام ہونے والا پھر کبھی تشنگی، کوئی خلجان اور کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا۔ وہ تختۂ دار پر بھی، وہ آتش کدۂ نمرود میں بھی مسکراتا ہے۔ اَوِ الْمَعْنٰى اَنَّ الْقُلُوْبَ الصَّافِيَةَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّمَا قُوَّتُهُمْ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِذَا ذَكَرُوا اللّٰهَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ اُنْسًا بِهٖ تَعَالٰى كَاطْمِيْنَانِ السَّمَكِ فِى الْمَاءِ۔ (مظہری)(1) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حالت صوفیائے کرام کے نزدیک وجدانیات میں سے ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد صوفیائے کرام ہی ہیں: وَهٰذِهِ الْحَالَةُ بَدِيْهِيَّةٌ مِّنَ الْوِجْدَانِيَّاتِ لِخُدَّامِ الصُّوْفِيَّةِ الْعَلِيَّةِ فَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُمُ الصُّوْفِيَّةُ۔(2)

۵۱ طوبیٰ مصدر ہے بشریٰ اور زلفیٰ کے وزن پر۔ یہ طاب () سے ہے۔ حضرت ابنِ عباس نے اس کا معنی فرمایا ہے: فَرَحٌ لَّهُمْ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 236 2۔ ایضاً

لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَا۟يْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ

(یہ قدرت سے بعید نہ تھا بلکہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں) ۵۴ (بایں ہمہ وہ ایمان نہ لاتے) کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو

لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ

سب لوگوں کو ہدایت دیدیتا۔ ۵۵ اور کفار اسی حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہیگا انھیں (آئے دن) اپنے

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ

کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ یا اترتی رہیگی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گردونواح میں یہاں تک کہ آجائے

وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ

اللہ کے عذاب (کے ظہور کا دن) بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ ۵۶ اور بیشک تمسخر اڑایا گیا رسولوں کا

ع ۱۰/۵

مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ

جو آپ سے پہلے گزرے پس میں نے ڈھیل دی کافروں کو (کچھ عرصہ تک) پھر میں نے پکڑ لیا انھیں۔ تو (دیکھو) کیسا (بھیانک) تھا

كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

میرا عذاب۔ کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ ۵۷

وَقُرَّةُ عَيْنٍ: دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک (1)۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے۔(2)

۵۲ ابو جہل نے ایک دن سُنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے قریب کھڑے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں یا اللہ! یا رحمٰن! وہ جاہل دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا: آؤ تمہیں ایک عجیب بات سناؤں کہ اب محمدؐ نے بھی دو خداؤں (اللہ۔ رحمٰن) کی عبادت شروع کردی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضورؐ نے کفار کو فرمایا اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہنے لگے مَا الرَّحْمٰنُ: رحمن کون ہے؟(3)

۵۳ ایک روز ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے حضورؐ کی خدمت میں چند مطالبات پیش کیے کہ اگر مکہ کے پہاڑ دور ہٹ جائیں اور ہماری کھیتی باڑی کے لیے زمین فراخ ہو جائے نیز اس میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں اور قصیّ (جدّ اعلیٰ) قبر سے زندہ ہو جائے اور ہم بھی دوشِ ہوا پر سوار ہو کر شام و یمن میں تجارت کے لیے آیا جایا کریں تو پھر ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو یہ ہٹ دھرم پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور یہی کہہ دیں گے بڑا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص 237 2۔ مسند امام احمد، ج4، ص 183 3۔ معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل المعروف تفسیر بغوی از ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی، متوفی 510ھ، ج3، ص 356، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوهُمْ ۗ اَمْ تُنَبِّئُونَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

(انکے بتوں جیسا ہے؟ ہرگز نہیں) اور ان مشرکین نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے شریک۔ فرمائیے ذرا نام تو لو ان کا۔ (نادانو!) کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ

الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کو ایسی بات سے جسے وہ (ہمہ دان) ساری زمین میں نہیں جانتا یا یونہی یاوہ گوئی کر رہے ہو۔ بلکہ آراستہ کر دیا گیا ہے کافروں کے لیے ان کا

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مکر و فریب ۵۳ اور روک دیئے گئے ہیں راہِ راست سے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ ہونے دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا

مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

نہیں۔ ان (بدبختوں) کے لیے عذاب ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بڑا

اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

سخت ہوگا۔ اور نہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ اس جنّت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں

زبردست جادوگر ہے۔ اس شرط کی جزا محذوف ہے۔ لَمَا اٰمَنُوْا (1)۔ اور دوسری آیت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا۔ ۶:۱۱۱ (2)

۵۴ یعنی یہ امور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں۔ اگر وہ چاہے تو آنِ واحد میں یہ سب کچھ ظہور پذیر ہو جائے۔ لیکن جب ایمان لانا ان کے مقدر میں ہی نہیں تو پھر ان کے مطالبات پُورا کرنے کا کیا فائدہ؟ ۵۵ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ الخ بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا اچھا ہوتا کہ اگر ان کے یہ مطالبات بھی پورے کر دیئے جاتے اور یہ اسلام قبول کر لیتے۔ انہیں اس خیال سے باز رہنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اب ان سے یہ توقع نہ رکھو۔ عام علماء نے تو يَايْـَٔسِ کا ترجمہ مایوس ہونا کیا ہے۔ یعنی کیا مسلمان ان معاندین کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے؟ لیکن حضرات ابنِ عباس، مجاہد اور حسن سے اس کا ترجمہ "اَفَلَمْ يَعْلَمُوْا" کیا انہوں نے نہیں جانا، مروی ہے۔ علامہ قرطبی نے اس پر کئی اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ ان میں سے رباح بن عدی کا یہ شعر ہے:

اَلَمْ يَيْـَٔسِ الْاَقْوَامُ اَنِّيْ اَنَا ابْنُهٗ   وَاِنْ كُنْتُ عَنْ اَرْضِ الْعَشِيْرَةِ نَائِيَا

یعنی کیا "انہیں معلوم نہیں کہ میں اس کا بیٹا ہوں اگرچہ میں قبیلہ کی سرزمین سے دور ہوں"۔ فرّا نے کلبی سے يَيْـَٔسْ بمعنی "يَعْلَمُ" نقل کیا ہے اور جوہری نے صحاح میں یہی لکھا ہے۔ قَالَ الْفَرَّاءُ قَالَ الْكَلْبِيُّ يَيْـَٔسْ بِمَعْنٰى يَعْلَم...... وَقَالَهُ الْجَوْهَرِيُّ فِي الصِّحَاحِ۔ (قرطبی) (3)

۵۶ یعنی انہیں وقتاً فوقتاً طرح طرح کے مصائب و آفات سے دوچار کیا جائے گا۔ اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 40-239   2۔ سورۃ الانعام: 111   3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 20-319

الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ

سے کیا گیا ہے ایسی ہے کہ رواں ہیں اس کے نیچے ندیاں۔ اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے ۵۹ اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا

عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ۝۳۵ وَ الَّذِیْنَ

یہ انجام ہے اُن کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے۔ اور جنھیں ہم نے

اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ

کتاب عطا فرمائی وہ خوش ہو رہے ہیں اس کتاب پر جو نازل کی گئی آپ کی طرف اور ان لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بعض

مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ

قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ ۶۰ فرما دیجئے (مجھے تمہاری مخالفت کی پرواہ نہیں) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں

بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤں۔ اسی کیطرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کیطرف سب کو لوٹنا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اسے فیصلہ عربی زبان

عَرَبِیًّا ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

میں۔ اور اگر تم پیروی کرو ان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آچکا تمہارے پاس صحیح علم تو

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ۝۳۷ؒ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

نہیں ہو گا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددگار اور نہ کوئی محافظ۔ اور بیشک ہم نے بھیجے کئی رسول

ع ۵ / ۱۱

ہو کر رہے گا۔ ۵۷ یہاں قائم کا معنی کھڑا ہونے والا نہیں بلکہ اس کا معنی نگران اور نگہبان ہے۔ رَقِیْبٌ عَلَیْهِ (مظہری) (1) اس کا دوسرا معنی عالم بھی کیا گیا ہے جیسے اس شعر میں قائم بمعنی عالم ہے۔

فَلَوْلَا رِجَالٌ مِّنْ قُرَیْشٍ اَعِزَّةٌ سَرَقْتُمْ ثِیَابَ الْبَیْتِ وَاللّٰهُ قَائِمُ

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر قریش کے سرداروں کا تمہیں خوف نہ ہوتا تو تم بیت اللہ شریف کا غلاف بھی چرا لیتے''۔ اس کا جواب محذوف ہے اور جملہ کا مفہوم یہ ہے اَفَمَنْ هُوَ حَافِظٌ لَّا یَغْفُلُ كَمَنْ یَّغْفُلُ (2) یعنی کیا وہ جو ہر چیز کا نگران ہے اسے آپ اُس جیسا سمجھتے ہیں جو بالکل بے خبر ہے؟ ظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ: مَعْنَاهُ بِبَاطِلٍ مِّنَ الْقَوْلِ (قرطبی، مظہری) یعنی بیہودہ بات۔ آیت کا مقصد

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 242
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 322

مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

آپ سے پہلے ۶۱ اور بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ممکن کسی رسول کے لیے

اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۞ يَمْحُوا اللّٰهُ

کہ وہ لے آئے کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ۶۲ ہر میعاد کے لیے ایک نوشتہ ہے۔ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ

مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۞ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ

جو چاہتا ہے۔ اور باقی رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) ۶۳ اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب ۶۴ اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب)

یہ ہے کہ وہ ذات جو کائنات کی ہر چیز کی نگہبان ہے کیا تمہارے بت جو محض بے خبر اور بے بس ہیں اس کی طرح ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ذرا ان کا نام بتاؤ جن کو تم نے میرا شریک بنایا ہوا ہے۔ یہی لات ومنات کا نام پیش کرو گے تو یہ اندھے بہرے مجسّمے کبھی خدا ہو سکتے ہیں؟ کچھ تو عقل سے کام لو۔ اگر اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو آخر اسے بھی تو اس کی خبر ہوتی۔ اس ہمہ دان اور ہمہ بین کو تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے، تم نے یہ شریک کہاں سے ڈھونڈ لیے؟

۵۸ اسلام کے خلاف ان کی سازشوں اور شمعِ توحید کو بجھانے کے لیے ان کی کوششوں کو شیطان نے آراستہ اور مزین کر کے ان کے سامنے پیش کیا۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شمعِ توحید کو گل کرنے کی جو کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے وہ اپنی اپنے خاندان، قوم اور تمام نوعِ انسانی کی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور نتائج کے لحاظ سے ان کی یہ کاوشیں بڑی فائدہ مند ہوں گی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی تباہی اور گمراہی کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ اور اُن کی شومئ اعمال کی وجہ سے ہدایت کا رستہ ہی ان پر بند ہو گیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔

۵۹ وہاں کی سب نعمتیں ابدی ہیں، انہیں زوال نہیں۔ ۶۰ یعنی قرآنِ کریم کے جو احکام ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے، ان کی مصلحتوں سے ٹکراتے ہیں یا اُن پر عمل کرنے میں انہیں جسمانی مشقت اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے وہ ایسے احکام کو قبول نہیں کرتے خواہ وہ سراپا حق ہوں۔ وَهُوَ مَا يُخَالِفُ اَهْوَاءَهُمْ (مظہری) (1)

۶۱ کفار اور اہل کتاب یہ اعتراض کیا کرتے کہ ان کی بیویاں ہیں، ان کا بال بچہ ہے۔ یہ چیزیں کسی نبی کو زیب نہیں دیتیں۔ یہ تو ہم دنیاداروں کے کام ہیں۔ جو نبی ہو اس کو ان علائق سے کیا واسطہ؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے محبوب سے پہلے بھی نبی آئے جن کو تم بھی نبی تسلیم کرتے ہو۔ کیا اُن کی بیویاں نہ تھیں؟ کیا ان کی اولاد نہ تھی؟ جب ان کو اس کے باوجود تم نبی مانتے ہو تو انہیں نبی تسلیم کرنے سے تمہیں کیونکر انکار ہو سکتا ہے؟ ۶۲ رسول اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن سے معجزہ دکھاتے ہیں۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 243

۶۳؎ قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے پر مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا تھا کہ اس میں کئی احکام ان احکام کے خلاف ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر یہ قرآن منزل من اللہ ہوتا تو اس میں ایسا کوئی حکم نہ ہوتا جو کسی سابقہ حکم کو منسوخ کرتا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بھلائی اور نفع کو بہتر جانتا ہے۔ جب تک پہلے احکام لوگوں کی فلاح وترقی کے ضامن تھے انہیں باقی رکھا گیا اور جب حالات کے بدلنے سے ان کی افادیت ختم ہوگئی تو ان کی جگہ ایسے احکام نازل فرمائے جو موجودہ حالات میں انسانی معاشرہ کے لیے باعثِ خیر وبرکت ہوسکتے تھے۔ یہ حکیمانہ ردّوبدل قابلِ اعتراض نہیں۔ قابلِ اعتراض تو یہ بات ہوتی کہ اگر ان احکام کو جوں کا توں باقی رہنے دیا جاتا جن کی افادیت اب ختم ہوچکی تھی اور اب وہ انسانیت کی ترقی میں حائل ہورہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ لوحِ محفوظ میں جو لکھا گیا ہے اس میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے محو کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ يَعْنِيْ مِمَّا كَانَ فِي اللَّوْحِ (ابن کثیر، مظہری وغیرہ) (1) اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں (۱) معلق (۲) مُبرم۔ تقدیر معلق اسے کہتے ہیں جس کے وقوع پذیر ہونے کو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہو کہ اگر یہ شرط پائی گئی تو یہ چیز پائی جائے گی اور اگر نہ پائی گئی تو نہ پائی جائے گی۔ کبھی اس تعلیق کا ذکر لوح میں درج ہوتا ہے اور کبھی صرف علمِ الٰہی میں۔ لوحِ محفوظ میں اس کا ذکر نہیں ہوتا۔ اور تقدیر مبرم وہ ہے جس کے متعلق اٹل فیصلہ ہوچکا ہوتا ہے اس میں ردّوبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ وَ ذٰلِكَ الْقَضَاءُ لَا يُرَدُّ (2)۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو حضور ؐ نے ارشاد فرمایا: لَأُقِرَّنَّ عَيْنَكَ بِتَفْسِيْرِهَا وَلَأُقِرَّنَّ عَيْنَ أُمَّتِيْ بَعْدِيْ بِتَفْسِيْرِهَا الصَّدَقَةُ عَلٰى وَجْهِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَ اصْطِنَاعُ الْمَعْرُوْفِ مُحَوِّلُ الشِّقَاءِ سَعَادَةً وَّيَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ وَيَقِيْ مَصَارِعَ السُّوْءِ (روح المعانی) (3) یعنی ''میں اس آیت کی تفسیر سے (اے علی!) تیری آنکھ بھی ٹھنڈی کروں گا اور اپنی امت کی آنکھ بھی ٹھنڈی کروں گا۔ صدقہ کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا، ماں باپ کے ساتھ مہربانی کرنا، اور بھلائی کرنا ایسے اعمال ہیں جو بدبختی کو نیک بختی سے بدل دیتے ہیں۔ عمر میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں اور بُرے انجاموں سے بچاتے ہیں'' اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَ اَنْ يُّنْسَأَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (4) کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق اس کے لیے کشادہ کیا جائے یا اس کی موت کو مؤخر کیا جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے یہ حدیث نقل کی ہے: عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ (5) ''حضرت ثوبان نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو اس کے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کردیا جاتا ہے۔ اور تقدیر کو دعا بدل دیتی ہے اور نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کعبہ کا طواف کررہے تھے اور زاروقطار رو رو کر یہ التجا کررہے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِيْ فِيْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَاَثْبِتْنِيْ فِيْهَا وَاِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً اَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ وَاَثْبِتْنِيْ فِيْ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَالْمَغْفِرَةِ فَاِنَّكَ تَمْحُوْ مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتَابِ (ابن کثیر) (6)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 245۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 520
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 245
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 171۔ درمنثور، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 123
4۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلة الرحم، ج 2، ص 885
5۔ مسند احمد، ج 5، ص 277
6۔ تفسیر ابن کثیر، ج 2، ص 519۔ تفسیر طبری، ج 13، ص 113

بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

جس کی ہم نے کفار کو دھمکی دی ہے (تو ہماری مرضی) یا ہم (پہلے ہی) اٹھا لیں آپ کو (تو ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

ہے اور یہ ہمارا ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں ۶۵ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم (انکے مقبوضہ) علاقہ کو ہر طرف سے (رفتہ رفتہ)

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ

کم کر رہے ہیں۔ ۶۶ اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ کوئی نہیں رد و بدل کر سکتا اسکے حکم میں۔ اور وہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ

لینے والا ہے۔ اور مکاریاں کرتے رہے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان سب کو مکر کی

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى

سزا دینا ۶۷ وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر شخص اور عنقریب کفار بھی جان لیں گے کہ وار آخرت (کی ابدی مسرتیں) کس

"اے اللہ! اگر تو نے مجھے سعادت مندوں کے زُمرہ میں لکھا ہے تو مجھے اسی زُمرہ میں رہنے دے اور اگر تو نے مجھ پر شقاوت لکھی ہے تو اسے مجھ سے مٹا دے اور اہلِ سعادت اور مغفرت کی فہرست میں میرا نام ثبت کر دے کہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثبت کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ام الکتاب تیرے پاس ہے"۔ حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ عرضِ خدمت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہِ کشف سے دیکھا کہ آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے استاد ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر شقی (بدبخت) لکھا ہوا ہے۔ آپ نے اس کا تذکرہ اپنے دونوں بچوں سے کیا۔ ان دونوں نے گزارش کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ میں نے لوحِ محفوظ میں دیکھا کہ یہ قضائے مبرم ہے۔ اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ بچوں نے پھر بھی دعا کے لیے اصرار کیا۔ آپ کو یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اللہ اسرارہ نے فرمایا کہ اِنَّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ اَيْضًا يُرَدُّ بِدَعْوَتِيْ کہ قضاء مبرم بھی میری دعا سے بدل جاتی ہے تو میں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی: اَللّٰهُمَّ رَحْمَتُكَ وَاسِعَةٌ وَفَضْلُكَ غَيْرُ مُقْتَصِرٍ عَلٰى اَحَدٍ اَرْجُوْكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَمِيْمِ اَنْ تُجِيْبَ دَعْوَتِيْ فِيْ مَحْوِ كِتَابِ الشَّقَاءِ مِنْ نَّاصِيَةِ مُلَّا طَاهِرٍ وَاِثْبَاتِ السَّعَادَةِ مَقَامَهٗ كَمَا اَجَبْتَ دَعْوَةَ سَيِّدِ السَّنَدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ "اے اللہ! تیری رحمت بڑی وسیع ہے، تیرا فضل کسی ایک پر بند نہیں۔ میں

الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

کے لیے ہیں۔ اور کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ فرمائیے (میری رسالت پر) اللہ تعالیٰ بطور

شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان ۶۸ اور وہ لوگ (بطور گواہ کافی ہیں) جن کے پاس کتاب کا علم ہے۔

امیدوار ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ اپنے فضلِ عمیم سے میری اس التجا کو قبول فرما۔ ملا طاہر کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ ثبت فرما۔ جس طرح تو نے حضرت غوث الاعظم کی دعا قبول فرمائی تھی"۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا دیا گیا، سعید کا لفظ لکھا گیا۔ (1)

حضرت علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ قضائے مبرم سے یہاں وہ قضا مراد ہے جو لوحِ محفوظ میں کسی امر سے معلق نہ تھی بلکہ شکل مبرم تھی لیکن علمِ الٰہی میں وہ قضائے معلق تھی (2) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اَمْثَالِهٖ وَاَفَاضَ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِهِمْ وَفُيُوْضِهِمْ۔

۶۴ ام الکتاب سے مراد علمِ الٰہی ہے جس میں کوئی تغیر ممکن نہیں، کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ (3)

۶۵ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کفر کو شکست فاش ہوگی۔ کفار کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ حق کا بول بالا ہوگا۔ ہر طرف توحید کا نور پھیلے گا۔ کوہ و دمن، بحر و بر، آبادیوں اور صحراؤں پر اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہوگا۔ ان میں سے کچھ آپ کی اس حیاتِ ظاہری میں وقوع پذیر ہوگا اور کچھ بعد میں رونما ہوگا۔ آپ ان کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور بدزبانیوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ حق کا پیغام پہنچا دینا آپ کے ذمہ ہے اور ان سے باز پرس کرنا ہمارا کام ہے۔

۶۶ یعنی یہ وسیع و عریض زمین جہاں آج کفر و شرک کا اندھیرا چھایا ہوا ہے یہاں اسلام کا آفتاب ضوفشانی کرے گا اور کفر کا اندھیرا سکڑتا اور سمٹتا جائے گا۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگا تو باطل کی طاغوتی قوتوں کے قبضہ سے ان کے ملک نکل جائیں گے۔ اَكْثَرُ الْمُفَسِّرِيْنَ عَلٰى اَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ فَتْحُ دِيَارِ الشِّرْكِ (مظہری) (4) قَالَ مُجَاهِدٌ اَيْضًا وَقَتَادَةُ وَالْحَسَنُ هُوَ مَا يَغْلِبُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ مِمَّا فِيْ اَيْدِي الْمُشْرِكِيْنَ۔ (قرطبی) (5)

۶۷ اس سے پہلے بھی کفر و باطل، مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہا۔ اور ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کی ہر سازش کو ناکام بنایا اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا یا۔ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا کا معنی یہی کہ ان کی چالوں کو ناکام بنانا اور اسلام دشمنی پر ان کو سزا دینا اَیْ عِنْدَ اللّٰهِ جَزَاءُ مَكْرِهِمْ (مظہری) (6) اَیْ يُجَازِيْهِمْ بِهٖ (قرطبی) (7)

۶۸ دشمنانِ حق کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اگر وہ آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تو یہ اُن کی بدبختی ہے۔ آپ کو ان کی گواہی کی حاجت نہیں۔ آپ فرمائیے میری رسالت اور صداقت کی گواہی دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ لوگ بھی میری سچائی اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص 47-246
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص329
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص248
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص 34-333
6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص249
7۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص335

میرے نبی برحق ہونے کی شہادت دے رہے ہیں جن کو اس کتابِ مقدس کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مِنْ عِنْدِہٖ سے مراد جبرئیل ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد مومن ہیں۔ ہر مومن کو کتاب کے معانی واسرار پر جتنی آگاہی ہوگی اس کی گواہی اتنی زیادہ قابلِ اعتبار ہوگی (1)۔ ان مومنین میں سرِ فہرست حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین اور باب مدینۃ العلم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج9، ص37-336

تعارف سورۂ ابراہیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اِس سورت کے چھٹے رکوع میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک ہے اِس لیے اس نام کو اس سورۂ مبارکہ کا عنوان مقرر کیا گیا۔ اس سورت میں سات رکوع، باون آیتیں، آٹھ سو اکسٹھ کلمات، تین ہزار چار سو چونتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورۂ مبارکہ مکّہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس سال میں نازل ہوئی جب کفّار نے ہر قسم کے تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اور بڑی شدّ ومدّ سے کھل کر اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ اس دعوت کو ہرگز قبول نہیں کریں گے اور برملا یہ دھمکیاں دینے لگے تھے کہ اگر تم باز نہ آئے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکّہ سے جبراً نکال دیا جائے گا۔ اپنے اس مرکزی شہر میں ہم آپ لوگوں کی موجودگی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ صرف کھوکھلی دھمکیاں ہی نہ تھیں بلکہ انہوں نے ایسے منصوبے بنانے شروع کر دیے تھے تاکہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اِن حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مکی زِندگی کے آخری دنوں کی یہ بات ہے اور انہی حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعۡلَمُ۔

مضامین: اس سورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ صحیفہ رشد وہدایت دے کر اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو گھمبیر اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں تاکہ لوگ عزیز وحمید پروردِگار کی راہ پر پورے یقین کے ساتھ گامزن ہو سکیں۔

اس کے معاً بعد یہ بتا دیا کہ منکرینِ حق گونا گوں بیماریوں کا شکار ہیں۔ انہوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی دائمی نعمتوں کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے اور اس فانی زندگی کی آسائشوں اور آرائشوں پر وارفتہ ہو گئے ہیں نیز خود بھی بادیہ ضلالت میں سرگرداں ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی حق کو قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ مزید برآں اس دینِ حق کو اس غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی رغبت ہی ختم ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کا اختصار سے ذکر کر دیا کہ وہ تورات کو لے کر آئے تاکہ لوگوں کو شاہراہِ ہدایت پر گامزن کریں۔ آپ نے اپنی احسان فراموش قوم کو اپنے ربِ کریم کے بے پایاں انعامات کی یاد دلائی اور شکریہ ادا کرنے کی ترغیب دی۔

کفّارِ مکّہ کو تنبیہ کی کہ جو رویہ تم نے اختیار کر رکھا ہے، جو سلوک تم میرے رسول کے ساتھ کر رہے ہو اسی قسم کا سلوک تم سے

1۔ درمنثور، ج4، ص130، دار الکتب العلمیہ، بیروت

پہلے کفّار نے بھی اپنے اپنے انبیاء کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے بڑی بے باکی اور ڈھٹائی سے اپنے رسولوں کو کہا تھا کہ بے شک تم دلائل کے انبار لگا دو، جس قسم کے معجزات چاہو ہمیں دکھاؤ ہم کسی قیمت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ ہم تمہیں یہاں سے جلاوطن کر دیں گے۔ اُنہوں نے بڑے گستاخانہ لہجے میں یہ بھی کہا کہ تم ہماری طرح بشر ہی تو ہو، تم پر کون سے سرخاب کے پَر لگے ہیں کہ ہم تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیں، اپنے آباء و اجداد کے نظریات و عقائد کو چھوڑ کر تمہارے بتائے ہوئے عقائد کو مان لیں۔ انبیائے کرام نے انہیں بتایا کہ ہمیں اپنے بشر ہونے کا اعتراف ہے لیکن جن خصوصی نعمتوں سے خداوندِ کریم نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے، تمہاری آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کفّار نے اپنے نبیوں کی دعوت کو ناکام بنانے اور اپنے نبیوں کو زبردستی ملک بدر کرنے کے منصوبوں پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے غضب نے انہیں مزید مہلت نہ دی۔ وہ تمام کے تمام ہلاک و برباد کر دیئے گئے۔ ان کے شاندار مکانات، حویلیاں، ان اللہ تعالیٰ کے بندوں سے آباد ہو گئیں جنہیں وہ حقیر اور کمزور سمجھا کرتے تھے۔

جس طرح کفّار کے اندازِ گفتگو میں بے باکی کا عنصر غالب ہے اسی طرح ان کی سرزنش میں قرآن کا لہجہ بھی بہت سخت ہے۔ محشر کو پیش آنے والے واقعات کا نقشہ اس تفصیل اور اثر انگیز انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی میں حق پذیری کی ادنیٰ سی صلاحیت بھی ہو تو وہ غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے روزِ حشر منکرین کی جو حالت ہو گی وہ حواس باختہ پریشان حال سر اُٹھائے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہوں گے۔ پیپ کا پانی انہیں پینے کے لیے ملے گا۔ ہر طرف سے موت انہیں اپنے نرغہ میں لیتے ہوئے محسوس ہو گی لیکن وہ مریں گے نہیں۔ اس روز قوم کے رؤسا اور ان کے فرمانبرداروں میں جو کڑوا کسیلا مکالمہ ہو گا اس کو بھی بیان کر دیا تا کہ لوگ ابھی سے اپنا محاسبہ کر لیں اور کسی ایسے شخص کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری شروع نہ کر دیں جو روزِ قیامت ان کے لیے حسرت و ندامت کا باعث ہو۔

اس کے ساتھ ہی شیطان جس کی ساری عمر وہ فرمانبرداری کرتے رہے اور وہ انہیں طرح طرح کے لالچ دیتا رہا۔ اس روز جب تمام اسرار آشکار ہوں گے تو شیطان ان لوگوں کو جو عمر بھر اس کے اشارۂ ابرو پر اپنی متاعِ ہوش و خرد کو نثار کرتے رہے، جو حوصلہ شکن جواب دے گا وہ بھی اپنے اندر ہزاروں عبرتوں کے سامان رکھتا ہے وہ صاف صاف انہیں کہہ دے گا کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ کیے وہ اس نے پورے کر دیے لیکن جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا میں اُس کو پورا نہیں کر سکتا۔ مجھے ملامت کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ میں نے تو تمہیں گمراہ کرنا تھا گمراہ کر لیا۔ یہ تمہارا کام تھا کہ اپنی عقل و خرد سے کام لیتے، اللہ تعالیٰ کے نبی کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہتے۔ اب اپنی نادانی کی سزا بھگتو اور اپنے آپ کو کوسو۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ان کی پیاری پیاری دعائیں ہیں جو انہوں نے بڑے خلوص اور نیاز سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عظمت میں پیش کیں۔ کعبہ کے شہر کے لیے، اس شہر کے مکینوں کے لیے، اپنی اولاد کی ہدایت اور رزقِ حلال کے لیے التجائیں کیں۔ ساتھ ہی عرض کیا کہ الٰہی! اس لق و دق صحرا اور اس بے آب و گیاہ بیابان میں تیرے گھر کے پڑوس میں میں نے اپنی اولاد کو اس لیے بسایا ہے کہ وہ تیری عبادت کرتے رہیں۔ الٰہی! لوگوں کے دلوں میں ان

کی محبت اور لگن پیدا کردے تا کہ وہ ان کے پاس کھچ کھچ کر چلے آئیں۔ یہ وادی جہاں سرسبزی وشادابی کا دُور دُور تک نشان نہیں، اس وادی میں رہنے والوں کو کھانے کے لیے تازہ پھل عطا فرما۔

حضرت خلیل کی ساری دعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جا کر مشاہدہ کر سکتا ہے۔

آخر میں قیامت کے روز کفار کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کو تنبیہہ کردی گئی اگر تم اس روز اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو میرے نبی کریم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑلو۔ تمہارا مکر اگرچہ اتنا زبردست ہو کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا ڈالے لیکن تم اپنے بُرے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں حق کا محافظ ہوں تمہارے سارے منصوبے اور سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عرفان اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ ابراہیم مکی ہے اس کی ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۵۲ آیتیں اور ۷ رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الف۔ لام۔ را ۱؎ یہ (عظیم الشان) کتاب ہے ۲؎ ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت وعرفان)

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ

کی طرف۔ ان کے رب کے اذن سے ۳؎ (یعنی) عزیز وحمید کے راستہ کی طرف۔ ۴؎ وہی اللہ جس کے ملک

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بربادی ہے کفار کے لیے

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

سخت عذاب کے باعث جو پسند کرتے ہیں دُنیوی زندگی کو آخرت (کی ابدی زندگی) پر

۱؎ حروفِ مقطعات ہیں۔(1)

۲؎ کتاب خبر ہے اس کا مبتدا ھذا محذوف ہے۔ اَنْزَلْنٰهُ الخ اس کی صفت ہے۔ فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو اس لیے آپ کے قلب منیر پر نازل فرمایا کہ کفر وشرک، بدعت وہواء، فسق وفجور کے اندھیروں میں انسانیت کا کارواں صدہا سال سے آوارہ وسرگرداں ہے۔ عقل کا چراغ بجھ چکا ہے۔ سابقہ انبیاء کی تعلیمات دھندلا گئی ہیں۔ ہدایت پذیری کے تمام وسائل مفقود ہو گئے ہیں۔ اے میرے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو ہدایت کا وہ نیّر تاباں عطا فرمایا جا رہا ہے جس کے مقدر میں غروب ہونا نہیں۔ آپ اُنہیں اور صدیوں سے بھٹکنے والے انسانوں کو راہِ ہدایت کی طرف لے جائیں۔

۳؎ اور آپ کا لوگوں کی راہنمائی کرنا اور چاہِ ضلالت سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اجازت ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا شرف بخشیں۔

۴؎ یہ الی النّور سے بدل ہے یعنی وہ نور کیا ہے جس کی طرف آپ راہنمائی کرتے ہیں وہ راستہ ہے عزیز وحمید کا جو سب پر غالب ہے اور جو ہر ستائش کے لائق ہے۔ کیونکہ گمراہی کی سینکڑوں صورتیں ہیں اس لیے ظلمات جمع استعمال کیا گیا اور ہدایت ایک ہی ہے اس لیے واحد کا لفظ استعمال کیا گیا۔(2)

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج2، ص522 — 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج10، جز19، ص80

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ

اور (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں راہِ خدا سے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس راہِ راست کو ٹیڑھا بنا دیں ۵ یہ لوگ

ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

بڑی دُور کی گمراہی میں ہیں۔ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ ۶

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

تاکہ وہ کھول کر بیان کرے ان کے لیے (احکامِ الٰہی کو) پس گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے ۷

۵ یعنی کوئی سلیم الطبع انسان اس پیغامِ ہدایت کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ صرف وہی لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں جو دنیوی زندگی پر فریفتہ ہیں۔ اسی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانا، اِسی میں زیادہ سے زیادہ ناموری حاصل کرنا ان کا مقصدِ وحید ہے۔ آخرت کی ابدی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اس میں سرخرو اور آبرومند ہونے کا جنہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ خود بھی راہِ حق سے گریزاں ہیں اور انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی دوسرا اس شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو۔ لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس سے دُور رہنے میں ہی اپنی عافیت یقین کرنے لگتا ہے۔

۶ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف مبعوث ہوا تو اسی قوم کی زبان میں اس پر وحی نازل کی گئی تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی رہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر جو انبیاء مبعوث ہوئے وہ کسی مخصوص قوم یا کسی مخصوص علاقہ کے لیے مبعوث ہوئے لیکن حضور کو سارے عالم کا ہادی اور مرشد بنا کر بھیجا گیا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (1) اور حضور کا ارشادِ گرامی ہے اُرْسِلَ كُلُّ نَبِيٍّ اِلٰى اُمَّتِهٖ بِلِسَانِهَا وَاَرْسَلَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى كُلِّ اَحْمَرَ وَاَسْوَدَ مِنْ خَلْقِهٖ (2) یعنی مجھے سب کی طرف بھیجا گیا۔ حکم ہوا کہ آپ اس عالمی دعوت کا آغاز اپنے خاندان سے کریں وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (3) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔ پھر آپ کو اپنی تبلیغ کے دائرہ کو اپنے شہر اور گردونواح کے علاقہ میں وسیع کرنے کا فرمان ملا۔ لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (4) اور جب یہ لوگ اس دعوت کو دل وجان سے قبول کرلیں تو پھر اس کو دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا جائے اور یہی طریقہ قابلِ عمل تھا اس لیے ضروری ہوا کہ قرآنِ کریم اس زبان میں نازل ہو جو اس دعوت کے اوّلین مخاطب لوگوں کی ہے۔

۷ جنہوں نے اس دعوت میں غور وفکر کیا اور اس کے دلائلِ صداقت کو عقلِ سلیم کی کسوٹی پر پرکھا۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی راہ کشادہ کر دی لیکن جن بدبختوں نے تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث اس دعوت میں غور وفکر کرنا ہی مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے حق کی تابانیوں کو دیکھنے سے ہی اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ ان سے ہدایت پذیری کی صلاحیتیں چھین لی گئیں اور انہیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

1۔ سورۂ سبا: 28 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 340 3۔ سورۃ الشعراء: 214 4۔ سورۃ الشوریٰ: 7

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ

اور وہی سب پر غالب، بہت دانا ہے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ

اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ

(اور انھیں حکم دیا) کہ نکالو اپنی قوم کو (گمراہی کے) اندھیروں سے (نورِ ہدایت) کی طرف ۸ اور یاد دلاؤ انھیں اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ

دن ۹ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر بہت صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے اور جب فرمایا

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت (واحسان) کو جو تم پر ہوا جب اس نے نجات دی تمھیں

اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمھارے فرزندوں کو

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمھاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمھارے رب کی طرف سے۔

ع ۱ / ۱۳

۸۔ اے حبیب! جس طرح آپ کو لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اسی طرح ہم نے موسیٰؑ کو بھی رسول بنا کر بھیجا تا کہ اپنی قوم کو گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی طرف لے جائیں۔

۹۔ عربی میں نعمتوں کو بھی ایام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ہم نے ان پر فرمائیں۔ کس طرح انہیں فرعون کے ظلم واستبداد سے رہائی دی۔ کس طرح سمندر سے انہیں سلامتی سے گزارا اور کس طرح ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کیا یا انہیں گزری ہوئی قوموں کے واقعات وحالات سنائیں تا کہ یہ نصیحت قبول کریں۔ ان واقعات میں ہر اس شخص کو جو صبر اور شکر کی صفات سے متصف ہے، ہماری قدرت کی نشانیاں نظر آئیں گی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ

اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے ربّ نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو گے تو میں مزید اضافہ کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی

اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ

(تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے[۱۱] نیز (یہ بھی) فرمایا موسیٰؑ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی

فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا

سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے[۱۲] کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ

(قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد

بَعْدِهِمْ ڛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

گزرے۔[۱۳] نہیں جانتا انھیں مگر اللہ تعالیٰ۔ لے آئے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول روشن دلیلیں

مع

[۱۰] تَاَذَّنَ وَاَذَّنَ دونوں کا معنی اَعْلَمَ ہے(1)۔ یعنی خبردار کیا، آگاہ کیا۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے منعم کے انعام کا اعتراف کرے اور پھر اس انعام کو اپنے منعم کی نافرمانی میں صرف نہ کرے۔ عارفوں کا قول ہے کہ شکر سابقہ انعامات کی زنجیر ہے اور مزید انعامات کا صیاد ہے اَلشُّكْرُ قَيْدٌ لِلْمَوْجُوْدِ وَ صَيْدٌ لِلْمَفْقُوْدِ(2)۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی اے رب كَيْفَ اَشْكُرُكَ وَ شُكْرِيْ لَكَ نِعْمَةٌ مُجَدَّدَةٌ مِنْكَ عَلَيَّ۔ یا اللہ! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔ کیونکہ توفیقِ شکر بھی تیری ایک نئی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا یَا دَاوٗدُ اَلْآنَ شَكَرْتَنِيْ: اے داؤد علیہ السلام! جب تو نے اس حقیقت کو پالیا تو اب تو نے میرا شکر ادا کیا۔(3)

[۱۱] جس طرح شکر مزید انعام واکرام کا باعث ہے اسی طرح ناشکری اور کفرانِ نعمت محرومی کا سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت، عزت، علم وغیرہا کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا سب سے بڑی ناشکری ہے۔

[۱۲] حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو بتایا کہ شکر گزار بننے میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور کفرانِ نعمت کرو گے تو خود ہی نقصان اُٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تمہاری احسان مندیوں کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری ناشکریوں کا خوف۔

[۱۳] گزشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 343 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 256

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 343۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 540

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ

پس انھوں نے (ازراہِ تمسخر) ڈال لیے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ۱۴ اور (بڑی بیباکی سے) کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ

بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی (صداقت کے بارے میں) ہم شک میں ہیں جو تذبذب میں ڈالنے والا ہے انکے پیغمبروں نے پوچھا

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ

کیا (تمھیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے ۱۵ جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جو (اتنا کریم ہے کہ) بلاتا ہے تمھیں تاکہ بخش دے تمھارے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ

گناہ اور جو (اتنا مہربان کہ پیہم نافرمانی کے باوجود) تمھیں مہلت دیتا ہے ایک مقررہ میعاد تک ان (نادانوں نے) جواب دیا نہیں ہو تم

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

مگر بشر ہماری طرح ۱۶ تم یہ چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں ان (بتوں) سے جن کی پوجا ہمارے

اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ

باپ دادا کیا کرتے تھے۔ پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل۔ کہا انھیں ان کے رسولوں نے کہ ہم

۱۴ جب ان کے انبیاء انہیں شرک سے منع کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں خاموش ہونے کا اشارہ کرتے یا اظہارِ حیرت کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے (1)۔ ان دونوں صورتوں میں اَفْوَاهِهِمْ کی ضمیر کا مرجع کفّار ہوں گے۔ اور اگر اس کا مرجع رسولوں کو بنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ انہیں وعظ کہنے لگتے تو یہ بے ادب آگے بڑھ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے اور انہیں بولنے کی بھی اجازت نہ دیتے۔ بعد والا جملہ ان کے اس بیباکانہ طرزِ عمل کی تائید کرتا ہے۔

۱۵ ان کو رسولوں نے فرمایا کہ اگر تم کسی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو نہ سمجھ سکتے تو تم معذور تھے۔ لیکن اتنی بڑی کھلی اور روشن حقیقت کا انکار سخت نادانی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید میں تمہیں شک ہے جو سب کا خالق ہے اور جس کا درِ کرم تمہاری مسلسل سرتابیوں کے باوجود کھلا ہوا ہے۔

۱۶ وہی پرانا اعتراض کہ تم ہماری طرح بشر ہو۔ ہم تمہارے کہنے پر اپنے آباؤ اجداد کا مسلک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 345

نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

تمھاری طرح انسان ہی ہیں ۱۷ لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے

عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

بندوں سے۔ اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ ہم لے آئیں تمھارے پاس کوئی دلیل بجز اذنِ خداوندی ۱۸

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور ہم کیوں نہ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر

۱۷ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم کب انکار کرتے ہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں اور ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ ہم فرشتے ہیں؟ ہم بھی تمہاری طرح بشر ہیں لیکن جو فضائل و کمالات اور جو قوتیں اور استعدادیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمائی ہیں ان سے تم بے بہرہ ہو۔ مَا نَحْنُ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ بَلْ نَحْنُ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فِي الصُّوْرَةِ اَوْفِي الدُّخُوْلِ تَحْتَ الْجِنْسِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ بِالْفَضَائِلِ وَالْكَمَالَاتِ وَالْاِسْتِعْدَادَاتِ الَّتِيْ يَدُوْرُ عَلَيْهَا فَلَكُ الْاِصْطِفَاءِ لِلرِّسَالَةِ (روح المعانی)(1) کفار انبیاء کرام کی ظاہری بشریت سے فریب کھا گئے۔ اور ان کی نگاہیں شانِ نبوت کو پہچاننے سے قاصر رہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں کے شکوک وشبہات کو بیان کر کے اپنے حکیمانہ انداز میں ان کا ازالہ فرمایا ہے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ما وایشاں بستۂ خوابیم و خور

یعنی کفار نے کہا ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں۔ ہم بھی سوتے ہیں اور کھاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح

ایں ندانستند ایشاں ازعما ہست فرقِ درمیاں بے منتہا

ان اندھوں نے یہ نہ جانا کہ ان کے درمیان اور انبیاء کے درمیان تو بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں زنبور خوردند از یک محل لیک زیں شد نیش وزاں دیگر عسل

ویسے تو زنبور اور شہد کی مکھی ایک پھول سے ہی خوراک حاصل کرتی ہیں لیکن وہاں ڈنک نمودار ہوتا ہے اور یہاں شہد۔

ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب زیں یکے سرگیں شدوزاں مشک ناب (2)

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ لیکن ایک سے صرف لید نکلتی ہے اور دوسرے سے خالص کستوری۔

ایں خورد گردد پلیدی زو جُدا واں خورد گردد ہماں نورِ خدا (3)

کافر کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور نبی کھاتا ہے تو وہ نورِ خدا بنتا ہے۔

۱۸ یعنی معجزات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے تمہیں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔(4)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 198 2۔ مثنوی معنوی، دفتر اول، ص 58 3۔ ایضاً، ص 59 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 347

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ

حالانکہ اس نے دکھائی ہیں ہمیں ہماری (کامیابی کی) راہیں اور ہم ضرور صبر کرینگے تمہاری اذیت رسانیوں پر ۱۹ے

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پس اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو۔ اور کہا کفار نے اپنے

لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ

رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔

فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

پس وحی بھیجی ان کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کردینگے ان ظالموں کو ۲۰ے نیز ہم یقیناً آباد کرینگے تمہیں (ان کے)

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ

ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدۂ نصرت) ہر اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے

وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ

میری دھمکی سے ۲۱ے اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے التجا کی ۲۲ے (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہوگیا ہر سرکش، منکرِ حق۔ اس نامرادی کے بعد

۱۹ے تم جی بھر کر ہمیں اذیت پہنچاؤ۔ مقدور بھر ہم پر ظلم وستم کرو۔ ہم بڑی استقامت سے ان تمام مصائب کو برداشت کریں گے اور صبر کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پائے گا۔ کیونکہ ہم اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں اور جن کا بھروسہ قادر و توانا پروردگار پر ہوتا ہے انہیں گھبراہٹ اور بے صبری سے کیا واسطہ۔

۲۰ے کفار اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی تائید و نصرت کی یقین دہانی کر رہا ہے۔

۲۱ے یہ کامرانی کا مژدہ ان تمام لوگوں کے لیے ہے۔ جن کے دل روزِ محشر میرے روبرو حاضر ہونے سے ہر لحظہ خائف و ترساں رہتے ہیں اور یہ مراقبہ انہیں میری نافرمانی سے روکتا ہے۔ اور میری اطاعت پر انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ یہی کامیاب و کامران ہوں گے اور انہی کے دشمنوں کے لیے ناکامی و نامرادی ہے۔

۲۲ے اس کا فاعل انبیاء بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کفار خود بھی (1)۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء نے ان سے مایوس ہو کر بارگاہِ الٰہی میں فتح کی دعا کی اور یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح حدیثِ پاک میں ہے۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 260

جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

جہنم ہے ۲۳ اور پلایا جائے گا اُسے خون اور پیپ کا پانی ۔ وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھریگا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکیگا

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىٕهٖ

اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے اور وہ (بایں ہمہ) مرے گا نہیں۔ (علاوہ ازیں) اس کے پیچھے

عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

ایک اور سخت عذاب ہوگا۔ ۲۴ ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ انکے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں ۲۵

يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ (1)۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے''۔ دوسری صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا کہ کافروں نے دعا مانگی کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر۔ چنانچہ عذاب آیا جس نے ہر سرکش کو نامراد کر کے رکھ دیا۔ ۲۳ دنیا میں ان کو ذلّت و رسوائی سے دوچار کرنے کے بعد انہیں فراموش نہیں کر دیا جائے گا۔ بلکہ ہمارے انبیاء و رسل کی انہوں نے جو توہین کی تھی، ان کے سامنے جو گستاخیاں کی تھیں اور قبولِ حق سے جو انکار کیا تھا اس کے بدلے میں انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

يَتَجَرَّعُهٗ الخ باب تفعّل کا مضارع ہے۔ تکلّف پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی پیاس کی شِدّت کے باعث وہ پینے پر مجبور بھی ہو گا۔ لیکن اس سے بدبُودار، بدذائقہ اور کھولتی ہوئی پیپ کو پئے تو کیونکر؟ حلق سے نیچے اُترے تو کیسے؟ ایک آدھ گھونٹ اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔(2)

۲۴ ہر طرف سے موت بڑھتی ہوئی محسوس ہوگی اور وہ ان ناقابلِ برداشت آلام سے بچنے کے لیے مرنے پر بھی بصد خوشی آمادہ ہوگا۔ لیکن موت آئے گی نہیں۔ وہ اس کے لیے ترستا ہی رہے گا۔ جَبَّار: وہ متکبر جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا(3)۔ عَنِيْد: راہِ راست سے منہ موڑنے والا۔ اَلْجَائِرُ عَنِ الْقَصْدِ وَ هُوَ الْعَنُوْدُ وَالْعَنِيْدُ وَالْعَانِدُ (4)۔ وَرَاء: پیچھے اور آگے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صَدِيْد: اس پیپ کو کہتے ہیں جس میں خون ملا ہوا ہو(5)۔ اَسَاغَ: خوشگوار سمجھنا۔(6)

۲۵ کفّار کے اچھے اعمال کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ کفر و شرک کی موجودگی میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر ہو اور تند آندھی چلے اور اُس کو اُڑا کر لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قدر و منزلت نہیں اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انہیں ان اعمال پر قیامت کے دن کوئی اجر نہ ملے۔ انہوں نے جو یہ کام کیے تھے تو ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ انہیں اچھا کہیں۔ ان کی رحم دلی اور سخاوت کا چرچا ہو۔ ان کو الیکشن جیتنے میں آسانی ہو۔ ان کی تجارت چمکے۔ ان کے کاروبار میں ترقی ہو۔ جس مقصد کے لیے انہوں نے یہ سب کچھ کیا وہ مقصد انہیں حاصل ہو گیا۔ جب خدا کی رضا انہیں مطلوب ہی نہ تھی تو اس کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 349 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 202 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 260
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 349 5۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 5، ص 260 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً، ج 5، ص 261

اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا

جسے تُند ہوا تیزی سے اُڑا لے گئی سخت آندھی کے دن۔ نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انھوں نے کمائے

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ

تھے کوئی فائدہ۔ یہ (اعمال کا اکارت جانا ہی) بہت بڑی گمراہی ہے۔ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ

پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۲۶ اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کردے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق ۲۷

جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا

اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اور (روزِ حشر) اللہ تعالیٰ کے سامنے ۲۸ سب (چھوٹے بڑے)

حاصل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب قیامت کی سرخروئی کا ان کے دل میں تصور ہی نہ تھا۔ تو انہیں روزِ قیامت سرخرو کیا جائے تو آخر کیوں؟ اور جن لوگوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی کے لیے کچھ کیا تو وہ جائیں اپنے بتوں کے پاس اور ان سے مانگیں۔ بہر حال وہ ان اعمال پر قطعاً اس بات کے حقدار نہیں کہ بارگاہِ الٰہی سے انہیں اس کی جزا دی جائے۔ اور قیامت کے دن ان اعمال کے باعث انہیں جنت میں بھیجا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے اعمال اور اچھے کاموں کا یہ مآل پسند نہیں کرتا تو اسے چاہیے کہ وہ کفر و شرک سے توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کام کرے اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے پیشِ نظر ہو۔

۲۶ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ ۲۷ یعنی یہ سراسر تمہاری غلط فہمی ہے کہ اگر تم نہیں ہو گے تو خدا کی دنیا اُجڑ جائے گی۔ اس کی رونق ختم ہو جائے گی۔ وہ چاہے تو تمہیں صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دے اور کسی اور قوم کو تمہارا جانشین کردے جو اپنی نیک نفسی اپنی قابلیت و ذہانت اور اپنی مخلصانہ جدوجہد سے اس گلشنِ ہستی کو نئی بہاروں سے آشنا کردے۔

۲۸ جب قیامت کا دن آئے گا تو طوعاً و کرہاً سب اپنی قبروں سے نکل کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔ اپنی نافرمانیاں اپنا کفر و شرک اپنا فسق و فجور اور انبیاء کرام کو جس طرح انہوں نے دکھ پہنچائے تھے اور ان کی بے ادبیاں کی تھیں ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آجائیں گی۔ ادھر جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے دکھائی دیں گے۔ اس وقت گمراہ سرداروں کے پیرو کار انہیں کہیں گے کہ زندگی بھر ہم تمہارے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلتے رہے۔ تم نے ہمیں کہا کہ اس نبی کی بات مت سنو۔ ہم نے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تم نے کہا کہ ان پر پتھر برساؤ۔ ہم نے ان نورانی پیکروں پر بے دریغ پتھراؤ کیا اور انہیں لہولہان کر کے چھوڑا۔ آج بتاؤ کچھ تم ہمارے لیے کر سکتے ہو۔ وہ سردار اپنی مکمل بے بسی کا اعتراف کریں گے۔ اور بڑی حسرت و ندامت سے کہیں گے کہ ہم تو خود گمراہ رہے۔ ہم تمہاری کیا امداد کر سکتے ہیں؟ گمراہوں کا ایک یہ گروہ بھی ہے جو اپنے رئیسوں اور سرداروں کی اندھی تقلید میں یوں مگن رہتا ہے کہ وہ حق کو سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی عمر بھر ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ ان کو خوابِ غفلت سے چونکانے کے لیے

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

حاضر ہوں گے تو کہیں گے کمزور (پیرکار) ان (سرداروں) سے جو متکبر تھے (اے سردارو!) ہم تو (ساری عمر) تمہارے فرمانبردار رہے پس کیا (آج)

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا

تم ہمیں بچا سکتے ہو عذاب الٰہی سے وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ

ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے۔ یکساں ہے ہمارے لیے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں۔ ہمارے لیے (آج) کوئی

مَّحِيْصٍ ؑ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ

راہِ فرار نہیں ہے۔ اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا

وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ

سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا

زور ۲۹ مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر) کی دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت۔ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت

قیامت کے دن پیش آنے والے واقعات کو دلکش انداز میں بیان کیا۔ تاکہ وہ اگر چاہیں تو اپنی اس نازیبا حرکت سے باز آجائیں۔

۲۹ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا تو اہل ایمان کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں فیصلہ صادر فرما دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی جناب میں کون ہماری شفاعت کرے گا۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ معذرت کریں گے۔ چلتے چلتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں گے فَيَقُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَدُلُّكُمْ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ فَيَاْتُوْنِّيْ فَيَاْذَنُ اللّٰهُ لِيْ اَنْ اَقُوْمَ فَيَثُوْرُ مَجْلِسِيْ مِنْ اَطْيَبِ رِيْحٍ شَمَّهَا اَحَدٌ حَتّٰى اٰتِيَ رَبِّيْ فَيُشَفِّعُنِيْ وَيَجْعَلُ لِيْ نُوْرًا مِّنْ شَعْرِ رَاْسِيْ اِلٰى ظُفْرِ قَدَمِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ الْكَافِرُوْنَ قَدْ وَجَدَ الْمُؤْمِنُوْنَ مَنْ يَّشْفَعُ لَهُمْ فَمَنْ يَّشْفَعُ لَنَا فَيَقُوْلُوْنَ مَا هُوَ غَيْرُ اِبْلِيْسَ هُوَ الَّذِيْ اَضَلَّنَا فَيَاْتُوْنَهٗ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ وَجَدَ الْمُؤْمِنُوْنَ فَاشْفَعْ لَنَا فَاِنَّكَ اَضْلَلْتَنَا فَيَثُوْرُ مَجْلِسُهٗ مِنْ اَنْتَنِ رِيْحٍ شَمَّهَا اَحَدٌ ثُمَّ يَعْظُمُ نَحِيْبُهُمْ وَيَقُوْلُ عِنْدَ ذٰلِكَ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الْاٰيَةَ (قرطبی)(1) ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔ سب

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 356۔ مجمع الزوائد، ج 10، ص 683، باب منہ فی الشفاعۃ، رقم الحدیث 18510، مطبوعہ دار الفکر بیروت، کنز العمال، رقم الحدیث 2999، ج 2، ص 26

اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ

کرو ۳۱ نہ میں (آج) تمہاری فریادرسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کرسکتے ہو ۳۲ میں انکار کرتا ہوں

بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اذن فرمائے گا اور میں کھڑا ہوں گا اور میری مجلس سے ایسی خوشبو پھیلے گی جسے آج تک کسی نے نہ سونگھا ہوگا تو میں اپنے رب کے حضور میں آکر اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے گیسوئے معنبرین سے لے کر میرے قدموں کے ناخنوں تک نور ہی نور ہوگا۔ یہ منظر دیکھ کر کافر کہیں گے کہ مومنوں کو تو شفیع المذنبین مل گیا۔ اب ہماری کون شفاعت کرے گا۔ پھر کہیں گے کہ شیطان کے پاس چلو۔ اسی نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔ وہی ہماری شفاعت کرے گا۔ سب اس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اہل ایمان کو تو ان کا شفیع مل گیا۔ اب تو ہماری شفاعت کر کیونکہ تو نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اس کی مجلس سے ناقابلِ برداشت بدبو اُٹھے گی۔ وہ رونے چلانے لگیں گے تو شیطان انہیں یہ جواب دے گا:۔ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ یعنی اس وقت شیطان کہے گا کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی۔ تمہیں قبروں سے اُٹھایا جائے گا۔ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ نیکوں کو جنّت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت نہیں آئے گی۔ قبروں سے پھر جی اُٹھنے کی بات محض غلط ہے۔ کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ میں تمہارا ساتھی اور مددگار ہوں۔ بے شک پیغمبروں کی بے ادبیاں کرتے رہو۔ ان کی دعوت کو ٹھکراتے رہو۔ حلال حرام کا فرق بالکل من گھڑت ہے۔ جس طرح دولت کما سکتے ہو کماؤ اور دادِ عیش دو۔ سو اللہ تعالیٰ نے جو سچے وعدے تم سے کیے تھے وہ سب اُس نے پورے فرمادیئے اور میں نے تم سے سب جھوٹے وعدے کیے تھے اور میں نے سب کی خلاف ورزی کی۔

۳۰ یہ بات سُن کر شیطان کے پرستار آگ بگولہ ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ تیرا ستیاناس ہو تو نے اس وقت ہمیں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کے دامن میں پناہ لینے سے روکا اور آج ہمیں تو یوں صاف جواب دے رہا ہے۔ شیطان کہے گا مجھ پر ناحق ناراض ہو رہے ہو۔ میں نے تمہیں کب مجبور کیا تھا، کہ میرے پیچھے ضرور چلو اور میرا کہنا ضرور مانو، اللہ تعالیٰ اس کے محبوب رسول سے رشتہ توڑ کر مجھ سے تعلق جوڑو۔ میں نے صرف تمہیں گمراہی کی طرف بلایا اور تم اتنے بیوقوف اور احمق نکلے کہ مکھیوں کی طرح بھنبھناتے چلے آئے اپنے رحمٰن اور رحیم خدا کو چھوڑا۔ اپنے رؤف و رحیم رسول کو چھوڑا اور میں جو تمہارا ازلی دشمن اور بدخواہ تھا اس کی دعوت کو قبول کیا۔ اب مجھے کیوں کوستے ہو اپنی بدبختی اور حماقت پر ماتم کرو اور خوب ماتم کرو۔ سب تمہارا اپنا قصور ہے۔ میں تمہارا قطعاً ذمہ دار نہیں ہوں۔

۳۱ نہ میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔ تمہیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور مجھے اپنی سرکشیوں کا عذاب جھیلنا ہوگا۔ اَلصَّارِخُ وَالْمُسْتَصْرِخُ هُوَ الَّذِیْ یَطْلُبُ النُّصْرَةَ وَالْمُعَاوَنَةَ وَالْمُصْرِخُ هُوَ الْمُغِیْثُ(1)۔ صارخ اور مستصرخ اس کو کہتے ہیں جو مدد اور اعانت کا طلب گار ہو اور مصرخ مددگار اور فریادرس کو کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 357

اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور داخل کیا جائیگا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے باغات میں رواں ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا

جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے انکی دعا وہاں ایک دوسرے کو یہ ہوگی کہ

سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

تم سلامت رہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ ۳۴ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے

۳۲ تم مجھے دنیا میں خدا کا شریک سمجھتے تھے میں اس کا انکار کرتا ہوں اور تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ میں خدا کا شریک نہیں ہوں۔ تم محض اپنی حماقت کی وجہ سے ایسا سمجھتے رہے ہو۔ یہ وہ مکالمہ ہے جو قیامت کے روز ہوگا۔ شیطان کے پیروکار اس دن جس ندامت اور شرمندگی سے دوچار ہوں گے وہ کتنی روح فرسا ہوگی۔ ہر ہوشمند کو چاہیے کہ اس شرمساری اور رسوائی سے بچنے کے لیے آج ہی آمادۂ اصلاح ہو۔

لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ آج بھی وہی ہے۔ جب وہ کسی کو نقب زنی پر اکساتا ہے، اپنے سگے بھائی کو قتل کرنے کے لیے برانگیختہ کرتا ہے۔ جب کسی کی ناموس کو ملوث کرنے کی تحریک دل میں پیدا کرتا ہے تو اس وقت دولت اور عزت، لذت اور عیش کی زندگی کا جو نقشہ وہ پیش کرتا ہے کتنا دلفریب ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اُس کے دامِ زریں میں پھنس جاتا ہے تو شیطان اس سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ جب چور پر ڈنڈے برستے ہیں تو وہ اس کی پٹائی پر بغلیں بجاتا ہے۔ جب اُسے تختۂ دار پر کھڑا کر کے موت کا پھندا اس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے تو شیطان کی خوشی کی حد نہیں ہوتی۔ جب بدکاری کی وجہ سے وہ موذی بیماریوں (سوزاک) وغیرہ کے چنگل میں گرفتار ہو کر چیختا ہے تو وہ آگے بڑھ کر اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکتا ہے۔ جب جعفر اور صادق نے اپنی ملت اور اپنے دین سے غداری کرنے کا ارادہ کیا تھا انہیں اپنا مستقبل کتنا درخشاں نظر آیا ہوگا۔ لیکن اس غداری کے بعد بجز لعنت اور ذلت کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ بدر کے میدان میں کفارِ مکہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا۔ شیطان نے پہلے انہیں اکسایا اور یقین دلایا لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ "آج تم پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا"۔ اور پختہ وعدہ کیا وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ "میں تمہارا پشت پناہ ہوں" اور جب حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کی خارا گداز شمشیریں بے نیام ہو کر ان کی صفوں میں تباہی مچانے لگیں تو شیطان نے فوراً کہہ دیا: اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ (1) "میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے" جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آرہا۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

۳۳ اب ان کا ذکر ہو رہا ہے جن کو صاحبِ مقامِ محمود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

۳۴ کلمہ طیبہ سے مراد ایمان ہے (2) اور کلمہ خبیثہ سے مراد کفر ہے (3)۔ ایمان اور کفر کی حقیقت کو ایک نہایت بلیغ مثال سے

1۔ سورۃ الانفال: 48 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 9، ص 359 3۔ ایضاً، جز 9، ص 361

طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ

جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل

حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ (انھیں)

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ

خوب ذہن نشین کریں۔ اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسی ہے جیسے ناپاک درخت ہو ۳۵؎ جسے اکھاڑ لیا جائے

مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

زمین کے اوپر سے (اور) اسے کچھ بھی قرار نہ ہو۔ ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو

واضح کیا کہ ایمان ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے اور پاکیزہ اور عمدہ درخت کی یہ صفات ہوتی ہیں کہ جڑیں کافی گہری ہوتی ہیں۔ کوئی تند و تیز آندھی بھی اُسے اُکھیڑ نہیں سکتی۔ اس کی شاخیں خوب پھیلی ہوئی اور اونچی ہوتی ہیں۔ اس طرح اس کا سایہ بھی خوب گھنا ہوتا ہے۔ اور اس پر پھل بھی بکثرت لگتا ہے۔ وہ پھلدار بھی ہوتا ہے اور اس کا پھل مقدار میں زیادہ اور ذائقہ میں لذیذ ہوتا ہے۔ فرمایا ایمان بھی ان تمام صفات اور خوبیوں سے متصف ہے جو ایک پاکیزہ درخت کے خواص ہیں۔ اس کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتی ہیں۔ مصائب و آلام کا کوئی طوفان اس کو ہلا نہیں سکتا۔ اسلام سے پہلے حضرت عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ فاطمہ کو مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ کیا اس ظلم و تشدد سے ان کا شجرِ ایمان اُکھڑ سکا تھا۔ اس کی شاخیں اتنی بلند ہیں کہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ مومن کے کردار اس کے خلقِ عظیم اور اس کے جذبۂ لِلّٰہیّت کی رفعتوں کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے اور اس درخت کا جو پھل ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ دوسرے درختوں پر سال میں ایک بار پھل لگتا ہے اور وہ بھی کبھی زیادہ کبھی کم کبھی پکتا ہے اور کبھی کچا ہی گر جاتا ہے لیکن شجرِ ایمان کا کیا کہنا۔ ہر سال بارہ مہینے اس کی فلک بوس شاخیں میٹھے اور لذیذ پھلوں سے لدی ہوئی جھومتی رہتی ہیں۔ ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں آتا کہ اس کی شاخیں ثمر سے خالی ہوں۔ ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند — بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ (1)

رات ڈھلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے بندے اشکِ سحر گاہی سے وضو کر کے دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے تو مسجدیں سجدہ کرنے والوں سے بھر جاتی ہیں۔ ہر سانس کے ساتھ "اللہ ہو" کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ کبھی ذکر کا غلغلہ ہے اور کبھی فکر کی خاموشی کبھی تسبیح اور کبھی حمد۔ کبھی ترتیلِ قرآن ہو رہی ہے اور کبھی صاحبِ قرآن پر صلاۃ و سلام۔ اور جب ایسی بابرکت اور بامقصد زندگی گزار کر مومن قبر کی سنسان وادی میں خیمہ زن ہوتا ہے تو نزولِ رحمت کا سلسلہ یہاں بھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، ضرب کلیم، ص 636

بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ۳۶ اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ

الظّٰلِمِيْنَ ۙ قف وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝۲۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ

ظالموں کو ۳۷ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنھوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی

کے دوسرے بندے تلاوتِ قرآن صدقات وخیرات سے اُس کی روح کو ایصالِ ثواب کر رہے ہوتے ہیں تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ کا منظر دیکھنا ہو تو مقبولانِ بارگاہ خداوندی کے مزاراتِ پُرانوار پر حاضر ہو کر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلو۔

۳۵ کفر ایک خبیث درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں ہی نہیں ہوتیں۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اسے اُکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ ایسے درخت کی شاخیں کہاں ہوں گی اور اس کا پھل کہاں لگے گا۔

۳۶ یعنی جو لوگ اخلاص ویقین سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ انہیں ہر مقام پر ثبات واستقامت بخشتا ہے۔ دنیا میں ان کو دولتِ ایمان سے محروم کرنے کے لیے ہزاروں فتنے برپا کیے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی آزمائشوں سے انہیں گزرنا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔ اسی طرح قبر وحشر میں جو مشکل مرحلے پیش آئیں گے۔ توفیق الٰہی اس وقت بھی ان کی دستگیری کرے گی اور وہ ہر میدان میں کامیاب وسرخرو ہوں گے۔ سوالِ قبر کے متعلق وہ حدیث جو صحاح ستہ میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الْاٰيَةَ (1) یعنی قبر میں جب ایک مسلمان سے اس کے رب اور اس کے رسول اور اس کے دین کے متعلق سوال کیا جائے گا تو وہ جواب میں کہے گا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآية۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ التَّثَبُّتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ (2) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب میّت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس کے قریب کھڑے ہو جاتے اور سب کو فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو۔ کیونکہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے۔ حضرت سہل بن عمار فرماتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا سنائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انہوں نے کہا قبر میں میرے پاس دو بڑے خوفناک اور سخت فرشتے آئے اور مجھ سے دریافت کیا؟ مَا دِيْنُكَ وَمَنْ رَّبُّكَ وَمَنْ نَّبِيُّكَ تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ فَاَخَذْتُ بِلِحْيَتِي الْبَيْضَاءِ وَقُلْتُ اَلِمِثْلِي يُقَالُ هٰذَا وَقَدْ عَلَّمْتُ النَّاسَ جَوَابَكُمَا ثَمَانِيْنَ سَنَةً۔ میں نے اپنی سفید داڑھی کو پکڑ کر کہا: "کیا میرے جیسے شخص سے تم اس قسم کے سوالات پوچھتے ہو۔ میں اسی سال تک لوگوں کو تمہارے انہیں سوالات کے جوابات پڑھاتا رہا ہوں" یہ بات ختم ہوئی تو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورہ ابراہیم، ج2، ص682، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر، ج2، ص103، مکتبہ وزارت تعلیم، اسلام آباد

اللّٰہِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ

نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں ۳۸ جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت بُرا

الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا

ٹھکانا ہے۔ اور بنا لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مدِمقابل تاکہ بھٹکا دیں (لوگوں کو) اس کی راہ سے آپ (انھیں) فرمائیے (کچھ وقت)

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا

لطف اٹھالو۔ پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے۔ آپ فرمائیے میرے بندوں کو ۳۹ جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں

الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ

نماز اور خرچ کیا کریں اس سے جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ اس سے پیشتر کہ

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

آجائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ۴۰ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

اور زمین کو اور اتارا بلندی سے پانی پھر پیدا کیے اس پانی سے پھل تمہارے کھانے کے لیے ۴۱

اُنہوں نے ایک سوال پوچھا۔ تم نے حریز بن عثمان سے کوئی حدیث لکھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! فَقَالَ اِنَّهٗ كَانَ يُبْغِضُ عَلِيًّا فَاَبْغَضَهُ اللّٰهُ ان دونوں فرشتوں نے کہا وہ علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مردود بنا دیا۔ (قرطبی) (1) علامہ ابن کثیر اور دیگر مفسرین کرام نے اس مقام پر متعدد صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لیے قبر ایک آرام گاہ ہے۔ اور بدکاروں کے لیے اس میں شدید عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ؐ کے طفیل عذاب قبر سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

۳۷ یعنی ظالموں کو قبر میں ان سوالات کا جواب بھول جائے گا۔ ۳۸ قریشِ مکہ پر اللہ تعالیٰ نے گونا گوں احسانات فرمائے تھے۔ اپنے گھر کی خدمت اور ہمسائیگی کا شرف انہیں بخشا تھا۔ سارے اہلِ عرب کے دلوں میں ان کی عزت اور تکریم کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور پھر انہیں میں سے خاتم النّبیین کو مبعوث فرمایا۔ ان کا تو یہ فرض تھا کہ ہر دم شکرِ الٰہی بجالاتے اور اس کے کسی حکم سے سرِ مُو انحراف نہ کرتے لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی۔ خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت و بربادی کی پستیوں میں دھکیل دیا۔ اَلْبَوَارُ: اَلْهَلَاكُ (1)۔ یعنی ہلاکت و تباہی جَهَنَّمَ دَارَ الْبَوَارِ کا عطفِ بیان ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز9، ص 63-362 2۔ مفردات راغب، ص 152

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَ

اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے اور تابع فرمان کر دیا تمہارے لیے دریاؤں کو۔ اور

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ ۚ

مسخر کر دیا تمہارے لیے آفتاب و مہتاب کو جو برابر چل رہے ہیں اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

اور عطا فرمایا تمھیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا[۴۲] اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ۧ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

ع ۱۷

بیشک انسان بہت زیادتی کرنیوالا ازحد ناشکرا ہے[۴۳] اور (اے حبیب) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب[۴۴] بنا دے

۳۹ اپنے بندوں کو اعمال حسنہ کی بجا آوری کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ۴۰ یعنی اس دن سے پہلے نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کر لو جو تمہیں قیامت کے دن کام آئے گا ورنہ کف افسوس ملتے رہو گے۔ اس دن کوئی خرید و فروخت نہیں ہو گی تا کہ آپ دوڑ کر جائیں اور جس عمل کی آپ کو ضرورت پڑے کسی دکان سے خرید لائیں۔ اس دن دنیا کے بھائی چارے اور دوستیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔

۴۱ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نادر کرشموں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ مناسب اور موزوں مواقع پر لَكُمْ (تمہارے لیے) کا تکرار کتنا معنی خیز ہے گویا بتایا جا رہا ہے کہ تم ہی مقصودِ کائنات ہو۔ باقی سب کچھ تمہاری بقا اور نشوونما کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تخلیق ہوا۔ یہ آسمان اور زمین، چاند اور سورج، دریا اور سمندر اور گردشِ لیل و نہار سب تمہارے خدمت گزار ہیں۔ اے انسان! تو بھی اپنے دل سے پوچھ، تجھے کیوں پیدا کیا گیا۔ اس لیے کہ تو سورج دیوتا کو پوجتا رہے جو تیری چاکری میں مصروف ہے۔ تو دریاؤں کے سامنے جھکتا پھرے جو تیری خدمت کے لیے رواں دواں ہیں۔ یا تو مال و دولت کو فراہم کرنا ہی اپنا مقصد حیات بنا لے۔ نہیں ایسا نہیں۔ تیری شان بڑی بلند ہے۔ تیرا مقام بڑا رفیع ہے۔ سب کچھ تیرے لیے ہے۔ اور تو اپنے خالق و مالک کے لیے اسی کی بارگاہِ صمدیت میں سربسجود ہونا تجھے زیب دیتا ہے۔ اب تیری احسان شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ تو اُسی کا ہو رہے۔

۴۲ یہ وہ عظیم انعامات ہیں جو تمہارے عالمِ وجود میں قدم رکھنے سے پہلے بن مانگے تمہارے لیے مہیا کر دیئے گئے لیکن ان کے علاوہ ہم تمہاری ان تمام ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں جن کے متعلق تم ہم سے التجائیں کرتے ہو اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس کے انعامات و احسانات اتنے کثیر ہیں کہ تم اگر ان کا شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو۔ تمہارے ہندسے ختم ہو جائیں، تمہاری زبانیں گنتے گنتے تھک جائیں لیکن تم ان کو گن نہ سکو۔ انسان اگر اپنے گرد و پیش سے آنکھیں بند کر کے صرف اپنے وجود میں ہی غور کرے تو

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اس شہر کو امن والا ۴۵ اور بچالے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی ۴۶ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو

اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ

گمراہ کردیا بہت سے لوگوں کو ۴۷ پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا ۴۸ اور جس نے

اسے معلوم ہوجائے کہ اس پر اس کے پروردگار کی نوازشات بے حد و بے حساب ہیں۔ ذرا سوچو اگر مرد کے منہ پر بال ہی نہ اُگیں، اور عورت کے چہرہ پر بال اُگ آئیں تو پھر؟ اگر ہاتھوں میں انگلیاں ہی نہ ہوں یا انگلیوں کے سروں سے ناخن ہی جھڑ جائیں تو آپ کے بازو کی ساری قوت بیکار ہوجائے۔ اگر منہ میں لعابِ دہن (تھوک) ہی نہ پیدا ہو تو کیا آپ کی زبان لکڑی کی طرح خشک ہوکر نہ رہ جائے گی۔ اگر آنکھوں پر چھپر نہ ہوں یا چھپروں کے ساتھ پلکیں نہ ہوں تو آپ آنکھوں کی حفاظت کیسے کر سکیں گے؟ بہ ظاہر یہ معمولی چیزیں ہیں جن کی افادیت کے متعلق شاذ و نادر ہی ہم غور کیا کرتے ہیں۔ جب ان کی اہمیت کا یہ حال ہے تو بڑی بڑی نعمتوں کی اہمیت کا آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۴۳ چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری پیشانیاں اپنے حی و قیوم پروردگار کے حضور میں ہر وقت جھکی رہتیں۔ دل اس کی عظمت و کبریائی کے احساس سے لبریز رہتے اور زبانیں اس کی حمد و ثناء کے گیت گاتی ہی رہتیں۔ لیکن یہ تودۂ خاک جس کی عزت افزائی کے لیے اتنے سامان کیے گئے یہ نرا ظلوم اور کفّار ہے۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں یعنی بڑا ظالم، سخت ناشکرا۔ تم خود ہی انصاف سے بتاؤ کہ ایسے محسن اور کریم رب کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا یا اس کی نافرمانی کرنا ظلمِ عظیم نہیں، اور اس کی گرانبہا نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے باوجود اس کی ناشکری کرنا کیا کفرانِ نعمت کی حد نہیں؟

۴۴ عام انسانوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ ظلوم و کفّار ہیں۔ اب اس بندے کا ذکر ہو رہا ہے جو صبار اور شکور ہے تاکہ دنیا کے طلبگاروں کو ایک ایسے مردِ حق آگاہ سے روشناس کر دیا جائے جس نے سب تعلقات کو توڑ کر اپنی عبودیت، اپنی دوستی اور اپنی محبت کا رشتہ ایک ربِّ قدوس سے استوار کیا تھا تاکہ لذت و عیش کے متوالے ان لوگوں کے کیف و سرور کی بھی ایک جھلک دیکھ سکیں جو شرابِ محبت سے مخمور ہوکر سارے جہان کی نعمتوں، آسائشوں کو پائے احتقار سے ٹھکراتے ہوئے سارے بندھنوں کو توڑتے ہوئے شاداں و فرحاں اپنے محبوبِ حقیقی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں بھی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ وہ بھی دستِ سوال دراز کیا کرتے ہیں۔ دنیا کے کباڑ خانے میں مگن رہنے والے آئیں اور ذرا دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے عقابِ ہمت کی بلند پروازی کا کیا عالم ہے۔ وہ جب مانگتے ہیں تو کیا مانگتے ہیں، دامنِ طلب پھیلاتے ہیں تو کس مقصد کے لیے؟

۴۵ جس شہر کی آبادی اور پُرامن ہونے کی التجا کی جا رہی ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کا آبائی وطن نہیں ہے، ان کی اپنی رہائش یہاں نہیں، ان کا مال اور ان کی جائیداد وہاں موجود نہیں بلکہ اس شہر کے لیے یہ التجا کی جا رہی ہے جہاں ان کے حقیقی معبود کا گھر ہے یعنی اے خدا وہ جگہ جو تیرے انوار کی تجلی گاہ ہے، وہ وادی جہاں تیرے جلووں کا ہجوم ہے، وہ مقام جہاں تیرا حسن مائل بہ آشکارائی ہے وہاں سلامتی ہو، وہاں

عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۶ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں ۴۹ اے ہمارے رب! اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز

امن ہو، وہاں کے بسنے والے تیری یاد اور تیری عبادت میں کھوئے رہیں، کسی تکلیف کا کانٹا ان کے دامنِ احساس میں نہ چبھے۔

۴۶ صرف یہ عرض نہیں کی جا رہی ہے کہ ہمیں بتوں کی عبادت سے بچا۔ التجا یہ ہے کہ ہمیں ان سے بہت دور رکھ۔ ہمارے خیال میں بھی ان کا تصوّر نہ آنے پائے۔ ۴۷ بتوں کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت مجازاً ہے کیونکہ وہ گمراہی کا سبب ہیں (1) اور کبھی فعل کا اسناد اس کے حقیقی فاعل کی جگہ اس کے سبب کی طرف بھی مجازاً کیا جاتا ہے۔

۴۸ کیا پیاری بات ہے جو لبِ خلیل کو ہی زیب دیتی ہے کہ جو میرے فرمانبردار ہوں گے۔ وہ تو میرے گروہ میں شامل ہی رہیں گے لیکن جنہوں نے میری نافرمانی کی، تو ان کے لیے یہ نہیں کہا کہ تو ان کو بخش دے، بلکہ کہا تو یہ کہا کہ تو غفور رحیم ہے تیرا کام ہی مغفرت کرنا اور رحم کرنا ہے۔ مقصد بھی پورا ہو گیا اور بارگاہِ صمدیت کے آداب کا بھی پوری طرح پاس رہا۔ نیز ازراہِ تادّب مَنْ عَصَاكَ (جس نے تیری نافرمانی کی) نہیں کہا بلکہ مَنْ عَصَانِيْ (جس نے میری نافرمانی کی) کہا ہے۔ عصیاں سے مراد گناہ ہوں تو بات واضح ہے اور اگر کفر و شرک مراد ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو ہدایت کی توفیق مرحمت فرما۔ ان کی توبہ قبول کر۔ کیونکہ جس کی موت کفر پر ہو، اس کے لیے نہ مغفرت ہے اور نہ اس کے لیے طلبِ مغفرت کی اجازت ہے۔

۴۹ امام بخاری نے حضرت ابن عباس ؓ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ننانوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم کو حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام نامی اسمٰعیل رکھا گیا۔ حضرت ابراہیم بحکمِ الٰہی اپنے شیر خوار بچے اور اس کی والدہ کو لے کر اس مقام پر آئے جہاں اب مکّہ آباد ہے وہاں پانی بالکل نایاب تھا۔ آپ نے اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو وہاں ٹھہرایا اور کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ ان کے پاس رکھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے دوڑیں اور عرض کی اے ابراہیم آپ ہمیں اس اُجاڑ وادی میں چھوڑ کر خود کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کئی بار یہ بات دہرائی لیکن حضرت ابراہیمؑ نے مُڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا أَاللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت ہاجرہ نے بڑے اطمینان سے کہا اِذًا لَّا يُضِيْعُنَا تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے نُورِ نظر کے پاس آگئیں۔ جب ابراہیم پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھیں تو آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے اور یہ دعا مانگی جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسمٰعیل کو دُودھ پلاتی رہیں۔ یہاں تک کہ مشکیزہ کا پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں۔ خود بھی پیاسی تھیں اور ننھا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 275

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انھیں رزق دے

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ ۵۰ اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

ظاہر کرتے ہیں ۵۱ اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) ۵۲ بلاشبہ

بچہ شدّتِ تشنگی سے اپنے خشک ہونٹوں پر جب زبان پھیرتا تو یہ منظر اُن سے دیکھا نہ جاتا۔ پاس ہی صفا کی پہاڑی تھی اس خیال سے اس کے اوپر چڑھیں شاید کوئی آدمی نظر آئے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ بچے کی فکر دامنگیر ہوئی نیچے اتریں پھر مروہ کی پہاڑی پر گئیں شاید کوئی آدمی نظر آجائے اور اس کے پاس سے چند گھونٹ دستیاب ہوجائیں۔ اسی تجسّس میں سات مرتبہ وہ ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھیں اور اُتریں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ حضور نے فرمایا فَذَالِکَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا اسی وجہ سے لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ جب آخری مرتبہ مروہ پر پہنچیں تو آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ آپ اس کے لیے ہمہ تن گوش بن گئیں۔ ایک فرشتہ نے اپنا پَر مارا۔ اور زمین سے پانی اُبل پڑا فوراً وہاں پہنچیں اور اس کے اردگرد ایک حد بنادی۔ پھر اپنے مشکیزے کو اس پانی سے بھرلیا لیکن وہ پانی ابلتا ہی رہا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا يَرْحَمُ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمَاعِيْلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ۔ اَوْ قَالَ لَوْلَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِيْنًا اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتی تو زمزم ایک چشمہ جاری ہوتا۔ چنانچہ آپ نے چشمہ سے پانی پیا۔ اور اپنے بچہ کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے انہیں کہا لَا تَخَافِي الضَّيْعَةَ فَاِنَّ هٰهُنَا بَيْتُ اللّٰهِ يَبْنِيْهِ هٰذَا الْغُلَامُ وَاَبُوْهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَهْلَهٗ ''اے ہاجرہ مت ڈرو یہاں بیت اللہ ہے۔ تیرا یہ بیٹا اور اسکا باپ اس کی تعمیر کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا''۔(1)

۵۰ حضرت ابراہیم کی دعا کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے عرض کی: یہ تیرا مقدس گھر جس وادی میں واقع ہے۔ وہاں کی زمین قابلِ زراعت نہیں۔ نہ پانی دستیاب ہے اور نہ زمین موزوں ہے۔ ان کے رزق کا بھی خود انتظام فرما۔ اپنے بندوں کے دلوں میں یہاں کے رہنے والوں کی محبت پیدا فرما، تاکہ وہ کشاں کشاں یہاں چلے آئیں اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا سامان زائرین کے ذریعہ سے مہیّا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب یزفون النسلان فی المشی، ج 1 ص 75-474

رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ﷺ

میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا ۵۳ اور میری اولاد کو بھی۔

رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ

اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو ۵۴ اور سب مومنوں کو جس دن

الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا

حساب قائم ہوگا۔ اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں ۵۵ وہ تو انہیں صرف

ع ۷ / ۱۸

ہوتا رہے۔ جہاں سبز گھاس کا ایک تنکا نظر نہیں آتا تھا وہاں کے بسنے والوں کے لیے دعا مانگی جارہی ہے کہ اے مالک! انہیں ہر قسم کے تازہ اور شیریں پھل مرحمت فرما۔ وہ قدرت الٰہی کی بخششوں سے خوب آشنا تھے۔ انہیں علم تھا کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے جسے حضرت خلیل کی دعا کی مقبولیت کا مشاہدہ کرنا ہو وہاں جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ مکہ مکرمہ کے بازاروں میں ہر قسم کے پھل موجود ہیں بلکہ دنیا بھر کی مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو فراواں بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ اور قیامت تک یہی کیفیت رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

اَفْئِدَةً: اس کا واحد فُؤَاد ہے(1): دل۔ تَهْوِیْ: اگر یہ باب عَلِمَ یَعْلَمُ سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے محبت کرنا اور اگر یہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہو جس طرح یہاں ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے سَقَطَ مِنْ عُلْوٍ اِلٰی سُفْلٍ بِسُرْعَةٍ بڑی تیزی سے اوپر سے نیچے گرنا۔(2)

۵۱ اے مولا! اگرچہ ہماری ضرورتوں اور ہمارے مصالح کو تو خوب جانتا ہے اور ہمیں عرض کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں لیکن یہ سوال اظہار افتقار اور اعتراف بندگی کے لیے کیا جارہا ہے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ ہم تیرے بندے ہیں۔ اور تیری نظر کرم کے ہر وقت محتاج ہیں۔ تجھی سے سب کچھ مانگتے ہیں اور تو ہی ہمیں سب کچھ دیتا ہے فَلَا حَاجَةَ اِلَی الطَّلَبِ لٰكِنَّا نَدْعُوْكَ اِظْهَارًا لِعُبُوْدِیَّتِكَ وَافْتِقَارًا اِلٰی رَحْمَتِكَ (مظہری)(3)

۵۲ اب تک طلب مزید کے لیے دامن پھیلائے رہے۔ اب سابقہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے لگے کہ پہلے بھی ہم تیرے دست جود و سخا کے پروردہ ہیں۔ آج تک تیری ہی چشم لطف و کرم نے ہماری حاجت روائیاں کی ہیں۔ جب میں بوڑھا ہو گیا۔ میری بیوی بانجھ ہو گئی اور عام طور پر اولاد پیدا ہونے کا وقت گزر گیا۔ اس بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں تو نے مجھے اسمٰعیل و اسحاق جیسے دو ارجمند فرزند مرحمت فرمائے، مجھے یقین ہے کہ تو اس خوگر لطف و عطا کو پھر بھی اپنے الطاف خسروانہ سے نوازتا ہی رہے گا۔ معلوم ہوا کہ نیک بخت اور سعادت مند اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے جس کے لیے حضرت خلیل جیسے جلیل المرتبہ نبی سراپا تشکر و امتنان بنے ہوئے ہیں۔

۵۳ اقامت نماز کی دعا کی جارہی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کو بجالاتے ہوئے پابندی سے ادا کرتے رہنا مُعَدِّلًا لَهَا بِاَرْكَانِهَا وَاٰدَابِهَا مُحَافِظًا وَّ مُوَاظِبًا عَلَیْهَا (مظہری)(4)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 277 2۔ المعجم الوجیز، ص 655 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 278 4۔ ایضاً، ص 279

يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي

ڈھیل دے رہا ہے اس دن کیلیے جب کہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگم بھاگ جا رہے ہونگے اپنے سر

رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾ وَأَنذِرِ

اٹھائے ہوئے ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی اور انکے دل (دہشت سے) اڑے جارہے ہونگے (اے میرے نبی) ڈرایئے

النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا

لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم۵۶ اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا

تھوڑی دیر کے لیے۵۷ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کرینگے۔ (اے کافرو!) کیا تم قسمیں

أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ

نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمھیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے۔ اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں

الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا

میں جنھوں نے ظلم کیے تھے اپنے آپ پر۵۸ اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے انکے ساتھ اور ہم نے بھی

۵۴ حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والدین مسلمان تھے۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا۔ ''اب'' کا لفظ چچا پر بھی عموماً بولا جاتا ہے لیکن والد کا لفظ حقیقی باپ کے لیے مخصوص ہے اس لیے یہاں اَبَوَیَّ کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ وَالِدَیَّ کا لفظ ذکر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں حقیقی ماں باپ مراد ہیں۔ اور مجازی باپ (چچا) وہ مقصود نہیں۔ اور وہ اس بات کا مستحق نہ تھا کہ اس کے لیے طلبِ مغفرت کی جائے اور دوسرے حضرات جو آزر کو آپ کا حقیقی والد ہی مانتے ہیں ان کے نزدیک وَالِدَیَّ سے مراد حضرت آدم و حوا ہوں گے۔ (مظہری) هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ وَالِدَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَاِنَّمَا كَانَ آزَرُ عَمًّا لَّهُ وَكَانَ اسْمُ اَبِیْ اِبْرَاهِيْمَ تَارِخَ وَلِاَجْلِ دَفْعِ تَوَهُّمِ آزَرَ قَالَ وَالِدَيَّ يَعْنِیْ مَنْ وَّلَدَانِیْ حَقِيْقَةً وَّلَمْ يَقُلْ اَبَوَیَّ فَاِنَّ الْاَبَ يُطْلَقُ عَلَى الْعَمِّ مَجَازًا۔ (مظہری) (1)

۵۵ ہر مظلوم و ستم رسیدہ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ گھبراؤ نہیں تمہاری دادرسی کی جائے گی۔ یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ کفار کی ستم

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص279

لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۗ وَاِنْ

بیان کی تھیں تمہارے لیے (طرح طرح کی) مثالیں۔ اور انھوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں ۵۹ اور اللہ تعالیٰ کے پاس انکے مکر کا توڑ تھا۶۰۔ اگرچہ

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ

انکی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے۔ تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے

رُسُلَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ

اپنے رسولوں سے۶۱ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ یاد کرو اس دن کو جبکہ بدل دی جائیگی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین۶۲ سے

وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

اور آسمان بھی (بدل دیے جائینگے) اور سب لوگ حاضر ہو جائینگے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے۶۳ اور تم دیکھو گے مجرموں کو

کیشیوں اور ظلم رانیوں سے بے خبر ہے۔ اس کو پتہ ہی نہیں کہ اس کے بندوں پر کیسے کیسے ظلم اور زیادتیاں کی جارہی ہیں۔ فرمایا ہم ان کی ساری کارستانیوں کو خوب جانتے ہیں تمہیں ان کے آہنی چنگل سے ضرور رہائی دلائی جائے گی۔ یہ جو ڈھیل ان کو دی جارہی ہے اس میں بھی حکمت ہے۔ شَخَصَ الْبَصَرُ نگاہ کا ٹکٹکی لگ جانا۔ مُهْطِعِيْنَ: فِي الْقَامُوْسِ هَطَعَ هُطُوْعًا اَسْرَعَ مُقْبِلًا خَائِفًا ترساں اور لرزاں بڑی تیزی سے آگے بڑھتے جانا۔ اَلْمُقْنِعُ الَّذِيْ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ جو آدمی اپنا سر اُٹھائے ہوئے ہو۔ اَلْهَوَاءُ: اَلْخَلَاءُ: بزدل کے دل کو کہا جاتا ہے جو ہر قوت و طاقت سے بالکل خالی ہوتا ہے (1)۔ یعنی جو آج مئے پندار سے مدہوش ہیں۔ جنہیں آج خدا کا خوف ہے نہ اس کے رسول کی حیا، غرور و نخوت کے ان پیکروں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا۔

۵۶ قیامت کے دن کفار کو جس پشیمانی کا سامنا ہوگا اس کی یاد اور اس کا احساس دلا کر آج ہی انہیں تائب ہونے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ توبہ کرو گے تو قبول ہوگی۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہو گیا اُس وقت سٹ پٹاؤ گے لیکن بے سُود۔

۵۷ کفار اس دن سراپا التجا بن کر عرض کریں گے: ہمیں تھوڑی سی مہلت بخشی جائے ہم اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی کرلیں۔ لیکن ان کی یہ التجا مسترد کردی جائے گی اور انہیں ان کی وہ جاہلانہ اور متکبرانہ باتیں یاد دلا کر مزید رسوا اور شرمندہ کیا جائے گا کہ تم تو بڑی قسمیں اُٹھا اُٹھا کر کہتے تھے کہ قیامت کا دن کبھی نہیں آئے گا۔ ہم سے کوئی باز پُرس نہیں کی جائے گی۔ اب بتاؤ کہاں گئیں وہ تمہاری قسمیں اور کدھر ہیں وہ تمہاری ڈینگیں۔ ۵۸ تم ان بستیوں میں سکونت پذیر رہے جن کے پہلے باشندے اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کردیئے گئے تھے۔ ان بستیوں کے در و دیوار ظالموں کی عبرتناک داستانیں تمہیں سنایا کرتے تھے اور ہم نے بھی تمہیں مثالیں دے دے کر حق کی طرف بلایا اور تم پنبہ در گوش ہی رہے۔ آج چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں آج

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 280

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ

اس روز کہ جکڑے ہوتے ہونگے زنجیروں میں۔ ان کا لباس تارکول کا ہوگا ۶۴ اور ڈھانپ رہی

وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

ہوگی انکے چہروں کو آگ۔ یہ اس لیے تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو اس نے کمایا تھا ۶۵ بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد

الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا

حساب لینے والا ہے۔ یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے اسے اتارا گیا ہے تاکہ انھیں ڈرایا جائے اس کے ذریعہ اور تاکہ وہ اس حقیقت کو

هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں (اس حقیقت کو) دانشمند لوگ ۶۶

معذرت خواہی بعد از وقت ہے۔ اب تو تمہیں لامحالہ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنی ہوگی۔

۵۹ ان کی مزاحمتوں کے باوجود اسلام دن بدن ترقی کر رہا تھا۔ حق کی روشنی آئے دن اُن میں سے کسی کے دل میں چمکتی اور وہ ان سے کٹ کر اسلام کے پرچم کے نیچے آجاتا۔ یہ صورتِ حال کفر کے سرغنوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ اُنہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چراغِ زیست گل کرنے کے لیے اپنی تمام قوتیں داؤ پر لگا دیں۔ شب و روز وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رہتے۔ ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں حقیقت میں بڑی خطرناک تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے ان کی تمام چالوں اور تجویزوں کو ناکام بنا دیا۔

۶۰ یعنی ان کی سازشوں کا توڑ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا یا ان کی اس اسلام دشمنی کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے دیا۔ عِنْدَهٗ مَا يَمْكُرُهُمْ بِهٖ جَزَاءً لِمَكْرِهِمْ وَاِبْطَالًا لَّهٗ۔ (مظہری)(1) وَعِنْدَ اللّٰهِ جَزَاءُ مَكْرِهِمْ۔ (روح المعانی)(2)

۶۱ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مزید تسکین وطمانیت کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔

۶۲ اس روز زمین و آسمان تو ہوں گے لیکن وہ زمین ایسی نہیں ہوگی جس سے ہم واقف ہیں۔ وہ آسمان ایسا نہ ہوگا جس سے ہم روشناس ہیں۔ نہ وہاں ستارے جگمگا رہے ہوں گے نہ چاند اپنی روپہلی اور خنک کرنوں سے دلوں کو تازگی اور روح کو نشاط بخش رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اس کے حبیبِ مکرم کو ہی معلوم ہے کہ وہ زمین کیسی ہوگی اور وہ آسمان کیا ہوگا۔ یہ تبدیلی صرف اوصاف میں ہوگی یا ذات ہی بدل جائے گی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 281 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 251

۶۳ سب خورد وکلاں، پیرو جواں اس خدا کے حضور میں جمع ہوں گے جو یکتا ہے اور جس کی یکتائی کا انکار کرنے کی اس روز کسی کو جرأت نہ ہوگی۔ وہ جو قہار ہے جس کے سامنے سارے مغرور وسرکش سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔

۶۴ اس روز مجرموں کو اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ زنجیر وسلاسل میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور تارکول کا سیاہ اور بدبودار لباس انہوں نے پہنا ہوا ہوگا مُقَرَّنِيْنَ: مُشَدَّدِيْنَ: بندھے ہوئے، جکڑے ہوئے اَلْاَصْفَادُ: اَلْاَغْلَالُ وَالْقُيُوْدُ طوق اور بیڑیاں یعنی ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے۔ سَرَابِيْلُ م سِرْبَالٌ: قمیص۔ قَطِرَان: وہ سیّال جو خارش زدہ اونٹ پر ملا جاتا ہے، تارکول۔(1)

۶۵ اس کا تعلق بَرَزُوْا کے ساتھ ہے میدانِ حشر میں سب کو حاضر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

۶۶ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ قوتِ نظری اور قوتِ عملی اور انہیں کی تکمیل میں انسان کی ترقی اور کمال کا راز پنہاں ہے۔ قوتِ نظری کا کام حقائقِ موجودات کو جاننا ہے۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ اور ارفع حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفان اسے حاصل ہو جائے۔ اور قوتِ عملی کا کام یہ ہے کہ انسان اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہو جائے اور تمام اخلاقِ فاضلہ سے افضل اور احسن خلق یہ ہے کہ انسان اپنے خداوند ذوالجلال کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے(2)۔ اور یہ دونوں کمال قرآن کریم میں غور وفکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص ہدایت طلبی کے جذبہ سے سرشار ہو کر قرآنی دلائل وبراہین کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ بے ساختہ یہ کہہ اٹھتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اور جب یقین کا یہ چراغ روشن ہو جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ جگمگانے لگتی ہے اور وہ مستانہ وار یہ کہتا ہوا اس پر گامزن ہو جاتا ہے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "میں نے اپنا سرِ اطاعت وانقیاد رب العالمین کے ہر حکم کے سامنے جھکا دیا ہے"۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص286
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج10، جز19، ص158

تعارف سورۃ الحجر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک کا نام الحجر ہے۔ یہ لفظ آیت نمبر ۸۰ میں مذکور ہے۔ یہ چھ رکوعوں اور ننانوے آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ۶۵۴ اور حروف کی تعداد دو ہزار سات سو ساٹھ ہے۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس کے مضامین میں غور کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اس کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلائلِ قاہرہ اور براہینِ قاطعہ سے اسلام کی حقانیت کو ثابت کر دیا۔ کفار کے شکوک وشبہات کا مسکت جواب دے کر انہیں مہر بلب کر دیا۔ اب علم اور تحقیق کے میدان میں ان کے لیے قیل وقال کی مجال تک نہ رہی۔ اور ہٹ دھرمی اور تعصب کے سوا دشمنانِ اسلام کے پاس اپنے باطل سے چمٹے رہنے کا کوئی جواز نہ رہا اور انہوں نے یہاں تک کہہ دیا، کہ اگر آپ ہمیں آسمان پر بھی چڑھا کر لے جائیں تو پھر بھی ہم آپ کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

مضامین: اس سورت میں ان لوگوں کو واضح طور پر بتایا کہ تمہارا انجام وہی ہوگا جو تم سے پہلے تمہاری طرح ہٹ دھرمی اور تعصب کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔ مہلت کی گھڑیاں اب ختم ہونے والی ہیں۔ اس لیے تیار ہو جاؤ کہ قومِ لوط اور اصحاب الحجر کی طرح تمہارا نام ونشان مٹا دیا جائے۔

اس دھمکی کے ساتھ ساتھ انہیں غور وفکر کی بھی دعوت دی گئی۔ اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید حضور کی رسالت اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلائل پیش کر دیئے۔ اسی ضمن میں انسان کی پیدائش کے متعلق اسلامی نظریہ وضاحت سے بیان فرما دیا گیا۔ سورت کی ابتدائی آیتوں میں ان کے طریقۂ کار اور طرزِ عمل کا نفسیاتی تجزیہ بھی کر دیا گیا۔ بتایا کہ اسلام کی صداقت پر روشن دلائل کے باوجود وہ کیوں حق کو قبول نہیں کرتے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ ان کے عقائد اور نظریات بالکل باطل اور بیہودہ ہیں، وہ ان سے کیوں دست کش نہیں ہوتے۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیش وطرب اور فسق وفجور کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ وہ کسی قیمت پر ان سے باز نہیں آسکتے۔ نیز شیطان نے ان کے سامنے حسین اور دلکش توقعات کا ایک ایسا خوبصورت محل تعمیر کر دیا ہے جس کے بعد وہ کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ جب انسان ان گوناگوں امراض کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر کوئی نصیحت اس پر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو فرمایا: ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۔

1۔ در منثور، ج4، ص170، دار الکتب العلمیہ، بیروت

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ حجر مکی ہے اس کی ۹۹ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) آیات اور ۶ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف۔لام۔را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی ۱ اور روشن قرآن کی۔ ۲

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار ۳ کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ انھیں رہنے دیجیے وہ کھائیں (پئیں)

۱ یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنی افادیت وجامعیت کے اعتبار سے صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے جس طرح کسی نوع کے فردِ کامل کا ذکر کرنا ہو تو اس کا نام لینے کی بجائے اس نوع کو ہی ذکر کر دیتے ہیں جس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس نوع کا صحیح فرد جو اس کی تمام صفات اور خاصیات سے متصف ہے، یہی ایک فرد ہے۔ باقی افراد تبعاً اور ضمناً اس میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲ جو حق وباطل میں تمیز کرتا ہے، جو حلال وحرام کو واضح کرتا ہے اور جس کی روشنی انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو منور کر رہی ہے۔

۳ آج تو کفار اسلام کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور اگر اس کی طرف بلایا جائے تو بڑی نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہیں، وہ وقت آنے والا ہے جب یہ صدقِ دل سے اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش! وہ اس دین کے پیروکار ہوتے، کاش! انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا ہوتا۔

یہ اظہارِ حسرت وہ کب کریں گے؟ طبرانی نے حضرت جابر سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کئی گنہگار دوزخ میں جائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد کافر انہیں طعنہ دیں گے کہ تم تو اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتے تھے۔ تمہارا انجام بھی ہم سے مختلف نہیں۔ تمہارے ایمان نے تمہیں کوئی نفع نہ دیا۔ فَلَا يَبْقٰى مُوَحِّدٌ اِلَّا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ الاٰية (1) یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ ہر موحد کو آگ سے نکال لے گا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافر اس وقت اظہارِ حسرت وندامت کریں گے۔ لیکن علامہ ابوحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ یہ اظہارِ حسرت اس وقت بھی ہوگا۔ لیکن یہ صرف اسی وقت نہیں ہوگا بلکہ اور کئی مواقع جبکہ کفّار کو ذلیل ورسوا کیا جائے گا اور مسلمانوں کو سربلند کیا جائے گا، خواہ وہ دنیا میں اسلام کی فتح اور کفّار کی شکست کا وقت ہو، خواہ موت کا وقت ہو، خواہ حشر میں، تمام ایسے مواقع پر کفار اظہارِ حسرت کریں گے۔ قِيْلَ عِنْدَ كُلِّ حَالَةٍ يُعَذَّبُ فِيْهَا الْكَافِرُ وَيَسْلَمُ الْمُؤْمِنُ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ الْاَنْبَارِيِّ۔ (بحر)(2)

رُبَّ حرفِ جار ہے اور یہ اسم پر داخل ہوتا ہے جب اسے فعل پر داخل کرنا ہو تو اس کے ساتھ ما کافہ لگاتے ہیں رُبَمَا ہو گیا۔ اس کے بعد یہ فعل پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ رُبَّ قلّت کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے یا کثرت پر دلالت کرنے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 4 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 445

وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ③ وَمَا أَهْلَكْنَا

اور عیش کریں[4] اور غافل رکھے انھیں (جھوٹی) امید ۔ کچھ عرصہ بعد وہ (حقیقت کو خود بخود) جان لینگے۔ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے

مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ

کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا[5] نہ آگے بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے

أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑤ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ

مقررہ وقت سے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے[6] اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص اُتارا گیا ہے جس پر

الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ⑥ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ

قرآن[7] بیشک تو مجنون ہے۔ توکیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو

کے لیے؟ علمائے نحو کا اِس مسئلہ میں کافی اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی اصل وضع، معنی قلت کے لیے ہے لیکن کبھی یہ کثرت کے معنی پر بھی دلالت کرتا ہے جیسے یہاں۔ وَاَصْلُهَا اَنْ تُسْتَعْمَلَ فِی قَلِیْلٍ وَّقَدْ تُسْتَعْمَلُ فِی الْکَثِیْرِ۔ (قرطبی) (1) علامہ ابوحیان کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ رُبَّ محض اثباتِ شے پر دلالت کرتا ہے۔ قلّت وکثرت کا مفہوم سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ رُبَّ اگرچہ ماضی پر ہی بکثرت داخل ہوتا ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ یہ مضارع پر داخل نہیں ہوسکتا غلط ہے۔ مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے۔ لیکن بہت کم مواقع پر وَقَدْ تَدْخُلُ عَلَی الْمُسْتَقْبَلِ لٰکِنَّهٗ قَلِیْلٌ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی دُخُوْلِهَا عَلَی الْمَاضِیْ (بحر) (2)

۴ اللہ تعالیٰ اظہارِ غضب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب ان احمقوں کو اسی حالت میں رہنے دیجئے اور ان کو سمجھانے کی مزید زحمت نہ گوارا کیجئے۔ یہ ہدایت کے طلبگار ہی نہیں۔ ان کی صرف ایک ہی خواہش ہے کہ یہ خوب کھائیں پیئیں اور عیش وعشرت کریں۔ انہیں اسی میں مگن رہنے دیجئے۔ یہ لمبی آسیں لگائے بیٹھے ہیں۔ جب موت کا وقت آئے گا انہیں خود بخود معلوم ہوجائے گا کہ انہوں نے اپنے اوپر کتنا ظلم کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: بدبختی کی چار نشانیاں ہیں: آنکھوں میں آنسوؤں کا نہ آنا۔ دل کا سخت ہونا۔ طولِ امل اور حرصِ دُنیا (مسند بزّار، قرطبی) (3) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے اِنَّمَا اَخْشٰی عَلَیْکُمُ اثْنَتَیْنِ طُوْلَ الْاَمَلِ وَاتِّبَاعَ الْهَوٰی فَاِنَّ طُوْلَ الْاَمَلِ یُنْسِی الْاٰخِرَةَ وَاتِّبَاعَ الْهَوٰی یَسُدُّ عَنِ الْحَقِّ (روح المعانی) (4) یعنی مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے۔ لمبی آس لگانا اور خواہشِ نفس کی پیروی کرنا۔ کیونکہ لمبی آس آخرت کو فراموش کرا دیتی ہے اور خواہشِ نفس کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا:

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ج 1 　 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 444

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 2۔ مجمع الزوائد، ج 10، ص 389 رقم الحدیث 17685، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، الترغیب والترہیب، ج 4، ص 41-240، باب الترغیب فی ذکر الموت، دار الفکر، بیروت 　 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 10

الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ مَا کَانُوۡۤا اِذًا

سچا ہے ۵ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انھیں اسکے بعد مزید مہلت

مُّنۡظَرِیۡنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ

نہیں دی جاتی ۹ بیشک ہم ہی نے اُتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۔ ۱۰ اور

مَا اَطَالَ عَبۡدٌ الۡاَمَلَ اِلَّا اَسَاءَ الۡعَمَلَ (1) یعنی جو شخص لمبی آس لگا تا ہے وہ بُرے اعمال کی طرف راغب ہو جا تا ہے۔ دانا وہی ہے جو ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور فرصت کے لمحے جو اسے دیئے جا رہے ہیں اُن سے پوری طرح فائدہ اُٹھائے۔

۵ اَیۡ اَجَلٌ مُّؤَقَّتٌ: (2) ایک مقررہ میعاد جو لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ ۶ اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

۷ کفّار از راہِ استہزا اور مزاح کہتے کہ یہ کتاب جس کے متعلق آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آسمان سے اُتری ہے اس میں ایسی ایسی انہونی باتیں ہیں جن کو کوئی سمجھ دار آدمی درست تسلیم نہیں کر سکتا۔ آپ کا خلافِ عقل باتیں کرنا اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کا دماغ درست نہیں۔ (3)

۸ ہم بیسیوں مرتبہ مطالبہ کر چکے ہیں کہ اپنے رب سے کہو کہ وہ کوئی فرشتہ اتارے جو آکر آپ کی تصدیق کرے۔ اگر آپ کے اس قول میں کہ میں نبی ہوں، کوئی صداقت ہوتی تو کیا آپ کا خدا ایک فرشتہ بھی نہ بھیجتا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے اس دعویٔ نبوت میں صداقت کی کوئی رمق نہیں ہے۔ ۹ اللہ تعالیٰ ان کے اس احمقانہ اصرار پر فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق فرشتہ اتارا جاتا اور پھر بھی تم ایمان نہ لاتے جیسے کہ تمہاری ضد اور تعصب سے عیاں ہے تو پھر تمہیں اسی وقت تہس نہس کر دیا جاتا۔ یہ تو ہمارا کرم ہے کہ ہم تمہیں مہلت دیئے ہوئے ہیں تا کہ تم غور و فکر کرو، شاید تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے۔

۱۰ بڑے زور دار الفاظ میں کفار کے اس اعتراض کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ قرآن کلامِ الٰہی نہیں۔ فرمایا بلاشبہ ہم ہی نے اُتارا ہے اسے تین مرتبہ ضمیر متکلم کا بیک وقت تکرار (اِنَّا۔ نَحۡنُ۔ نَزَّلۡنَا) جس تاکید بالائے تاکید پر دلالت کر رہا ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں اور ضمیریں بھی جمع متکلم استعمال ہوئیں جو نازل کرنے والے کی عظمت و کبریائی کا اظہار کر رہی ہیں۔ یعنی ہم جو سارے جہانوں کے خالق و مالک ہیں، ہم جن کی فرمان روائی کا ڈنکا زمین و فلک، فرش و عرش پر بج رہا ہے، ہم نے اس کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ اَیۡ مِنَ التَّحۡرِیۡفِ وَ الزِّیَادَۃِ وَ النُّقۡصَانِ وَلَا یَتَطَرَّقُ اِلَیۡهِ الۡخَلَلُ اَبَدًا (4) آج چودہ صدیاں قریب الاختتام ہیں اور دشمنانِ اسلام کی خواہشوں، کوششوں اور سازشوں کے باوجود ایک آیت میں بھی ردّ و بدل نہیں ہو سکا۔ ایک نقطہ کی کمی بیشی اور زیر و زبر کا فرق بھی تو نہیں ہوا۔ آج بھی لاکھوں انسان اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ سارے لکھے ہوئے قرآنی نسخے نایاب ہو جائیں تو پھر بھی یہ جُوں کا تُوں محفوظ رہے گا۔ اگر کوئی جابر سے جابر حکمران اور کوئی بڑے سے بڑا عالم اسے پڑھتے ہوئے زیر کو زبر میں بدل دے تو سات آٹھ سال کا بچہ اسے ٹوک دے گا۔ آج

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 9
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 3
3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 446
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 293

لَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ

بیشک ہم نے بھیجے (پیغمبر) آپ سے پہلے اگلی امتوں میں ۱۱ اور نہیں آتا تھا انکے پاس

مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١١﴾ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي

کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم داخل کرتے ہیں گمراہی کو

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾

مجرموں کے دلوں میں ۔ ۱۲ وہ نہیں ایمان لائیں گے اس پر اور گزر چکی ہے پہلوں کی یہی روش۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے ۱۳ اور وہ سارا دن اس میں سے اُوپر چڑھتے رہتے۔

دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کا مصنف یا جس کے ماننے والے اس کے متعلق یہ دعویٰ کر سکتے ہوں۔ مذہبی صحائف جو دنیا کی مختلف قوموں کی عقیدت کا مرکز ہیں، ان کے ماننے والوں کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے مذہبی صحیفے ہر قسم کے ردّ و بدل سے پاک ہیں۔ صرف قرآنِ کریم کا یہ دعویٰ ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ (1) کہ باطل اس میں کسی جانب سے داخل نہیں ہوسکتا۔ اور ان چودہ صدیوں کے طویل عرصہ میں اسلام کا کوئی بدترین بدخواہ بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ اس میں کوئی تحریف ہوئی ہو، یورپ کے مستشرقین جنھوں نے اپنے وسیع علم، بے عدیل ذہانت اور طویل عزیز عمریں قرآن کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لیے صرف کیں، وہ بھی آخر کار یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کتاب ہر قسم کی تحریف اور تغیّر سے پاک ہے۔ میور (MUIR) سے زیادہ دشمن اسلام کون ہوگا۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف اس کی زہر افشانیاں رسوائے عالم ہیں۔ اسے بھی یہ لکھنا پڑا:

THERE IS PROBABLY IN THE WORLD NO OTHER BOOK WHICH HAS REMAINED TWELVE CENTURIES WITH SO PURE A TEXT.

یعنی "اغلباً دنیا میں قرآن کے علاوہ کوئی ایسی اور کتاب نہیں جس کا متن بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے یوں پاک رہا ہو"۔

۱۱ یعنی جس طرح یہ حقیقت ناشناس اور عقل کے اندھے آج بے باکیاں اور گستاخیاں کرتے ہیں۔ یہی دستور ان کے پیشرؤوں کا بھی تھا۔ ان کے پاس بھی جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی تشریف لے آتا تو وہ بھی اس پر آوازے کستے اور پھبتیاں اُڑاتے۔ شِيَعٌ ج شِيْعَةٌ اس کا معنی ہے ایک فرقہ، ایک گروہ جو کسی بات پر متفق ہو۔ اس کی اصل شِيَاعٌ ہے وَهُوَ الْحَطَبُ الصِّغَارُ يُوقَدُ بِهِ الْكِبَارُ (2)۔ وہ چھوٹی لکڑیاں جن کے ذریعے بڑی لکڑیوں کو آگ لگائی جاتی ہے۔ اَلشِّيَاعُ مَا تُضْرَمُ بِهِ النَّارُ (المنجد) (3)

۱۲ سلک: پرونا، دھاگہ سوئی میں ڈالا جائے تو کہتے ہیں سَلَكْتُ الْخَيْطَ فِي الْإِبْرَةِ (4) یعنی جس طرح انہوں نے انکار اور استہزاء کو اپنا شعار بنایا ہم نے بھی بطور سزا ان کو فہم ہدایت سے محروم کر دیا اور اخلاقی طور پر نہایت ناپسندیدہ اور نامرغوب بات

1۔ سورہ حم السجدہ: 42 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 6 3۔ المنجد، ص 412 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 17

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع ۱

پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں [۱۴] بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا

اور بیشک ہم نے آسمان میں بُرج بنائے ہیں [۱۵] اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لیے [۱۶] اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے

(یعنی بڑوں اور بزرگوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا) ان کا محبوب مشغلہ بن گیا نَسْلُكُهٗ کی ضمیر کا مرجع اَلْاِسْتِهْزَاءُ ہے جو يَسْتَهْزِءُوْنَ کا مصدر ہے اور لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کی ضمیر کا مرجع کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا مرجع اَلذِّكْر ہے۔ (کبیر)(1)

۱۳ یہاں ان کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفران کے دلوں میں یوں جڑ پکڑ چکا ہے کہ اگر ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں اور یہ سیڑھی لگا کر دن دہاڑے اوپر بھی چڑھ جائیں اور ہماری قدرت کے روشن دلائل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر بھی یہ حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے اور بڑی بے حیائی اور ڈھٹائی سے کہہ دیں گے کہ یہ جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے یہ حقیقت نہ تھی بلکہ کچھ منتر پڑھ کر ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے، تھا کچھ بھی نہیں اور ہمیں یوں نظر آیا کہ ہم آسمان پر چڑھے، وہاں فرشتوں کو دیکھا اور قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا مشاہدہ کیا۔ یہ مشاہدات محض نظر بندی کا کرشمہ تھے۔ حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہم پر جادو کر دیا گیا تھا۔

۱۴ علامہ قرطبی نے کلمہ سُكِّرَتْ کی تحقیق کرتے ہوئے علمائے لغت کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ سُدَّتْ بِالسِّحْرِ۔ اُغْشِيَتْ اَبْصَارُنَا۔ غُطِّيَتْ۔ حُبِسَتْ۔ پھر لکھا ہے کہ ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی مُنِعَتْ۔ قُلْتُ وَهٰذِهٖ اَقْوَالٌ مُّتَقَارِبَةٌ يَّجْمَعُهَا قَوْلُكَ مُنِعَتْ (2)۔ ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۵ کفار و منکرین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کے مزید تکوینی دلائل پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ وہ ان میں غور کریں اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو تسلیم کر کے نورِ ہدایت سے اپنی قلوب کو روشن کریں۔ پہلے ان آیات تکوینیہ کا ذکر فرمایا جو بلندی میں پائی جاتی ہیں۔ بُرُوْجٌ کا واحد بُرْجٌ ہے۔ اس کا ایک لغوی معنی ہے جس میں اہلِ زبان اس کو استعمال کرتے ہیں اور ایک اس کا اصطلاحی معنی ہے جس میں یونان کے علماء ہیئت نے اسے استعمال کیا۔ دونوں معنے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں بُرْجٌ کا لغوی معنی ہے ظاہر ہونا۔ جب عورت پردہ سے نکل آئے اور اپنی نمائش کرنے لگے تو کہتے ہیں تَبَرَّجَتِ الْمَرْاَةُ۔ اَصْلُ الْبُرُوْجِ الظُّهُوْرُ وَ مِنْهُ تَبَرَّجَتِ الْمَرْاَةُ بِاِظْهَارِ زِيْنَتِهَا۔ (قرطبی)(3) اس لغوی معنی کی مناسبت سے اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہونے لگا جو دور سے نمایاں ہوتی ہیں مثلاً قلعہ، محل، شاہراہ وغیرہ۔ وَالْبُرُوْجُ جَمْعُ بُرْجٍ وَ هُوَ لُغَةً الْقَصْرُ وَ الْحِصْنُ (روح المعانی)(4) اسی وجہ سے وہ بڑے ستارے جو دور سے نمایاں ہوتے ہیں۔ انہیں بھی اہلِ عرب برج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اَلْمُرَادُ بِالْبُرُوْجِ الْكَوَاكِبُ الْعِظَامُ (روح المعانی، قرطبی)(5) اور ابو صالح نے کہا ہے: بُرُوْجٌ سے مراد سَبْعُ سَيَّارَاتٍ ہیں۔ (قرطبی)(6) علماء ہیئت نے جب یہ مشاہدہ کیا کہ سورج تین ماہ تک شمال کی طرف مائل ہوتا ہے پھر تین ماہ تک ہٹتا رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ تین ماہ تک جنوب کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر تین ماہ تک ہٹتا رہتا ہے تو

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 10، جز 19، ص 172 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 8 3۔ ایضاً، ص 9 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 21
5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 22۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 9 6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 9-10

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ

آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے ۱۷۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

ایک روشن شعلہ ۱۸۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ۱۹۔ اور گاڑ دیے اس میں محکم پہاڑ

انہوں نے سورج کے مدارِ حرکت کو بارہ حصوں میں بانٹا اور ہر حصہ کو برج کہا اور مدار کے ہر حصہ میں جو بڑے بڑے ستارے پائے جاتے ہیں، ان کی ایک خیالی شکل اپنے ذہن میں مرتسم کرلی۔ اور اس شکل سے اس بُرج کا نام رکھ دیا گیا۔ ان برجوں کے نام یہ ہیں: حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو اور حوت۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیت میں بروج سے کیا مراد ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ مدارِ آفتاب کی یہ تقسیم یونانی علماء ہیئت نے کی تھی۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ نزولِ قرآن سے پہلے عرب اس تقسیم کو جانتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے تو پھر ان بُرجوں سے وہی بارہ برج مراد ہوں گے جن کے نام ابھی اُوپر لکھے گئے ہیں اور اگر اس کا قابلِ اعتماد ثبوت ہم نہ پہنچے تو بھی آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں کیونکہ اس وقت بُروج سے مراد وہ سات سیارے یا دیگر بڑے بڑے چمکدار ستارے ہوں گے جو کروڑوں چمکتے ہوئے ستاروں میں بھی خوب نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۶ یعنی یہ نہیں کہ چمکدار ستارے بنا دیئے اور انہیں غیر منظم طور پر بکھیر دیا کہ اس سے روشنی حاصل ہوتی رہے اور ان کی کرنیں اپنی اپنی تاثیرات سے متعلقہ اشیاء کو متاثر کرتی رہیں اور بس۔ بلکہ ان کو ایسے موزوں طور پر سجایا ہے کہ دیکھنے والی آنکھ ان کے حسنِ ترتیب کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے الغرض یہ کوئی حسنِ مستور نہیں جس کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہو۔ تاروں بھری اندھیری رات ہو یا چودھویں کا چاند اس خاکدانِ ارضی پر اپنے انوار کی بارش کر رہا ہو۔ حجلۂ عروسی سے نکلنے والی دلہن کی طرح حیاء کی سرخی گالوں پر لیے صبح کے وقت سورج جلوہ نمائی کر رہا ہو یا شام کے وقت مغربی اُفق کو اپنی حسرتوں کے خون سے سرخ کر کے وہ رات کی تاریکی میں گم ہونے کی تیاری کر رہا ہو، کون سا ایسا منظر ہے جس سے ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز نہیں ہوتا۔ خالقِ کائنات نے ہر چیز کو جس طرح مفید اور مستحکم بنایا ہے اتنا ہی اسے حسن و جمال بھی بخشا ہے۔

۱۷ اتنے مفید، حسین اور محیر العقول نظام کو قائم کر کے اس کی حفاظت کا بندوبست نہ کرنا حکمتِ ربانی کے خلاف تھا۔ اس لیے فرمایا کہ ہر شیطان مردود کی دخل اندازی، اس کی تخریبی سرگرمی اور فساد انگیزی سے اس نظام کو اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کوئی گڑبڑ پیدا کر سکے۔ یہ نظام شمسی جس طرح مرتب کیا گیا ہے، اس کے ثوابت کے لیے جو مقامات متعین کیے گئے ہیں اور اس کے سیارات کے لیے حرکت کرنے کی جو مداریں مقرر کی گئی ہیں۔ کوئی تخریبی قوت بال برابر بھی اس میں فساد برپا نہیں کرسکتی۔ اگر کوئی شیطان مردود قدرت کی طرف سے مقررہ حد بندیوں کو توڑ کر آگے جانا چاہتا ہے تو شہابِ ثاقب سے اس کی تواضع کی جاتی ہے۔

۱۸ شہاب کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک لغوی اور ایک اصطلاحی۔ لغت میں شہاب چمکنے والی آگ کو کہتے ہیں اَلشِّهَابُ فِي اللُّغَةِ النَّارُ السَّاطِعَةُ (1) اس کے ساتھ یہاں مبین کی صفت مذکور ہے یعنی ظاہر اور بعض دیگر مقامات پر اس کو ثاقب کی صفت سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، ص12

موصوف کیا گیا ہے۔ جس کا معنی ہے چھیدنے والا۔ یعنی ایسی تیز آگ جو ہر چیز میں سے سوراخ کر کے گزر جاتی ہے اور اصطلاح میں اس روشنی کو کہتے ہیں جو فضا میں شام کے بعد لمبی لکیر کی طرح نمودار ہوتی ہے اور پھر آناً فاناً غائب ہو جاتی ہے۔ اس شہاب کی حقیقت کیا ہے؟ جدید علمِ فلکیات کے ماہرین خود بھی وثوق سے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتے ہیں آج تک ہم اپنی تحقیق سے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے جس کے اجزاء جب ہوا کے کرہ میں داخل ہوتے ہیں تو رگڑ سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں ہے کہ ہم شہاب ثاقب کی ماہیت کے متعلق آج جو بہترین توجیہہ بیان کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نظامِ شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے۔ اس ٹوٹنے والے تارے کا بیشتر حصہ ہماری فضا میں پہنچنے سے پہلے یا تو گرد بن جاتا ہے یا بخارات میں تبدیل ہو کر اُڑ جاتا ہے اور اقلِ قلیل ہماری فضا میں پہنچ کر دکھائی دیتا ہے اور اس کے کئی ٹکڑے زمین پر بھی گر پڑتے ہیں۔ شہاب ثاقب کے ٹکڑے مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ سب سے بڑے ٹکڑے کا وزن چالیس ٹن تقریباً ۱۱۲۰ من ہے اور یہ ٹکڑا جنوب مغربی افریقہ میں ہے۔ اس سے کم وزن کا ایک ٹکڑا جو گرین لینڈ میں گرا تھا اس کا وزن $36\frac{1}{2}$ ٹن ہے۔ اسے کمانڈر پیری وہاں سے اٹھوا کر نیو یارک لے آئے (انسائیکلو پیڈیا گرولیر-ENCY.GROLIER)

اٹھارہویں صدی میں پیرس کی سائنس اکیڈمی نے شہاب ثاقب کا انکار کر دیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سارے نمونے جو مختلف عجائب گھروں میں ہیں سب فرضی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے گرنے کی چشم دید شہادتیں دی ہیں انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

لیکن اٹھارہ سو تین میں پیرس کے قریب ہی تین ہزار شہابِ ثاقب کا مینہ برسا۔ اس طرح قدرت نے ان سائنسدانوں کے غرور کو توڑا اور اُن کی کم علمی کا پردہ فاش کر دیا۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۵ ص ۳۴۱۔ (1)

اسی ضمن میں وہ حجرِ اسود کے متعلق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ زمینی پتھر نہیں ہے بلکہ کوئی آسمان سے اُتری ہوئی چیز ہے۔ انہوں نے اپنی کم علمی کے باعث اسے بھی ایک شہابِ ثاقب تصور کیا ہے لیکن یہ ان کی کم علمی ہے۔ بہر حال اس بات کا تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ یہ یہاں کا پتھر نہیں ہے۔

THE BLACK STONE OF THE KABA, THE HOLIEST OF HOLIES OF THE MUHAMMADANS' IS NO DOUBT A STONE METEORITE WITH ITS STRANGE BLACK CRUST. 341,ENC. BRI.15 (2)

جب تک یونانی علمِ ہیئت کے زیر اثر ہم یہ سمجھتے رہے کہ زمین سے خشک بخارات اُٹھتے ہیں اور جب وہ کرۂ ناری کے قریب پہنچتے ہیں تو جل اُٹھتے ہیں۔ انہی جلنے والے بخارات کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے تو ہمیں قرآن کریم کی ان آیات کا مفہوم بیان کرنے کے لیے بڑی دِقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن جدید تحقیقات سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ شہاب ثاقب نظامِ شمسی کے کسی ٹوٹنے والے تارے کا جدا شدہ ٹکڑا ہے تو اب معاملہ بہت حد تک واضح ہو گیا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان شہابوں سے شیطانوں کے روکنے کا کام کیونکر لیا جاتا ہے۔ اگر آپ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں اس کی کوئی علمی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر ہیں تو جلد بازی میں اس کا انکار نہ کیجئے۔ اس پر یقین رکھیے کہ یہ سچ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح ارشاد ہے۔ اسے بھی سر دست انہیں مسائل میں سے شمار کیجئے جن کو عقل انسانی ابھی تک نہیں سمجھ سکی اور انتظار کیجئے۔ حتیٰ کہ مستقبل کئی دوسری پیچیدہ گرہوں کی طرح اس عقدہ کی بھی گرہ کشائی کر دے اور اگر آپ فزکس کے طالب علم ہیں اور مسلمان ہیں تو آپ ان مسائل کو سلجھانے کی ہر گز کوشش نہ کریں۔ کہیں آپ کے ذہن رسا کو نظر نہ لگ جائے۔ کسی کالج میں

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 15، ص 341 2۔ ایضاً

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا

اور ہم نے اگا دی اس میں ہر چیز اندازے کے مطابق ۔ ۲۰ اور ہم نے بنا دیئے تمہارے لیے بھی اس میں

لیکچرار بن جایئے پھر بھی مزید مطالعہ یا تحقیق کی طرف راغب ہو کر اپنی آرام دہ زندگی کو بے آرام نہ بنایئے۔ اور اگر کچھ کرنے کے لیے دل مجبور ہی کرے تو کتابوں کے نوٹ اور خلاصے لکھ کر ہاتھ رنگئیے تا کہ آپ کے شاگردوں کو بھی اس علم میں صرف اتنی ہی دسترس حاصل ہو جس سے وہ امتحان میں پاس ہو جائیں۔ مبادا آپ کی کاوش اور تحقیق سے کوئی قرآنی مسئلہ حل ہو جائے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (1)

الٰہی! ہمارے جوانوں کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار فرما۔ ان کے دِلوں کو حقیقت سے آشنا کر دے۔ انہیں اپنی دینی اور قومی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی لگن بخش دے۔ ان تن آسانوں کو سوز آرزو سے تڑپا دے۔

خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جگر سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے (2)

آمین بجاہِ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

۱۹ عالمِ بالا میں اپنی قدرت کے کمالات کا ذکر کرنے کے بعد اب حضرت انسان کو کرۂ ارض میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کی مدت پوری کرتا ہے۔ فرمایا اس زمین کو دیکھو ہم نے اسے کتنا کشادہ کر دیا۔ اربوں کی تعداد میں تو صرف انسان یہاں بستے ہیں۔ پھر اسی پر ان کے رہنے کے مکان ہیں۔ یہیں ان کی وسیع سیر گاہیں ہیں۔ اس کے مزروعہ رقبہ کا شمار بھی کوئی آسان بات نہیں۔ انسان کی علاوہ ان گنت قسم کے پرند و چرند کے لاتعداد افراد کا بھی یہ مسکن ہے۔ اس کی کشادگی کا اندازہ کرنا ہو تو ذرا ان صحراؤں کو دیکھو جو ہزاروں میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بلند و بالا پہاڑ جو اپنی جگہ پر کیل کی طرح ٹھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی زمین میں سمائی ہوئی ہیں اور پھر بھی زمین کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے، تو جس قادرِ مطلق نے اتنی وسیع زمین بنائی ہے اور اس میں تمہاری آسائش کے لیے ہر ضروری سامان مہیا کر دیا ہے اس کی الوہیت اور وحدانیت کا انکار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

۲۰ علامہ زمخشری نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر چیز کو حکمت کے میزان پر تولا گیا ہے اور ہر چیز کو اتنی ہی مقدار بخشی گئی ہے جو اس کے لیے مناسب ہے۔ اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کا احتمال قَالَ زَمَخْشَرِيٌّ وُزِنَ بِمِيْزَانِ الْحِكْمَةِ وَقُدِّرَ بِمِقْدَارٍ يَّقْتَضِيْهِ لَا يَصْلُحُ فِيْهِ زِيَادَةٌ وَّلَا نُقْصَانٌ۔ (بحر) (3)

اب اگر آپ کسی چیز پر سرسری نظر ہی ڈالیں گے تو آپ کو اس میزانِ حکمت کا احساس ہو جائے گا۔ ہر چیز کے لیے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان، نباتات ہوں یا جمادات، معین مقدار اور مخصوص خاصیتیں رکھ دی ہیں۔ جن میں کہیں ردّ و بدل آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ گندم کے پودے پر انار کے دانے نہیں لگ سکتے۔ چڑیا کی جو شکل اور حجم مقرر ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ شیر جیسے قوی جانور کے لیے بھی قد و قامت کا ایک خاص پیمانہ مقرر ہے۔ جس سے وہ آگے تجاوز نہیں کر سکتا۔ شیر بڑھ کر ہاتھی کا حجم اختیار نہیں کر سکتا اور ہاتھی اپنے

1۔ کلیات اقبال (اردو)، بال جبریل، نظم ساقی نامہ، ص 553 2۔ کلیات اقبال اردو، ص 339، بال جبریل، ص 105 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 450

مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا

رزق کے سامان[۲۱] اور ان کے لیے بھی جنھیں تم روزی دینے والے نہیں ہو[۲۲] اور نہیں کوئی چیز مگر

عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ

ہمارے پاس اس کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں[۲۳] اور ہم نہیں اتارتے اسے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔ پس ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ

باردار بنا کر[۲۴] پھر ہم اتارتے ہیں آسمان سے پانی پھر ہم پلاتے ہیں تمھیں وہی پانی۔ اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے

حجم کو گھٹا کر بلی کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ ہر چیز کے لیے ایسے مضبوط قوانین اور ایسے معین پیمانے مقرر ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

۲۱؎ مَعَايِشَ کا واحد مَعِيشَةٌ ہے۔ اس سے مراد وسائل معاش ہیں یعنی کھانے پینے کی چیزیں۔ اور ماوردی نے کہا ہے کہ اس سے عمر بھر اسباب رزق میں تصرف کرنا مراد ہے۔ وَقِيْلَ اِنَّهَا التَّصَرُّفُ فِیْ اَسْبَابِ الرِّزْقِ مُدَّةَ الْحَيَاةِ قَالَ الْمَاوَرْدِیُّ: وَهُوَ الظَّاهِرُ (قرطبی)(1)

۲۲؎ تم اس غلط فہمی کا شکار ہو کہ تم اپنے رزق کے خود کفیل ہو اور اس کا اہتمام تم خود کرتے ہو۔ یہ بات خلافِ واقع ہے۔ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔ یہ روٹی جو تم کھاتے ہو۔ یہ گوشت، سبزیاں، پھل وغیرہ جو تم استعمال کرتے ہو ان کے فراہم کرنے والے تو ہم ہیں۔ تم نے تو صرف ان کو پکا کر کھالیا اور پکانے اور ان چیزوں کو کام میں لانے کی سمجھ بھی ہماری دی ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ ادھر دیکھو یہ ان گنت پرندے، یہ جنگلی جانور اور درندے، یہ کیڑے مکوڑے، یہ سمندر میں بسنے والی بے انداز جاندار مخلوق کیا ان کا کھانا تمہارے مطبخ سے پک کر جاتا ہے؟ انہیں بھی ہم دیتے ہیں اور تمہیں بھی ہم کھلاتے ہیں۔

۲۳؎ ہر چیز کے ہمارے پاس بھرے ہوئے خزانے ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ انہی سے ساری مخلوق کے رزق کا انتظام ہو رہا ہے اور ان کی ضروریات کی کفالت کی جارہی ہے اور تم تو اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب تک جاری رہے گا نامعلوم زمانہ سے لے کر ان کی خوراک کا انتظام انہیں قدرتی خزانوں سے ہو رہا ہے اور وہاں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اسی طرح ہوتا رہے گا اور یہ خزانے بھرے کے بھرے رہیں گے۔ لیکن ان معمور اور بھرے ہوئے خزانوں کو بانٹنے پر کوئی اندھی فطرت مقرر نہیں جو بلا تمیز یوں ہی لٹاتی رہے بلکہ اس کی تقسیم کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جتنا چاہتا ہے، جس وقت چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۲۴؎ یہ آیت غور طلب ہے۔ جب نر مادہ کے ساتھ جفتی کرتا ہے اور مادۂ تولید اس میں ڈالتا ہے تو عرب کہتے ہیں اَلْقَحَهَا الْفَحْلُ اَیْ اَلْقٰی اِلَيْهَا الْمَاءَ (2)۔ علماء تفسیر نے ہواؤں کو لَوَاقِحَ کہنے کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں۔ یا تو اس لیے ہواؤں کو لواقح کہا جاتا ہے کہ یہ بارش کے پانی بادلوں کے مشکیزوں میں اُٹھائے ہوئے آتی ہیں یا اس لیے کہ بادلوں میں یہ اس رطوبت کو ملاتی ہیں جس سے ان سے بارش برسنے لگتی ہے وَقِيْلَ الرِّيْحُ الْمُلَاقِحُ الَّتِیْ تَحْمِلُ النَّدٰی فَتَمُجُّهٗ فِی السَّحَابِ فَاِذَا اجْتَمَعَ فِيْهِ صَارَ مَطَرًا (3) یا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہٰذا، جز 10، ص 13 2۔ ایضاً، ص 16-15 3۔ ایضاً، ص 16

بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ

نہیں ہو۔ ۲۵؎ اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں۔ اور یقیناً

اس لیے انہیں لَوَاقِح کہا گیا کہ یہ درختوں کو باردار کرتی ہیں یعنی نر درختوں کے گابھوں کو لے کر مادہ درختوں کے گھابھوں میں جا کر ڈالتی ہیں ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّوَاقِحَ فَتَلْقَحُ الشَّجَرَ پھر اللہ تعالیٰ لَوَاقِح ہواؤں کو بھیجتا ہے جو درختوں کو باردار کرتی ہیں۔ (قرطبی) (1)

قرآن پاک نے اس راز سے پہلے ہی پردہ اُٹھا دیا تھا کہ نر مادہ کا وجود صرف جاندار مخلوق میں ہی نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی نباتات کی افزائشِ نسل کے لیے یہی طریقہ مقرر کیا ہوا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ (2) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے بھی جنہیں زمین اُگاتی ہے۔ اور خود ان سے بھی اور ان چیزوں سے بھی جنہیں (ابھی) وہ نہیں جانتے،، نر درختوں، پودوں، جڑی بوٹیوں کے شگوفے اُن کی مادہ تک پہنچیں تو کیونکر؟ انسان سارے کام چھوڑ کر اگر یہی ایک کام کرنے لگے تو پھر بھی وہ اس کا لاکھواں حصہ انجام نہیں دے سکتا۔ یہ چیز انسان کی طاقت سے ماوراء تھی۔ اس لیے قدرت نے اپنی کرم گستری سے اس کا خود ہی اہتمام فرما دیا۔ حضرتِ انسان کو خبر تک ہی نہیں ہوتی اور اس کے باغوں میں، کھیتوں میں، چراگاہوں میں اور جنگلوں میں اور نہ معلوم اور کہاں کہاں ہوائیں چپکے سے عملِ تلقیح کو انجام دے رہی ہوتی ہیں جن کے باعث درختوں کی ٹہنیاں رنگ برنگ خوشذائقہ پھلوں سے لدگئی ہیں اور جھوم جھوم کر اپنے خالق کے حضور آدابِ بندگی بجا لا رہی ہیں۔ کھیتوں کے پودوں پر خوشوں کے تاج سجائے جا رہے ہیں۔ اور ان کو دانوں کے موتیوں سے آراستہ کیا جا رہا ہے اور وہ جھک جھک کر اپنے خالق کی ربوبیت اور کبریائی کے گیت گا رہے ہیں۔ چراگاہوں میں آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ گھاس کس طرح زمین پر بچھی چلی جا رہی ہے۔ وہ بھی اسی کی بارگاہِ عظمت میں سجدے کر رہی ہے۔ جس نے اس کی بقا اور بالیدگی کا حکیمانہ انتظام فرما دیا۔ ایک حضرت انسان جس کے لیے کارخانۂ ہستی کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز مصروفِ خدمت ہے وہ بے سُدھ پڑا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ یہی حقیقت تھی جس کے پیشِ نظر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تابیر نخل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ کیونکہ جب دوسرے تمام درختوں پر ہم عمل تلقیح نہیں کرتے بلکہ ہوائیں ازخود اس کام کو انجام دے رہی ہیں تو آخر کھجور کے درخت نے قصور کیا ہے کہ ہواؤں کی عملداری سے اسے خارج کر دیا گیا ہو اور اس کے لیے انسان کو زحمت گوارا کرنی پڑے لیکن جب صحابہ کرام نے دوسرے سال کم پھل آنے کی شکایت کی (جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ درخت اس عمل تابیر کے برسوں سے عادی تھے اور ان کو اپنی طبعی حالت پر آنے کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا) تو حضورؐ نے فرمایا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ (3) یہ دنیوی کام ہیں جنہیں تم بہتر سمجھتے ہو کیونکہ اس چیز کا تعلق احکامِ شرعی سے نہ تھا اس لیے اس پر عمل کرنا اور نہ کرنا ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں۔ نیز اس قسم کے مسائل کا بتلانا نبی کے فرائض میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ان عقدوں کو حل کرنے کے لیے انسان کو اپنے تجربہ، مشاہدہ اور غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ اس لیے یہاں صحابہ کو مجبور کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا نہ جاننے کی دلیل نہیں جیسے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی بلکہ حضورؐ کے علم کی وسعت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ جن مسائل کو سلجھانے کے لیے انسان کو ابھی صدیوں غور و فکر کرنا تھا اُن کو حضورؐ آج ہی سمجھتے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 16 2۔ سورہ یٰسٓ: 36 3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب امتثال ما قالہ شرعاً، ج 2، ص 264

عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ

ہم جانتے ہیں ان کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے اور یقیناً ہم جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو۔ ۲۶ اور بیشک

رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

آپکا پروردگار ہی انھیں (روزِ قیامت) جمع کریگا۔ بیشک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے ۲۷ اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان کو ۲۸

۲۵ تمہارے کنوئیں، تمہارے تالاب، تمہارے ٹینکیاں اور تمہارے ڈیم جن میں تم پانی کا ذخیرہ جمع کرتے ہو، یہ بھی تو ہمارے خزانوں کی کرم گستریوں کی وجہ سے لبریز ہیں۔ اگر ان خزانوں کے منہ بند کر دیئے جائیں تو حقیقت معلوم ہو جائے۔

۲۶ کمالِ قدرت کے ذکر کے بعد کمالِ علم کا بیان ہے یعنی جس طرح وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی طرح ہر چیز کو وہ جانتا بھی ہے۔

۲۷ یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان کو قیامت کے دِن پھر زندہ کرے اور ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور وہ ہر شخص کو خواہ اس کو مرے ہوئے ہزار ہا سال بھی کیوں نہ گزر چکے ہوں اور خواہ اس کے ذرّے اُڑ کر کہیں سے کہیں کیوں نہ چلے گئے ہوں وہ ان سب کو جانتا بھی ہے اور اُن کو یکجا کرنے پر قادر بھی ہے۔ جب حکمت اس بات کی مقتضی ہو اور کوئی چیز علم سے باہر بھی نہ ہو اور وہ ہر چیز پر قادر بھی ہو تو پھر قیامت کے انکار کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا بجز اس بدنصیب کے جسے اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط، قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمان نہ ہو۔

۲۸ قد وقامت میں انسان کو کائنات کی دوسری بڑی چیزوں سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ لیکن خالقِ کائنات نے بتایا کہ اس گرد وپیش اور بالا وپست میں جو کچھ تمہیں نظر آ رہا ہے یہ اسی پیکرِ خاکی کے لیے ہے جسے انسان کہا جاتا ہے۔ لازمی طور پر دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ انسان کو اتنی اہمیت کیوں بخشی گئی۔ آخر اس میں کون سا ایسا جوہر ہے کہ زمین وآسمان، مہر وماہ، بحر وبر، بادل اور ہوائیں سب اس کی خدمت گزاری میں سرگرم عمل ہیں۔ اِس لیے یہاں انسان کی حقیقت کو بیان کر کے اس کی اس خصوصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کے باعث اسے یہ بلند مقام نصیب ہوا۔ لیکن اس چیز کو سمجھنے سے پہلے اس بات کو ضرور ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن کریم خداوند علیم کا کلام ہے۔ یہ حق وصداقت کا نڈر ترجمان ہے۔ اسے اپنی سچائی کے ثبوت کے لیے کسی فلسفی، کسی سائنسدان، قدیم ہو یا جدید کی تائید کی ضرورت نہیں۔ نہ قرآن اس بات کا محتاج ہے کہ ان کی تحقیقات اور جستجو کے نتائج اس کے بیان سے ہم آہنگ ہوں۔ تا کہ جب ہم سنیں کہ فلاں سائنسدان کی تحقیق قرآن کے کسی بیان کے خلاف ہے تو ہم قرآن پاک کو اس کے موافق کرنے کے جنون میں اس کی آیات کو زبردستی وہ معنی پہنانے کی کوشش کریں جن کو قبول کرنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں اور پھر ہم یہ سمجھیں کہ ہم نے قرآن پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا سمجھنا انتہائی نادانی ہے اور یہ حرکت از حد بھونڈی ہے۔ قرآن کریم قائد ہے پیرو نہیں۔ راہنما ہے مقلد نہیں۔ انسان کی پیدائش کے متعلق کئی نظریے پیش کیے گئے۔ اور اپنی موت آپ مر گئے۔ ڈارون کا نظریہ کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے بڑے جوش و خروش سے اٹھا اور عقائد کی قدیم دنیا میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ لیکن قرآن نہ پہلے نظریوں سے خائف تھا اور نہ اس سے وہ ہراساں ہے۔ جن نظریات کی بنیاد ہی ظن وتخمین اور ناقص استقراء پر ہو یا استقراء کا یہ عالم ہو کہ اس کا سرا بھی معلوم نہیں۔ درمیان کی کئی کڑیاں بھی گم ہیں۔ چند بکھری ہوئی کڑیاں ملیں، ان کو زبردستی جوڑ کر ایک زنجیر کا نام دے دینا اور اس کو استقراء تام تسلیم کر کے اس سے کوئی نظریہ اخذ

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے

مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں ۲۹ اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ

کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی۔ توجب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

اس میں خاص روح اپنی طرف سے ۳۰ تو گر جانا اسکے سامنے سجدہ کرتے ہوئے پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔

کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ انسان (ابوالبشر آدم) کی تخلیق ایسی بجنے والی مٹی سے ہوئی جو پہلے بدبودار سیاہی مائل کیچڑ تھا۔ اس سے اس کا کالبد تیار ہوا پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص روح پھونکی۔ اسی روح کی وجہ سے اس کے سر پر خلافتِ ارضی کا تاج رکھا گیا۔ اسی وجہ سے انسان مسجودِ ملائک بنا۔ انسانی تخلیق کے بارے میں قرآن کا یہی نظریہ ہے۔ اسی پر ہمارا ایمان ہے اور یہی حق ہے۔ اگر آج نہیں تو کل یقیناً انسانی تحقیقات اسی منزل پر پہنچ جائیں گی۔ یہاں چند الفاظ تحقیق طلب ہیں۔

صَلْصَالٌ: اُس خشک شدہ کیچڑ کو کہتے ہیں جسے اگر انگلی سے ٹکرایا جائے تو وہ بجنے لگے۔(1)

حَمَأٌ: اُس مٹی کو کہتے ہیں جو کافی دیر پانی میں رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئی ہو۔

مَسْنُوْنٌ: اس کا معنی بدبودار بھی ہے اور قالب میں ڈھلا ہوا بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

علماءِ لغت نے لکھا ہے کہ مختلف حالتوں میں مٹی کے مختلف نام ہیں۔ پانی میں بھگونے سے پہلے اسے تُرَابٌ کہتے ہیں۔ پانی میں بھیگ جائے تو اسے طِیْنٌ (کیچڑ) کہتے ہیں۔ اور جب کافی عرصہ پانی میں بھیگی رہے، یہاں تک کہ اس کی رنگت سیاہ ہو جائے تو اسے حَمَأٌ کہتے ہیں اور جب اس میں بو پیدا ہو جائے یا اسے کوئی صورت دی جائے تو اسے مَسْنُوْنٌ کہتے ہیں اور جب وہ خشک ہو جائے تو اسے صَلْصَالٌ کہتے ہیں۔ اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو اسے فَخَّارٌ کہتے ہیں۔(2)

۲۹ انسان سے پہلے ایک اور نوع کو پیدا کیا گیا تھا جس کا نام جان ہے۔ اس کی تخلیق نَارُ السَّمُوْمِ سے ہوئی۔ سموم اس آگ کو کہتے ہیں جو سخت تیز گرم ہو اور جس سے دھواں نہ اُٹھے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلسَّمُوْمُ الرِّیْحُ الْحَارَّةُ الَّتِیْ تَقْتُلُ وَعَنْهُ اِنَّهَا نَارٌ لَّا دُخَانَ لَهَا۔(3)

۳۰ اس آیت کے متعلق حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بڑی مفید اور جامع بحث کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص298 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص11 3۔ ایضاً

إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰٓ أَن يَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ

سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کردیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس!

مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ

کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ گستاخ، کہنے لگا کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو

خَلَقْتَهُۥ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا

جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی ۳۲؎ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ ٱللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ

یہاں سے تو مردود ہے۔ اور بلاشبہ تجھ پر لعنت ہے روزِ جزا تک۔ کہنے لگا

وہ فرماتے ہیں رُوح کی دو قسمیں ہیں۔ علوی اور سفلی۔ روح علوی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن مادی نہیں بلکہ مجرّد ہے اور نظرِ کشف سے اس کا مقام عرش کے اوپر پتہ چلتا ہے۔ امام غزالی کا بھی یہی مسلک ہے کہ رُوح مجرد ہے۔ لیکن جمہور متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ جسم لطیف ہے اپنی ماہیت اور صفت کے لحاظ سے دوسرے اجسام سے مختلف ہے اور جسم میں اس طرح حلول کیے ہوئے ہے جیسے زیتون کے دانہ میں تیل یا کوئلہ میں آگ۔ اور روحِ سفلی اس بخارِ لطیف کا نام ہے جو عناصرِ اربعہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کو نفس بھی کہتے ہیں اور یہی سفلی روح، علوی روح کا آئینہ ہے۔ جس میں وہ ظاہر ہوتی ہے۔ روح انسانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا ہے (نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي)۔ یہ اضافت بعضیت کی نہیں بلکہ تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے جس طرح بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ اور شہر اللہ کہا جاتا ہے۔ اس کی اضافت کی وجہ یہ ہے کہ تجلیاتِ رحمانیہ کے قبول کرنے کی صلاحیت صرف اس میں پائی جاتی ہے تَشْرِيفًا لِكَوْنِهِ مَخْلُوقًا بِأَمْرِهِ مِنْ غَيْرِ مَادَّةٍ أَوْ لِاسْتِعْدَادِهِ قُبُولَ التَّجَلِّيَاتِ الرَّحْمَانِيَّةِ مَا لَا يَسْتَعِدُّ لَهُ رُوحٌ غَيْرُ الْإِنْسَانِ کیونکہ یہ روح عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں کی خصوصیات کی جامع ہے۔ اسی لیے اسے خلافت کا مستحق قرار دیا گیا اور نورِ معرفت اور آتشِ عشق کا اہل قرار پایا۔ نیز ذاتی، صفاتی اور ظلالی تجلیات کا مہبط بنا۔ وَصَارَ مُسْتَحِقًّا لِّلْخِلَافَةِ أَهْلًا لِّنُورِ الْمَعْرِفَةِ وَنَارِ الْعِشْقِ۔ وَمَهْبِطًا لِّلتَّجَلِّيَاتِ الذَّاتِيَّةِ وَالصِّفَاتِيَّةِ وَالظِّلَالِيَّةِ۔ (مظہری)(1)

۳۱؎ انہی صفات کی وجہ سے فرشتوں کو حکم ملا کہ اس کے آگے سجدہ میں گر پڑو۔ اگر آدم علیہ السلام مَسْجُودٌ لَهُ ہوں یعنی سجدہ انہی کو کیا گیا ہو تو پھر یہ سجدہ تعظیمی ہوگا اور اگر آدم علیہ السلام مَسْجُودٌ إِلَيْهِ ہوں تو پھر آدم علیہ السلام کعبہ کی مانند ہوں گے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہوگا۔

۳۲؎ اس بدنصیب کی نظر صرف حَمَإٍ مَّسْنُونٍ کو دیکھ سکی لیکن وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي کے راز کو نہ سمجھ سکی اور ایسی ٹھوکر کھائی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص300 (ماخوذ)

رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾

اے میرے رب! پھر مہلت دے مجھے اس دن تک جب مردے (قبروں سے) اٹھائے جائینگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوئے گروہ میں سے ہے۔

اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ

(جنہیں) وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی ہے۔ وہ بولا اے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا ہے میں (ہر کام کو)

لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

ضرور خوشنما بنا دونگا انکے لیے زمین میں ۳۳ اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنھیں ان میں سے

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ

چن لیا گیا ہے ۳۴ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ ۳۵ بیشک

کہ عمر بھر کی نیکیاں مسترد کر دی گئیں۔ اور ہمیشہ کے لیے درِ رحمت سے دھتکار دیا گیا۔ آج بھی کئی لوگ جمالِ مصطفوی کی رعنائیوں کو نہیں دیکھتے اور اپنے جیسا بشر کہنے کی جسارت کرتے ہیں۔ انہیں شیطان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

۳۳ شیطان کا گستاخانہ لہجہ ملاحظہ ہو۔ اَغْوَیْتَنِیْ کی تحقیق کے لیے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶ کا حاشیہ دیکھیے۔

۳۴ یعنی وہ بندے جن کو تو نے اپنی عبادت وطاعت کے لیے چن لیا اور شکوک وشبہات کی آلودگیوں سے پاک وصاف رکھا۔ ان پر میرا بس نہیں چلتا۔ یہ وہ پاک لوگ ہیں جن کے عزم واستقامت کے سامنے شیطان جیسا گُرگ بھی ہار ماننے پر مجبور ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ اِبْلِیْسَ قَالَ یَا رَبِّ وَعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ لَا اَزَالُ اُغْوِیْ بَنِیْ آدَمَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَامِهِمْ وَقَالَ الرَّبُّ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ (1)۔ یعنی "شیطان نے کہا: اے رب مجھے تیری عزّت وجلال کی قسم! جب تک ان کی رُوحیں ان کے جسم میں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! مجھے بھی اپنی عزّت وجلال کی قسم! جب تک یہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔"

۳۵ هٰذَا کا مشارٌ الیہ اخلاص ہے یعنی جس نے بناوٹ اور ریاء، تکلف اور تصنع سے کلیۃً اجتناب کرتے ہوئے اخلاص کو اپنا شعار بنایا۔ وہی اس راہ پر گامزن ہوا جو سیدھا اسے ہمارے پاس لے آئے گا۔ هٰذَا اَیِ الْاِخْلَاصُ صِرَاطٌ عَلَیَّ اَیْ طَرِیْقٌ فِی الْوُصُوْلِ اِلَیَّ مِنْ غَیْرِ ضَلَالٍ مُّسْتَقِیْمٌ لَّا اِعْوِجَاجَ فِیْهِ اَصْلًا (مظہری) (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، ص27۔ مسند احمد بن حنبل، ج3، ص29، دار صادر، بیروت۔ مسند ابی یعلی الموصلی از شیخ الاسلام ابی یعلی احمد بن علی الموصلی، متوفی 307ھ، رقم الحدیث 1268، ج1، ص538، دار الکتب العلمیہ، بیروت
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص302

عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا ۳۶ مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں

الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ

گمراہوں میں سے۔ اور بیشک جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کے لیے۔ اس کے سات

اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ

دروازے ہیں ۳۷ ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے یقیناً پرہیزگار اس دن باغوں اور

جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ

چشموں میں (آباد) ہوں گے ۳۸ (انھیں حکم ملیگا) داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں خیر و عافیت کے ساتھ بے خوف ہو کر۔ اور ہم نکال دینگے جو کچھ ان کے

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ

سینوں میں کینہ (وغیرہ) تھا ۳۹ وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ نہیں پہنچے گی انھیں

۳۶ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمادیا کہ واقعی جو میرے بندے ہیں وہ شیطان کے دامِ فریب میں نہیں آسکتے۔ ان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ سارے جتن کر کے دیکھ لے۔ اسے کبھی کامیابی نہ ہوگی۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ عِبَادِیْ سے مراد عِبَادِیَ الْمُخْلَصِيْنَ ہیں۔

۳۷ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ ہر طبقہ کا الگ الگ دروازہ ہے۔ ان سات طبقوں کے نام یہ ہیں: جَهَنَّمُ، لَظٰی، اَلْحُطَمَةُ، اَلسَّعِيْرُ، اَلسَّقَرُ، اَلْجَحِيْمُ، اَلْهَاوِيَةُ (1)۔ ہر طبقہ میں تدریجاً عذاب زیادہ ہوتا جائے گا اور مختلف گناہوں والے اپنے اپنے گناہوں کی سنگینی کے مطابق الگ الگ حصوں میں ڈالے جائیں گے۔

۳۸ مغضوبین کے احوال بیان کرنے کے بعد اب محبوبین کی عزت افزائیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

۳۹ دنیا میں دو نیک آدمی بھی بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہ سکتے ہیں۔ دل میں ایک دوسرے کے متعلق حسد اور منافرت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے باعث شکر رنجی بلکہ جنگ و جدال تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے کا جب حکم ملے گا تو دلوں کو حسد و بغض کی آلائشوں سے پاک کر دیا جائے گا اور سب نیک بندے باہم شیر و شکر ہو جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا وَ عُثْمَانُ وَ طَلْحَةُ وَ زُبَيْرٌ مِنْهُمْ (2)۔ "میں امید کرتا ہوں کہ میں، عثمان، طلحہ، زبیر انہی لوگوں میں سے ہوں گے"۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 305
2۔ ایضاً

فِيۡهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِيۡنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئۡ عِبَادِيۡۤ اَنِّيۡۤ

اس میں کوئی تکلیف اور نہ انھیں اس سے نکالا جائے گا بتادو میرے بندوں کو کہ میں بلا شبہ

اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِيۡمُ ﴿۵۰﴾

بہت بخشنے والا ازحد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتادو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔

وَنَبِّئۡهُمۡ عَنۡ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۵۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا

اور بتائیے انھیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ ۴۰ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا آپ پر سلام ہو ۴۱

قَالَ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

آپ نے کہا (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم

عَلِيۡمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِيۡ عَلٰۤى اَنۡ مَّسَّنِيَ الۡكِبَرُ فَبِمَ

بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ

تُبَشِّرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوۡا بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ ﴿۵۵﴾

کیسی خوشخبری ہے وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔

قَالَ وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

آپ نے فرمایا کون نا امید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے۔ ۴۲ آپ نے کہا

۴۰ سورۂ ہود آیات ۶۹ تا ۷۵ کے حواشی میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۴۱ یہ نُسَلِّمُ یا سَلَّمْنَا کا مفعول ہے اس لیے منصوب ہے۔

وَجِلُوۡنَ جمع ہے اس کا واحد وَجِلٌ اس کا معنی خائف ہے (1)۔ کیونکہ وہ بغیر اذن ایسے وقت میں آگئے تھے جو عام ملاقات کا وقت نہ تھا۔

۴۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی رحمت سے نا امید نہیں ہوں۔ میں تو ہر لحظہ اس کے فضل و کرم پر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 35

وقف لازم

خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾

اے فرستادو! کس اہم کام کے لیے تم آئے ہو۔ انھوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا

مگر لوط کے گھرانے والے۔ ہم ان سب کو بچا لیں گے بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے

إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ

کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ہوگی۔ پس جب آئے خاندانِ لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انھیں دیکھ کر) کہا

إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾

تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو[43]۔ فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے آئے ہیں تمھارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے[44]

وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ

اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق (عذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں تو چلے جائیے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی

اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ

حصہ میں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلیے اور نہ پیچھے مڑ کر دیکھے تم میں سے کوئی، اور چلے جائیے جہاں (جانے کا)

تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ

تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوط کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ

چشم امید لگائے بیٹھا ہوں اس کی رحمت سے مایوس تو صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہوں۔

۴۳ میں تو تمھیں دیکھ کر پہچان بھی نہ سکا کہ تم کون ہو۔ تم یہاں کے رہنے والے بھی نہیں ورنہ تم میرے واقف ہوتے اور تم مسافر بھی نظر نہیں آتے کیونکہ تم پر سفر کا کوئی نشان نہیں ہے۔

۴۴ یعنی ہم وہ چیز لے کر آج تمہارے پاس آئے ہیں جس کے متعلق تم اپنی قوم کو بتاتے تھے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ تم ان کو اس سے ڈراتے تھے تو وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ اب وہ وقت آگیا ہے جب اُن پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَ جَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ

صبح کر رہے ہونگے۔ اور (اتنے میں) آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انھیں) کہا

هٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾

(ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں انکے بارے میں تو مجھے شرمسار نہ کرو۔ اور ڈرو اللہ (کے غضب) سے اور مجھے رسوا نہ کرو۔

قَالُوۡۤا اَوَ لَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیۡۤ اِنۡ

وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو

كُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ

(تو ان سے نکاح کر لو) ۴۵ (اے محبوبؐ!) آپ کی زندگی کی قسم ۴۶ یہ (اپنی طاقت کے) نشہ میں مست ہیں (اور) بہکے پھر رہے ہیں۔ پس آلیا انکو

الصَّیۡحَةُ مُشۡرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ

ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا ۴۷ پس ہم نے ان کی بستی کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر

۴۵ اس کی وضاحت سورۂ ہود کی آیات ۷۷ تا ۸۳ کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیے۔

۴۶ علمائے تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کی حیات پاک کی قسم اٹھائی ہے اور یہ حضور کی عظمتِ شان اور شرف رفیع کی قوی دلیل ہے (1)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مَا خَلَقَ اللّٰهُ نَفْسًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَمَا اَقْسَمَ بِحَيَاةِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَيَاتِهٖ۔ (2)

یعنی "اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی چیز کو معزز اور مکرم پیدا نہیں کیا اور حضورؐ کے بغیر کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی"۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: هٰذَا نِهَايَةُ التَّعْظِيْمِ وَغَايَةُ الْبِرِّ وَالتَّشْرِيْفِ (3) کہ "اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھانا تعظیم وتکریم کی انتہا ہے"۔ اصل میں یہ لفظ عُمر (یعنی "ع" پر ضمہ) تھا (4) لیکن یہ کثرتِ استعمال کے لیے مفتوح کر دیا گیا ہے۔

۴۷ رات کی تاریکی میں حضرت لوط اپنے کنبہ کو لے کر بستی سے چلے گئے۔ اب یہ بستی اس پاک نفس بندۂ خدا سے بھی خالی ہوگئی۔ یہاں صرف ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو شکل وصورت میں تو انسان تھے لیکن اپنے اعمال واطوار کے لحاظ سے ان میں انسانیت کی بُو تک نہ تھی۔ اخلاقی لحاظ سے وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے گھر میں بھی دخل اندازی کرنے اور اس کے مہمانوں پر دست درازی کرنے سے بھی انہیں شرم نہیں آتی تھی اور ایسا فعل جس کے ذکر سے بھی عقلِ سلیم کو نفرت ہے وہ اس کا ارتکاب چوری چھپے نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ سے کیا کرتے تھے۔ اکیلے بھی نہیں بلکہ مجمع عام میں۔ آپ اندازہ فرمائیے اس قوم کے اخلاقی انحطاط کا جو رذیل گناہوں کے ارتکاب

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 39 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 310 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 39 4۔ ایضاً

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾

کھنگر کے پتھر ۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والوں کے لیے ۴۸

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور بیشک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے ۴۹ یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لیے ۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ

اور بے شک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے ۔ ۵۰ پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور

اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں ۵۱ اور بیشک جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ کے) رسولوں کو ۵۲

وقف لازم

ع ۵

میں اتنی دیدہ دلیر ہوا اور جس میں شرم وحیا کی بوتک بھی نہ ہو یقیناً وہ اس قابل تھی کہ اس کو اس زبردست عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا۔

۴۸ متوسم کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ مقاتل اور ابن زید سے اس کا معنی مُتَفَكِّرِيْنَ یعنی غور وفکر کرنے والے منقول ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّهٗ قَالَ لِلْمُتَفَرِّسِيْنَ یعنی "نور فراست رکھنے والے" انہی ابوسعید سے مروی ہے کہ حضور ؐ نے فرمایا اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ (1)۔ "مومن کی فراست سے ڈرا کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر حضور ؐ نے یہی آیت پڑھی"۔ ایک دفعہ حضرت انس ؓ حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں کسی عورت پر نظر پڑ گئی تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا يَدْخُلُ اَحَدُكُمْ عَلَيَّ وَفِيْ عَيْنَيْهِ اَثَرُ الزِّنَا۔ "بعض آدمی میرے پاس آتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے"۔ حضرت انس ؓ بول اُٹھے اَوَحْيًا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حضور ؐ کے بعد پھر وحی اترنی شروع ہوگئی ہے؟ فَقَالَ لَا وَلٰكِنْ بُرْهَانٌ وَّفِرَاسَةٌ وَّصِدْقٌ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا: "نہیں! لیکن یہ تو دلیل وفراست اور صداقت کا نتیجہ ہے"۔ اس قسم کے متعدد واقعات صحابہ وتابعین سے منقول ہیں رضی اللہ عنہم۔ (قرطبی)(2)

۴۹ یعنی قوم لوط کی بستیاں اس راستہ کے قریب ہیں جواب بھی آباد ہے۔ اور اس پر کارواں چلتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ اسی علاقہ میں وہ قوم آباد تھی اور اس کی بربادیوں کے نشان آج بھی پائے جاتے ہیں۔ مقیم کا معنی آباد یا واضح ہے۔

۵۰ حضرت شعیب کی بستی کا نام ہے اَيْكَة لغت میں گھنے درختوں کی جگہ کو کہتے ہیں (3)۔ مدین کا علاقہ بڑا زرخیز اور گنجان آباد تھا۔ ہر طرف باغات اور شاداب درخت دعوت نظارہ دے رہے تھے۔

۵۱ امام واضح راستہ کو کہتے ہیں۔

۵۲ حجر سے مراد قوم ثمود کا علاقہ ہے جو حجاز اور شام کی درمیانی زمین کا نام ہے۔ یہیں حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10،ص43-42۔ جامع الترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجر، ج2،ص 41-140، و-ت، اسلام آباد 2۔ ایضاً، ص44 3۔ المنجد: ص22

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ

اور ہم نے عطا کیں انھیں اپنی نشانیاں۵۳ مگر وہ اُن سے رُوگردانی ہی کرتے رہے۔ اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾

پہاڑوں کو اپنے گھر(اور) وہ بےخوف وخطر رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انھیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب وہ صبح اُٹھ رہے تھے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

پس نہ فائدہ پہنچایا انھیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے۵۴ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۵۵ اور بیشک قیامت آنے ہی والی ہے پس (اے حبیب!)۵۶ آپ درگزر

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں ہمارا گزر حجر کے علاقہ سے ہوا۔ ہم وہاں اُترے۔ وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی بھرا اور اسی کے ساتھ آٹا گوندھا تو حضورؐ نے حکم دیا کہ اس پانی کو انڈیل دو جو آٹا اس پانی کے ساتھ گوندھا ہے اسے اونٹوں کے سامنے ڈال دو اور حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی لو جہاں سے حضرت صالح کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے مکانوں میں جب تم داخل ہو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تو روتے ہوئے داخل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر بھی نازل ہو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے اس ارشاد سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار و دیار کو ناپسند کرنا چاہیے تو اس میں انبیاء اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے۔ دَلِيْلٌ عَلَى التَّبَرُّكِ بِاٰثَارِ الْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَاِنْ تَقَادَمَتْ اَعْصَارُهُمْ وَخَفِيَتْ اٰثَارُهُمْ (قرطبی) (1)

۵۳ ناقۂ صالح اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ۶۱ تا ۶۸۔ ۵۴ یعنی پہاڑ کھود کر انہوں نے اپنے لیے جو مضبوط آرام گاہیں اور پناہ گاہیں تعمیر کی تھیں، جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آگئی تو انہیں کہیں پناہ نہ مل سکی۔

۵۵ یعنی زمین وآسمان اور اس میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں اُن کو اپنی اپنی جگہ پر یُوں مرتب کر دیا گیا ہے کہ ہزاروں صدیاں گزرنے کے باوجود کائنات کے اس کارخانہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ نیز اس کا یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کارخانۂ قدرت کو اس طرز پر بنایا ہے کہ یہاں باطل دوام پذیر نہیں ہو سکتا۔ یہ فضا حق کے لیے ہی سازگار ہے باطل کے لیے سازگار نہیں۔ وَالْمَعْنٰى مُتَلَبِّسًا بِالْحَقِّ لَا يُلَائِمُ اسْتِمْرَارُ الْفَسَادِ وَدَوَامُ الشَّرِّ فَاقْتَضَتِ الْحِكْمَةُ اِهْلَاكَ اَمْثَالِ ذٰلِكَ وَاِزَالَةَ فَسَادِهِمْ مِنَ الْاَرْضِ۔ (2)

۵۶ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حسنِ ادب اور حسنِ خلق کی تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے مجھے ادب و

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 47 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 312

الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدۡ

فرمایا کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔ یقیناً آپ کا رب ہی سب کا خالق (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی

اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ

ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں ۵۷ اور قرآن عظیم بھی اپنی آنکھ اٹھا کر بھی

عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ

نہ دیکھئے ان (اموال) کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے انکے مختلف طبقوں کو ۵۸ اور رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں ان (کی گمراہی) پر ۵۹

خلق کی خوب تعلیم دی۔ اَدَّبَنِیۡ رَبِّیۡ فَاَحۡسَنَ تَادِیۡبِیۡ (1)۔ اس ادب آموزی کی ایک حسین جھلک یہاں بھی ملاحظہ ہو۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر وہ ستانے سے باز نہیں آتے۔ اگر اسلام کے خلاف ان کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہو رہی ہیں، اے صاحب خلقِ عظیم! آپ پھر بھی ان سے درگزر ہی فرماتے رہیے اور درگزر بھی ایسی شان سے جو آپ کے خلقِ عظیم کو زیبا ہو۔ وہ راستہ میں کانٹے بچھائیں آپ ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ وہ پتھر برسائیں اور آپ رحمت کے پھول نچھاور کیجئے۔

۵۷ سَبۡعُ مَثَانِیۡ: حضرات سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ، ابن مسعودؓ کے نزدیک سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور یہی قول حضرات قتادہ، عطا، حسن، سعید بن جبیر سے منقول ہے (2)۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ اُمُّ الۡقُرۡاٰنِ وَاُمُّ الۡکِتَابِ وَسَبۡعُ الۡمَثَانِیۡ۔ قَالَ ھٰذَا حَدِیۡثٌ حَسَنٌ صَحِیۡحٌ (3)۔ نیز امام بخاری نے بھی حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے اُمُّ الۡقُرۡاٰنِ ھِیَ السَّبۡعُ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنُ الۡعَظِیۡمُ (4)۔ حضرت ابن عباس نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے لِاَنَّھَا تُثۡنٰی فِی الصَّلٰوۃِ فَیُقۡرَأُ فِیۡ کُلِّ رَکۡعَۃٍ (مظہری) (5) کہ اسے نماز میں دہرایا جاتا ہے اور ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی مذکور ہے کہ یہ دو بار نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔ مَثَانِیۡ جمع ہے اس کا واحد مَثۡنَاۃٌ ہے جو اسم ظرف ہے یا مُثۡنِیَۃٌ ہے جو اسم فاعل ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب مکرم! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو جو نعمت لازوال بخشی ہے اس کی عظمت کا یہ نادان کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو سورۂ فاتحہ بخشی اور قرآن عظیم جیسی بابرکت کتاب مرحمت فرمائی۔

۵۸ اس نعمت عظمٰی کے سامنے، اس گنج شائیگاں کی موجودگی میں یہ دولت دنیا اس قابل ہی کب ہے کہ آپ اس کی طرف نظرِ التفات کریں جس کے پاس کوہِ نور کا ہیرا ہو وہ بھی کبھی کوڑیوں کی طرف دیکھتا ہے خواہ ان کوڑیوں کے ڈھیر ہی کیوں نہ لگے ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے مَنۡ اُوۡتِیَ الۡقُرۡاٰنَ فَرَاٰی اَحَدًا اُوۡتِیَ مِنَ الدُّنۡیَا اَفۡضَلَ مِمَّا اُوۡتِیَ فَقَدۡ صَغَّرَ عَظِیۡمًا وَّعَظَّمَ صَغِیۡرًا (6)۔ ''جس شخص کو دولتِ قرآن بخشی گئی اور اس نے کسی دنیا دار کو دیکھا اور اس کے سیم و زر کو نعمت قرآن سے

1۔ کنز العمال، ج 11، ص 406، حدیث 31895 2۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 5، ص 312 3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الحجر، ج 2، ص 140
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 313۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الحجر، ج 2، ص 683، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 313 6۔ ایضاً ص 314

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ

اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنوں کے لیے ۶۰ اور فرمائیے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا

الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ

ہوں۔ ۶۱ جیسے ہم نے اتارا ان بانٹنے والوں پر ۶۲ جنھوں نے کر دیا تھا قرآن کو

افضل خیال کیا تو اُس نے بڑی بے انصافی کی۔ اس نے عظیم المرتبت چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز کو بڑا خیال کیا۔"

عام انسانوں کی راہنمائی کے لیے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کتنا مفید اور طمانیت بخش ہے! عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَكُمْ فَھُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْكُمْ (مظہری) (1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی طرف دیکھو جو تم سے کمتر ہے۔ اپنے سے برتر کی طرف نہ دیکھو اس طرح جو نعمت اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمائی تم اسے حقیر جاننے کی غلطی سے محفوظ رہو گے"۔ آیت میں اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ کا لفظ غور طلب ہے۔ صاحب لسان العرب نے لفظ زوج کے دیگر معانی بیان کرنے کے ساتھ اس کا یہ معنی بھی تحریر کیا ہے: اَلزَّوْجُ: اَلصِّنْفُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (2) ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۵۹ اے محبوب! آپ ان نادانوں کی گمراہی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔ یہ اس قابل ہی نہیں کہ آپ ان کے لیے غمزدہ ہوں۔ انہوں نے دانستہ اپنے لیے گمراہی کو پسند کر لیا ہے۔

۶۰ کافروں سے اعراض کرنے کا حکم دینے کے بعد مومنوں کی طرف خصوصی توجہ فرمانے کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اہل ایمان کے لیے اپنے پروں کو نیچا کریں۔ وہ پر جن کے لیے عرش کی بلندیاں بھی سمٹ آتی ہیں اور لامکان کی رفعتیں بھی سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ ان پروں کو نیچا کیجئے تاکہ آپ کے غلام بھی آپ سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں۔ آیت کے اس حصے میں جو مٹھاس اور معنویت ہے اسے اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۶۱ نَذِیْرٌ کا مفعول عذاب ہے جو محذوف ہے۔ كَمَآ اَنْزَلْنَا اس مفعول محذوف کی صفت ہے۔

۶۲ یہ کون لوگ تھے؟ ان کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مقاتل اور فرّاء نے کہا ہے کہ یہ سولہ آدمی تھے جنہیں ولید بن مغیرہ حج کے دنوں میں مکہ کے مختلف راستوں اور گھاٹیوں پر مقرر کر دیا کرتا تھا۔ جن کا کام یہ تھا کہ ہر آنے والے کو وہ حضورؐ کے متعلق بدظن کرتے اور انہیں کہتے کہ خبردار اس شخص کے فریب میں نہ آنا۔ جس نے ہم میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کبھی کہتے وہ تو مجنوں ہے کبھی کہتے وہ تو بڑا جادوگر ہے۔ کبھی شاعر اور کاہن بتلاتے۔ لوگوں کو کہتے کہ اگر ہماری بات پر اعتبار نہ ہو تو ولید بن مغیرہ سے پوچھ لینا جو مکہ کا سردار ہے۔ ولید خود مسجد حرام کے دروازے پر بیٹھ جاتا۔ وہ لوگ جب اس سے ان باتوں کے متعلق دریافت کرتے تو وہ طے شدہ منصوبے کے مطابق ان کی زوردار تائید کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑی رسوا کن موت سے دوچار کیا۔ انہیں مُقْتَسِمِیْنَ اس لیے کہا تھا کہ انہوں نے راستے آپس میں بانٹ لیے تھے۔ ہر شخص اپنے مقررہ راستہ پر بیٹھ کر حضورؐ کے خلاف زہر افشانی کرتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 314۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب القناعۃ، ص 315، مطبوعہ وزارت تعلیم، اسلام آباد 2۔ لسان العرب، ج 2، ص 292

عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

پارہ پارہ ۶۳ پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے ۶۴

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔ ۶۵ ہم کافی ہیں آپکو مذاق اڑانے

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ

والوں کے شر سے بچانے کے لیے۔ ۶۶ جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا سو بہ حقیقت حال کو) ابھی

مُقْتَسِمِيْنَ یہ لوگ ہیں: عاص بن وائل، عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، نضر بن حارث، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج۔ (قرطبی) (1)

۶۳ یہ آیت مُقْتَسِمِيْنَ کی صفت ہے۔ عِضِيْنَ جمع ہے۔ اس کا واحد عِضَةٌ ہے جس کا معنی ہے ٹکڑا: عرب کہتے ہیں عَضَّيْتُ الشَّيْءَ تَعْضِيَةً اَيْ فَرَّقْتُهٗ وَ كُلُّ فِرْقَةٍ عِضَةٌ۔ جب کسی شے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو ہر ٹکڑے کو عِضَةٌ کہتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس آیت پر ایمان لاتے ہیں جو ان کی مرضی کے مطابق ہو اور جو ان کی منشاء کے خلاف ہو اس کا انکار کر دیتے ہیں اَيْ اٰمَنُوْا بِمَا اَحَبُّوْا مِنْهُ وَكَفَرُوْا بِالْبَاقِيْ (2) اس طرح بعض آیات کا انکار ان کے اس ایمان کو بھی ملیامیٹ کر دیتا ہے جو وہ بعض آیات پر لائے تھے۔

۶۴ اے محبوب! تیرے رب کی قسم ہم ان سب لوگوں سے ان کے کرتوتوں کے متعلق باز پرس کریں گے۔

۶۵ اے میرے رسول ﷺ جو حکم آپ کو دیا جا رہا ہے اُس کو برملا لوگوں کے سامنے بیان کیجئے اور کسی کی مخالفت کی پروانہ کیجئے۔ فَاصْدَعْ کا معنی ظاہر کرنا۔ اَلصَّدْعُ: اَلشَّقُّ (3)۔ صَدْعٌ کا معنی چیرنا ہے۔ اس سے پہلے حضور ﷺ پوشیدہ تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ نے برسرِ عام اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

۶۶ آپ کسی کافر سے خائف نہ ہوں۔ آپ پر جو زبانِ طعن دراز کرے گا۔ جو گستاخی کی جرأت کرے گا اور جو مذاق کرے گا ہم خود ان کو سنبھال لیں گے۔ ان کا شر آپ تک نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضورؐ کے خلاف بہتان اور افتراء کا طوفان برپا کرنے والے اسلام کو ختم کرنے کے لیے اپنی پوری کوششیں داؤ پر لگانے والے یا تو حلقہ بگوش اسلام ہو کر پروانہ وار اس پر نثار ہونے لگے یا انہیں ایسی رسوائی اور ذلت سے دوچار کر دیا گیا کہ آج ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکّہ کے یہ پانچ رئیس ہیں جو اسلام کی مخالفت اور حضورؐ کی دلآزاری میں سب سے پیش پیش تھے۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ ابو ضمع، اسود بن عبد یغوث اور حارث۔ ان تمام کو اللہ تعالیٰ نے ذلت کی موت سے ہلاک کیا۔

۶۷ مُسْتَهْزِءِيْنَ کی صفت ہے یا مبتدا ہے اور فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے یعنی یہ مذاق کرنے والے وہ بدبخت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 58 2۔ ایضاً، ص 59-58 3۔ ایضاً، ص 61 (ماخوذ)

يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾

جان لیں گے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دِل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ

سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہوجائیے سجدہ کرنے والوں سے ۶۸ اور عبادت کیجئے اپنے رب کی

حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس الیقین ۶۹

اور بدنصیب لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہ کے علاوہ اپنے بتوں کو بھی الٰہ سمجھتے تھے۔ اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمادیا کہ انہیں اپنی گمراہی کی پوری پوری سزا ملے گی۔

۶۸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب خلقِ خدا کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے لبریز تھا۔ حضورؐ جب اپنی قوم کی گمراہی اور اس پر ان کے اصرار کو دیکھتے تو دل درد سے بھر جاتا اور شدید قسم کی گھٹن محسوس ہونے لگتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو اس غم واندوہ سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تلقین فرمارہے ہیں کہ جب ان کی نافرمانی اور کجروی کے باعث آپ غمگین ہو جائیں تو اسی وقت اپنے ربِّ قدوس کی تسبیح اور اس کی حمد میں مشغول ہوجایا کریں اور اپنا سرِ نیاز اُس کی بارگاہِ صمدیت میں جھکا دیا کریں۔ غم واندوہ کے بادل خود بخود چھٹ جائیں گے، دل کی افسردگی اور گھٹن دور ہوجائے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی تو حضور فوراً نماز میں مصروف ہوجاتے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ فَزِعَ اِلَى الصَّلٰوةِ (رواہ احمد فی مسندہ) (1) ہم غلاموں کے لیے بھی رنج وغم سے نجات پانے کا یہی مؤثر ذریعہ ہے۔

۶۹ یقین سے مراد یہاں موت ہے۔ یعنی اے محبوب مکرم! عبادت کا یہ سلسلہ پورے ذوق شوق کے ساتھ اس وقت تک جاری رہے جب تک اس دارِ فنا سے رحلت کا پیغام نہ آجائے۔ جب تک آنکھ جھپک رہی ہے، نبض چل رہی ہے میری یاد ہوتی رہے، میرے ذکر اور عبادت کا چراغ روشن ہے اور بندگی کا حق بھی یہی ہے کہ تادمِ واپسیں دل اپنے معبود برحق کے ذکر سے سرشار رہے۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ حَتّٰى يَاْتِيَنَا الْيَقِيْنُ بِجَاهِ طٰهٰ وَيٰسٓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص321

تعارف سُورۃ النّحل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس سورت کی آیت نمبر 68 (وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ الاية) میں النَّحۡلِ کا لفظ مستعمل ہوا ہے اس لیے اس سورت کا نام بھی النَّحۡلِ رکھا گیا۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھائیس، کلمات کی تعداد دو ہزار آٹھ سو چالیس اور حروف کی تعداد سات ہزار سات سو سات ہے۔

زمانۂ نزول: یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکّی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں (1)۔

مضامین: جبل ابی قبیس کے دامن میں مکّہ کا شہر ہے۔ یہاں کے بازار نوادرات عالم سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کی منڈیوں میں مختلف اجناس کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ جزیرۂ عرب کا ہر آدمی یہاں کے بسنے والوں کا احترام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قبائل جن کا پیشہ ہی راہزنی اور قزاقی ہے وہ بھی ان کی دل سے عزّت وتکریم کرتے ہیں اور ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہ شہر اتنا بارونق کیوں ہے؟ اس کے باشندوں کا اتنا احترام کیوں کیا جاتا ہے؟ اس لیے کہ اس کی خشت اول حضرت خلیل علیہ السلام کے پاک ہاتھوں نے رکھی۔ اور یہاں کے بسنے والوں کی اکثریت آپ ہی کی نسل سے ہے۔ لیکن وہ دین جس کی اشاعت کا یہ شہر مرکز بنایا گیا تھا، وہ عقیدہ جو حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی اولاد کو سکھایا تھا وہ ناپید ہو چکا ہے۔ کعبہ جسے خداوند وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں اب تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا پاٹ بڑی دھوم دھام سے ہو رہی ہے۔ نسل ابراہیم باقی ہے لیکن دین ابراہیم کا نام ونشان تک نہیں رہا۔

اڑھائی تین ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتا ہے اور فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اعلان فرماتا ہے:

قُوۡلُوۡا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفۡلِحُوۡا (2)

اے لوگو! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو نجات پا جاؤ گے۔

مکّہ کے خاموش ماحول میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ توحید کا نعرہ بلند ہونے پر اہل مکّہ کا ردِّ عمل حیرت، نفرت اور عداوت کے مرحلوں کو طے کرتا ہوا اب سنگدلانہ تشدد کی شکل اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے آبائی عقائد، نظریات اور رسوم کے تحفظ میں ہی اپنی بقا کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر ان کے عقائد ونظریات پر کوئی آنچ آئی تو ان کا وجود تک مٹ جائے گا اور اپنا وجود کسے عزیز نہیں۔ اس لیے وہ ہر قیمت پر اپنے فرسودہ نظام حیات کو بچانا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام کی سادگی، سچائی اور معنویت

1۔ روح المعانی، جز14، ص89، داراحیاء التراث العربی
2۔ ابن عساکر، ج1، ص324، دار المسیرۃ

کے سامنے ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہورہی۔ دلائل کے میدان میں ان کے قدم اکھڑ چکے ہیں۔ انہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر بڑا ناز تھا لیکن قرآن کے حسن بیان اور دل موہ لینے والے اسلوب نے انہیں مبہوت اور ششدر کر دیا ہے۔ ان کے لرزہ خیز مظالم کے سامنے اہل ایمان کی ثابت قدمی اور استقامت نے ان کی شمشیر ستم کو کند کر دیا ہے۔ ان کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ ان کی فہم و دانش کی قوتیں خود ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کی تیاری کر رہی ہیں۔ اس قلبی اور ذہنی کشمکش نے ان کو کھوکھلا کر دیا ہے لیکن حق قبول کرنے کے لیے وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں۔ انہوں نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی خوب کس کر باندھ لی ہے۔ طعن و تشنیع، تمسخر و استہزاء، بہتان تراشی اور نامعقول اعتراضات کے تیروں کے سوا ان کے ترکش میں کچھ بھی نہیں رہا اور وہ انہیں بڑی مہارت سے استعمال کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نبی مکرّم اس کی مخلوق کی سچّی خیر خواہی میں سرگرم عمل ہے۔ وہ بہتان تراشی اور نامعقول اعتراضات کا طوفان برپا کر کے فضا کو تاریک کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حبیب انہیں قرآن کریم کی شیریں اور نورِ صداقت سے درخشاں آیتیں پڑھ کر سناتا ہے وہ عداوت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ محبّت اور پیار کا دامن پھیلاتا ہے۔ وہ ناروا پھبتیاں کستے ہیں اور یہ اپنے دلنواز تبسّم سے اُن کو ٹال دیتا ہے۔

یہ سورۂ مبارکہ انہی حالات میں نازل ہوئی۔ اس کی آیات طیبات میں ہدایت پذیری کا وہ سارا مواد موجود ہے جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ اسلام کے جن نظریات کو کفّار عقل اور مشاہدات کے خلاف قرار دیتے تھے، ان کو انفسی اور آفاقی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ اگر اب بھی تم نے ضد نہ چھوڑی اور عقل و فہم کی خداداد صلاحیتوں کی توہین سے باز نہ آئے تو دردناک عذاب کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آخر میں ان صفات کو بیان کیا جن کا کسی مبلغ اسلام میں موجود رہنا ازبس ضروری ہے۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النحل مکی ہے اس کی ۱۲۸ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے) آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

قریب آگیا ہے حکم الٰہی ¹پس اس کے لیے عجلت نہ کرو۔ ²پاک ہے اللہ تعالیٰ اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں ³

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کفار بار بار مطالبہ کیا کرتے کہ ہم آپ کو نبی برحق تسلیم نہیں کرتے۔ آپ جس عذاب کی دھمکیاں ہمیں دیا کرتے ہیں وہ لے آیئے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ہر کام حکمت سے اور اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ ان کی اس قسم کی طفلانہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے بدل نہیں جایا کرتے۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے جو بارہ تیرہ سال مکہ میں گزرے۔ ان میں اگرچہ کفار کی طرف سے دلآزاریوں اور ستم رانیوں کی انتہا ہوتی رہی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حلم انہیں برداشت کرتا رہا اور اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کرنے اور انتظار کرنے کی تلقین کی جاتی رہی۔ مکہ مکرمہ کو چھوڑنے کی ساعت آپہنچی۔ چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ کا رسول یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔ اس وقت ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے رسول آج ان متکبروں اور سرکشوں کو بتادو کہ خدا کے عذاب کی گھڑی اب آن پہنچی ہے۔ تمہارے غرور اور نخوت کو خاک وخون میں ملانے کے لیے اس کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ وہ خود بدر کے میدان میں آئے اور کیفر کردار کو پہنچے۔ اس کے بعد ہر آنے والی ساعت ان کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیغام بن کر ہی آتی رہی۔ آیت میں اَلْاَمْرُ سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور کفار پر غالب آنا ہے۔ بعض کی رائے میں اَلْاَمْرُ سے مراد قیامت ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ اَتٰی کا عام معنی ''آگیا'' ہے۔ لیکن اہل زبان اسے دنیٰ اور قرب کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جب کوئی چیز جلد ظہور پذیر ہونے والی ہو تو اس کے لیے بھی اَتٰی کا لفظ استعمال ہوتا ہے قَالَ ابْنُ عَرَفَةَ يَقُوْلُ الْعَرَبُ اَتَاكَ الْاَمْرُ وَهُوَ مُتَوَقَّعٌ بَعْدُ (1) علامہ آلوسی نے اپنے عارفانہ رنگ میں لفظ اَتٰی کے ذکر کی بڑی لطیف وجہ بیان کی ہے۔ جس سے صرف اہل نظر ہی پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ انہیں کے ذوق کی تسکین کے لیے ان کی عبارت نقل کر رہا ہوں۔ (اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ) وَهُوَ الْقِيَامَةُ الْكُبْرٰى الَّتِيْ يَرْتَفِعُ فِيْهَا حُجُبُ التَّعَيُّنَاتِ وَيَضْمَحِلُّ السِّوٰى وَلَمَّا كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشَاهِدًا لِذٰلِكَ فِيْ عَيْنِ الْجَمْعِ قَالَ (اَتٰى) وَلَمَّا كَانَ ظُهُوْرُهَا عَلَى التَّفْصِيْلِ بِحَيْثُ تَظْهَرُ لِكُلٍّ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ حِيْنٍ قَالَ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْا (روح المعانی) (2)

۲۔ اِسْتِعْجَال کا معنی کسی چیز کو اس کے وقت مقررہ سے پہلے طلب کرنا ہے اَلْاِسْتِعْجَالُ طَلَبُ الشَّيْءِ قَبْلَ اَوَانِهٖ (مظہری) (3) کفار کو نزول عذاب کے لیے جلدی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ جلدی تو کسی ایسے کام کے لیے کی جاتی ہے جس میں خیر و برکت ہو، تباہی و بربادی کے لیے تو ٹلنے کی آرزو کی جاتی ہے۔ وہ بڑا ہی نادان ہوگا جو اپنی بربادی کے لیے سخت بے چین ہو۔

۳۔ بتایا اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ وہاں کمال ہی کمال ہے۔ کسی کمی یا کمزوری کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ باقی ہر چیز خواہ کتنی بڑی، کتنی مفید اور کتنی پائیدار ہو وہ عیب سے خالی نہیں۔ اگر اس کا کوئی دوسرا عیب کسی کو نظر نہ آئے تو یہ عیب تو کسی سے مخفی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 324   2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 159   3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 325

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ

اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ ۴ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے ۵ اپنے بندوں میں سے کہ

اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

خبردار کرو (لوگوں کو) ۶ کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے پس مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ۷

نہیں کہ وہ اپنے موجود ہونے میں اپنے بنانے والے اور پیدا کرنے والے کی محتاج ہے۔ اور جہاں افتقار اور احتیاج ہو، وہ خدا کا شریک کیسے ہوسکتا ہے۔

۴ روح سے مراد وحی ہے۔ جس طرح روح سے ہر چیز کی زندگی ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ وحی الٰہی حیات بخش ہے۔ زندہ ہونے کو تو لوگ نزول قرآن سے پہلے بھی زندہ تھے لیکن اس روح پاک کے نزول کے بعد حجاز کے صحراؤں میں جس حسین وجمیل زندگی کے چمنستان آباد ہوئے۔ اس سے تو دنیا کی نگاہیں آشنا نہ تھیں۔

۵ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ہی تھا تو عبدالمطلب کے یتیم پوتے کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا؟ کسی رئیس اعظم کو نبی بنایا جاتا تو لوگ اس کی باتیں دھیان سے سنتے اور اس کا کہنا مانتے۔ ان کے اعتراض کو مسترد کرنے کے لیے فرمایا: کہ نبی کے انتخاب کے لیے تمہارا مقرر کیا ہوا معیار غلط ہے۔ نبی تو وہ بنتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود نبی بنانا چاہتا ہے۔ جسے وہ ان قوتوں اور استعدادوں سے مالا مال کر کے پیدا کرتا ہے جو بارِ نبوت کو اٹھانے کے لیے ضروری ہے۔

۶ نبی آکر اپنے لیے جائیدادیں نہیں بناتا۔ جیسے جھوٹے نبیوں کا شیوہ ہے۔ وہ اپنے لیے ناحق برتری کے دعوے نہیں کرتا۔ اس کی بعثت کی ایک ہی غرض ہوا کرتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ وہی ایک خدا ہے اور انسان کو اسی کی نافرمانی اور حکم عدولی سے ڈرنا چاہیے۔

۷ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کے ان دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جو اتنے واضح اور یقین آفرین ہیں کہ اگر کوئی معمولی عقل وفہم رکھنے والا بھی غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اسے اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ ذرا غور تو کیجئے زمین وآسمان کا یہ کارخانہ کتنا وسیع ہے اور کتنے بے شمار پُرزوں سے مرکّب ہے۔ ہر پُرزہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنی اپنی جگہ پر اس خوبی سے فِٹ ہے کہ نہ کوئی پیچ ڈھیلا ہوتا ہے نہ کوئی گراری ٹوٹتی ہے اور نہ انجن کی رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ ہر چیز اپنا اپنا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ جس کے ذمے چلنا ہے وہ چل ہی رہی ہے نہ اپنی سمت بدلتی ہے نہ اپنے مقرر راستہ سے بال برابر اِدھر اُدھر سرکتی ہے اور نہ اس کی چال میں فرق پڑتا ہے۔ جس کے ذمے دوڑنا ہے وہ دوڑتی ہی چلی جارہی ہے جنہیں ٹھہرنے کا حکم ملا ہے وہ دم بخود چپ چاپ کھڑی ہیں۔ انسان اس محیر العقول کارخانہ کی پیچیدگیوں میں غور کرے تو سر چکرا جاتا ہے اور اگر حقیقت شناس نگاہ سے وہ یہ منظر دیکھے کہ ہر چیز ایک حلقہ بگوش غلام کی طرح تعمیل حکم میں مصروف ہے تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ نکلتا ہے: تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ۔

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

اور زمین کو حق کے ساتھ وہ برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اس نے پیدا فرمایا انسان کو

نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

نطفہ سے ۸ پس اب وہ برملا جھگڑالو بن گیا ہے۔ نیز اس نے جانوروں کو پیدا کیا تمھارے لیے ۹ ان میں

فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ

گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے ہیں اور انھیں (کا گوشت) تم کھاتے ہو ۱۰ اور تمھارے لیے ان میں زیب و زینت بھی ہے ۱۱

۸ یہ حضرت انسان جس کے حسن و کمال کے سامنے چاند اور پھول نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں، جس کی ہیبت سے جنگل کے شیر لرزہ براندام ہیں جس کی تسخیری قوتیں اب ستاروں پر کمندیں ڈال رہی ہیں۔ اس کا اصل کیا ہے؟ پانی کی ایک بوند۔ یہ رعنائی و دلبری، یہ زور و تنومندی، یہ قلب اور یہ دماغ کیا اس ایک قطرہ میں سموئے ہوئے تھے۔ جس ہستی نے ان حیرت انگیز گوناگوں صلاحیتوں کو یوں سمیٹا اور پھر جس طرح ان کو پھیلایا اور ان کی نشوونما کی، اس کے آستانہ عظمت پر سر نہ جھکایا جائے تو کہاں جھکایا جائے لیکن یہ انسان نہ اپنی اصل میں غور کرتا ہے اور نہ اس مربی کریم کے لطف و کرم کا اعتراف کرتا ہے بلکہ اس سے اور اس کے فرستادوں سے بات بات پر الجھتا ہے اور جھگڑتا ہے۔ ایک دن اُبی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا آپ اس ہڈی کے متعلق ہمیں کہتے ہیں کہ اسے پھر زندہ کیا جائے گا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری) (1)

۹ انسان کی زندگی کی بقاء کے لیے اور اُس کو آرام دِہ اور دلکش بنانے کے لیے جو چیزیں پیدا فرمائیں اب ان کا ذکر ہے خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ میں لام اجلیہ ہے یعنی تمہاری خدمت گزاری اور تمہارے فائدہ کے لیے انہیں پیدا فرمایا۔

۱۰ اَلدِّفْءُ۔ اَلسَّخَانَةُ وَهُوَمَا اسْتُدْفِئَ بِهٖ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا (قرطبی) (2) یعنی وہ حرارت جو ان کی اُون وغیرہ سے بُنے ہوئے ملبوسات سے تم حاصل کرتے ہو اس کے علاوہ متعدد منفعتیں حاصل کرتے ہو، ان کا دودھ پیتے ہو۔ ان کی ہڈیوں کو طرح طرح سے استعمال کرتے ہو۔ اور تو اور ان کے گوبر اور پیشاب کو بطور کھاد استعمال کرکے اپنی زراعت کو چار چاند لگاتے ہو۔ اور ان کا گوشت کھاتے ہو۔

۱۱ اس کے علاوہ جب وہ صبح سویرے چرنے کے لیے بستیوں سے باہر نکلتے ہیں اور دن بھر چرنے کے بعد کلیلیں کرتے ہوئے شام کے وقت واپس آتے ہیں تو کتنا دلکش منظر ہوتا ہے۔ وہ راستے بھی آباد آباد دکھائی دیتے ہیں جہاں سے وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے مویشیوں کو جب یوں یکجا مرغزاروں کو جاتے ہوئے یا وہاں سے آتے ہوئے تم دیکھتے ہو تو جو فرحت اور طمانیت تمہارے دل محسوس کرتے ہیں ذرا اس کا ہی اندازہ لگاؤ۔ تم اللہ تعالیٰ کے کس کس احسان کو بھلاؤ گے اور کہاں تک ناشکری کرو گے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 326　　1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 69

تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۞ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَّمْ

جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح انکو چرانے لیجاتے ہو۔ اور (یہ جانور) اٹھائے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ان شہروں تک جہاں

تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۞

تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے ۱۲ بیشک تمہارا رب بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا

اور اس نے پیدا کیے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور تمہارے لیے ان میں زینت ہے ۱۳ اور پیدا فرمائے گا ایسی

لَا تَعْلَمُونَ ۞ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ

سواریاں جو تم نہیں جانتے ۱۴ اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا اور انمیں غلط راہیں بھی ہیں ۱۵ اور اگر اللہ تعالیٰ

۱۲ میدانی علاقہ ہو یا ریت کے ٹیلے ہوں، پہاڑوں کی بلندیاں ہوں یا وادیوں کا نشیب ہو، راستہ ہموار ہو یا قدم قدم پر گڑھے ہوں، یہ جانور تمہارے بھاری بھرکم سامان کو اپنی پشتوں پر لادے ہوئے کس طرح خاموشی سے چلے جا رہے ہیں۔ ذرا غور تو کرو! اگر تمہیں یہ سامان خود اٹھا کر لے جانا پڑتا تو تمہیں کس دقت کا سامنا ہوتا۔ ایسے جانوروں کا بہم پہنچانا تمہارے پروردگار کی ازحد شفقت اور بے پایاں رحمت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

۱۳ اس کی ذرہ نوازیوں نے صرف بار برداری کے جانور ہی پیدا نہیں کیے بلکہ تمہاری سواری کا انتظام بھی فرما دیا۔ جب تم ان پر سوار ہوتے ہو تو وہ اپنی سبک رفتاری سے ہوا سے باتیں کرنے لگتے ہیں اور قلیل عرصہ میں تمہیں منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ قطع مسافت میں سہولت کے ساتھ ساتھ اس میں زینت کا پہلو بھی قابل لحاظ ہے۔ ایک خوبصورت نقرے گھوڑے پر انسان سوار ہو تو کتنا سجیلا معلوم ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس وقت برتری کے جس جذبہ سے سرشار پاتا ہے وہ تو بیان سے ہی باہر ہے اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کے کن کن پہلوؤں کو آشکارا فرماتا ہے، یہ بات توجہ کے قابل ہے۔

۱۴ تمہاری بقا اور تمہارے آرام و آسائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن کو تم جانتے ہو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کی تمہیں خبر تک نہیں۔ تم ان کا نام بھی نہیں جانتے۔ اور بفرمان ایزدی وہ شب و روز تمہاری خدمت میں مصروف ہیں فَأَخْبَرَنَا بِأَنَّ لَهُ مِنَ الْخَلَائِقِ مَا لَا عِلْمَ لَنَا بِهِ (بحر) (1) اس آیت سے نقل و حرکت کے وہ ذرائع بھی مراد لیے جا سکتے ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھے لیکن بعد میں ایجاد ہوئے یا جو قیامت تک ایجاد ہوتے رہیں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے۔ یہ موٹریں، یہ دخانی بحری جہاز یہ طیارے اور راکٹ اور خدا معلوم ابھی اور کیا کیا

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 476

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ

چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اُتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے اس میں سے

شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ

کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اُگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو[۱۶] اگاتا ہے تمہارے لیے اسکے ذریعہ (طرح طرح کے) کھیت

وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ

اور زیتون اور کھجور اور انگور اور (انکے علاوہ) ہر قسم کے پھل۔ یقیناً ان تمام

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے[۱۷] اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیا تمہارے لیے رات، دن

بننے والا ہے۔ یہ سب اسی کی صفت رأفت و رحمت کے مظاہر ہیں۔

۱۵ آیت کا مطلب یہ ہے کہ راہِ راست کو دلائل و براہین سے واضح کر دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہوا ہے۔ یہ سب اس کی مہربانی ہے اور راستے دو قسم کے ہیں: ایک سیدھا راستہ جو انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ دوسرے وہ راستے جو انسان کو غلط سمت کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر پگڈنڈی جو سامنے آئے اُس پر نہیں چل پڑنا چاہیے بلکہ پہلے اچھی طرح یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کون سا ایسا راستہ ہے جو آپ کو اپنی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ یونہی کسی راستہ پر گامزن ہو جائیں پھر آپ برسوں اس پر چلتے رہیں لیکن آپ کی منزل قریب آنے کی بجائے دور ہی ہوتی چلی جائے۔

۱۶ اس سے پہلے انسان اور اس کی بقا کے لیے جن اشیاء کی ضرورت تھی اُن کی تخلیق کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں شان ربوبیت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ جس قادرِ مطلق نے ایک قطرۂ آب سے انسان جیسی دلکش اور دلچسپ مخلوق پیدا فرمائی اس نے پیدا کرنے کے بعد اسے فراموش نہیں کر دیا بلکہ اس کی نشو و نما کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا فرمایا۔ سب سے پہلے پانی کا ذکر کیا۔ کیونکہ انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ انسان اسے پیتا ہے اور اپنی چراگاہوں، کھیتوں اور باغات کو سیراب بھی کرتا ہے۔ اسی سے چراگاہوں میں سبز گھاس اور کھیتوں میں شاداب چارہ لہلہانے لگتا ہے جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ اگر پانی ہی نایاب ہو جائے تو زندگی کی ساری رنگینیاں خاک میں مل جائیں۔ یہاں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ اَلشَّجَرُ هٰهُنَا كُلُّ مَا تُنْبِتُهُ الْاَرْضُ قَالَهُ الزَّجَّاجُ (1) اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ شجر سے مراد یہاں گھاس ہے۔

۱۷ ان چیزوں کے پیدا کرنے سے صرف تمہاری غذائی ضرورتوں کی تکمیل ہی مطلوب نہیں، ورنہ کوئی ایک جنس ہی پیدا کر دی

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص478

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

سورج اور چاند کو اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں بیشک ان تمام چیزوں میں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا

(قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کیلیے جو دانشمند ہے ۱۸ اور (علاوہ ازیں) جو پیدا فرمایا تمہارے لیے زمین میں (اسے بھی مسخر کر دیا) الگ الگ ہے

اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ

انکا رنگ و روپ۔ یقیناً ان میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے۔ ان لوگوں کیلیے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ۱۹ اور وہی ہے جس نے پابند حکم

جاتی اوراس سے تمہاری شکم پُری ہوتی رہتی۔ طرح طرح کے اناج اور گونا گوں پھل پیدا فرما کر جہاں اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی نقاب کشائی کی ہے وہاں تمہارے ذوقِ لطیف کی بھی ناز برداریاں کی گئی ہیں۔ گندم کی روٹی نہیں کھانا چاہتے تو چاول حاضر ہیں۔ پلاؤ پکا لیجئے۔ یہ بھی نہیں تو آج باجرے کا پراٹھا پکا کر تناول فرمائیے۔ کھجور کھائیے۔ اور اگر ان سے جی بھر گیا ہے تو انگور کے خوشوں سے زمرّدین موتی توڑ کر اپنی نگاہوں اور اپنے ذائقے کی تسکین کیجئے۔ ہر اناج ہر پھل میں غذائیت کی مقدار اور ان کے دیگر مخصوص اثرات کا آپ جتنی گہری نظر سے مطالعہ کریں گے، اتنا ہی اس کی قدرت کے مستور جلوے اپنا گھونگھٹ اتارتے چلے جائیں گے اور تمہیں کہنا پڑے گا کہ رنگ میں، بُو میں، ذائقہ میں اور اثر میں یہ تنوع پیدا کرنا اندھی فطرت کے بس کا روگ نہیں۔ یہ کیسی علیم و خبیر ہستی کی کرشمہ کاری ہے۔ اسی لیے تو فرمایا اہل فکر کے لیے ان میں ہماری قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔

۱۸ تمہاری ظاہر پسند نظریں تو اتنا ہی سمجھ سکتی ہیں کہ اب رات ہوگئی۔ سونے کا وقت آ گیا۔ اب دن چڑھ رہا ہے اب ہمیں جاگنا چاہیے۔ سورج دن کو روشنی پہنچاتا ہے اور چاند کا کام رات کو منور کرنا ہے۔ آسمان کی نیلی چادر پر ستاروں کو اس لیے ٹانک دیا گیا ہے کہ وہ خوبصورت بن جائے۔ تم نے کبھی شب و روز کی گردش، شمس و قمر کے اثرات اور ستاروں کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ہر چیز ہزاروں فوائد کی حامل ہے۔ لیکن ان فوائد سے وہ جواں ہمت لوگ ہی آگاہ ہو سکتے ہیں جو اپنی عقل و خرد کی قوتوں کو استعمال کرنا جانتے ہوں۔ ایسے باہمت لوگوں کو مظاہر فطرت کے ان آئینوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل ضیا پاشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

۱۹ اس کا عطف سَخَّرَ لَكُمْ کے نیچے ہے۔ ذَرَاَ کا معنی خَلَقَ (پیدا کیا ہے) (1) اس ارشادِ ربّانی کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں کو تمہاری خدمت کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اسی طرح اس سطح زمین پر جن چیزوں کو پیدا فرمایا۔ حیوانات، نباتات، معدنیات انہیں بھی تمہارے لیے مسخر فرما دیا۔ لیکن ان سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو عقل و فہم سے کام لینا جانتے ہوں۔ بے علموں اور بے فکروں کے لیے تو یہ انمول خزانے بے مصرف ہیں۔ پانی میں بجلی کی حیرت انگیز قوت پہلے دن سے موجود تھی، کرہ ہوائی کی موجیں تیری آواز کو آناً فاناً دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کی اہلیت رکھتی تھیں۔ تیرے ریگستانوں کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 84

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

کردیا ہے سمندر کو تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس سے زیور جسے تم

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

پہنتے ہو ۲۱ اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیر کر جارہی ہوتی ہیں سمندر میں تاکہ (انکے ذریعہ) تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ

نیچے پٹرول کے سمندر موجزن تھے لیکن ان سے فائدہ اٹھانا تیرا کام تھا۔ اغیار نے اپنی انتھک کوششوں اور جانفشانیوں سے اُن پنہاں قوتوں کا سُراغ لگالیا اور ان سے خوب خدمت لی۔ لیکن اے حامل قرآن، تیری سہل انگاری نے تجھے مہلت نہ دی کہ تُو اپنی اس کتاب کا مطالعہ کرے جس نے سب سے پہلے ان قوتوں کی تسخیر کی دعوت دی۔ تیرے فقیر، حال مست اور تیرے امیر، مال مست رہے۔ تیرے بلند ہمت اسلاف نے علم وحکمت کی جو چمن بندی کی تھی۔ اس میں بہار آنے کا وقت آیا تو تُو اس سے غافل ہو گیا۔ اور اس پر اغیار نے تسلط جما لیا۔ اہل ہمت ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور تجھے پتنگ بازی سے فرصت نہیں۔ کمر ہمّت باندھ مستقل مزاجی سے محنت اور جفاکشی کو اپنا شعار بنا اور آگے بڑھ کر علم و دانش اور فن وحکمت کے کاروانوں کی قیادت سنبھال۔ موجودہ بے دین قیادت انسانیت کو اپنے رب سے دور کر رہی ہے اور اسے ہلاکت کی طرف لے جا رہی ہے۔ تیری مومنانہ قیادت جہاں انسانیت کے لیے امن وعافیت کی ضامن ہوگی، وہاں بندے کا رشتہ اپنے رب سے استوار کرنے کا بھی باعث بنے گی۔

۲۰ اس خاکدان ارضی میں اپنی عنایات کا جو بازار سجایا تھا اس سے متعارف کرنے کے بعد اپنی نوازشات کی ایک دوسری جلوہ گاہ کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ ان نیلگوں سمندروں کو دیکھو جن کا کوئی کنارہ نہیں۔ ان میں اٹھتی ہوئی لہروں کی بلندی کا اندازہ کرو۔ اس میں اٹھنے والے طوفان کتنے تند و تیز ہیں۔ لیکن سب کو پابند حکم کر دیا گیا ہے۔ اور اسی میں تمہاری خوراک کے لیے تازہ گوشت کا اہتمام کر دیا گیا ہے اور ہماری قدرت کے اس اعجاز میں بھی تو غور کرو کہ مچھلی جس پانی میں جنم لیتی ہے۔ جس میں پرورش پاتی ہے اور جو اس کی خوراک ہے وہ تو اتنا کھاری اور کڑوا ہے کہ ہونٹوں پر بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن کیا مچھلی کے گوشت میں اس کا ذائقہ اور اس کی بدبو تم محسوس کرتے ہو، ہرگز نہیں۔ ۲۱ اس کے علاوہ ہم نے تمہاری زینت کے لیے اس میں خوبصورت موتی پیدا کر دیئے ہیں کہ ان کی دمک سے چاند بھی شرماتا ہے۔ وہ دیکھو! سمندر کی تہہ میں، آغوشِ صدف میں ایک چمکدار اور قیمتی موتی تمہارے حوصلوں کو دعوت دے رہا ہے۔ ہمّت ہے تو آگے بڑھ کر اُٹھا لو۔

۲۲ سمندر بے کراں سہی، ان کی گہرائی بے پایاں سہی، ان میں اٹھنے والے طوفان تند سہی اور اس کے بھنور ہیبت ناک سہی۔ لیکن ان تمام قہرمانیوں کے باوجود ہم نے اُن کو حکم دے دیا ہے کہ تمہاری کشتیوں اور تمہارے جہازوں کو اپنے دوش پر اُٹھائے اور تمہیں تمہاری منزل مقصود تک پہنچائے۔ اب تم دیکھتے ہو کس طرح تمہاری کشتیاں اور جہاز تمہیں اٹھائے ہوئے موجوں کو چیرتے خراماں خراماں چلے جا رہے ہیں۔ اگر سمندر کو مسخر نہ کیا جاتا تو تم اور تمہاری تجارت اور تمہاری مصنوعات اور ایجادات ملک میں ہی محصور ہو کر رہ جاتیں۔ ہم نے سمندروں کو تمہاری کشتیوں کے اٹھانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ تمہارے کاروبار میں ترقی

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ

کے فضل (رزق) کو، تاکہ تم (اس کا) شکر ادا کرتے رہو۲۳ اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ ۲۴

وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ

اور نہریں جاری کر دیں اور راستے بنا دیئے تاکہ تم (اپنی منزل کی) راہ پا سکو۔ اور (راستوں پر) علامتیں بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعہ سے

یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

وہ راہ یاب ہوتے ہیں ۲۵ کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ۲۶

ہو۔ تمہاری مصنوعات اور ایجادات سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں۔ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں بحر پیمائی میں جو کمال حاصل کیا ان کے تجارتی جہاز طویل سمندری سفر طے کر کے ایک ملک کا سامان جس طرح دوسرے ملک میں لے جایا کرتے، وہ تاریخ کے طالب علم کے لیے کوئی مخفی راز نہیں۔ اب تو یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کولمبس کے جہاز کا ملّاح بھی احمد نامی ایک مسلمان تھا۔ آیت میں یہ چیز بھی ملحوظ رہے کہ رزق کو اللہ تعالیٰ نے فَضْلِهٖ یعنی اپنا فضل فرمایا ہے مَوَاخِر (م) اَلْمَاخِرَةُ جو اَلْمَخْرُ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے شَقُّ الْمَاءِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ پانی کو چیرتے ہوئے دائیں بائیں پھینکتے چلے جانا اور جب کشتی پانی کو چیرتی ہوئی آواز پیدا کرتی ہے تو کہتے ہیں مَخَرَتِ السَّفِیْنَةُ (القرطبی)(1)

۲۳۔ بحر و بر میں، خشکی اور تری میں، میدانوں اور پہاڑوں میں، جنگلوں اور صحراؤں میں ہر جگہ ہم نے اپنی قدرت اور حکمت اور اپنے انعامات کا بازار سجا رکھا ہے تاکہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اور اس کا شکر ادا کرو۔

۲۴۔ جب کوئی چیز ایک جگہ جم کر کھڑی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں (رَسَا: ثَبَتَ وَ رَسَخَ) اس لیے بندرگاہ کو بھی مُرْسٰی کہتے ہیں۔ کیونکہ جہاز اور کشتیاں وہاں آ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ پہاڑ بھی کیونکہ ایک جگہ جم کر کھڑے رہتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اس لیے ان کو بھی رَوَاسِیْ کہا جاتا ہے تَمِیْدُ مَیْدٌ سے ہے اس کا معنی ہے دائیں بائیں ڈولتے رہنا اَلْاِضْطِرَابُ یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا ٹہنیاں جب ہوا کے جھونکوں سے اوپر نیچے ہوتی ہیں تو کہا جاتا ہے مَادَتِ الْاَغْصَانُ آیت کا مدعا یہ ہے کہ زمین کو جب پیدا کیا گیا تو وہ اضطراری طور پر کبھی دائیں اور کبھی بائیں ڈولتی رہتی۔ اس پر پہاڑ گاڑ کر اس کا توازن برقرار کر دیا۔ اگر براہین قطعیہ سے کرۂ زمین کی حرکت ثابت ہو جائے تو یہ آیت اس کے منافی نہیں (2)۔ مولانا دریا آبادی لکھتے ہیں اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ سے جس حرکت ارض کی نفی مقصود ہے، وہ زمین کی دولابی یا اضطرابی حرکت ہے جیسے ہلکا جسم ہوا سے پتا نے لگتا ہے۔ مطلق حرکت ارض کے مسئلہ کو جو تمام تر ایک سائنسی بحث ہے قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نَفْیًا وَّ اِثْبَاتًا کوئی تعلق نہیں۔ (تفسیر ماجدی)(3)

۲۵۔ دن میں سفر کرتے ہوئے تم مختلف مقامات اور نشانیوں سے اپنا صحیح راستہ معلوم کرتے ہو اور جب رات کی تاریکی پھیل

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 39 — 2۔ ایضاً، جز 10، ص 40 — 3۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 551

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انھیں گن نہیں سکو گے ۲۷ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو لوگ پوجتے ہیں

دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ اَمْوَاتٌ غَیْرُ

اللہ کے سوا (غیروں کو) وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ ۲۸ وہ مردہ ہیں وہ

اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

زندہ نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انھیں اٹھایا جائے گا۔ تمھارا خدا (بس) خدائے واحد ہے ۲۹

ع ۲ ۱۲ ۸

جاتی ہے اور کوئی علامت نظر نہیں آتی تو پھر آسمان کے ستارے تمہاری رہنمائی کرتے ہیں۔ اور تمہیں اپنی منزل کا پتہ دیتے ہیں۔ ستاروں سے کس طرح رہنمائی ملتی ہے۔ اس کے لیے آپ ان لوگوں سے دریافت کریں جو لق و دق صحراؤں میں بھیانک جنگلوں میں سفر کرتے ہیں یا جنہیں سمندری سفر پر جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہو۔

۲۶ یہ سب نوادرات جن کا ذکر ہو چکا اور ان کے علاوہ بے شمار عجائبات جن کو احاطۂ بیان میں لانا بھی مشکل ہے ان سب کو تو میرے مالک اور میرے ربّ نے پیدا کیا ہے۔ اے کافرو! اب تم بتاؤ کہ تمہارے اِن بتوں نے بھی آخر کوئی چیز تخلیق کی ہے کہ تم نے اُن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اور اُن کی عبادت میں مگن رہتے ہو۔ جب انہوں نے آج تک ایک مکھی بھی نہیں بنائی اور نہ یہ بنا سکتے ہیں تو پھر خود فیصلہ کرو کہ معبود ہونے کے لائق کون ہے، میرا قادرِ مطلق خدا یا تمہارے بے بس اور بے نوا بت؟ آخر کچھ تو سوچو! تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا گھمنڈ ہے۔ ۲۷ اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حد و بے حساب ہیں۔ اگر تم کوشش بھی کرو تب بھی ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ تمہارا فرض تو یہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اور اُس کی بندہ نوازیوں کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ لیکن شکر ادا کرنا تو کجا تم نے اس کی وحدانیت کا انکار کر دیا اور ان بے جان مورتیوں کو اس کا شریک بنا دیا۔

۲۸ ان اصنام کی بے بسی کو مزید بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش میں یہ لگے ہوئے ہیں وہ بے چارے کوئی چیز پیدا کیا کریں گے وہ تو خود کسی خالق اور صانع کے محتاج ہیں۔ وہ تو بے جان مجسّمے ہیں جن میں زندگی کا نشان تک نہیں۔ نہ وہ کچھ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ انہیں تو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں یَعْنِی الْاَصْنَامَ لَا اَرْوَاحَ فِیْهَا لَا تَسْمَعُ وَلَا تُبْصِرُ اَیْ هِیَ جَمَادَاتٌ فَکَیْفَ تَعْبُدُوْنَهَا وَاَنْتُمْ اَفْضَلُ مِنْهَا بِالْحَیَاةِ (قرطبی) (1)

۲۹ ان تمام دلائل کے ذکر کرنے کے بعد اصل مقصد کا اعلان فرمادیا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی تمہارا خدا اور معبود ہے جس کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 94

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ

پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر اُن کے دِل منکر ہیں اور وہ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ

مغرور ہیں ۳۰؎ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ

بیشک وہ پسند نہیں کرتا غرور وتکبّر کرنے والوں کو۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے

رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ

تمہارے پروردگار نے۔ کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ ۳۱؎ تاکہ (اس ہرزہ سرائی کے باعث) وہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ

الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا

قیامت کے دِن اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنھیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں ۳۲؎ جہالت سے۔ کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر

قدرت جس کی ربوبیت عامہ جس کی ہمہ دانی اور ہمہ بینی کے متعدد شواہد تم دیکھ چکے ہو۔ اس کے علاوہ زمین وآسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہاری معبود بن سکے۔ اے مسجود ملائک! اے مخدوم مہر وماہ! تجھے کیا ہو گیا کہ تو اپنے محسن ومنعم حقیقی کا بندہ بننے کے بجائے اپنے ادنیٰ خادموں کی چاکری بلکہ بندگی پر ناز کرنے لگا۔ اے خود فراموش! فطرت کے آئینہ میں اپنے جمال جہاں افروز کو تو دیکھ۔

۳۰؎ وہ حق کو سمجھتے تو ہیں لیکن ان کا غرور ان کو اجازت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ فرمایا اگر وہ مغرور ومتکبر ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ مغروروں اور متکبروں کی پروا نہیں کرتا۔ انہیں اس غرور کے نشہ میں ہی بدمست چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کا وقت آئے اور وہ ناشاد ونامراد ابدی عذابوں میں دھکیل دیئے جائیں۔

۳۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا چرچا بدو قبائل میں ہونے لگا۔ وہ اس امر کی تصدیق کے لیے ایام حج میں اپنے قاصد مکہ روانہ کیا کرتے جب وہ مکہ آتے اور کسی کافر سے ان کی ملاقات ہوتی اور وہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دریافت کرتے تو وہ کہتا حاشا وکلّا قطعاً وہ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ گزشتہ قوموں کی کہانیاں ہیں جو اس نے خود گھڑی ہیں اور اب لوگوں کو سنا کر اپنے دامِ تزویر میں پھنسا رہا ہے۔ اس طرح لوگوں کو چشمۂ ہدایت تک پہنچنے سے پہلے وہ بدظن کر کے واپس کر دیتا۔ اَسَاطِيْرُ جمع ہے اَسْطُرٌ اور سُطُوْرٌ کی جس کا واحد سَطْرٌ ہے۔ اس کا معنی ہے ایک صف یا لائن، کتاب کی ہو، درختوں کی ہو یا لوگوں کی (1)۔

۳۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو اس کی دعوت پر جتنے لوگ ہدایت قبول کرتے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص35-334

يَزِرُوْنَ ع ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ

لاد رہے ہیں (دعوتِ حق کے خلاف) مکر و فریب کیا کرتے تھے وہ لوگ جو ان منکرین سے پہلے گزرے ۳۳ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے (فریب) کی

الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

عمارت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دی پس گر پڑی اُن پر چھت ان کے اُوپر سے اور آ گیا اُن پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ

جہاں سے انہیں خیال و گمان بھی نہ تھا۔ اس کے بعد روزِ قیامت اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا ۳۴

اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ط قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور (ان سے) پوچھے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جنہیں

الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٧﴾ لا الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

علم دیا گیا ہے کہ بلاشبہ آج ہر قسم کی رسوائی اور بربادی کافروں کے لیے ہے۔ وہ کافر ۳۵ جن کی جانیں فرشتے

ہیں ان سب کا ثواب اسے ملتا ہے۔ اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں ان سب کا گناہ بھی اس پر لادا جاتا ہے اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی (1)۔

۳۳ ان سے پہلے جو کافر تھے انہوں نے بھی ہمارے انبیاء و رسل کو ناکام کرنے کے لیے مکر و فریب کی انتہاء کر دی لیکن وہ خود ہی اپنے مکر و فریب کا شکار ہو گئے۔ یہی انجام ان کا بھی ہونے والا ہے۔

۳۴ اس دنیاوی بربادی کے علاوہ قیامت کے دن بھی ان کو ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ سارے انبیاء اور ان کی امتیں جمع ہوں گی۔ یہ غریب و نادار مسلمان جن کو آج یہ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ عزّت و کرامت کی خلعتیں پہنے کھڑے ہوں گے۔ ان سب کے سامنے ان سرکشوں کو شرمسار کیا جائے گا۔

۳۵ یہ لوگ جو آج نخوت و غرور کے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے پوری طرح کوشاں ہیں، ان کی بساط تو اتنی ہی ہے کہ جب ملک الموت اپنی جماعت کے ساتھ جان نکالنے کے لیے آئے گا تو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔ سروں کو جھکا دیں گے اور کہیں گے خدارا ہم پر اتنی سختی نہ کرو اور غصہ سے اس طرح گھور گھور کر ہماری طرف نہ دیکھو۔ ہم ان خشمناک نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے۔ ہم تو ساری عمر خدا کے فرمانبردار بنے رہے ہماری کیا مجال تھی کہ ہم نافرمانی کرتے۔ فرشتے

1۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ، ج 2، ص 341، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ

قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ تب وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم تو کوئی بُرا کام نہیں کیا

سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

کرتے تھے (اہلِ علم جواب دینگے) نہیں نہیں (تم بڑے بدکار تھے) بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو (بُرے کام) تم کیا کرتے تھے (اے کفار) پس داخل ہو جاؤ

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ

جہنم کے دروازوں سے ۳۶ تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا وہاں۔ بیشک برا ٹھکانا ہے غرور و تکبر کرنے والوں کے لیے اور (یونہی) پوچھا

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

گیا ان سے جو متقی تھے ۳۷ کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے؟ انہوں نے کہا سراپا خیر! جنھوں نے اچھے کام کیے ۳۸

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ

اِس دُنیا میں بھی ان کے لیے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لیے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے

جواب میں کہیں گے اب مکرنے سے کیا بنتا ہے۔ تمہاری نافرمانیاں محتاجِ بیان نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کرتوتوں سے خوب واقف ہے اَلْقَوُا السَّلَمَ اَیْ فَسَالَمُوْا وَانْقَادُوْا (1) سرِ تسلیم خم کردیں گے۔ غرور و نخوت سے اکڑی ہوئی گردن جھک جائے گی۔

۳۶ جان نکالتے وقت ہی انہیں آگاہ کر دیا جائے گا کہ تمہاری قبر جہنم کا گڑھا ہے جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔

۳۷ گرد و نواح سے مختلف نمائندے جو مکہ میں تحقیقِ احوال کے لیے آیا کرتے اُن کی ملاقات اگر کسی کافر سے ہوتی تو وہ جو جواب دیتا اس کا ذکر سابقہ آیات میں گزر چکا ہے اور اگر خوش قسمتی سے اُن کی ملاقات کسی مومن سے ہو جاتی اور وہ اس سے اس کتاب کے متعلق دریافت کرتے تو وہ فوراً جواب دیتا: خَيْرًا یعنی جو کلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ تو سراپا خیر و برکت ہے اس میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے۔

۳۸ یا تو خَيْرًا پر اس مومن کا جواب ختم ہو گیا اور لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا سے نیا کلام شروع ہوا یا یہ بھی جواب کا حصہ ہے یعنی یہ کتاب جو اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس نے ہمیں یہ سمجھایا ہے کہ جو لوگ اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کرلیں گے ان کے لیے اس دنیوی زندگی میں بھی بہتری ہے، فتح و نصرت ان کے قدم چومے گی، سب نیک فطرت لوگ دِل سے ان کی عزّت و تکریم کریں گے اور جب وہ اِطاعتِ الٰہی کو اپنا شعار بنالیں گے تو اُن پر مکاشفات، مشاہدات اور الطاف کے دروازے کھول دیئے

1۔ تفسیر مظہری، زیرِ آیت ہذا، ج5، ص336

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

پرہیزگاروں کا گھر۔ (انکے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ

ان کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جسکی وہ خواہش کرینگے۔ یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو۔ وہ متقی جن کی

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں ۳۹ (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو!) سلامتی ہو تم پر ۴۰ داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ مشرک کس کے منتظر ہیں بجز اسکے کہ آجائیں انکے پاس (عذاب کے)

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

فرشتے یا آجائے آپ کے رب کا (اٹل) حکم۔ ۴۱ یونہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے پیشرو تھے۔

جائیں گے فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ الْمُكَاشَفَاتِ وَالْمُشَاهَدَاتِ وَالْاَلْطَافِ (کبیر) (1) اور قیامت کے دن ان کی جو عزت افزائی کی جائے گی اس کا تو آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۳۹ پہلے کفار اور منکرین کی وحشت ناک موت کا ذکر کیا گیا تھا اب اہل ایمان وتقویٰ کی موت کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب فرشتے اُن کی روح قبض کریں گے تو انہیں ذرا گھبراہٹ نہیں ہوگی بلکہ شاداں وفرحاں اس دنیا سے روانہ ہوں گے ان کے لیے موت آج وصالِ یار کا مژدہ لے کر آئی ہے جس جمالِ جاں افروز کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ بے تاب رہا کرتے تھے آج وہ جلوہ نمائی کرنے والا ہے طَيِّبَةً نُفُوْسُهُمْ بِالرُّجُوْعِ اِلَى اللّٰهِ۔

۴۰ فرشتے اس وقت انہیں سلام کہیں گے۔ جب ملک الموت ان کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَلِيَّ اللّٰهِ اللّٰهُ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ (2) اے اللہ کے ولی! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں سلام فرماتا ہے کتنا خوش بخت ہے وہ انسان جو یہاں سے جب رخت سفر باندھ رہا ہو تو رحمت کے فرشتے اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہوئے ہوں اور اس پر رحمت کے پھول نثار کر رہے ہوں۔

۴۱ یعنی روشن دلائل نے شک وشبہ کی ساری تاریکیوں کا خاتمہ کر دیا۔ آفتابِ ہدایت جگمگا رہا ہے یہ لوگ پھر کیوں ایمان نہیں لا رہے کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی روح نکال کر لے جائے یا عذاب الٰہی اترے اور ان کو خاک

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 10، جز 20، ص 26
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 101

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور نہیں زیادتی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ نے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کیا کرتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

پس ملی انھیں سزا اُن کے بُرے اعمال کی اور گھیر لیا انھیں اس عذاب نے جس کا وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا

مذاق اُڑایا کرتے تھے اور کہنے لگے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اس کے سوا کسی اور چیز کی ۴۲ نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر

مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى

کسی چیز کو ایسی ہی (بے سروپا) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیشرو (اے سننے والے!) کیا

سیاہ بنا کے رکھ دے۔ کتنے نادان ہیں یہ لوگ جواب بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

۴۲۔ جب کفار توحید کے روشن دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے اور ان بتوں کو خدا ماننے کی کوئی توجیہ پیش نہ کر سکے تو آخر کار انہوں نے اس شبہ کا سہارا لیا کہ تم جو کہتے ہو کہ میرا خدا قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہ چشم زدن میں ہو جاتا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ شرک کرنے سے وہ ناراض ہو جاتا ہے، اس کی حلال چیزوں کو حرام بنایا جائے تو وہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو پھر وہ ہمیں شرک سے باز کیوں نہیں رکھتا۔ آج تک ہم بھی اور ہمارے آباؤ اجداد بھی شرک کرتے رہے تو اس نے ہم کو شرک کرنے کی طاقت سے محروم کیوں نہ کر دیا اور کیوں نہ ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم اس کی توحید کا اعتراف کریں۔ اس کا جواب دیا کہ یہ بیہودہ بات تمہاری ایجاد کردہ نہیں بلکہ تمہارے پیشرو بھی جب توحید کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو وہ بھی اسی شبہ کی آڑ لیا کرتے۔ انہوں نے بھی رضا اور مشیت کو لازم و ملزوم سمجھ کر ٹھوکر کھائی تھی اور تم بھی اسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ وَمَبْنَى الشُّبْهَتَيْنِ اَنَّ الرِّضَا يُلَازِمُ الْمَشِيْئَةَ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ (مظہری)(1) بے شک اگر وہ چاہتا تو تمہیں مجبور کر دیتا کہ تم اس کی توحید کو قبول کرو لیکن اس طرح ایک گدھے میں اور ایک انسان میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔ انسان کو دوسری مخلوق پر جو شرف بخشا گیا ہے اس کی وجہ یہی تو ہے کہ وہ اپنی راہ منتخب کرنے میں آزاد ہے اسے حق و باطل سمجھا دیا جاتا ہے۔ اسے ہدایت و گمراہی کی راہیں بتا دی جاتی ہیں اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 339

الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

رسولوں کے ذمہ اسکے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچا دیں۔ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انھیں یہ تعلیم دے)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے ۴۳ سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ ۴۴ پس سیر و سیاحت کرو زمین میں

پھر اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دوراہوں میں سے جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔ انبیاء کرام کی بعثت کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیں کسی کو راہ ہدایت پر چلنے کے لیے مجبور کرنا یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۴۳ اے نبی مکرم! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا نبی بن کر آنا کوئی اچنبا نہیں ہے۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء تشریف لائے اور انہوں نے آ کر لوگوں کو یہی دعوت دی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور گمراہی و ضلالت کے سرغنوں سے دور رہو اسی میں تمہاری سلامتی ہے اور یہی فلاح کی راہ ہے۔ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ اب اس کا اطلاق گمراہی اور ضلالت کے ہر سرغنہ پر ہوتا ہے كُلُّ رَاْسٍ فِي الضَّلَالَةِ (قرطبی) (1) شیطان، کاہن، بت، سبھی کو طاغوت کہا جاتا ہے۔

۴۴ انبیاء کی آمد کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرما دی اور بعض کے مقدر میں گمراہی لکھ دی۔ یہ امتیازی سلوک کیوں روا رکھا گیا۔ بعض کو ہدایت کیوں دی گئی اور بعض کو گمراہ کیوں کر دیا گیا۔ اس کے متعلق بنیادی چیز یہ ہے کہ ہدایت دینا یا گمراہ کرنا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اس نے ہدایت دینے یا گمراہ کرنے کے لیے ایک اصول مقرر فرمایا ہے۔ جب انبیاء اپنی قوم کو پیغامِ ہدایت سناتے ہیں اور انہیں ان کی غلط روی پر ٹوکتے ہیں تو ساری قوم کا ردِ عمل یکساں نہیں ہوتا بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نبی کی دعوت پر غور کرتے ہیں اور اپنے عقائد و اعمال کو عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جب ان کا بطلان آشکارا ہو جاتا ہے تو وہ ان سے دست کش ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت سے منوّر کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں کئی مرتبہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ (رعد) اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس شخص کی رہنمائی کرتا ہے جو دل سے رجوع کرے۔ دوسری جگہ ہے وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (شوریٰ) اور بعض دوسرے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء کی دعوت کو لائق اعتناء ہی نہیں سمجھتے ان کے اخلاص و ایثار کا مذاق اڑاتے ہیں حق کی روشن دلیلیں دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کے مقدر میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے اس حقیقت کو بھی قرآن پاک نے بارہا وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (2) جو ظلم کی روش اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گمراہ کر دیتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 103 2۔ سورہ ابراہیم: 27

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى

اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کس قدر عبرتناک تھا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا ۴۵ (اے حبیب!) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں انکے

هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

ہدایت یافتہ ہونے پر ۴۶ مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنھیں وہ (بہیم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں انکے لیے

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

کوئی مدد کرنے والا۔ اور بڑی شدومد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں ۴۷ کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کریگا اللہ تعالیٰ جو (ایکبار)

يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

مرجاتا ہے۔ ہاں ضرور زندہ کریگا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اسکو پورا کرنا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے (وہ انھیں دوبارہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

زندہ کریگا) تاکہ واضح کردے ان پر وہ بات جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور تاکہ خوب جان لیں کافر

گویا اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ جس کے دل میں ہدایت کی طلب پیدا ہوتی ہے اُسے ہدایت کا انعام بخشا جاتا ہے اور جو دانستہ حق کا انکار کرے اور پیغام ہدایت کو سمجھنے کے بعد بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اسے گمراہ کر دیا جاتا ہے۔

۴۵ فرمایا مُکَذِّبِیْن یعنی جو لوگ ہمارے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے ہمارے کلام کو جھٹلاتے رہے اور معجزات کو سحر و نظر بندی کہتے رہے ان کو آخر کار تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ تم مختلف ملکوں کی سیر و سیاحت کرو ان کے اجڑے ہوئے شہروں اور ویران کھنڈروں سے ان کی بربادی کی داستان سن لو۔ ۴۶ اے محبوب! آپ کی انتہائی دلی خواہش کے باوجود وہ لوگ اب ہدایت قبول نہیں کر سکتے۔ جن کی پیہم سرکشیوں کی وجہ سے نور حق دیکھنے والی آنکھ ہی اندھی ہو گئی ہے۔

۴۷ کفار بڑے وثوق سے کہتے قیامت ہرگز نہیں آئے گی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں بھی اٹھاتے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ سراسر تمہاری غلط فہمی ہے۔ قیامت ضرور آئے گی اور تمہیں تمہاری قبروں سے ضرور اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ یہاں اس کی کئی دلیلیں ذکر کی گئیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت آئے گی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے نیز حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ قیامت برپا ہو اس دنیا میں تو ہر فرقہ اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حق پر صرف وہی ہے یہاں تک کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں یا سینکڑوں ہزاروں بتوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حق کے اجارہ دار صرف وہی ہیں دنیا میں تو اس کا تصفیہ ہو نہیں سکتا اس لیے کوئی ایسا دن ضرور آنا چاہیے جب کہ حق و باطل میں مکمل امتیاز ہو جائے یہاں

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ

کہ بلاشبہ وہی جھوٹے تھے۔ ہمارا فرمان کسی چیز کے لیے جب ہم ارادہ کرتے ہیں اس (کے پیدا کرنے) کا صرف اتنا ہے کہ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے[۴۸] اور جنھوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے)

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے[۴۹] اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

ہے کاش! یہ جان لیتے جنھوں نے (مصائب میں) صبر کیا اور (مشکلات میں اب بھی) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

تک کہ باطل کے علم بردار بھی تسلیم کر لیں کہ حق وہ ہے جو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے غلاموں نے اختیار کیا و لِيَعْلَمَ سے تیسری دلیل بیان فرمادی کہ کافروں کو بھی یقین ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے اور جس نظام حیات کو وہ اپنائے رہے وہ سراسر باطل تھا۔

۴۸ کفار وقوع قیامت کے اس لیے منکر تھے کہ ان کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن ہے۔ انہیں بتا دیا گیا کہ قیامت برپا کرنے والا ان جیسا کوئی انسان نہیں ہے جس کا علم بھی ادھورا ہو اور قدرت بھی ناقص ہو بلکہ قیامت کا وقوع اس خداوند ذوالجلال کے حکم سے ہو گا جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے کن کہنے کی دیر ہوتی ہے کہ ہر چیز موجود ہو جاتی ہے۔ آیت میں شَیْءٍ سے مراد وہ چیز ہے جس کا موجود ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے اور وہ ابھی تک بظاہر موجود نہیں وَقَالَ ابْنُ الْاَنْبَارِيِّ اَوْقَعَ لَفْظَ الشَّيْءِ عَلَى الْمَعْلُوْمِ عِنْدَ اللّٰهِ قَبْلَ الْخَلْقِ (قرطبی)(1)

۴۹ منکرین قیامت کے ذکر کے بعد اب فرزندانِ اسلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو ہم پر ایمان لانے کے جرم کی پاداش میں قوم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے یہاں تک کہ انہیں ان کے گھروں سے بھی نکال دیا گیا۔ ہم ان کی اس قربانی اور ایثار کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ بلکہ اس دنیا میں بھی انہیں بہترین رہائش گاہ ملے گی۔ مدینہ طیبہ جیسی پاک بستی ان کا مسکن ہو گا۔ فتح و نصرت اُن پر سایہ فگن ہو گی۔ یہی ظالم مغلوب و مقہور ہو کر ان کے سامنے پیش ہوں گے۔ رہتی دنیا تک ان کی للّٰہیت و ایثار اور جانفروشی کے تذکرے ہوتے رہیں گے۔ حلال و پاکیزہ رزق انہیں عطا فرمایا جائے گا۔ اس کے علاوہ دارِ آخرت میں ان کی جو عزت افزائیاں اور پذیرائیاں ہوں گی ان کا تو یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو اُس کا سالانہ وظیفہ دیتے تو فرماتے خُذْ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهِ هٰذَا مَا وَعَدَكَ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَمَا ذَخَرَ لَكَ فِي الْاٰخِرَةِ اَفْضَلُ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ (2) یعنی یہ لے لو اللہ تعالیٰ اسے بابرکت کرے۔ یہ تو وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا ہے اور جو چیز تمہیں آخرت میں دی جائے گی وہ تو اس سے بہت افضل ہے پھر آپ یہ آیت پڑھتے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص106 2۔ ایضاً، جز10، ص107

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ

اورہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بناکر) مگر مردوں کو ۵۰ ہم وحی بھیجتے ہیں انکی طرف پس دریافت کرلو اہل

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ

علم سے اگر تم خود نہیں جانتے (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دیکر بھیجا ۵۱ اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر

الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں ۵۲

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ

کیا بیخوف (اور نڈر) ہوگئے وہ لوگ جنھوں نے برے مکر کیے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں

۵۰ کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی تسلیم نہیں کرتے تھے اور دلیل پیش کیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بڑی بلند ہے کہ وہ کسی بشر کو اپنا رسول بنا کر بھیجے۔ اگر اسے کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو اس کے پاس فرشتوں کی کیا کمی تھی۔ کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیج دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! ہمارا تو یہی دستور ہے کہ جب ہم انسانوں کی طرف کوئی نبی بھیجتے ہیں تو انہیں میں سے کسی مرد کو اس خدمت پر مامور فرما دیتے ہیں۔ آپ کوئی پہلے نبی تو نہیں۔ آپ سے پہلے بھی ہمارے انبیاء تشریف لائے اور وہ سب کے سب نوع انسانی کے فرد تھے۔ اے کفار! اگر تم اس مسئلہ کی مزید تحقیق کرنا چاہو تو کسی صاحب علم سے پوچھ لو، وہ تمہیں بتائے گا کہ نبی کی بعثت کا مقصد افہام و تفہیم ہے اور یہ مقصد تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب کہ نبی بھی انسان ہو۔ ایک فرشتہ پیغام عذاب لے کر آ سکتا ہے لیکن نبی کے فرائض کو انجام دینا اس کے بس میں نہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اگر کسی چیز کا علم نہ ہو تو وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے۔

۵۱ یہ اَرْسَلْنَا کے ساتھ متعلق ہے کہ جو انبیاء بھیجے گئے انہیں دلائل سے بھی مؤید کیا گیا اور انہیں کتاب بھی دی گئی۔ زُبُر کا واحد زَبُوْرٌ ہے۔ اس کا معنی کتاب ہے (1)۔

۵۲ اس آیت طیبہ سے واضح ہوا کہ ہمارے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنّت کے اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا صحیح علم اپنے رسول کو عطا فرمایا اور اس کے معانی و مطالب کے بیان، اس کے اجمال کی تفصیل اور اوامر و نواہی کی وضاحت کا منصب فقط اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض کیا اس لیے قرآن کریم کی جو تفسیر و تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی وہی قابل اعتماد ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے فہم و خرد پر بھروسہ کر کے کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو ارشاد رسالت مآب کے خلاف ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فَالرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُبَيِّنٌ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مُرَادَهٗ مِمَّا اَجْمَلَهٗ فِیْ كِتَابِهٖ مِنْ اَحْكَامِ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا لَمْ يُفَصِّلْهُ (2)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 109
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 110

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

یا آجائے اُن پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو ۵۳ یا پکڑلے انہیں جب وہ

فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ

(اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنیوالے یا پکڑلے انہیں جبکہ وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں ۵۴

۵۳ یہ کفار جو اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں اتنے مصروف ہیں کہ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہیں۔ یہ اتنے مطمئن اور غافل کیوں ہیں کیا انہیں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اگر ان کی سرکشیوں اور بداعمالیوں کے باعث غضب الٰہی جوش میں آ گیا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ زمین شق ہو اور یہ اس میں غرق کر دیئے جائیں۔ یا جب وہ بڑے اطمینان سے دادِ عیش دے رہے ہوں اور رنگ رلیاں منا رہے ہوں تو انہیں تہس نہس کر دیا جائے۔ کیا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اگر عذاب الٰہی آیا تو وہ کوئی ایسا گوشۂ عافیت تلاش کر لیں گے جہاں وہ محفوظ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ سراسر ان کی نادانی ہے۔ انہیں خدا کے عذاب سے اتنا بے پروا اور غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۵۴ تَخَوُّفٍ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ پہلے عذاب کی نشانیاں نمودار ہوں جس سے وہ خوفزدہ ہو جائیں اور پھر ان پر عذاب اُترے جو ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تَخَوُّفٍ کا معنی تَنَقُّصٍ ہے یعنی پہلے انہیں کاروبار میں نقصان ہوتا ہے۔ کھیتی باڑی سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ پیداوار گھٹنی شروع ہو جاتی ہے۔ صحت بگڑنے لگتی ہے۔ تندرست و توانا جسم گھل کر لاغر و نحیف ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب ان کی معیشت اور زندگی کا تنا کھوکھلا ہو جاتا ہے تو اچانک عذاب الٰہی کا طوفان آتا ہے اور اسے جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا اے لوگو! أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ کا کیا مطلب ہے۔ سب خاموش ہو گئے۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا اٹھا اور اس نے عرض کی اے امیر المومنین! یہ ہماری لغت ہے یہاں اَلتَّخَوُّفُ کا معنی اَلتَّنَقُّصُ ہے یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے چلے جانا۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ بولا جی ہاں ہمارا شاعر ابو کبیر ہذلی اپنی اونٹنی کے متعلق کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا۔

تَخَوَّفَ الرَّحْلُ تَامِكًا قَرِدًا كَمَا تَخَوَّفَ عُودَ النَّبْعَةِ السَّفَنُ

کہ کجاوے نے میری اونٹنی کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا کر کم کر دیا ہے۔ جس طرح نبعہ درخت کی لکڑی کو گھسانے والا آلہ گھسا کر چھوٹا کر دیتا ہے۔ یہ شعر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! جاہلیت کے اشعار یاد کیا کرو۔ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں۔ (قرطبی)(1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10 ص 110

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

پس بیشک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے ۵۵ کیا انھوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے

شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ

کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو ۵۶ اس حال میں

دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں ۵۷ اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ۵۸

۵۵ یعنی تمہیں اتنی ڈھیل جو دی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ درست ہے یا تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے۔ شاید تم باز آ جاؤ۔ شاید تم سمجھ جاؤ۔

۵۶ یعنی تمام وہ چیزیں جن کو تم بے جان اور بے شعور سمجھتے ہو وہ تو اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہیں۔ حیرت ہے تم پر کہ زیرک اور باشعور ہوتے ہوئے تم اپنے رب کی نافرمانی میں مست ہو۔ یہاں چند الفاظ غور طلب ہیں۔ یَمِیْن کو واحد اور شَمَائِل کو جمع کیوں ذکر کیا گیا۔ دونوں واحد ہوتے یا دونوں جمع ہوتے نیز ظِلٰلُهٗ کی ضمیر کا مرجع مَا ہے اور یہاں ضمیر واحد ہے اور سُجَّدًا اسی ''ما'' کا حال ہے۔ لیکن وہ جمع ہے اور هُمْ ضمیر کا مرجع بھی مَا ہے اور وہ بھی جمع ہے۔ آخر اس اختلاف کی کیا وجہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''مَا'' کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کا لفظ ہے دوسرا اس کا معنی اور مدلول ہے۔ لفظ کے اعتبار سے یہ واحد ہے اور معنی اور مدلول کے اعتبار سے یہ جمع ہے ظِلٰلُهٗ کی ضمیر کا مرجع ''مَا'' کا لفظ ہے اس لیے ضمیر واحد ذکر ہوئی اور سُجَّدًا کا ذوالحال اور هُمْ کا مرجع اس کا لفظ نہیں بلکہ اس کا معنی اور مدلول ہے اور وہ جمع ہے۔ اس لیے یہاں حال بھی جمع اور ضمیر بھی جمع کی استعمال ہوئی۔ اسی طرح یَمِیْن کو واحد ذکر کرتے وقت ''مَا'' کے لفظ کا لحاظ کیا اور شَمَائِل کے وقت اس کے معنی کو پیش نظر رکھ کر جمع کا لفظ استعمال کیا اور علامہ قرطبی نے یہ لکھا ہے کہ عَنِ الْاَيْمَانِ وَالشَّمَآئِلِ (جب دونوں جمع) عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ (پہلا واحد اور دوسرا جمع) عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشِّمَالِ (دونوں واحد) اَلْاَيْمَانِ وَالشِّمَالِ (پہلا جمع دوسرا واحد) یہ ساری ترکیبیں درست ہیں اور اہل زبان ان کو اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ (قرطبی) (1)

۵۷ اَلدُّخُوْرُ الصَّغَارُ وَالذُّلُّ عاجزی اور درماندگی۔ (2)

۵۸ یعنی بے شعور اور بے جان سائے ہی اس کے سامنے سجدہ ریز نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی ہر چیز بلا استثناء اس کی بندگی کا حلقہ کانوں میں لٹکائے اور اس کی عبودیت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے اس کی بارگاہ صمدیت میں سربسجود ہے اور ملائکہ کی اطاعت کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں تکبر و سرکشی کا شائبہ تک نہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 112 — 2۔ ایضاً، ص 111

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ

یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۩ وَقَالَ

رب کی قدرت سے ۵۹ اور کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ

نے فرمایا نہ بناؤ دو خدا ۶۰ وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا)

فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ

پس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۶۱ اور اسی کی تابعداری اور اطاعت

وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

لازمی ہے ۶۲ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں

۵۹ علامہ قرطبی اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: یَخَافُوْنَ قُدْرَةَ رَبِّهِمُ الَّتِی هِیَ فَوْقَ قُدْرَتِهِمْ فَفِی الْکَلَامِ حَذْفٌ یعنی وہ اپنے رب کی قدرت سے خائف ہیں جو ان کی قوت سے بالا اور ارفع ہے۔ اس کلام میں یہ الفاظ محذوف ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب انہوں نے یہ لکھا ہے کہ یَخَافُوْنَ عِقَابَ رَبِّهِمْ وَعَذَابَهٗ (1) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب وعتاب سے ڈرتے ہیں جو اوپر سے نازل ہوتا ہے۔

۶۰ دو خداؤں کی نفی سے تعدد کی نفی مطلوب ہے۔ یعنی وہ ایک ہی ہے دو نہیں اور جب دو نہیں جو کثرت اور تعداد کا ادنیٰ درجہ ہے تو اس سے زیادہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ توحید الٰہی کے روشن دلائل سن لینے کے بعد کسی دوسرے کو خدا سمجھنا انتہائی حماقت ہے چہ جائیکہ سینکڑوں معبود گھڑ لیے جائیں اور ان کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو واقعی اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

۶۱ ہر چیز اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے اس کا شریک تو وہ ہو جس کو اس نے پیدا نہ کیا ہو اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرانا اور اس کا مدمقابل ماننا یہ توالٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔

۶۲ دین سے مراد اطاعت و اخلاص ہے وَاصِبًا کا معنی ہمیشہ ہے جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں وَصَبَ الرَّجُلُ عَلَی الْاَمْرِ اِذَا وَاظَبَ عَلَیْهِ (قرطبی) (2) معنی یہ ہے کہ اسی کی اطاعت و فرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10 ص 113 2۔ ایضاً ص 114

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ

پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو ۶۳ پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو

عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ۶۴ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں

اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ

ان نعمتوں کی جو ہم نے انھیں عطا کی ہیں۔ پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھا لو چند روز ۶۵ تمھیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائیگا اور مقرر کرتے ہیں انکے لیے

نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

جنکو یہ جانتے ہی نہیں حصہ اس مال سے جو ہم نے انکو دیا ہے ۶۶ اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہو گی اسکے متعلق جو تم بہتان باندھا کرتے ہو۔

۶۳ عجیب بات ہے کہ جن نعمتوں سے تم لطف اندوز ہو رہے ہو اور فائدہ اٹھا رہے ہو وہ تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہر دم اس کا شکر یہ ادا کرتے رہتے لیکن تم الٹے اکڑ جاتے ہو اور نافرمان بن جاتے ہو تمہیں وہ کریم یاد ہی نہیں رہتا لیکن جب چاروں طرف سے مصیبتیں گھیرا تنگ کر لیتی ہیں تو ہر طرف سے مایوس ہو کر پھر اس کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیتے ہو بات تو تب تھی کہ اب بھی اکڑے رہتے اور اس کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے تَجْـَٔرُوْنَ، جَاَرَ، جُؤَارًا اَیْ صَاحَ یعنی چیخنا چلانا جَئَرَ الرَّجُلُ اِلَی اللّٰهِ اَیْ تَضَرَّعَ بِالدُّعَاءِ تَجْـَٔرُوْنَ کا معنی رونا اور گڑگڑانا (1)۔

۶۴ جب وہ تمہاری فریاد کو قبول کرتا ہے اور تمہارے گڑگڑانے پر رحم فرما کر تمہاری مصیبتوں کو دور کر دیتا ہے تو پھر اس سے منہ موڑ لیتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

۶۵ انہیں دھمکی دی جا رہی ہے اور کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے غائب کی جگہ اب خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا جا رہا ہے کہ نابکارو! احسان فراموشو! چند روز مزے اڑا لو۔ ابھی تمہیں اپنی خیریت معلوم ہو جائے گی ہم سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔

۶۶ لَا يَعْلَمُوْنَ کا فاعل بت بھی بن سکتے ہیں اور کفار بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ کفار اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے ان بتوں کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے نہ انہیں اس حصہ کی خبر ہوتی ہے اور نہ حصہ دینے والوں کا علم ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں آیت کا معنی ہو گا کہ کفار ان بتوں کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جن کی حقیقت کا انہیں علم نہیں۔ یہ انہیں اپنا معبود اور الٰہ یقین کرتے ہیں حالانکہ وہ بے بس اور بے جان مجسّمے ہیں نیز وہ ان کو اپنا نافع خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے چہ جائیکہ کسی غیر کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکیں (2)۔ اس آیت کا مفصل مضمون سورۃ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 115 | 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 10، جز 20، ص 55

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا

اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں سبحان اللہ ۶۷ اور انکے لیے تو وہ (بیٹے) ہیں جنھیں وہ پسند کرتے ہیں۔ اور جب

بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ ج

اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے ۶۸ اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى

چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس

الانعام میں گزر چکا ہے۔ الانعام آیت 137 ملاحظہ ہو۔

۶۷ خزاعہ اور کنانہ کے قبیلوں کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ سُبْحٰنَهٗ سے اس کی تردید کی گئی کہ وہ اولاد سے پاک ہے (1)۔ اُسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ بیٹی کی۔ لیکن ان کے اس عقیدہ کی قباحت کو ایک اور طرح سے بھی واضح کر دیا کہ بھلے مانسو! اپنے لیے تو تم ایک بیٹی بھی پسند نہیں کرتے۔ خود تو چاہتے ہو کہ تمہارے بیٹے ہی بیٹے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے حصہ میں تم نے سب بیٹیاں ہی ڈال دی ہیں۔ کیا حماقت ہے کتنی کم فہمی ہے۔

۶۸ کفار کی یہی حالت تھی جب ان کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی۔ باپ کا چہرہ فرط غم سے سیاہ پڑ جاتا۔ عار اور شرم کے مارے وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا چھپا رہتا۔ مضر، خزاعہ اور تمیم کے قبائل تو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تا کہ کوئی ایسا آدمی ان کا رشتہ طلب نہ کرے جو ان کی کفو سے نہ ہو یا وہ فقر وافلاس سے خستہ حال نہ ہوں۔ ان کا یہ دستور تھا کہ جب بچی کی عمر چھ سال ہو جاتی تو باپ جنگل میں جا کر اس کے لیے ایک گہرا گڑھا کھود آتا۔ پھر بچی کی ماں کو حکم دیتا کہ اسے غسل کراؤ اور خوبصورت جوڑا پہناؤ۔ پھر وہ اسے لے کر جنگل کی طرف چل پڑتا۔ اس گڑھے کے کنارے پر اپنے لخت جگر کو کھڑا کر کے کہتا۔ دیکھو نیچے کیا ہے۔ جب وہ جھکتی تو اُسے دھکا دے کر اُس میں گرا دیتا وہ معصوم ابا ابا کہہ کر چلاتی رہتی اور وہ سنگدل منوں مٹی اس پر ڈال کر دفن کر دیتا۔ اس طرح صنف نازک کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا اور کوئی ان کی دلدوز چیخوں پر توجہ نہ دیتا۔ یہ تو اسلام کی برکت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکیزہ تعلیم تھی جس نے عورت کو بلند مقام پر فائز کیا اور بچیوں کے لیے والدین کے دل میں محبت، شفقت اور فدائیت کے جذبات کی تخم ریزی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (2)۔ یعنی جس آدمی کے ہاں بچیاں پیدا ہوئیں اور اس نے ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کیا تو وہ اس کے لیے عذاب جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10 ص 116 2۔ ایضاً، جز 10 ص 118۔ جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات، ج 2 ص 14

هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝٥٩

بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں ۶۹

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ

ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بُری صفتیں ہیں ۷۰ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا

الْاَعْلٰى ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦٠ وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ

مالک ہے ۷۱ اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور اگر (فوراً) پکڑ لیا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکے ظلم کے باعث

مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی جاندار کو لیکن وہ مہلت دیتا ہے انھیں ایک مقررہ میعاد تک۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٦١

پس جب آجاتی ہے انکی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔ ۷۲

تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ ضَمَّ اَصَابِعَهٗ (1) یعنی جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوئیں، وہ قیامت کے دن آئے گا اور میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ یہ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملا لیا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ كَانَ لَهٗ بِنْتٌ فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ اَدَبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا وَاَسْبَغَ عَلَيْهَا مِنْ نِّعَمِ اللّٰهِ الَّتِيْ اَسْبَغَ عَلَيْهِ كَانَتْ لَهٗ سِتْرًا اَوْ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ (2) یعنی جس کی ایک بچی ہوئی اور اس نے اس کی تربیت کی اور بڑے اہتمام سے اسے علم کے زیور سے آراستہ کیا اور جو مہربانیاں اللہ تعالیٰ نے اس پر کی ہیں وہ ایں نے اپنی بیٹی پر بھی کیں تو وہ بچی آتش جہنم سے اس کے لیے پردہ ہوگی۔

۶۹ یعنی کفار کی یہ من گھڑت تقسیمیں کتنی بھونڈی اور ناروا ہیں۔

۷۰ اس کا معنی صِفَةُ السُّوْءِ یعنی بُری صفت (3)۔ مقصد یہ ہے کہ افلاس وغربت کے اندیشے سے اپنی معصوم بچیوں کو اس بیدردی سے گڑھے میں پھینک دینا کتنی بڑی سنگ دلی اور حماقت ہے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہیں بھی اور تمہارے بچوں کو بھی اسی کے دسترخوانِ کرم سے غذا ملتی ہے۔ تمہاری بچیوں کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔ ظالمو! حیوانات بھی اپنی اولاد پر جان چھڑکتے ہیں۔ اور تم انسان ہو کر اتنی سنگدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الاحسان الی البنات، ج2، ص330، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص118۔ حلیۃ الاولیاء، ج5 ص57، مکتبۃ الخانجی، مصر 3۔ ایضاً، ج10، ص119

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ

اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے (بیٹیاں) جنھیں وہ (اپنے لیے) ناپسند کرتے ہیں ۳ے اور بیان کرتی ہیں انکی زبانیں جھوٹ (جب وہ

لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ

کہتی ہیں کہ) فقط انھیں کے لیے بھلائی ہے یقیناً ان کے لیے تو آتش (جہنم) ہے اور انھیں کو (دوزخ میں) پہلے بھیجا جائیگا ۴ے بخدا! ہم

لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے پس آراستہ کر دیا انکے لیے شیطان نے انکے (بُرے) اعمال کو

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

پس وہی ان کا دوست ہے آج بھی ۵ے اور ان کے لیے عذابِ الیم ہے۔ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر

الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ صاف صاف بیان کر دیں انکے لیے وہ بات جسمیں وہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور

اے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ نہ وہ تمہاری طرح اولاد کا محتاج ہے اور نہ وہ تمہاری طرح بے رحم اور سنگدل ہے۔ وجوب ذاتی، غناء مطلق اور جملہ صفاتِ کمال، علم، قدرت، حکمت وغیرہا۔

۲ے لوگ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں عجلت سے کام لیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ بھی اتنی جلد بازی سے کام لے کر ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا تو زندگی کا نام ونشان ہی کہیں باقی نہ ہوتا۔ یہ ساری دنیا اجاڑ اور ویران ہوتی لیکن وہ تو بڑا کریم ہے وہ ہمیشہ عفوو درگزر سے ہی کام لیتا ہے تم گناہ کرتے ہو وہ چشم پوشی فرماتا ہے تم غلطیاں کرتے ہو اور وہ معاف فرماتا ہے۔ اور اس کی عفوودرگزر کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ مقررہ وقت آجائے اس کے بعد پھر کسی تقدیم وتاخیر کی گنجائش نہیں رہتی۔

۳ے یعنی ان مشرکین کے ڈھنگ بھی نرالے ہیں جب یہ بزعم خود بٹائی کرتے ہیں تو جو ردی اور خسیس چیز ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے اور جو اچھی اور عمدہ چیز ہو اسے وہ اپنے لیے چن لیتے ہیں بیٹیاں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے ان کے لیے۔ کمزور اور لاغر جانور اللہ تعالیٰ کے نام کا اور موٹا تازہ ان کا اپنا غرضیکہ اس قسم کی بیسیوں حماقتیں ہیں جو ان سے آئے دن سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

۴ے وہ کہتے ہیں اگر بفرض محال اس نبی کی بات سچی بھی ہوئی اور قیامت آ بھی گئی تو جنّت ہمارے ہی حصہ میں آئے گی اور اس دن بھی دوزخ کے شعلے اور محرومیاں انہیں بے نواؤں کے لیے مخصوص کی جائیں گی۔ جو آج اپنے آپ کو جنّت کی نعمتوں کا واحد حق دار خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کم بخت جھوٹ بول رہے ہیں ان کے لیے تو جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ ہے اس میں قیامت کے دن انہیں پھینک دیا جائے گا ان بدبختوں کو جنت اور نعیم جنّت سے کیا واسطہ مُفْرَطُوْنَ کے متعدد معانی بیان کیے گئے

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایماندار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع

زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ

اور بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں ایک عبرت ہے ۶ دیکھو ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں،

بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ

گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے اور ہم پلاتے ہیں

ہیں لیکن مجھے قتادہ کا قول زیادہ پسند ہے۔ اَیْ مُعَجَّلُوْنَ اِلَی النَّارِ (1) اور اسی کے مطابق میں نے ترجمہ کیا ہے۔

۵ دنیا میں وہ شیطان کے چیلے بنے رہے نہ انہوں نے اپنے خدا کو پہچانا اور نہ اس کے رسول کریم سے تعلق جوڑا۔ آج قیامت کے دن وہ جانیں اور اُن کا پیشوا ابلیس، اُسے ہی جا کر کہیں وہ انہیں عذابِ الٰہی سے چھڑائے۔

۶ اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت جلیلہ یاد دلا کر اس میں غور کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک بھینس جو خوراک کھاتی ہے وہ سب اُس کے حلق سے اُتر کر اُس کے معدہ میں چلی جاتی ہے۔ معدہ ایک ہے اور وہ عوامل بھی یکساں ہیں جو خوراک کو ہضم کے مختلف مرحلوں سے گزارتے ہیں لیکن اس کا کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ خون بن کر جسم کے تمام اعضاء میں پہنچ جاتا ہے اور اس تقسیم میں بھی یہ حکمت ملحوظ ہے کہ ہر عضو کو خون کی اتنی مقدار ہی بہم پہنچائی جاتی ہے جتنی اس کو ضرورت ہوتی ہے لیکن خون اور گوبر کے علاوہ وہیں ایک اور چیز بھی اس خوراک سے بنتی ہے۔ رنگ، بُو اور ذائقہ میں وہ ان دونوں چیزوں سے مختلف ہوتی ہے وہ ہے سفید دودھ اب کوشش سے سونگھو کیا اس میں گوبر کی بو کا شائبہ بھی ہے غور سے دیکھو کیا اس میں خون کی ہلکی سی سرخی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کون ہے جو اس طرح کی چیزوں میں سے ایسی پاک اور صاف چیز کشید کرتا ہے۔ اور وہ اتنی لذیذ اور خوش ذائقہ ہے کہ خود بخود حلق سے نیچے اُترتی چلی جاتی ہے ہر چیز اپنے خالق کی حمد وثناء میں مصروف ہے لیکن اے انسان تو ہی اتنا ناشکرا ہے کہ اپنے کریم پروردگار کو نہیں پہچانتا اور سرکشی پر ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ آیت میں اَلْاَنْعَامِ سے مراد دودھ دینے والے مویشی ہیں بُطُوْنِهٖ کی ضمیر کا مرجع الانعام ہے۔ قاعدے کے لحاظ سے تو یہ چاہیے تھا کہ فِیْ بُطُوْنِهَا ہوتا کیونکہ اَلْاَنْعَامُ جمع ہے لیکن علمائے نحو نے کہا ہے کہ لفظ انعام مفرد ہے سیبویہ نے اسے ان مفردات میں شمار کیا ہے جو اَفْعَالٌ کے وزن پر آتے ہیں اگرچہ قوم، رَھْط کی طرح ان کا مدلول بھی جمع ہے اس لیے کبھی لفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے ضمیر واحد کی اس کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسے یہاں، کبھی معنی کا لحاظ رکھتے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 121۔

ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا

اور انگور کے پھلوں سے ؁۷ تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس ؁۸ اور پاک رزق (تمھیں) کھجور

حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوۡحٰى رَبُّكَ

بلاشبہ اس میں بھی (ہماری قدرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھدار ہیں۔ اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی

اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ

مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنا یا کر ؁۹ پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور درختوں (کی شاخوں) میں اور

ہوئے مؤنث کی ضمیر استعمال ہوتی ہے جیسی سورہ مومنون میں ہے۔ فِىۡ بُطُوۡنِهَا فَالۡوَجۡهُ اَنَّ لَفۡظَ الۡاَنۡعَامِ لَفۡظٌ مُفۡرَدٌ وُضِعَ لِاِفَادَةِ الۡجَمۡعِ كَالرَّهۡطِ وَالۡقَوۡمِ فَهُوَ بِحَسۡبِ اللَّفۡظِ لَفۡظٌ مُّفۡرَدٌ فَيَكُوۡنُ ضَمِيۡرُهٗ ضَمِيۡرَ الۡوَاحِدِ وَ بِحَسۡبِ الۡمَعۡنٰى جَمۡعٌ فَيَكُوۡنُ ضَمِيۡرُهٗ ضَمِيۡرَ الۡجَمۡعِ وَهُوَ التَّاۡنِيۡثُ فَلِهٰذَا السَّبَبِ قَالَ فِىۡ سُوۡرَةِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهَا (رازی)(1)

زجاج نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ انعام اسم جنس ہے اس کی طرف مؤنث ومذکر دونوں ضمیریں لوٹ سکتی ہیں۔ (قرطبی)(2)

؁۷ ہمیں جو منفعتیں حیوانات سے حاصل ہوتی ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر کرنے کے بعد اب بعض ان فوائد کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو ہم نباتات سے اٹھاتے ہیں۔ فرمایا ہم اپنی حکمت سے تمہیں دودھ بھی پلاتے ہیں اور پھلوں کا رس بھی۔ اس صورت میں یہ نُسۡقِيۡكُمۡ سے متعلق ہوگا۔ بعض نے تَتَّخِذُوۡنَ سے بھی اسے متعلق کہا ہے۔ اس وقت مِنۡهُ کا تکرار تاکید کے لیے ہوگا۔

؁۸ سَكَرًا لغت میں شراب کو کہتے ہیں اَلسَّكَرُ فِى اللُّغَةِ الۡخَمۡرُ (البحر)(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ جب کہ مسلمان بھی اسے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا گیا بعد میں حرمت خمر کا حکم نازل ہوا تو یہ آیت منسوخ ہوگئی لیکن دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرما رہا ہے۔ ایسے مقام پر کسی پلید اور نجس چیز کا ذکر کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ان کی رائے میں سَكَرًا سے مُراد کھجور اور انگور کا میٹھا رَس ہے جو حلال ہوتا ہے قِيۡلَ السَّكَرُ الۡعَصِيۡرُ الۡحُلۡوُ الۡحَلَالُ (بحر، قرطبی)(4) اس طرح نسخ کرنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور وہ شبہ بھی دور ہو جائے گا۔ ترجمہ اسی قول کے مطابق کیا گیا ہے۔

؁۹ کائنات کی بڑی بڑی چیزیں اپنے جمال وجلال اور اپنی نفع رسانی کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں لیکن عام طور پر چھوٹی چیزوں کو حقیر سمجھ کر لائق التفات خیال نہیں کیا جاتا۔ اور پھر مکھی جیسی چھوٹی سی چیز کے لیے کس کو فرصت ہے کہ اس میں سوچ بچار کرنے بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری حکمت وقدرت کے جلوے صرف پہاڑوں، سمندروں، مویشیوں اور بلند و بالا درختوں میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ ایک چھوٹی سی شہد کی مکھی بھی میری حکمتوں کی تجلّی گاہ ہے۔ اس کے مختصر سے چھتے میں بھی ہمارے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج10، جز20، ص67 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص123 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص510

4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج5، ص511، تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، ص128

مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ

ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان

کرشموں کا مینا بازار لگا ہوا ہے۔ ذرا اس چھتّہ کو دیکھو کس مہارت سے اس کو مسدّس خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن کے تمام اضلاع اور سارے زاویے مساوی ہیں۔ تمہارا کوئی ماہر انجینئر بھی مسطر اور پرکار کے بغیر ایسے مسدّس خانے نہ بنا سکے پھر اس کے مختلف حصّوں پر نظر ڈالو۔ کہیں تو نوزائیدہ بچوں کی قیام گاہ ہے۔ کہیں شہد کا ذخیرہ کیا جا رہا ہے کہیں موم تیار ہو رہا ہے۔ کہیں خوراک کا گودام ہے پھر اس حیران کن نظم و نسق کو دیکھو جس کے ماتحت یہ کثیر التعداد مکھیاں یہاں آباد ہیں کسی متمدّن ملک کی بہترین تربیت یافتہ فوج بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان میں ایک مکھی سب کی سردار ہے۔ دوسری مکھیاں اس کی فرمانبردار ہیں۔ اور اس کے حکم بجالانے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتیں۔ بعض خوراک لانے کے لیے متعین ہیں۔ بعض پہریدار ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی اجنبی اندر قدم بھی رکھ سکے جو خوراک لانے پر مقرر ہیں۔ وہ اپنے چھتّہ سے دور دراز مقامات پر اڑ کر جاتی ہیں۔ وہاں سے مختلف پھولوں، کلیوں، کونپلوں اور پتوں کا رس دن بھر چوستی رہتی ہیں اور پھر طویل مسافت طے کر کے اپنے چھتّہ میں واپس آجاتی ہیں نہ وہ راستہ بھولتی ہیں نہ لیٹ ہوتی ہیں اور نہ اپنے فرض کو انجام دینے میں کسی کاہلی کی روادار ہیں۔ پھر جس حکمت و خوبی سے پھلوں کے چُوسے ہوئے اس رس کو شہد بنانے کا عمل تکمیل پاتا ہے (1)۔ وہ تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان اتنے علمی کمال اور صنعتی ترقی کے باوجود کوئی ایسی مشینری تیار نہیں کر سکا جس کے ذریعہ وہ پھلوں وغیرہ کے رَس سے شہد جیسا جوہر کشید کر سکے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ اس چھوٹی سی مکھی کو یہ مہارت اور یہ کمال کس نے سکھایا۔ یہ باقاعدگی، نظم و نسق کی پابندی، اپنے فرائض کی ادائیگی، اپنے امیر کی اطاعت، یہ فنّی نزاکتیں اور اس پیچیدہ کام کو انجام دینے میں اتنی نفاستیں یہ سب چیزیں اس حیوان کو کس نے تعلیم کیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ تیرے رب کی تعلیم ہے۔ اُسی نے یہ سارے گر، یہ سارے قاعدے اور یہ طریق کار اس مکھی کو سکھایا ہے۔ اور اس کی دی ہوئی سمجھ سے وہ شہد جیسی نعمت بنا کر انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔ اس آیت میں وحی سے مراد الہام ہے۔ یعنی وہ سمجھ جو اللہ تعالیٰ حیوانات وغیرہ کو عطا کرتا ہے جس سے وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنے طبعی فرائض خوش اسلوبی سے ادا کر سکتے ہیں اَلْوَحْيُ هٰهُنَا بِمَعْنَى الْاِلْهَامِ وَ مِنْ ذٰلِكَ الْبَهَائِمُ وَمَا يَخْلُقُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِيْهَا مِنْ دَرْكِ مَنَافِعِهَا وَ اجْتِنَابِ مَضَارِّهَا وَتَدْبِيْرِ مَعَاشِهَا (قرطبی) (2) وحی کے مفہوم کی مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النساء کی آیت 163 کا حاشیہ۔

۸۰۔ ان راستوں سے مراد یا تو وہ راستے ہیں جہاں سے اڑ کر یہ مختلف باغات اور کھیتوں میں تلاش غذا کے لیے جاتی ہے اور پھر واپس آتی ہے یا ان راستوں سے مراد شہد تیار کرنے کے وہ تمام اصول اور مرحلے ہیں جن پر عمل کرنے سے مکھی شہد تیار کرتی ہے۔ ذُلُلًا حال ہے اس کے ذوالحال کے متعلق دو قول ہیں یا اس کا ذوالحال سُبُل ہے اور یا نَحل پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ راستے اللہ تعالیٰ نے اس مکھی کی پرواز کے لیے ہموار اور آسان بنا دیئے ہیں اور آسانی سے جاتی ہے اور آسانی سے واپس آتی ہے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مکھی سراپا اطاعت و انقیاد بن کر ان تمام کاموں کو سرانجام دیتی ہے۔ اپنے خالق کے بتائے ہوئے طریقوں سے سرمو ادھر ادھر نہیں ہوتی (اَلسُّبُلُ بَعْدَ اِذْ ذَاكَ مَسَالِكُهَا فِي الطَّيَرَانِ وَقِيْلَ الطُّرُقُ الَّتِيْ اَلْهَمَكَ وَاَفْهَمَكَ فِيْ عَمَلِ الْعَسَلِ) (البحر) (3)

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 512 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 133 — 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 512

رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ

کی ہموار راہوں پر (یوں) نکلتا ہے ان کے شکموں سے ایک شربت مختلف رنگوں والا اس میں

شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹ وَاللّٰهُ

شفا ہے لوگوں کے لیے۔ بیشک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ۸۱؎ اور اللہ تعالیٰ

خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

نے پیدا فرمایا ہے تمھیں پھر جان قبض کریگا تمھاری اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنھیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ وَاللّٰهُ

وہ کچھ نہ جانے جان لینے کے بعد بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قادر ہے۔ ۸۲؎ اور اللہ تعالیٰ نے

ع ۹ ۱۵

فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

برتری بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر ۸۳؎ دولت کے لحاظ سے۔ پس (اب بتاؤ) کیا وہ لوگ جنھیں برتری بخشی

فِيْهِ کی ضمیر کا مرجع شہد ہے یعنی اس شہد میں تمہارے لیے شفا ہے۔ کسی حاذق طبیب یا ڈاکٹر سے پوچھیے وہ تمہیں بتائے گا کہ یہ ذراسی مکھی جو لعاب تیار کرتی ہے وہ مختلف پھولوں سے جو جوہر کشید کرتی ہے وہ کتنی لاعلاج بیماریوں کے لیے زود اثر تریاق ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں میں مختلف صحت بخش اثرات رکھ دیئے ہیں اور علاج کے طور پر کسی چیز کو استعمال کرنا جائز ہے اور اس کے استعمال سے باذن الٰہی شفا بھی ہوتی ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (1) اور جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ علاج کرنا اور دم کرانا مباح ہے وَعَلٰى اِبَاحَةِ التَّدَاوِيْ وَالْاِسْتِرْقَاءِ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ (قرطبی) (2) ۸۱؎ یعنی مکھی کے اس طریقہ کار میں اور شہد کی اس صحت بخش تاثیر میں جتنا تم غور کرو گے اتنے ہی اللہ کی قدرت کے نشانات تمہیں نظر آئیں گے۔

۸۲؎ جس نے ان گوناگوں نفع رساں چیزوں کو پیدا کیا ہے اے انسان تیرا بھی وہی خالق ہے۔ اگر مظاہر فطرت میں غور کرنے کی فرصت نہیں تو کم از کم اپنے آئینہ میں تو اس کی قدرت کی کرشمہ کاریوں کا مشاہدہ کر جب تو پیدا ہوا تھا تیرا کیا حال تھا۔ تیری جسمانی اور دماغی قوتوں میں کس طرح آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تم نے شباب کی منزل میں قدم رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ تمہاری قوتوں میں انحطاط شروع ہوا۔ یہاں تک کہ تم پیر فرتوت بن گئے۔ اور سنجیدگی رخصت ہوئی۔ عقل و خرد نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قوت و طاقت کی جولانیاں بھولی بسری کہانیاں بن گئیں۔ آنکھوں کے چراغ دھندلا گئے۔ کانوں کی سماعت میں فرق آ گیا۔ ایک ایک کر کے سارے دوست اور سفر زیست کے ساتھی رخصت

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام باب لکل داء دواء، ج 2، ص 225، قدیمی کتب خانہ 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 138

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

گئی ہے وہ لوٹانے والے ہیں اپنی دولت کو ان لوگوں پر جو ان کے مملوک ہیں تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں ؟ (ہرگز نہیں) تو کیا

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ۸۴ اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ

عورتیں اور پیدا فرمائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے ۸۵ اور

ہو گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت بھی سلب ہو گئی اور کروٹ بدلنے کے لیے بھی کسی کے سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ جس نے تمہیں بچپن کی ناتوانی سے جوانی کی شیر افگن قوتوں تک پہنچایا اور وہاں سے اتار کر بڑھاپے کے بستر پر لٹا دیا کیا وہ ہر چیز پر قادر نہیں۔

۸۳ کفار اپنے معبودوں کو خدا کا شریک مانا کرتے تھے۔ وہ انہیں الٰہ بھی کہتے اور انہیں کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید ان کے اپنے حال سے دلیل قائم کر کے کی جا رہی ہے۔ انہیں بتایا کہ یہ حقیقت تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سارے انسان مال و دولت میں یکساں نہیں کئی دولت مند اور مال دار ہیں کئی مفلس اور نادار۔ کیا دولت مند لوگ یہ گوارا کرتے ہیں کہ وہ مال جو انہوں نے کمایا ہے۔ ان سے لے کر ان کے مفلس نوکروں اور نادار غلاموں میں بانٹ دیا جائے اور وہ سب مساوی طور پر اس کے مالک ہو جائیں۔ جب وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تو یہ کتنی نادانی اور بے انصافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قُدرت و اختیار کو اپنے میں تقسیم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کو خدا ماننے کے ساتھ بتوں کو بھی خدا مانتے ہیں۔ اس کی عبادت کے ساتھ وہ بتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ ذرا وہ غور کریں کہ جو بات وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے لیے آخر کیوں پسند کرتے ہیں۔ اگر انہیں نجات اور فلاح مطلوب ہے تو ان فضول اور لایعنی عقیدوں کو چھوڑیں، اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائیں۔ اس کی ذات اور اس کی صفات کمال میں کسی کو شریک نہ بنائیں قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ نجات پا جاؤ گے۔

۸۴ یہ قوت و صحت، یہ عقل و دانش اور یہ دولت و ثروت سب اس کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔ تم اس کی نعمتوں کا انکار نہ کرو بلکہ اس کا شکر یہ ادا کرو۔ قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ زبان سے بھی اور دل سے بھی شکر ادا کرو گے تو وہ اپنی مزید نوازشات کے دروازے تم پر کھول دے گا اور اگر ناشکری کرتے رہو گے تو اگلی نعمتوں سے بھی محروم کر دیئے جاؤ گے۔

۸۵ اپنے مزید احسانات کی یاددہانی کرائی جا رہی ہے یعنی ہم نے تمہیں تنہا پیدا نہیں کیا۔ ایسی تنہائی جس میں غم کے لمحے بڑے بھیانک ہوتے ہیں اور خوشی کی ساعتیں بڑی اداس، بلکہ ہم نے تمہیں اس زندگی کا راستہ طے کرنے کے لیے ایک ساتھی بھی دیا (رفیقۂ حیات) اور مزید کرم یہ فرمایا کہ وہ تمہاری ہی جنس سے ہے تاکہ تمہاری آرزوئیں اور تمنّائیں، تمہارے جذبات اور خواہشات سب یکساں ہوں تاکہ تم ایک دوسرے کے لیے باعث مسرّت اور موجب اطمینان بنو۔ اس پر مزید کرم یہ کیا کہ تمہیں اولاد کی نعمت

رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ

رزق عطا فرمایا تمھیں پاکیزہ تو کیا (یہ لوگ) باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں

هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی جو

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝

انھیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں ۸۶

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں ۸۷ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم

سے بہرہ ور کیا اور تمہیں پوتے اور پوتیاں بخشیں۔ اس طرح تمہارے دلوں کو مسرت اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ مزید برآں تمہیں کھانے کے لیے عمدہ سے عمدہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ ان گوناگوں بے شمار احسانات کے باوجود اگر تم شرک سے باز نہ آؤ تو تم سے بڑھ کر اور کون ناشکرا اور احسان فراموش ہوگا۔ اس آیت میں حَفَدَةً کا معنی اَوْلَادُ الْاَوْلَادِ یعنی پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہیں (1)۔ بعض علماء نے اس کا معنی خدّام بھی کیا ہے۔ آیت کے آخر میں دو لفظ ہیں: اَلْبَاطِل اور نِعْمَةُ اللهِ مختلف علماء نے ان کا مدلول الگ الگ ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ باطل سے مراد شیطان ہے اور نِعْمَةُ اللهِ سے مراد حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ کلبی نے کہا ہے کہ باطل سے مراد حلت اور حرمت کے احکام میں شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا اپنے بتوں سے شفاعت کی توقع رکھنا اور ان کی برکت پر یقین رکھنا باطل ہے۔ وَقِيْلَ مَا يُرْجٰى مِنْ شَفَاعَةِ الْاَصْنَامِ وَبَرَكَتِهَا (2) اور نِعْمَةُ اللهِ سے مراد مَا اَحَلَّ اللهُ لَهُمْ (3) جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔

۸۶ کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اس پوجا کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔ نہ تو ان معبودوں نے انہیں پیدا کیا ہے کیونکہ یہ تو ان کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو رزق دینے پر قادر ہیں۔ کیونکہ زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کے وہ مالک ہوں۔ جب ان کا ہے ہی کچھ نہیں تو وہ بے چارے کسی کو دیں گے کیا۔

۸۷ ضرب المثل کا معنی ہے ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینا ضَرْبُ الْمَثَلِ تَشْبِيْهُ حَالٍ بِحَالٍ (4) یہاں منع کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے ساتھ تشبیہ نہ دی جائے۔ کیونکہ نہ اس کی کوئی مثل ہے نہ کوئی شبیہ۔ ساری مخلوقات اس کی عبید ہیں۔ اس لیے خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ نیز نہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا پتہ ہے اور نہ اس کی صفات کا تمہیں علم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 144 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 515 3۔ ایضاً، ج 5، ص 516 4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 321

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى

نہیں جانتے۔ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ۸۸ وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا

شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا

اور (اسکے مقابلہ میں) ایک وہ بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن۔ پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے

وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر۔ (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں ۸۹ الحمد للہ! (حقیقت حال واضح ہوگئی) بلکہ انمیں سے اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

ہے اور نہ تمہیں یہ خبر ہے کہ وہ کن کمالات سے موصوف ہے۔ اور نہ ان عیوب سے تم آگاہ ہو جن سے وہ پاک ہے۔ جب اس کی ذات وصفات کے بارے میں تمہاری لاعلمی کا یہ عالم ہے تو تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کے لیے مثالیں دیتے رہو۔

۸۸ ان کافروں کو ان کی نادانی پر آگاہ کرنے کے لیے ایک مثال دے کر سمجھایا جارہا ہے۔ کہ تم یہ بتاؤ کہ ایک شخص کسی کا زرخرید غلام ہے۔ اس کو کسی چیز پر قدرت نہیں۔ وہ کسی بھوکے کو باسی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دے سکتا۔ سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے کسی ننگے کو ایک پھٹا پرانا کپڑا بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ نہ اسے کسی کو خریدنے کی اجازت ہے نہ بیچنے کی۔ اس کے علاوہ ایک اور شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ رحمت سے کثیر رزق عطا کیا ہے وہ اسے اپنی مرضی سے خرچ کرنے پر بھی قادر ہے وہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر غریبوں اور محتاجوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے اور مجمع عام میں بھی اس کی جودوسخا سے ہر سائل اپنا دامن طلب بھر کر لیے جارہا ہے۔ اب بتاؤ یہ دونوں شخص اگرچہ انسان ہیں لیکن کیا تم ان کو ایک جیسا کہنے کی جرأت کرسکتے ہو، ہرگز نہیں۔ تو پھر غور کرو تم جو اپنے معبودوں کو خدا مانتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہے ہو کیا یہ کھلی نادانی نہیں۔ جب وہ دو آدمی انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں ہوسکتے تو پھر یہ تمہارے بے بس اور بے جان بت جو اس زرخرید مقہور اور مجبور غلام سے بھی ہزار درجہ فروتر ہیں۔ وہ رب العرش العظیم کے ہم پلہ اور ہم پایہ کیسے ہوسکتے ہیں کہ تم ان کو اللہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو۔ کچھ تو غور کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کی مثال بیان نہیں کی جارہی بلکہ کافر اور مومن کی مثال دی جارہی ہے کہ کافر ایسا ہے جیسے کسی کا کوئی حلقہ بگوش غلام ہو اور اس کے مالک نے اس کے ہر قسم کے اختیارات سلب کرلیے ہوں اور مومن وہ ہے جس پر اس کے خالق ومالک کے بے انداز انعامات واحسانات ہیں اور اس نے اسے ان کو استعمال کرنے اور خرچ کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ (سورہ ص: 39) کا مژدہ بھی اسے سنا دیا گیا ہے۔ وہ اسے جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ جب بھی کوئی سائل دامن طلب پھیلائے ہوئے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اسے خالی واپس نہیں کرتا۔ انصاف سے بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

۸۹ اس آیت سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے سب بندے ایک ہی حیثیت کے نہیں۔ بعض وہ

ہیں جو زر خرید غلام کی طرح بے بس، بے اختیار، مفلس و نادار اور بے فیض ہیں۔ نہ اُن کے پاس کچھ ہے اور نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں لیکن بعض وہ مقبول و محبوب بندے بھی ہیں جو مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا کی عنایت سے بہرور ہیں اور فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا کی شان رفیع کے حامل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمت کے خزانوں سے انہیں مالا مال فرما دیا ہے۔ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیا ہے۔ علمی اور روحانی فتوحات کی ان پر موسلا دھار بارش کی ہے۔ مِنَّا (اپنی جناب خاص سے) اور رِزْقًا حَسَنًا کے الفاظ میں آپ جتنا غور کریں گے ان مواہب ربانی اور عطیات خداوندی کی نفاست و عمدگی اور کثرت و فراوانی کی حقیقت کھلتی جائے گی۔ جن محبوبوں کو ان لامحدود عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے انہیں ان کو خرچ کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرما دی ہے چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے خزانوں اور نعمتوں کو بڑی فیاضی اور دریا دلی سے محتاجوں، فقیروں اور سائلوں میں بانٹ رہے ہیں۔ نہ وہ خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ کریموں کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ ان کے در پر مانگنے والوں کی بھیڑ لگی ہے۔ ہر کوئی اپنی ہمت، حوصلہ اور سمجھ کے مطابق مانگ رہا ہے اور اپنے ظرف کے مطابق لے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم، حبیب معظم، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا دیا؟ اس کی حقیقت کسی غیر سے نہ پوچھیے کوئی کیا جانے خود اس رب کریم سے پوچھیے کہ اے غنی جس کے قبضۂ اختیار میں زمین و آسمان کے سارے خزانے ہیں اے کریم جس کی جود و سخا کی ایک جھلک يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ (1) میں نظر آتی ہے جس کی صفت کمال صرف واہب (عطا فرمانے والا) نہیں بلکہ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ (2) (بے انداز عطا فرمانے والا ہے) اے اکرم الاکرمین تو خود بتا کہ تو نے اپنے پیارے بندے محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا دیا اور کتنا دیا تو جواب ملتا ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ (3) اے حبیب! ہم نے آپ کو جو دیا بے انداز دیا۔ پھر ندا آتی ہے عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (4) یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

یا اس سے پوچھو جس کو دیا ہے کہ اے عبد اللہ! تیرے پروردگار نے جو غنی بھی ہے اور سخی بھی، تجھے کیا عطا فرمایا؟ تو اس کی زبان حق ترجمان سے کبھی یہ صدا فردوس گوش بنے گی أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ (5) مجھے میرے رب نے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی ہیں اور کبھی وہ ان الفاظ میں اپنے کریم خدا کی کرم گستریوں کو بیان فرمائے گا فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (6) یعنی میرے رب کریم نے اپنے دست فیض رساں میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر کیا تھا آسمان اور زمین کی ہر چیز کو میں نے جان لیا۔ اور اپنے محبوب کے طفیل جو نوازشات اپنے محبوب کے غلاموں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کا صحیح اندازہ لگانا بھی ہمارے علم ناتمام اور فکر نارسا کے لیے مشکل ہے قرآن ہی سے سنیے وہ بتاتا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (7) یعنی کان کھول کر سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کسی مکروہ چیز کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی محبوب چیز کے ضائع ہونے کا حزن و ملال ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ (8) میزبان خداوند عالم ہے اور مہمان اس کے مقبول بندے ہیں۔ اس کی انمول نعمتوں، دلنواز رحمتوں کا وسیع دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ جس سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں کون ہے جو اس خوان کرم کی شیرینی اور رنگینی کا انکار کر سکے۔

1۔ سورۃ البقرہ: 212 | 2۔ سورۂ آل عمران: 8 | 3۔ سورۃ الکوثر: 1 | 4۔ سورۂ نساء: 113 | 5۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج 1، ص 508
6۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۂ ص، ج 2، ص 155 | 7۔ سورۂ یونس: 62 | 8۔ سورۂ حم السجدۃ: 32-31

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى

اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال ۹۰ دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں

شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ

رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر جہاں کہیں وہ اس نکمے کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی

هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ

کے ساتھ۔ کیا برابر ہو سکتا ہے یہ (نکما) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ اور وہ راہِ راست پر

شاید اسی قسم کے ارشاداتِ ربانی کو دیکھ کر شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی جیسے آدمی کو جنہوں نے تقویۃ الایمان میں یہاں تک لکھ دیا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں (1)۔ اپنی دوسری کتاب صراط مستقیم میں اپنے اسی ہاتھ سے اسد اللہ الغالب سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق لکھنا پڑا۔

قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیر ہاہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضٰی تا انقراضِ دُنیا ہمہ بواسطہ ایشاں است و در سلطنت سلاطین و امارتِ امراء ہم ہمت ایشاں را دخل است کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست (صراط مستقیم ص 58 فخر المطابع) (2)

ترجمہ: کہ حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت، غوثیت، ابدالیت اور دیگر مدارج ولایت سب آپ کے واسطہ سے عطا ہوتے ہیں۔ نیز بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو بڑا دخل ہے اور یہ حقیقت عالم ملکوت کے سیاحوں پر مخفی نہیں۔

دوسری جگہ اولیائے کاملین کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''وہم چنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ وارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت می باشند (صراط مستقیم ص 101 فخر المطابع) (3) یعنی اسی طرح ان عالی مرتبت اولیائے کرام کو عالم مثال و شہادت میں تصرف کرنے کا مطلق اذن مرحمت ہو چکا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِیْبِهٖ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَاَوْلِیَاءِ مِلَّتِهِ الْكَامِلِیْنَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ رَبَّنَا اَلْحِقْنَا مَعَهُمْ اِنَّكَ اَكْرَمُ الْاَكْرَمِیْنَ۔ آمِیْنَ!

۹۰ مشرکین جو خدائی اور عبادت میں اپنے بتوں کو بھی اللہ جل مجدہ کا مثیل سمجھتے تھے۔ ان کی حماقت کو واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال ذکر فرمائی۔ فرمایا ایک شخص ہے جو پیدائشی طور پر گونگا بھی ہے اور بہرہ بھی۔ اسے کسی چیز پر کوئی اختیار بھی حاصل نہیں۔ وہ اپنے رفقاء پر صرف بوجھ ہے اور قدم بھی ایسے سبز ہیں کہ جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ نامراد لوٹتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس کا کوئی قدم راہ ہدایت سے اِدھر اُدھر نہیں اُٹھتا۔ اے مشرکو! تم ہی بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر یہ دونوں انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں تو تمہارے اصنام، اوثان جو اس منحوس

1۔ تقویۃ الایمان از شاہ اسماعیل شہید متولد 1784ء، متوفی 1831ء ص 63، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ اردو بازار، لاہور 2۔ صراط مستقیم، ص 58، مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ 3۔ ایضاً، ص 101

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ

گامزن ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو ۹۱ اور نہیں قیامت برپا

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد ۹۲ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

پوری قدرت رکھتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے ۹۳

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ

اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم (ان بیش بہا نعمتوں کا)

غلام سے بھی گئے گزرے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے ہیں تاکہ تم انہیں الٰہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو، جو صرف اللہ کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہاں بھی کافر اور مومن کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وَقِيْلَ هٰذَا تَمْثِيْلٌ لِّلْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ فَالْاَبْكَمُ هُوَ الْكَافِرُ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ هُوَ الْمُؤْمِنُ رُوِيَ ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (1)۔

۹۱ سابقہ آیات میں بتوں کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کمال کو بڑے دلنشین پیرایہ میں مثالیں دے کر سمجھایا گیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیبوں کو جاننا اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی انسان اپنے حواس کے ذریعہ یا اپنی عقل کے زور سے ان کو نہیں جان سکتا۔ غیب اسے کہتے ہیں جس کا ادراک نہ حواس سے ہو سکے اور نہ عقل سے مَالَا يُدْرَكُ بِالْحِسِّ وَلَا يُفْهَمُ بِالْعَقْلِ (بحر) (2) غیب پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو غیب پر مطلع کر دے یعنی لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اَحَدٌ غَيْرُهٗ تَعَالٰى اِلَّا بِتَعْلِيْمِهٖ (مظہری) (3) یعنی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جان سکتا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَاخْتِصَاصُهٗ بِعِلْمِ الْغَيْبِ فَلَا اِطِّلَاعَ لِاَحَدٍ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ يُّطْلِعَهٗ تَعَالٰى عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ (4)۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ کوئی بھی اس پر آگاہ نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود آگاہ فرماوے۔

۹۲ اور اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ قیامت برپا کرنا چاہے گا تو اس زمین و آسمان، شمس و قمر، پہاڑوں اور سمندروں کو درہم برہم کرنے کے لیے صدیاں یا سال یا مہینے درکار نہیں ہوں گے بلکہ کم سے کم مدت جس کا تم تصور کر سکتے ہو وہ لمح البصر ہے (تیزی سے دیکھنا) اتنا وقت بلکہ اس سے بھی کم وقت میں یہ سب کچھ زیر و زبر ہو جائے گا۔ جس کے علم کا یہ حال ہے اور جس کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 149
2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 520
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 359
4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 579

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ

شکر ادا کرو۔ کیا انھوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں

السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

فضائے آسمانی میں۔ کوئی چیز انھیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے ۹۴۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ

جو ایمان لائے ہیں ۹۵ اور اللہ تعالیٰ نے ہی (اپنے فضل و کرم سے) بنا دیا ہے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ اور بنائے ہیں

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ

تمھارے لیے جانوروں کے چمڑوں سے گھر (یعنی خیمے) جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو ۹۶ سفر کے دن

قدرت کا یہ عالم ہے وہی خدائے برحق اور معبودِ برحق ہے۔

۹۳ اسی علیم و قدیر کی نوازش ہے کہ اس نے تم کو انسان کی شکل میں پیدا فرمایا اور جب تم پیدا ہوئے تھے تو تمہاری نادانی کا یہ حال تھا کہ تم اپنی ماں کو بھی نہیں پہچان سکتے تھے۔ جس کے شکم میں تم ایک عرصہ گزار کر آئے تھے اسی خالق نے تمہیں ظاہری حواس کان، آنکھیں وغیرہ بھی بخشیں اور اسی نے تمہیں سوچنے اور سمجھنے کی استعداد بھی مرحمت فرمائی تا کہ تم اپنے خالق و مالک کی عنایاتِ بے پایاں کا اعتراف کرو اور اُس کا شکر ادا کرو۔ اَفْئِدَةٌ جمع ہے فُؤَادٌ کی جیسے غُرَابٌ کی جمع اَغْرِبَةٌ ہے۔ اُمَّهَاتٌ، اُمٌّ کی جمع ہے چاہیے تو یہ کہ اس کی جمع اُمَّاتٌ ہوتی لیکن تاکید کے لیے ھا بڑھا دی فَزِیْدَتِ الْهَاءُ تَاكِیْدًا كَمَا زَادُوْا هَاءً فِیْ اُهْرِقْتُ الْمَاءَ (قرطبی) (1)

۹۴ اپنی قدرت کی ایک اور نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ تم بلندی کی طرف کوئی چیز کتنے ہی زور سے پھینکو۔ وہ تھوڑی دور اوپر جا کر نیچے گر پڑے گی کیونکہ ہر ثقیل چیز مرکز زمین کی طرف لوٹتی ہے لیکن فضائے آسمانی میں محو پرواز پرندوں کو دیکھو یہ نیچے کیوں نہیں گر پڑتے۔ زمین کی کشش ثقل ان کو اپنی طرف کیوں نہیں کھینچ لاتی۔ وہ کون ہے جس نے پرندوں کو ایسے بازو ایسے پر اور ایسے دم بخشے ہیں کہ وہ ہوا کی وسعتوں میں گھنٹوں پر کشا رہتے ہیں۔ کیونکہ پرندوں کے جسم کی مخصوص ساخت ان کے بازو اور پر سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کو ہوا میں معلق رکھنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی۔

۹۵ جن ایمان والوں کے لیے پرندوں کی ہیئت ترکیبی میں آیات و علامات تھیں۔ وہ تو پتنگ اُڑا کر ہی خوش ہوتے رہے اور دوسری قوموں نے اس رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر طیارے اور معلوم نہیں کیا کیا بنا کر فضا کو مسخر کیا اور وہاں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔

۹۶ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جن سے ہر شخص ہر وقت مستفید ہوتا ہے لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے ان کی اہمیت کا احساس

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، ص151

وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

اور اقامت کے دن ۔ اور اسی نے بنائے ہیں بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا

مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقرر تک ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں تمہارے آرام کیلئے ان چیزوں کے سائے جن کو

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ

اس نے پیدا فرمایا اور اسی نے بنائی ہیں تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں ۹۷ اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لیے ایسے لباس جو بچاتے ہیں

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

تمہیں گرمی سے اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت ۔ ۹۸ اسی طرح وہ پورا فرماتا ہے اپنا احسان

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

تم پر تاکہ تم سر اطاعت خم کرو ۹۹ اے محبوب! اگر (ان روشن دلائل کے باوجود) وہ منہ پھیریں تو (فکرمند نہ ہوں) آپ کے

بہت کم ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آسانیاں اور سہولتیں جن کو ہم خاطر ہی میں نہیں لاتے ۔ اگر ہم سے چھین لی جائیں تو زندگی گزارنا دو بھر ہو جائے ۔ اس آیت میں انہیں نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جن سے ہم ہر وقت لطف اندوز ہوتے ہیں کہ دیکھو یہ کس کی کرم گستریاں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ان سے دل نہ لگا بیٹھنا انہیں ایک دن چھوڑنا ہوگا ۔ مبادا اس دلبستگی کی وجہ سے چھوڑتے وقت تمہیں تکلیف ہو تَسْتَخِفُّوْنَهَا: تَجِدُوْنَهَا خَفِيْفَةً (1) یعنی تم ان کو ہلکا پھلکا پاتے ہو اور چمڑے وغیرہ کے بنے ہوئے خیمے بڑی آسانی سے سفر میں اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہو ۔ اَثَاثٌ: مَتَاعُ الْبَيْتِ (2) گھریلو استعمال کا سامان بستر ے چادریں لباس وغیرہ ۔

۹۷ اس آیت میں بھی انہیں انعامات کا تذکرہ فرمایا جو روز مرہ کے استعمال میں آنے والے ہیں ۔ گرمی کا موسم ہو چلچلاتی دھوپ ہو ۔ سخت گرم لُو چل رہی ہو ۔ آپ کسی گھنے درخت کے ٹھنڈے سایہ میں ستانے کے لیے رُکیے ۔ آپ کو پتہ چلے کہ سایہ کتنی بڑی نعمت ہے ۔ دیواروں کے سائے ، مکانوں کے سائے ہر چیز کا ظل بنا کر تم پر احسان فرمایا ۔ پھر پہاڑوں کو بھی ایسا نہیں بنایا کہ سپاٹ چٹانیں ہوں اور وہاں سفر کرتے کرتے اگر مینہ برسنے لگے ، برف کا طوفان آجائے تو تمہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے ۔ بلکہ جگہ جگہ غاریں بنا دی ہیں جہاں تم آرام کرسکو یا رات گزار سکو ۔ اس نعمت کی قدر و قیمت آپ ان لوگوں سے پوچھیے جن کا بسیرا کوہستانی علاقوں میں ہے یا جنہیں کبھی پہاڑی سفر کا اتفاق ہوا ہو ۔ اَكْنَانٌ جَمْعُ كِنٍّ: وَهُوَ الْحَافِظُ مِنَ الْمَطَرِ وَالرِّيْحِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ (3) ۔ یعنی وہ غاریں جہاں انسان بارش اور ہوا وغیرہ سے بچ سکے ۔

1 ۔ تفسیر مظہری ، زیر آیت ہذا ، ج 5 ، ص 360 2 ۔ تفسیر قرطبی ، زیر آیت ہذا ، جز 10 ، ص 159 3 ۔ ایضاً

الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

ذمہ تو صرف وضاحت سے پیغام پہنچانا ہے وہ پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو (اسکے باوجود) وہ انکار کرتے ہیں اس کا اور انہیں سے اکثر لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا

کافر ہیں ۱۰۱ اور قیامت کے دن ہم اٹھائیں گے ہر اُمت سے ایک گواہ ۱۰۲ تب ان لوگوں

يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

کو اجازت نہیں ہوگی جنہوں نے کفر کیا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا ۱۰۳ اور جب دیکھ لیں گے وہ لوگ جنہوں نے

ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ظلم کیا عذاب (آخرت) کو تو اس وقت وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائیگا اور نہ انھیں (مزید) مہلت دی جائے گی۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا

اور جب دیکھیں گے مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو تو بول اٹھیں گے اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک

۹۸ پھر مزید کرم یہ کیا کہ طرح طرح کے لباس بنائے۔ کوئی گرمیوں میں پہننے کا کوئی سردیوں میں استعمال کرنے کا اور کوئی ایسا لباس (فولادی زرہیں وغیرہ) جو زیب تن کر کے میدانِ جنگ میں جاتے ہو اور وہ تمہیں دشمن کے واروں سے بچاتا ہے۔

۹۹ وہ کریم جو ہر حال میں تم پر اپنی نعمتوں کا مینہ برسا رہا ہے جسے تمہاری ہر چھوٹی اور بڑی ضرورت کا خیال ہے جھک جاؤ اس کے حضور میں اور اس کے احکام کی اطاعت کو اپنا شعور بنالو۔ احسان شناسی کا یہی تقاضا ہے اور تمہیں یہی بات زیب دیتی ہے۔

۱۰۰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر گوناگوں انعامات اور پیہم نوازشات کے باوجود وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لاتے تو آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ کا جو فرض تھا وہ آپ نے باحسن وجوہ ادا فرمادیا۔ ۱۰۱ ان کے اس انکار کی وجہ یہ نہیں کہ آپ نے انہیں صحیح طور پر سمجھایا نہیں یا وہ اپنے رب کے احسانات سے بے خبر ہیں۔ آپ نے خوب سمجھایا اور انہوں نے اچھی طرح سمجھ بھی لیا۔ لیکن وہ دانستہ کفر و شرک سے چمٹے ہوئے ہیں۔

۱۰۲ آج تو کفار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دانستہ انکار کر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اُن کا کیا حال ہوگا۔ جب ان کے انبیاء ان پر گواہی دیں گے کہ اے الٰہ العالمین! ہم نے ان کو تیرا پیغام پہنچایا۔ تیری توحید کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ تیرے احسانات کی یاد دہانی کرائی۔ لیکن انہوں نے ہماری ایک بھی نہ سنی۔ اس دن وہ معذرت خواہی کی اجازت چاہیں گے یا دنیا میں واپس لوٹنے کی خواہش کریں گے تو ان کی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

جنھیں ہم پوجا کرتے تھے تجھے چھوڑ کر تو وہ شریک انھیں جواب دینگے یقیناً تم

لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم

جھوٹ بول رہے ہو ۱۰۴ وہ پیش کردیں گے بارگاہِ الٰہی میں اُس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہوجائیں گے انھیں

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ

وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ

اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾

سے ہم نے بڑھادیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر ۱۰۵ اس وجہ سے کہ وہ فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے

۱۰۳ اس روز وہ بڑی کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیں لیکن اُس کوشش کو ٹھکرادیا جائے گا یُسْتَعْتَبُوْنَ اس کا اصل عَتْبٌ ہے جس کا معنی (مَوْجِدَةٌ) ناراضگی ہے اور جب کوئی شخص کسی پر ناراض ہو تو کہتے ہیں عَتَبَ عَلَيْهِ يَعْتِبُ إِذَا وَجَدَ عَلَيْهِ (1)۔ اور جب کوئی شخص اپنی ناراضگی کا اظہار کرے تو کہتے ہیں عَاتَبَهُ اور جب کوئی شخص اس امر سے باز آجائے جو باعث ناراضگی ہے تو کہتے ہیں أَعْتَبَ۔ عُتْبٰی اسم ہے اس کا معنی ہے رضا (قرطبی) (2) اگر کوئی کسی کی رضامندگی کا طالب ہو تو کہتے ہیں اِسْتَعْتَبَهُ: طَلَبَ مِنْهُ الْعُتْبَةَ أَيِ اسْتَرْضَاهُ اور جب کوئی کسی کی خوشنودی کو طلب کرے اور وہ اس سے خوش ہوجائے تو کہتے ہیں اِسْتَعْتَبْتُهُ، فَأَعْتَبَنِي أَيِ اسْتَرْضَيْتُهُ فَأَرْضَانِي (المنجد) (3)

۱۰۴ روز محشر مشرکین اپنے آپ کو بری الذمہ اور بے گناہ ثابت کرنے کے لیے سارا الزام اپنے معبودوں پر لگائیں گے کہ اے الٰہ العالمین یہ وہ ہیں جن کو ہم تیرا شریک بناتے تھے۔ تجھے چھوڑ کر ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا کرے گا اور وہ ان کی تردید کریں گے کہ انہوں نے خود ہی ہمیں گھڑا اور خود ہی ہمیں تیرا شریک بنایا خود ہی ہماری عبادت میں لگ گئے۔ ہم نے انہیں کب کہا تھا کہ وہ تیری عبادت کو چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کردیں فَيُنْطِقُ اللّٰهُ الْأَصْنَامَ حَتّٰى تَظْهَرَ عِنْدَ ذٰلِكَ فَضِيْحَةُ الْكُفَّارِ (قرطبی) (4)

یعنی اللہ تعالیٰ ان بے زبان اور بے جان بتوں کو قوتِ گویائی دے گا تا کہ کفار کی رسوائی ظاہر ہو۔ اس آیت میں غور کرنے سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کفّار کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا ان کا یہ کہنا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا یہ وہ شریک ہیں جن کو ہم تیرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو کفّار اپنے بتوں کو خدا بھی کہتے تھے اور معبود سمجھ کر ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے الشُّرَكَاءُ الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْهُمْ اٰلِهَةً مِّنْ دُوْنِكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ فَأَلْقَوْا يَعْنِي شُرَكَاءَهُمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ مِنْ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 162　2۔ ایضاً　3۔ المنجد، ص 485　4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 163

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ

اور وہ دن (بڑا ہولناک ہوگا) جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انہیں میں سے

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر ۱۰۶ اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب ۱۰۷ جو

دُوْنِ اللهِ۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں اَرْبَابًا نَّعْبُدُهُمْ (1) علامہ قرطبی لکھتے ہیں اَیْ اَصْنَامَھُمْ وَ اَوْثَانَھُمُ الَّتِیْ عَبَدُوْھَا (2)۔

۱۰۵ انہیں دوہرا عذاب ملے گا اپنی گمراہی کا بھی اور جن کو انہوں نے ہدایت قبول کرنے سے روکا۔ اُن کے گناہوں کا وبال بھی انہیں پر ہوگا۔

۱۰۶ هٰٓؤُلَآءِ کا مشارٌ الیہ امت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر گواہی دیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحَدَّثُ لَکُمْ وَ مَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَمَا رَاَیْتُ مِنْ خَیْرٍ حَمِدْتُّ اللهَ عَلَیْهِ تَعَالٰی وَمَا رَاَیْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَکُمْ (3) یعنی میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا یہاں سے انتقال کر جانا بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر تمہاری کسی نیکی کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب تمہارے کسی گناہ کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ سورۂ بقرہ آیت 143۔ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا کی جو تفسیر حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمائی ہے وہ پیش نظر رہے۔ آپ لکھتے ہیں: باشد رسول شما بر شما گواہ زیرآنکہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ در دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجاب کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک وبد شمارا و اخلاص ونفاق شمارا۔ (تفسیر عزیزی) (4)

ترجمہ: تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رُتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رُکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو پہچانتے ہیں۔ تمہارے ایمان کے درجوں کو، تمہارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور ایمان کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے سورۃ النساء کی آیت 41 کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۱۰۷ ہماری زندگی کے تمام گوشوں کے متعلق واضح ارشادات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قانون، سیاست، معاشیات، معاشرہ، اخلاق، بین الاقوامی تعلقات، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا تعلق مومن کی زندگی کے ساتھ ہے۔ ان سب کو قرآن پاک نے بیان کر دیا ہے۔ لیکن اس سے استفادہ کرنا ہر ایک کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہاں تک منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَوْ ضَاعَ مِنِّیْ عِقَالُ بَعِیْرٍ لَوَجَدْتُّهٗ فِیْ کِتَابِ اللهِ (5) یعنی میرے اونٹ کا عقال (وہ رسی جس سے پاؤں باندھے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 362 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 163

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 213، طبقات الکبریٰ لابن سعد، ج 2، ص 194، دار بیروت۔ مجمع الزوائد، ج 8، ص 595، رقم الحدیث: 14250، دار الفکر بیروت

4۔ تفسیر عزیزی، زیر آیت سورۂ بقرہ: 143، ص 436 5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 216

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لیے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى

بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ

جاتے ہیں) گم ہو جائے تو میں اسے بھی کتاب اللہ میں پاتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے قَدْ بُيِّنَ لَنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ كُلُّ عِلْمٍ وَّ كُلُّ شَیْءٍ (1) ہمارے لیے سارے علوم اور ساری چیزیں اس قرآن میں بیان کر دی گئی ہیں قَالَ مُجَاهِدٌ كُلُّ حَلَالٍ وَّ كُلُّ حَرَامٍ (2) مجاہد نے کہا کہ ہر حلال اور ہر حرام قرآن میں بتا دیا گیا۔ اس کے بعد علامہ ابن کثیر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ جامع ہے کیونکہ قرآن تمام علوم نافعہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اس میں گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں بھی ہیں۔ اور آنے والے واقعات کا بھی علم ہے۔ ہر حلال اور حرام اور تمام وہ امور جن کی طرف لوگ اپنی دنیا اور اپنے دین، اپنی معاش اور اپنی معاد میں محتاج ہیں سب مذکور ہیں وَقَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَعَمُّ وَاَشْمَلُ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ اشْتَمَلَ عَلٰى كُلِّ عِلْمٍ نَّافِعٍ مِّنْ خَبَرِ مَا سَبَقَ وَعِلْمِ مَا سَيَاْتِیْ وَكُلِّ حَلَالٍ وَّحَرَامٍ وَّمَا النَّاسُ اِلَيْهِ مُحْتَاجُوْنَ فِیْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ وَدِيْنِهِمْ وَمَعَاشِهِمْ وَمَعَادِهِمْ (تفسیر ابن کثیر) (3) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ شعر بھی اس قول کی تائید کرتا ہے۔

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ   تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

کہ قرآن پاک میں تو تمام علوم ہیں۔ لیکن لوگوں کے ذہن ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

۱۰۸ یہ آیت جب نازل ہوئی تو اسلام کے بڑے بڑے دشمن اس کے اعجاز اور جامعیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی تو اس نے کہا یَا ابْنَ اَخِیْ اَعِدْ میرے بھتیجے ایک بار پھر پڑھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پھر پڑھا تو وہ دشمن اسلام اور منکر قرآن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا وَاللّٰهِ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَّاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَّاِنَّ اَصْلَهٗ لَمُوْرِقٌ وَّاَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ بَشَرٍ (4) بخدا یہ تو بڑی شیریں ہے۔ اس کا ظاہر بڑا رنگین ہے۔ اس کا تنا پتوں والا ہے اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا هٰذِهٖ اَجْمَعُ اٰيَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ لِخَيْرٍ يُّمْتَثَلُ وَلِشَرٍّ يُّجْتَنَبُ (5) یہ قرآن کی جامع ترین آیت ہے۔ اس میں ہر وہ اچھی چیز جس پر عمل کرنا ضروری ہے مذکور ہے۔ اسی طرح ہر وہ بری چیز جس سے اجتناب ضروری ہے موجود ہے۔ یہ اسی کتاب مقدس کی ایک آیت ہے۔ جس کے متعلق اس کے نازل فرمانے والے نے فرمایا یہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ہے اس لیے اس میں ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ غور کرنا چاہیے۔ تاکہ اس گنج شائیگاں سے بیش از بیش مستفیض ہو سکیں۔ اس آیت میں تین چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تین چیزوں سے روکا گیا ہے۔ وہ تین چیزیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) عدل (۲) احسان (۳) ایتاء ذی القربیٰ اور دوسری تین چیزیں اَلْفَحْشَآءِ، وَالْمُنْكَرِ اور الْبَغْیِ ہیں۔ ان امور میں سے ہر ایک کے متعلق مختصر تشریح پیش خدمت ہے۔ حضرت سفیان ابن عیینہ نے فرمایا اَلْعَدْلُ هٰهُنَا

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 582   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً   4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 165   5۔ ایضاً

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے، برُے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمھیں تاکہ تم

اسْتِوَاءُ السَّرِيْرَةِ وَالْاِحْسَانُ اَنْ تَكُوْنَ السَّرِيْرَةُ اَفْضَلَ مِنَ الْعَلَانِيَةِ(1) کہ یہاں عدل کا معنی یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں یکساں ہوں۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ باطن ظاہر سے بھی زیادہ پاکیزہ ہو۔ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اَلْعَدْلُ الْاِنْصَافُ وَالْاِحْسَانُ التَّفَضُّلُ(2) یعنی عدل وانصاف کرنا اور احسان فضل وکرم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرہ کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا، انہی دو چیزوں پر موقوف ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے اور قانون کے سامنے شاہ وگدا سب برابر ہوں۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر فرد اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان کو بھی پیش نظر رکھے یعنی اس کو حق سے زیادہ بھی دے اور اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہوجائے تو اس کے لیے ہر وقت سزا دینے پر ہی مصر نہ ہو، بلکہ عفو ودرگزر سے بھی کام لے۔ اسی طرح اس معاشرہ میں صرف یہ نہیں کہ حسد وعناد کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں گے بلکہ انس و محبت کی نسیم بھی ان کے غنچہ ہائے دل کو تبسّم آشنا کرتی رہے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احسان کی یہ تعریف منقول ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ(3) یعنی تو اپنے رب کی اس طرح عبادت کر، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر مراقبہ کی یہ کیفیت نہ پیدا ہوسکے تو کم ازکم یہ تو یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ارباب قلوب میں سے اعلیٰ درجے کے لوگ عبادت کرتے وقت كَاَنَّكَ تَرَاهُ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور بعض کی رسائی اس مقام تک نہیں ہوتی لیکن فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کی لذتوں سے وہ بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آو۔ ایسا نہ ہو کہ تم عیش وعشرت کرتے رہو اور تمہارا کوئی رشتہ دار نانِ شبینہ کا محتاج ہو۔ اسلام نے خاندانی کفالت کا جو قاعدہ مقرر کیا ہے اس پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو ہمارے معاشرے کی کئی مشکلات دُور ہوسکتی ہیں۔ شریعت کی طرف سے ہر باپ پر اپنے اہل خانہ کی ذمہ داری عائد ہے۔ اسی طرح اولاد پر اپنے والدین کی کفالت بھی فرض ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرابت کا یہ سلسلہ جہاں تک پھیلتا چلا جائے گا ذمہ داریاں ساتھ ساتھ بڑھتی جائیں گی۔ اسلام کا نظامِ میراث اسی خاندانی کفالت کی ایک عملی صورت ہے۔ مرنے والے کا ورثہ صرف اس کی اولاد میں بٹ کر نہیں رہ جاتا بلکہ متعدد دیگر رشتہ داروں کو بھی اس میں سے مناسب حصّہ ملتا ہے۔ اگر کوئی انسان نادار ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار بھی زندہ نہیں ہے تو اس کے دور کے رشتہ دار پر اس کی کفالت کی ذمہ داری عائد کی جائے گی۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث پاک ذکر کر کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ وہ تین چیزیں جن سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے پہلی چیز اَلْفَحْشَآءِ ہے اس کا معنی ہے كُلُّ قَبِيْحٍ مِّنْ قَوْلٍ وَّ فِعْلٍ(4) ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو قبیح ہو اُسے فَحْشَاء کہتے ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس کا مفہوم کتنا وسیع ہے ہر وہ چیز جس سے افراد یا قوم کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو وہ اَلْفَحْشَآءِ کی تعریف میں داخل ہو گی۔ ''مُنْكَر'' کا مفہوم ہے مَا اَنْكَرَهُ الشَّرْعُ بِالنَّهْيِ عَنْهُ(5) جس چیز کو شریعت نے ناپسند بھی کیا ہو اور اس سے روکا بھی ہو ''بَغْي'' سے مراد حد سے تجاوز کرنا، اس میں تکبّر، ظلم، حسد اور زیادتی سب آ گئیں۔ بعض علماء نے عدل کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ عدل کا معنی ہر معاملہ میں درمیانہ روی ہے۔ عقائد ہوں، عبادات

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 165 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 166 2۔ ایضاً، ص 167 5۔ ایضاً

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا

نصیحت قبول کرو۔ اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو (اپنی)

الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ

قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔ ۱۰۹

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا

بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو ۱۱۰ مضبوط

ہوں، اخلاق ہوں یا معاملات، ہر چیز میں افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے میانہ روی اور اعتدال کے راستے پر گامزن رہنا عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ اگر کوئی تجھ پر زیادتی کرے تو تو بدلہ لینے پر مصر نہ ہو۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ قوتِ شہوانیہ کی متابعت میں افراط کو فَحْشَاء کہتے ہیں اور قوتِ غضبیہ کے مشتعل ہونے کے وقت جو کام کیا جائے اسے مُنْكَر کہتے ہیں (1)۔ بغی کا مفہوم لوگوں پر جبر و تشدد کرنا اور ان پر بالادستی قائم کرنا ہے اور یہ قوتِ وہمیہ کا نتیجہ ہے۔

۱۰۹ اس آیت میں دو چیزوں پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسلام لاتے وقت جو عہد و پیمان بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اس کو نبھائے اور باہمی معاملات میں جو قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کو بھی پورا کرے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ تم نے اس وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے عہد و پیمان یا قسموں کا گواہ بنایا تھا تو یہ کتنی رذالت ہے کہ ایک چیز پر تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤ اور پھر اس کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچاؤ۔ "کَفِیْل" کا معنی گواہ ہے كَفِيْلًا اَیْ شَاهِدًا (مظہری) (2) كَفِيْلًا اَیْ شَهِيْدًا وَّ يُقَالُ حَافِظًا وَّ يُقَالُ ضَامِنًا (قرطبی) (3) یعنی کفیل کا معنی گواہ ہے اور بعض نے اس کا معنی نگہبان اور بعض نے ضامن بھی کیا ہے۔

۱۱۰ اسلام سے پہلے عرب کے مشترک قبائل کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک قبیلہ سے دوستی کا معاہدہ کرتے اس کے بعد اگر انہیں موقع ملتا، تو کسی دوسرے قبیلہ سے جو قوت اور دولت میں پہلے قبیلہ سے فزوں تر ہوتا اس کے ساتھ معاہدہ کرتے خواہ یہ ان کا نیا دوست قبیلہ ان کے پہلے معاہد قبیلہ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرزندانِ اسلام کو اس اخلاقی گراوٹ اور عہد شکنی سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں کہ تم یہ روش ہرگز اختیار نہ کرو۔ تم نے جو معاہدہ کیا ہے۔ اس کو نبھاؤ اور جو پیمان باندھا ہے اس کو پورا کرو۔ اس خیال سے کہ یہ نیا قبیلہ قوت اور دولت سے پہلے دوست قبیلہ سے زیادہ ہے اِس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ معاہدہ کو بلا وجہ توڑ دیا جائے اور نیا معاہدہ اس قبیلہ سے کیا جائے۔ ایسا کرنا تمہارے مقام سے بہت فروتر ہے۔ تم تو مکارمِ اخلاق کے داعی بنا کر بھیجے گئے ہو۔ اگر تم نے ایسی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا تو لوگ مکارم اخلاق کا درس کس سے جا کر لیں گے۔ سیرت کی پختگی اور اطوار کی پاکیزگی کا نمونہ انہیں کہاں دستیاب ہوگا۔ اور اس عہد شکنی کو اپنی سیاسی فراست وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کر کے

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 364 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 365 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 170

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ

کاتنے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کر ڈالا۔ تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ

تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ

اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ان قسموں سے ۱۱۱ اور واضح

لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

فرما دیگا تمہارے لیے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

تو بنا دیتا تمہیں ایک اُمت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

جسے چاہتا ہے ۱۱۲ اور ضرور تم سے باز پرس کی جائیگی اُن اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو ۱۱۳ آپس میں

اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری مثال اس احمق عورت کی سی ہوگی جو دن بھر سوت کاتتی رہتی ہے اور شام ہوتی ہے تو اس کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کر کے جس حماقت کا تم ثبوت دو گے وہ اس عورت کی بے وقوفی سے کم ہرگز نہیں ہوگا۔ دَخَلٌ: مَا يَدْخُلُ فِي الشَّيْءِ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهُ (1) کسی چیز میں ایسی چیز ملانا جو اس سے نہ ہو۔ اس کا معنی دغابازی اور فریب کاری ہے۔ اَرْبٰى: رَبَا يَرْبُوْ سے ہے اس کا معنی ہے زیادہ ہونا۔ یعنی اَكْثَرُ عَدَدًا وَّ اَوْفَرُ مَالًا (2)۔

۱۱۱ وعدوں کو پابندی سے نبھانا ایک بڑی آزمائش ہے۔ ایفائے عہد کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم اسلام کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرنے کی ہمت اور جرأت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہو۔

۱۱۲ جن کو اللہ تعالیٰ نظر انداز کر دیتا ہے۔ وہ راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور اس کی توفیق جس شخص کی دستگیری فرماتی ہے وہی ثابت قدمی سے صراط مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

۱۱۳ یہاں ایک بار پھر عہد شکنی اور دوستوں سے غدر اور دھوکہ بازی سے روکا جا رہا ہے نیز عہد شکنی وغیرہ پر جو بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف بھی ملّت اسلامیہ کی توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے عہد شکنی کی تو اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی عہد شکنی کا بہانہ مل جائے گا۔ نیز جب تمہاری عہد شکنی کا پردہ چاک ہوگا تو تمہاری اس حرکت کو دیکھ کر لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور ان کا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جب اِس دین کے پہلے ماننے والے ایسی خسیس حرکتیں کرتے ہیں تو ایسے دین کو دور سے ہی سوسلام۔ اس کے علاوہ دنیا میں تمہارا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 366   2۔ ایضاً

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا

فریب دینے کا ذریعہ۔ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور تمہیں چکھنا پڑیگا (اس کا)

السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۹۴

بُرا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا تھا ۱۱۴ اور تمہارے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

اور مت بیچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض ۱۱۵ بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا

تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو

بھرم کھل جائے گا۔ اور تمہارے قول وقرار پر کسی کو اعتماد نہیں رہے گا۔ جس طرح تم اپنے معاملات اور معاہدات میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو تمہارے دوست بھی تمہارے ساتھ مخلصانہ برتاؤ نہیں کریں گے۔ یہ ساری خرابیاں جو تمہاری عہد شکنی پر مرتب ہوں گی ان کے تم ذمہ دار ہو گے۔ اور تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ قرآن حکیم کی یہ تعلیمات کتنی واضح ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو معاہدہ کی ہر قیمت پر پابندی کا کتنا صاف حکم دے رہا ہے۔ کتنی خوبی سے اسے بُرے نتائج کی نشاندہی فرمائی۔ جو ایک مسلمان کی عہد شکنی پر مرتب ہوتے ہیں۔

۱۱۴ اگر ہم حقیقت پسند بننا گوارا کریں اور حالات کا صحیح جائزہ لینے کی ہمت بھی رکھتے ہوں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری اپنی بداعمالیاں ہیں۔ ورنہ اس دور میں جب کہ آمد و رفت کے ذرائع آسان ہو گئے ہیں اور تبلیغ و اشاعت کے وسائل سہل بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ نورِ اسلام سے وسیع علاقوں کے محروم رہنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ عقل نے وحی سے رشتہ منقطع کر کے منزل مقصود تک پہنچنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن اس کی ہر ایسی کوشش کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلا۔ انسان ہر قسم کے خود ساختہ ازموں کو آزماتے آزماتے دل برداشتہ ہو گیا ہے۔ اب وہ محسوس کرنے لگا ہے کہ عقل کی آنکھ وحی الٰہی کے بغیر بینا نہیں ہو سکتی۔ تشنہ لب قوموں کو اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھانے کی دعوت دینے کا اب بہترین وقت تھا۔ لیکن ہم نے اپنی بدکرداریوں کے خس و خاشاک سے اس چشمہ کو اتنا گدلا اور مکدر کر دیا ہے کہ کوئی اس طرف رُخ کرنے کی خواہش ہی نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح طور پر بتا دیا کہ اگر تم نے فریب دہی، عہد شکنی اور دیگر رذائل سے اپنی سیرت کا دامن آلودہ کر لیا تو یاد رکھو اشاعت دین کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تم ہو گے۔ اور اس سنگین جرم کے نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں۔ اب ہم اس کوتاہی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ذَوْقُ السُّوْءِ فِي الدُّنْيَا هُوَ مَا يَحِلُّ بِهِمْ مِنَ الْمَكْرُوْهِ۔ (قرطبی) (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 172

عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجۡزِيَنَّ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا

(رحمت کے خزانے) ۱۱۶ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے اور ہم ضرور عطا کریں گے انھیں جنھوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید)

كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۶ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ

کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو بھی نیک کام کرے ۱۱۷ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو

۱۱۵ جن فوائد اور منافع کے پیش نظر تم عہد شکنی کر رہے ہو۔ وہ تمہاری نظر میں بڑے اہم کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فوائد اور منافع تمہارے قول وقرار کی بہت ہی گھٹیا قیمت ہیں اور اتنی سستی قیمت پر مومن کو اپنا قول وقرار بیچتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ اس آیت میں ان حکام اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والوں کو تنبیہ کی کہ تم نے یہ منصب سنبھالتے ہوئے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کیا تھا اور اللہ کی قسم اٹھائی تھی۔ اب تم اس کو سراسر پس پشت ڈال کر من مانیاں کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یہ سودا منظور ہے۔

۱۱۶ عہد شکنی، رشوت ستانی، چور بازاری اور دیگر ناجائز وسائل سے تم کتنا مال کیوں نہ فراہم کرلو، وہ ختم ہونے والا اور فنا ہونے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے بے پایاں ہیں وہ ختم نہیں ہوتے۔ تم باقی کے بدلے فانی کو کیوں پسند کر رہے ہو۔ تم دنیا کے لالچ کے باعث ربّ کریم کو ناراض کرنے کی غلطی نہ کرو۔ وہ تمہیں اپنے خزانہ غیب سے ایسی برکتیں مرحمت فرمائے گا جو تمہاری ساری ضروریات کی کفیل بن جائیں گی۔

۱۱۷ مغرب کی مادی تہذیب کے علمبرداروں کے ذہن میں عقبیٰ کی زندگیٔ جاوداں کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ان کی ساری کوششیں اسی دنیوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار، آرام دہ اور پُرجلال بنانے پر مرکوز ہیں۔ وہ جو کام کرتے ہیں ان کے پیش نظر فقط مادی منفعت ہوتی ہے حتیٰ کہ جو ضابطۂ اخلاق انہوں نے اپنا رکھا ہے جسے دیکھ کر ظاہر بین لوگ ان کی اخلاقی برتری کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں۔ اس کی تہ میں بھی کاروبار کی ترقّی معاشی خوشحالی یا سیاسی وقار اور اقتدار کی ہوس ہی پنہاں ہوتی ہے لیکن صد افسوس وہ قوم جس کا بنیادی عقیدہ ہی دار آخرت پر ایمان تھا وہ بھی مادی تہذیب کی ظاہری ترقّی سے مرعُوب ہو رہی ہے۔ دن بدن ان کے اذہان میں بھی عقیدۂ آخرت کی اہمیت گھٹتی جا رہی ہے۔ وہ بھی تیزی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں کہ قرآن کی تعلیم کا مقصد فقط آخرت کی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے۔ ہماری اس دنیوی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کرنا نہ اس کے مقاصد میں داخل ہے اور نہ اس کی دسترس میں ہے بلکہ یہ حضرات احکام شریعت کو اپنی دنیاوی ترقی میں ایک رکاوٹ تصوّر کرنے لگے ہیں۔ اگرچہ ہم بظاہر اس کا اعتراف کرنے سے ہچکچاتے ہیں لیکن اپنے معاملات میں جب بھی کوئی شرعی حکم ہمارے مفاد سے ٹکراتا ہے تو ہم بڑی آسانی سے اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ایسے اقدام پر ہمارے ضمیر سے جو پُرزور صدائے احتجاج پہلے بلند ہوا کرتی تھی۔ اس کا جوش وخروش بھی مدہم پڑ رہا ہے۔ اس کا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں کہ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام کی پابندی سے ہمارے کاروبار کی ترقی رُک جائے گی اور ہمارا معیارِ زندگی بلند نہیں ہو سکے گا۔ قرآن کریم کی اس آیتِ طیبہ میں اسی غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہو کر اسلام کے پیش کیے ہوئے ضابطۂ حیات کو اپناتے ہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، شرقی ہوں

فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا

تو ہم اسے عطا کرینگے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انھیں ان کا اجر انکے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ

جو وہ کیا کرتے تھے۔ سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو (ملا) تو پناہ مانگو اللہ تعالےٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں)

یا غربی۔ ان کے دونوں جہان سنور جاتے ہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا جو اجر ان کو اِس دنیا میں ملے گا۔ اس کو قرآن پاک نے حَیٰوةً طَیِّبَةً کے جامع الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حَیٰوةً طَیِّبَةً کا لفظی معنی پاکیزہ زندگی ہے لیکن اس کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ ساری پائیدار مسرّتیں اور حقیقی کامیابیاں اس میں سمٹی ہوئی ہیں۔ دولت کی فروانی اور سامانِ تعیش کی بہم رسانی کے باوجود دل کو قرار اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا اور جب تک دل میں اطمینان کی شمع روشن نہ ہو سچی خوشی اور حقیقی کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اگر آپ کا دل نور ایمان سے اور آپ کی شاہراہ حیات اعمالِ حسنہ کے چراغوں سے جگمگا رہی ہے تو آپ کی رُوح ایک کٹیا میں بیٹھے ہوئے بوسیدہ لباس پہن کر بھی مسرور اور شاداں ہوسکتی ہے۔ لیکن دل کے نگر میں اگر کفر کے اندھیرے خیمہ زن ہوں، شک وشبہ کے عفریت پھنکار رہے ہوں تو وہاں مسرّت کا گزر کیسے ہوسکے۔ آپ مغربی ممالک کی ظاہری ترقی پر ہی فریفتہ نہ ہوجائیں۔ اُن کے معاشرہ کی گہرائیوں میں اُتر کر دیکھیں۔ مسرت، اطمینان، اعتماد نام کی کوئی چیز آپ کو وہاں شاذونادر ہی دستیاب ہوگی۔ ہمارے اپنے معاشرہ میں جہاں اس خدا فراموش اور تصوّرِ آخرت سے بے بہرہ تہذیب کے قدم جمتے جا رہے ہیں وہاں خاندانوں کی بنیادیں لرز گئی ہیں۔ اس ضرب المثل اعتماد اور باہمی ایثار کی جگہ خودغرضی اور بے اعتمادی نمودار ہو رہی ہے۔ بچے اپنے والدین کے نافرمان بنتے جا رہے ہیں۔ دولت کے حصول کا وہ بھوت ہم پر مسلط ہوچکا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی دولت سمیٹنے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ حلال وحرام کی تمیز اُٹھ گئی ہے۔ ہماری زیاں کاری کا یہ عالم ہے کہ ہم دولت فراہم کرنے کے لیے اپنے ملک اور اپنی قوم سے غداری کرنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں بددیانتی سے باز نہیں آتے جن کا براہِ است ہمارے دفاع سے تعلق ہے۔ ہسپتالوں اور درسگاہوں کے ٹھیکے دینے اور ٹھیکے لینے میں کون سی ایسی قباحت ہے جس کا چرچا خاص و عام کی زبان پر نہیں۔ کیا یہ دولت جو ہم اس طرح اکٹھی کرتے ہیں ہمیں اطمینان اور خوشی کی نعمت سے مالا مال کرسکتی ہے۔ قومی مفاد کے ساتھ غداری کر کے کیا ہم اپنے آپ کو محب وطن یا قابل فخر شہری کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ حیات طیبہ کے دامن میں عزّتِ نفس ہے، بلند نظری ہے، اولوالعزمیاں ہیں، ایثار وخلوص ہے، قناعت ہے اور ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی بازی جیتنے پر ایک بہار آفرین تبسّم ہے۔ یہ حیات طیبہ ساری دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ ساری عزّتوں سے بڑی عزّت ہے۔ اور ساری راحتوں سے بڑی راحت ہے اور وہ اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کا نور ضوفشاں ہوتا ہے۔ جس سے اس کا ظاہر اور اس کا باطن، اس کا قول اور اس کا عمل جگمگا رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ اجر ہے جو ایک بندۂ مومن کو اِس دنیا میں بخشا جاتا ہے لیکن یہ زندگی بہر حال فانی ہے۔ اسے ایک دن یقیناً ختم ہونا ہے۔ لیکن ایمان کا درخت اس دنیا سے رخت سفر باندھنے کے بعد بھی ثمر بار رہتا ہے۔ اور اس کی برکت سے

الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى

سے جو مردود ہے۔ یقیناً اُس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دِل سے) ایمان لائے ہیں اور

رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ

اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں ۱۱۹ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو

هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ۱۲۰ اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ ۱۲۱ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

آئندہ زندگی جو ابدی ہے جو جاوداں ہے وہ بھی راحتوں اور مسرّتوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

۱۱۸ قرآن کریم کی تلاوت کے آداب بتائے جارہے ہیں کہ پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے پناہ مانگو تاکہ فہمِ قرآن میں شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے تم محفوظ رہ سکو۔

۱۱۹ شیطان ان نفوسِ قدسیہ پر غالب نہیں آسکتا جو صدقِ دل سے ایمان لائے ہیں اور عملی دنیا میں اللہ تعالیٰ پر توکّل کیے مصائب و آلام کے طوفانوں کو للکارتے اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھے چلے جاتے ہیں۔

۱۲۰ شیطان تو صرف ان بدنصیبوں کو ہی اپنے شکنجہ میں کس کر اُن کا کچومر نکالتا ہے انہی کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا کر ذلیل و رسوا کرتا ہے جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اس کے اشارے پر رقص کرتے ہیں اور اگر وہ انہیں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کا اشارہ کرتا ہے تو بے چون و چرا اس کے اس حکم کی بھی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۲۱ یہ درست ہے کہ شریعت کے بیشتر احکام کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ مکّہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے کوئی شرعی حکم نازل ہی نہیں ہوا، قابلِ فہم نہیں۔ آخر یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ ملّتِ اسلامیہ نے بارہ تیرہ سال کا یہ طویل عرصہ کسی نظام کے بغیر گزارا ہو یقیناً یہاں بھی احکام کا نزول ہوا۔ حالات کے مطابق ان میں ردّ و بدل کیا گیا جس پر کفّارِ مکّہ کو یہ الزام لگانے کا موقع ملا۔ یہ کہنا کہ کفّار نے اِس امر پر اعتراض کیا کہ ایک واقعہ کو متعدد بار مختلف اسلوبوں سے کبھی تفصیلاً، کبھی اجمالاً کیوں بیان کیا گیا ہے۔ ایک چیز کو ثابت کرنے کے لیے مختلف مقامات پر نئے دلائل پیش کرنا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔ جن واقعات کو مختلف مقامات پر مختلف انداز میں کبھی تفصیلاً اور کبھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے وہ کلام کے سیاق و سباق میں اس موزونیت سے جچے ہوئے ہیں کہ اگر مقامِ تفصیل کی جگہ اجمال یا مقامِ اجمال کی جگہ تفصیل کی جاتی تو قطعاً موزوں نہ ہوتا۔

ایک صاحب نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ کفّار کو یہ اعتراض تھا کہ سابقہ کتب کی جگہ نئی کتاب کیوں نازل کی جارہی ہے۔ لیکن یہاں ذکر آیت سے آیت کو بدلنے کا ہے نہ کہ کتاب کو کتاب سے بدلنے کا۔ اور ان دونوں میں جو فرق ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔

بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم صرف افترا پرداز ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے ۱۲۲

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

فرمائیے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ ۱۲۳ تاکہ ثابت قدم رکھے انھیں جو

اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت اور خوش خبری ہے مسلمانوں کے لیے ۱۲۴ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ

کہتے ہیں کہ انھیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے ۱۲۵ حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں

۱۲۲۔ یعنی احکام کی تبدیلی میں جو حکمتیں ہیں ان میں تو یہ لوگ غور کرتے نہیں اور اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کفّار کا مقصد تحقیق حق تو تھا ہی نہیں تا کہ وہ اپنے قول کی معقولیت اور عدمِ معقولیت کے متعلق سوچنے کی زحمت گوارا کرتے بلکہ ان کے پیش نظر اعتراض برائے اعتراض تھا۔

۱۲۳۔ جس بے باکی سے انہوں نے زبان درازی کی، اسی قوت سے ان کا رد کیا جا رہا ہے۔ فرمایا اسے لے کر روح القدس اُترا ہے اور آپ کے پروردگار کے پاس سے لے کر آیا ہے اور حق کو ساتھ لایا ہے جو کلام سراپا حق ہو، جس میں باطل کی ذرا آمیزش نہ ہو اور اس کو بھیجنے والا خود آپ کا ربّ ہو اور لانے والا ایک مقدّس فرشتہ ہو جو ہر قسم کی انسانی کمزوریوں سے یکسر پاک ہو، نہ وہ نسیان کا مریض ہو کہ بھولنے کا امکان ہو، نہ اس کی کوئی ذاتی غرض ہو جس کی وجہ سے وہ اس میں ردوبدل کا خواہاں ہو اور نہ وہ بد دیانت اور خائن ہو تو پھر اس کے لائے ہوئے کلام کو ماننے میں تامل کرنا اور اسے افتراء کہنا ایک نادان کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

۱۲۴۔ برمحل اور برموقع احکام کی تبدیلی میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں انہیں دیکھ کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کلام کسی علیم و حکیم ہستی کا ہے جو ہر قسم کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے آگاہ ہے۔ یہ کتاب سراپا ہدایت ہے اور جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ان کے لیے تو یہ فلاحِ دارین اور فوزِ مبین کا مژدہ ہے۔

۱۲۵۔ جب انسان بوکھلا جاتا ہے تو معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ جب قرآن کریم کے متعلق ان کے تمام شبہات کا جواب دے دیا گیا اور اُن کو اس جیسی کتاب، نہیں تو اس کی چھوٹی سی سورت کی مانند سورت کے بنانے کے چیلنج نے جب اُن کے لبوں پر مُہر خاموشی ثبت کر دی تو کہنے لگے، ان کو کوئی سکھاتا ہے اور یہ سیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سیکھتے ہیں تو کس سے۔ اس کے لیے کوئی جواب ہوتا تو وہ دیتے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا بلعام لوہار سے، کوئی بنی مغیرہ کے ایک غلام یعیش کا نام لیتا۔ کوئی عیش اور جبر کو اُستاد

اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

عجمی ہے۔ اور یہ قرآن فصیح وبلیغ عربی زبان میں ہے۔ بیشک جو لوگ ایمان نہیں لاتے

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا

اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نہیں دیتا ۱۲۶ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہی لوگ

یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ

تراشا کرتے ہیں جھوٹ ۱۲۷ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی لوگ

ظاہر کرتا۔ حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی مادری زبان عربی ہو، سارے عجمی تھے اور سارے غلام تھے اور ان میں سے اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ ان کے کافر آقا ان پر سخت ظلم کرتے لیکن اُن کے پاؤں نہ ڈگمگاتے۔ اگر یہ معلم ہوتے، اگر یہ قرآن سکھانے والے ہوتے تو اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر اپنے آپ کو سنگ دل آقاؤں کے ظلم وستم کا ہدف بننے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز اگر کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکھتے تھے تو وہ کوئی ایک ہی ہوگا۔ کفار کا مختلف لوگوں کے نام لینا اُن کے جُھوٹے ہونے کی صریح نشانی تھی۔ اور سب سے بڑی دلیل ان کے جھوٹے ہونے کی یہ تھی جسے قرآن حکیم نے ذکر فرما دیا ہے کہ تم جو لغت عربی کے امام ہو اور فصاحت و بلاغت کے دعویدار ہو تم تو آج تک اس جیسی ایک چھوٹی سی سُورت بھی بنا نہ سکے۔ یہ عجمی غلام جنہیں صبح سے لے کر شام تک اپنے دھندے سے فرصت نہیں ملتی وہ اتنے ماہر کہاں سے آ گئے کہ ایسا فصیح وبلیغ کلام سکھا سکیں جس کے ہر جملہ میں علم وحکمت کے سمندر موجزن ہیں۔ مُبِیْنٌ کا معنی علامہ قرطبی نے کیا ہے: اَیْ اَفْصَحُ مَا یَکُوْنُ مِنَ الْعَرَبِیَّۃِ (1) یعنی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ۔

۱۲۶ یہاں پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ فرمایا ان لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی جو قرآن پر دانستہ ایمان نہیں لاتے۔ نا قابل تردید دلائل کے باوجود اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے مقدر میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے۔

۱۲۷ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مفتری ہونے کا الزام لگانے کی گستاخی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افترا بازی کرنا تو تمہارا شیوہ ہے، جُھوٹ بولنا تو تمہاری عادت ہے۔ میرے محبوب کا مقام تو بڑا بلند ہے۔ اس کے غلام بھی جھوٹ اور غلط بیانی سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے۔ چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَهٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِیْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَهٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا (2)۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی: کیا مومن بزدل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں! کیا مومن بخیل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں! کیا مومن جھوٹا ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 179
2۔ شعب الایمان، ج 4، ص 208-207، رقم الحدیث: 4812، دار الکتب العلمیہ بیروت

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ

جھوٹے ہیں جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور

اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ

کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا)۱۲۸ لیکن وہ (بدنصیب) کھل جائے کفر کے ساتھ

۱۲۸۔ یہ آیت حضرت عمار کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک دفعہ کفار نے آپ کو، آپ کے والد یاسر کو اور آپ کی والدہ سمیّہ کو پکڑ لیا۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تاکہ وہ اسلام سے دستبردار ہو جائیں لیکن بے سُود۔ آخر انہوں نے حضرت سمیّہ کی ایک ٹانگ ایک اُونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھ دی اور ابوجہل نے ان کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور دونوں اونٹوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا۔ یہاں تک کہ چر کر آپ کے بدن کے دو حصّے ہو گئے۔ یہ پہلی شہیدہ ہیں جنہوں نے اپنی جان راہِ خدا میں دی۔ پھر حضرت یاسر کو پکڑا اور ان کو بھی بڑی بیدردی سے قتل کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام کے دوسرے شہید ہیں جن کے خونِ پاک سے زمین لالہ گوں ہوئی۔ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت عمار کو پکڑا اور انہیں مجبور کیا کہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ آپ کی والدہ اور والد کے لاشے سامنے تڑپ رہے تھے اُنہوں نے بادلِ نخواستہ زبان سے کلمات کفر کہہ دیئے۔ بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی کہ عمار تو کافر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَلَّا! اِنَّ عَمَّارًا مُلِئَ اِيْمَانًا مِّنْ قَرْنِهٖ اِلٰى قَدَمِهٖ وَ اخْتَلَطَ الْاِيْمَانُ بِلَحْمِهٖ وَ دَمِهٖ "ہرگز نہیں عمار تو سر سے لے کر قدموں تک ایمان سے لبریز ہے۔ ایمان اس کے گوشت اور خون میں سرایت کیے ہوئے ہے"۔ حضرت عمار وہاں سے چھٹکارا پا کر روتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا كَيْفَ وَجَدْتَّ قَلْبَكَ اے عمار اُس وقت تیرے دل کی کیا کیفیت تھی عرض کی: مُطْمَئِنًّا بِالْاِيْمَانِ "وہ تو ایمان سے مطمئن تھا" اس بندہ پرور آقا نے اپنے غلام کی اشکبار آنکھوں کو اپنے دست کرم سے پونچھا اور فرمایا: اِنْ عَادُوْا لَكَ فَعُدْ لَهُمْ لِمَا قُلْتَ (مظہری)(1) اس سے معلوم ہوا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اگر کوئی شخص کفریہ کلمہ زبان پر لائے بشرطیکہ اس کے دل میں یقین اور ایمان موجود ہو تو اس کی اجازت ہے لیکن افضل اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے لیکن کلمۂ کفر سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے وَالْاَفْضَلُ وَالْاَوْلٰى اَنْ يَّثْبُتَ الْمُسْلِمُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَلَوْ اُفْضِيَ اِلٰى قَتْلِهٖ (ابن کثیر)(2)

جس طرح بیشتر صحابہ کرام نے اپنی جان دے دی لیکن تختۂ دار پر بھی اپنے اسلام کا اعلان کرتے رہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جان بازی اور سرفروشی کی داد دیجئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے قید کر لیا۔ اور اپنے سردار کے پاس لے آئے۔ اس نے آپ کو کہا کہ عیسائی بن جاؤ۔ میں تمہیں اپنی حکومت میں سے بھی حصہ دوں گا۔ اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دوں گا۔ آپ نے فرمایا لَوْ اَعْطَيْتَنِيْ جَمِيْعَ مَا تَمْلِكُ وَ جَمِيْعَ مَا تَمْلِكُهُ الْعَرَبُ عَلٰى اَنْ اَرْجِعَ عَنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طَرْفَةَ عَيْنٍ مَا فَعَلْتُ (3) یعنی تو مجھے اپنی ساری

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 376 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 588 3۔ ایضاً

صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

(جس کا سینہ ۱۲۹ کھلے) تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے پسند کر لیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بیشک اللہ تعالیٰ

دولت اور جائیداد اور سارے اہل عرب کی دولت اس شرط پر دے کہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے دست کش ہو جاؤں تو پھر بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا بصد خوشی۔ اُس نے آپ کو سُولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ اور تیر اندازوں کو کہا کہ ان کے ہاتھوں اور پاؤں پر آہستہ آہستہ چوٹیں لگاؤ۔ انہوں نے ایسا کرنا شروع کیا۔ اور اس نے پھر عیسائیت قبول کرنے کی پیشکش کی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے سُولی سے اُتارنے کا حکم دیا۔ پھر ایک تانبے کی دیگ کو آگ پر تپایا گیا۔ اور ایک مسلمان قیدی کو حضرت عبداللہ کے سامنے اس میں پھینک دیا گیا اور اس نے وہیں تڑپ کر جان دے دی۔ اس دھمکی کے بعد پھر اس نے کوشش کی کہ یہ عیسائیت کو قبول کریں۔ آپ انکار کرتے رہے۔ آخر انہیں دیگ میں پھینکنے کا حکم دیا جب جلاد انہیں اٹھا کر اس تپتی ہوئی دیگ کی طرف لے جا رہے تھے تو ثبات و استقامت کے اس پہاڑ میں اضطراب کی ہلکی سی جھلک نہ تھی۔ جب دیگ کے کنارے تک پہنچے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید اب اسلام کو چھوڑ کر میرا مذہب قبول کر لیں گے۔ اس لیے واپس لانے کا حکم دیا۔ رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لیے رو پڑا تھا کہ میری ایک جان ہے جسے رضائے الٰہی کے لیے اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ کاش! میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں، اور میں سب کو اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس عذاب میں ڈال دیتا۔ بادشاہ نے آپ کو قید کر دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ کافی دن بھوکا اور پیاسا رکھنے کے بعد کچھ شراب اور کچھ خنزیر کا گوشت ان کی طرف بھیجا لیکن آپ نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بادشاہ نے پھر اپنے دربار میں طلب کیا اور نہ کھانے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا حالت اضطرار میں اگرچہ اس کا استعمال حرام نہیں۔ لیکن میں تجھے یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ تو میرے ایمان کی کمزوری کے باعث اظہارِ خوشی کرے۔ بادشاہ نے کہا اس طرح کرو کہ میرے سر کو بوسہ دو اور میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کیا میرے ساتھ سارے مسلمان اسیروں کو آزاد کر دو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ چنانچہ آپ نے اُس کے سر کو چُوما۔ اس نے آپ کو اور تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جب یہ سب حضرت فاروق اعظم کے پاس پہنچے اور آپ کو یہ ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسۡلِمٍ اَنۡ یُّقَبِّلَ رَأۡسَ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ حُذَافَةَ وَاَنَا اَبۡدَأُ فَقَامَ فَقَبَّلَ رَأۡسَهٗ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا (1)۔ کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ عبداللہ کا سر چومے اور ابتداء میں کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر اُن کے سر کو بوسہ دیا۔

۱۲۹ لیکن اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی طرف پھر لوٹ آئے اور اس سے خوشی محسوس کرے، ایسے شخص کے لیے

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 588

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے

قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر ۱۳۰ اور یہی لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ

ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر بیشک آپکے پروردگار کا معاملہ اُن کے ساتھ

هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

جنھوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر سے کام لیا بیشک آپکا رب

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

ع ۱۴ / ۲۰

ان آزمائشوں کے بعد (انکے لیے) بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانیوالا ہے ۱۳۱ اس دن کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا

عذاب عظیم کے ساتھ غضب خداوندی بھی ہے۔

۱۳۰ جن لوگوں نے دین اسلام سے رشتہ جوڑ کر توڑ لیا۔ جنہوں نے دنیوی زندگی کی آسائش اور آرام پر دار آخرت کو قربان کر دیا۔ ایسے لوگوں کو ہدایت جیسی نایاب اور بیش قیمت نعمت سے نوازا نہیں جاتا بلکہ ان سے تو فہم و خرد کی قوت سلب کر لی جاتی ہے۔ دیدۂ حق بین بے نور ہو جاتا ہے اور کان آواز حق سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔

۱۳۱ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے دوسرے ارباب اخلاص کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنے وطن کو چھوڑا۔ حق و باطل کی ہر جنگ میں حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس راہ میں جس مصیبت اور تکلیف سے انہیں واسطہ پڑا، بڑے صبر کے ساتھ اس کو برداشت کیا۔ تو اے محبوب انہیں بتا دو کہ آپ کا رب غفور رحیم ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی نسبت بار بار اپنے محبوب کی طرف کی ہے۔ اس کی مٹھاس اور اس کی لطافتوں سے وہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں جنہیں مکتب عشق میں زانوئے ادب تہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾

(صرف) اپنے متعلق ١٣٢ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا ١٣٣

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اسکے پاس

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا

اُس کا رزق بکثرت ہر طرف سے ١٣٤ پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پس چکھایا

١٣٢ اُس روز ہر شخص کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی۔ عذابِ الٰہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ سارے جتن کرے گا۔ اگر انکارِ جرم میں اپنی سلامتی محسوس کرے گا تو بلا جھجک مکر جائے گا۔ اور کہے گا میں نے تو قطعاً کوئی جرم کیا ہی نہیں۔ میری ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں بسر ہوئی۔ لیکن جب فرشتے اس کی زندگی کا مکمل ریکارڈ پیش کر دیں گے اور اس کے اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء اس کی غلط کاریوں پر گواہی دیں گے تو پھر وہ اقبالِ جرم کر کے فوراً معذرت خواہی کرنے لگے گا اور طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کرے گا۔ لیکن اُس روز کسی قسم کی حیلہ سازی کام نہیں آئے گی۔ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیکوں کی نیکیاں فراموش نہیں کی جائیں گی۔ بلکہ انہیں ان کا نیک بدلہ ملے گا اور بروں کی بُرائیاں اپنا رنگ لا کر رہیں گی۔ اور انہیں سزا بھگتنی پڑے گی۔

١٣٣ ظلم یہ ہے کہ نیکوں کی نیکیاں فراموش کر دی جائیں اور بروں کو ان کی برائیوں سے زیادہ سزا دی جائے ایسا نہیں ہوگا اگر نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر ان کے حق سے زیادہ دیا جائے یا بروں کی سزا میں تخفیف کر دی جائے تو یہ ظلم نہیں بلکہ ایسا عدل و انصاف ہے جو فضل و کرم کا آئینہ دار ہے۔ اور اس کی شانِ کریمی کو یہی زیبا ہے۔

١٣٤ بعض علماء کی رائے ہے کہ آیت میں قَرْيَةً سے مراد مکہ ہے۔ کعبہ مقدسہ کی وجہ سے مکہ کو جو عزت و شرف حاصل تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں ہر طرح کا امن و امان تھا۔ کوئی حملہ آور اس پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باشندے جہاں جاتے لوگ اُن کی راہ میں آنکھیں بچھاتے۔ کوئی ڈاکو یا راہزن ان پر دست درازی نہ کرتا۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں غلہ، سبزیاں، پھل بکثرت دستیاب ہوتے۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے، بجائے اس کے کہ اہل مکہ ایمان سے مشرف ہو کر مزید عنایاتِ الٰہیہ کے مستحق بنتے، انہوں نے نافرمانی کی اور انعامات ربّانی کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنایا۔ چنانچہ اسلام کے ساتھ ان کی جنگوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ جس کے باعث امن و امان درہم و برہم ہو گیا۔ ہر گھر میں آئے دن صف ماتم بچھنے لگی، تجارت کی وہ گرم بازاری باقی نہ رہی۔ قحط و خشک سالی نے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ اس آیت میں اسی امر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ آیت میں قَرْيَةً سے مراد کوئی خاص گاؤں نہیں بلکہ کوئی گاؤں، کوئی بستی جس کے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو طرح طرح کے مصائب سے دوچار کر دیا۔

اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَقَدْ

انھیں اللہ تعالیٰ نے (بہ عذاب کے پہنا دیا انھیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور آیا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

ان کے پاس رسول انہی میں سے پس انھوں نے اسے جھٹلایا پھر پکڑ لیا انھیں عذاب نے اس حال میں کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ

ظلم و ستم کیا کرتے تھے۔ پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمھیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے۔ اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ

اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار،

الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت [۱۳۵] پس جو مجبور ہو جائے (انکے کھانے پر) بشرطیکہ

قَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ يَتَوَجَّهُ عِنْدِىْ اَنَّهَا قُصِدَ بِهَا قَرْيَةٌ غَيْرُ مُعَيَّنَةٍ جُعِلَتْ مَثَلًا لِمَكَّةَ عَلٰى مَعْنَى التَّخْذِيْرِ لِاَهْلِهَا وَلِغَيْرِهَا مِنَ الْقُرٰى اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (بحر)(1)

۱۳۵ یہ آیت اس سے پہلے تین مرتبہ گزر چکی ہے۔ اب چوتھی اور آخری بار یہاں مذکور ہے۔ اس آیت کا یہ حصہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے کیونکہ اس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث ملّت اسلامیہ میں افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا ہے اور ایک فریق دوسرے کو کافر و مرتد کہنے سے بھی گریز نہیں کرتا اور بڑی شدّ و مد سے ان تمام جانوروں کو حرام و مردار کہتا ہے جنہیں کسی بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کے لیے ذبح کیا گیا ہو خواہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا گیا ہو۔ آیئے اس آیت کریمہ کو اپنی آراء اور اہواء کا اکھاڑا نہ بنائیں۔ بلکہ اسے سُنّت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور لغت عرب کی روشنی میں سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کریں تاکہ حقیقت عیاں ہو جائے اور باہمی اختلافات اور منافرت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر قابو پایا جاسکے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

آیت کا جو مفہوم سلف صالحین اور علمائے متقدمین نے خود سمجھا ہے اور ہمیں سمجھایا ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ اگر کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ جانور حرام ہے۔ جس طرح مشرکین بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى کہہ کر جانوروں کو

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 542

ذبح کیا کرتے تھے۔ امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ وَلَا خِلَافَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِیْحَةُ اِذَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ(1)۔ یعنی سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ بیضاوی، قرطبی، رازی اور دیگر مفسرین اسلاف نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

لیکن علمائے متاخرین میں سے بعض لوگوں نے اسلاف اور قدمائے مفسرین کی متفقہ رائے سے اختلاف کیا اور اس آیت سے ایک نیا مفہوم اخذ کیا جس سے تکفیر کا دروازہ کُھل گیا۔ غیروں کو اپنا بنانے کی توفیق سے جو لوگ محروم تھے انہوں نے اپنوں کو بیگانہ بنانے کا شغل اختیار فرمایا اور اس فن میں وہ جدت طرازیاں اور موشگافیاں کیں کہ عقل دنگ رہ گئی اور دل لرز اُٹھا۔ آیئے پہلے ان کے دلائل کو سنیئے تاکہ ان کی اس غلط فہمی کا ماخذ آپ کو معلوم ہو جائے۔ پھر ان میں غور فرمایئے۔ ان دلائل کی بے سروپائی آپ پر واضح ہو جائے گی۔

وہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لے دیا جائے اور وہ اس غیر کے نام سے مشہور ہو جائے تو ایسے جانور کو اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہو گا بلکہ حرام ہو گا۔ جس طرح کتے اور خنزیر کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ ناپاک ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے اس مفہوم کی تائید کے لیے کہتے ہیں کہ لغت عرب اور عرف میں اُهِلَّ کا معنی ذبح کرنا نہیں ہے کوئی شعر کوئی عبارت ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں کسی فصیح و بلیغ نے اُهِلَّ کو ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہو بلکہ اہل لغت کے نزدیک اُهِلَّ کا معنی آواز بلند کرنا ہے۔ اور کسی چیز کو شہرت دینا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ اُهِلَّ کا معنی ذبح کرنا ہے تو بھی آیت کا یہ معنی ہو گا کہ وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور اس کا جو معنی تم نے کیا ہے کہ "وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے" یہ تو کسی طرح مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آیت کا جو معنی تم نے کیا ہے وہ تو صراحۃً تحریف آیت ہے۔ یہ اُن کا استدلال ہے جو آپ نے پڑھ لیا۔

اب ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اُهِلَّ کا معنی اگر وہ لیا جائے جو تم نے لیا ہے کہ آواز بلند کرنا یا شہرت دینا تو چاہیے یہ کہ تمام ایسے جانور جن پر غیر اللہ کا نام لے دیا جائے یا انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے نامزد کر دیا جائے تو وہ ابدی حرام ہو جائیں اور اگر تکبیر پڑھ کے ان کے گلے پر چھری پھیری جائے تب بھی وہ حلال نہ ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ بحیرۃ، سائبۃ وغیرہا جانور وہ اپنے بتوں کے لیے نذر مانتے تھے۔ اور ان سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے۔ حالانکہ اگر کوئی مسلمان ان کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ حلال ہیں۔ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر نامزد بھی کیا گیا۔ انہیں کے نام سے وہ مشہور ہوئے۔ حالانکہ انہیں اگر تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ اس کے باوجود حلال ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں صراحۃً مرقوم ہے کہ اگر کسی مجوسی نے اپنے آتش کدہ کے لیے یا کسی مُشرک نے اپنے باطل خداؤں کے لیے کسی جانور کو نامزد کیا اور کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اُسے ذبح کر دیا تو اُسے کھایا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان نے اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہے۔ مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةَ الْمَجُوْسِیِّ لِبَیْتِ نَارِهِمْ اَوِ الْکَافِرِ لِاٰلِهَتِهِمْ تُؤْکَلُ لِاَنَّهٗ سَمَّى اللّٰهَ وَیُکْرَهُ لِلْمُسْلِمِ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الذبائح)(2) تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ کسی چیز پر محض غیر اللہ کا نام لے دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتی۔

1۔ احکام القرآن از جصاص، ج 1، ص 125 2۔ فتاویٰ ہندیہ المعروف فتاوی عالمگیری از شیخ نظام و علماء ہند، کتاب الذبائح، ج 5، ص 286، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ عیدگاہ طوغی روڈ کوئٹہ، پاکستان

نیز ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ اُهِلَّ کا لفظ ذبح کے معنی میں لغۃً اور عرفاً مستعمل نہیں ہوتا یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت کے امام حضرت سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہ الکریم نے اُهِلَّ کو ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے اور آپ کا قول بلا اختلاف حجت اور سند ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ اِذَا سَمِعْتُمُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُهِلُّوْنَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَلَا تَاْكُلُوْا وَاِذَا لَمْ تَسْمَعُوْهُمْ فَكُلُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَلَّ ذَبَائِحَهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ مَا يَقُوْلُوْنَ (فتح البیان، ج اول، ص 222) (1)

یعنی جب تم سنو کہ یہود و نصاریٰ غیر خدا کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اگر نہ سنو تو کھالو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکے ذبیحہ کو حلال کیا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

آپ کے اس قول میں يُهِلُّوْنَ بمعنی يَذْبَحُوْنَ مستعمل ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا کہ اُهِلَّ کا لفظ ذبح کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا صحیح نہ ہوا۔ قدمائے مفسرین نے بھی اُهِلَّ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُهِلَّ کا لغوی معنی تو آواز بلند کرنا ہے لیکن اب عرف میں یہ ذبح کرنے کے معنی میں یا ذبح کے وقت آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لغت کے امام اصمعی سے لفظ اُهِلَّ کی تحقیق نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قَالَ الْاَصْمَعِيُّ الْاِهْلَالُ اَصْلُهٗ رَفْعُ الصَّوْتِ فَكُلُّ رَافِعٍ صَوْتَهٗ فَهُوَ مُهِلٌّ ...... وَهٰذَا مَعْنَى الْاِهْلَالِ فِي اللُّغَةِ ثُمَّ قِيْلَ لِلْمُحْرِمِ مُهِلٌّ لِرَفْعِهِ الصَّوْتَ بِالتَّلْبِيَةِ عِنْدَ الْاِحْرَامِ ...... وَالذَّابِحُ مُهِلٌّ لِاَنَّ الْعَرَبَ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ الْاَوْثَانَ عِنْدَ الذَّبْحِ وَ يَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِهَا (2)۔ اصمعی نے کہا کہ اہلال اصل میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ تو ہر آواز بلند کرنے والا مُهِلّ کہلائے گا۔ یہ اہلال کا لغوی معنی ہے پھر محرم کو بھی مُہِلّ کہتے ہیں۔ کیونکہ احرام باندھتے وقت وہ بلند آواز سے تلبیہ (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ) کہتا ہے اور [illegible] کو بھی مُہِلّ کہتے ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے اپنے بتوں کا نام لیا کرتے تھے۔ علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور اپنی لغت کی شہرۂ آفاق کتاب لسان العرب میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: وَاَصْلُ الْاِهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكُلُّ رَافِعٍ صَوْتَهٗ فَهُوَ مُهِلٌّ وَ كَذٰلِكَ قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ هُوَ مَا ذُبِحَ لِلْاٰلِهَةِ وَذٰلِكَ لِاَنَّ الذَّابِحَ كَانَ يُسَمِّيْهَا عِنْدَ الذَّبْحِ فَذٰلِكَ هُوَ الْاِهْلَالُ (3)۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:

اَصْلُ الْاِهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ ...... حَتّٰى قِيْلَ لِكُلِّ ذَابِحٍ مُهِلٌّ وَاِنْ لَّمْ يَجْهَرْ بِالتَّسْمِيَةِ (4): اہلال کا لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے ...... یہاں تک کہ ہر ذبح کرنے والے کو مُہِل کہا جانے لگا۔ اگرچہ وہ بلند آواز سے تکبیر نہ بھی کہے۔ علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اُهِلَّ کا معنی ذُبِحَ نقل کیا ہے (5) اور امام تفسیر مجاہد نے مَآ اُهِلَّ کا معنی مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ کیا ہے (6)۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: قَالَ الرَّبِيْعُ بْنُ اَنَسٍ يَعْنِيْ مَا ذُكِرَ عِنْدَ ذَبْحِهٖ اِسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ وَالْاِهْلَالُ ...... حَتّٰى قِيْلَ لِكُلِّ ذَابِحٍ مُهِلٌّ وَاِنْ لَّمْ يَجْهَرْ مُهِلٌّ (7)۔

ازراہِ اختصار ان چند حوالوں پر اکتفاء کیا جارہا ہے، ورنہ بے شمار حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

1۔ فتح البیان، ج 1، ص 222
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت سورۂ بقرہ: 173، ج 3، جز 5، ص 13
3۔ لسان العرب، ج 11، ص 701
4۔ تفسیر خازن، ج 1، ص 119
5۔ تفسیر جلالین از جلال الدین محمد بن احمد المحلی المتوفی 864ھ و جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی المتوفی 911ھ، زیر آیت سورۂ بقرہ: 173، ص 35
6۔ تفسیر خازن، ج 1، ص 109
7۔ تفسیر مظہری، ج 1، ص 171

اُهِلَّ بمعنی ذُبِحَ مستعمل ہوتا رہتا ہے۔ اِن اَن گنت اور واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اُهِلَّ، ذُبِحَ کے معنی میں نہ لغۃً استعمال ہوتا ہے اور نہ عرفاً یہ حق وانصاف سے اعراض کرنا ہے۔

نیز ان صاحبان کا یہ کہنا کہ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کا یہ معنی بیان کرنا کہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کو ذبح کرنا تحریف ہے یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ علامہ نووی شارح مسلم نے حدیث شریف کے ان الفاظ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ(1) کا یہ معنی کیا ہے اَمَّا الذَّبْحُ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَالْمُرَادُ بِهٖ اَنْ يَّذْبَحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ(2) یعنی جس کو اللہ کے نام کے سوا کسی نام سے ذبح کیا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے فارسی ترجمہ قرآن میں اس آیت کا یہی معنی کیا ہے۔ ''وآنچہ ذکر کردہ شد نام غیر خدا بر ذبح وے''(3)۔ یعنی ذبح کے وقت جس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے۔ کیا اس تحریف کا الزام یہ حضرات آپ پر بھی عائد کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آیت کا معنی وہی ہے جو علّامہ ابو بکر جصاص نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جو ابتداء بحث میں نقل ہو چکا ہے۔

نیز بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی والدہ کے لیے جو کنواں کھدوایا تھا اس کا نام ہی بئر اُمّ سعد رکھا گیا تھا۔ یعنی سعد کی ماں کا کنواں۔ اگر کسی غیر کا صرف نام لے دینے سے کوئی چیز ناپاک ہو جاتی تو اس کنویں کا پانی بھی ناپاک ہو جاتا۔ اسے پینا، اس سے وضو یا غسل کرنا اور اس سے کپڑے دھونا سب ممنوع قرار پاتا۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال ایک دُنبہ اپنی طرف سے قربانی دیا کرتے اور دوسرا دُنبہ اُمّت کی طرف سے(4)۔

کئی لوگ کسی ولی کے نام کی نذر مانتے ہیں۔ کیا اس طرح وہ چیز حرام ہو جاتی ہے یا نہیں۔ تو اِس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے شرعی معنی میں تو نذر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی نذر ماننا شرک ہے۔ لیکن عرف عام میں نذر عبادت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ بلکہ نیاز کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور یہ شرک نہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزگوار حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے فتاویٰ میں یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ وہی عبارت آپ کی خدمت میں بعینہٖ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ امید ہے یہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب طعام وانفاق وبذل مال بروح میت کہ امریست مسنون وازروئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ماوردفی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم مے شود پس حال ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب ہذا القدر الی روح فلاں۔ وذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف ومصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی مے باشند از اقارب وخدم وہمطریقان وامثال ذالک۔ وہمیں است مقصود نذر کنندگاں بلاشبہ وَحُكْمُهٗ اَنَّهٗ صَحِيْحٌ يَّجِبُ الْوَفَاءُ بِهٖ لِاَنَّهٗ قُرْبَةٌ مُّعْتَبَرَةٌ فِي الشَّرْعِ (فتاویٰ عزیزی، ج اول ص 121، مطبوعہ دیو بند)(5)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعلہ، ج 2، ص 161 ۔ 2۔ الشرح الکامل للنووی از ابی ذکریا یحیٰی بن شرف النووی، متوفی 676ھ، ج 2، ص 160، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

3۔ ترجمہ قرآن مجید از شاہ ولی اللہ مع تفسیر حسینی، متولد 1702ء، متوفی 1762ء، سورۂ نحل، ص 450، مطبوعہ بمبئی

4۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب جواز الذبح بکل ما انہر الدم، ج 2، ص 156

5۔ فتاویٰ عزیزی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متولد 1746ء، متوفی 1826ء، ج 1، ص 121، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیو بند، یوپی

ترجمہ: اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسے حضرت سعد کی والدہ کے کنویں کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے۔ نذر میں ولی کا ذکر اس لیے نہیں کیا جاتا کہ وہ اس نذر کا مصرف ہے اُس کا مصرف تو اس ولی کے قریبی رشتہ دار، خدامِ درگاہ اور ہم مشرب لوگ ہوتے ہیں۔ ولی کا نام صرف اس عمل کو متعین کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ نذر کرنے والوں کا بلاشبہ بس یہی مقصد ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر صحیح ہے۔ اور اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایسی طاعت ہے جو شرعاً معتبر ہے۔

حضرت حکیم الامت کی اس ایمان افروز وضاحت کے بعد کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن محض مزید اطمینان کے لیے ایک دو حوالے اور پیش خدمت ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ عزیزی میں فرماتے ہیں:

اگر مالیدہ وشیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروحِ ایشاں پختہ بخورانند جائز است مضائقہ نیست (1)۔

یعنی اگر مالیدہ اور دودھ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے ارادے سے پکا کر کھلائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ج اول، ص 50، مطبوعہ دیوبند)

اسی صفحہ پر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء راہم خوردن جائز است واللہ اعلم۔

یعنی اگر کسی بزرگ کے نام فاتحہ دی گئی تو مال داروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔

حضرت شاہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ وقل و درود خوانند تبرک مے شود و خوردن بسیار خوب است۔ (فتاویٰ عزیزی ج اول، ص 78، مطبوعہ دیوبند) (2)

یعنی وہ کھانا جس کا ثواب حسنین کریمین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اُس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے:

پس درخوبی ایں قدر مراز امور مرسومہ فاتحہ ہا واعراس و نذر و نیاز اموات شک وشبہ نیست۔ (صراط مستقیم، ص 55) (3)

اب فاتحہ خوانی کا طریقہ بھی شاہ اسمٰعیل دہلوی کے الفاظ میں سُن لیجئے:

اول طالب را باید کہ باوضو دوزانو بطور نماز بنشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریق یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی وغیرہما خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید و بنیاز تمام وزاری بسیار دعائے کشود کار خود کردہ ذکر دوضربی شروع نماید۔ (صراط مستقیم، ص 111، فخر المطابع) (4)

''یعنی پہلے طالب کو چاہیے کہ وضو کرے اور نماز کے طریقہ پر دوزانو ہو کر بیٹھے اور اس طریقہ کے اکابر یعنی حضرت خواجہ معین

1۔ فتاویٰ عزیزی ج 1، ص 50　2۔ ایضاً، ج 1، ص 78　3۔ صراط مستقیم، ص 55　4۔ ایضاً، ص 111

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ

وہ لذت کا جویا نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کوئی حرج نہیں) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری

اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے ۱۳۶ اس طرح تم افترا باندھو گے اللہ تعالیٰ پر

الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما کے نام کی فاتحہ پڑھے اور پھر درگاہ الٰہی میں ان بزرگوں کے وسیلہ سے التجا کرے اور انتہائی عجز و نیاز اور کمال تضرع وزاری کے ساتھ اپنے حل مشکل کی دعا کر کے دوضربی ذکر شروع کرے"۔

البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لے کر کسی جانور کو ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور ذبح کرنے والا مشرک ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذہن میں ایصالِ ثواب کا تصور تک نہیں بلکہ کسی ولی یا نبی کے لیے محض اس جانور کا خون بہانے (اراقۃ الدم) کو ہی وہ درجہ قربت سمجھ کر ذبح کرتا ہے تب بھی وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ جان کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے جان کو پیدا فرمایا۔ اس لیے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی چیز کو کسی کے لیے قربان کرے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں متعدد بار اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی اور ایسے جانور کی حلت وحرمت کا فیصلہ کرنے کے لیے یہی معیار مقرر فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں:

"فَمَتٰی کَانَ اِرَاقَةُ الدَّمِ لِلتَّقَرُّبِ اِلٰی غَیْرِ اللهِ حُرِّمَتِ الذَّبِیْحَةُ وَمَتٰی کَانَ اِرَاقَةُ الدَّمِ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَالتَّقَرُّبِ اِلَی الْغَیْرِ بِالْاَکْلِ وَالْاِنْتِفَاعِ حَلَّتِ الذَّبِیْحَةُ لِاَنَّ الذَّبْحَ عِبَارَةٌ عَنِ الْاِرَاقَةِ لَا عَنِ الْمَذْبُوْحِ اَیِ الَّذِیْ یَحْصُلُ بَعْدَ الذَّبْحِ مِنَ اللَّحْمِ وَالشَّحْمِ وَعَلٰی هٰذَا قُلْنَا لَوِ اشْتَرٰی لَحْمًا مِّنَ السُّوْقِ اَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً اَوْ شَاةً لِّاَجَلِ اَنْ یَّطْبَخَ مَرَقًا وَّ طَعَامًا لِّیُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ وَیَجْعَلَ ثَوَابَهَا لِرُوْحِ فُلَانٍ حَلَّتْ بِلَا شُبْهَةٍ" (فتاوی عزیزی، ج اول، ص 57)(1)

"یعنی اگر کسی جانور کا خون اس لیے بہایا جائے کہ اس خون بہانے سے غیر کا تقرب حاصل ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور اگر خون اللہ تعالیٰ کے لیے بہائے اور اس کے کھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے سے کسی غیر کا تقرّب مقصود ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیونکہ ذبح کا معنی خون بہانا ہے نہ وہ جانور جسے ذبح کیا گیا۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اگر کسی نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے یا بکری ذبح کی تاکہ اسے پکا کر فقیروں کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی کی روح کو پہنچائے تو یہ (گوشت، گائے، بکری) بلاشبہ حلال ہوگی"۔

میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان نہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور نہ وہ محض اراقۃ الدم (خون بہانے) کو وجہ تقرب سمجھتے ہیں بلکہ ان کے پیش نظر صرف ایصال ثواب ہوتا ہے۔ بفرضِ محال اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اسے فوراً تائب ہونا چاہیے۔ مبادا اس گمراہی پر اس کی موت آ جائے۔ نیز ان لوگوں کو بھی خدا کا خوف کرنا چاہیے جو ہر مسلمان پر بلا امتیاز شرک وکفر کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں اور اس کو اپنی سستی شہرت کے حصول کا آسان اور مؤثر

1۔ فتاویٰ عزیزی، ج 1، ص 57

الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

جھوٹا بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا

(وہ) تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں (انجام کار) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے

حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

حرام کردیں وہ چیزیں جن کا ذکر ہم آپ سے پہلے کر چکے ہیں ۱۳۷ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ

وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر بیشک آپ کا رب انکے لیے جنھوں نے غلطی کی (لیکن)

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

نادانی سے پھر انھوں نے توبہ کرلی اس کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا بیشک آپ کا پروردگار اس کے

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

بعد (انکے گناہوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحم کرنیوالا ہے ۱۳۸ بلاشبہ ابراہیم ایک کامل تھے ۱۳۹ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے،

ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

۱۳۶ کفار نے حلت وحرمت کے خود ساختہ قوانین مقرر کر رکھے تھے۔ اپنی مرضی سے جسے چاہتے حلال کرلیتے اور جسے چاہتے حرام کردیتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اشیاء کو حلال وحرام کرنے کا اختیار تمہیں کس نے تفویض کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال وحرام کرنے کا اختیار بھی نہیں دیا اور نہ خود انہیں حرام کیا ہے تو تمہارا ان چیزوں کی حلت وحرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سراسر جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کذب بیانی سے باز آجاؤ ورنہ اس کا انجام بجز خسران ونامرادی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ آیت میں اَلْكَذِبَ، لَا تَقُوْلُوْا کا مفعول ہے اور هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ بدل ہے اور اَلْكَذِبَ مبدل منہ ہے اور لِمَا میں مَا مصدریہ ہے۔ میں نے ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا ہے۔

۱۳۷ سورۃ الانعام میں اس کا تفصیلی تذکرہ گزر چکا ہے۔ یہودیوں پر بعض ایسے جانور بھی حرام کردیئے گئے تھے جو حقیقت میں پاک اور طیب تھے تاکہ انکو ان کے اعمال سیئہ کی سزا دی جائے۔

حَنِيفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَ

یکسوئی سے حق کیطرف مائل تھے! اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے ۱۴۰ وہ (ہر لحہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (بیہم نعمتوں کیلیے ۱۴۱ اللہ تعالیٰ نے

هَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ

انھیں چن لیا اور انھیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف اور ہم نے مرحمت فرمائی انھیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جُعِلَ

ابراہیم کی ۱۴۲ جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی

۱۳۸؎ گناہگار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جو جان بوجھ کر نافرمانی کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جن سے بشری کمزوریوں اور نادانی کی وجہ سے لغزش ہو جاتی ہے، دونوں کے ساتھ برتاؤ ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس برتاؤ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو مؤخر الذکر طائفہ سے روا رکھا جائے گا۔

۱۳۹؎ لغت عرب میں امّت کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے چند ایک معانی یہ ہیں: (۱) وہ انسان جو تمام خوبیوں کا جامع ہو۔ (۲) امام اور پیشوا۔ (۳) علمبردار حق وصداقت۔ (۴) جو دنیا بھر سے الگ تھلگ ہو اور اس قوم کو بھی اُمّت کہتے ہیں جس کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا ہو قَالَ فِي الْقَامُوسِ الْأُمَّةُ بِالضَّمِّ الرَّجُلُ الْجَامِعُ لِلْخَيْرِ وَالْإِمَامُ وَجَمَاعَةٌ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ رَسُولٌ وَّمَنْ هُوَ عَلَىٰ دِينِ الْحَقِّ مُخَالِفٌ لِّسَائِرِ الْأَدْيَانِ (1) ان تمام معانی کے اعتبار سے حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ افضل الصلوات والتسلیمات کو امّۃ کہا جا سکتا ہے۔ کون سی ایسی خوبی اور کمال تھا جس سے آپ متصف نہ تھے۔ آپ کی امامت و پیشوائی کی گواہی خود قرآن نے دی ہے: قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (2) اگرچہ آپ فرد واحد تھے لیکن اپنے اوصاف و شمائل، اپنے بینظیر عزم وحوصلہ اور عظیم کارہائے نمایاں کے لحاظ سے آپ کسی قوم سے کم نہ تھے۔ جب ہر طرف کفر و شرک کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ توحید کی شمع آپ کے دم سے ہی روشن تھی۔ تمام دنیا ایک طرف تھی اور یہ اللہ کا بندہ ایک طرف۔ غرضیکہ امت کے جتنے معانی یہاں ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صادق آتے ہیں۔

قَانِتًا کا معنی اطاعت گزار، فرمانبردار حنیف کہتے ہیں جو ہر باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہو (3)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے خلیل کی جو توصیف اور مدح وثنا فرمائی ہے اُسے پڑھ کر ہی عظمت خلیل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص 387 2۔ سورۃ البقرہ: 124 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص 387

السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

تھی جنھوں نے اختلاف کیا تھا اس میں ۔ اور بلاشبہ آپ کا رب فیصلہ فرمائیگا انکے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

روزِ قیامت ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ۔ (اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے ۱۴۳ اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجیے جو

۱۴۰ کفّارِ مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارا دعوٰی تو یہ ہے کہ ہم دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ تم نے سینکڑوں بتوں کو خدا بنا رکھا ہے اور ان کی پُوجا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو مُوحّد تھے۔ ان کا کفر و شرک سے تو دُور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

۱۴۱ جن نعمتوں سے ہم نے ان کو سرفراز فرمایا۔ انہوں نے اس کی شکرگزاری کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے اپنے اس شکرگزار اور احسان شناس بندے پر مزید انعام واکرام فرمایا جن کا ذکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

۱۴۲ لفظ مِلَّةَ کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں: وَقَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ الْمِلَّةُ فِي اللُّغَةِ السُّنَّةُ وَ الطَّرِيْقَةُ وَفِي الْاَسَاسِ وَمِنَ الْمَجَازِ الْمِلَّةُ الطَّرِيْقُ الْمَسْلُوْكَةُ وَمِنْهُ مِلَّةُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَيْرُ الْمِلَلِ (1)۔

یعنی صحت عقائد، مکارمِ اخلاق، دعوت وارشاد کا حکیمانہ انداز، دلائل کی پختگی، بیان کی دلنشینی اور منکرین کے جور و جفاء کے مقابلہ میں حلم و بردباری یہ وہ سنّت ابراہیمی ہے جس کی پیروی کا حکم اس آیت میں دیا جا رہا ہے جو شخص تبلیغ وارشاد کی ذمہ داری سنبھالتا ہے اُسے اسوۂ ابراہیمی پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔

۱۴۳ ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرررساں ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے۔ اگر اس کا انداز خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا۔ اگر اس کی تبلیغ اخلاص و للّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ یا خوف و ہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ دین اسلام کو سَبِيْلِ رَبِّكَ کے عنوان سے تعبیر کر کے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ دعوت کسی سیاسی جتھہ بندی کے لیے، کسی معاشی گروہ سازی کے لیے نہیں دی جا رہی بلکہ اس راستہ کی طرف بلایا جا رہا ہے جو بندے کو اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لے جاتا ہے جو دوری اور بیگانگی کے صحراؤں سے نکال کر

1۔ تاج العروس، فصل المیم، ج8، ص120

أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ

بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستہ سے ۱۴۴ اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ

ہدایت پانے والوں کو۔ اور اگر تم (انھیں) سزا دینا چاہو تو انھیں سزا دو (لیکن) اس قدر جتنی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی ہے ۱۴۵

قرب و لطف کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اس جادۂ منزلِ حبیب سے دور بھاگنے والوں کو قریب لانے کے آداب بتائے جا رہے ہیں۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور پسندیدہ انداز سے مجادلہ۔ ان تین چیزوں کے التزام کا حکم فرمایا گیا۔ حکمت سے مراد وہ پختہ دلائل ہیں جو حق کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیں۔ اور شک و شبہ کی تاریکیوں کو نورِ یقین سے بدل دینے کی قوت رکھتے ہوں۔

هُوَ الدَّلِيْلُ الْمُوْضِحُ لِلْحَقِّ الْمُزِيْحُ لِلشُّبُهَاتِ (1) موعظہ حسنہ اس پند و نصیحت کو کہتے ہیں جو خیر و فلاح کی یاد دہانی اس اسلوب سے کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہو جائیں قَالَ الْخَلِيْلُ (اَلْوَعْظُ) هُوَ التَّذْكِيْرُ بِالْخَيْرِ فِيْمَا يَرِقُّ لَهُ الْقَلْبُ وَالْعِظَةُ وَالْمَوْعِظَةُ الْاِسْمُ (المفردات: راغب اصفہانی) (2) "یعنی فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار لگاتے نہ چلے جاؤ۔ بلکہ تمہارا اندازِ خطاب ایسا ہونا چاہیے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کے چشمے ابل رہے ہوں۔ آپ کی آواز کا زیر و بم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اور اگر بھٹکا ہوا راہی آمادۂ پیکار ہو جائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو تم احسن اور عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریق مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے پیشِ نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہوا سے اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اس معیار پر پورا اترنے کے لیے علم و آگاہی کی وسعتوں کے علاوہ مکارمِ اخلاق اور محاسن خصائل سے مزین ہونا بھی ضروری ہے اور یہ نعمت کسی صاحب دل کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۴۴ یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے، خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لیے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لیے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبولِ حق کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔

۱۴۵ یہاں مکارمِ اخلاق کا درس دیا جا رہا ہے کہ اس رزمگاہِ خیر و شر میں اگر تمہارا دشمن تم پر دست درازی کرے اور تمہیں اذیت پہنچائے تو اہل عزیمت کا شیوہ یہ ہے کہ دشمن سے انتقام نہ لیا جائے اور عفو و درگزر کا رویہ اختیار کیا جائے۔ لیکن اگر تمہارا اخلاقی معیار ابھی اتنا بلند نہیں اور تم انتقام لینا ہی چاہتے ہو تو اس صورت میں جتنی زیادتی تم پر کی گئی ہے اس کا اتنا بدلہ لینے کی تو تمہیں اجازت ہے لیکن اس امر کی اجازت نہیں کہ تم جوش انتقام میں اس پر ظلم کرو۔ ورنہ پہلے وہ ظالم تھا اور معتوب، اب ستم

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص390 2۔ مفردات راغب، ص876

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لیے ۔ اور آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے ۔۱۴۶

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ انکے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں ۱۴۷

ع ۱۶ ۹ ۲۲

شعار اور مورد عتاب تم بن جاؤ گے ۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کتنا ایمان افروز ہے: عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْنَا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا (ترمذی)(1)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اے اہل ایمان) بے سوچے سمجھے لوگوں کی پیروی کرنے والے نہ بنو۔ کہ تم یہ کہو جیسے عام کہا جاتا ہے کہ اگر ہمارے ساتھ لوگوں نے اچھا برتاؤ کیا تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا خوگر بنالو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تو تم بھی حسن سلوک سے پیش آؤ اور اگر لوگ تمہارے ساتھ برا اور ناروا سلوک کریں تو تم پھر بھی ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ اَلْاِمَّعُ وَالْاِمَّعَةُ: اَلتَّابِعُ لِكُلِّ اَحَدٍ عَلٰى رَأْيِهٖ (المنجد)(2)

۱۴۶ عام مسلمانوں کو تو انتقام لینے کی مشروط اجازت دی گئی لیکن اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اے سراپا جود و کرم! آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر حالت میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ آپ پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کیوں نہ کر دی جائے آپ کا شعار عفو و درگزر ہی رہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے آپ دلگیر نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اسلام کی ترقی کا ضامن ہے۔ وہی کفّار کے منصوبوں کو اپنی قدرتِ کاملہ سے خاک میں ملاتا رہے گا۔ ضَيْقٌ اور ضِيْقٌ۔ ضَاقَ يَضِيْقُ کے مصدر کی دونوں لغتیں ہیں۔ دونوں کا معنی غم واندوہ ہے۔ وَالْمُرَادُ اَنَّمَا هُوَ الْغَمُّ فَالصَّحِيْحُ مَا قَالُوْا اِنَّهُمَا لُغَتَانِ بِمَعْنًى (مظہری)(3) قَالَ الْاَخْفَشُ الضَّيْقُ وَالضِّيْقُ مَصْدَرُ ضَاقَ يَضِيْقُ (قرطبی)(4) بعض نے دونوں میں فرق بتایا ہے۔ ضَيْقٌ کا معنی دل کا غمگین ہونا اور ضِيْقٌ کا معنی مکان یا کپڑے وغیرہ کا تنگ ہونا۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الاحسان والعفو، ج2، ص21
2۔ المنجد، ص18
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص391
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، ص203

۱۴۷؎ تبلیغ واشاعت اسلام میں کامیابی کا انحصار فقط تائید الٰہی اور نصرتِ ربانی پر ہے۔ اس لیے مبلغ اسلام کو بتا دیا کہ یہ سعادت صرف ان پاکبازوں کو بخشی جاتی ہے جو زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہوں اور خلقِ خدا کے ساتھ احسان اور خیر خواہی کے جذبات سے ان کے دل معمور ہوں۔ دین کے داعی کو اپنی وسعتِ علمی، قوتِ بیان اور چرب زبانی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کا کلی اعتماد معیت وتائید ایزدی اور نصرت ربانی پر ہونا چاہیے۔ اور اس معیت ونصرت کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جو اس ضابطہ پر سختی سے کاربند ہو جس کا ذکر وضاحت سے یہاں کیا گیا ہے۔ مسند ارشاد پر تشریف فرما ہونے والے کاش! ان واضح ہدایات کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھیں۔

تعارف سورۂ بنی اسرائیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: یہ سورت بنی اسرائیل کے علاوہ اسراء اور سبحان کے ناموں سے بھی موسوم ہے۔ اس میں بارہ رکوع ۱۲۱ آیات، ۱۵۳۳ کلمات اور ۶۴۶۰ حروف ہیں۔

نزول: اس سورت کی پہلی آیت ہی بتارہی ہے کہ اس کا نزول سفرِ معراج کے بعد ہوا۔ اور معراج ہجرت سے ایک سال پہلے نبوت کے دسویں سال ہوئی۔

مضامین: وہی مکہ ہے وہی اہل مکہ کا تشدد، تعصب اور کج بحثی کی عادت ہے۔ عام مضامین کے لحاظ سے اس سورت کو ان سورتوں سے گہری مناسبت ہے جو مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں۔

لیکن دو چیزیں یہاں ایسی موجود ہیں جو دیگر سورتوں میں نظر نہیں آتیں۔ ذکر اسراء کے فوراً بعد بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا گیا ہے۔ ان کو ان کی گزشتہ زندگی سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کی تاریخ کے نشیب و فراز، ان کے عروج و زوال کی داستان کے اہم ابواب ان کے سامنے کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ جب بھی انہیں سیاسی برتری، معاشی خوشحالی بخشی گئی تو انہوں نے ہر بار سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کی۔ اور جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا رسول انہیں انکی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے تشریف لایا تو وہ بپھر گئے اور اسے اپنی عزّتِ نفس کا سوال بنا کر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

اے بنی اسرائیل! جب بھی تمہاری سرکشی انتہا کو پہنچی تو ہمارا عذاب بھی کبھی بخت نصر کی شکل میں نمودار ہوا اور کبھی (اینٹی اوکس اور پومپئی اور ٹیٹس) رومی بادشاہوں کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اور انہوں نے تمہاری اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہیکل سلیمانی کو برباد کردیا اور تمہیں غلامی کی ذلّت کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اب پھر تمہیں پیامبرِ اسلام کی بعثت سے اصلاحِ احوال کا زرّیں موقع دیا جارہا ہے۔ اگر تم اپنے ماضی کی خونچکاں داستان کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے تو اس نبی برحق پر ایمان لاؤ اور اس کا دین قبول کرلو۔ اگر تم اپنی نافرمانی کی عادت سے اب بھی باز نہ آئے تو ہمارا قانونِ مکافات پھر حرکت میں آجائے گا۔

یہ آیات جو مکّہ میں نازل ہوئیں جہاں بنی اسرائیل کا کوئی فرد اقامت پذیر نہ تھا ان میں بنی اسرائیل کو خطاب اور ان کو اصلاحِ احوال کی دعوت بتارہی ہے کہ مستقبل قریب میں انہیں دعوتِ قرآن کا مخاطب بنایا جانے والا ہے۔

نیز اس کے رکوع نمبر ۲، ۳ میں اس نظامِ حیات کی تفصیلات بیان کردی گئی ہیں جو اسلام، اقوامِ عالم کے سامنے پیش کرنا

چاہتا ہے اور دنیائے انسانیت میں رائج کرنا چاہتا ہے اس سے بھی صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مظلومیت کا دور ختم ہونے کے قریب ہے۔ شاندار مستقبل کا آغاز ہوا چاہتا ہے جبکہ اسلام ایک قوتِ حاکمہ کی حیثیت سے نمودار ہوگا۔ چنانچہ ایک سال بعد جب محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی اور سرزمین یثرب کو مدینۃ الرسول ہونے کا شرف ارزانی فرمایا تو وہاں صرف اہل مکہ کے ہم عقیدہ مشرکین سے ہی واسطہ نہ پڑا۔ بلکہ یہود بھی قرآن کے مخاطب ہوئے اور انہیں سمجھانے کے لیے ان آیات نے بڑا مؤثر کردار انجام دیا۔ نیز وہاں اسلام کی پہلی حکومت قائم ہوئی جس میں قرآن کے لائے ہوئے لائحہ عمل اور نظامِ حیات پر عمل کیا گیا۔

ویسے تو قرآن کی ہر آیت کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی ایک شمع روشن ہے اور اس لیے ہر آیت خصوصی توجہ کی مستحق ہے اور اپنے اپنے مقام پر میں نے مقدور بھر ضیاء القرآن کے قاری کی توجہ مبذول کرانے کی سعی کی ہے لیکن سورت کے اس مختصر تعارف میں میں قرآن کا مطالعہ کرنے والے کی توجہ آیات ۶۱ تا ۶۵ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ان آیات میں انسان کو مسجود ملائکہ بنانے کے شرف سے مشرف فرمانے کے بعد شیطان کے ایک چیلنج کا ذکر ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ یہ آدم خاکی جس کے سر پر تُو نے تاج کرامت رکھا ہے۔ اگر تو نے مجھے مہلت دی تو (لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ) (1) میں اس کی اولاد سے یہ تاجِ کرامت چھین لونگا بلکہ اس کو ایسی پٹی پڑھاؤں گا کہ وہ شرفِ انسانیت کی خلعتِ فاخرہ کو خود اُتار پھینکے گا۔ جلالِ کبریائی اُس لعین کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہے اور اُسے صاف صاف بتا دیا کہ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ الآیۃ (2) تجھے کھلی چھٹی ہے۔ ان کو گمراہ کرنے کا جو ذریعہ تو اختیار کر سکتا ہے، اختیار کر۔ تجھے اجازت ہے اپنے سارے جتن کر ڈال۔ اپنے سارے دام تزویر بچھا دے، ترغیب و ترہیب کی کوئی صورت ایسی نہ رہنے دے جسے تو کام میں نہ لائے لیکن سُن اور کان کھول کر سُن! اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (3) میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکتا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کس زمرہ میں داخل ہیں۔ کیا ہم وہ خود فراموش ہیں۔ جو ابلیس کی ادنیٰ سی انگیخت پر ڈگمگانے لگتے ہیں۔ اور اس کی تھوڑی سی وسوسہ اندازی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یا اِنَّ عِبَادِيْ کے زمرہ میں شامل ہیں اور اس کی شورش وطغیان کے طوفانوں میں فولادی چٹان کی طرح سینہ تان کر کھڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اس سورۂ مبارکہ کا طرۂ امتیاز اس کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کی معراج کا ذکر فرمایا ہے۔ اس واقعہ کے ذکر کے باعث اس سورت کو دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ اس کی تفصیل آپ آیت کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

1۔ سورۂ بنی اسرائیل: 62 | 2۔ سورۂ بنی اسرائیل: 64 | 3۔ سورۂ بنی اسرائیل: 65

سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَإِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَاثْنَا عَشَرَ رُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اسکی ۱۱۱ (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے) آیتیں اور ۱۲ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے

اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ

مسجدِ اقصیٰ تک لے بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گردونواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں ۲؎

۱؎ اس آیت کریمہ میں حضور فخرِ موجودات سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی ردّ وقدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے اس لیے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ تطویل لاطائل سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک وشبہات کا جو غبار حسنِ حقیقت کو مستور کرنے کے لیے اٹھایا جا رہا ہے، اُس کا سدباب ہو جائے۔

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول نے قریش مکّہ کو دعوت توحید دی تھی۔ اسی روز سے عداوت وعناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے مصائب وآلام کا سیلاب اُمڈ کر آ گیا تھا۔ رنج وغم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا۔ لیکن اس تاریکی میں حضرت ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وجود مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین وطمانیت کا سبب بنا کرتا تھا۔ بعثتِ نبوی کے دسویں سال مہربان وشفیق چچا نے وفات پائی۔ اِس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ مونس وہمدم دانش ور عالی حوصلہ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ کفار مکہ کو اب ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا جس کے باعث ان کی ایذا رسانیاں ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اہلِ مکّہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے، شاید وہاں کے لوگ اس دعوت توحید کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا۔ اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا اچھل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ رحمت الٰہی نے اپنی عظمت وکبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لیے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لیے بلایا تاکہ حضورؐ کو اپنے رب کریم کی تائید ونصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفرِ اسراء کے لیے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا۔ (1)

1۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم از محمد الصادق ابراہیم عرجون، ج 2، ص 30-327، مطبوعہ دار القلم، دمشق

اس مقدس سفر کا تفصیلی تذکرہ تو کتب حدیث وسیرت میں ملے گا۔ یہاں اجمالی طور پر ان امور کا ذکر کر دیا گیا ہے جو مختلف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادۂ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضورؐ اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے سینۂ مبارک کو چاک کیا گیا، قلب اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا۔ اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو برّاق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضورؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں، براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضورؐ مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین حضورؐ کے لیے چشم براہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ کا جو عہد روز ازل، ارواحِ انبیاء سے لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی۔ زاں بعد موکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقاتِ آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ساتویں آسمان پر اپنے جدّ کریم ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، حضرت خلیل نے "مَرۡحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالۡاِبۡنِ الصَّالِحِ" یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی (1)۔ جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقابِ ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے کہاں تک گئے اسے ما وشما کیا سمجھیں۔ زبانِ قدرت نے مقامِ قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ﴿۹﴾ (2)۔ وہاں کیا ہوا۔ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ: فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ (3) علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"پھر شاہد مستورِ ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز ونیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت ونزاکت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ (سیرت النبی جلد ۳) (4)

اسی مقام قرب اور گوشۂ خلوت میں دیگر انعاماتِ نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار بارگاہِ رب العزت میں تخفیف کے لیے التجا کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی۔ اور ثواب پچاس کا ہی رہا (5)۔ فرازِ عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا، ہر سُو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی، سپیدۂ سحر کا کہیں نام نشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بیشک بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب وغریب ہے اسی لیے وہ دل جو نورِ ایمان سے خالی تھے انہوں نے اسے اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں یقین کا چراغ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 5 (مفہوم)۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 2-4 (مفہوم)۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، ج 1، ص 94-91 (مفہوم ابتدائی سات احادیث)

2۔ سورۃ النجم: 9-8

3۔ سورۃ النجم: 10

4۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از سید سلیمان ندوی، متولد 1884ء، متوفی 1953ء، ج 3، ص 374، مطبوعہ مطبع معارف شہر اعظم گڑھ

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، ج 1، ص 91 (مفہوم)

ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا۔ اور نہ دشمنانِ اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولا نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ اہلِ ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت و عدمِ صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قواعد و ضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے تو پھر وہ امکان و عدمِ امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لیے جب شبِ اسراء کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایتِ ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورتِ حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے۔ نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رَدّ کرنے کی ہمّت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقۂ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا۔ اِس لیے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی شانِ کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجوداتؐ باعثِ تخلیق کائنات سیّدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لیے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس موقعہ پر اس آیت جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ آیت کا آغاز سُبْحٰنَ کے کلمہ سے کیا گیا۔ یہ سَبَّحَ یُسَبِّحُ تَسْبِیْحًا بابِ تفعیل کے مصدر کا علم ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں: عَلَمٌ لِلتَّسْبِیْحِ کَعُثْمَانَ لِلرَّجُلِ وَ انْتِصَابُہٗ بِفِعْلٍ مُّضْمَرٍ.... وَدَلَّ عَلَی التَّنْزِیْہِ الْبَلِیْغِ مِنْ جَمِیْعِ الْقَبَائِحِ الَّتِیْ یُضِیْفُھَا اِلَیْہِ اَعْدَاءُ اللّٰہِ۔ (1)

"یعنی یہ تسبیح مصدر کا علم ہے۔ جس طرح عثمان (اس کا ہم وزن) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے تھے"۔ علامہ آلوسی نے حضرت طلحہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 646

ہے ''عَنْ طَلْحَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ تَفْسِيْرِ سُبْحَانَ اللهِ فَقَالَ تَنْزِيْهُ اللهِ عَنْ كُلِّ سُوْءٍ'' (1) سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطورِ دلیل ارشاد فرمایا: الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اِس لیے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

اَسۡرٰی: رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ لیلاً پر تنوین تقلیل کی ہے کہ یہ سفر رات کے وقت ہوا۔ لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے طے پایا۔ اَسۡرٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بِعَبۡدِہٖ کے لفظ سے فرمایا گیا۔ جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر اُمت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے (2)۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ صمدیت میں مقامِ قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا بِمَ نُشَرِّفُكَ يَا مُحَمَّدُ ''اے سراپا حمد وستائش! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں؟'' تو حضور نے جواباً عرض کی بِنِسْبَتِيْ اِلَيْكَ بِالْعُبُوْدِيَّةِ مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذکرِ معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لیے خود پسند فرمایا تھا۔ (3)

۲۔ ان کلمات سے اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی۔ کہ یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں، نہ کچھ دیکھا نہ سنا بلکہ صحیفۂ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر، گلشنِ ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے، سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔

اب آپ خود فرمایئے کہ جو معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں، ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔ قرآن کا یہ اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالمِ بیداری کا ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رُؤیا تھا۔ یعنی خواب تھا ارشاد باری ہے وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ (4) یہاں رؤیا کا لفظ ہے۔ اس کا معنی خواب ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لیے دکھایا، تاکہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔ جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے اور اگر اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 3۔ مستدرک حاکم، کتاب الدعاء، ج 1، ص 680، رقم الحدیث 1848، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 102 　 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 4 　 4۔ سورۂ بنی اسرائیل: 60

نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم (1) علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: وَلَوْ كَانَتْ رُؤْيَا مَنَامٍ مَا افْتَتَنَ بِهَا اَحَدٌ وَلَا اَنْكَرَهَا فَاِنَّهٗ لَا يُسْتَبْعَدُ عَلٰى اَحَدٍ اَنْ يَّرٰى نَفْسَهٗ يَخْتَرِقُ السَّمٰوٰتِ وَيَجْلِسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ وَيُكَلِّمُهُ الرَّبُّ (2)

''یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اُوپر جا رہا ہے، یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو بھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

یہ لوگ حضرت انس کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضورؐ نے فرمایا ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (3) ''پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا''۔ اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمایئے خودبخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور شریک لَيْسَ بِالْحَافِظِ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ (4) کہ اہل حدیث کے نزدیک شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔

دوسری روایت سنیے: اِنَّ هٰذَا اللَّفْظَ رَوَاهُ شَرِيْكٌ عَنْ اَنَسٍ وَّكَانَ قَدْ تَغَيَّرَ بِاٰخِرِهٖ فَيُعَوَّلُ عَلٰى رِوَايَاتِ الْجَمِيْعِ۔ (5) (احکام القرآن لابن عربی)

کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کیے ہیں۔ اُن کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی روایت کی بجائے اُن روایت پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر آئمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں۔ وَقَدْ رَوٰى حَدِيْثَ الْاِسْرَاءِ مِنْ اَنَسٍ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِيْنَ وَ الْاَئِمَّةِ الْمَشْهُوْرِيْنَ كَابْنِ شِهَابٍ وَّ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ وَقَتَادَةَ فَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ مِّنْهُمْ بِمَا اَتٰى بِهٖ شَرِيْكٌ۔ (6)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَقَوْلُهٗ فِيْ حَدِيْثِ شَرِيْكٍ عَنْ اَنَسٍ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَاِذَا اَنَا فِي الْحَجَرِ مَعْدُوْدٌ فِيْ غَلَطَاتِ شَرِيْكٍ (7) ''یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے''۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں۔ اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں۔ اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف بہ اسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ حضورؐ کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابوحیان اس کے متعلق

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورہ بنی اسرائیل، ج2، ص141
2۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج3، ص1195
3۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، ج1، ص253، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج15، ص6
5۔ احکام القرآن، از ابن عربی، ج3، ص1194
6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج15، ص6
7۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص3

لکھتے ہیں: وَ مَا رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ وَ مُعَاوِیَۃَ اَنَّہٗ کَانَ مَنَامًا فَلَعَلَّہٗ لَا یَصِحُّ وَلَوْ صَحَّ لَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ حُجَّۃٌ لِاَنَّھُمَا لَمْ یُشَاھِدَا ذٰلِکَ لِصِغَرِ عَائِشَۃَ وَ کُفْرِ مُعَاوِیَۃَ وَلِاَنَّھُمَا لَمْ یُسْنِدَا ذٰلِکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَلَا حَدَّثَا بِہٖ عَنْہُ (بحر محیط)(1)

اِسی سلسلہ میں مقالاتِ سرسیّد کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا۔ انہوں نے بھی بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے۔ ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے۔ اور عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کے دلائل وبراہین کو ہی کیوں منہدم نہ کرنا پڑے۔ آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کرسکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کرسکتے۔ کیا معراج کا انکار کرکے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے۔ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کرکے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہارِ ناراضگی چھوڑ دیا ہے ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کرکے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کردیا جائے۔ ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کررہا تھا۔ اس میں حضرت سیّد نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔ ''ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ومتناقض ہیں۔۔۔۔ کہ صراحۃً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھودیتی ہیں۔'' مقالات سرسیّد ص ۷۶۲ (2)

لیکن تناقض وتضاد کے جونمونے انہوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے کہ حجر میں تھے۔ تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے۔ ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے۔ حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دونام ہیں۔ یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی، لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گرگیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا۔ یہ حصہ (حطیم یا حجر) مسجد حرام میں ہے تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے: ثُمَّ صُعِدَبِیْ اِلَی السَّمَاءِ السَّادِسَۃِ فَاِذَا مُوْسٰی ''پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا''۔ دوسری حدیث میں ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ السَّادِسَۃِ فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰی فَرَحَّبَ بِیْ وَ دَعَالِیْ ''پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا۔ وہاں میں نے موسیٰؑ کو پایا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی''۔ تیسری حدیث میں ہے: لَمَّا جَاوَزْتُ فَبَکٰی ''جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام روپڑے'' (3)۔ آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جاسکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔ بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائلِ نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمائیے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلافِ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص5 2۔ مقالات سرسید، ج11، ص762 3۔ ایضاً، ج11، ص749

عقل ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت بے مثل ترتیب اور یکسانیت اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کے مطابق عمل پیرا ہے جنہیں قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں۔ ان میں ردوبدل ممکن نہیں ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لیے عقل معجزات کو تسلیم نہیں کرتی۔ کیونکہ معراج بھی ایک معجزہ ہے۔ اِس لیے یہ بھی عقلاً محال ہے۔ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین کے خلاف ہو اور نوامیسِ قدرت سے برسرِ پیکار ہو بلکہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ "اَلْاِتْیَانُ بِاَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَۃِ یُقْصَدُ بِہٖ بَیَانُ صِدْقِ مَنِ ادَّعٰی اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ (المسامرۃ وغیرھا من کتب العقائد)"(1) "یعنی مدعیٔ رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قانونِ فطرت اور نوامیس قدرت کے خلاف ہو۔ ان لوگوں کا اعتراض تو تب قابلِ التفات ہوتا جب معجزہ کو نوامیسِ قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معجزات قانونِ فطرت کے مطابق ہی رونپذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانونِ فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوراء ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہنِ انسانی نے ان کا احاطہ کرلیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنسدان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا۔

نیز قوانین فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں، یہ بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔ یہ خیال تب قابل تسلیم ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جائے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے، کہ اس کائنات کی آرائش وزیبائش کے لیے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہلِ خرد کے نزدیک یہ خیال محلِ نظر ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹا نیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (MIRACLE) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

IT IS AN UNWARRANTED IDEALISM AN OPTIMISM WHICH FINDS THE COURSE OF NATURE SO WISE AND SO GOOD THAT ANY CHANGE IN IT MUST BE REGARDED AS INCREDIBLE. ENCY BRI V.15P.586(2)

"یعنی یہ ایک غیر معقول تصوّر اور خوش فہمی ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریق کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے۔ پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد معجزہ کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا۔ اور اگر آپ وجودِ خداوندی کے قائل تو ہیں۔ لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت (NATURE) ایک ہی چیز کے دونام ہیں یا آپ خدا کو خالقِ کائنات تو مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کرسکتا۔ بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر وشر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کرنہیں سکتا تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آسکتی ہے

1۔ کتاب المسامرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ از امام کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف، متوفی 905ھ، حصہ دوم، ص89، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظۃ، مصر (طبع دوم 1347ھ)

2۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج15، ص586

لیکن اگر آپ ذاتِ خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادرِ مطلق اور مدبّر با اختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ کا نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بناء پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت و معلول اور سبب و مسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے۔ اور ظہورِ معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت اور حکمت کے پیش نظر خلافِ معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار ہستی ہے۔ وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔ ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہوتا ہے۔ اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ اس مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلافِ معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے۔ اس طرح ان قوانینِ فطرت کو عادتِ خداوندی اور معمولِ ربّانی سمجھنا چاہیے۔ اور کسی چیز کا خلافِ معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

THE LAWS OF NATURE MAY BE REGARDEDE AS HABITS OF THE DIVINE ACTIVITY, AND MIRACLES AS UNUSUAL ACTS WHICH, WHILE CONSISTENT WITH DIVINE CHARACTER, MARK A NEW STAGE IN THE FULFILMENT OF THE PURPOSE OF GOD ENCY. BRI.V.15P.586(1)

یعنی قوانین فطرت کو ہم عاداتِ خداوندی کہہ سکتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیشِ نظر خلافِ عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً نا روا نہیں۔

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (DIVID HUME) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شدومد سے اس کا انکار کیا ہے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رو پذیر ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں۔ اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ثبوتِ معجزہ کے لیے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں۔ اس لیے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے۔ پہلے آپ یہ تو ثابت کر لیں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے۔ جب تک آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے، اس وقت تک آپ کی دلیل قابل قبول نہیں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجرباتِ عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور معمولات کے خلاف ہے۔ تمام تجربات و مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج15، ص586

کسی تجربہ کے مطابق ہو۔ لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۱۵ ص ۵۸۶)

THE PHRASE ITSELF(THAT MIRACLE IS CONTRARY TO EXPERIENCE) IS AS PALEY POINTED OUT, AMBIGUOUS IF IT MEANS ALL EXPERIENCE IT ASSUMES THE POINT TO BE PROVED, IF IT MEANSONLY COMMON EXPERIENCE THEN IT SIMPLY ASSERTS THAT THE MIRACLE IS UNUSUAL ATRUISM.(ENCY BRI.V.15.P.586)(1)

استاذ احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ (OF MIRACLE) میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس لیے ناقابلِ تسلیم ہیں۔ استاذ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت و معلول اور سبب و مسبّب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہم بارہا مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں۔ اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں۔ ہر چیز بغیر تحقیق علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کونسی قباحت ہو گئی؟ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔ (قصۃ الفلسفۃ الحدیثۃ۔ جزاوّل ص ۲۴۵)(2)

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبۂ تجسّس کو یہ تھپکی دے کر سُلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انہوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انہیں خرق عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے۔ لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے۔ کیا اس سے کوئی عقدۂ لاینحل کُھل سکتا ہے۔ یہ غور طلب ہے۔

آخر میں مَیں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں جناب محترم سرسیّد احمد خاں نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ قوانین قدرت کیخلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانونِ قدرت کے مطابق ہو گا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے معجزہ کا خلافِ قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانینِ قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردّ و بدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوصِ قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانونِ قدرت میں تغیّر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔ (3)

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 15، ص 586 2۔ قصۃ الفلسفۃ الحدیثۃ، ج 1، ص 245، مطبوعہ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، القاہرہ، (1949ء)

3۔ مقالات سرسید از سرسید احمد خان، متولد 1817ء متوفی 1898ء، ج 13، ص 84-82

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى

بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو

آپ نے سیّد محترم کا استدلال ملاحظہ فرمالیا۔ انہوں نے معجزہ کی مَن گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارقِ عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہوسکتا جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کر لے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سننِ الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے قادرِ مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامۂ خیر وشر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم، اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبضِ ہستی محوِ خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے جو صحیح اور قابلِ وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآنِ کریم میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، وہ سچ ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۳ے واقعۂ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین وآسمان بلکہ ان سے بھی ماورا اپنی قدرت وکبریائی کی آیاتِ بینات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہلِ اسلام کے لیے بھی ایک مژدہ ہے کہ شب غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتابِ اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ شرق وغرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا۔ لیکن مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا، اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا، اور اگر تم نے نشۂ حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر اُن کے ہولناک نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم وستم سے نجات دی۔ بحر احمر کو ان کے لیے پایاب کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اُن کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس وخاشاک کی طرح بہالے گئیں۔ لیکن جب انہیں عزّت ووقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالک حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے انہوں نے نافرمانی اور ناشکر گزاری کو اپنا شعار بنالیا تو ہم نے ان پر ایسے سنگدل دشمن مسلط کر دیے جنہوں نے ان کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔ اور اُن کے مقدّس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسی عبرت آموزی کے لیے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ؕ﴿۲﴾ ذُرِّیَّةَ مَنْ

باعثِ ہدایت بنی اسرائیل کے لیے (اسمیں انھیں حکم دیا) کہ نہ بنانا میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ ۴ اے اُن لوگوں کی اولاد! ۵

حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾ وَ قَضَیْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ

جنھیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کیساتھ۔ بیشک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا ۶ اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی

اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَ لَتَعْلُنَّ

اسرائیل کو ۷ کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے)

۴ کتاب سے مراد تورات ہے (1)۔ اس کے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کے احکام کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو اُس شریعت کے سانچہ میں ڈھال دیں جس کا تفصیلی بیان اس کتاب مقدس میں کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے اہم ترین حکم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین محکم رکھیں۔ اور ہر معاملہ میں اُسی کو اپنا کارسازِ حقیقی سمجھیں۔ وکیل اُس کارساز حقیقی کو کہتے ہیں جس کے سپرد اپنے تمام امور کردیئے جائیں۔ (2) مجاہد نے اس کا معنی شریک کیا ہے۔ کَانَ مُجَاهِدٌ یَقُوْلُ مَعْنَاهُ فِیْ هٰذَا الْمَوْضِعِ الشَّرِیْكُ (3) (طبری: ابن حریر) اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات سارے جہان کیلئے صحیفہ بنا کر نہیں اتاری گئی تھی بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لیے ایک محدود وقت تک اس میں سامانِ ہدایت تھا۔ عالمگیر ہدایت کا داعی ابھی تشریف لانے والا تھا۔

۵ یہاں حرف ندا محذوف ہے (4)۔ اصل میں ہے یَا ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا یعنی اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے سفینۂ نوح میں پناہ دی۔ اور طوفان کی تباہ خیزیوں سے بچایا"۔ تم اُس احسان عظیم کو فراموش نہ کرو تم اس مردِ حق اندیش کی اولاد سے ہو جو ہر وقت اپنے مالک و خالق کا شکریہ ادا کرتا رہتا تھا اور جس کا ایک سانس بھی اپنے رب کی ناشکری میں نہیں گزرا۔ اس شکر گزار بندے کے فرزند ہو کر اگر تم اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرو تو بڑی شرم کی بات ہے۔

۶ حضرت نوح علیہ السلام کو اس عظیم لقب سے سرفراز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ پانی کا ایک گھونٹ پیتے یا ایک لقمہ بھی منہ میں ڈالتے یا کوئی نیا کپڑا پہنتے تو دل اور زبان سے اپنے منعم حقیقی کا شکریہ ان الفاظ سے ادا کرتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَلَوْ شَاءَ لَاَجَاعَنِیْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانِیْ وَلَوْ شَاءَ لَاَظْمَاَنِیْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ وَلَوْ شَاءَ لَاَعْرَانِیْ یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو وہ مجھے بھوکا رکھتا۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے پانی پلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کپڑا پہنایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔ (5)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 15 | 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 213 | 3۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 15
4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 24 | 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 213

ے علامہ قرطبیؒ نے قَضَیْنَا کا معنی اَعْلَمْنَا وَاَخْبَرْنَا لکھا ہے(1) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ان عنایات بے پایاں کے باوجود تم آمادۂ فتنہ وفساد ہو گے، دنیا تمہارے مظالم سے چیخ اٹھے گی اور تم عقیدۂ توحید سے بھی برگشتہ ہو جاؤ گے اس کی پاداش میں تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا میں لَتُفْسِدُنَّ کی طرح لام قسم کے لیے ہے۔ تکبّر، فتنہ وفساد، سرکشی اور بغاوت تمام معانی اس جملہ میں آ گئے اَرَادَ التَّكَبُّرَ وَالْبَغْيَ وَالطُّغْيَانَ وَالْاِسْتِطَالَةَ وَالْغَلَبَةَ وَالْعُدْوَانَ (قرطبی) (2)

بائبل میں اس قرآنی دعویٰ کے بیشمار شواہد موجود ہیں۔ جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام احکامِ شریعت کی تبلیغ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم نے سرکشی کی تو تم پر سخت عذاب آئے گا۔

''اور میں تمہاری پرستش کے بلند مقاموں کو ڈھا دوں گا اور تمہاری سُورج کی مورتیوں کو کاٹ ڈالوں گا۔ اور تمہاری لاشیں تمہارے شکستہ بتوں پر ڈال دونگا۔ اور میری روح کو تم سے نفرت ہو جائے گی اور میں تمہارے شہروں کو ویران کر ڈالوں گا اور تمہارے مقدّسوں کو اُجاڑ بنا دوں گا۔۔۔۔ اور میں تمہیں غیر قوموں میں پراگندہ کر دوں گا۔'' (احبار باب ۲۶، آیات ۳۰، ۳۱، ۳۳)(3)

اسی کتاب احبار کی چھتیسویں آیت میں ہے۔

''اور جو تم سے بچ جائیں گے اور اپنے دشمنوں کے ملکوں میں ہوں گے۔ ان کے دل کے اندر میں بے ہمّتی پیدا کر دوں گا۔ اور اڑتی ہوئی پتی کی آواز ان کو کھدیڑے گی'' (4)۔ کتاب استثناء کے باب ۲۸ کی آیات ۴۹، ۵۰ ملاحظہ ہوں۔

''خداوند دور سے بلکہ زمین کے کنارے سے ایک قوم کو تجھ پر چڑھا لائے گا جیسے عقاب ٹوٹ کر آتا ہے۔ اس قوم کی زبان کو تو نہیں سمجھے گا۔ اس قوم کے لوگ ترش رو ہونگے۔ جو نہ بڈھوں کا لحاظ کرینگے۔ نہ جوانوں پر ترس کھائیں گے'' (5)۔ اسی کتاب کے باب ۳۱۔ آیت ۲۸ میں ان کے نافرمان بننے کی پشین گوئی کی گئی ہے۔

''اس لیے کہ جب میں اُن کو اس ملک میں جس کی قسم میں نے ان کے باپ دادا سے کھائی اور جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے پہنچا دوں گا۔ اور وہ خوب کھا کھا کر موٹے ہو جائیں گے تب وہ اور معبودوں کی طرف پھر جائیں گے اور ان کی عبادت کریں گے اور مجھے حقیر جانیں گے اور میرے عہد کو توڑ ڈالیں گے''۔ (کتاب استثناء باب ۳۱۔ آیت ۲۰) (6)

موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء تشریف لائے۔ انہوں نے بڑے اثر انگیز پیرایہ میں انہیں آنے والے عذاب سے ڈرایا۔ حضرت یسعیاہ کا صحیفہ اسی قسم کی ترہیبات سے لبریز ہے۔ حضرت یرمیاہ نبی کے لہجہ میں جو درد وسوز ہے، اپنی قوم پر آنے والی تباہی سے جس طرح وہ بے چین اور مضطرب ہیں اور آنسوؤں کا سیلِ رواں جس طرح ان کی آنکھوں سے جاری ہے، وہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ اس خوفناک ہلاکت و بربادی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ ان کی بار بار کی سرزنشوں کے باوجود جب قومِ اسرائیل گمراہی سے باز نہ آئی تو بے اختیار آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

''خداوند فرماتا ہے: پہاڑوں کی طرف اپنی آنکھیں اُٹھا اور دیکھ کون سی جگہ ہے جہاں تُو نے بدکاری نہیں کی۔۔۔۔ تو نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 214 2۔ ایضاً 3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، احبار، باب 26، آیات 33-30,32، ص 121
4۔ ایضاً، آیت 36، ص 121 5۔ ایضاً، استثناء، باب 28، آیات 50-49، ص 194 6۔ ایضاً، باب 31، آیت 20، ص 198

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد فلسطین کی قبائلی تقسیم

صیدا
دان
صور
بنی دان
دمشق
بنی آشر
بنی نفتالی
عکہ
بحر روم
بنی باشان
بنی زبولون
بنی اشکار
دور
مجدو
بیت شان
بنی منسّیٰ
بنی منسّیٰ
دریائے اردن
ادام
بنی افرائیم
یافا
بنی جد
عمون
بنی بن یمین
بنی دان
عسقلان
صحرائے عرب
یروشلم
بنی روبن
غزہ
یہوداہ
بحر لوط
موآب
بنی شمعون
شمال
سیر
ادوم

اپنی بدکاری اور شرارت سے زمین کو ناپاک کیا۔۔۔۔خداوند نے مجھ سے فرمایا کیا تُو نے دیکھا برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے۔ وہ ہر ایک اُونچے پہاڑ پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی اور اس کی بے وفا بہن یہودا نے یہ حال دیکھا۔۔۔ وہ بھی نہ ڈری بلکہ اُس نے بھی جا کر بدکاری کی اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زنا کاری کی۔ (کتاب یرمیاہ باب ۳۔ آیت ۲، ۶، ۷، ۸، ۹)(1)

اسی کتاب کا باب ۴، آیت ۱۲ ملاحظہ ہو:۔

''دیکھو وہ گھٹا کی طرح چڑھ آئے گا۔ اس کے رتھ گرد باد کی مانند اور اس کے گھوڑے عقابوں سے تیز تر ہیں۔ ہم پر افسوس کہ ہائے ہم غارت ہو گئے''۔(2)

باب ۵ کی مندرجہ ذیل آیات بھی مطالعہ فرمائیے:۔

''میں تجھے کیونکر معاف کر دوں۔ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں۔ جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کہ کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا؟ اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی؟''۔ (آیات ۷، ۸، ۹)(3)

''اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے، وہ زبردست قوم ہے وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا۔ اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں۔ وہ سب بہادر مرد ہیں''۔ (آیات ۱۵، ۱۶، ۱۷)(4)

''کیونکہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ درخت کاٹ ڈالو اور یروشلم کے مقابل دمدمہ باندھو۔ یہ شہر سزا کا سزاوار ہے۔ اس میں ظلم ہی ظلم ہے۔ جس طرح پانی چشمہ سے پھوٹ نکلتا ہے، اسی طرح شرارت اس سے جاری ہے۔ ظلم اور ستم کی صدا اس میں سنی جاتی ہے۔ ہر دم میرے سامنے دکھ، درد اور زخم ہیں۔ اے یروشلم تربیت پذیر ہو۔ تا نہ ہو کہ میرا دل تجھ سے ہٹ جائے۔ نہ ہو کہ میں تجھے ویران اور غیر آباد زمین بنا دوں''۔ (باب ۶۔ آیات ۶، ۷، ۸)(5)

''خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ شمالی ملک سے ایک گروہ آتا ہے اور انتہائے زمین سے ایک بڑی قوم برانگیختہ کی جائے گی۔ وہ تیر انداز، نیزہ باز ہیں۔ وہ سنگدل اور بے رحم ہیں۔ ان کے نعروں کی صدا سمندر کی سی ہے'' (آیات ۲۲، ۲۳)(6)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرورِ وقت کے ساتھ بنی اسرائیل نے شریعت موسوی سے اپنا رشتہ بالکل منقطع کر لیا تھا۔ احکامِ الٰہی کی پابندی، اخلاق کی بلندی، معاملات میں دیانت و صداقت جس کی تعلیم حضرت کلیم نے انہیں دی تھی اور سب سے اہم عقیدۂ توحید جو حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصدِ اولین تھا۔ ان تمام امور کو انہوں نے یکسر فراموش کر دیا تھا۔ ایک توحید پرست قوم کا ایک صاحبِ کتاب رسول کی امت کا اتنی بلندی سے اتنی پستی میں گرنے کا سبب معلوم کرنے کے لیے ان

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، یرمیاہ، باب 3، آیات 9,8,7,6,2، ص 716
2۔ ایضاً، باب 4، آیات 13، ص 717
3۔ ایضاً، باب 5، آیات 9,8,7، ص 718
4۔ ایضاً، باب 5، آیات 16,15، ص 719
5۔ ایضاً، باب 6، آیات 8,7,6، ص 720
6۔ ایضاً، باب 6، آیات 23,22، ص 720

حالات کا جائزہ لینا چاہیے جن سے بنی اسرائیل خروجِ مصر کے بعد دوچار ہوئے۔ حضرت موسیٰ کی قیادت میں جب وہ بحرِ احمر کو عبور کر کے وادیٔ سینا میں پہنچے جوایک بے آب و گیاہ ریگستان تھا، تو انہیں حکمِ خداوندی ملا کہ آگے بڑھو اور فلسطین جو تمہارا آبائی وطن ہے، اس میں جو مشرک قومیں آباد ہیں ان کے ساتھ جہاد کرو، اُن کو مغلوب و مقہور کر کے فاتحانہ شان سے فلسطین میں داخل ہو۔ یہ علاقہ جو صدیوں سے گوناگوں گمراہیوں کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے، نورِ توحید سے اسے ایک بار پھر بقعۂ نور بنا دو۔ لیکن انہوں نے انتہائی بزدلی کا مظاہرہ کیا اور بڑی بے باکی سے حضرت کلیمؑ کو کہہ دیا: يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (۵:۲۴)

چالیس سال تک اس لق و دق صحرا کی خاک چھاننے کے بعد جب وہ فلسطین میں داخل ہوئے تو یہ علاقہ مختلف قوموں حطی، اموری، کنعانی، فریذی، فلستی وغیرہا نے آپس میں بانٹ رکھا تھا اور اپنی الگ الگ ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ یہ سب قومیں مشرک تھیں۔ ان کے سب سے بڑے بت کا نام ایَل تھا۔ اُس کی ایک بیوی بھی تھی جس کا نام عشیرہ تھا۔ اُن کی نسل سے خداؤں کا ایک پورا کنبہ پیدا ہوا تھا۔ اس کنبہ کا ہر فرزند زندگی کے مختلف شعبوں کا سربراہ تھا۔ سب سے زیادہ با اختیار بَعل تھا۔ خداؤں کے اس کنبہ کے افراد سے باہمی عشق بازی اور فسق و فجور کے ایسے قصّے منسوب تھے جن کو بیان کرنے سے زبانِ قلم عاجز ہے۔

ایسے مشرکانہ اور اخلاق باختہ ماحول میں جب بنی اسرائیل کا خاندان فروکش ہوا تو انہیں چاہیے تھا کہ حق کی جو شمعِ فروزاں انہیں مرحمت کی گئی تھی اس کی کرنوں سے اس ظلمت کدہ کو منوّر کرتے اور معبودانِ باطل کی بندگی کی زنجیروں کو کاٹ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کا حلقہ بگوش بناتے۔ لیکن ان کے تو اپنے قدم بھی ڈگمگانے لگے اور اپنے ماحول سے اتنے متاثر ہوئے کہ مشرک اور اخلاق باختہ اقوام کی جملہ خرابیاں بدرجۂ اتم ان میں سرایت کر گئیں۔ اگر سمندر کی جانب سے رامسیس (فرعون) ثالث کے حملوں نے کنعانیوں کو پراگندہ نہ کر دیا ہوتا تو وہ بنی اسرائیل کے منتشر قبائل کو نگل جاتے۔ آخر طالوت کی سرکردگی میں ۱۰۲۰ قبل مسیح ان کی سلطنت معرضِ وجود میں آئی۔ اس کے بعد حضرت داؤد ۱۰۰۰ تا ۹۶۱ قبل مسیح تختِ سلطنت پر متمکن ہوئے۔ اپنے تدبّر اور حسنِ انتظام سے سارے ملک میں امن و امان قائم کیا۔ اُن کے بعد ان کے فرزند حضرت سلیمان سریر آرائے حکومت ہوئے۔ آپ کا عہد ۹۶۱ تا ۹۲۲ قبل مسیح بنی اسرائیل کے لیے ایک زرّین عہد تھا۔ حضرت سلیمان کے انتقال کے بعد ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور یہ دن بدن راہِ ہدایت سے دُور ہوتے چلے گئے۔ ہر عہد کے نبی نے ان کو راہِ راست پر لانے کی انتہائی کوشش کی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ، حضرت یسعیاہ، حضرت یرمیاہ اور حزقائیل نے انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا لیکن یہ اپنی بے راہ روی سے باز نہ آئے۔ جب ان کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب بابل کے جابر اور سفاک بادشاہوں کے حملوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۵۹۸ اور ۵۹۹ قبل مسیح میں بابلیوں نے ان پر حملے کر کے ان کے ملک میں تباہی مچائی۔ ان کے بڑے بڑے شہروں کو پیوندِ خاک کر دیا۔ لیکن یہ بدبخت پھر بھی بیدار نہ ہوئے۔ اگست ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر ایک لشکر جرار کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے رکھ دیا۔ بیشمار یہودی مرد و زن، پیر و جوان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے گئے۔ ان کے شاندار محلّات کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ جو یہودی زندہ بچ گئے تھے انہیں پابہ زنجیر بابل لایا گیا اور وہاں کی رعایا میں ان کو غلاموں کی حیثیت سے اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ کبھی یہ متحد ہونے کا خواب بھی نہ

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی سلطنت

حماة
اروِیدا
تدمر
کدیش
بہلاس
صیدا
بحرِ روم
ذوبہ
صور
دمشق
عکہ
نوبہ
دور
یافا
بیتھل
عمون
اشدود
مدیبہ
عسقلان
فلستیہ
حبرون
غزہ
صحرائے عرب
موآب
بیئرشبع
دریائے مصر
ادوم
شمال
ایلہ

سلطنت اسرائیل اور یہودا

حماة
اردیدا
تدمر
بلاس
بحر روم
ارام
صیدا
دمشق
صور
عکہ
دور
سامریہ
یافا
عمون
اشدود
عسقلان
فلسطیہ
یروشلم
حَبرون
صحرائے عرب
غزہ
موآب
دولت یہودیہ
بیر شبع
ادوم
دریائے مصر
شمال

عُلُوًّا كَبِيرًا ④ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ

بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آ گیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے تمہاری سرکوبی کے لیے بھیجد یئے اپنے چند بندے

أُولِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ⑤

جو بڑے کرخت (اور) سخت تھے۔ پس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں ۸ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُم بِأَمْوٰلٍ وَّبَنِينَ وَ

پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت دی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور

جَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ⑥ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وقف

بنا دیا تمہیں کثیر التعداد ۹ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔

دیکھ سکیں۔ اس طرح پہلے فساد اور اس کی پاداش میں ان کی مکمل بربادی کی پیشگوئیاں جو اُن کے انبیاء نے کی تھیں، پوری ہوئیں (1)۔ اس آیت کریمہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۸ جَاسَ۔ جَوْسًا: طَلَبُ الشَّيْءِ بِاسْتِقْصَاءٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ اَیْ تَوَسَّطُوْهَا وَتَرَدَّدُوْا بَيْنَهَا (مفردات)(2) یعنی وہ ان کے شہروں میں گھس گئے اور وہاں خوب لُوٹ مار کی۔

۹ بخت نصر کی موت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ سیرس دوم شاہِ فارس (CYRUS II) جسے بائیبل میں خورس لکھا گیا ہے، نے لیڈیا اور بابل پر ۵۳۹ قبل مسیح حملہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ سب سے پہلے اس نے یہودا کی سلطنت کو بحال کرنے اور یروشلم کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان صادر کیا۔ بے شمار یہودی جو بابل میں جلاوطنی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں فلسطین واپس جانے کی اجازت دی (3)۔ چنانچہ کتاب عزراء میں مرقوم ہے۔

''اور شاہِ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے سال میں اس لیے کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کی زبانی آیا تھا پورا ہوا۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا۔ سو اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی۔ اور اس مضمون کا فرمان بھی لکھا کہ شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی سب مملکتیں مجھے بخشی ہیں اور مجھے تاکید کی ہے کہ میں یروشلم میں جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں۔ پس تمہارے درمیان جو کوئی اس کی ساری قوم میں سے ہو اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو یہوداہ میں ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر جو یروشلم میں ہے بنائے''۔ (باب ۱: آیت ۳۔۱)(4)

1۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج 17، ص 27-126
2۔ مفردات راغب، ص 102
3۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج 17، ص 127
4۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، عزراء، باب 1، آیت 3،2،1، ص 462

وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ

اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی (تمہارے) نفسوں کو ملے گی۔ پس جب آ گیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ان پر غالب آ گئے) تاکہ غمناک بنا دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

تمہارے چہروں کو اور تاکہ (جبراً) داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں پہلی مرتبہ تاکہ فنا و برباد کر کے رکھ دیں لے جس پر

بنی اسرائیل کے قافلے جب طویل جلاوطنی کے بعد فلسطین واپس پہنچے اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر شروع کی تو وہاں کی مقامی آبادی نے مزاحمت کی لیکن جب دارا اوّل (DARIUS I) فارس کا بادشاہ بنا تو اُس نے حجّی نبی اور زکریا نبی کے اصرار پر فرمان صادر کیا کہ منہدم شدہ ہیکل سلیمانی کے مقام پر فوراً دوسرا ہیکل تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۵۱۵ قبل مسیح میں اس ہیکل کی تعمیر کا کام ختم ہوا۔

اس کے باوجود ۴۴۵ قبل مسیح تک وہاں کے حالات بنی اسرائیل کے لیے تشویشناک ہی بنے رہے۔ یہاں تک کہ نحمیہ کی کوششوں سے ۴۴۵ قبل مسیح میں شاہِ فارس کے حکم سے ایک وفد یروشلم بھیجا گیا اور حضرت عُزیر علیہ السلام کو دینِ مُوسوی کی ترویج اور تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا۔ آپ نے یروشلم پہنچ کر اپنی مساعیٔ جمیلہ سے سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ اصلاحِ عقائد اور تربیت اخلاق کی نعمت سے ایک بار پھر بنی اسرائیل کو بہرہ اندوز کیا۔ اس طرح غم والم کے ایک طویل دور کا خاتمہ ہوا۔ اور بنی اسرائیل کو چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا صفحات ۱۲۶، ۱۲۷، جلد ۱۷) (1)

بائیبل میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ شاہِ فارس ارتخششتا نے حضرت عُزیر کو یروشلم روانہ کرتے وقت ان الفاظ سے الوداع کہی:

"اے عزرا تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی، حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر۔ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں انصاف کریں اور تم اُس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے خواہ موت یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی یا قید کی"۔ (عزرا باب ۷: آیت ۲۵، ۲۶) (2)

اِس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل پر اسی عنایتِ ربّانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لہ حضرت عُزیر علیہ السلام کی کوششوں سے اصلاح عقائد و اخلاق کی جو نئی روح ان میں پھونکی گئی تھی وہ بھی زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ آپ کے بعد بہت جلد یہ پھر دنیا پرستی، لذت کوشی اور جاہ طلبی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ ایرانی سلطنت کے زوال کے ساتھ یونانیوں کا عروج شروع ہوا۔ چنانچہ سکندرِ اعظم نے مشرقِ اوسط کے دیگر ممالک کے ساتھ فلسطین پر اپنا قبضہ جما لیا۔ یونانی عقیدہ کے لحاظ سے بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھے اور اخلاقی لحاظ سے وہ اباحیت پسند تھے۔ انہوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں اپنی مادر پدر آزاد تہذیب اور تمدن کو یہاں فروغ دینے کی انتہائی کوشش شروع کی۔ فلسطین ایک الگ ریاست تھی جس کا

1۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج 17، ص 27-126   2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، عزراء، باب 7، آیت 26-25، ص 468

فلسطین، بزمانہ دولت مکابیہ

صیدا
دمشق
فینیقیہ
صور
گلیلی
سلوشیا
بحر روم
دورا
سکم
سامریہ
سامریہ
یافا
عداسہ
دریائے اردن
فلاڈلفیا
نبطیوں کا علاقہ
یروشلم
عسقلان
یہودیہ
بحر لوط
مرسیہ
غزہ
ادومیہ
الوسہ
شمال

ہیرودا عظم کی سلطنت (بنی اسرائیل)

صیدا
فینیقیہ
کوہ لبنان
دمشق
صور
بحر روم
بحیرہ طبریہ
ہیرودا عظم
کی سلطنت
دیکاپولس
سامریہ
یافا
لد
فلاڈلفیا
یروشلم
عسقلان
بیت لحم
یہودیہ
بحر لوط
غزہ
حبرون
ادومیہ
شمال

سردار یونانیوں کا مقرر کیا ہوا کوئی یہودی ہوا کرتا۔ لیکن انتظامی لحاظ سے اس کا الحاق شام کے ساتھ کر دیا گیا تھا جہاں کا گورنر کوئی یونانی ہوتا۔ یونانی تہذیب کو مقبول بنانے کی کوششیں رنگ لائیں اور خود یہودیوں کا بااثر اور متمول طبقہ اس کا دلدادہ بن گیا۔ ۱۶۸ قبل مسیح میں حالات کو سازگار محسوس کرتے ہوئے شام کے رومی فرمانروا اینٹی اوکس چہارم (ANTIOCHUS IV) نے یونانی رسم ورواج کو جبراً مسلط کرنے کا عزم مصمم کیا اور ہیکل میں سابقہ قربان گاہ کے اوپر جہاں حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے مطابق سوختنی قربانیاں دی جاتی تھیں ایک اور قربان گاہ تیار کرائی اور اس پر زیس (ZEUS) کے لیے قربانی دی۔ (زیس یونانی دیو مالا میں کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے سردار کا نام ہے) اور شاہی فرمان جاری کیا کہ فلسطین کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں ایسی قربان گاہیں تعمیر کی جائیں جہاں مشرکانہ دستور کے مطابق یونانی دیوی دیوتاؤں کے نام کی قربانیاں دیجائیں اور جو شخص ایسا کرنے سے انکار کرے اس سے نپٹنے کے لیے ہر مقام پر بااختیار افسر مقرر کیے۔ اس ظالمانہ حکم نے ایک انقلابی تحریک کو جنم دیا۔ جو تاریخ میں مکابی تحریک (MACCA BEES) کے نام سے مشہور ہوئی۔ موڈین (MODIN) کے قصبہ میں جو یروشلم سے زیادہ دور نہیں۔ جب ایک بوڑھے یہودی مذہبی راہنما (MATTA THIAS) کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کے ایک دیوتا کے لیے قربانی دے تو اسے یارائے صبر نہ رہا۔ اس نے صرف اس بیہودہ حکم کو بجالانے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اس مرتد یہودی کو بھی تہ تیغ کر دیا جو ایسی قربانی دینے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ اور گرولیر انسائیکلو پیڈیا (GROLLIER ENCY) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس نے شامی کمشنر کو بھی قتل کر دیا۔ اور اپنے پانچ لڑکوں جون، سمن، یہوداہ، الیعر، اور جونتھان سمیت وہاں سے نکل کر ایک پہاڑ میں خیمہ زن ہو گیا۔ یہودیوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ اور ان کی کوششوں سے ایک آزاد یہودی مملکت معرضِ وجود میں آئی۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۴ صفحہ ۵۴۹) (1)

لیکن مکابی کی یہ انقلابی تحریک بھی رفتہ رفتہ سرد پڑ گئی۔ ذاتی اقتدار کے لیے قومی مفاد کو نظر انداز کرنا ان کے لیے ایک معمولی کام بن گیا۔ چنانچہ انہی کے ایک شخص انٹی پیٹر (I.ANTIPATER) کی تحریک پر رومی بادشاہ پومپی (POMPEY) کے نمائندہ سکارس (M.A.SCAURUS) نے یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کو پھر اپنا غلام بنا لیا۔ اس قومی غداری کے صلہ میں انٹی پیٹر کو رومی دربار میں بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ لیکن قوم نے اس کی غداری کو معاف نہ کیا اور کسی پادری نے زہر دے کر اُسے ہلاک کر دیا۔ اس کا لڑکا ہیروڈ (HEROD) جان بچا کر روم چلا گیا۔ اینٹونی (ANTONY) شاہ روم نے ۴۰ قبل مسیح میں اس کو یہوداہ کی سلطنت کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہیروڈ اینٹی پاس (HEROD ANTI PAS) فرمانروا بنا۔ اس کا عہد حکومت ۴ قبل مسیح تا ۳۹ عیسوی ہے۔ اسی کے زمانہ حکومت میں حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور اپنے وعظ وارشاد کا آغاز فرمایا (2)۔ آپ کے خطبوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل ایک بار پھر اخلاقی انحطاط کی انتہائی پستیوں میں گر گئے تھے۔ کتاب متی باب ۲۳ میں آپ کو ملے گا کہ آپ نے بنی اسرائیل کے مذہبی سرداروں کو بار باران تحقیر آمیز الفاظ سے زجر و توبیخ فرمائی۔ اے ریاکار فقیہو! اور فریسیو! تم پر افسوس، اے اندھے راہ بتانے والو! اے احمقو اور اندھو! اے سانپو! اے افعی کے بچو! (3) اس بگڑے ہوئے ماحول میں حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوتِ حق کو کیسے

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 14، ص 549   2۔ ایضاً   3۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، متی، باب 23، آیت 15 تا 17، 33، ص 27

برداشت کیا جاسکتا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کے خلاف رومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا اوران پر کفروالحاد کا الزام لگا کر اسے مجبور کیا کہ وہ انہیں سُولی چڑھائے ورنہ وہ عَلَم بغاوت بلند کردیں گے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوضیاء القرآن جلداوّل، سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۷ کا حاشیہ)

اس بادشاہ کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ پڑھیے:

ایک دفعہ جب یہ روم گیا ہوا تھا تو اس کی ملاقات اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرودیاس (HERODIAS) سے ہوئی۔ وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور اسے اپنے گھر ڈال لیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اس کو اس فعل قبیح سے باز آنے کی تلقین کی۔ لیکن شاہی غرور نخوت نے اجازت نہ دی کہ وہ اس نبی برحق کی نصیحت کو قبول کرتا۔ وہ اُلٹا آتشِ زیرپا ہو گیا۔ اور اپنی داشتہ کے اُکسانے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مجمعِ عام میں قلم کردیا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا صفحہ ۵۱۱: جلد ۱۱) (1)

اس کے بعد ہیروڈ اگرپا دوم (HEROD AGRIPPA II) جو اس کا لڑکا تھا۔ تخت نشین ہوا۔ اس کا حال یہ تھا کہ اپنی بہن (BERENICE) کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ یاد رہے کہ یہ خاندان صرف سیاسی حکمران ہی نہ تھا بلکہ یہودیوں کا روحانی سردار بھی تھا۔ اور بڑے بڑے مذہبی پیشوا مقرر کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ص ۵۱۲، جلد ۱۱) (2)

جس قوم کے فرمانرواؤں اور روحانی پیشواؤں کی اخلاقی زبوں حالی کا یہ حال ہو اس کے عوام کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں انہی حالات میں حضرت مسیحؑ نے ان کو واشگاف الفاظ میں ان کے ہولناک انجام سے آگاہ فرمایا:

''اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کرلوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے''۔ (متی باب ۲۳۔ آیت ۳۷، ۳۸) (3)

اگرپا دوم ۴۴ء میں مرا اور اس کے بعد فلسطین کا علاقہ براہِ راست رومیوں کے قبضہ میں آگیا جس سے بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی اور یہودیوں نے رومی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ ابتداء میں انہیں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ شام کا رومی گورنر بھی ان سے شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ آخر ۶۷ء میں ولی عہد حکومت ٹیٹس (TITUS) کی قیادت میں ۶۰ ہزار کا رومی لشکر فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ اسی سال گلیلی فتح ہوا۔ اور ۷۰ء میں اس نے یروشلم پر قبضہ کیا اور ہیکل کے معبد کو تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۰ لاکھ سے زیادہ یہودی مارے گئے اور ایک لاکھ کو غلاموں اور لونڈیوں کی حیثیت سے فروخت کردیا گیا۔ اس فتح عظیم کی یادگار کے طور پر روم میں قوس ٹیٹس تعمیر کی گئی۔ (گرولیر انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۹۔ صفحہ ۱۵۶) (4)

یہ ان کی دوسری فساد انگیزی اور ان کی سزا تھی۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کی بربادی کا وہ طویل دور شروع ہوا جو ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

1۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج 11، ص 511 — 2۔ ایضاً، ص 512

3۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، باب 23، آیت 38-37، ص 28 — 4۔ گرولیر انسائیکلوپیڈیا، ج 19، ص 156، مطبوعہ نیویارک

فلسطین ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں

صیدا
دمشق
صور
فینیقیہ
قیساریہ فلپ
گلیلی
کفرناحوم
بحر روم
طبریہ
جدارہ
دیکاپولس
قیساریہ
سلیم
دریائے اردن
سامریہ
جراسہ
پیریا
یافا
لد
افرائیم
یروشلم
یمنیہ
بیت لحم
عمواص
عسقلان
یہودیہ
بحر لوط
نبطیوں کا علاقہ
غزہ
حبرون
جاردا
رافیہ
ادومیہ
شمال

تَتۡبِیۡرًا ﴿۷﴾ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَ جَعَلۡنَا

قابو پائیں فریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا[11] اور اگر تم فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹینگے۔

جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا ﴿۸﴾ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَهۡدِیۡ لِلَّتِیۡ

اور ہم نے بنا دیا جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ[12] بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے

۱۱ ہادئ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بنی اسرائیل کو ان کی فساد انگیزیوں کی وجہ سے جن دو ہولناک تباہیوں سے دوچار کیا گیا تھا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو بالکل بے جان کر دیا تھا۔ ان کی جمعیت منتشر ہو چکی تھی۔ ان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ وہ مایوسی کے گھپ اندھیروں میں خانماں برباد افراد کی طرح اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ان کے مطلع حیات پر امید کی ایک روشن کرن ظاہر ہوئی۔ اور زبانِ قدرت نے انہیں صلائے عام دی، کہ اے اجڑے ہوئے اسرائیلی قبیلو! اے نظر رحمت سے گرے ہوئے لوگو! جاگو! وہ دیکھو رحمتِ الٰہی کا نقیب تشریف لا رہا ہے۔ اس کے بھیجنے والے نے اسے دنیا بھر کی برباد شدہ قوموں کو آباد کرنے کے لیے، زخمی دلوں پر مرہم لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ رحمت عامہ کی خلعت زیبا پہن کر آ رہا ہے۔ اٹھو! آگے بڑھو! اور اس کا دامنِ کرم تھام لو! تمہیں رحمتِ الٰہی کا مستحق قرار دے دیا جائے گا۔

۱۲ لیکن اگر تم نے میرے محبوب رسول کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو تم نے سابقہ انبیاء کے ساتھ روا رکھا تھا تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی شمشیرِ غضب کند نہیں ہوئی۔ پھر تمہاری سرکوبی کر دی جائے گی اور تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا پہلے کی طرح بھگتنا ہو گی۔

آفتابِ اسلام کے طلوع سے لے کر آج تک کی یہودی قوم کی تاریخ کا طالب علم خوب جانتا ہے کہ یہ ساری مدت ان کی فساد انگیزیوں اور ان پر مرتب ہونے والی رُوح فرسا سزاؤں سے عبارت ہے۔ یہ ساری دنیا میں منتشر ہو کر ایک بے اثر اقلیت کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ جہاں بھی ان کے سبز قدم پہنچے ادبار و زوال ان کے ہم رکاب رہا۔ جب بھی عیسائیوں نے ان پر غلبہ پایا تو ان کو سخت اذیتیں دیں۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے سارے یورپ میں یہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ شرقِ اوسط کی مسلمان ریاستوں نے جب اپنے مرکز (خلافتِ عثمانیہ) سے غداری کی اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد انگریزی استعمار نے ان کے حصے بخرے کر کے انہیں کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم کر دیا تو فلسطین میں انگریزی تسلط انتداب کی شکل میں قائم ہو گیا۔ جب انگریزی جرنیل ایلن بی (ALLEN BE) یروشلم میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوا تو اس نے کہا کہ آج صلیبی جنگ ختم ہوئی ہے۔ اس کے بعد فلسطین کو یہودی وطن بنانے کی تحریک شروع ہوئی دوسری جنگ عظیم کے بعد اس تحریک کو برطانیہ اور امریکہ کی پرزور تائید حاصل ہو گئی۔ اور انہیں کی سنگینوں کے سایہ میں عالم اسلامی کے عین وسط میں ایک اسرائیلی ریاست قائم ہوئی۔ اس طرح فرنگی سیاست نے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر مسلمانوں کے سینہ میں ترازو کر دیا جو نہ معلوم کب تک سوہانِ روح بنا رہے گا۔

هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

سیدھی راہ ہے[۱۴] اور مژدہ سناتا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ

بیشک اسرائیل کا قیام مغربی استعمار کا کرشمہ ہے اور اسلام اور مسلمانوں کیخلاف ان کی گہری سازش کا نتیجہ ہے لیکن اپنی عرب مملکتوں کو بھی نظرانداز کردینا حقیقت شناسی نہیں۔ جو وقت یہودیوں اور ان کے حواریوں نے اسرائیل کی نوزائیدہ مملکت کو مستحکم کرنے میں صرف کیا اس وقت ہمارے حکمران باہمی رقابتوں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سازشوں میں اس طرح منہمک رہے کہ وہ اس مشترکہ خطرہ کے سدباب کے لیے زبانی جمع وخرچ کے سوا کچھ نہ کرپائے۔ ان کی تیز اور تلخ دھمکیاں دشمن کو ہوشیار اور چوکنا کرتی رہیں۔ اور انہیں اپنی صفوں میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس تک نہ ہوا۔ شاید انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ کھلی دھمکیوں اور بلند بانگ بیہودہ دعووں سے وہ دشمن کو مرعوب کرلیں گے۔

اسرائیل کے کارپرداز اپنی فوج اور رعایا میں مذہبی جوش وجنوں پیدا کرتے رہے اور ہماری عرب سلطنتیں اسلام سے دور ہٹتی چلی گئیں۔ انہیں اسلام سے زیادہ اب اپنی قومیت عزیز ہوگئی۔ انہیں صدیق وفاروق کے جانشین ہونے پر اب ناز نہ تھا بلکہ اب وہ اس پر فخر کرنے لگے تھے کہ ان کی رگوں میں فرعونوں کا خون ہے۔ قدرت کے قانون اٹل ہیں ان سے مسلمان مستثنیٰ نہیں۔ جو قوم ایسے بدترین انتشار کا شکار ہو، جسے دوست اور دشمن کی پہچان نہ ہو، جسکے امراء عیش کوش ہوں اور جس کے سپاہی جذبۂ جہاد سے محروم ہوں ان کو شکست نہ ہوگی تو کیا فتح ہوگی؟ وہ ہولناک جنگ جو پانچ جون ۱۹۶۷ء عرب واسرائیل کے درمیان ہوئی جس میں عرب تین دن تک بھی اسرائیل کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اس وقت حالات یہ تھے کہ عرب حکمران ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا کرنے میں اپنا زور صرف کررہے تھے۔ عربوں کی موجودہ ہزیمت قطعاً قابل حیرت نہیں۔ اس کے ایسے روشن اسباب ہیں جن کو مکتب سیاست کا ایک مبتدی بھی خوب جانتا ہے۔

لیکن عرب کی اس شکست کی طرح اسرائیل کی یہ فتحیابی بھی عارضی ہے۔ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا کا فرمان آج بھی ضرور پورا ہوگا، جس طرح آج تک پورا ہوتا رہا ہے۔ اور اس کے لیے صرف ایک چیز کا ہی انتظار ہے کہ ہمارے عرب بھائی اپنے سرچشمۂ حیات اسلام کی طرف رجوع کریں۔ یہیں سے انہیں مستحکم اتحاد کی دولت ملے گی۔ یہیں سے انہیں جوش جہاد نصیب ہوگا۔ یہیں سے انہیں وہ قوت مرحمت ہوگی جو انہیں فتح ونصرت کی بلندیوں کی طرف لے جائے گی۔ قوموں کی زندگیوں میں دس بیس سال کا عرصہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اسرائیل کی عارضی کامیابی کو دیکھ کر کسی کو شک وشبہ کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ پورا ہوکر رہے گا۔

[۱۴] بنی اسرائیل کے عبرت آموز احوال بیان کرنے کے بعد اب غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو بتایا جارہا ہے کہ یہ کتاب ہدایت جو ہم نے تم کو ارزانی فرمائی ہے یہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انہی اصول وقوانین کی تعلیم دیتی ہے جو ہر لحاظ سے دیگر قواعد وضوابط سے بہتر، زیادہ مفید اور نفع بخش ہیں۔ اس لیے بے جھجک اپنی انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور معاشی، تمدنی اور اخلاقی راہنمائی کے لیے اس سے روشنی حاصل کرو۔ کسی کی وسوسہ اندازی سے تمہارا یقین مضمحل نہ ہو لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ اَیِ

لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ﴿٩﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا

ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے تیار کر دیا

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ

ہے ان کے لیے دردناک عذاب۔ اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لیے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لیے ۱۴

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے۔ اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں ۱۵

الطَّرِیْقَةِ الَّتِیْ هِیَ اَسَدُّ وَ اَعْدَلُ وَ اَصْوَبُ (قرطبی) (1)

اور جو لوگ قرآن کی اس دعوت کو صدق دل سے قبول کرتے ہیں اور اس پر راستبازی سے عمل کرتے ہیں تو قرآن ان کو یہ مژدہ سناتا ہے کہ تمہارا کوئی عمل رائیگاں نہیں جائے گا۔ تمہاری کوئی محنت بے ثمر نہیں ہوگی بلکہ تم کو اس جدوجہد کا عظیم صلہ دیا جائیگا جس کی لذتوں سے تم دونوں جہانوں میں شادکام ہوگے۔

۱۴ انسان اپنے حقیقی نفع اور نقصان کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ وقتی خواہش کی تکمیل کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی کم نگاہی سے یہ سمجھتا ہے کہ اگر یوں ہو جائے تو میں زندگی کی ساری سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹ لونگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں ذلیل و خوار ہو جاؤنگا۔ اسی عجلت پسندی کے باعث اس سے ایسی ایسی ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اس کی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ اِس آیت میں انسان کو اس کی اس کمزوری پر آگاہ کر کے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو وقتی خواہشات کی تکمیل کی شکارگاہ نہ بنالے۔ ہوسکتا ہے کہ جس چیز کے حصول کو تم اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھ رہے ہو، وہی تمہاری تباہی اور نامرادی کا پیش خیمہ ثابت ہو اس لیے اپنی عقل و ذکاء پر کم بھروسہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کتاب کی روشنی میں جادۂ حیات پر گامزن رہو تاکہ حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوسکو۔

۱۵ رات کی تاریکی اور خاموشی میں، دن کے اُجالے اور ہنگاموں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی جو روشن نشانیاں ہیں کون ذی فہم ایسا ہے جس نے ان کی زبان سے ربّ السمٰوات والارض کی حمد و ثنا نہ سنی ہو۔ نیلگوں آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ میں ماہ تاباں کی سواری جب گزرتی ہے تو اس کی روپہلی اور خنک کرنیں کس کی رحمت بے پایاں کی قصیدہ خوانی کرتی ہیں۔ آفتاب عالمتاب جب طلوع ہوتا ہے تو اس کی جبیں پر کس کی عظمت و کبریائی کا نشان ثبت ہوتا ہے۔ دِن رات کے تسلسل میں جو فوائد ہیں ان کو کون نہیں جانتا اور ان سے کون مستفیض نہیں ہوتا۔ اُن اَن گنت فوائد میں سے بعض کا ذکر اس آیت میں کر دیا گیا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 225

فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا

اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو ۱۶ اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ

اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب کو اور ہر چیز کو ہم نے

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ

بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے ۱۷ اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے ۱۸

۱۶ محو کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کے اثر کو زائل کرنا۔ یہاں اس سے مراد مدھم کر دینا، دھندلا دینا اور اس داغ کو جو چاند میں نظر آتا ہے اس کو بھی اہل عرب مَحو کہتے ہیں۔ اَلْمَحْوُ: اَلسَّوَادُ فِی الْقَمَرِ كَاَنَّهٗ اَثَرُ مَحْوٍ (1)۔ چاند کے لیے محو کے لفظ کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ چاند کی روشنی آہستہ آہستہ گھٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں وہ بالکل بے نور ہو جاتا ہے یا یہاں محو کا لفظ دھندلا اور دھیما کر دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی چاند اگرچہ روشن ہے لیکن اس کی روشنی دھندلی اور مدھم ہے اور اس سے ہر چیز دھندلائی ہوئی نظر آتی ہے اس کے برعکس سورج کی روشنی بڑی تیز ہے ہر چیز اپنے اصلی رنگ وروپ میں دکھائی دینے لگتی ہے کوئی التباس باقی نہیں رہتا ہے۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات سے مراد گمراہی کی تاریکی ہے اور دن سے مراد حق کا اجالا ہے۔ اس آیت میں گویا اس امر کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ کفر وشرک کی شب دیجور ختم ہونے والی ہے اور حق کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے جس کی شوخ کرنیں باطل کے اندھیروں کو ختم کر کے رکھ دیں گی اور ہر طرف اُجالا ہی اجالا ہو گا۔

۱۷ یعنی ہر وہ چیز جس کی طرف تم دین ودنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لیے محتاج ہو اس کو نہایت شرح وبسط سے اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اَیْ تَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهِ فِیْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا (مظہری) (2)

ہر شخص اس تفصیل سے یکساں طور مستفیض نہیں ہوتا۔ بلکہ جتنی کسی کو استعداد بخشی جائے گی۔ اسی کے مطابق وہ بہرہ مند ہو گا۔ اگر کسی کم نظر کو وہ حقائق نظر نہیں آتے جو اہلِ بصیرت کو بے حجاب دکھائی دیتے ہیں تو اسے اپنی کم نظری کا شکوہ کرنے کا تو حق پہنچتا ہے لیکن اسے ان حقائق سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں جو نفوس قدسیہ کے سامنے بے نقاب ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بجا فرمایا ہے۔ جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

''سارے علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کی عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں''۔

۱۸ اہلِ عرب دیگر مشرک قوموں کی طرح فالوں اور شگونوں کے بڑے معتقد تھے۔ وہ خارجی عوامل کو اپنی کامیابی اور ناکامی میں بڑا مؤثر تسلیم کرتے تھے۔ کسی کام کو نکلے، راستہ میں بلی وغیرہ کوئی جانور سامنے سے گزرا تو یقین کر لیا کہ یہ کام نہیں ہو گا اور راستہ ہی سے

1۔ المنجد، ص 750 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 419

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ

اور ہم نکالیں گے اسکے لیے روز قیامت ایک کتاب[19] جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائیگا (اسے حکم ملیگا) پڑھو اپنا دفتر عمل۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پُرس کرنے کے لیے[20] جو راہِ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ راہ ہدایت

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۗ وَلَا تَزِرُ

پر چلتا ہے اپنے فائدے کے لیے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں اٹھائیگا کوئی

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾

بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ[21] اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو[22]

واپس لوٹ آئے۔ صبح سویرے کسی پرندے کی آواز کانوں میں پڑگئی تو سارا دن طرح طرح کے اندیشوں کی نذر ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کی فلاح وخسران کا انحصار طوطے، کوّے اور بلی چوہے پر نہیں بلکہ اس کے اعمال پر ہے جن کو وہ اپنے اختیار سے بجالاتا ہے وہی اسے سرفراز کرتے ہیں اور وہی اس کی ذِلّت کا سبب بنتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کے نتائج سے رُستگاری حاصل نہیں کرسکتا، وہ مکافاتِ عمل کے قانون کو نہیں بدل سکتا۔ اس کا اور اس کے اعمال کا رشتہ اتنا گہرا اور مضبوط ہے جیسے کوئی چیز گلے میں لٹک رہی ہو اور وہ اس سے جُدا نہ ہوسکتی ہو۔ طائر کے لفظ کی تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ اعراف آیت ۱۳۱ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۱۹ آج تو وہ اپنی چرب زبانی سے اپنے اعمال کی گندگی پر پردہ ڈال سکتا ہے لیکن کل روزِ حشر اس کے اعمال کا صحیفہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس لیے اگر تم نامرادی کی ذِلّت گوارا کرنے کے لیے آمادہ نہیں تو آج ندامت کے آنسو بہا کر ان کی سیاہی کو دھوڈالو۔

۲۰ اس کے اعمال کا صحیفہ خود ہی اس پر حقیقتِ حال کو آشکارا کردے گا اپنے متعلق کسی سے پوچھنے اور کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۲۱ اس آیت میں دو گروہوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کردیا ہے ایک گروہ تو وہ تھا جس کی ترجمانی ولید بن مغیرہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اس نے اہل مکہ کو کہا: اِتَّبِعُوْنِیْ وَاکْفُرُوْا بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَعَلَیَّ اَوْزَارُکُمْ (1): تم میری پیروی کرو اور محمد کا انکار کرو۔ تمہارے سارے بوجھ میں اپنے سر پر اٹھالوں گا۔ دوسرا گروہ عیسائیوں کا ہے جو عقیدۂ کفارہ کے قائل ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ ان کے گناہوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے اپنے فرزند (نعوذ باللہ!) مسیح کو سُولی دے دیا اب ان سے ان کے گناہوں کے بارے میں کوئی باز پُرس نہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 230

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کریں کسی بستی کو (اسکے گناہوں کے باعث) تو (پہلے ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم

فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ

دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں ۲۲ ۲۳ پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان، پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ

ہوگی۔ آپ خود غور فرمائیے کہ اگر ان دونوں نظریوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو انسان کس قعرِ مذلّت میں جا گرتا ہے۔ پہلی صورت میں تو انسان اندھی تقلید کا خوگر ہو کر عقل وفہم اور غور وفکر کی خداداد صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اس کے دل سے احساسِ ذمہ داری مِٹ جاتا ہے اور اپنی نجات کو ہر حال میں یقینی تصوّر کرتے ہوئے وہ بڑے اطمینان سے ہر قسم کی غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا ضمیر بھی اسے ملامت نہیں کرتا بلاشبہ ایسا انسان اپنے بنی نوع کے لیے ایک خونخوار بھیڑیے سے بھی زیادہ اذیت رساں بن جاتا ہے۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے وہ انسان کی تربیت میں اس قسم کی کسی لوچ کو برداشت نہیں کرتا۔ چنانچہ اس آیت نے صاف صاف بتا دیا کہ جس نے راہِ ہدایت اختیار کی۔ اس نے اپنی بہتری کا سامان مہیا کیا اور جس نے گمراہی کو پسند کیا اس کی سزا اسے ضرور بھگتنی پڑے گی۔ اس لیے حق و باطل کو پہچاننے کے لیے اپنی عقل وفہم کو استعمال کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اندھی تقلید کے باعث کسی کی پیروی کرتے رہو۔ بہرحال نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اور یہ بھی نہیں ہو گا کہ جہان بھر کے گناہ تم کرتے پھرو اور سارا بوجھ لاد دیا جائے ایک تنہا مسیح پر۔ عیسائیوں کے عقیدۂ کفّارہ کے متعلق کسی موزوں مقام پر شرح وبسط سے لکھا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری سنت یہ ہے کہ ہم لوگوں میں اپنے رسول بھیجتے ہیں جو ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور نجات کی راہ دکھاتے ہیں اور اپنی صداقت کو اٹل دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ گمراہی پر ڈٹے رہیں تو اُن پر عذاب نازل کیا جاتا ہے وَمَنْ لَّمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ فَهُوَ غَيْرُ مُسْتَحِقٍّ لِّلْعَذَابِ مِنْ جِهَةِ الْعَقْلِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (قرطبی) (1)

۲۳۔ اس آیت میں ''اَمَرْنَا'' کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں اَمَرْنَا بمعنی اَمَّرْنَا ہے یعنی ہم اس علاقہ کی حکومت سرکش اہلِ ثروت کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ دولت واقتدار کے باعث فسق وفجور کا بازار گرم کرتے ہیں۔ اَیْ سَلَّطْنَا اَشْرَارَهَا فَعَصَوْا فِیْهَا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ اَهْلَكْنَاهُمْ۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اَمَرْنَا کا معنی اَكْثَرْنَا یعنی ہم ایسے لوگوں کی تعداد بڑھا دیتے ہیں جو اپنی ثروت اور دولت کے نشہ میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں (2)۔ لیکن علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ امرنا کے بعد یہ عبارت مقدر ماننی پڑے گی۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا بِالطَّاعَةِ عَلٰی لِسَانِ الرَّسُوْلِ (3) یعنی ہم ان کو ان کے رسول کے ذریعہ اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن وہ نافرمانی کرتے ہیں اور ان کا پھر وہی انجام ہوتا ہے جو ہر نافرمان کے مقدر میں ازل سے لکھا جا چکا ہے۔ صاحب رُوح المعانی نے بھی حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے یہی مفہوم روایت کیا ہے:۔ اَمَرْنَا بِالطَّاعَةِ کَمَا اَخْرَجَهُ ابْنُ جَرِیْرٍ وَغَیْرُهٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَلٰی لِسَانِ الرَّسُوْلِ الْمَبْعُوْثِ اِلٰی اَهْلِهَا (روح المعانی) (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 232 2۔ ایضاً، ص 33-232 3۔ تفسیر بیضاوی، ص 372 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 43

الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا

دیتے ہیں اور کتنی قومیں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد ۲۴ اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے (اور انھیں)

بَصِیْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ

خوب دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے ۲۵ ہم جلدی دیدیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (انہیں سے) جسے چاہتے ہیں ۲۶ لیے

لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا

اس آیت سے سابقہ آیت کے مضمون کی تصدیق فرمائی جارہی ہے کہ جب کوئی بستی گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بن جاتی ہے تو اسی وقت اس کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجادی جاتی بلکہ پہلے انہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے لیے ان کے پاس رسول بھیجے جاتے ہیں جو انہیں احکام الٰہی پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے با اقتدار طبقہ کو سمجھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی اصلاح سے سارا گاؤں اصلاح یافتہ ہو جائے۔ لیکن وہ اس پند و نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی کج فہمی کے باعث اسے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت عذاب کی بجلی کوندتی ہے۔ اور ان کے خرمنِ حیات کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ تَدْمِیْر کسی کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ دَمَّرْنَا اَیْ اِسْتَاصَلْنَاهَا بِالْهَلَاكِ۔ (قرطبی)(1)

۲۴ اگر تم ہمارے اس قانون کا عملی ثبوت طلب کرتے ہو تو ان قوموں کے حالات پر نگاہِ عبرت ڈالو جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آئیں۔ انہیں کس طرح اُن کے بُرے اعمال کی پاداش میں ہلاک و برباد کر دیا گیا۔

۲۵ اَلْعَاجِلَةَ صفت ہے اس کا موصوف اَلدَّار محذوف ہے(2)۔ اور لغتِ عرب میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے کہ موصوف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور صفت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس سے مراد دارِ دنیا ہے۔ یعنی جس کے دل میں اخروی زندگی سنوارنے کا کبھی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ساری تگ و دو اسی زندگی کو باعزت اور آرام دہ بنانے پر مرکوز رہتی ہے۔ اسے ہم اسی دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق اس کی جدوجہد کا معاوضہ دیدیں گے۔ لیکن قیامت کے دن اس کی محرومیاں دیدنی ہوں گی۔ مَذْمُوْم جس کی مذمت کی جائے اور مَدْحُوْر جسے ٹھکرا دیا جائے اور بارگاہِ خداوندی سے دھکے دے کر نکال دیا جائے۔

۲۶ آیت کی ترکیب سے اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوگا لِمَنْ نُّرِیْدُ بدل بعض ہے۔ اس کا مبدل منہ لَهٗ ہے جس کا مرجع "مَنْ" ہے جو ابتداء آیت میں ہے۔ مَنْ اور لَهٗ صورۃً اگرچہ واحد ہیں لیکن معنیً جمع ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وَتَقْدِیْرُهٗ لِمَنْ نُّرِیْدُ تَعْجِیْلَهٗ لَهٗ مِنْهُمْ وَالضَّمِیْرُ رَاجِعٌ اِلٰى مَنْ وَهِیَ مَوْصُوْلَةٌ اَوْ شَرْطِیَّةٌ وَعَلَى التَّقْدِیْرَیْنِ هِیَ مُنْبِئَةٌ عَنِ الْكَثْرَةِ فَهُوَ بَدَلُ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10 ص 234 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10 ص 235۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15 ص 46

مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَ ہُوَ

داور ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلبگار ہوتا ہے آخرت کا اور جد و جہد کرتا ہے اس کے لیے پوری طرح درآنحالیکہ وہ

مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿۱۹﴾ کُلًّا نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ

مومن بھی ہو ٢٧ پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی ٢٨ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی

بَعۡضٍ مِّنۡ کُلٍّ(1)۔ علامہ ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ذٰلِکَ (لِمَنۡ نُّرِیۡدُ) بَدَلُ مَنۡ لَہٗ بَدَلَ الۡبَعۡضِ قُیِّدَ بِہٖ لِاَنَّہٗ لَا یَجِدُ کُلُّ مُتَمَنٍّ مُتَمَنَّاہُ (مظہری) (2) میں نے اسی ترکیب کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

٢٧ طالب دُنیا کا انجام بیان کرنے کے بعد اب طالب مولیٰ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی اس کی کوئی نیکی فراموش نہیں کی جائے گی بلکہ راہِ حق میں جو قدم بھی اس نے اٹھایا ہوگا۔ جو عمل بھی اس نے کیا ہوگا اسے ضرور شرفِ قبول بخشا جائے گا۔ طالبِ مولیٰ کی پہچان کیا ہے؟ اس کے لیے تین علامتوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ یعنی ہر عمل سے اس کا مقصد آخرت کی سرخروئی ہو۔ کوئی دنیوی مقصد اس کے اعمال کا محرّک نہ ہو۔ (۲) وَسَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا: اور اس کے لیے وہ پوری طرح اپنی امکانی کوشش بروئے کار لا رہا ہو۔ قربانی کا وقت آئے تو بصد مسرت دل و جان پیش کردے۔ اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سے زیادہ عزیز جانے۔ مصائب و آلام کے طوفان اُمڈ آئیں تو چٹان بن کر کھڑا ہو جائے۔ غرضیکہ اپنی جسمانی و ذہنی قوتوں اور دیگر وسائل کو حق کی سربلندی کے لیے وقف کردے اور چاہیے بھی ایسا۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ دنیا کے طلبگار تو اپنی لیلائے مقصود کے لیے دوڑ دھوپ کی انتہا کردیں اور طالب مولیٰ صرف باتیں بنانے اور آرزوئیں کرنے پر ہی اکتفا کرے۔ اِس لیے راہِ حق میں قدم رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا کے کلماتِ طیبات کو ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھیں اور جب بھی ان کا راہوارِ شوق سست گام ہونے لگے تو سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا کا مہمیز لگا کر اسے ہوشیار کریں۔ (۳) طالبِ مولیٰ کی تیسری علامت یہ ہے کہ دل نورِ ایمان سے چمک رہا ہو۔ کفر و شرک اور نفاق کا کوئی اندھیرا موجود نہ ہو۔ کیونکہ اعمال کی قبولیت کا انحصار صرف ایمان پر ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو عمر بھر کی ساری ریاضتیں بے سُود ہیں۔

٢٨ طالب دنیا کی مساعی کا معاوضہ دینے کے لیے وعدہ اس طرح فرمایا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ہم جتنی مقدار چاہیں گے اور جسے چاہیں گے اسے دینگے۔ لیکن طالبِ مولیٰ کو یوں سرفرازی بخشی "فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا" ان کی ساری کاوشیں قبول فرمائی جائیں گی۔ کوئی عمل اکارت نہ جائیگا۔ نیاز و اخلاص جتنا زیادہ ہوگا جزا میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ایک کے بدلے دس، ایک کے بدلے ہزار اور ایک کے بدلے بے حساب کا وعدہ بھی فرمایا گیا (3) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَنِّہٖ وَاِحۡسَانِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَحَبِیۡبِہِ الَّذِیۡ بِجَاہِہٖ تُغۡفَرُ الذُّنُوۡبُ وَتُقۡبَلُ الطَّاعَاتُ وَیُنَالُ الرِّضۡوَانُ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 46 | 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 429 | 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 236

وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰

(جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے ۲۹ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ۳۰

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ

دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر ۳۱ اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی

دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

اور باعتبار فضل وکرم سب سے اعلیٰ ہے نہ ٹھیراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ۳۲ ورنہ تم بیٹھے رہو گے

۲۹ یعنی دنیوی نعمتوں کا دروازہ مومن اور کافر، مطیع اور عاصی۔ سعید اور شقی سب کے لیے کھلا ہے۔ روزی سب کو دی جاتی ہے۔ زندگی اور اس میں نشوونما کی سہولتیں سب کے لیے عام ہیں۔ جو چاہے آگے بڑھے اور اپنا حصہ لے لے۔ کلًّا میں تنوین عوض کی ہے۔ اصل میں تھا کُلَّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض کُلّ پر تنوین آ گئی۔ (1)

۳۰ اے محبوب تیرے رب کی بخششیں عام ہیں۔ ان کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔ دیدۂ دل اگر بینا ہو تو اِس آیت کے آئینہ میں جمالِ مصطفوی ﷺ کا کوئی نظارہ کرے۔ ''دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے''۔ معلوم ہوا کہ ربوبیت کا جو خصوصی تعلق اس یتیم مکہ کے ساتھ ہے وہ اور کسی کو بھی حاصل نہیں۔

۳۱ اِس دنیا میں فرقِ مراتب کو اگر نگاہِ عبرت سے دیکھا جائے تو کتنے عقدے ہیں جو کھل جاتے ہیں اور کتنی غلط فہمیاں ہیں جو دُور ہو جاتی ہیں۔ لیکن حقیقی قدر و منزلت کا پتہ تو قیامت کے دن چلے گا کہ بارگاہِ الٰہی میں کس کو پذیرائی نصیب ہوئی؟ اور صاحب لواء الحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم حمد کے نیچے کسے پناہ ملی؟ اس لیے اس فانی دنیا کے حسن پر ہی دل نثار نہ کرو بلکہ حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لیے مصروفِ عمل رہو۔

۳۲ یہاں مخاطب عام انسان ہے یا خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اور مراد حضور کی اُمّت دعوت ہے (2)۔ یعنی دنیا و عقبیٰ کی سرخروئی اور رستگاری کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین ضروری ہے۔ اگر کسی اور کو اس کی ذات کی طرح قدیم اور واجب مان لیا، اگر کسی کے متعلق یہ تسلیم کیا کہ اس کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ (علم، قدرت) وغیرہ کی طرح ذاتی اور قدیم ہیں تو وہ جان لے کہ اس نے اپنی بربادی کا سامان فراہم کر لیا۔ کیونکہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو بد نصیب اس کی نگاہِ رحمت سے محروم ہو جائے، اس کی پھر کون دستگیری کر سکتا ہے۔ اسی لیے آیت میں صراحتاً ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ، ورنہ تم ذلیل و رُسوا ہو جاؤ گے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 48 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 236

مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ

اس حال میں کہ تمھاری مذمت کی جائے گی اور بے یار ومددگار ہوجاؤ گے اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور

بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ

ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۳۳؎ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا

۳۳؎ یہ چند آیات بڑی اہم اور توجہ طلب ہیں۔ ان میں اسلامی تمدن کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں جن کے طفیل اسلامی معاشرہ کو اقوامِ عالم میں ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا ہے۔ ان آیات میں بڑے دلکش انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کا تعلق اپنے کریم ورحیم پروردگار سے کیسا ہونا چاہیے۔ اور اپنے ماں باپ، قریبی رشتہ دار اور معاشرہ کے دوسرے افراد کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ آج بھی جب مادی تہذیب کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے اور کئی سادہ لوح اس پر فریفتہ ہو چکے ہیں ان ہدایات کے پیش نظر ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان تعلقات کو جس طرح قرآن حکیم نے صحیح انسانی بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ ان کی برکت سے ہمارے باہمی تعلقات زیادہ اخلاص ومحبّت پر مبنی ہیں۔ اس لیے ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں بڑے تدبّر سے کام لینا چاہیے۔ پہلی آیت کا آغاز وَقَضٰی کے کلمہ سے ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قَضٰی کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے: (۱) بمعنی اَمَرَ (۲) قَضٰی بمعنی خَلَقَ (پیدا کیا) جیسے فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ: ''اس نے سات آسمان پیدا فرمائے''۔ (۳) قَضٰی بمعنی حَکَمَ جیسے فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ: ''تو فیصلہ کر جو تو کرنا چاہتا ہے'' (۴) بمعنی فَرَغَ: فارغ ہونا۔ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ ''جب تم اپنی عبادات سے فارغ ہو جاؤ''۔ (۵) بمعنی اَرَادَ: اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا۔ ''جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے''۔ (۶) بمعنی عَهِدَ: اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ۔ ''جب ہم نے موسیٰ سے اس امر کا عہد کر لیا'' (1)۔ اس آیت میں قضی پہلے معنی (حکم کرنا) میں استعمال ہوا ہے یعنی احکم الحاکمین نے یہ حکم فرمایا ہے۔ اس لیے اس کا حکم بجا لانا ہر اس شخص پر لازم ہے جو اپنے آپ کو اس کا بندہ اور اسے اپنا مالک یقین کرتا ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہوا کہ اے محبوب! آپ کے رب نے یہ احکام نافذ فرمائے ہیں جن میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اس اہم اور عظیم الشان فرمان کے معاً بعد جو حکم دیا جا رہا ہے وہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کے متعلق ہے۔ جب ماں باپ جواں ہوں اور اپنی ضروریات کے خود کفیل ہوں اس وقت تو بچے عموماً ان کے فرمانبردار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے دست نگر ہوتے ہیں۔ لیکن جب بڑھاپا آجاتا ہے۔ صحت بگڑنے لگتی ہے۔ وہ خود روزی کمانے سے قاصر ہو جاتے ہیں اور اولاد کے سہارے کے محتاج ہو جاتے ہیں اس وقت سعادت مند اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت گزاری اور دلجوئی کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دے۔ اگر مرض طول پکڑ جائے اور ان کا مزاج چڑچڑا ہو جائے اور وہ بات بات پر خفا ہونے لگیں تو ان حالات میں بھی ان کی ناز برداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔ اور خبردار! کہیں اکتا کر یا ان کی خفگی سے آشفتہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 237

كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا

دونوں تو انھیں اُف تک مت کہو اور انھیں مت جھڑکو اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم

كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ

سے بات کرو۔ اور جھکا دو ان کے لیے تواضع وانکسار کے پَر رحمت (ومحبت) سے ۳۴ اور عرض کرو

خاطر ہو کر تیری زبان سے اُف نکلے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع دیا ہے تو اسے غنیمت سمجھ۔ ان کے علاج معالجہ میں، ان کو آسائش اور راحت پہنچانے میں ذرا سستی سے کام نہ لے۔ ان سے سخت کلامی مت کر۔ جب تو ان سے گفتگو کرے تو ایسے محبت بھرے انداز میں گفتگو کر کہ ان کے دل کا کنول کھل جائے اور اپنے لختِ جگر کی اس احسان شناسی کو دیکھ کر ان کا دل مسرور اور آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور وہ بے ساختہ تجھے دعائیں دینے لگیں۔

۳۴ یعنی انتہائی تواضع اور انکسار سے ان کے ساتھ پیش آ۔ ایسی تواضع جس میں رحمت ومحبت کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ کیونکہ ایسی تواضع جس میں رحمت وشفقت کی مہک نہ ہو وہ کسی اور مقام پر مناسب ہو تو ہو، والدین کی بارگاہ میں وہ قطعاً پسندیدہ نہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان یہ سب کچھ بھی اگر بجالائے تب بھی ان احسانات کا بدلہ نہیں ہو سکتا جو ماں باپ نے اپنی اولاد پر کیے ہوتے ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے اور ان کا حق سپاس ادا کرنے کی اگر کوئی صورت ہے تو یہ کہ تو بارگاہ خداوندی میں عجز ونیاز سے ان کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعائیں مانگتا رہے اور عرض کرتا رہے کہ اے مولائے کریم! انہوں نے مجھے پالا، میری پرورش کی، میرے لیے تکلیفیں برداشت کیں، میں ان کا صلہ دینے سے قاصر ہوں۔ تو ان پر اپنا درِ رحمت کشادہ فرما جس طرح انہوں نے میری بے بسی کی حالت میں مجھ پر اپنی شفقتوں اور محبتوں کی انتہا کر دی اسی طرح تو بھی ان پر اپنی عنایاتِ بے پایاں اور رحمت بے انداز کے پھول برسا۔ اس لیے قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا الخ سے ان کے لیے دعاء مغفرت کرنے کا حکم دیا۔

والدین کے حقوق اور ان سے حسنِ سلوک کی اہمیت کو جس طرح ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اس کے بعد کون ایسا مسلمان ہے جو عملی زندگی میں ان سے انحراف کرے۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات طیبات بھی ہدیۂ قارئین کیے جائیں: (۱) فِی الصَّحِيْحِ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ۔ (1)

ترجمہ: حضرت ابی بکرۃ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے صحابہ! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو حضور نے فرمایا سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔ (صحیح بخاری)

۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج 3، ص 1197 صحیح بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، ج 2، ص 884

رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ؕ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ

اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (بڑی محبت و پیار سے) مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا۔ تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَاُمَّهٗ ۔(1)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے۔ عرض کی گئی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ شخص اس کے جواب میں گالی دینے والے کے باپ اور ماں کو گالیاں دیتا ہے (تو گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی)

۳۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِىِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِىْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اَبُوْكَ ۔(2)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا تیری ماں۔ پھر اس نے یہی عرض کی اور جواب ملا تیری ماں۔ پھر اس نے یہی سوال دوہرایا تو ارشاد فرمایا تیری ماں۔ چوتھی بار اس نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کے بعد؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا: تیرا باپ۔

۴۔ عَنْ اَبِىْ اُسَيْدِ السَّاعِدِىِّ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ بَقِىَ عَلَىَّ مِنْ بِرِّ اَبَوَىَّ شَىْءٌ بَعْدَ مَوْتِهِمَا اَبَرُّهُمَا بِهٖ۔ قَالَ نَعَمْ خِصَالٌ اَرْبَعٌ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِىْ لَا رَحِمَ لَكَ اِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا فَهُوَ الَّذِىْ بَقِىَ عَلَيْكَ مِنْ بِرِّهِمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا ۔(3)

ترجمہ: حضرت ابی اُسَید ساعدی فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اسی اثناء میں ایک انصاری حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے والدین کی وفات کے بعد بھی کیا مجھ پر ان سے حسنِ سلوک کرنا ضروری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ چار باتیں تجھ پر ضروری ہیں۔ ان کی نمازِ جنازہ ادا کرنا، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا، جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اس کو پورا کرنا، اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جن سے ان کی وجہ سے رشتہ داری ہو۔ یہ نیکی ایسی ہے جو ان کی وفات کے بعد بھی تم پر لازمی ہے۔

ان واضح تعلیمات اور روشن ارشادات کے بعد آپ یورپ و امریکہ و غیرہ متمدن ممالک کے حالات کا جائزہ لیجیے۔ وہاں آپ کو ایسی اولاد شاذ و نادر ہی ملے گی جو بوڑھے والدین کی خدمت کو اپنے لیے سرمایہ سعادت یقین کرتی ہو۔ شادی کے بعد لڑکا اپنے والدین سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے والدین کی خدمت کے لیے اخلاقی یا قانونی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ اسی لیے تو ان ممالک کی حکومتوں کو ایسی پناہ گاہیں بنانا پڑتی ہیں جہاں بوڑھے اور بیمار والدین کو رکھا جائے تاکہ وہ زندگی کے آخری ایام وہاں بسر کرسکیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لایسب الرجل والدہ، ج2، ص 883 2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، ج2، ص 883
3۔ مسند امام احمد، ج3، ص 498

اِنۡ تَکُوۡنُوۡا صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ

اگر تم نیک کردار ہو گئے تو بیشک اللہ تعالیٰ بکثرت توبہ کرنے والوں کے لیے بہت بخشنے والا ہے۔ ۳۵ے اور دیا کرو

ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴿۲۶﴾

رشتہ دار کو اس کا حق ۳۶ے اور مسکین اور مسافر کو بھی ۳۷ے اور فضول خرچی نہ کیا کرو ۳۸ے

۳۵ے یعنی تمہارے دلوں میں اپنے والدین کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کے جو جذبات ہیں یا ان سے دل ہی دل میں جو نفرت، تھکاوٹ یا اکتاہٹ تم محسوس کرتے ہو تمہارا رب ان سے خوب واقف ہے۔ اگر شیطان نے تمہیں والدین کی شکر گزاری اور احسان شناسی کی راہ سے بہکا دیا ہے تو بہتر ہے اب ہی سنبھل جاؤ۔ آج ہی سچے دل اور شرح صدر سے ان کی خدمت میں لگ جاؤ اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کر لو۔ جو سچے دل سے جھک جاتا ہے اور غلطی سے باز آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرماوے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

۳۶ے لیکن انسان کی محبت و مروت اور حسنِ سلوک کے مستحق صرف والدین ہی نہیں بلکہ دوسرے رشتہ دار بھی حسبِ مراتب اس کے حقدار ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنۡ اَحَبَّ اَنۡ یُّبۡسَطَ لَہٗ فِیۡ رِزۡقِہٖ وَیُنۡسَاءَ لَہٗ فِیۡ اَثَرِہٖ فَلۡیَصِلۡ رَحِمَہٗ (1)۔ یعنی جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے رزق فراخ ملے اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آبائہ الکرام نے فرمایا کہ یہاں ذی القربیٰ سے مراد حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس قول کے مطابق خطاب اعیانِ حکومت کو ہوگا کہ وہ بیت المال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت کریں اور ان کی ضروریات اُن کو بہم پہنچائیں۔

وَقَالَ عَلِیُّ ابۡنُ حُسَیۡنٍ ہُمۡ قَرَابَۃُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمِرَ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بِاِعۡطَائِہِمۡ حُقُوۡقَہُمۡ مِّنۡ بَیۡتِ الۡمَالِ۔۔۔۔ وَیَکُوۡنُ خِطَابًا لِّلۡوُلَاۃِ اَوۡ مَنۡ قَامَ مَقَامَہُمۡ (قرطبی) (2)

الاحکام السلطانیہ: ابو یعلیٰ اور الاحکام السلطانیہ: ماوردی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ اسلامیہ میں ایک مستقل محکمہ "وِلَایَۃُ النِّقَابَۃِ عَلٰی ذَوِی الۡاَنۡسَابِ" کے نام سے قائم تھا جس کے فرائض میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت اور دیگر رشتہ داروں کے متعلق تمام امور کی نگرانی کرنا تھا۔ ان کی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت ان کی ضروریات کی کفالت، ان کو ایسے پیشوں کے اختیار کرنے سے روکنا جو ان کے شایانِ شان نہیں، ان کے بچوں اور بچیوں کے نکاح کا انتظام کرنا، ان کو ایسے اعمال سے باز رکھنا جو ان کی خاندانی شرافت کے منافی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرا کو بلا کر باغِ فدک عطا فرمایا۔ لیکن اس قول کے بطلان کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق لصلۃ الرحم، ج 2، ص 885
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 247

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ

بیشک فضول خرچی کرنیوالے شیطانوں کے بھائی ہیں ۳۹ اور شیطان اپنے

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر (بوجہ تنگدستی) تجھے ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوشحالی)

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

کے متلاشی ہو جس کی تمہیں توقع ہے تو (اس اثناء میں) ان سے بات کرو تو بڑی نرمی سے کرونگا اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا

میں نازل ہوئی اور فدک اور خیبر ہجرت کے کئی سال بعد فتح ہوئے اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْزَلَ عَلَيْهِ فِیْ سُوْرَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ بِمَكَّةَ۔ (اصول کافی) (1)

۳۷ یعنی والدین اور قریبی رشتہ داروں سے محبت اور مروت کے علاوہ تمہاری ملت کے دوسرے ضرورتمند افراد جیسے نادار اور مسافر بھی تمہارے لطف واحسان سے بہرہ اندوز ہونے چاہئیں۔

دور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر مے افگند

۳۸ ان تاکیدی احکام کے بعد ضروری معلوم ہوا کہ لوگوں کو اسراف اور فضول خرچی سے روکا جائے تاکہ وہ جادۂ اعتدال سے منحرف ہو کر اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا نہ کر دیں۔ ماں باپ کی خدمت، رشتہ داروں سے شفقت ومحبت اور دیگر ضرورتمندوں سے لطف واحسان کا درس دینے کے ساتھ ساتھ بتا دیا کہ میانہ روی کو نہ چھوڑنا۔ یہی قرآن کی تعلیمات کا حکیمانہ انداز ہے جو اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ افراط وتفریط دونوں سے دامن بچانے کی ترغیب میں کبھی تساہل روا نہیں رکھا۔

۳۹ فضول خرچی پر مرتب ہونے والے برے نتائج سے اُمت مسلمہ کو بچانے کے لیے فضول خرچی کی مذمت ان الفاظ سے فرما دی۔

۴۰ اگر انسان استطاعت کے باوجود اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کی خدمت گزاری میں کوتاہی کرے تو یہ ہرگز قابلِ برداشت نہیں لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اولاد خود افلاس وتنگ دستی میں گرفتار ہو وہ خود نانِ شبینہ کی محتاج ہو۔ اس مجبوری کے عالم میں وہ اپنے والدین کی خدمت کیونکر کرے گی۔ ایسے آدمی کو فرمایا کہ محبت بھرے نرم نرم لہجہ میں باتیں کرنے پر تو کوئی لاگت نہیں آتی۔ تو اگر اور کچھ نہیں کر سکتا تو اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے تو ان کا دل لبھاتا رہ اور دل میں یہ عزم رکھ کہ جب مولا کریم نے مجھ پر رزق کا دروازہ کشادہ کیا تو میں اپنے والدین کی خدمت بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا۔

1۔ اصول کافی، ج2، ص25، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ، تہران

اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾

اپنی گردن کے اِردگرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کیے ہوئے درماندہ۔ ۴۱

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

بلاشبہ آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہتا ہے ۴۲ اور تنگ کرتا ہے (جسکے لیے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ

بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انہیں) دیکھنے والا ہے! اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے ہم ہی

نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا

رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے ۴۳ اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔

۴۱ یعنی اگر تم بخل کے عادی ہو جاؤ گے اور استطاعت کے باوجود کسی غریب کی امداد کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھاؤ گے تو لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ تمہیں حقارت کی نظر سے دیکھیں گے اور تمہیں طرح طرح سے ملامت کریں گے۔ اور اگر تم فضول خرچی کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مفلس و کنگال ہو جاؤ گے۔ اور دل گرفتہ اور نادم ہو کر زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہو گے۔

۴۲ تم دیکھتے ہو کہیں دولت کی فراوانی ہے اور کہیں فقر و افلاس نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ یہ قبض و بسط اللہ تعالیٰ کی حکمت کی جلوہ گری ہے۔ وہ اپنے بندوں کے نفع و ضرر کو خوب جانتا ہے۔ اس لیے حرام ذرائع سے روپیہ کما کر امیر بننے کی کوشش نہ کرو۔ مبادا! یہ ثروت تمہیں دین و دنیا میں رسوا کر دے۔ رزق کمانے کے حلال اور جائز ذرائع کو بیشک انتہائی عقلمندی اور سلیقہ شعاری سے استعمال کرو اور اگر تمہاری سنجیدہ کوشش کے باوجود تمہاری مالی پریشانی دور نہ ہو تو پھر صبر کا دامن مضبوطی سے تھام لو اور رحمت خداوندی پر توکّل کرو۔ وہ اپنے بندوں کے نفع و مصلحت کو خوب جانتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۴۳ سابقہ آیات میں اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت کا حکم دیا۔ اب ان آیات میں والدین کو اپنی اولاد پر رحمت و شفقت کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ جزیرۂ عرب ایسا ملک تھا جہاں چار سو ریگزار ہی ریگزار پھیلے ہوئے تھے۔ جہاں کہیں کوئی چشمہ جاری ہوتا وہاں کھجوروں کے چند درخت اگ آتے اور معمولی سی کھیتی باڑی ہو جاتی۔ بارش بھی بہت کم برستی۔ جہاں کہیں نشیبی علاقوں میں بارشی پانی رک جاتا تو قافلوں کے قافلے ادھر کا رخ کرتے اور جب تک پانی کا آخری قطرہ تک خشک نہ ہو جاتا وہیں پڑے رہتے۔ غرضیکہ مرفہ الحالی کا وہاں تصوّر تک نہ کیا جا سکتا تھا۔ ایسے میں جبکہ اپنا پیٹ بھرنا مشکل ہو وہاں اولاد کی خوراک کا بندوبست کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے معاشی خستہ حالی کے باعث ان کے ہاں اولاد کو قتل

الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

بےشک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے ۴۴ اور نہ قتل کرو اس نفس کو

کرنے کا عام رواج تھا۔لڑکیوں کے متعلق تو انکا رویہ بہت سنگدلانہ تھا۔ایک تو وہ انہیں بوجھ سمجھتے۔کیونکہ رہزنی اور قزاقی جوان کے سب سے بڑے وسائل معاش تھے،اس میں لڑکے تو حصہ لیتے لیکن لڑکیاں بڑی ہو کر بھی اس میں ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی تھیں۔اس لیے وہ ان کے لیے ناقابل برداشت بوجھ تھیں۔نیز غلط قسم کی نخوت نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر وہ کسی کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینگے تو ان کی ناک کٹ جائے گی ان تمام محرکات کے باعث ان میں لڑکیوں کا قتل ایک عام معمول ہو گیا تھا۔یہ حالت صرف عرب کے بادیہ نشینوں کی ہی نہ تھی بلکہ کئی دوسری قومیں بھی اپنی اولاد کو اپنے لیے ناقابل برداشت بارِ گراں تصور کرتی تھیں اور ان سے رہائی حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی تھیں۔آج بھی جب انسانی حقوق کی دھوم مچی ہوئی ہے۔اولاد کو کم کرنے کی کوششیں تیز تر ہوتی جارہی ہیں اور اس کام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔جس کی پشت پناہی کے لیے حکومتوں نے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اس تحریک کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ وسائل معاش پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔نسل کشی کی اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ فقر وافلاس کے اندیشہ سے اولاد کو قتل نہ کرو۔اس کے بعد اس اندیشہ کا قلع قمع ان الفاظ سے فرما دیا،کہ رزاق ہم ہیں۔انہیں بھی اور تمہیں بھی رزق مہیا فرمانا ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے۔تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان اور ہلکان کیوں کر رہے ہو۔

اِملَاق کا معنی ہے فقر وافلاس،اَلْاِمْلَاقُ: اَلْفَقْرُ وَعَدَمُ الْمِلْكِ۔لفظ خِطْأً کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے لکھا ہے:
قَالَ الْاَزْهَرِيُّ يُقَالُ خَطِئَ يَخْطَأُ خِطْئًا اِذَا تَعَمَّدَ الْخَطَاءَ وَاَخْطَأَ اِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ۔یعنی ازہری نے کہا ہے کہ جس غلطی کا ارتکاب جان بوجھ کر کیا جائے اسے "خِطأً" کہا جاتا ہے اور جب نادانستہ طور پر کوئی لغزش ہو جائے تو وہاں اِخْطَاءٌ (باب افعال) استعمال ہوتا ہے۔(1)

قرآن کریم نے نسل کشی کو خِطْاً كَبِيْرًا (بہت بڑی غلطی) کہا ہے۔اگر اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو فرانس وغیرہ ممالک پر نظر ڈالیے۔جنہوں نے مصنوعی ذرائع سے ضبط تولید کر کے اپنی تعداد کو گھٹا دیا اور جب جرمن فوجیں ان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے پاس ایسے جوانوں کی شدید قلت تھی جو مادرِ وطن کی حفاظت کے لیے میدانِ جنگ میں سینہ سپر ہو سکیں۔ایسا اقدام جس سے قوم اور وطن کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے۔اس کو اگر بڑی غلطی نہ کہا جائے تو کیا اسے دانشمندی کہا جائے؟

۴۴ ایک اور خرابی جس میں ساری قومیں بری طرح مبتلا تھیں۔اور اب بھی ہیں وہ بدکاری تھی اس کی قباحت وقباحت کو صرف دو،مختصر فقروں میں بیان فرما دیا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً "یعنی یہ بڑی بے حیائی کا فعل ہے" وَسَآءَ سَبِيْلًا "یہ بہت ہی برا راستہ ہے"۔اس فعل کا فاحش ہونا کسی صاحب عقل سلیم پر مخفی نہیں۔یہ حدیث پاک پڑھیے۔اگر ذرا بھی کسی کو خلش ہوگی تو دور ہو جائے گی۔ایک نوجوان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِئْذَنْ لِيْ بِالزِّنٰى مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔

1۔تفسیر قرطبی،زیر آیت ہذا،جز10،ص252

حاضرین اس کی اس بے باکی پر برافروختہ ہو گئے۔ اور اسے جھڑکنا شروع کیا لیکن مرشد کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محبت سے اپنے قریب بلایا۔ جب وہ قریب ہو گیا تو اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا تو فرمایا أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟ جس امر کی تم نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کیا تم اسے اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا بخدا ہرگز نہیں۔ میں آپ پر قربان جاؤں! حضورؐ نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر دریافت کیا۔ کیا تم اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے ہو۔ بولا میں قربان جاؤں! ہرگز نہیں۔ بخدا ہرگز نہیں۔ فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا کیا اپنی بہن کے لیے تم پسند کرتے ہو؟ عرض کی بخدا ہرگز نہیں۔ میں آپ پر قربان جاؤں! فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح پھوپھی، خالہ کے متعلق اس سے استفسار فرمایا اور اس نے وہی جواب دیا۔ اس حکیمانہ اور شفقت بھرے انداز سے اس کے سامنے اس فعل کی قباحت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا۔ اور شاید ان سطور کو جو بھی پڑھے گا۔ اس پر اس کی قباحت بالکل آشکارا ہو جائے گی۔ اس کے بعد اپنا دست ہدایت بخش اس کے سر پر رکھا اور دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَ طَهِّرْ قَلْبَهُ وَاَحْصِنْ فَرْجَهُ: ''اے میرے خدا اس کا گناہ بخش دے۔ اس کا دل پاک کر دے اور اس کو بدکاری سے بچا''۔ اور اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں یہ بھی فرمایا: وَيُزَكِّيهِمْ کہ وہ ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے۔ اس کی کتنی عمدہ مثال اس حدیث میں موجود ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

زنی کے دُور رس بُرے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو سَآءَ سَبِيْلًا کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ اس سے انساب میں اختلاط ہوتا ہے۔ مال کسی کا ہوتا ہے اور وارث کوئی بنتا ہے۔ موذی بیماریاں بڑی کثرت سے پھیلتی ہیں۔ عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ عورت ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے۔ پھر اس فعلِ شنیع کے ارتکاب سے اس کی سیرت اور اس کی صحت بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اور حرامی اولاد شفقت پدری سے محروم ہوتی ہے۔ سارے معاشرہ میں کبھی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اس کی وجہ سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سَآءَ سَبِيْلًا کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چند لمحوں کی لذت طلبی کے لیے اتنی گراں قیمت ادا کرنا کون پسند کرتا ہے؟ سَآءَ سَبِيْلًا کے متعلق اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ امریکی فوجیوں کے ان لاکھوں حرامی بچوں کی حالتِ زار کو دیکھے جو کوریا اور ویتنام وغیرہ ممالک کی گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔ اور کوئی اُن کا پرسانِ حال نہیں۔ انہیں قباحتوں اور روح فرسا نتائج کی وجہ سے ہی قرآنِ کریم نے فرمایا، کہ اس فعلِ شنیع کا ارتکاب تو بجائے خود، اس کے قریب تک مت جاؤ یعنی تمام وہ امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اکساتے ہیں ان سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔ بھڑکیلے تنگ اور چست لباس، بے پردگی، مرد و زن کا اختلاط، جس میں مخلوط تعلیم پیش پیش ہے، سب سے منع کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنا مشتعل کر دیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے، بچ نہیں سکتا۔ اس لیے فرمایا لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اس فعلِ شنیع کے قریب جانے کی کوشش مت کرو۔ کیا حکیمانہ انداز ہے اور حقیقت کی کتنی مؤثر تصویر کشی ہے! اللہ تعالیٰ ہمیں غور کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

1۔ مسند امام احمد، ج 5، ص 57-256، دار صادر، بیروت

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا

جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے مقتول کے وارث

لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دیدیا ہے پس اسے چاہیے کہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ ضرور اس کی مدد کی جائے گی۔ ۴۵

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ

اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے ۴۶ مگر ایسے طریقہ سے جو (اس یتیم کے لیے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو

اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا

پہنچ جائے اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بیشک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائیگا ۴۷ اور پورا پورا

۴۵ جزیرۂ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی سب قبیلے اپنی اپنی جگہ آزاد تھے اور صرف اپنے قبیلہ کے رئیس کے احکام کی تعمیل ضروری سمجھتے تھے اس لیے جو قبیلہ قوت وطاقت میں کسی قبیلہ سے زیادہ ہوا کرتا تو وہ جو چاہتا کرتا ان حالات میں خونِ انسانی کی ارزانی کی حد ہوچکی تھی جب چاہا کسی قبیلہ پر حملہ کردیا اور اس کے جتنے افراد پر بس چلا ان کو تہ تیغ کردیا۔ اگر کسی کمزور قبیلہ کے فرد کے ہاتھوں کسی طاقتور قبیلہ کا کوئی آدمی قتل ہوجاتا تو اس کے معاوضہ کی کوئی حد مقرر نہ تھی اور اگر کوئی طاقتور کسی کمزور کو قتل کردیتا تو کوئی دادرسی کرنیوالا نہ تھا۔ اسلام معاشرہ کی تعمیر جن عمدہ اور صالح بنیادوں پر کرنا چاہتا تھا اس میں اس قسم کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کی گنجائش ہرگز نہ تھی اس لیے اس حکم سے باہمی قتل وغارتگری کے دروازے کو بند کردیا گیا اگر کوئی شخص قتل کرتا تو قاتل کی طاقت اور اس کے قبیلے کی قوت اس کو قتل کی سزا سے بچا نہیں سکتی تھی بلکہ مقتول کے وارث کو اختیار تھا کہ چاہے وہ قصاص (خون کے بدلہ خون) لے، چاہے دیت (خون بہا) لے کر صلح کرلے مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار دینے کے بعد انہیں اس سے بھی روک دیا کہ وہ قصاص لینے میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو نظرانداز کردیں۔ اس کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔ قاتل کو چھوڑ کر غیر قاتل کو قتل کردینا یا ایک مقتول کے عوض کئی لوگوں کو تہ تیغ کرنا یا قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو بگاڑنا یا خون بہا لینے کے بعد پھر قاتل کو قتل کردینا۔ ان تمام امور سے منع فرمایا۔ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جہاں ابھی اسلامی اقتدار قائم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے یہاں صرف اسی پر اکتفا کیا گیا کہ مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تب یہ حکم فرمایا کہ مقتول کا قصاص لینا یا خون بہا لے کر وارثوں کو دینا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ۴۶ یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔

۴۷ وعدہ کر کے اس کو توڑنا اسلام کی نظر میں بڑا معیوب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعدہ شکنی کو منافقت کی تین

الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

ماپ لو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو ایسے ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو۔ یہی طریقہ بہتر ہے

وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۳۵ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ

اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے ۴۸ اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں ۴۹ بیشک کان

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶ وَلَا تَمْشِ

اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا ۵۰ اور نہ چلو

علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے(1) اس لیے یہاں ایفائے عہد کی تاکید کی جارہی ہے اور بتایا جارہا ہے کہ یہ معمولی بات نہیں بلکہ اگر تم نے اس میں سُستی کی تو تم سے باقاعدہ باز پرس ہوگی۔

۴۸ صحیح ناپنے اور صحیح تولنے کا حکم دینے کے بعد اس کی حکمت بیان فرمادی ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا "یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے" کیونکہ اس طرح تمہاری ساکھ بیٹھ جائے گی گاہک تم پر اعتماد کرے گا تمہارا کاروبار چمکے گا۔ اور تم مالا مال ہوجاؤ گے۔ یورپ والوں نے قرآن کے بتائے ہوئے اس اصول پر سختی سے عمل کیا اور اپنی تجارت کو چار چاند لگادیئے۔ اب دنیا بھر کے بازار ان کی مصنوعات سے بھرے پڑے ہیں اور دنیا بھر کی دولت ان کے قدموں میں کھچی چلی جارہی ہے اور جب سے ہم نے کم تول کر اور کم ناپ کر دولت مند بننے کا طریقہ اپنایا ہے ہمارے کاروبار کا بیڑہ غرق ہوگیا ہے۔ بیگانے تو بیگانے ہوئے اپنوں کا اعتماد بھی ہم نے کھودیا ہے۔ وہ بھی ہماری مصنوعات پر دوسرے ممالک کی مصنوعات کو ترجیح دیتے ہیں۔

قِسْطَاس: میزان، ترازو۔ مجاہد کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ رومی لغت سے منقول ہو کر عربی زبان میں آیا ہے۔ اور اب اسے اہل عرب کیونکہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ اِس کا اعراب اور اس کی تنکیر و تعریف عربی الفاظ کے عین مطابق ہوئی ہے اس لیے قرآن کریم میں اس کا استعمال جائز ہے لیکن اکثر علمائے لغت کی رائے ہے کہ عربی لفظ ہے اور قسط (بمعنی عدل) سے ماخوذ ہے وَقَالَ الْاَكْثَرُ هُوَ عَرَبِيٌّ مَاْخُوْذٌ مِنَ الْقِسْطِ بِمَعْنَى الْعَدْلِ (مظہری)(2)

۴۹ دیگر گراں بہا پند و نصائح کے ساتھ ساتھ غلامانِ مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کو یہ تعلیم بھی دی جارہی ہے کہ وہم و گمان اور ظن و تخمین کے پیروکار نہ بنیں بلکہ علم و یقین کا روشن چراغ ہاتھ میں لے کر زندگی کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے منزل کی طرف بڑھتے چلیں۔ عقائد کی دنیا ہو یا عمل کا میدان اخلاق کا گلستان ہو یا معاملات کی پُرخار وادی جہاں بھی زمام کار یقین کے ہاتھ سے نکل کر ظن و تخمین کے ہاتھ میں آئی۔ سمجھو کہ اب گردابِ ہلاکت میں ڈوبا کہ ڈوبا۔ قَفَا يَقْفُوْ: اِذَا اتَّبَعَ اَثَرَهٗ کسی کے نقشِ قدم کی پیروی کرنا، کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔(3)

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، ج 1، ص 10 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 439 3۔ المنجد، ص 647

فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر

طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ

بلندی میں ۵۱۔ یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے۔ یہ ہدایات جنہیں

اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

بذریعہ وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں۔ اور اے سننے والے! نہ بنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

کوئی اور معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جائیگا جہنم میں اس حال میں کہ تمہیں ملامت کی جائیگی اور دھکے دیئے جائیں گے۔

۵۰۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ ملت کا ہر فرد اپنے تمام افعال کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جوابدہ ہے۔ اس کے دیکھنے کی قوتیں، اس کی عقل وفہم کی صلاحیتیں ہر ایک کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے انہیں کیسے اور کہاں استعمال کیا ہے۔ وہ قوم جس کو اس کے خالق نے واشگاف الفاظ میں احساس ذمہ داری کا درس دیا۔ وہی قوم آج اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ کاش! ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سچے دل سے کوشش کریں تو جن تکالیف پر ہم شکوہ سنج رہتے ہیں اور جن مصائب میں گھرے ہوئے ہیں وہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دوسروں کی بے راہ روی اور بے اعتدالی ہماری بے راہ روی اور بے اعتدالی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ اگر آپ اپنے موجودہ معاشرہ سے مطمئن نہیں ہیں اگر آپ اصلاح احوال کے تہ دل سے خواہاں ہیں تو اس انتظار میں وقت ضائع نہ کیجیے کہ دوسرے لوگ ٹھیک ہو لیں تو میں بھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے فرمائیے۔ آپ کو دیکھ کر کئی بگڑے ہوئے اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ زندگی کے کسی موڑ پر كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا کے الفاظ کو فراموش نہ کیجیے۔

۵۱۔ انسان کے غرور وتکبر کی بیہودگی اور لغویت کو کس عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا گیا۔ ایک عربی شاعر نے بھی خوب کہا ہے۔

وَلَا تَمْشِ فَوْقَ الْاَرْضِ اِلَّا تَوَاضُعًا فَكَمْ تَحْتَهَا قَوْمٌ هُمْ مِنْكَ اَرْفَعُ

وَاِنْ كُنْتَ فِیْ عِزٍّ وَّ حِرْزٍ وَّ مَنْعَةٍ فَكَمْ مَاتَ مِنْ قَوْمٍ هُمْ مِنْكَ اَمْنَعُ (1)

یعنی زمین پر چلتے ہوئے تواضع اور انکسار اختیار کر کتنے لوگ جو تم سے بھی زیادہ بلند مرتبہ تھے اب شکم زمین میں مدفون ہیں۔ اگر تو آج معزز ومحترم اور جاہ وسطوت کا مالک ہے تو کیا ہوا۔ تم سے پہلے کثیر التعداد قومیں بڑی پر ہیبت تھیں لیکن اب موت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، ص261

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

پس کیا چن لیا ہے تمھیں تمھارے رب نے بیٹوں کیلئے اور (اپنے لیے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں ۵۲ (صد افسوس!) تم تو ایسی بات کہہ رہے

عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ

ہو جو بہت سخت ہے۔ اور بلاشبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

(اور بایں ہمہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا ۵۳۔ آپ فرمایئے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کافر کہتے ہیں

اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

تو ان خداؤں نے (ملکر) تلاش کر لی ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے کی) کوئی راہ ۵۴۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں

كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔

کی نیند سو رہی ہیں۔

۵۲ عرب کے کئی مشرک قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانا کرتے تھے ان کی حماقت کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم خود اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اگر کسی کے گھر بچی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ جس چیز کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ جل مجدہ کے لیے ثابت کرتے ہو۔

۵۳ یعنی ہم نے قرآنِ کریم میں دلائل توحید کو مختلف اسلوبوں اور متعدد پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ ہر طبیعت اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کر سکے۔ کہیں رحمت کا وعدہ اور کہیں قہر و عذاب کی وعید۔ کہیں بشارتیں اور کہیں دھمکیاں، کہیں نیک لوگوں کی کامیاب زندگیوں کا تذکرہ اور کہیں نافرمان افراد اور سرکش اقوام کے ہولناک انجام کا بیان۔ لیکن اس کے باوجود جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے وہ قریب آنے کے بجائے اور زیادہ دور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

۵۴ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہوتے تو کبھی نہ کبھی ان کی رائے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ٹکراتی اور وہ انتہائی کوشش کرتے کہ اپنی خدائی کی لاج رکھنے کے لیے آپس میں مل کر وہ ایک متحدہ محاذ بنا کر عرش کے مالک پر چڑھائی کر دیں اور اسے مغلوب کر دیں تاکہ وہ ان کی مخالفت نہ کر سکے۔ لیکن ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ تو پھر وہ تمہارے خدا کہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ ان کی قوت و شوکت کا کوئی ایک مظاہرہ ہی ہمیں دکھا دو۔ اور اگر نہیں دکھا سکتے تو پھر ایسے بے بسوں کو اپنا خدا تسلیم کرنا کتنی نادانی اور لغویت ہے۔ کتنا عام فہم اور حقیقت افروز بیان ہے!

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ۵۵

اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ

بیشک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔ اور (اے محبوب!) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور

بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا

ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے ۵۶ اور ہم ڈال دیتے ہیں

۵۵ کائنات کی بلندیاں اور پستیاں اور ان میں بسنے والی ہر چیز بلا استثناء اس کی تسبیح بھی کر رہی ہے اور اس کی حمد بھی بیان کر رہی ہے۔ یعنی وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح وتحمید کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ بعض علماء کا خیال تو یہ ہے کہ ذی عقل اور جاندار چیزیں تو زبانِ قال سے اس کی حمد وثناء کے گیت گا رہی ہیں اور بے زبان چیزیں زبان حال سے اپنے خالق کی حکمت وقدرت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں لیکن احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز مصروف حمد وثناء ہے (1)۔ امام بخاری نے حضرت عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: لَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ یُؤْكَلُ (2)۔ "کہ کھانا جب کھایا جا رہا ہوتا تھا ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے"۔ امام مسلمؒ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ (3) "حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام دیا کرتا تھا"۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر کھجور کے اس تنے کا ذکر کیا ہے جس سے حضور ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور جب منبر بن گیا اور حضور نے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دینے کے بجائے منبر پر خطبہ دیا تو وہ دلفگار ہجر محبوب کی تاب نہ لا کر رو پڑا (4)۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو ہم بے عقل اور بے حس خیال کرتے ہیں وہ بھی ادراک اور حس رکھتی ہیں لیکن ہم ان کی ان قوتوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔

۵۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو مشرکین اذیت رسانی کی نیت سے نزدیک جانے کی کوشش کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کے سامنے پردہ حائل کر دیتا اور وہ حضور کو نہ دیکھ سکتے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی اور ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل نے سنی تو غصہ سے بپھری ہوئی حضور کی تلاش میں حریم کعبہ کی طرف آئی۔ حضرت صدیقؓ نے دیکھا تو عرض کی میرے آقا! وہ گستاخ آ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ بدزبانی کرے۔ حضور نے فرمایا لَنْ

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج 3، ص 16-1215 2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج 1، ص 505۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 268

3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج 2، ص 245۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 268

4۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج 1، ص 506

عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ؕ وَ اِذَا

ان کے دلوں پر پردہ ۵۷ تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں) اور جب آپ

ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَہٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ نُفُوۡرًا ﴿۴۶﴾

ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے ۵۸

تَرَانِیۡ ''وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی'' اور یہ آیت پڑھی۔ چنانچہ وہ آئی۔ حضور اسے نظر ہی نہ آئے اور حضرت صدیقؓ سے گستاخانہ باتیں کر کے چلی گئی (1)۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ حضور جب کفار کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتے تھے تو یہ تین آیتیں تلاوت فرماتے: اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً الآیۃ (الکہف: 27) اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ الخ (النحل: 108) اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ (جاثیہ: 23) (2) ہجرت کی رات جب کفار نے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضور سورۂ یٰسین کی پہلی آیتیں فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ تک پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ (3)

بعض علمائے کرام نے حجاب مستور کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ان سے قرآن کی سمجھ سلب کر لی گئی اور وہ اس میں علم و حکمت کے چمکتے ہوئے موتیوں کو نہ پا سکے۔ (4)

۵۷ ان کے پیہم انکار کی پاداش میں ان سے فہم و ادراک کی نعمت سلب کر لی گئی ہے۔ ان کے دل کی آنکھ اندھی اور کان بہرے ہو چکے ہیں۔ نہ انہیں نورِ حق نظر آتا ہے اور نہ انہیں صدائے حق سنائی دیتی ہے۔

۵۸ اے محبوب! ان حقیقت ناشناسوں کی طرف دیکھو! جب آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بار بار بڑے دلنشین انداز اور ناقابل تردید دلائل سے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں معبودانِ باطل کی بے بسی اور بے کسی کا پردہ چاک کیا گیا ہے تو وہ اس کلام معجز نظام کو مزید توجہ سے سننے کے بجائے اظہارِ نفرت کرتے ہوئے اُلٹے پاؤں پیچھے بھاگتے ہیں۔

اہل محبت جب بیانِ توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرّب رسولوں اور اس کے مقبول بندوں کے ان فضائل و کمالات کا ذکر کرتے ہیں جو اُن کو اُن کے ربّ کریم نے مرحمت فرمائے ہیں تو بعض لوگ ان پر یہ اتہام لگاتے ہیں کہ ان کا رویّہ تو مشرکین مکہ جیسا ہے۔ وہ بھی خدا کی توحید کے پہلو بہ پہلو دوسروں کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر ان دانشوروں سے دریافت کیا جاتا ہے کہ حضرات! مقبولان بارگاہِ حق کی توصیف سے آپ کی زبان کیوں گونگی ہو گئی ہے تو فرماتے ہیں کہ تم نے ہم پر وہی اعتراض کیا ہے جو مکہ کے مشرک، رسولِ خدا پر کیا کرتے تھے کہ وہ ایسا قرآن کیوں پڑھتے ہیں جس میں صرف خدا کا ہی ذکر ہوتا ہے؟ ان بزرجمہروں کی ایسی باتیں سُن کر سر چکرانے لگتا ہے۔ کیا قرآن کریم بیان توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر رسولوں کے ذکر خیر سے معمور نہیں۔ کیا اسی قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ ہوا کو حضرت سلیمانؑ کا تابع فرمان بنا

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، ج 2، ص 393، رقم الحدیث 3376، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 70-269
3۔ سیرۃ النبی المعروف سیرت ابن ہشام از ابو محمد عبد الملک بن ہشام، ج 2، ص 96، مطبع حجازی بالقاہرۃ (مفہوم)
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 271

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ

ہم خوب جانتے ہیں جس غرض کے لیے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور (ہم خوب جانتے ہیں)

نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾

جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں، اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے ٥٩

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

دیکھیے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہوگئے اب وہ سیدھے راستہ پر

سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

چل نہیں سکتے ٦٠ اور انھوں نے (از راہِ انکار) کہا کہ جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ٦١ تو کیا ہمیں اٹھایا جائے

دیا گیا تھا اور وہ آپ کے اشارہ کے مطابق تیز یا آہستہ چلا کرتی تھی۔ کیا اسی قرآن میں نہیں کہ حضرت یوسف ؑ کا پیراہن حضرت یعقوب ؑ کی نابینا آنکھوں پر جب ڈالا گیا تو وہ بینا ہو گئیں۔ کیا اسی مصحف کے صفحات میں یہ موجود نہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ اپنے رب کے اِذن سے مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے، کوڑھوں کو صحت بخشتے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے۔ کیا اسی کتاب الٰہی میں سلیمانی دربار کے ایک عالم زبور کے متعلق یہ مذکور نہیں کہ انہوں نے چشم زدن میں بلقیس کا تخت سبا سے اٹھا کر حضرت سلیمان کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ یہ اور ان کے علاوہ متعدد دیگر واقعات جن سے اپنے خاص بندوں پر اللہ تعالیٰ کی جود وسخا اور فضل وعطاء کی شہادتیں ملتی ہیں، موجود نہیں؟ ہیں اور یقیناً ہیں تو ان دانشوروں کو دوسروں پر زبانِ طعن دراز کرنے سے پہلے اپنے طریقۂ کار پر نظر ڈالنی چاہیے کہ کہیں اُن کی روش قرآن وسنت کی روش کے خلاف تو نہیں۔

حقیقت تو یہ تھی کہ کفار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ دوسروں کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔ جب قرآن کریم میں توحید باری کا بیان ہوتا اور دوسروں کی الوہیت اور خدائی کی تردید کی جاتی تو یہ بات اُن کو ناگوار گزرتی اور وہ تلملاتے ہوئے پیشانی پر سینکڑوں بل ڈالتے ہوئے محفل اقدس سے دور بھاگ جاتے۔ اگر کوئی اب بھی ایسا بد بخت ہو جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور معبود سمجھتا ہو تو اس کا وہی حال ہے جو مشرکین مکہ کا تھا لیکن اگر کوئی شخص محبوبانِ بارگاہِ رب العزت کے ان کمالات کا ذکر کرے جو کمالات مولا کریم نے ان کو مرحمت فرمائے ہیں جن کے بیان سے سارا قرآن لبریز ہے تو وہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ پر گامزن ہے۔ آدم کے کمالات کا انکار کر کے ابلیس کو بجز نامرادی اور دونوں جہان کی رسوائی کے کیا ملا تھا۔ اسی طرح فخر بنی آدم، باعثِ تخلیق عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات کا انکار کرنے والوں کے حصہ میں بھی ناکامی وخسران کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

٥٩ ایک دفعہ عتبہ نے سردارانِ قریش کی دعوت کی۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تشریف لے گئے اور قرآن کریم کی تلاوت شروع

جَدِيدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ

گا از سر نو پیدا کر کے۔ فرمایئے (یقینا ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا از سر نو پیدا

فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ

کرنا تمھارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) لوٹائے گا؟ فرمایئے وہی جس نے پیدا فرمایا

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ

تمھیں پہلی مرتبہ پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے۔ اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟

قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ

آپ بتایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔ اس دن کو یاد کرو جب تمھیں اللہ تعالیٰ بلائیگا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے

وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾ وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي

جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھیرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں

هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ

جو بہت عمدہ ہوں٦٢۔ بیشک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان٦٣۔ یقینا شیطان

فرمادی۔ کفار لگے آپس میں سرگوشیاں کرنے اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کہ ان پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اس لیے یہ اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہیں۔ (1)

٦٠ بارگاہِ رسالت میں ان کی گستاخی اور اس کی وجہ سے نعمت ایمان سے ان کی محرومی کا ذکر ہو رہا ہے۔

٦١ وقوعِ قیامت کے متعلق کفار کے شکوک وشبہات کے بیان کے ساتھ ان کا رد بھی کیا جا رہا ہے۔ رُفَاتٌ: مَاتَكَسَّرَ وَبَلِيَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ: ٹوٹی ہوئی بوسیدہ چیز کو رُفات کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی غبار فرمایا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلرُّفَاتُ: اَلْغُبَارُ۔ (2)

٦٢ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ میرے بندوں کو یہ بتا دو کہ باہمی گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ادب واحترام کا خیال رکھیں۔ کوئی ایسی بات زبان پر نہ آئے جس سے کسی کا دل مجروح ہو۔ کوئی ایسی حرکت صادر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 272 2۔ ایضاً، ص 273

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ

انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (وکرم)

اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ

فرمادے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ۶۴ ان کا ذمہ دار بنا کر (تاکہ ان کے کفر کے لیے آپ جوابدہ ہوں)

اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ

اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بیشک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو

عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ

بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور۔ (انھیں) کہیے اب بلاؤ ان کو جنھیں تم گمان کیا کرتے تھے

مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾

(کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا ۶۵ وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کرسکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں۔

نہ ہو جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔ تمہارے سامنے ایک عظیم مقصد ہے جس کی تمہیں تکمیل کرنا ہے۔ جب تک تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان اور مضبوط نہ ہو گے اسوقت تک اس مقصد کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ اگر شیطان نے ذرا سی شکر رنجی کا بھی تم میں سراغ لگا لیا تو اسے تمہارے تعلقات کو کشیدہ کرنے کا زریں موقع ہاتھ آجائیگا۔ اور وہ تمہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر چھوڑے گا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ، اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا (1) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرسکتا ہے اور نہ اسے ذلیل ورسوا کرسکتا ہے اور تقویٰ یہاں (سینہ میں) ہے۔

۶۳ نزغ کا معنی ہے دو آدمیوں کے درمیان فتنہ وفساد برپا کرنا۔ یُقَالُ نَزَغَ بَیْنَنَا اَیْ اَفْسَدَ (قرطبی) وَقَالَ غَیْرُهٗ النَّزْغُ: اَلْاِغْرَاءُ: بھڑکانا، برانگیختہ کرنا۔ (2)

۶۴ اے حبیب! آپ کا فرض دعوتِ حق پہنچا دینا ہے۔ آپ نے اپنا فرض باحسن طریق انجام دیدیا۔ اگر یہ لوگ اب بھی کفرو شرک سے باز نہیں آتے تو آپ دلگیر کیوں ہوتے ہیں۔ ان کے کفر وشرک کے لیے آپ جوابدہ نہیں مَا جَعَلْنَاكَ كَفِیْلًا لَهُمْ تُؤْخَذُ بِهِمْ (قرطبی)۔ (3)

۶۵ علامہ قرطبی نے اس کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: جب قریش کو قحط میں مبتلا کردیا گیا تو انہوں نے بارگاہِ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم، ج 2، ص 317 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 277 3۔ ایضاً، جز 10، ص 278

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

وہ لوگ جنھیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں ٦٦ وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کونسا بندہ (اللہ تعالیٰ سے) زیادہ قریب ہے

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

اور امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے ٦٧ بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی

مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

چیز ہے۔ اور کوئی ایسی بستی نہیں ہے مگر ہم اسے برباد کر دیں گے روزِ قیامت سے پہلے

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

یا اسے سخت عذاب دیں گے یہ فیصلہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے۔

رسالت میں حاضر ہو کر فریاد کی اور اپنی خستہ حالی کا تذکرہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی (1) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان سے دریافت کریں کہ جن معبودوں کی وہ پرستش اور عبادت کرتے ہیں اُن سے جا کر فریاد کیوں نہیں کرتے پھر خود ہی بتا دیا کہ وہ بیچارے خود بے بس ہیں اس مشکل وقت میں وہ تمہاری کوئی امداد نہیں کر سکتے۔ اے مشرکین! تم خود سوچو کہ جو خدا مشکل میں کام نہ آئے اور جو معبود مصیبت کو دور نہ کرے اس کو خدا بنانے اور اس کی پوجا کرنے سے کیا حاصل؟ یہاں زَعَمْتُمْ کا مفعول اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ محذوف ہے۔ یعنی جن کو تم خدا خیال کرتے ہو۔ اَيِ ادْعُوا الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَزَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ (قرطبی) (2) زَعَمْتُمْ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ (بیضاوی) (3) اَیْ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْدَادِ (ابن کثیر)۔ (4)

٦٦ پہلے اگر آیت کی ترکیب ذہن نشین کر لی جائے تو آیت کا معنی واضح ہو جائے گا اُولٰٓئِكَ موصوف الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ صفت يَدْعُوْنَ کے بعد ضمیر مفعول محذوف ہے۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ خبر۔ (5) مطلب یہ ہے کہ مشرکین جن کو خدا بنائے ہوئے ہیں اور جن کو اپنی تکالیف و مصائب میں پکارتے ہیں یہ خدا نہیں بلکہ وہ تو خود ہر لمحہ، ہر لحظہ اپنے رب کریم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مصروف عمل رہتے ہیں۔ اگر واقعی وہ خدا ہوتے جیسے مشرکین کا خیال ہے تو پھر انہیں کسی کی عبادت اور رضا جوئی کی کیا ضرورت تھی۔ مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے: اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر کی عبادت کرنا ممنوع ہے لیکن مقبولان بارگاہ ایزدی کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے التماسِ دعا کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ارشاد فرمایا خُذْ مِنْ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 279
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 278
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 378
4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 46
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 281

وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ کَذَّبَ بِہَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ

اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے ۶۸ (اور وہ فوراً تباہ کر دیے

وَ اٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَۃَ مُبۡصِرَۃً فَظَلَمُوۡا بِہَا ؕ وَ مَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ

گئے تھے) اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی۔ پس انھوں نے زیادتی کی اس پر ۶۹ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں

اِلَّا تَخۡوِیۡفًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذۡ قُلۡنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلۡنَا

مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لیے۔ اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا آپ کو کہ بیشک آپ کے پروردگار نے گھیرے میں لے لیا ہے لوگوں ۷۰ کو

الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَۃَ الۡمَلۡعُوۡنَۃَ فِی

۔ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو ۷۱ مگر آزمائش لوگوں کے لیے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو ۷۲ جس پر لعنت

اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَ تُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا وَ صَلِّ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمۡ۔(1) آپ ان سے زکوٰۃ لیجیے انہیں پاک کیجیے اور ان کے لیے دعا فرمایئے آپ کی دُعا ان کے لیے وجہ تسکین ہے۔ صحابہ کرام کشودِ مشکلات کے لیے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ مبارک جب دعا کے لیے اٹھتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کی مشکلیں آسان فرمایا کرتا۔ ان کی بیماریاں دور ہو جاتیں ان کی تنگدستیاں خوشحالی میں بدل جاتیں۔

۶۷ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہوتے اور اس کے عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہوتے ان کی ایک آنکھ اگر اس کی رحمت و کرم پر ہوتی ہے تو ان کی دوسری آنکھ اپنے گناہوں پر گریاں اور اس کے عذاب سے ترساں رہتی ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں جنہیں شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے۔ ان کا یہی حال ہوتا ہے۔

۶۸ کفارِ مکہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر ہمارے یہ مطالبات پورے کر دیئے جائیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صفا کا پہاڑ سونا بن جائے، دوسرا یہ ہے کہ یہ بے آب و گیاہ پہاڑ یہاں سے ہٹا دیئے جائیں تاکہ میدان کشادہ ہو جائے اور ہم اس میں کاشتکاری کر کے اپنی زندگی کی ضروریات فراہم کر سکیں۔ جبرائیل امین اسی وقت حاضر ہوئے اور آکر پیغام الٰہی پہنچایا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبات فوراً پورے کر دیئے جائیں لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو انہیں غور و فکر کی مزید مہلت دی جائے۔ حضور نے عرض کی لَا۔ بَلِ اسۡتَاۡنِ بِهِمۡ ”نہیں میرے کریم انہیں مہلت مرحمت فرما“۔(2)

۶۹ قوم ثمود کو ان کے مطالبہ کے پیشِ نظر جب اونٹنی کا معجزہ دکھایا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ اسی طرح ان لوگوں کا انجام بھی ہوتا ہے جن کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

1۔ سورۃ توبہ: 103
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 281

الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾ؑ وَ اِذْ قُلْنَا

بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انھیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں۔ پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انھیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے

لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

لگے۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم؈ کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے ؂۷۳ اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس

خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿۶۱﴾ۚ قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ٘ لَىِٕنْ

(آدم) کو جسکو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ (اس کی وجہ کیا ہے)؟ اگر تو

اَخَّرْتَنِ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ

مجھے مہلت دے روزِ قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے ؂۷۴ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

؂۷۰ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنے علم سے تمام لوگوں کو اپنے نرغہ میں لے رکھا ہے۔ آپ بے دھڑک اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں کسی کی مجال نہیں کہ آپ کو گزند پہنچا سکے۔

؂۷۱ اس آیت کی وضاحت اسی سورت کی پہلی آیت کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں رُؤْیا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے مستعمل ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے اَلْمُرَادُ بِرُؤْیَا ھُھُنَا رُؤْیَا عَیْنٍ: یہاں رُؤْیا سے مراد عالم بیداری میں دیکھنا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریر اور ان کے علاوہ کثیر التعداد علمائے تفسیر کی یہی رائے ہے اور اہل عرب کہتے ہیں رَأَیْتُ بِعَیْنِیْ رُؤْیَةً وَ رُؤْیَا (مظہری)(1)

؂۷۲ اس سے مراد زقوم ہے۔ اس کو بھی لوگوں کے فتنہ کا باعث بنایا کیونکہ جب ایک آیت میں بتایا گیا کہ جہنم میں زقوم کا درخت بھی ہوگا تو ابو جہل کو اسلام پر طعن کرنے کا ایک زرّیں موقع ہاتھ آیا کہنے لگا کہ ادھر تو آپ ہمیں ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو جلا کر خاکِ سیاہ بنا دے گی۔ دوسری طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ جہنم میں زقوم کے درخت بھی ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں تو نہیں آسکتی۔ ابو جہل کے اس اعتراض سے بھی کئی لوگ تذبذب کا شکار ہو گئے۔(2)

؂۷۳ اس سے پہلے یہ بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس دشمنی کی ابتداء کب ہوئی اب اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

؂۷۴ اس آیت میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے: اَخْبِرْنِیْ عَنْ هٰذَا الَّذِیْ فَضَّلْتَهٗ عَلَیَّ لِمَ فَضَّلْتَهٗ (قرطبی)(3) یعنی آدم کو تو نے مجھ پر فضیلت دی حالانکہ مجھے آگ سے اور اسے خاک سے پیدا کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ علامہ زرکشی نے تصریح کی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص452 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص283۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص453
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص287

اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۳

جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کریگا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے ۔ ۷۵

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ

اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

اپنے گھوڑسواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ ۔ ۷۶

ہے کہ جب رَاَيْتُ پر ہمزہ استفہام کا داخل ہو جائے تو پھر یہ لفظ دیکھنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی اَخْبِرْنِيْ "مجھے بتا" ہو جاتا ہے۔ وَاِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ عَلٰى رَاَيْتَ امْتَنَعَ اَنْ تَكُوْنَ مِنْ رُؤْيَةِ الْبَصَرِ اَوِ الْقَلْبِ وَ صَارَتْ بِمَعْنٰى اَخْبِرْنِيْ (البرہان فی علوم القرآن جلد نمبر ۴ ص ۱۷۸) (1)۔ اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس آدم خاکی کی کمزوریوں کو آشکارا کر کے چھوڑوں گا لَاَحْتَنِكَنَّ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی اور دیگر علماء لکھتے ہیں کہ جب مکڑی کسی کھیت کو کھا کر چٹ کر جائے تو عرب کہتے ہیں احْتَنَكَ الْجَرَادُ الزَّرْعَ اِذَا ذَهَبَ بِهٖ كُلِّهٖ (2): یہاں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ شیطان کہہ رہا ہے کہ اگر مجھے تو نے مہلت دی تو میں ان سب کو راہ راست سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا اور ان کے ایمان کا صفایا کر دوں گا۔ اور ان میں سے چند افراد کے بغیر کوئی ثابت قدم نہ رہے گا۔

۷۵۔ بارگاہِ خداوندی سے شیطان کو لوگوں کے بہکانے کا اذن عام دیا جا رہا ہے کہ جا! جو تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر! تیرا اور تیرے پیروکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں تمہیں تمہاری سیاہ کاریوں کی پوری پوری سزا ملے گی جَزَآءً مَّوْفُوْرًا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَهُوَ نُصِبَ عَلَى الْمَصْدَرِ (قرطبی) (3)

۷۶۔ اس آیت میں شیطان کو تمام ان وسائل کے اختیار کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے جو کسی کو راہِ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا حربہ صوت (آواز) ہے یعنی اپنی آواز سے اپنے لیکچروں اور مباحثوں سے ان کی دولتِ ایمان کو غارت کرنے کے لیے جو کچھ تو کر سکتا ہے کر گزر! دوسرا حربہ اپنے ہر قسم کے حواریوں کو یکجا کر کے اہل حق پر یورش کر دے۔ تیسرا ان کے مالوں یا ان کی اولاد میں شریک ہو جا یعنی محنت شاقہ سے مال وہ کمائیں اور خرچ تیری مرضی کے مطابق کریں۔ اولاد پیدا ہو ان کے ہاں لیکن ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ جب وہ جوان ہوں تو گناہوں اور بدکاریوں کے فروغ کا باعث ہوں۔ اور دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو کہ یہ مال ان کے نہیں تا کہ وہ اپنی مرضی سے انہیں وہاں خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے انہیں فلاح دارین نصیب ہو سکے بلکہ ان مالوں میں تو ان کا حصہ دار ہے اور تیری اجازت کے بغیر وہ ایک کوڑی بھی کہیں خرچ نہیں کر سکتے اسی طرح

1۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 178
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 287
3۔ ایضاً، جز 10، ص 288

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ

اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا ۷۷ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا ۷۸

سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ

اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کیلئے۔ تمھارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمھارے لیے کشتیوں کو

فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا

سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل ۷۹ بیشک وہ تمھارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اور جب پہنچتی

اولاد جس کو انہوں نے پالا وہ ان کی اولاد نہیں تاکہ والدین کے حقوق کی بجا آوری ان پر لازم ہو بلکہ تیرے ہر ناروا حکم کی تعمیل ان پر فرض ہے اور مال و اولاد میں شیطان کی شرکت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے حلال وحرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور وہ ہر طرح سے مال کمانے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حرام ذرائع سے جو مال وہ کمائیں گے اور ناجائز طریقے سے جو اولاد پیدا ہوگی اس میں تو ان کا برابر کا حصہ دار ہوگا۔ چوتھا حربہ جو شیطان کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کا سب سے زیادہ خطرناک حربہ ہے۔ وہ جھوٹے وعدوں کا ہے وہ حقیقت کو آشکارا ہونے نہیں دیتا ایسے ایسے گمراہ کن اور نظر فریب اور دلکش لالچوں میں انسان کو بتلا کر دیتا ہے کہ انسان عمر بھر ان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور ساری زندگی گمراہی کی اسی دلدل میں پھنسا رہتا ہے۔

۷۷ یہاں تنبیہ فرما دی کہ شیطان کے وعدے ہرگز قابل اعتماد نہیں وہ محض دھوکہ دینے کے لیے اور تمہیں ہدایت کی راہ سے بھٹکانے کے لیے ایسی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اس قسم کے کھوکھلے وعدوں کے فریب میں آجانا کسی عقلمند کو زیبا نہیں۔

اَلْغُرُوْرُ تَزْيِيْنُ الْبَاطِلِ مِمَّا يُظَنُّ اَنَّهٗ حَقٌّ (1): باطل کو اس طرح آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کرنا کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے اسے غرور کہتے ہیں۔

۷۸ اے شیطان! میرے بندوں پر تیرا کوئی افسوں کارگر نہیں ہو سکے گا وہ تیرے دام فریب میں ہرگز نہیں پھنسیں گے۔ تو جتنے جتن کر سکتا ہے کر دیکھ اِنَّ عِبَادِيْ میں جو لطف ہے اس کی حقیقت کا ادراک وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جو اِنَّ عِبَادِيْ کے زمرہ میں داخل ہیں۔

۷۹ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و ربوبیت کا ایک اور کرشمہ بیان کیا جا رہا ہے کہ بیکراں سمندر کے گہرے پانیوں اور اس میں اٹھنے والی طوفانی موجوں کو تمہاری کشتیوں اور جہازوں کے لیے مسخر فرما دیا ہے۔ ہزاروں من بلکہ لاکھوں ٹن وزن اٹھائے ہوئے تمہارے جہاز سطح آب پر اٹھلاتے پھرتے ہیں اور تمہاری عالمی تجارت کے لیے ایسی شاہراہیں ہموار کر دی ہیں جن کے ذریعے تم آسانی سے اپنے تجارتی سامان کو ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف لے جاتے ہو اور نفع کماتے ہو۔ کیا یہ اس کا احسان عظیم

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 456

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے[۸۱] پس جب وہ خیر و

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۗ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ

عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو تم) روگردانی کرنے لگتے ہو[۸۲] اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم بےخوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ تعالیٰ

بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ

دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل[۸۳] پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے

نہیں۔ رزق حلال کمانے کے لیے اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو برانگیختہ کیا ہے۔ یہاں بھی رزق کو فَضْلِهٖ (اپنا فضل) فرما کر مسلمانوں کو بحری تجارت کا شوق دلایا ہے اَلْاِزْجَاءُ السَّوْقُ: اِزْجَاءُ الْفُلْكِ سَوْقُهٗ بِالرِّيْحِ اللَّيِّنَةِ۔(1)

موافق اور آہستہ خرام ہوا سے کشتی چلانے کو ازجاء کہتے ہیں۔

۸۰ چاہیے تو یہ کہ انسان اپنے رحیم وکریم مالک کے احسانات کا ہر وقت اعتراف کرتا رہے۔ اور شکر ادا کرتا رہے۔ لیکن انسان کی کم فہمی کا کیا کہنا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی خدائی کے تخت پر بٹھا رکھا ہے اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتا ہے۔ انسان کی اس حماقت کو واضح کرنے کے لیے ارشاد ہے کہ جب تم تجارتی سامان سے بھری ہوئی کشتیاں اور جہاز لے جا رہے ہوتے ہو یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے بحری سفر کر رہے ہوتے ہو۔ اُس وقت جب خوفناک طوفان اُمڈ کر آتے ہیں اور گرداب ہلاکت قدم قدم پر منہ کھولے تمہیں ہڑپ کرنا چاہتے ہیں اُس وقت تو تمہیں اپنے سارے دیوی دیوتا بھول جاتے ہیں اور صرف ربِّ حقیقی کے حضور میں گڑگڑا کر اپنی نجات وسلامتی کے لیے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ اگر تمہارے گھڑے ہوئے بتوں میں خدائی قدرت کا کچھ اثر بھی ہوتا تو ان خطرے کی گھڑیوں میں تمہارے دل ان کی طرف ہی مائل رہتے۔ ان مشکل لمحوں میں ان کی طرف سے تمہارا منہ موڑ لینا اور ایک ربِّ قدیر کے حضور میں فریاد کرنا کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ انسانی فطرت میں عقیدۂ توحید کی تخم ریزی کی گئی ہے اور جب خارجی اور اجنبی آمیزش ختم ہوتی ہے تو عقیدۂ توحید خود بخود بے نقاب ہو جاتا ہے۔

۸۱ لیکن جب وہ اپنے فضل وکرم سے تمہاری سابقہ نافرمانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے تم پر کرم فرماتا ہے اور تمہیں سلامتی سے ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم اُس وقت پھر اُس سے روگردانی کرتے ہو اور اس کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ انسان کی ناشکری کی بھی آخر کوئی حد ہے۔

۸۲ یعنی اے مشرکین تمہاری حماقت کی بھی حد نہیں۔ سمندر میں تو تم عذابِ الٰہی سے ڈر کر شرک سے تائب ہو جاتے ہو لیکن خشکی پر قدم رکھتے ہی پھر وہی تمہارے لچھن ہوتے ہیں۔ گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ خشکی پر شرک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں کوئی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10،ص291

وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ

کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا

سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو ۸۳ پھر غرق کر دے تمھیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا پھر تم نہیں پاؤ گے

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ

اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا۔ اور بیشک ہم نے بڑی عزت بخشی اولادِ آدم کو ۸۴ اور ہم نے سوار کیا انھیں (مختلف سواریوں پر)

وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ

خشکی میں اور سمندر میں اور رزق دیا انھیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انھیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے

عذاب نہیں آئے گا۔ بے وقوفو! اللہ تعالیٰ چاہے تو جس سطح زمین پر تم کھڑے ہو اسی کو تمہارے سمیت دھنسا دے یا اولے برسا کر تمہیں اور تمہارے کھیتوں کو تہس نہس کر دے اَلْحَاصِبُ يُقَالُ لِلسَّحَابَةِ الَّتِيْ تَرْمِيْ بِالْبَرَدِ(1) حاصب اس بادل کو کہتے ہیں جس سے اولے برستے ہیں۔ حاصب اس تیز ہوا کو بھی کہتے ہیں جو سنگریزوں کو الٹ پلٹ دیتی ہے۔(2)

۸۳ ہوسکتا ہے کہ پھر تمہیں بحری سفر پیش آئے اور جب تم ساحل سے دور سمندر کے گہرے پانیوں میں پہنچ جاؤ تو اللہ تعالیٰ گرجتی ہوئی اور چنگھاڑتی ہوئی تند ہوا تم پر بھیج دے جو کشتیوں کو ریزہ ریزہ کر دے۔ اس وقت تم ہزار مرتبہ چلاؤ فریاد کرو، شرک سے تائب ہونے کے وعدے کرو لیکن تمہاری کوئی التجا سنی نہ جائے پھر تم کیا کرو گے۔ اس لیے خدا کے غضب سے ہر وقت ڈرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ مبادا اللہ تعالیٰ کی آتشِ انتقام بھڑک اٹھے اور تمہیں راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِهٖ بِجَاهِ حَبِيْبِهِ الْمُكَرَّمِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

۸۴ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے تمام وجوہِ تکریم کو ایک جامع فقرہ میں بیان فرما دیا ہے: "عقل و علم و گویائی، پاکیزہ صورت، معتدل قامت اور معاش و معاد کی تدابیر اور تمام چیزوں پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دے کر" (خزائن العرفان)(3) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وجوہِ تکریم میں محمد بن کعب کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ بِجَعْلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مِنْهُمْ(4)، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اولادِ آدم سے ہونا تمام نوعِ انسان کے لیے وجہ صد افتخار ہے۔ کسی نے کیا خوب لکھا ہے۔

اے شرف دودہ آدم بتو روشنی دیدۂ عالم بتو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 292 2۔ ایضاً 3۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 463، حاشیہ 155، تاج کمپنی، لاہور

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 118

خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ

پیدا فرمایا نمایاں فضیلت ۸۵ وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ ۸۶ پس وہ شخص

اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

جس کو دیا گیا اس کا نامۂ عمل اسکے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ (خوشی خوشی) پڑھیں گے اپنا نامۂ عمل اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا

فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

جائے گا۔ اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا ۸۷ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا

وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا۔ اور انھوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کردیں ۸۸ اس (کتاب) سے جو ہم نے آپ کی

کیست دریں خانہ کہ خیلے تو نیست | کیست بریں خوان کہ طفیل تو نیست
از تو صلائے بالست آمدہ | "نیست" بہ مہمانی "ہست" آمدہ

ترجمہ: یعنی آدم کے سارے خاندان کا عزّ و شرف حضورؐ کی برکت سے ہے۔ سارے جہان کی آنکھ کا نور حضورؐ ہی ہیں۔ عالمِ وجود میں کون ہے جو آپ کا خادم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس دسترخوانِ کرم پر آپ حقیقی مہمان ہیں باقی سب طفیلی ہیں۔ روزِ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں حضورؐ نے ہی بَلٰی فرمایا تھا اور حضور کے صدقہ نیست کو ہست کی مہمانی کا شرف حاصل ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا بھی ذکر فرمایا جو اس نے انسان پر فرمائے ہیں۔

۸۵ احناف اور جمہور اہلِ سنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں میں جو رسول ہیں وہ سب مخلوقات سے افضل ہیں۔ ان کے بعد فرشتوں میں جو رسول ہیں ان کا درجہ ہے۔ پھر عام فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔ (1)

۸۶ دنیا میں انسان کو جن فضائل و مکارم سے مشرف فرمایا گیا ہے ان کے ذکر کے بعد اب ان واقعات کو بیان کیا جا رہا ہے جو روزِ محشر انسان کو پیش آئیں گے۔ لغت میں امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے خواہ وہ ہدایت پر ہو یا گمراہی پر اَلْاِمَامُ فِي اللُّغَةِ كُلُّ مَنِ ائْتَمَّ بِهٖ قَوْمٌ كَانُوْا عَلٰى هُدًى اَوْ ضَلَالَةٍ (کبیر) (2) یعنی اہل حق کو ان کے انبیاء کے نام سے پکارا جائے گا۔ اے اُمت ابراہیمؑ! اے اُمت موسیٰؑ! اور اہلِ باطل کو ان کے گمراہ پیشواؤں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اے فرعونیو! اے نمرودیو! اے لینن کے پرستارو! وغیرہ (3)۔ اہل حق کا صحیفۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ جو اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ لوگ دارِ عمل سے کامیاب و کامران ہو کر آئے ہیں۔ اور ان کو ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمالِ صالحہ کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 15، ص 119 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 18 3۔ ایضاً

اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ۝۷۳ وَلَوۡلَاۤ

طرف وحی کی ہے تاکہ آپ بہتان باندھ کر (منسوب کریں) ہماری طرف اس کے علاوہ۔ تو اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے

اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدْتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـئًا قَلِيۡلًا ۝۷۴ ۙ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ

آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہوجاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۸۹ (بفرض محال اگر آپ ایسا کرتے) تو اس

۸۷ جس نے اس دنیا میں حق کے نور کو نہ دیکھا، آفتاب ہدایت طلوع ہوا اور انہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی باندھ لی انہیں جب حشر کے میدان میں لاکر کھڑا کیا جائے گا تو ان کے دل کی آنکھیں تو پہلے ہی نورِ بصیرت سے محروم تھیں۔ اب بطور سزا ان کی ظاہری آنکھیں بھی اندھی کردی جائیں گی اور انہیں کچھ سجھائی نہ دے گا۔

۸۸ لفظ "کَادَ" کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس رقمطراز ہیں کہ کَادَ: هَمَّ (پختہ ارادہ کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے وَکَادَ یَفْعَلُ کَذَا قَارَبَ وَ هَمَّ (1) نیز علامہ بدر الدین زرکشی نے سیّد شریف رضی کی کتاب "الغرر" سے اس کے متعدد معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے وَالثَّالِثُ اَنَّهَا بِمَعْنٰی اَرَادَ یعنی کَادَ کا معنی کسی کام کا ارادہ کرنا ہے (2)۔ اس آیت میں کَادُوْا کا یہی تیسرا معنی زیادہ مناسب ہے اس لیے میں نے اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

ان آیات کی جو تفسیر علامہ ابن کثیر نے کی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اِن آیات میں اللہ تعالیٰ اس امر کی خبر دے رہے ہیں کہ وہ خود اپنے محبوب رسول کا مؤید و مددگار ہے۔ وہی راہِ راست پر آپ کو ثبات بخشتا ہے۔ وہی ہر قسم کی غلطی سے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ شریروں کی شرانگیزیوں اور بدکاروں کی بدکاریوں سے وہی حضورؐ کو سلامت رکھتا ہے۔ حضورؐ کے سارے کام اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔ وہی اپنے حبیب کا مددگار، نگہبان اور ناصر ہے۔ وہی آپ کو اپنے دشمنوں پر فتح وظفر بخشنے والا اور آپ کے دین کو مخالفین کی مخالفت کے باوجود غلبہ بخشنے والا ہے۔ مشرق و مغرب میں اسلام کا پرچم تائیدالٰہی سے لہرا رہا ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (تفسیر ابن کثیر) (3)

اِن آیات میں مزید تدبّر کرنے سے نبوت کی ذمہ داریوں کی نزاکت کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی کلامِ الٰہی میں کسی وجہ سے ذرّہ برابر کمی بیشی ناقابل برداشت ہے۔ کفارِ مکّہ نے بارہا کوشش کی، قدموں میں زروسیم کا ڈھیر لگا دینے، تاج وتخت پیش کرنے اور حسین وجمیل عورت کا رشتہ دینے کی بارہا پیش کشیں کیں لیکن حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر اُن کی پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کہ اگر تم سورج میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں بال برابر ردّ وبدل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مجھے جس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں یا میری زندگی ختم ہوجائے۔ (4)

۸۹ علامہ زرکشی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فَالْمَعْنٰى عَلَى النَّفْيِ وَاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ يَرْكَنْ اِلَيْهِمْ لَا قَلِيْلًا وَّلَا

1۔ تاج العروس، ج 2، ص 489
2۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 138
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 53
4۔ سیرت ابن کثیر، ج 1، ص 474، دار الفکر، بیروت

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب موت کے بعد ۹۰ پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا

اور انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے ۹۱ اور اگر انھوں نے

لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

یہ حماقت کی تب وہ نہیں ٹھہر سکیں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ۔ (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنھیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے

كَثِيْرًا مِنْ جِهَةِ اِنَّ (لَوْلَا) الْاِمْتِنَاعِيَّةَ تَقْتَضِيْ ذٰلِكَ وَاِنَّهٗ اِمْتَنَعَ مُقَارَبَةُ الرُّكُوْنِ الْقَلِيْلِ لِاَجْلِ وُجُوْدِ التَّثْبِيْتِ يَنْتَفِي الْكَثِيْرُ مِنْ طَرِيْقِ الْاُوْلٰى (1) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے پاؤں کو مضبوطی سے راہِ راست پر مستحکم کر دیا ہے۔ اس لیے کفار کی طرف ادنیٰ سا میلان بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ 'لَوْلَا' امتناعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا یہ مفہوم بیان کیا جائے۔

كُلُّ ذٰلِكَ تَعْظِيْمًا لِّشَاْنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَمَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ الزَّكِيَّةُ مِنْ كَوْنِهٖ لَا يَكَادُ يَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا لِّلتَّثْبِيْتِ مَعَ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ (2) یعنی نفس کی طہارت کے ساتھ تثبیت خداوندی کی سعادت نے حضور کو اس مقام عالی اور شانِ رفیع پر فائز فرما دیا ہے

۹۰ اس سے حضور کی عظمتِ شان کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ جتنا کوئی زیادہ عزیز ہوتا ہے اتنا ہی اس کی معمولی سے معمولی لغزش ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور تو معصوم تھے۔ یہ تنبیہ حضور کی اُمت کو کی جا رہی ہے کہ وہ کسی صورت میں دینِ حق اور احکامِ شریعت کو چھوڑ کر کفّار کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوں۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَعْصُوْمًا وَّلٰكِنَّ هٰذَا تَعْرِيْفُ الْاُمَّةِ لِئَلَّا يَرْكَنَ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ اَحْكَامِ اللهِ تَعَالٰى وَشَرَائِعِهٖ (قرطبی) (3)

قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ (4) اے اللہ! مجھے چشم زدن کے لیے بھی اپنے نفس کے سپرد نہ کرنا۔ ہر وہ شخص جو دعوتِ حق کا فریضہ ادا کر رہا ہو اسے ہر لحظہ ان آیات کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مبادا! اس سے کوئی ایسی فروگزاشت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بن جائے۔ ہمارا علم ناتمام ہے، ہماری عقل خام ہے، ہم شیطان کی وسوسہ اندازیوں کا صحیح طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے

1۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 137 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 300 4۔ ایضاً تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 89

مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ

رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیںگے ہمارے اس دستور میں کوئی رد و بدل ٩٢ نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے

الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

کے بعد رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجیے) نماز صبح ٩٣ بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ

مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ

کیا جاتا ہے ٩٤ اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) یہ نماز زائد ہے آپ کے لیے یقیناً فائز فرمائیگا

بچنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ صدقِ دل سے اور عجز و نیاز سے اپنی بے بسی کا پورا اعتراف کرتے ہوئے ہر قدم پر بارگاہِ الٰہی میں یہی التجا کریں یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ۔

٩١ کفارِ مکہ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جزیرۂ عرب سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ بھی کر دیکھو۔ تمہیں اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ ہم تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ یہ تو اسی محبوب کا لحاظ ہے کہ تمہاری غلط کاریوں کے باوجود تم کو عذاب سے نجات ملی ہوئی ہے۔ جب سرزمین عرب سے یہ سراپا یمن و برکت ہستی تشریف لے جائے گی تو تمہیں جلد ہی کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔

٩٢ ہمارا یہی دستور ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اذیت پہنچاتی ہے اور اس کو اپنے وطن سے چلے جانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ نبی ان کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر جاتا ہے تو پھر عذابِ الٰہی کے نزول میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ یہ ہمارا ایسا دستور اور ایسی سنّت ہے جس میں ردّ و بدل کی گنجائش نہیں۔

٩٣ حضور کریم کو راہِ حق سے منحرف کرنے کے لیے مشرکین جو جتن کیا کرتے تھے اور حضورؐ کو تکلیف پہنچانے کے لیے جس طرح سرگرم رہا کرتے تھے۔ ان کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نماز کی ادائیگی کی طرف متوجہ فرما رہا ہے۔ تاکہ ان جاں گسل لمحوں میں تائیدِ خداوندی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نمازِ پنجگانہ سفرِ معراج میں فرض ہوئی تھی۔ یہاں نمازوں کے اوقات بتائے جا رہے ہیں جن کی تفصیل حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (٢) دو روز حاضر ہو کر اور جماعت کرا کے کر دی "دُلُوْك" کا معنی اگرچہ غروب آفتاب بھی کیا گیا ہے لیکن یہاں اس کا معنی زوال ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے فِی الْقَامُوْسِ دَلَكَتِ الشَّمْسُ دُلُوْكًا غَرَبَتْ اَوِ اصْفَرَّتْ اَوْ زَالَتْ عَنْ كَبِدِ السَّمَاءِ وَالْحَمْلُ عَلَی الزَّوَالِ اَوْلٰی (1) غَسَقٌ: پہلی رات کے اندھیرے کو کہتے ہیں۔ اَلْغَسَقُ ظُلْمَةُ اَوَّلِ اللَّيْلِ (2)۔ زوالِ آفتاب سے غروبِ شفق تک چار نمازوں کے اوقات ہو گئے۔ فجر کی نماز کا وقت الگ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے بیان کیا۔ (3)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 465۔ القاموس المحیط، ص 639 2۔ القاموس المحیط، ص 621 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 27

۹۴ یعنی دن اور رات کے فرشتے اس وقت یکجا ہوتے ہیں۔(1)

۹۵ هُجُودٌ اضداد سے ہے۔ سونے اور بیدار ہونے، دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ لغت کے امام الازہری نے اِس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے تَهَجُّدٌ: تَرْكُ هُجُوْدٍ (یعنی نیند کو ترک کرنا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے تَحَرُّجٌ اور تَاَثُّمٌ حرج اور اثم کے ترک کو کہتے ہیں۔ (رازی) (2)

پہلے نماز پنجگانہ کے اوقات بیان ہوئے۔ جو ہر کس و ناکس پر فرض تھیں۔ اب اس مخصوص نماز کی ادائیگی کا ذکر ہو رہا ہے جو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بطور فرض یا زائد عبادت لازم ہے۔ یہ نماز تہجد ہے یعنی جب لوگ سو رہے ہوں، ہر طرف سناٹا چھایا ہو، آغوشِ شب میں ہر چیز محو خواب ہو، اے حبیب اس وقت اُٹھ! اور خلوت گاہ ناز میں شرف باریابی حاصل کر کے جبین نیاز کو لذتِ سجدہ سے آشنا کر۔ تیری یہ بے خوابیاں، یہ قلق اور بے کلی، یہ اشک کا سیل رواں، یہ شانِ بندگی کا ظہور سب کو شرفِ قبول بخشا جائے گا۔ اور آپ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے گا جس کی جلالت شان کو دیکھ کر دنیا بھر کی زبانیں تیری ثنا گستری اور حمد و ستائش میں مصروف ہو جائیں گی۔ عَسٰی کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس وقت اس کا معنی یقین ہوتا ہے عَسٰی وَلَعَلَّ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاجِبَتَانِ (البرہان) (3)

مقامِ محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: هُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ فِیْهِ (4) ''یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا''۔ امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے کہ ایک روز غمگسارِ عاصیاں اور چارہ سازِ بیکساں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خلیلؑ کے اس قول کو پڑھا۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ (ابراہیم: 36) (اے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جنہوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہوں گے۔ اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو تُو غفورٌ رحیم ہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے اس جملہ کو دُہرایا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ (المائدہ: 118) (اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو تو ہی عزیز و حکیم ہے)

پھر حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ ثُمَّ بَکٰی۔ ''اے میرے رب میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ پھر حضورؐ زار و قطار رونے لگے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا جِبْرَئِیْلُ اذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ لَهٗ اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ۔ ''اے جبرئیل میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو۔ اے حبیب ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے۔ اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے''۔ (5)

روزِ حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا، جلالِ خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی، بڑے بڑے شُجاع اور زور آور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہوں گے، ساری خلقِ خدا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت کلیم تک کا دروازہ کھٹکھٹائے گی لیکن کہیں شنوائی نہ ہوگی۔ آخر کار حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوگی۔ آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں ایک کریم کا آستاں بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونے والا کبھی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص466 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج11، جز21، ص31 3۔ البرہان فی علوم القرآن، ج4، ص158
4۔ مسند امام احمد، ج2، ص528۔441 5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لامتہ، ج1، ص113

نامراد واپس نہیں لوٹا۔ جاؤ! اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اور وہاں جا کر عرضِ حال کرو۔ چنانچہ سب بارگاہِ محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوں گے اور اپنی داستانِ غم پیش کریں گے۔ حضورؐ سن کر فرمائیں گے: اَنَا لَهَا۔ اَنَا لَهَا۔ ہاں! میں تمہاری دستگیری کے لیے تیار ہوں۔ حضورؐ عرشِ عظیم کے قریب پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے۔ اپنی پاک اور مطہر زبانِ نور سے سبوح وقدوس رب کی حمد وثناء کریں گے۔ ادھر سے آواز آئے گی یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ اِسْئَلْ تُعْطَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ ''اے سراپا خوبی وزیبائی! اپنے سر مبارک کو اٹھاؤ! کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے۔ تم شفاعت کرتے جاؤ۔ ہم شفاعت قبول فرماتے جائیں گے''۔ اس طرح شفاعتِ حبیب سے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔(1)

علّامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے قاضی ابو الفضل عیاض سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ پرنور سرورِ عالمیاں پانچ شفاعتیں فرمائیں گے۔(2)

١۔ شفاعتِ عامہ جس سے مومن اور کافر، اپنے بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔

٢۔ بعض خوش نصیبوں کے لیے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔

٣۔ وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذابِ دوزخ کے مستحق قرار پا جائیں گے۔ حضورؐ کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے۔

٤۔ وہ گنہگار جنہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا حضور شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے۔

٥۔ اہل جنت کے مدارج میں ترقی کے لیے سفارش فرمائیں گے۔

خود سوچئے! جس کا دامنِ کرم سب کو ڈھانپے ہوگا۔ جس کی محبوبیت کا ڈنکا ہر جگہ بج رہا ہوگا۔ جس کی جلالت شان اپنے بھی دیکھیں گے اور بیگانے بھی۔ ایسے میں کون سا دل ہوگا جو اس محبوب کی عظمت کا اعتراف نہ کرے گا اور کون سی زبان ہوگی جو اس کی تعریف وتوصیف میں زمزمہ سنج نہ ہوگی۔

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اے مکّہ کے باشندو! تم جس کی راہ میں کانٹے بچھانا اپنا مقدس فرض سمجھتے ہو جسے طرح طرح سے اذیت دے کر اپنی تفریح کا سامان کرتے ہو۔ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں گرفتار ہو کر میرے برگزیدہ بندے کی جلالت شان کا انکار کرتے ہو۔ اس کی حقیقت سے پردہ تب اٹھے گا جب داورِ محشر عزّت وجلال کے عرش پر متمکن ہو کر ہر چیز کو اپنے دربار میں جوابدہی کے لیے طلب فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید الخذری سے مروی ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ يَّوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِىْ۔ (ترمذی شریف)(3)

''یعنی قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار میں ہونگا۔ حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا۔ سارے نبی میرے پرچم کے نیچے جمع ہوں گے۔ یہ ساری باتیں اظہارِ حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ فخر ومباہات مقصود نہیں''۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ستائیس صحابہ سے حدیث شفاعت مروی ہونے کی تصدیق کی ہے۔ لیکن ان صریح احادیثِ صحیحہ کے باوجود معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا(4)۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں: یہ حدیث متواتر ہے۔ پس بڑا بدبخت ہے وہ آدمی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجہمیۃ، باب کلام الرب یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہم، ج2، ص19-1118
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص310
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، ج2، ص143
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص79-477

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝٧٩ وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

آپ کو آپ کا رب مقامِ محمود پر۔ اور دعا مانگا کیجیے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور

أَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝٨٠

جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو ۹۶

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝٨١

اور آپ (اعلان) فرما دیجیے آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل ۹۷ بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ

اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعثِ) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہلِ ایمان کے لیے ۹۸ اور قرآن نہیں بڑھاتا ۹۹

جو شفاعت کا منکر ہے۔ قَالَ السَّيُوطِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ مُّتَوَاتِرٌ فَتَعِسَ مَنْ اَنْكَرَ الشَّفَاعَةَ (1)۔ امام بخاری اور مسلم نے حضرت فاروقِ اعظم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ يُّكَذِّبُوْنَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِالشَّفَاعَةِ (2) ''کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے''۔ آج سے پہلے بھی اس کا انکار معتزلہ اور خارجیوں نے کیا اور آج بھی ایک طبقہ بڑی شد و مد سے اس کا منکر ہے اور جب دلائل صحیحہ کے باعث انکار نہیں کر سکتے تو شفاعت کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں شانِ مصطفےٰ کا انکار پایا جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ جسارت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جو آج شفاعت کا انکار کرے گا وہ کل اس سے محروم کر دیا جائے گا۔

۹۶ حضورؐ کو جب ہجرت کا حکم ملا تو یہ آیت نازل ہوئی (3) جس میں ایک دعا کی تلقین کی گئی کہ اے رب کریم میرا مکہ سے ہجرت کرنا بھی سچائی کے ساتھ ہو اور مدینہ میں ورود بھی سچائی کے ساتھ ہو یعنی دونوں کا انجام نیک ہو۔ کہیں سے کوچ کروں یا کہیں اقامت کروں۔ تیری تائید و نصرت میرے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ جو دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو سکھائی تھی۔ دنیا نے دیکھا کہ اس کا ایک ایک حرف پورا ہوا۔ مدینہ مہبط انوار الٰہی بنا تو چشم عرش کا نُور بن گیا۔ اور چند سال بعد جب مکہ کا یہ مسافر دس ہزار جانثاروں کے جھرمٹ میں مکّہ میں داخل ہوا تو کفر و شرک کی تاریکی کافور ہوگئی اور مکّہ بقعۂ نور بن گیا۔

۹۷ یہ اعلان جو بظاہر انتہائی ناسازگار حالات میں ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں کیا گیا تھا آخر پورا ہوا۔ مکہ فتح ہوا۔ حضورؐ فتح مبین کا پرچم لہراتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ جو ایک عرصۂ دراز سے ایک بتکدہ بن چکا تھا۔ جس میں سینکڑوں بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ حضورؐ اس جگہ تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے بتوں کی طرف اشارہ فرماتے اور زبانِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 479 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب و من سورة بنی اسرائیل، ج 2، ص 142۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 313

الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ

ظالموں کے لیے مگر خسارہ کو اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور

نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى

پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص عمل پیرا ہے اپنی

شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

فطرت کے مطابق۔ پس تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر (گامزن) ہے۔ یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے

پاک سے یہ آیت پڑھتے اور بت منہ کے بل زمین پر آ گرتے۔ اس طرح پھر حق کا بول بالا ہوا اور باطل پسپا اور رسوا ہوا۔ (1)

۹۸ یعنی انسان ذہنی، قلبی، روحانی، جسمانی اور اخلاقی جن جن بیماریوں سے دوچار ہوتا ہے اس نسخۂ کیمیا میں ان تمام روگوں کے لیے شفا ہے۔ غفلت کی کدورت، شک وارتیاب کی تاریکی، کفر وشرک کی نجاست اس کے فیض سے سب ڈھل جاتی ہیں۔ ضرورت صرف اتنی ہے کہ اس کو دیانتداری سے اپنا خضرِ راہ بنایا جائے پھر اس کی رحمت کے چشمے علم وعمل کے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں اور رشک صدارم بنا دیتے ہیں۔

۹۹ لیکن جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور جو اس کو پہچانتے ہی نہیں اور اس کے پہچاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ ان کی بدبختی میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کا مطلعِ حیات تیرہ وتار ہو جاتا ہے۔

۱۰۰ یہ دنیا دارالمحن ہے۔ انسان کو اپنی زندگی میں مختلف قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی عزّت ووقار کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہوتا ہے۔ راحت ومسرّت کی چاندنی ہر طرف نور برسا رہی ہوتی ہے۔ امیدوں کے غنچے کھل کھل کر پھول بن رہے ہوتے ہیں۔ جو قدم اٹھتا ہے کامیابی کی طرف اٹھتا ہے۔ ہر تدبیر ہم آہنگِ تقدیر معلوم ہوتی ہے اور کبھی رنج وغم کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ حزن وملال کی اُداسی ہر طرف دامن پھیلائے ہوتی ہے۔ جدھر رُخ کرتا ہے محرومی ونامرادی کا سامنا ہوتا ہے۔ ساری آرزوئیں حسرتیں بن کر رہ جاتی ہیں۔ ہر لحظہ بدلنے والے ان حالات میں ہر انسان کا ردِّعمل یکساں نہیں ہوتا۔ اِس آیت میں الانسان سے مراد وہ انسان ہے جس نے قرآن کے نُور سے اپنی شاہراہِ حیات کو منور نہیں کیا ہوتا۔ بتایا جا رہا ہے کہ ایسا انسان دولت واقتدار کے زمانہ میں سرکش اور نافرمان بن جاتا ہے اور اپنے پروردگارِ حقیقی سے یکسر منہ موڑ لیتا ہے۔ اس کی دی ہوئی عزّت، دولت، صحت کو اُس کی نافرمانی میں صرف کرتا ہے لیکن جب غم واندوہ کے بادل گھر کر آتے ہیں تو سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے اور اس کی ساری نخوتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ سطحِ زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنے والا مایوسی وناامیدی کے ایک ہی جھونکے سے خزاں زدہ زرد پتے کی طرح اڑنے لگتا ہے اور حالات کی ناسازگاری کے سامنے بڑی بے بسی سے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ آپ خود غور فرمائیے جو شخص

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 314۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، ج 2، ص 142

قوت واقتدار کے زمانہ میں آمادۂ فتنہ وفساد ہوجائے اور حالات کی ذراسی تبدیلی پر دل ہار کر بیٹھ جائے۔ وہ کسی طرح اپنی قوم، اپنے وطن اور اپنی ذات کے لیے مفید نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ خوش نصیب افراد جو قرآن کے چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوتے ہیں وہ موافق حالات میں اپنے محسنِ حقیقی کا دل وجان سے شکر ادا کرتے ہیں اور ناموافق حالات میں مایوس ہوکر ہمت نہیں ہارتے بلکہ اپنے ربِّ کریم کی تائید ونصرت پر یقین محکم رکھتے ہوئے اپنی جدّ وجہد کو پہلے سے بھی تیز تر کردیتے ہیں۔ یہ ہے وہ کردار جو ہدایتِ قرآن سے محروم رہنے والے لوگوں کا زندگی کے مختلف مراحل میں ہوتا ہے اور یہ ہے وہ کردار جس کی تشکیل قرآن کرتا ہے۔

۱۰۱۔ لفظ شَاکِلَۃٌ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی رقمطراز ہیں کہ مجاہد نے اس کا معنی ''طبیعت'' کیا ہے اور مقاتل نے اس کا معنی جبلّت کیا ہے یعنی ہر شخص وہ کام کرتا ہے جو اس کی سرشت اور فطرت کے مطابق ہو(1)۔ اس آیت میں کافروں کی مذمّت ہے کہ ان کی سرشت کیونکہ خبیث ہے اس لیے ان کے اعمال بھی خباثت سے آلودہ ہوں گے۔ اور اس میں مومن کی توصیف ہے۔ کیونکہ مومن کی سرشت پاکیزہ ہے اس لیے ان کے اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے قرآن کریم کو اوّل سے آخر تک پڑھا ہے اور مجھے اس آیت سے زیادہ امید افزا کوئی آیت نظر نہیں آئی۔ کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر کوئی اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ بندے کا کام گناہ کرنا ہے اور رحمتِ خداوندی کا کام گناہوں کا بخشنا ہے۔ قَالَ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ قَرَأْتُ الْقُرْاٰنَ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ فَلَمْ اَرَ فِیْہِ اٰیَۃً اَرْجٰی وَ اَحْسَنَ مِنْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی **قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ** فَاِنَّہٗ لَا یُشَاکِلُ بِالْعَبْدِ اِلَّا الْعِصْیَانُ وَلَا یُشَاکِلُ بِالرَّبِّ اِلَّا الْغُفْرَانُ۔ (2)

۱۰۲۔ اس آیت کی شانِ نزول کیا ہے؟ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہود کی انگیخت پر مشرکین مکہ نے روح کی حقیقت کے بارے میں حضور رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا۔ دوسری یہ کہ ہجرت کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو وہاں کے احبارِ یہود نے اس معمہ کا حل امتحاناً دریافت کرنا چاہا(4)۔ بہر حال یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس کی خلش ہر غور وفکر کرنے والا اپنے دل ودماغ میں محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ہر زمانہ کے فلسفیوں نے اس معمے کو حل کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن ہر کوشش نے اسے پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا۔ یہی سوال جب بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو زبانِ قدرت نے اس کا یہ مختصر لیکن جامع جواب دے کر تمام اوہام وشکوک کا دروازہ بند کردیا۔ ''**اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ**'' یعنی روح میرے رب کا امر ہے۔ امام فخر الدین رازی اور ان کا تتبع کرتے ہوئے علامہ سید آلوسی صاحبِ روح المعانی نے اپنی اپنی تفاسیر میں علمائے عقل ونقل کی آراء کو یکجا بیان کردیا ہے۔ ان تفصیلات کا تذکرہ تطویل کا باعث ہوگا۔ اس لیے میں اس کے بیان سے صرفِ نظر کرتا ہوں لیکن ایک چیز کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا تھا یا نہیں۔ اس کے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو لکھا ہے وہی پیش خدمت ہے: اَنَّہٗ تَعَالٰی قَالَ فِیْ حَقِّہٖ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا وَقَالَ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَقَالَ فِیْ صِفَۃِ الْقُرْاٰنِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ وَّکَانَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یَقُوْلُ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ فَمَنْ کَانَ ھٰذَا حَالُہٗ وَصِفَتُہٗ کَیْفَ یَلِیْقُ بِہٖ اَنْ یَقُوْلَ اَنَا لَا اَعْرِفُ ھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃَ مَعَ اَنَّھَا مِنَ الْمَسَائِلِ الْمَشْھُوْرَۃِ الْمَذْکُوْرَۃِ بَیْنَ جُمْھُوْرِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 322 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 25-324

الْخَلْقِ بَلِ الْمُخْتَارُ عِنْدَنَا اَنَّهُمْ سَاَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم اَجَابَ عَنْهُ عَلٰی اَحْسَنِ الْوُجُوْهِ۔(1)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان میں فرمایا ہے: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ رحمٰن نے قرآن سکھایا اور وَعَلَّمَكَ الآیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ پھر حکم دیا کہ دعا مانگو: رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ''اے اللہ میرے علم کو زیادہ فرما''۔ اور قرآن کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَلَا رَطْبٍ الآیہ ''کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو''۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کرتے تھے: ''اے اللہ مجھے تمام چیزیں اس طرح دکھا جس طرح وہ حقیقت میں ہیں''۔ تو جس ذات کی یہ شان اور صفت ہو اس کے لیے کب مناسب ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ مشہور مذکور مسئلوں میں سے ہے۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ انہوں نے روح کے متعلق دریافت کیا اور حضور نے اس کا کماحقہٗ جواب دیا۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں بڑی تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ لَا تَقْتَضِیْ نَفْیَ الْعِلْمِ بِالرُّوْحِ لِلنَّبِیِّ وَلِاَصْحَابِ الْبَصَائِرِ مِنْ اَتْبَاعِهٖ کہ ''اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضورؐ کے ارباب بصیرت اطاعت کیشوں کو روح کا علم نہ تھا''۔ کیونکہ نفوس قدسیہ کا علم صرف حواس اور کسب واکتساب سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ حواس اور کسب و اکتساب کے بغیر اشیاء کے حقائق کا علم انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں کے کان ہیں جن سے وہ ایسی باتیں سنتے ہیں جو ظاہری کان نہیں سُن سکتے۔ اُن کے دلوں کی آنکھیں ہیں جن سے وہ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جنہیں یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے یہ حدیث مشہور نقل کی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ لَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ يُبْصِرُ بِهٖ والحدیث۔

حضورؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادتوں کے ذریعہ میرے نزدیک ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں ہی اس کی قوتِ سمع بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور قوت بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔(تفسیر مظہری)(2)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اطباء کے نزدیک روح کی تعریف یہ ہے جِسْمٌ لَّطِيْفٌ مَّنْبَعُهٗ تَجْوِيْفُ الْقَلْبِ الْجِسْمَانِیِّ فَيَنْتَشِرُ بِوَاسِطَةِ الْعُرُوْقِ الضَّوَارِبِ اِلٰی سَائِرِ اَجْزَاءِ الْبَدَنِ(3)۔ کہ ''روح ایک جسم لطیف ہے جس کا منبع تجویف قلب ہے۔ جو بدن میں پھیلی ہوئی رگ وریشہ کے ذریعہ جسم کی ہر جز میں سرایت کر جاتا ہے''۔ اور علمائے حقیقت کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے: هُوَ اللَّطِيْفَةُ الْعَالِمَةُ الْمُدْرِكَةُ مِنَ الْاِنْسَانِ هُوَ الَّذِیْ اَرَادَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِقَوْلِهٖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَهُوَ اَمْرٌ عَجِيْبٌ رَّبَّانِیٌّ تَعْجِزُ اَكْثَرُ الْعُقُوْلِ وَالْاَفْهَامِ عَنْ دَرْكِ حَقِيْقَتِهٖ(4)۔ یعنی یہ ایک لطیفہ ہے جو علم اور ادراک کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی کے متعلق اس آیت میں اشارہ ہے: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک عجیب راز ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے سے بیشتر عقلیں قاصر ہیں''۔ علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 38 | 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 485۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج 2، ص 963
3۔ احیاء العلوم، ج 3، ص 3، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت | 4۔ ایضاً، ج 3، ص 4

الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا

روح کی حقیقت کے متعلق۔ (انھیں) بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمھیں علم مگر

قَلِیۡلًا ﴿۸۵﴾ وَ لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ

تھوڑا سا۔ اور اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ کوئی ایسا

لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ

وکیل نہ پاتے جو آپ کے لیے اس کے متعلق ہماری بارگاہ میں وکالت کرتا سوائے اپنے رب کی رحمت کے (کہ وہ ہمہ وقت آپ کے شامل حال ہے) یقیناً اس کا فضل (وکرم) آپ

عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا

پر بہت بڑا ہے (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی

بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ لَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ

مثل ہے تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے

بخاری ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہیں دیا گیا لکھتے ہیں: قُلۡتُ جَلَّ مَنۡصَبُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ حَبِیۡبُ اللّٰهِ وَ سَیِّدُ خَلۡقِهٖ اَنۡ یَّكُوۡنَ غَیۡرَ عَالِمٍ بِالرُّوۡحِ وَ كَیۡفَ وَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡهِ بِقَوۡلِهٖ (وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكَ عَظِیۡمًا ﴿۱۱۳﴾) (عمدۃ القاری شرح البخاری جلد دوم ص ۲۰)(1)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ نبی کریم جو اللہ تعالیٰ کے حبیب اور اس کی ساری خلق کے سردار ہیں۔ آپ کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان کرتے ہوئے فرمایا: وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ الآیۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر وہ بات سکھا دی جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور (اے محبوب!) آپ کے رب کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

۱۰۳۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں یعنی "قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے۔ لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے۔ اسی لیے یہ نعمت عظمیٰ عنایت فرمائی اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں صرف قدرت عظیم کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں، ذاتی نہیں"۔(2)

۱۰۴۔ پہلے اپنی قدرت کاملہ مطلقہ کا ذکر فرمایا کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ حتیٰ کہ آپ سے نعمت وحی بھی اگر سلب کر لوں تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ بیانِ قدرت کے معاً بعد اپنی رحمتِ بے پایاں کا ذکر فرما دیا۔ جس سے اس نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز

1۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری از علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی، متولد 762ھ، متوفی 855ھ، ج2، ص172، مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ، مصر 2۔ حاشیہ قرآن مجید از شبیر احمد عثمانی، ص801، حاشیہ 10

ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ

مددگار۔ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کیلیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں ۱۰۶ (تاکہ وہ ہدایت

فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ

پائیں) پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے سوائے اسکے کہ وہ ناشکری کریں۔ اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائینگے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں

لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَ

ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔ یا (لگ گئے تیار) ہو جائے آپ کے لیے ایک باغ کھجوروں اور

عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا

انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہ رہی ہوں یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا

زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ

خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہو جائے

لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

آپکے لیے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں ۱۰۷ بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائینگے کہ آپ

فرمایا۔ آیت کے اس جملہ میں تو اپنے جود و کرم اور فضل و عطا کی انتہاء کر دی کہ اے محبوب ہم نے جو عنایاتِ خصوصی آپ پر فرمائی ہیں وہ قلیل اور محدود نہیں بلکہ وہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ جس فضل و کرم کو اللہ تعالیٰ اپنی زبانِ قدرت سے کبیر فرما رہا ہے۔ اس کے حدود کا تعین کرنا عقلِ انسانی کے امکان سے خارج ہے۔ حضور کا سید ولد آدم ہونا۔ مقامِ محمود پر فائز ہونا۔ لواء رحمۃ للعالمین کا مرحمت فرمایا جانا ختمِ نبوت کا تاج سر پر رکھا جانا یہ اس فضل کبیر کے چند جلوے ہیں۔ اسی سے شانِ مصطفوی کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ الَّذِىْ شَرَّفْتَهٗ بِفَضْلِكَ الْكَبِيْرِ وَعَطَاءِكَ الْجَزِيْلِ وَلُطْفِكَ الْجَمِيْلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا مِنْ شَفَاعَتِهٖ وَلَا تُبْعِدْنَا عَنْهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

۱۰۵ اور یہ چیلنج آج بھی منکرین قرآن و رسالت کو للکار رہا ہے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس کو قبول کر سکے۔

۱۰۶ ایک چیز کو بار بار مختلف اسلوبوں سے بیان کرنے کو تصریف الامر کہتے ہیں۔ اَیْ كَرَّرْنَا بِوُجُوْهٍ مُّخْتَلِفَةٍ فِى التَّقْرِيْرِ

حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا

آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرمادیں میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے! نہیں

بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰۤی

میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔ اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی اُن کے پاس ہدایت

اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾ قُلۡ لَّوۡ کَانَ فِی الۡاَرۡضِ

مگر اس چیز نے کہ انھوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہو سکتا) فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی

مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا

بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اسمیں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (انکی ہدایت کے لیے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ

رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾ قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ

رسول بنا کر فقط فرمایئے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمھارے درمیان۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کے احوال)

خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۹۶﴾ وَ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ

کو خوب جاننے والا اور ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ نہیں

البیانِ (مظہری) (1)

یعنی اس میں پند و موعظت بھی ہے اور احکام و حکم بھی۔ گزشتہ گم کردہ راہ اقوام کے دردناک انجام کا بھی ذکر ہے اور مقبولانِ بارگاہِ صمدیت کی سرفرازیوں کا بیان بھی۔ غرضیکہ ہدایت پذیری کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہے سب مہیا کر دیا گیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر بدنصیب اور کون ہوگا۔

۱۰۷ ان آیات میں کفّار کے لغو مطالبات اور لایعنی فرمائشوں کا تذکرہ ہے۔

۱۰۸ ان سب خرافات کا ایک ہی جواب دینے کا حکم فرمایا کہ آپ انہیں کہیے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو اس کام پر مجبور کروں جو اس کی حکمت کے خلاف ہو۔ اور اپنی من مانی کرا کر رہوں۔ وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۱۰۹ وہ آپ کے دامنِ سیرت میں بھی کوئی داغ نہیں دکھا سکتے۔ وہ آپ کی دعوت کی حقانیت پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے۔ اس قرآن

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص489

تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى

پائیں گے ان (گمراہوں) کے لیے کوئی مددگار اس کے سوا ۱۱۰ اور ہم اٹھائیں گے انھیں قیامت کے روز

وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ

منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہونگے ۱۱۱ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ)

سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا

توہم انکے لیے اسکی آنچ کو بڑھا دینگے۔ یہ سزا ہے ان کی کیونکہ انھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم

عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ

ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے از سرِ نو پیدا کر کے ۱۱۲ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرما دے ان کی مثل

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ

اور اس نے مقرر فرما دی ہے انکے لیے ایک میعاد جسمیں ذرا شک نہیں پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ تعالیٰ کی قدرت کا) سوائے اسکے کہ وہ ناشکری کریں فرمائیے

حکیم کا مثل پیش کرنے کی انہیں بار بار دعوت دی گئی لیکن وہ اس دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ ان کے پاس آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنیکی اگر کوئی دلیل ہے تو صرف یہ کہ آپ بشر ہیں۔ اور ان کے نزدیک بشر مقام رسالت پر فائز نہیں ہو سکتا، لیکن ان کا یہ اعتراض بھی لایعنی تھا۔ کیونکہ رسول کی آمد کا مقصد تعلیم و ہدایت ہے۔ جب زمین پر بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی کا فریضہ ان کا ایک ہم جنس ہی احسن طریق پر ادا کر سکتا ہے۔ اگر یہاں فرشتے آباد ہوتے اور ان کی راہنمائی کے لیے کسی رسول کو مبعوث کیا جاتا تو ان میں کسی فرشتہ کو ہی یہ ذمہ داری سونپی جاتی۔

۱۱۰ ہدایت دینے والا وہی ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے انسان بچ نہیں سکتا۔ جب تک اس کی توفیق دستگیری نہ کرے۔ جس سے اس نے اپنی نظر عنایت پھیر لی، اس کا راہ یاب ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ عقل و فہم کے چراغ بجھ جاتے ہیں اور علم حجابِ اکبر بن جاتا ہے۔

۱۱۱ کیونکہ انہوں نے خداداد صلاحیتوں کو معرفتِ حق کے لیے استعمال نہ کیا۔ اس لیے قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے

لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ

اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اِس خوف سے کہ

الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۱۰۰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ

کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں واقعی انسان بڑا تنگدل ہے۔ اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن

بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

نشانیاں ۱۱۳ آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ آئے تھے انکے پاس۔ پس فرعون نے

اٹھیں گے تو آنکھوں سے اندھے، کانوں سے بہرے اور زبان سے گونگے ہونگے۔

۱۱۲ روزِ حشر ان کی ذلت و رسوائی کی وجہ بیان کی جارہی ہے۔

۱۱۳ حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر کے مطابق تو ان آیات سے مراد آپ کے نو معجزات ہیں عصا، یدِ بیضا، سمندر کا شق ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈکوں کی کثرت، برتنوں وغیرہ کا خون سے بھر جانا (1)۔ لیکن مندرجہ ذیل حدیث جس کو ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کرنے کے بعد اسے حسن صحیح کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات سے مراد یہاں وہ احکام عامہ ہیں جو ہر نبی کی شریعت کی اساس ہیں۔ حدیث یہ ہے: عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهِ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ لَهٗ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَسَئَلَاهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَلَا تُوَلُّوا الْفِرَارَ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُوْدَ اَنْ لَا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ۔ (الحدیث) (2)

ترجمہ: صفوان بن عسال نے کہا کہ ایک یہودی نے اپنے ایک دوست کو کہا۔ چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس کے دوست نے کہا کہ تم اپنی زبان سے اسے نبی نہ کہو۔ اگر اس نے یہ بات سن لی تو بڑا خوش ہوگا۔ پس وہ دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے موسیٰ کی نو آیات بینات کے متعلق سوال کیا تو حضور ؐ نے جواب میں فرمایا وہ نو آیتیں یہ ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) کسی کو بے گناہ قتل نہ کرو۔ (۵) کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تا کہ وہ اسے قتل کرے۔ (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاکدامن پر تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) میدانِ جنگ کے دن بھاگو نہیں۔ اور اے یہودیو! تمہارے لیے خاص حکم یہ ہے کہ تم ہفتہ کے دن نافرمانی سے باز

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص336، دار الکتب المصریہ۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج5، ص101-100 2۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، ج2، ص142

اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ

آپکو کہا اے موسیٰ! میں تمھارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔[114] (کلیم نے جواباً) فرمایا (اے فرعون!) تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ

ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تُو

مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَ مَنۡ

ہلاک کر دیا جائیگا[115] پس اس نے ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اُسکے

مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّ قُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا

سارے ساتھیوں کو [116] اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ

الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا ﴿۱۰۴﴾ وَ بِالۡحَقِّ

اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئینگے تمھیں سمیٹ کر۔ اور حق کے ساتھ ہی

اَنۡزَلۡنٰهُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴿۱۰۵﴾

ہم نے اسے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے[117] اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (رحمتِ الٰہی کا) مژدہ سنانے والا اور (عذابِ الٰہی سے) ڈرانیوالا[118]

رہو۔ صفوان کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ جامع جواب سن کر انہوں نے حضورؐ کے دونوں مبارک ہاتھوں کو چوما اور دونوں مقدس پاؤں کو بوسہ دیا۔ اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔

[114] جب فرعون نے دیکھا کہ سارا ملک مصر صدقِ دل سے میری خدائی کو تسلیم کر رہا ہے، کسی نے کبھی اس پر اعتراض تک نہیں کیا بلکہ کسی کے دل میں خلش تک پیدا نہ ہوئی تو یہ موسیٰ جو ہمارے شاہی محل میں پل کر جوان ہوا اور پھر مدین کے جنگلوں میں سالہا سال روپوش رہا اور گلہ بانی کر کے گزر اوقات کرتا رہا، یہ آج بڑی بیباکی سے میری خدائی کا انکار کرتا ہے۔ ہو نہ ہو اس کا دماغی توازن درست نہیں۔ یقیناً کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کے اثر سے یہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔

[115] فرعون کے اس الزام کا جواب کلیم اللہ نے اس طرح دیا۔ مثبور کا معنی ہلاک شدہ۔ اور فرّاء نے کہا کہ مثبور اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو بھلائی کی توفیق سے محروم ہو اور شر و فتنہ اس کی فطرت ہو۔ قَالَ الْفَرَّاءُ مَصْرُوْفًا مَمْنُوْعًا عَنِ الْخَیْرِ مَطْبُوْعًا عَلَی الشَّرِّ۔ (1)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 498

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا۔ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ۱۱۹ اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا

آپ (کفار کو) کہیے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ بیشک وہ لوگ جنھیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ

اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے ۱۲۰ اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ

بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے ۱۲۱ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور

۱۱۶ فرعون تو میرے کلیم اور اس کی قوم کو مصر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ ہی کرتا رہا اور ہم نے اسے اس کے لاؤ لشکر سمیت بیک بینی و دو گوش پکڑا اور سمندر میں غرق کر دیا۔

۱۱۷ یعنی یہ کتاب سراپا حق ہے۔ اس میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہوئی۔

۱۱۸ یعنی آپ کا کام پیغامِ حق سنا دینا ہے۔ اگر کوئی آپ کی دعوت پر لبیک کہتا ہے تو یہ اس کی اپنی سعادت ہے۔ اور اگر کوئی پنبہ در گوش رہ کر اسے نہیں سنتا تو اس کی قسمت!

۱۱۹ انبیائے سابقین پر جو صحائف اور کتب نازل ہوئی تھیں ان کا نزول یکبارگی ہوا کرتا تھا لیکن قرآن کریم کے نزول کے لیے یہ اسلوب بدل دیا گیا۔ آیت میں اس کی وجہ اور اس کی حکمت بیان کی جارہی ہے۔

۱۲۰ اگر تم قرآن پر ایمان لاؤ گے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے، قرآن پر تمہارا کوئی احسان نہیں اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے، تو تم قرآن کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے، اپنا ہی زیاں کرو گے۔ اگر تمہارے جیسے ہٹ دھرم قرآن کی عظمت کو تسلیم نہ بھی کریں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب کہ وہ لوگ جو تم سے علم وفضل اور فہم وذکا میں فوقیت رکھتے ہیں۔ وہ اس کے حُسن معنوی پر سو جان سے فریفتہ ہیں اور جب کلامِ ربانی کی صدائے دلنواز وہ سنتے ہیں تو بے ساختہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ (1)

۱۲۱ اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کے کلمات بے ساختہ نکلنے لگتے ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کے نزول کا وعدہ سابقہ آسمانی کتابوں میں کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 499

يَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ (السجدة) قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا

یہ قرآن انکے خضوع و خشوع کو بڑھا دیتا ہے ۱۲۲ آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے

تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا

اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں ۱۲۳ اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ

تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔ اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن

ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانروائی میں ۱۲۴ اور نہیں ہے اس کا

لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

کوئی مددگار درماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی۔

۱۲۲ جب ان کے قلوب وارواح پر برکاتِ قرآنی کا نزول ہوتا ہے۔ جب رحمت کے انوار برستے ہیں تو ان پر وجد وکیف کا عالم طاری ہوجاتا ہے دل میں عجیب قسم کی حرارت اور روح میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ سر بارگاہِ رب العزت میں بیساختہ جھک جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہوجاتا ہے اور جوں جوں یہ قرآن سنتے ہیں ان کے جذباتِ نیاز میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۲۳ ایک رات حضور فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یادِ الٰہی میں مصروف تھے۔ اور یا اللہ، یا رحمٰن کا وِرد جاری تھا۔ ابو جہل نے سنا تو ٹھٹک کر رہ گیا اور کہنے لگا لو ادھر دیکھو! ہمیں تو ہمارے خداؤں کے نام لینے سے روکتا ہے اور آج خود دو خداؤں کو پکار رہا ہے۔ اس کے اسی شبہ کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دو الگ الگ ذاتوں کے نام نہیں بلکہ جس ہستی کا علمِ ذاتی اللہ ہے اسی کا اسمِ صفاتی الرحمٰن ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی نام ہیں۔ ہر نام اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کمال پر دلالت کرتا ہے۔ تو جب صفات اچھی ہیں اور جس ذات کی صفات ہیں وہ حمید و مجید ہے تو جو اسماء ان صفاتِ کمال پر دلالت کریں گے۔ ان کے اچھا ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حُسنیٰ میں سے جس اسم سے بھی اس کو پکارا جائے درست ہے۔ (1)

۱۲۴ بلاشبہ وہ ذاتِ پاک جو تمام صفاتِ کمال سے موصوف ہے اور تمام عیوب ونقائص سے منزہ ہے۔ اسی کے لیے ہر طرح کی تعریف زیبا ہے۔ اس آیت میں ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کی پُرزور تردید کردی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 501

سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآنِ مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اَور امعان نظر سے پڑھا ہے اَور میں تصدیق کرتا ہُوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اَور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے ۔

ابُوالفیض محمّد عبد الکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

ابوالفیض محمد عبدالکریم [illegible]
[illegible]

طبع جدید سرٹیفکیٹ

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" ہم تصدیق کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

قاری محمد اشرف خوشابی
رجسٹرڈ پروف ریڈر حکومت پنجاب (پاکستان)

مولانا ملک محمد بوستان
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

علامہ محمد زاہد سیفی
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

علامہ غلام علی
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

تحقیقاتِ لغویہ

کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
(ط)		
یطیروا	۷	۱۶۲
طعنوا	۹	۱۷
طوبیٰ	۱۳	۵۱
(ظ)		
ظالمین	۷	۲۴
ظن	۱۰	۵۸
ظہریا	۱۱	۱۳۷
(ع)		
الاعراف	۷	۶۰
المعتدین	۱۰	۱۰۴
عنید	۱۱	۸۷
استعمر	۱۱	۹۰
عصبة	۱۲	۱۵
عقبیٰ	۱۳	۴۴
معایش	۱۵	۲۱
عضین	۱۵	۶۳
یستحبون	۱۶	۱۰۳
(غ)		
اغویتنی	۷	۲۰
یغنوا	۷	۱۱۹
غیٰبت الجب	۱۲	۲۰
غیب	۱۶	۹۱
غسق	۱۷	۹۳
(ف)		
فرح فخور	۱۱	۲۱

کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
تفتؤا	۱۲	۱۱۸
تفنّدون	۱۲	۱۲۹
(ق)		
قسط	۷	۴۰
اقیموا	۷	۴۰
قصوی	۸	۵۳
قدم صدق	۱۰	۵
مستقر	۱۱	۱۳
فاستقم	۱۱	۱۵۹
قصص	۱۲	۴
مقنعی	۱۴	۵۵
قسطاس	۱۷	۴۸
مقامامحمودا	۱۷	۹۵
(ک)		
کافہ	۹	۵۹
کظیم	۱۲	۱۱۷
کفور	۱۱	۲۰
الکبیرالمتعال	۱۳	۲۲
اکنان	۱۶	۹۷
(ل)		
یلحدون	۷	۲۴۰
لطیف	۱۲	۱۴۲
(م)		
مکاء	۸	۴۳
مثلات	۱۳	۱۶

کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
المواخر	۱۶	۲۲
تمید	۱۶	۲۳
ملة	۱۶	۱۴۲
(ن)		
انزلنا	۷	۳۲
نصحوا	۹	۱۳۱
الندامہ	۱۰	۷۸
منیب	۱۱	۱۱۱
منضود	۱۱	۱۲۱
(و)		
وسوس	۷	۲۵
وجوھکم	۷	۴۱
موعظة	۱۰	۸۱
مستودع	۱۱	۱۳
ولی	۱۰	۹۰
توفیق	۱۱	۱۳۲
الوردالمورود	۱۱	۱۴۳
واردھم	۱۲	۳۵
موزون	۱۵	۲۰
متوسمین	۱۵	۴۸
(ہ)		
اِنّا ھدنا	۷	۲۰۳
اولم یھد	۷	۱۲۸
ھذاالادنی	۷	۲۲۵

اَلتَّحقِیقَاتُ النَّحوِیَّہ

فہرست مطالب

اللہ جل مجدہ

مطلب	نمبر سورۃ	نمبر آیت
توحید		
خلق وامر کا مالک وہی ہے۔	۷	۵۴
خلق وتدبیر امر کا مالک وہی ہے۔	۱۰	۳
" " " " "	"	۴
اللہ ہی حق ہے۔	"	۳۲
اللہ کی بات سچی ہے۔	"	۳۳
وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے۔	۷	۱۵۸
اسکے اسماء حسنیٰ ہیں، اسے اچھے ناموں سے پکاریں	۷	۱۸۰
وہی ایک خدا ہے	۱۰	۳
" " " " "	۱۰	۱۸
" " " " "	۱۶	۲
" " " " "	۱۶	۵۱
وہی عبادت کے لائق ہے	۱۰	۱۸
وہی ایک خدا ہے	۱۱	۱۴
اسی نے شمس وقمر کو نور بخشا ہے۔	۱۰	۵
(قمر کی منزلوں اور برجوں کے نام)	"	حاشیہ ۱۵، ۱۴
اسی نے زمین وآسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔	۱۱	۷، حاشیہ ۱۴
ہر چیز کا وہی رازق ہے	۱۱	۶
وہی اکیلا خالق اور قہار ہے	۱۳	۱۶
ہر چیز طوعاً وکرھاً اسی کو سجدہ کرتی ہے،	۱۳	۱۵
اسی نے تمہیں پیدا کیا اور پیر فرتوت بنایا۔	۱۶	۷۰
وہ حمد کا مستحق ہے۔	۱۷	۱۱۱
ہر چیز اس کی حمد کرتی ہے۔	۱۷	۴۴
دلائلِ توحید		
لباس برائے ستر وآرام وآرائش	۷	۲۶
آفرینشِ زمین وآسمان، گردش لیل ونہار	۷	۵۴
بادل، ہوائیں، بارش		حاشیہ ۶۷
آسمان، زمین، کائنات میں غور وفکر کی دعوت۔	۷	۱۸۵
نفسِ واحد سے سب انسانوں کو پیدا کیا اور سکونِ قلب کے لیے جوڑے بنائے	۷	۱۸۹
تمکین فی الارض اور اسبابِ زیست کی تخلیق۔	۷	۱۰
بحر وبر میں وہی سیر کراتا ہے۔	۱۰	۲۲
توحید پر حضرت جعفر صادق کی دلیل	۱۰	حاشیہ ۴۴

صفاتِ الٰہی

(۱) علمِ الٰہی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ تمھاری کسی بات سے غافل نہیں۔	۱۱	۱۲۳
علم الٰہی۔	۱۳	۸_۱۱
وہ ظالموں کے کرتوتوں سے غافل نہیں۔	۱۴	۴۲
وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔	۱۴	۳۸
" " " "	۱۶	۱۹
وہ اگلوں پچھلوں کو جانتا ہے۔	۱۵	۲۵_۲۴
وہ خلاق علیم ہے۔	۱۵	۸۶
تمھارا رب تمھیں خوب جانتا ہے۔	۱۷	۵۴
" " " "		۵۵
" " " "		۹۶

(ب) خالق و مالک

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔	۷	۱۱
خلق و امر کا وہ مالک ہے۔	۷	۵۴
		۷۰
زمین و آسمان میں اس کی حکومت ہے	۹	۱۱۶
زمین و آسمان کی ہر چیز کا وہی مالک ہے۔	۱۰	۵۵
" " " "	۱۰	۶۶
" " " "	۱۰	۶۸
" " " "	۱۴	۲
اس نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔	۱۴	۱۹
وہ خلاق علیم ہے۔	۱۵	۸۶
وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے۔	۱۵	۲۳

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔	۱۵	۲۱
وہ ہر چیز اندازے سے اتارتا ہے۔	۱۵	۲۱

(ج) وہ قادر ہے

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ ہر چیز پر قادر ہے	۸	۴۱
دلوں میں الفت وہی پیدا کر سکتا ہے	۸	۲۴
وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے۔	۱۰	۵۶
وہی نفع و نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا	۱۰	۱۰۷
" " "	۱۱	۳۴
ہر چیز کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔	۱۱	۵۶
واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ	۱۲	۲۱
جس کو چاہے گمراہ کر دے اور منیب کو ہدایت دیتا ہے۔	۱۳	۲۷
جسے گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔	۱۴	۴
" " "	۱۷	۹۷
جو چاہتا ہے کرتا ہے۔	۱۴	۲۷
تمھاری ظاہری و باطنی قوتیں اسی نے پیدا کی ہیں	۱۶	۷۸
جس کو ہم چاہتے ہیں کشادہ رزق دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں تنگ دست کر دیتے ہیں۔	۱۷	۳۰
کُن فیکون۔	۱۶	۴۰
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔	۱۶	۷۷

(د) رحمتِ الٰہی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔	۷	۵۶
اللہ کی رحمت پرہیزگاروں کے لیے ہے	۷	۱۵۶
" " " "	۷	۱۵۷
وہ صالحین کا ولی ہے۔	۷	۱۹۶
وہ صحابہ کے ساتھ رؤف رحیم ہے	۹	۱۱۷
وہ تواب رحیم ہے۔	۹	۱۱۸
اللہ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے۔	۱۰	۲۵
وہ حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔	۱۰	۳۵
وہ لوگوں پر بڑا فضل فرماتا ہے۔	۱۰	۶۰
میرا رب رحیم و ودود ہے۔	۱۱	۹۰
وہ غفور رحیم ہے۔	۱۲	۹۸
" " "	۱۶	۱۱۹
آپ کا رب مغفرت فرمانے والا ہے	۱۳	۶
تم اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔	۱۴	۳۴
میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب شدید ہے۔	۱۵	۴۹
" " " "	۱۵	۵۰
وہ رؤف رحیم ہے۔	۱۶	۷
وہ گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا	۱۶	۶۱
ہم یونہی عذاب نازل نہیں کرتے۔	۱۷	۱۵

(ہ) محبّتِ الٰہی

ھدایتِ ربانی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔	۹	۴
" " " "	۹	۷
اللہ تعالیٰ مطہرین سے محبت کرتا ہے۔	۹	۱۰۸
وہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔	۱۱	۱۱۵
وہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔	۱۱	۱۱۷
اللہ تعالیٰ متقیوں اور محسنوں کے ساتھ ہے	۱۶	۱۲۸
وہ منیبین کو ہدایت دیتا ہے۔	۱۳	۲۷
وہ کس کو ہدایت دیتا ہے۔ (سنّت الٰہی)	۱۶	۳۶
" " " "	"	۳۷
" " "		
جس کو وہ ہدایت دے، وہی ہدایت یافتہ ہے۔	۱۷	۹۷

اللہ تعالیٰ کن سے محبّت نہیں کرتا اور ہدایت نہیں دیتا۔

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ مسرفین سے محبت نہیں کرتا۔	۷	۳۱
وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔	۷	۵۵
وہ خائنوں سے محبّت نہیں کرتا۔	۸	۵۸
اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۹	۱۰۹
فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۹	۲۴
وہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔	۹	۹۶

(ذ) ذکرِ الٰہی کے آداب

(خ) متفرق

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم،

(ا) نبوت و رسالت

(د) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم

(ھ) حضور کی اطاعت

انبیائے کرام علیہم السلام

آدم علیہ السلام

۲۔ ابراہیم علیہ السلام

۳۔ داؤد علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
۴۔ شعیب علیہ السلام		
آپ کی دعوت اور ردِّ عمل	۷	۸۵ تا ۹۵ مع حواشی
اہلِ مدین کا علاقہ	۷	۸۵ مع حاشیہ
آپ کی دعوت کہ شرک سے باز آؤ اور خیانت چھوڑ دو اخلاقی رذائل سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ قوم کا ردِّ عمل اور اس کا انجام۔	۱۱	۸۴ تا ۹۵
دولت کے متعلق ان کا تصوّر۔	۱۱	۸۷
قوم کی دھمکی۔	۱۱	۹۱
آپ کا جواب۔	۱۱	۹۲
ان کا انجام۔	۱۱	۹۴
" " " " " " " "	۱۱	۹۵
اصحاب الایکہ۔	۱۵	۷۸
۵۔ صالح علیہ السلام		
آپ کی دعوت اور اس کا ردِّ عمل۔	۷	۷۳ تا ۷۹
نسب نامہ اور علاقہ	۷	۷۳ مع حاشیہ
اونٹنی بطور نشانی۔	۷	۷۳
سنگ تراشی اور فنِ تعمیر میں ان کی مہارت۔	۷	۷۴
انھوں نے ناقہ کو مار ڈالا اور اپنے پیغمبر کو چیلنج دے دیا۔	۷	۷۷

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ان پر عذابِ الٰہی کا نزول، ان کی بربادی پر	۷	۷۸
حضرت صالح کا اظہارِ حسرت و افسوس	۷	۷۹
مفلس اہلِ ایمان کے ساتھ ان کا مکالمہ۔	۷	۷۵
	۷	۷۶
آپ کی دعوت، قوم کا ردِّ عمل۔	۱۱	۶۱ تا ۶۸
آپ کی استقامت، آپ کا معجزہ۔	۱۱	۶۷
ظالم قوموں پر عذابِ الٰہی کا نزول۔	۱۱	۶۷
سرسیّد کی عجیب و غریب تاویل۔	۱۱	حاشیہ ۱۰۱
سنگ تراشی میں ان کی مہارت	۱۵	۸۱ تا ۸۴
۶۔ لوط علیہ السلام		
آپ کی دعوت اور قوم کا ردِّ عمل۔	۷	۸۰ تا ۸۴
آپ کے حالات اور علاقہ	۷	۸۰ مع حاشیہ
آپ پر تورات کا جھوٹا الزام اور اس کا رد۔	۷	۸۰ مع حاشیہ
اسلام میں لواطت کی سزا۔	۷	۸۴ مع حاشیہ
لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد اور آپ کا اضطراب۔	۱۵	۶۱ تا ۶۶
آپ کا ھؤلاء بناتی کہنے کا مقصد۔	۱۱	۷۸
آپ کی قوم کا اخلاقی انحطاط اور آپ کا اضطراب، قوم کا انجام۔	۱۵	۶۷ تا ۷۷

۷۔ موسیٰ علیہ السلام
۸۔ ہارون علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا۔	۷	۱۰۳
یہ کون سا فرعون تھا۔	۷	حاشیہ ۱۳۴
فرعون کو آپ کی دعوت اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ۔	۷	۱۰۵
فرعون کا معجزہ طلب کرنا اور آپ کا عصا اور یدِ بیضا دکھانا۔	۷	۱۰۶ و ۱۰۷ و
" " " " " " "	۷	۱۰۸
		حاشیہ ۱۳۷
آپ پر ساحر ہونے کا الزام۔	۷	۱۰۹
ملک پر قبضہ کرنے کا الزام۔	۷	۱۱۰
جادوگروں کی آمد۔ ان کا آپ سے مقابلہ اور شکست۔	۷	۱۱۱ تا ۱۱۹
حقیقتِ سحر	۷	۱۱۶
		حاشیہ ۱۴۱
کلیم کے ادب سے ساحروں کو ایمان نصیب ہوا۔	۷	۱۱۵
		حاشیہ ۱۴۲
(ساحروں کی حیرت انگیز استقامت)		۱۴۲
فرعون کا ظلم و تشدد پر آمادہ ہوجانا۔	۷	۱۲۷
آپ کا اپنی قوم کو اللہ سے مدد مانگنے اور صبر کرنے کی تلقین فرمانا اور آزادی کا وعدہ۔	۷	۱۲۸ و ۱۲۹

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
قوم فرعون کا طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا جانا لیکن ہدایت پذیر نہ ہونا۔	۷	۱۳۰ تا ۱۳۵
بدفالی پکڑنا۔	۷	۱۳۱
		حاشیہ ۱۶۲
آخرکار وہ غرق کر دیئے گئے۔	۷	۱۳۶
کمزور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا گیا	۷	۱۳۷
سمندر سے بخیریت گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام سے بت بنانے کا مطالبہ۔	۷	۱۳۸
آپ کی سرزنش	۷	۱۳۸ تا ۱۴۱
آپ کا طور پر جانا اور چالیس رات ٹھہرنا۔	۷	۱۴۲
صوفیاء کی چلہ کشی۔	۷	حاشیہ ۱۷۴
شوقِ دید کا اظہار۔	۷	۱۴۳ مع حاشیہ
چالیس رات کے بعد تورات کا ملنا جس میں نصیحت اور ہر قسم کی تفصیل تھی۔	۷	۱۴۵
آپ کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل کا بچھڑا بنانا اور اس کو پوجنا۔	۷	۱۴۸
طور سے واپسی اور حضرت ہارون سے تلخ کلامی۔	۷	۱۵۰
آپ کی امت میں اچھے لوگ بھی تھے۔	۷	۱۵۹
تیہ کے صحرا میں بارہ چشموں کا جاری کرنا	۷	۱۶۰

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
بنی اسرائیل پر مزید احسانات۔	۷	۱۶۰
بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم۔	۷	۱۶۱
ان کا انکار اور اس کی سزا۔	۷	۱۶۲
فرعون کی طرف آپ کی بعثت اور اس کا تکبر۔	۱۰	۷۵
جادوگر ہونے کا الزام۔	۱۰	۷۶
اقتدار حاصل کرنے کا الزام۔	۱۰	۷۸
مقابلہ کے لیے ساحروں کو دعوت	۱۰	۷۹
ساحروں کی شکست۔	۱۰	۸۰
" " " " " " "	۱۰	۸۱
" " " " " " "	۱۰	۸۲
اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین۔	۱۰	۸۴
" " " " " " "	۱۰	۸۵
" " " " " " "	۱۰	۸۶
اپنے رب سے کلیم کا شکوہ کہ تو نے فرعون کو بہ کرّ و فر عطا فرمایا ہے۔	۱۰	۸۸
فرعون کے لیے بددعا۔	۱۰	۸۸
فرعون کی غرقابی اور اس کا ایمان	۱۰	۹۰
" " " " " " "	۱۰	۹۱
اس کے بدن کو نجات ملنا۔	۱۰	۹۲
بنی اسرائیل پر عنایات اور ان کی ناشکری۔	۱۰	۹۳
موسیٰ علیہ السلام اور سلطان مبین۔	۱۱	۹۶ تا ۱۰۰
آپ کو بھیجا گیا تاکہ آپ اپنی قوم کو کفر کے اندھیروں سے نکالیں اور ایام اللہ کی یاد تازہ کریں۔	۱۴	۵ تا ۹
فرعون نے جب آپ کو مسحور کہا تو آپ نے دندان شکن جواب دیا	۱۷	۲۰۲

۹- نوح علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
آپ کی دعوت اور قوم کا جواب۔	۷	۵۹ تا ۶۴
آپ کی فرمائش اور قوم کا غرق ہونا۔	۷	۶۴
آپ کی ولادت، شجرۂ نسب۔ آپ پر	۷	۵۹
تورات کا الزام اور اس کا ردّ۔		حاشیہ ۷۹
رؤسائے قوم کی بہتان تراشیاں کہ آپ گمراہ ہوگئے اور پھر بھی آپ کی مشفقانہ نصیحتیں۔	۷	۶۰ تا ۶۴
اگر تمھیں میرا رہنا اور وعظ کرنا گراں ہو، تو تم سے جو بن آئے میرے خلاف کر گزرو۔	۱۰	۷۱
میرا توکل اپنے رب پر ہے۔	۱۰	۷۲
انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور غرق ہوگئے	۱۰	۷۳
آپ کی دعوت اور قوم کا ردّعمل۔	۱۱	۲۵ تا ۳۵
کفّار کا اہل ایمان کو حقیر جاننا۔	۱۱	۲۷
آپ کے نزدیک مفلس اہلِ ایمان کی قدر و منزلت۔	۱۱	۲۹
علمِ غیب ذاتی کی نفی۔	۱۱	۳۱
کشتی بنانے کا حکم۔ آپ کا کشتی	۱۱	۳۷
بنانا۔ کفار کا مذاق کرنا۔	۱۱	۳۸
طوفانِ نوح کی تحقیق	۱۱	۴۱
" " " " " " "		حاشیہ ۶۲
پسرِ نوح کے غرق ہونے کی وجہ حضرت نوح کی	۱۱	۴۲
بےبسی نہ تھی بلکہ اس کی اپنی بدبختی تھی۔	۱۱	۴۳

۱۲۔ یعقوب علیہ السلام

۱۳۔ یونس علیہ السلام

اسلام

اِنسان اور اُس کی عظمت کا قرآنی تصور

اوامر

بنی اسرائیل

(۱) انعاماتِ خداوندی

ان کے علمأ اور ان کا طریقۂ کار

سیاست

شرک کا ابطال

شریعت

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اعیان حکومت پر اہلِ بیت کی کفالت کی ذمہ داری۔	۱۷	۲۶ حاشیہ ۳۶
عمل صالح، نیک اعمال سے برائیاں زائل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔	۱۲	۵۶
اہلِ ایمان وتقویٰ کے لیے آخرت کا اجر بہتر ہے۔	۱۲	۵۷
جو دنیا میں ہی اپنے اعمال کا صلہ لینا چاہے اس کا حال۔	۱۷	۶۸
قبلہ		
کعبہ کے صحیح متولّی متقی ہیں۔ کفار متولّی نہیں بن سکتے۔	۸	۳۴
کفار کو مساجد آباد کرنے کی اجازت نہیں۔	۹	۱۷ تا ۱۸
کامل مومن اس کا متولی بن سکتا ہے۔	۹	حاشیہ ۲۵
مسجد حرام کی آبادی، حجاج کو پانی پلانا، ایمان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔	۹	۱۹
مسجد حرام کے داخلہ سے مشرکوں کو روک دیا گیا ہے۔	۹	۲۸
کیا کافر دوسری مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔	۹	حاشیہ ۳۷
قرآن کریم		
یہ ذکریٰ للمومنین ہے۔	۷	۲
یہ ہدایت اور رحمت ہے۔	۷	۵۲

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو۔	۷	۲۰۴ حاشیہ ۲۶۴
قرآن۔ بصائر۔ ہدایت اور رحمت ہے۔	۷	۲۰۳
قرآن وسنت کی پیروی کرو۔	۷	۳ حاشیہ ۳
کفار کہتے ہیں ہم بھی ایسی آیتیں بنا سکتے ہیں۔	۸	۳۱
سورت کے نزول سے اہل ایمان کا ایمان بڑھتا ہے۔	۹	۱۲۴
اور منافقوں کا نفاق بڑھتا ہے۔	۹	۱۲۵
قرآن کتاب حکیم ہے۔	۱۰	۱
قرآن صحیفہ ہدایت ہے۔	۱۰	حاشیہ ۷
تخلیقِ کائنات کی تفصیلات کا ریکارڈ نہیں۔	۱۰	حاشیہ ۷
قرآن میں الکتاب کی تفصیل منکرین کو چیلنج۔ اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرو۔	۱۰	۳۷ ۳۸
قرآن نصیحت ہے۔ دلوں کی بیماریوں کی شفاء۔ سراپا ہدایت ورحمت۔	۱۰	۵۷
نعمت قرآن عطا ہونے پر خوشی منانے کا حکم (میلاد شریف کا ثبوت)	۱۰	۵۸ مع حاشیہ
قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور جن کی وضاحت رب کریم نے خود فرمائی۔ منکرین کو دس سورتیں لانے کا چیلنج۔	۱۱	۱۳ تا ۱۴

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
کفار کو شیطان کا جواب۔	۱۴	۲۲
کفر کی مثال شجرۂ خبیثہ	۱۴	۲۶
انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اپنی قوم کو برباد کر دیا۔	۱۴	۲۸ و ۲۹
کفار کی چالیں بڑی زبردست ہیں۔	۱۴	۴۶
کفار کی دھمکی کہ وہ انبیاء کو اپنے ملک سے نکال دیں گے۔	۱۴	۱۳
جب کفار پر عذاب آئے گا تو مہلت مانگیں گے۔	۱۴	۴۴
اس کا جواب۔	۱۴	۴۴
" " " "	۱۴	۴۵
ظالموں کو ڈھیل دینے کی حکمت۔	۱۴	۴۷
ان کی کوہ برانداز مکاریاں اور خداوندی توڑ۔	۱۴	۴۶
انبیاء کے ساتھ استہزاء۔	۱۵	۱۱
انھیں چھوڑ دیجیے کہ دادِ عیش دیتے رہیں اور غلط توقعات میں پڑے رہیں۔	۱۵	۳
بدبختی کی نشانیاں۔	۱۵	۳
		حاشیہ ۴
بارگاہ رسالت میں گستاخی۔	۱۵	۶
انک لمجنون۔	۱۵	۶
ان کی گمراہی کا سبب۔	۱۵	۱۱
ان کی ہٹ دھرمی۔	۱۵	۱۴
" " " "	۱۵	۱۵
انھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔	۱۵	۹۱

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ان کے معبود مردہ ہیں	۱۶	۲۱
ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں	۱۶	۲۲
کیا کفار نزولِ عذاب کے منتظر ہیں۔	۱۶	۳۳
" " " "	۱۶	۳۴
(ب) اُن کے عقائد		
بیٹیا اللہ دیتا ہے اور وہ اس میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں	۷	۱۸۹ و ۱۹۰
ان کے بتوں کی بے بسی کا مفصل بیان۔	۷	۱۹۱
" " " "		۱۹۵تا
" " " "		۱۹۷
" " " "		۱۹۸
وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔	۷	۱۹۴ حاشیہ ۲۵۲
کون سی دُعا شرک ہے۔	۷	۱۹۴
بتوں کو تمھاری طرح بندہ کہنے کی حکمت۔	۷	حاشیہ ۲۵۳
یہ قرآن کو اساطیر کہا کرتے ہیں۔	۸	۳۱ مع حاشیہ
کفار کہتے ہیں کہ قرآن جادو ہے۔	۱۰	۲
وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان	۱۰	۱۸
وہ بتوں کو شفیع مانتے ہیں۔	۱۰	۱۸
وہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔	۱۰	۶۸
قیامت کا انکار کرتے ہیں۔	۱۱	۷
اقرار توحید کے باوجود شرک۔	۱۲	۱۰۶
ان کی بیع کا طریقہ اللہ کے لیے بیٹیاں اپنے لیے بیٹے۔	۱۶	۵۷تا۵۹

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا مدمقابل (ند) سمجھتے ہیں	۱۴	۳۰
بارگاہِ رسالت میں گستاخی۔ انک لمجنون	۱۵	۶

(ج) اُن کے اطوار

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی۔	۷	۳۷
بُرے کام کرتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ایسا حکم فرمایا ہے۔	۷	۲۸
دین ان کے نزدیک لہو ولعب کا نام ہے۔	۷	۵۱
تکلیف کے وقت ان کا نظریہ کہ ایسی تکلیفیں ان کے باپ دادا کو بھی آتی تھیں۔	۷	۹۵ حاشیہ ۱۲۴
اگر وہ ایمان لاتے اور متقی بنتے تو رزق کے دروازے کھل جاتے۔	۷	۹۶ حاشیہ ۱۲۵
دلائل کے باوجود وہ راہِ حق سے بدکتے ہیں اور غلط راہ پر دوڑ کر آتے ہیں۔	۷	۱۴۶
یہ ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ نہ سمجھتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔	۷ ۸	۱۷۹ ۲۲
" " " " " "	۸	۲۳
یہ راہِ حق سے روکتے ہیں! اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔	۷	۴۵
انھیں یقین ہے کہ غریب مسلمانوں کو رحمتِ الٰہی سے کچھ حصہ نہ ملے گا۔	۷	۴۹
اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر پتھراؤ کیا جائے۔	۸	۳۲
ان کی نماز کی کیفیت۔	۸	۳۵
وہ راہِ حق سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں۔	۸	۳۶

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ان کا انجام حسرت ہے۔	۸	۳۶
کفار بدترین ڈنگر ہیں۔ یہ عہد شکن ہیں۔	۸	۵۵
قرآن میں حسبِ خواہش ردوبدل کی کوشش کرتے ہیں۔	۱۰	۱۵ ۲۹
طوفان میں گھر جائیں تو خدا کو پکارتے ہیں۔	۱۰	۲۲
بچ جائیں تو پھر شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔	۱۰	۲۳
وہ حق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں تاکہ اس میں رخنہ پیدا کریں۔	۱۱ ۱۱	۱۹ حاشیہ ۳۳
یہ مومنوں کو حقیر سمجھتے ہیں	۱۱	۲۷
انبیاء کے ساتھ استہزاء۔	۱۳	۳۲
وہ آخرت سے زیادہ دنیوی زندگی کو پسند کرتے ہیں	۱۴	۳
وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔	۱۴	۳
وہ قرآن میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔	۱۴	۳
انھوں نے نعمت الٰہی کی ناشکری کی، اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔	۱۴	۲۸ و ۲۹
رسولوں کا استہزاء ان کی گمراہی کا سبب۔	۱۵	۱۲
انھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔	۱۵	۹۱
مشرکین کے طور طریقے۔	۱۶	۵۳ تا ۶۲
اگر صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ روگردانی کرتے ہیں۔	۱۷	۴۵ تا ۴۶

(د) ان کی نجات نہیں

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی ہرگز نجات نہیں۔	۷	۴۰ تا ۴۱
تکبر کرنے والوں کو آیات کے فہم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔	۷	۱۴۶
آیات کی تکذیب کرنے والوں کو سخت عذاب (استدراج)	۷	۱۸۲ تا ۱۸۳
جنھیں خدا گمراہ کر دے انھیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔	۷	۱۸۶
شیطان اپنے دوستوں کو مزید گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔	۷	۲۰۲
کفار پر اچانک عذاب۔	۷	۴
" " " " " " "	۷	۵
کفار و مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت۔	۹	۱۱۳

ان کا ہولناک انجام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ظالموں کی موت کی کیفیت۔	۷	۳۷
کفار ہلاکت کا انتظار کر رہے ہیں۔	۷	۵۳
کتنی بستیاں ہیں جن پر اچانک عذاب آیا۔	۷	۴
روزِ قیامت ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔	۷	۳۶ تا ۳۹
دوزخ میں پیاس کی شدت سے تڑپیں گے۔	۷	۵۰

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس عذاب کی وجہ۔	۷	حاشیہ ۶۵
برباد ہونے والی قوموں کے ذکر کے بعد موجودہ قوموں کا ذکر۔	۷	۹۷ تا ۱۰۰
آیات کی تکذیب کرنے والوں کو سخت عذاب۔	۷	۱۸۲ تا ۱۸۳
کفار کے معبودان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔	۱۰	۲۸
دنیا بھر کا مال بطور فدیہ دیں گے قبول نہ ہوگا۔	۱۰	۵۴
وہ آتشِ جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔	۱۱	۱۵ و ۱۶
ظالموں پر اللہ کی لعنت۔	۱۱	۱۸
وہ ظالم کون ہیں۔	۱۱	۱۹ تا ۲۲
فرعون اپنی قوم کو آگ میں لے جائیگا۔	۱۱	۹۸
کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔	۱۱	۱۰۷
جو اللہ کی بات نہیں مانتے۔	۱۳	۱۹
جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو توڑتے ہیں	۳	۲۵
زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان پر لعنت۔	۱۳	۲۵
ظالموں کا حالِ زار۔		۴۲ تا
" " " " " " "	۱۴	۴۳
زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ لباس تارکول کا ہوگا۔	۱۴	۴۹ تا ۵۰
کفار کا اظہارِ حسرت۔	۱۵	۲
گمراہوں کے لیے جہنم جس کے سات دروازے ہیں۔	۱۵	۴۳ تا ۴۴

	نمبر سورۃ	نمبر آیت		نمبر سورۃ	نمبر آیت
گناہ کا انجام	۱۶	۲۴ تا	اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔	۸	۱۹
		۲۷	اگر تقویٰ اختیار کرو گے تو نعمتِ فرقان	۸	۲۹
کفار کی موت کا المناک منظر۔	۱۶	۲۸	عطا کی جائے گی۔		حاشیہ ۳۵
ان کے ساتھ بتوں کا مکالمہ اور	۱۶	۸۶ تا	مومنین کی صفات اور ان کے مدارج۔	۸	۲
ان کی حالتِ زار۔		۸۸	(ذکر، تلاوت، توکل، نماز، انفاق مال)		۳ تا
قیامت کے دن انھیں اندھا، بہرا کر			" " " " " "	۸	۴
کے اٹھایا جائے گا۔	۱۷	۹۷	ضعف اور خوف کی حالت میں	۸	۲۶
ہر آن آنچ تیز کر دی جائے گی۔	۱۷	۹۷	اللہ تعالیٰ نے تمھاری مدد فرمائی۔ رزقِ		
			طیب دیا۔ اس کے احسان کو یاد کرو۔	۸	۲۶
(و) مومنین و متقین			اہلِ ایمان کے لیے مال و اولاد بڑی آزمائش		
مومنین کو خوف و حزن نہیں۔	۷	۳۵	ہیں	۸	۲۸
صالحین کی قیامت کے روز عزت افزائی۔	۷	۴۲ تا	متقی لوگوں کے لیے انعامات خداوندی،		
		۴۳	نورِ فرقان، تکفیرِ سیئات، بخشش۔	۸	۲۹
ان کے سینے کینے سے پاک کر دیے			مومن کافر رشتہ داروں کو اپنا ولی نہ بنائے۔	۹	۲۳
جائیں گے۔	۷	۴۳	مومن ہر چیز سے زیادہ اللہ، اس کے رسول		
جنتیوں اور دوزخیوں کا مکالمہ۔	۷	۴۴ تا	اور جہاد سے محبت کرتا ہے۔	۹	۲۴
		۴۵	مومنین کے اوصاف۔	۹	۷۱
دوری آواز سننے میں مانع نہیں۔	۷	۴۴	ان سے اللہ کا وعدہ۔	۹	۷۲
		حاشیہ ۵۷	رضائے الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے۔	۹	۷۲
اہلِ اعراف کے حالات۔	۷	۴۶ تا	اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آزماتا ہے۔	۹	۱۶
		۴۹	اہلِ ایمان نے جان و مال سے جہاد کیا۔ سب		
متقین کو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے			بھلائیاں اور فلاح ان کے لیے ہے۔	۹	۸۸
تو ان کا طریقہ کار۔	۷	۲۰۱	مومنین کی صفات۔	۹	۱۱۲
تقویٰ اور ایمان خوشحالی کا باعث ہیں۔	۷	۹۶	قدرتِ الٰہی کی نشانیاں مومنین کے		
اپنی عاجزی کا اعتراف مومن کی امتیازی صفت	۷	۸۹	لیے ہیں۔	۱۰	۶
ہے۔		حاشیہ ۱۱۶			

معاشیات

فرہنگ

نمبر شمار	لفظ	معنی و مفہوم	صفحہ	جلد	حاشیہ
1	کودن	کند فہم، احمق	11	2	9
2	روئیدگی	اُگنا، بڑھنا	13	2	12
3	سیمابی فطرت	بے قرار فطرت	17	2	23
4	پرکاہ	بہت ہلکا، معمولی	21	2	30
5	زمزمہ سنج ہوں گے	راگ الاپ رہے ہوں گے، زبان سے اظہار کر رہے ہوں گے	31	2	56
6	ڈونگیا ناؤ	چھوٹی کشتی	45	2	87
7	سورج کا اوتار	سورج کا نمائندہ، ولی	65	2	134
8	بیگار	جبری مشقت، بلا معاوضہ مزدوری	65	2	136
9	زناٹے کا چپت	زوردار تھپڑ	69	2	146
10	کینچلی	جھلی	103	2	232
11	مرتاضوں	ریاضت کرنے والوں	107	2	242
12	بستگان فتراک	تسمے اور ڈور سے بندھے ہوئے	126	2	تعارف
13	انقباض طبع	طبیعت کا خوش نہ ہونا، مائل نہ ہونا	131	2	7
14	بخت یاوری	خوش نصیبی	205	2	65
15	دل آویزیوں	دل کو بھانے والی	206	2	65
16	بزرجمہر	ایک شخص کا نام، عقلمند	219	2	80
17	فضیحت	بدنامی، رسوائی	225	2	96
18	گھنگھور گھٹائیں	کالے بادل	296	2	52
19	نغز بیاں	بیان کے اعلیٰ اسلوب والے	300	2	61
20	تفحص	تلاش و جستجو	300	2	62

21	بازہے	کھلا ہے	307	2	77
22	خورسند کرنا	شادماں، خوش کرنا	316	2	91
23	ارجمند	رتبے والا، قدرومنزلت والا	316	2	93
24	غازہ	پوڈر	340	2	7
25	ملول ہوا	غمگین ہوا	358	2	55
26	برگشتہ کرنا	گمراہ کرنا	373	2	96
27	نحاس	تانبا	383	2	121
28	شوریدہ سر	دیوانہ	398	2	163
29	جانگداز	جان لیوا	401	2	تعارف
30	نوامیس فطرت	فطرت کے قوانین، ضابطے	402	2	ایضاً
31	سرسبد	تازہ ڈالی	402	2	ایضاً
32	مدارالمہام	وزیراعظم، حاکم اعلیٰ	402	2	ایضاً
33	خرجی	بوری، تھیلا	404	2	ایضاً
34	دادودہش	بخشش	404	2	ایضاً
35	کروفرّ	شان وشوکت	405	2	ایضاً
36	بَنیا	کنجوس	407	2	ایضاً
37	کال	قحط	407	2	ایضاً
38	غمازی کرنا	خبر دینا	411	2	7
39	پچکارنا	پیار کرنا	413	2	15
40	روح فرسا	روح تباہ کرنے والا، خطرناک	415	2	27
41	گوہر شہوار	انتہائی قیمتی گوہر، موتی	418	2	36
42	ٹھٹ کے ٹھٹ	بہت زیادہ بھیڑ	419	2	38
43	جلودار	مصاحب	419	2	38
44	لطائف الحیل	وہ بہانے جو دوسروں کو ناگوار نہ گزرتے ہوں	420	2	46
45	خلجان	اندیشہ	421	2	48

46	دریدہ	پھٹی ہوئی	425	2	52
47	ہن	دولت، مال ودولت، طلائی سکہ	432	2	70
48	دام تزویر	مکروفریب کا جال	437	2	84
49	کلنک کا ٹیکہ	بدنامی کا داغ	449	2	110
50	علائق دنیوی	دنیوی بکھیڑے	450	2	115
51	فسوں کاری	جادو	456	2	130
52	صبروشکیب	صبروتحمل	461	2	143
53	اندیش	سوچنے والا	462	2	144
54	عشوہ طرازیاں	نازوادا	468	2	تعارف
55	سنسان	ویران، بے آباد	472	2	11
56	ادھیڑبُن	سوچ بچار	486	2	42
57	خاراگداز	پتھر کو پگھلا دینے والا	514	2	32
58	افتقار	فقر	522	2	51
59	خوگر	عادی	522	2	52
60	مے پندار	تکبروغرور کی شراب	524	2	55
61	کالبد	جسم	540	2	28
62	گنج شائیگاں	بہت بڑا خزانہ	549	2	58
63	کلیلیں کرتے	اچھلتے کودتے	557	2	11
64	نقرے	سفید	558	2	13
65	پتانا	ڈولنا	562	2	24
66	انتداب	تولیت، عارضی حکومت کرنے کا اختیار	641	2	12
67	ترازوکردیا	آرپار کردیا	641	2	12
68	سوہان روح	روح کو تکلیف دینے والا	641	2	12
69	اٹھلاتے پھرتے	نازوادا سے چلتے رہتے	671	2	79

ضروری یادداشت